الفوز المجاہد

محمد رفیق طارق نے

بقلم ۱۱ ایم اے علوم اسلامیہ

۱۱ نومبر ۱۹۸۲

منشوراتِ علمیہ

تصانیف مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی

خطبات اول	مجلد فوم پلاسٹک		۲۴/-
" دوم	"	"	۲۴/-
خطیب	"	"	۲۷/-
واعظ اول	"	"	۲۴/-
" دوم	"	"	۲۴/-
" سوم	"	"	۲۴/-
" چہارم	"	"	۲۴/-
سعید الواعظین	"	"	۲۴/-
آنا جانا نور کا	"	"	۲۲/۵۰
عورتوں کی حکایات	"	"	۲۷/-
سچی حکایات اول	مجلد ڈسٹ کور		۱۶/۵۰
" دوم	"		۱۸/-
" سوم	"		۱۸/-
" چہارم	"		۱۵/-
" پنجم	"		۱۵/-
مثنوی کی حکایات	"		۱۶/۵۰
شیطان کی حکایات	"		۱۲/-
عجائب الحیوانات (جانوروں کی دنیا)	"		۱۵/-
نماز حنفی مدلل (فقیہ اعظم کوٹلوی)	مجلد پارچہ		۱۶/۵۰
الفاروق	مجلد ڈسٹ کور		۲۱/-
سنی بہشتی زیور (مفتی خلیل احمد برکاتی)	مجلد فوم پلاسٹک		۲۷/-
ہمارا اسلام	"	مجلد پارچہ	۱۵/-

فرید بک سٹال لاہور کی یک سالہ اشاعتی خدمات ایک نظر میں

طبِ روحانی		۶/۶۰
فتاویٰ عالمگیری		۶۵۰/-
حجۃ اللہ البالغہ		۶۰/-
زلف و زنجیر اول		۲۴/-
ذکر بالجہر		۱۳/۵۰
کوثر الخیرات	(الشیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی)	۳۰/-
نسیمِ رحمت		۵/-
اشعۃ اللمعات اول	(ترجمہ از مولانا محمد سعید نقشبندی)	۶۵/-
مسندِ امامِ اعظم		۴۲/-

سالِ رواں کے اشاعتی منصوبے اپنے تکمیلی مراحل میں

اشعۃ اللمعات جلد دوم، سوم
بخاری شریف مکمل مترجم تین جلدوں میں
ریاض الصالحین مترجم مکمل دو جلدوں میں
ترمذی شریف " " "
ابوداؤد شریف " تین جلدوں میں
مثنوی مولانا روم مترجم و محشّٰی مکمل چھ جلدوں میں
تذکرۃ الاولیاء
دلائل المسائل ، فقہ الفقیہ (فقیہ اعظم کوٹلوی)
علمائے اہلِ سنت کی حکایات (ابوالنور کوٹلوی)
جامع المعجزات (صاحبزادہ مولانا عطاء المصطفٰے کوٹلوی)
شمعِ شبستانِ رضا مکمل ۴ جلد مجلد فوم پلاسٹک
فیوضِ یزدانی
روحِ تصوف (از سید خورشید احمد گیلانی)

علاوہ ازیں دیگر اداروں کی اسلامی مطبوعات بھی تھوک پرچون نرخوں پر ہمارے ہاں دستیاب ہیں، رابطہ کے لئے تحریر کیجئے:

فرید بک سٹال ۴۰ — اردو بازار، لاہور

اشعۃ اللمعات

(میری نگاہ میں)

آ محمد مصطفٰے کے نور کی مشکوٰت دیکھ
آ بصیرت کی نگہ سے اُن کی سچّی ذات دیکھ
دیکھنا ہو گر سعید نقشبندی کا کمال
آج اے قربان اُس کی اشعۃ اللمعات دیکھ

علامہ قربان نظامی

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صدق اللّٰہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد اوّل

اشعۃ اللمعات

شرحِ مشکوٰۃ

تصنیف منیف:

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی
خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

مَا آتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد اوّل

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

★

کتاب ——— اشعۃ اللمعات اردو جلد اوّل

تصنیف منیف ——— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم و حواشی ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کتابت ——— حاجی محمد داود حضرت کیلیانوالہ شریف

پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

ناشر ——— فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

سال اشاعت ——— جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ
اپریل ۱۹۸۱ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— جنرل پرنٹرز ۲/۲۴ ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور

قیمت ——— ۶۵ روپے

★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر فہرست مضامین کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ

اردو جلد اوّل

فہرست سوانح حضرت شیخ قدس سرہٗ

مفصل فہرست کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات اردو

جلد اوّل

ترتیب وتدوین فہرست

بقلم بندہ ضعیف محمد سعید احمد
نقشبندی عفی عنہ، مترجم کتاب
۳۱ر مارچ ۱۹۸۱ء

نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

عرضِ مترجم غفرلہٗ

راقم الحروف محمد سعید احمد نقشبندی مجددی ابن حضرت میاں فتح محمد مرحوم و مغفور ۱۹۳۳ء میں بمقام چھتیاں قبراں یا برہمیری، مضافات نوشہرہ (مقبوضہ کشمیر) ضلع میرپور میں پیدا ہوا۔ چار سال کی عمر میں والدِ مرحوم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد مرحوم کی وفات کے ساتھ ہی پُرآشوب دور کا آغاز ہوا۔ جو ۱۹۴۷ء کی پاک و ہند تقسیم تک طوالت اختیار کر گیا۔ اس اثنا میں راقم نے اپنے برادرِ کلاں مولوی محمد عبداللہ صاحب (فاضل دیوبند) کی انتھک کوششوں سے زلیخا تک فارسی نظم اور سکول میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کر لی۔

اوائل ۱۹۴۸ء میں وطن مالوف سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پاکستان آکر مزید غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑا اور خانہ بدوشی کی سی کیفیت میں دس گیارہ ماہ گذر گئے۔ راقم کا خاندان ایک علمی اور دینی خاندان تھا۔ والد مرحوم فارسی نظم پر مکمل عبور رکھنے کے علاوہ ضروری شرعی احکام و مسائل سے بھی پوری طرح آگاہ۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور متشرع بزرگ تھے۔ آپ کے دوسرے چچا بھائی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی کچھ اسی نوعیت کے نیک اور پارسا لوگ تھے۔ راقم کے نانا مولانا الحاج نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید علماء اسلام کے بے لوث مبلغ اور عارف کامل جناب قاضی صاحب اعوان شریف قدس سرہٗ اور مرشد برحق جناب قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے فیض یافتہ بزرگ تھے۔ اس خاندانی اثر کے پیش نظر کچھ اعزہ و اقارب نے راقم کو کسی دینی مدرسہ میں داخل کرنے کا پروگرام طے کیا۔ اس منصوبے کا علم جب راقم کو ہوا تو بچپن کے لاابالی پن کے باعث جائے قیام سے بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر خدا کی شان کہ علم دین سے فرار ہو کر جہاں جا کر رات پڑی وہ دار العلوم محمدیہ رضویہ بھکھی تھا پھر مقلب القلوب ذات نے معاً دوسرا کرشمہ یہ دکھایا کہ دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ پر پہلی نگاہ پڑنے سے ہی دل کی کیفیت بدل گئی۔ نفرت کی جگہ شوق نے لے لی۔ بے چینی و اضطراب کے بجائے تسکین اور اطمینانِ قلب نصیب ہو گیا۔ صبح اٹھ کر ابتدائی کتابیں نحو میر وغیرہ شروع کر لیں۔ پھر ربِ قدوس نے بہت بڑا اور اصل فضل و کرم یہ کیا کہ تعلیم کو شروع کیے ابھی صرف دو تین ماہ گذرے تھے کہ جامعہ کے بانی و مہتمم اور استاذ جناب قبلہ سید جلال الدین شاہ

صاحب دامت برکاتہم کے ایما و ترغیب سے سراج السالکین قدوۃ العارفین حضرت قبلہ جناب سید نور الحسن البخاری الکیلانی قدس سرہٗ کی اعظم خلیفہ مجاز سند الکاملین عمدۃ العارفین قطب زمان حضرت میاں شیر محمد صاحب قدس سرہٗ الاقدس کی بیعت کا شرف حاصل ہوگیا۔ یہ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے خصوصی توجہ سے نوازا اور اپنے معمول شریف کے مطابق سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا ابتدائی سبق تعلیم فرمایا۔ مرشدِ کامل سے تعلق و نسبت اور بیعت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی قدر و قیمت و اہمیت اربابِ سلوک ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ۔ حضرت علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ۔ رومی فرماتے ہیں ؎

بندۂ یک مردِ صاحب دل شوی — بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی

علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے کہا۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے — بوسہ زن بر آستانِ کاملے

بیعت سے چند ماہ بعد ہی حضرت مرشدِ گرامی قدس سرہٗ عارضۂ وجع المفاصل میں مبتلا ہو گئے اور مسلسل ڈھائی سال بیمار رہ کر نومبر ۱۹۵۲ء میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

مگر دورانِ علالت بھی مرشدِ برحق کے فیضان کا سمندر متلاطم و موجزن اور پورے جوبن پر رہا اور طالبانِ حق نسبتِ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے اس گنجِ گراں مایہ سے جھولیاں بھرتے رہے۔ راقم کو چونکہ صحبتِ شیخ کا بہت کم وقت ملا۔ اس لیے طریقت و سلوک کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو سکا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

حضرت قبلہ قدس سرہٗ کے وصال مبارک کے بعد آپ کے خلف الرشید اور فرزند اکبر پیرِ طریقت حضرت قبلہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ دامت برکاتہم العالیہ۔ اپنے والد گرامی کی تعلیمات و معمولات کے مطابق مسترشدین کے لیے وجہ ہدایت و فیض بنے ہوئے ہیں۔

بھکھی میں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد گوجرانوالہ، راولپنڈی، لاہور، لائل پور، منڈی ہارون آباد، بورے والہ اور پھر بھکھی کے مدارس سے اکتسابِ علم کرنے کے بعد بالآخر ۱۹۵۵ء کے اوائل میں جامعہ نعیمیہ لاہور سے دورہ حدیث پاک کی سند حاصل کی اور یہیں تیاری کر کے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے ساتھ ہی منڈی

واستاذی جناب قبلہ مفتی محمد حسین نعیمی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہ واناض علینا من برکاتہ وحسناتہ نے کمال شفقت و مہربانی اپنے جامعہ میں مدرس مقرر کیا۔ اور ہدایہ آخرین جامی اور ملاحسن وغیرہ کتب میرے ذمہ لگائیں۔ ایک سال بعد پیرِ طریقت رہبر شریعت مخدوم اہلسنت حضرت سید معصوم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۹۵۴ء میں جامعہ نعمانیہ لاہور میں مدرس مقرر ہوا۔ یہاں ساڑھے آٹھ سال تدریس کے بعد مسند المحدثین، عمدۃ المفسرین مفتی اعظم پاکستان جناب سید ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طلب کرنے پر آپ کے دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ یہ سلسلہ فروری ۱۹۷۰ء تک جاری رہا۔ ادھر ۱۹۶۹ء کے اواخر میں جب کہ راقم جامع مسجد عارفِ حقانی عالم ربانی عمدۃ المحدثین حضرت شاہ محمد غوث قادری رحمۃ اللہ علیہ میں خطیب تھا، عارضہ ذیابیطس میں مبتلا ہو گیا۔ ہر قسم کے علاج معالجے کے باوجود تادم تحریر یہ مرض پوری شدت اور آب و تاب سے لاحق و موجود ہے۔ جس سے راقم کے اعصاب و قویٰ ناگفتہ بہ حد تک مضمحل اور کمزور پڑ چکے ہیں ؎

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

مسلسل سولہ سترہ برس تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ادب، معانی، صرف نحو وغیرہ علوم کی تدریس کی بدولت دین کی قدر سے شدھ بدھ پیدا ہو گئی۔ مجھ نالائق پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تھا۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

قرآن و حدیث میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام اور امر معروف و نہی منکرات کی جس انداز میں ترغیب دی گئی ہے اور اس کے فضائل و مناقب اور تاکید و اہمیت بیان کی ہے۔ اس کے پیش نظر اپنی ہیچ مدانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کی صورت میں بھی اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائی چنانچہ خطابت، طبع، امامت، جماعت کی ذمہ داری، شغل تدریس اور متنوع گھریلو پریشانیوں کے باوصف ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک کے دوران بدایۃ الہدایہ (عربی) منہاج العابدین (عربی) مصنفہ حجۃ الاسلام مرشد انام حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کے اردو تراجم کیے۔ نیز اسی عرصہ میں اصلاح عقائد کے لیے مسلک امام ربانی تالیف کی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ کے مکتوبات فارسی کی طباعت، اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت کی کتاب احکام شریعت کے عربی حصے کا اردو ترجمہ، مفصل فہرست جو ساری کتاب کا گویا خلاصہ ہے، تالیف کیا۔ ۱۹۷۰ء سے اوائل ۱۹۷۲ء تک کے عرصہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ہر سہ دفتر فارسی کو اردو میں منتقل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ سب کتب عرصہ ہوا طبع ہو کر اہل علم سے [illegible] حاصل کر چکی ہیں۔ والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔

۱۹۷۳ء میں کیمیائے سعادت فارسی تصنیف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کیا۔
۱۹۷۴ء میں ناچیز کو حرمین شریفین پہنچنے اور حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی اور پچیس دن دیار حبیب میں قیام کا موقعہ ملا۔

ایک دن مواجہہ شریف کے سامنے بارگاہِ اقدس نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کھڑا تھا کہ یکایک اس کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی کے ترجمۂ اردو کا خیال القا ہوا اور دل میں عجیب قسم کی مسرت بھی محسوس ہوئی۔ پاکستان واپس پہنچ کر ہر روز ترجمہ شروع کرنے کا ارادہ کرتا مگر اپنے فرزند عزیز مسمیٰ بہ محمد جمیل احمد کی بیماری اور تیمار داری مانع آتی۔ اس کی بیماری روز بروز شدت اختیار کرتی گئی۔ بالآخر وسط ۱۹۷۶ء ماہ رجب المرجب میں ہمیں جدائی و مفارقت کے رنج و الم میں ڈال کر بعمر ۲۳½ سال خالق حقیقی سے جا ملا۔
۱۹۷۷ء میں اس کتاب کے ترجمہ کا کام شروع کیا۔ واضح ہو کہ راقم ستمبر ۱۹۶۸ء میں جامع مسجد امام الاولیاء داتا گنج بخش قدس سرہٗ میں امام پھر خطیب مقرر ہوا۔ یہاں کی امامت و خطابت سے متعلقہ مصروفیات کا پھیلاؤ بڑا ہی عجیب نوعیت کا ہے، تصنیف و تالیف کے کام کے لیے جس قسم کے سکون، تنہائی اور فرصت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بہت کم میسر ہے۔ بہرصورت ترجمہ کا تھوڑا بہت کام کرتا رہا تا آنکہ ۱۹۷۸ء میں راقم کا دوسرا لخت جگر محمد فاروق احمد مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر جولائی ۱۹۷۹ء میں راقم کی دختر نیک اختر قرآن حکیم کے آٹھ پاروں کی حافظہ قاریہ ایک دلدوز حادثہ کا شکار ہو کر جامِ شہادت نوش کر گئی۔ اس کے بعد ۱۹۸۰ء میں مزید کچھ ایسے اندوہناک واقعات پیش آئے جو رنج و الم اور شدتِ کرب میں سب سے سبقت لے گئے۔ بعض حلقے مجھے سست گردانتے ہوئے طعنہ زن ہیں مگر ع

چوں ندالستند حقیقت رہ افسانہ زدند

اور

کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

بہرحال ہجوم مصروفیات، تعلیم و تعلم کے شغل اور مصائب و آلام کی ان حشر سامانیوں کے باوجود ترجمے کا یہ عظیم علمی کام جاری ہے اور محض تائید غیبی سے جاری ہے۔ ترجمہ کی جلد اول تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔
بحمد اللہ علیٰ رغم زمانہ۔ بپایاں آمد این دلکش فسانہ۔
میری پوری کوشش ہوگی کہ کم سے کم وقت میں پوری کتاب اشعۃ اللمعات کا ترجمہ قارئین کے

ہاتھوں میں پہنچے۔

راقم الحروف اُن اساتذہ اور علماء و اکابرِ ملت کا تہ دل سے مشکور ہے۔ جنہوں نے بکمال شفقت و مہربانی اس ترجمے کی صحت کی توثیق و تصدیق فرمائی۔ ان میں وہ اکابرین بھی ہیں جو بیس بیس بلکہ بعض چالیس چالیس سال سے اہل سنت وجماعت کے مرکزی مدارس اور جامعات میں شیوخ حدیث ہیں اور صحاح ستہ اور اُن کی شروح اور تفسیر و فقہ و دیگر علوم میں درک کامل رکھتے ہیں اور ان کے تلامذہ ملک اور بیرونِ ملک خدمتِ اسلام اور مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کی تبلیغ واشاعت میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں اور اپنا نام و مقام پیدا کر چکے ہیں۔ ان اکابر کی تصدیق و توثیق راقم کے لیے مایۂ صد افتخار ہے اور قارئین کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ مزید طمانیت کا موجب ہے۔

ناشر کتاب

ابتداء میں راقم کا خیال تھا کہ اس کتاب کی طباعت اور نشر و اشاعت میں اپنے اہتمام میں کروں گا مگر بعد میں مخدوم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب، فاضل جلیل عالم نبیل استاذ العلماء جناب مولانا عبد الحکیم شرف صاحب اور جناب صاحبزادہ میاں زبیر احمد صاحب (مالک مکتبہ رضا پبلیکیشنز حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے حکم کی تعمیل اور کچھ اس نیک کام کی تکمیل کے لیے اپنے اوپر زیادہ پابندی عائد کرنے کی نیت سے ترجمہ کے جملہ حقوق مکرمی جناب اعجاز احمد شاہ صاحب مالک فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور کو دے دیے ہیں۔ شاہ صاحب موصوف دینی کتب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں بڑے مبارک اور بلند عزائم رکھتے ہیں۔ اس سے قبل فقہ کی مشہور و معروف اور ضخیم کتاب فتاویٰ عالمگیری اُردو شائع کر چکے ہیں۔ ترجمہ اشعۃ اللمعات جو غالباً چھ ضخیم جلدوں میں ہوگا کے علاوہ بخاری شریف ترمذی شریف اور کچھ دوسری کتب حدیث کے تراجم کرا رہے ہیں۔ اس میں سے کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔ فخر اہل سنت حضرت علامہ ابو النور محمد بشیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی بہت سی تالیفات اچھے معیاری انداز میں شائع کر چکے ہیں۔ اس ہولناک گرانی کے دور میں طباعت اور نشر و اشاعت کے مصارف آسمان سے باتیں کر رہے ہیں جناب شاہ صاحب موصوف فیاض طبع انسان ہیں۔ انہوں نے کشادہ دلی اور پوری لگن و جذبے سے معیاری دینی کتب کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، وہ اپنے نیک مقاصد میں انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب و کامران ہوں گے۔

تصنیف وتالیف اور معیاری کتب کے تراجم کا شغف وذوق رکھنے والے علماء اہل سنت کو چاہیے کہ شاہ صاحب کی حوصلہ افزائی کریں اور بھرپور تعاون فرمائیں۔ اہل قلم علماءِ اہل سنت کے لیے گردوپیش کے حالات سامنے رکھتے ہوئے بھی تصنیف وتالیف اور تراجم کیطرف توجہ منعطف کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت اور بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

دعا ہے کہ رب العزت امورِ خیر کی سرانجام دہی میں مدد و نصرت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا وھو لانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

محرر سطور بندہ رب غفور محمد سعید احمد نقشبندی غفرلہٗ
خطیب وامام جامع مسجد قطب الاولیاء حضرت داتا گنج بخش
رحمۃ اللہ علیہ۔ ناظم وخادم علم حدیث جامعہ نعمانیہ لاہور
پاکستان
۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ۔
۴ر اپریل ۱۹۸۱ء۔

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم
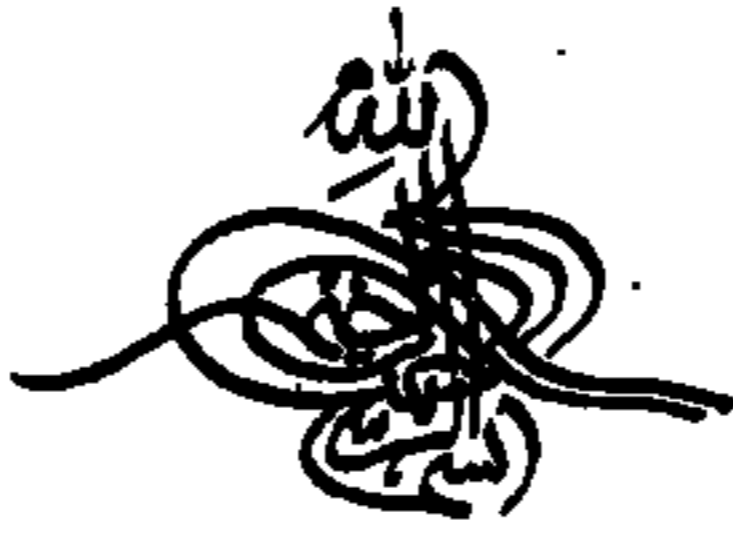
تقریظات وتصدیقات علماءِ اعلام وفضلاءِ عظام شیوخِ حدیث دامت برکاتہم وفیوضاتہم علٰی رؤس الانامِ الٰی یومِ القیامِ

تقریظ العالم العلامۃ المفرد والفاضل الحبر الامجد شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد مہر الدین مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

جامعِ اصول وفروع، غوّاصِ حقائقِ شرعیہ، واقف اسرارِ جلّی وخفی، ماہر دقائقِ قرآنیہ، عالم کوائف حدیث نبویہ حضرت مولانا شیخ محمد عبد الحق دہلوی قدس سرہٗ سرزمین ہند وپاک میں سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشرواشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا، شب وروز اس کی ترویج میں مشغول رہے۔ جس کا اعتراف ہر خاص وعام کو ہے۔ ہر طبقہ ان کی تحقیقات وتدقیقات کے روبرو سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ آپ نے قرآن وحدیث کی محققانہ ومنصفانہ توضیحات سے مستفیدین کو سرشار فرمایا۔ آپ کی تصانیفِ جلیلہ کو وہ قبولیتِ عامّہ حاصل ہے۔ جس کی مثال نہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے احادیث کے ایک منتخب مجموعہ مسمّی بہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) کی فارسی زبان میں تشریح وتوضیح مسمّی بہ اشعۃ اللمعات فرمائی ہے جو کہ اپنی نظیر خود ہے۔ جس میں آپ نے احادیثِ مشمولہ کی تنقیح کے علاوہ ائمہ

فقہاء اور مجتہدین کے معمولاتِ شرعیہ کو قابلِ رشک انداز میں سپردِ قلم فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پڑھ لینے سے تقریباً پورے مجموعۂ احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل پیرا ہونے میں کوئی دِقت باقی نہیں رہتی۔ یہ ان کا امتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام پر احسانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کو اس کی جزائے جزیل عطا فرمائے۔ آپ کی یہ شرح چونکہ فارسی زبان میں ہے اور فارسی زبان سے بھی عربی زبان کی طرح دلچسپی بہت کم رہ گئی ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا جاتا تاکہ اس سے ہر خاص و عام مستفید ہو سکے۔ الحمد للہ مولا کریم نے بروقت محبی فی اللہ واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سعید احمد دامت برکاتہم العالیۃ خطیب جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور، مترجم کتب کثیرہ و مولفِ تصانیف کبیرہ، کی توجہ کو اس کی طرف منعطف کیا۔ مولانا موصوف نے اس کا نہایت سلیس اور عام فہم طریق سے اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ میں نے بعض مقامات سے ترجمہ کو پڑھا۔ لطف یہ ہے کہ ترجمہ میں حضرت موصوف نے جو صنعت ترتیب متن و شرح میں وضع فرمائی ہے کہ اوّل حدیث مشکوٰۃ درج کر کے اس پر باقاعدہ حرکات زیب متن کیں، پھر اس کے مقابلہ میں حدیث کا سلیس بامحاورہ ترجمہ تحریر کیا پھر ہر دو کے نیچے اشعۃ اللمعات کا حدیث سے متعلق سہل ترین انداز میں ترجمہ زیب رقم کیا جس سے کتاب کے اردو ترجمہ میں مزید دلچسپی پیدا ہو گئی اور ضروری متعلقات حدیث کی صورت صحیح معنوں میں ذہن نشین ہونے کے قریب ہو گئی ہے۔ بہر نہج مولانا موصوف نے شائقین پر بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ مولانا کی اس خلوص بھری محنت کو قبول کر کے سب کے لیے فلاحِ دارین کا ذریعہ بنائے۔ اور ان کی دیگر تصانیف کی طرح اس کو بھی قبولیت عامہ کا شرف بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خادم الحدیث محمد مہر الدین عفی عنہ حزب الاحناف لاہور

۳/۸۱ | ۳۱

تقریظ فرید الدھر وحید العصر الفاضل الکامل قامع البدعۃ ناصر السنۃ جناب علامہ مفتی محمد حسین نعیمی دام فیضہ وعم احسانہ شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ نعیمیہ لاہور

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے پاک وہند میں علم حدیث کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے تدریس وتصنیف کے ذریعہ اہم اور زریں خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ آپ کی معروف و مشہور تصنیف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جو کتب حدیث کی منتخب احادیث کا مجموعہ ہے کی تشریح و توضیح فرمائی ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ اردو خوان حضرات اس ذخیرہ علم سے بے بہرہ تھے اس کے اردو ترجمے کی سخت ضرورت تھی۔ بحمدہ تعالےٰ اس ضروری اور مفید کام کو جناب محترم فاضل مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد داتا دربار لاہور نے بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ مولانا موصوف نے اشعۃ اللمعات کا سلیس اور بہترین ترجمہ کرکے اردو خوان حضرات کے لیے حدیث کے مطالب اور معانی کو عام فہم بنا دیا ہے مولیٰ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس دینی وعلمی خدمت کو مقبول عام بنائے اور اس صدقہ جاریہ کو مسلمانوں کے لیے نفع بخشی کا ذریعہ فرمائے۔ مولانا موصوف بہت سی اہم کتب کا اردو ترجمہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں جس سے شائقین علم وتحقیق مستفیض ہو رہے ہیں۔

(مفتی) محمد حسین نعیمی ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

تقریظ العالم العامل المحقق المدقق جامعِ معقول ومنقول حاوی فروع واصول حضرت العلامۃ مولانا غلام رسول صاحب القادری الرضوی متعنا اللہ بطول حیاتہ و نفعنا من علومہ وفیوضاتہ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد

اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ علم حدیث میں مستند اور جامع شرح ہے، حضرتِ شیخ محقق رحمہ اللہ نے حدیث کے بیان اور تشریح میں ہر پہلو کو ملحوظ رکھا ہے حدیث کے اسناد و متن کی تحقیق میں حدیث کا حق ادا کیا ہے اور اختلاف مذاہب فقہیہ کی تفصیل اور ان میں ترجیح اور عقائد کی تدقیق بہتر انداز میں کی، لیکن شرح فارسی ہونے کے باعث بعض اذہان کے لیے کچھ الجھنیں محسوس ہوتی تھیں اور وہ شیخ محقق کی بیان کردہ تشریح کی تہ تک پہنچنے سے قاصر تھے۔ نتیجۃً ہر انسان مستفید نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت مولانا محمد سعید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ نے اس بات کا احساس کرتے ہوئے۔ اس شرح کو اردو زبان میں منتقل کر دیا ہے جب کہ سیاق وسباق میں اصل سے ذرا بھی بُعد پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور سلیس اُردو میں حدیث کی روانی کا لحاظ رکھتے ہوئے بہترین انداز میں حدیث کی وضاحت کی ہے۔ گو میں نے چند مقامات دیکھے ہیں لیکن وہ ساری کتاب کے لیے دلالت مطابقی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ الحاصل مولانا موصوف نے انتھک محنت اور اپنی خداداد استعداد سے اس کی وضاحت کا حق ادا کیا ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ کریم اپنے نبی رحیم کے توسل سے اسے قبول فرما کر مولانا موصوف کو اجرِ عظیم سے نوازے اور مخلوقِ خدا کو اس سے مزید استفادہ و استفاضہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔

غلام رسول رضوی خادم الحدیث بجامعہ رضویہ
فیصل آباد
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ
۸۱ - ۲ - ۲۱

تقریظ علامۃ الزمان فرید الاوان خاتمۃ المحققین عمدۃ المحدثین والمدرسین مولانا الکامل السید محمد جلال الدین شاہ نقشبندی مجددی ادام اللہ فیوضہ علی الراغبین ونفع بعلومہ الطالبین شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکی ضلع گجرات

جناب شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی علمی اور تصنیفی خدمات کے اعتبار سے نہایت ہی بزرگ اور بلند پایہ شخصیت گذری ہے۔ آپ کی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بسر ہوئی۔ آپ نے اسلام کے اہم موضوعات پر اپنی تصنیفات و تالیفات کا اپنے بعد نہایت گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان میں سے ایک علم حدیث کی مشہور اور متداول کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات فی ترجمۃ المشکوٰۃ ہے۔ یہ شرح مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامع اور نفیس تحقیقات و معلومات پر مشتمل ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اپنے وقت کے عرف و ماحول کے مطابق یہ شرح فارسی زبان میں تحریر کی تھی۔ آج کے دور الحاد میں جب کہ سنت کی روشنی لمحہ بہ لمحہ مدہم پڑتی جا رہی ہے۔ بدعات و خرافات بڑی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں اور مسلمان اپنے اسلاف کے عربی و فارسی علوم کے سرمایہ سے بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کتاب کے آسان اردو ترجمہ کی شدید ضرورت تھی۔ الحمد للہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی سلمہ ربہ خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے اس تقریظ کے وقت مولانا موصوف کے اس ترجمہ کے بعض مقامات کو اصل فارسی کتاب سامنے رکھ کر دیکھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ترجمہ آسان اور سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ اصل کتاب کے عین مطابق ہے۔ امید ہے کہ اردو خوان طبقہ اس ترجمہ سے بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ دعا ہے کہ رب العزت مولانا موصوف کو اس عظیم دینی و تبلیغی خدمت کی تکمیل کی سعادت عطا کرے اور مسلمانوں کے لیے نافع اور مولانا موصوف کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ
مطابق ۲۳ فروری ۱۹۸۱ء

ابوالمظہر سید محمد جلال الدین شاہ مجددی بھکھی شریف
ضلع گجرات

تقریظ العلامۃ التحریر الفاضل الفہامۃ الشہیر صاحب التصانیف والتحریر شارح صحیح البخاری فضیلۃ الشیخ مولانا السیّد محمود احمد الرضوی القادری ناظم دارالعلوم حزب الاحناف نفع اللہ تعالیٰ بحیاتہٖ وافاض علی المسلمین من برکاتہٖ

امام المحدثین۔ حضرت مولینا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز دنیائے علم و فضل کی وہ عظیم و جلیل شخصیت ہیں جنہوں نے علوم عالیہ اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی تبلیغ و اشاعت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم و ترجمانی کا ایک معیار قائم فرمایا۔ پاک و ہند میں آپ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے علم حدیث کو اپنی تبلیغی۔ تدریسی اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنایا اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی فارسی زبان میں بہترین علمی توضیح و تشریح کا اعزاز حاصل کیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی تصانیف جلیلہ میں اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ حدیثی اسرار و معارف کا ایک ایسا متبرک ذخیرہ ہے جو مسلمانوں کے تمام دینی حلقوں میں مقبول و معروف ہے اور آپ کی بیان کردہ توضیحات و تشریحات کو بطور سند و دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

اردو خوان حضرات کے لیے اشعۃ اللمعات کے صحیح ترجمہ کی ضرورت محتاج بیان نہ تھی۔ مقام مسرت ہے کہ حضرت استاذ العلماء علامہ مولینا محمد سعید صاحب نقشبندی مدظلہ خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کمال خلوص و عقیدت اس متبرک کتاب کا آسان و سلیس اور جامع ترجمہ کر کے مسلمانوں کے تمام طبقات کے لیے اشعۃ اللمعات کے جواہر ریزوں سے مستفیض و مستفید ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ اشعۃ اللمعات کا ترجمہ مولینا موصوف کی بہترین علمی و دینی خدمت ہے۔ مولینا خود بھی فاضل علوم عقلیہ و نقلیہ ہیں، ملک کے مختلف مدارس میں ایک عرصہ سے درس و تدریس کے فرائض باحسن وجوہ انجام دینے کے علاوہ متعدد ضخیم دینی

وعلمی کتب کے ترجمے کر چکے ہیں۔ جو ملک میں مقبول و عام خاص ہیں۔ ان شاء العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کا یہ ترجمہ بھی مسلمانوں کے تمام طبقات میں مقبول و محمود ہوگا۔

سید محمود احمد رضوی بقلم خود
ناظم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف
لاہور
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

تقریظ افضل الفضلاء اکمل النبلاء فخر السلف قدوہ الخلف عمدۃ العاملین زبدۃ المدرسین العلامۃ مولانا محمد نواز نقشبندی مجددی صدر المدرسین جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی۔ ضلع گجرات نفع اللہ تعالیٰ المسلمین بطول بقائہ

بندہ نے شیخ عبد الحق محقق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح مشکوٰۃ شریف بزبان فارسی اشعۃ اللمعات کا تدریس کے دوران بارہا مطالعہ کیا۔ شیخ محقق نے اپنی اس شرح میں مشکوٰۃ شریف کے حل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور اس کے ہر پہلو کو یعنی ترجمہ، اختلافی مسائل کا حل، فقہی مباحث اور جو فوائد سے ہر حدیث شریف سے استنباط ہوتے تھے، نہایت جامع انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ دور حاضر میں لوگ فارسی زبان سے اتنے ہی دور ہیں جتنے کہ عربی زبان سے۔ اس لیے لوگوں کو جس قدر دشواری عربی عبارت کو سمجھنے میں درپیش ہے اتنی ہی دشواری فارسی کے حل کرنے میں محسوس ہوتی ہے اس لیے اس کا اردو زبان میں ترجمہ لابدی تھا

تھا اور عرصہ سے میرے خیال میں یہ بات آتی تھی کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عزیزم حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد صاحب خطیب جامع مسجد دربار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سعی بلیغ کی ہے۔ بندہ نے اس ترجمہ کو چند اہم مقامات سے دیکھا ہے۔ بحمدہ تعالےٰ مولانا موصوف نے صحیح ترجمہ اور کہیں کہیں حاشیہ لگا کر کتاب کی احادیث کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ مولا کریم مولانا موصوف کی اس کاوش وعرق ریزی اور مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور آخرت میں ذریعہ نجات بنائے اور اس کارِ خیر کا صدقہ جاریہ کی صورت میں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

الفقیر محمد نواز غفرلہ
خادم تدریس جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف
۱۶، ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۲ فروری ۱۹۸۱ء
بروز اتوار

تقریظ نادرۃ ہذا الزمان، غرۃ ہذا الدہر والاوان العالم العامل الہمام ارشد الفضلاء الکرام۔ العلامۃ القاضی محمد ارشاد الٰہی فیضی عصامی شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم نعمانیہ۔ لاہور۔ شکر اللہ تعالیٰ مساعیہ و دامت محفوفۃ باللطف الرعایۃ والعنایۃ معالیہ

فقیر غفرلہ القدیر نے علامہ فہامہ جناب مولینا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی ناظم تعلیم دار العلوم نعمانیہ لاہور وخطیب جامع مسجد حضرت داتا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) زید بر کاتہ العالیہ نے جو اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ للشیخ المحقق علی الاطلاق حضرت عبد الحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اس کے بعض

مقامات کو ملاحظہ کیا۔ الحمد للہ نہایت بہترین ترجمہ فرمایا اور جو کچھ مصنف اشعۃ اللمعات کا مقصود شرح تھا اُسے نہایت اعلیٰ حیثیت سے اور بہترین انداز میں ظاہر فرمایا۔ عبارت شستہ آسان اور عام فہم کلمات میں ہے اس سے مشکوٰۃ شریف کے سمجھنے میں خوب مدد ملے گی۔ لہٰذا اہل السنت والجماعت کے لوگوں کے لیے بالخصوص اور تمام مسلمانوں کو بالعموم اس سے فائدہ ہوگا۔ خدائے قدوس مترجم کی زندگی میں برکت دے کہ یہ کام انتہا تک آسانی کے ساتھ پہنچا سکیں۔ آمین

قاضی محمد ارشاد الٰہی فیضی عصامی عفی عنہ
ساکن لودے تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی
(حال) شیخ الحدیث دار العلوم نعمانیہ ۔ لاہور
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۲/۲/۸۱

تقریظ

زعیم ملت فخر اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی

صدر مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی مدظلہ خطیب جامع مسجد امام الاولیاء حضرت داتا گنج بخش (قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) ایک عرصہ تک جامعہ نعمانیہ اور دار العلوم حزب الاحناف لاہور، میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں تالیف و ترجمہ کا ملکہ بھی عطا کیا ہے۔ ان کی مترجمہ کتب میں سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے مکتوبات شریفہ، حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بدایۃ الہدایہ اور منہاج العابدین قبول عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تالیف مسلک امام ربانی کے مطالعہ سے لاتعداد

گم گشتگانِ بادیہ ضلالت، راہِ ہدایت پا چکے ہیں۔

اب فاضل موصوف فخر المحدثین، رئیس المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف **اشعۃ اللمعات** شرح مشکوٰۃ (فارسی) کا اُردو ترجمہ مکمل کرنے میں مصروف ہیں۔ اس ضخیم وجیم اور مقدس کتاب کا پہلا حصہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔ ترجمہ نہایت آسان سلیس اور عام فہم زبان میں کیا گیا ہے۔ علماء کرام کے علاوہ طلبہ اور عوام الناس بھی اس ترجمہ سے صحیح طور پر مستفید و مستفیض ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فاضل مترجم اس پیش کش پر ہدیۂ تحسین و تبریک کے مستحق ہیں اور اس لیے بھی مبارک باد کے حق دار ہیں کہ اشعۃ اللمعات کو اُردو میں منتقل کرنے کی اولیت کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا محمد سعید احمد صاحب زید مجدہ کو توفیق ارزانی فرمائے کہ وہ اس عظیم کام کی تکمیل جلد از جلد کر سکیں۔ آمین ثم آمین بجاہِ نبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہ ۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

نوٹ: سطور بالا تحریر کرنے کے فوراً بعد ترجمہ اشعۃ اللمعات کے سالِ طباعت کے جو تاریخی مادے ذہن میں آئے وہ درج ذیل ہیں۔

مظہرِ نور ——— **ریاضِ رسولِ عزیز** (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۰۱ھ ——— ۱۴۰۱ھ

ریاضِ رسولِ باکمال (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۰۱ھ

مختصر سوانح حضرت محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ

نسب :

حضرت شیخ کے مورثِ اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے اپنی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا تو آپ وطن کی خراب فضا سے بددل ہو کر ترکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ یہ سلطان علاؤ الدین خلجی (۱۲۹۶ء/۱۳۱۶ء) کا زمانہ تھا سلطان نے آپکی بڑی عزت افزائی کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اسی درمیان گجرات کی مہم پیش آگئی جس کی وجہ سے آپ کو گجرات جانا پڑا فتح کے بعد وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اللہ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا ایک سو ایک بیٹے تھے لیکن ایک ہولناک سانحہ پیش آیا سولہ لڑکے انتقال کر گئے سب سے بڑے صاحبزادے معز الدین بچے۔ آپ اپنے والد کے ہمراہ دہلی آگئے۔ اخبار الاخیار سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء-۱۳۲۵ء) کے عہد تک گجرات رہے تھے سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں انتقال ہوا۔ ملک معز الدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ کے فرزند شیخ موسیٰ نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ یہ فیروز شاہ کا زمانہ تھا لیکن فیروز شاہ (المتوفی ۱۳۸۸ء) کے انتقال کے بعد ملک میں بڑی بدنظمی پھیل گئی اور حالات نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ آپ کو مجبوراً دہلی چھوڑ کر ماوراء النہر کا رخ کرنا پڑا لیکن زیادہ دن وہاں نہ ٹھہر سکے۔ جب تیمور (۱۳۹۸ء) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو آپ اس کی فوجوں کے ساتھ پھر دہلی تشریف لائے۔ یہ شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے لیکن شیخ فیروز سب سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کو سپہ گری اور شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا ۸۶۰ھ میں شیخ فیروز بہرائچ کے کسی معرکے میں شہید ہو گئے۔ آپکی بیوی حاملہ تھیں، کچھ دنوں بعد ایک فیروز بخت صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام سعد اللہ تھا۔ ان میں بھی باپ کے تمام خصائل موجود تھے۔ شیخ محمد کنگن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کا ۲۲ ربیع الاول شریف ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو وصال ہوا آپ کے دو بیٹے تھے، شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین دونوں کو عشق و محبت الٰہی کا بے پناہ جذبہ ورثہ میں ملا تھا۔

شیخ محدث رحمہ اللہ کے والد ماجد

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین رحمہ اللہ ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وہ ایک صاحبِ دل بزرگ، اچھے شاعر اور پُر لطف اور بذلہ سنج انسان تھے۔ لوگ ان کی ظرافت و لطافت، معاملہ فہمی اور محبت اسلوبی کے معترف تھے۔ شیخ محدث رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

"در شعر و فضیلت و قبول خواطر و ذوق و شوق و محبت و ظرافت، لطائف و بے تعلقی و وارستگی و طیب قلب و حضور ذاکر و ذکر لطائف و نکات و فہم و دقائق و ارشادات یگانۂ روزگار و افسانۂ دیار خود"[1]

شاعری، علم، مقبولیت، ذوق و شوق، ظرافت، زہد، پاکیزگی دل، حضور قلب اور نکتہ سنجی میں اپنے عہد میں بے مثال تھے۔

شیخ سیف الدین رح کو عام لوگ شعر و سخن کی وجہ سے جانتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ ایک صاحبِ باطن اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ رسالۂ وصیت میں شیخ محدث رح اُن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"پدرِ من شیخ سیف الدین از عالم مستی و فقر و فنا و توحید و تجرید و تفرید نصیبۂ کامل داشت و تکلف و تصنع را گرد سراپردۂ حال وے مجال نبود۔ نظر او را تاثیرے بود کہ ہر کرا العنوان محبت نظری کرد، بقدر استعداد و مناسب حال اثر قبول می آورد"[2]

میرے والد شیخ سیف الدین کو فقر و فنا اور توحید و تجرید کا کافی حصّہ ملا تھا۔ وہ تکلف و تصنع سے بالکل پاک تھے۔ نگاہ میں ایسا اثر تھا کہ جس پر توجہ کی خالی نہ گئی اور اس کو حسب استعداد فائدہ پہنچا۔

اخبار الاخیار میں بھی شیخ محدث رح نے اُن کی نظر کی "تاثیر" کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے — "این معنی بسیار تجربہ کردہ شدہ است" وہ ایک نظر میں ملنے والے کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:۔

---

[1] اخبار الاخیار ۔ ص ۲۹۲ ۔

[2] رسالہ وصیت (قلمی)

"مارا از صفائی صحبت درویشاں وطول ملازمت ایشاں ایں مقدار شدہ است کہ حقیقت احوال آدمی رامی شناسم .... اگر شب تاریک کسے را مساس کنم امید ہست کہ حقیقت حال او دریابم"۔[1]

درویشوں کی صحبت کے فیض سے میرا یہ حال ہوگیا ہے کہ انسان کی حقیقت کو پہچان لیتا ہوں اگر اندھیری رات میں بھی کسی سے ملوں تو امید ہے کہ اس کی حقیقت حال دریافت کرلوں۔

شیخ سیف الدین کو عرصہ تک مرشد کامل کی تلاش رہی۔ بالآخر حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُن کو ایسا خضر طریقت مل گیا جس نے ان کے "مشرب توحید" کو جِلا دے دی۔

شیخ امان اللہ پانی پتی

اُن کا نام عبد الملک اور لقب امان اللہ تھا۔ امام اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود پر کامل عبور رکھتے تھے۔ شیخ محدث نے اُن کے متعلق لکھا ہے:۔

"وے از علمائے صوفیہ موحدہ است، از تابعان ابن عربی قدس سرہٗ در علم ایں طائفہ مرتبہ بلند و پایہ ارجمند داشت و در تقریر مسئلہ توحید بیان شافی و تقریر وافی و سخن توحید را فاش گفتے"۔[2]

وہ وحدت وجود پر اعتقاد رکھنے والے صوفیہ میں تھے ابن عربی قدس سرہٗ کے تابعان میں تھے۔ اس طبقہ کے علم میں اونچا مرتبہ اور بلند درجہ رکھتے تھے۔ مسئلہ وحدت وجود بڑی شافی تقریر کرتے تھے اور اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کرتے تھے۔

شیخ امان اللہ پانی پتی نے ۱۲ ربیع الآخر ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو وصال فرمایا۔[3]

شیخ سیف الدین شیخ امان کی خدمت میں

شیخ سیف الدین کو ابتدائی زمانہ سے مشائخ کی صحبت کا شوق تھا۔ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں جیدتمندانہ حاضر ہوئے تھے لیکن تسکین کا سامان کہیں نہیں ملا تھا۔ جب شیخ امان پانی پتی کی خدمت میں پہنچے تو ایسا محسوس ہوا کسی نے زخموں پر مرہم لگادیا۔ جو جذبات رہبر کامل کی غیر موجودگی میں اُن کے دل و دماغ پر قیامت ڈھا رہے تھے، اُن کی

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۹۶۔ [2] اخبار الاخیار ص۲۳۳۔ [3] اخبار الاخیار ص۲۳۵۔

تربیت کا سامان مہیا ہوگیا شیخ سیف الدین ابتداءِ حال میں کسی سہروردی بزرگ سے منسلک ہو گئے تھے شیخ امان رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں آنے سے قبل مرید ہو چکا تھا لیکن اب آپ کا جذبہ محبت وارادت مجھ پر غالب آرہا ہے۔ کیا کروں؟ فرمایا۔ المرءمع من احب۔ اس رستہ میں محبت کا اعتبار ہے اس کے بعد ان کی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ ضروری کتابیں ان کو پڑھائیں، پھر اپنے دستِ خاص سے لکھ کر خلافت نامہ عنایت فرمایا۔ شیخ محدث نے لکھا ہے :۔

"والدم را بہ عنایت خاص مخصوص ساخت وخرقۂ خلافت پوشانید وشال خلافت تا چندروز بہ خط خاص خود مسودہ کرد"[1]

میرے والد پر خاص عنایت فرمائی اور خرقۂ خلافت عطا کیا اور خلافت نامہ اپنے دستِ خاص سے لکھ کر دیا۔

علالت اور وفات

آخری علالت کے زمانے میں شیخ سیف الدین پر ایک عجیب کیفیت طاری رہی، خوف وخشیت کا اسقدر غلبہ ہوگیا کہ ہر وقت اسی میں پریشان رہنے لگے۔ جب کوئی ایسی آیت سن لیتے جس میں "وعدہ رحمت" ہوتا تو طبیعت بشاش ہوجاتی۔ ایک مرتبہ شیخ محدث نے یہ آیت تلاوت کی :

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے، ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشی سنو اس بہشت کی جس کا تم کو وعدہ تھا۔

تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور شیخ محدث کو بہت سی دعائیں دیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

"امیدوارم کہ مرا دعائے آں شب سرمایۂ دنیا و آخرت شود"[2]

امید وار ہوں کہ اس رات کی دعا میرے لیے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہو۔

وصال سے کچھ قبل یہ کلمات اور اشعار لکھ کر کفن کے ساتھ رکھنے کی ہدایت کی۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۵

[2] اخبار الاخیار ص ۲۹۸

(۱) دارم دلکے غین بیامرز و مپرس — صد واقعہ در کمین بیامرز و مپرس

شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم — اے اکرم الاکرمین بیامرز و مپرس

(۲) قَدِمْتُ عَلَی الْکَرِیْمِ بِغَیْرِ زَادٍ — مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِیْمِ

میں آیا ہوں کریم کے پاس بغیر توشہ — نہ نیکیاں ہیں اور نہ قلب سلیم

نَحَمْلُ الزَّادِ اَقْبَحُ کُلِّ شَیْءٍ — اِذَا کَانَ الْقُدُوْمُ اِلَی الْکَرِیْمِ

مگر توشہ لے جانا تو ناموزوں بات ہے — جب کہ ایک کریم کے پاس جانا ہو

(۳) ربی اللّٰہ، ودینی الاسلام ونبیّ محمد وشیخی الشیخ عبد القادر الجیلانی۔

وصال کے وقت، خوف وخشیت کی کیفیت "ذوق وشوق" میں بدل گئی۔ عصر کا وقت تھا شیخ عبد الحق کو مجد سے بلوایا، شیخ محدث خوشی اور بحالی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ سیف الدین نے پھر اُن سے فرمایا:

"بابا! بدانکہ مارا اکنوں اصلا رنجے ومحنتے وکوفتے نیست، شوق در شوق وطرب در طرب است، ہر زحمتے و بیماری کہ در بدن بالود بدر رفتہ است ولیکن ترا باید کہ مشغول شوی ودعا کنی کہ مرا زود از ینجا بر دارند مراد مطلوبے کہ در تمام عمر بود دوست داوہ است مباد ا باز ایں حالت نماند، و ہم دعامی کردم کہ آخرم دریاو خود داری بالشوق و ذوق ازیں جا بری۔ اکنوں جمال ایں مراد باحسن وجوہ جلوہ کر شدہ است، اگرہم دریں حالت پیش خود طلبد کمال لطف وعنایت او باشد۔" [1]

باباجان لو کہ مجھ کو اس وقت کچھ رنج وفکر نہیں ہے بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے، جو کچھ تکلیف اور بیماری میرے بدن میں تھی چلی گئی ہے، تم کو چاہیے کہ مشغول ہو کر یہ دعا کرو کہ مجھ کو جلد اس جگہ سے لے جائیں تمام عمر میں جو میرا مطلوب تھا اب حاصل ہوا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے، تمام عمر میں نے یہ دعا کی تھی کہ آخر وقت میں ذوق وشوق کے ساتھ اس جگہ سے جاؤں، اب اس مراد کا جمال بڑا حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے، اگر اس حالت میں اپنے سامنے بلالے گا تو اس کی انتہائی عنایت اور کرم ہوگا۔

معشوق حقیقی کے دیدار کی اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی شخص عیادت کو آتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے تو آپ ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ خدارا یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے بلالے [2]۔ غذا سے پرہیز کرنے لگے تو لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۹۹

[2] اخبار الاخیار ص ۲۹۹

"ازبرائے ایں نیز نمی خوہم کہ مبادا سبب بقائے من شود، مارا ہر دم کہ ایں جا می رود بکلفت می رود"

اس وجہ سے بھی نہیں کھاتا ہوں کہ یہ میری بقا کا سبب بن جائے۔ مجھے اب ایک سانس لینا بھی باعثِ کلفت ہے۔

۲۷ شعبان ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء کو یہ بے چین عاشق اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملا، اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

شیخ محدّث کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

ولادت :

ماہ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو شیخ محدث دہلی میں پیدا ہوئے ؎

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

محرم ۹۵۸ھ اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک اہم مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں شیخ عبدالحق محدث پیدا ہوئے اور اسی مہینہ میں ابوالفضل۔ موخر الذکر نے اسلامی شعائر کی تضحیک و توہین میں وقت صرف کیا، تو اول الذکر نے احیاء شریعت اور قیام امر بالمعروف میں اپنی ساری زندگی گزار دی۔ ایک سے "دینِ الٰہی" نے تقویت پائی، دوسرے سے "دینِ محمدی" کو عروج ہوا۔

باپ کے آغوش میں :

شیخ محدث کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے نشوونما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصّہ تھا۔ ایامِ طفلی ہی سے انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ :

"شب و روز در کنارِ مرحمت و جوارِ عنایت ایشاں تربیت می یافتم" [1]

رات دن میں ان کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔

[1] اخبار الاخیار ص۳۰۳

تین چار سال کا بچہ دیکھیے اور باپ کا یہ ذوق و شوق کہ شب و روز آغوش میں لیے اس کی تربیت میں مشغول ہے۔ اور برسوں کی ریاضت نے جو ذہنی اور قلبی کیفیات اس میں پیدا کر دی ہیں ان کو منتقل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار سے اس بچہ کو آشنا کرنا چاہتا ہے۔ جب کوئی نکتہ بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تو تجربہ کار باپ یہ کہہ کر تسلی کرتا ہے۔

"ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روے کار بکشاید و جمال یقین روئے نماید" [۱] — ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھے گا اور جمالِ یقین نظر آئے گا۔

لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کرتا ہے:

لیکن باید کہ دائم دریں خیال باشید و ہر مقدار کہ دست دہد سعی کنید۔ — لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اسی خیال میں رہو اور جس قدر ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔

شیخ محدث کے والد ماجد نے ان کو بعض ایسی ہدایتیں کی تھیں جن پر شیخ تمام عمر عمل پیرا رہے اور جو آج بھی ان کی خاص شان اور مخصوص روایات کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ شیخ سیف الدین نے اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی کج بحثی اور گمراہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا، اس لیے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی۔

"باید کہ ہیچ کس در بحث علم نزاع نکنی و بہ کلفت نرسانی۔ اگر دانی کہ حق بجانب دیگر است قبول کنی، و اگر نہ دو سہ بار بگو، اگر قبول نکنند بگو کہ بندہ را چنین معلوم است۔ آں نوع نیز تواند بود کہ شما می گوئید۔ نزاع برائے چیست" [۲] — چاہیے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر یہ سمجھو کہ دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے تو یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ ایسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے۔ یہ لاحاصل چیز ہے، اس سے منافرت اور مخالفت کے سوتے ابل پڑتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت و الفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیے کہ:

این کار محبت است، آنرا کہ محبت نباشد چہ کار کند [۳] — یہ محبت کا معاملہ ہے۔ جس میں محبت نہیں وہ کیا کرے گا۔

شیخ سیف الدین کی ان نصیحتوں کو شیخ محدث کے دماغ کے ہر رگ و ریشے نے قبول کیا، اور وہ انکی زندگی

---

[۱] اخبار الاخیار ص۳۰۰ ۔ [۲] اخبار الاخیار ص۳۰۰ و [۳] ایضاً ص۲۹۲

کا جزو بن گئیں۔ اکبری دور میں بحث و مباحثہ تکفیر و تضلیل کے کیسے کیسے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن شیخ محدث نے اپنے مسلک سے کبھی سرموانحراف نہیں کیا۔ ان کی زندگی کی بنیاد پر کچھ ان اصولوں پر رکھی گئی تھی ؎

تتنے پیدا کن از مشتِ غبارے ۔۔۔ تتنے محکم تراز سنگیں حصارے

درون او دلے درآشنائے ۔۔۔ چو جوئے درکنارِ کوہسارے

شیخ سیف الدین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے دل میں صرف حصولِ علم کی لگن ہی پیدا نہیں کی بلکہ اس کے ذہن میں علم کے متعلق صحیح نظریے بھی قائم کر دیے۔

ابتدائی تعلیم :

شیخ محدث کو ابتدائی تعلیم خود اُن کے والد ماجد ہی نے دی تھی، سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا اور وہ بھی نئے انداز سے۔ شیخ محدث نے ابھی قواعد تہجی بھی نہیں سیکھے تھے کہ ان کے والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ سورتیں لکھ کر اُن کو یاد کرنے کے لیے دے دیتے تھے۔ اسی طرح دو تین مہینے میں پورا کلام پاک ختم ہو گیا۔ خود شیخ محدث فرماتے ہیں :

"اول از قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کہ اطفال خوانند، دو سہ جزو بلکہ کم تر........ تعلیم فرمودند۔ سبق در سبق ایشاں می نوشتند و من می خواندم، از قرآن ہمیں مقدار تعلیم کردہ ام، بعد ازاں از اثر تربیت و شفقت ایشاں چناں قوت بہم رسید کہ ہر روز قدرے از قرآن می خواندم و ہر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم۔ در دو سہ ماہ قرآن ختم کردم"۔ [1]

سب سے پہلے قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کے (جس طرح لڑکوں کو عموماً پڑھایا جاتا ہے) دو تین جزو بلکہ اس سے کم تعلیم فرماتے تھے۔ وہ سبق لکھتے تھے۔ میں پڑھتا تھا۔ قرآن کی یہی مقدار میں نے اُن سے سبقاً پڑھی ہے۔ اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کے اثر سے ایسی قوت بہم پہنچی کہ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھنے لگا اور جتنا پڑھتا تھا ان کو سُنا دیتا تھا۔ غرض دو تین مہینے میں قرآن شریف ختم کر لیا۔

اس کے بعد لکھنے کی طرف توجہ کی اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا۔

"در اندک مدت، شاید اگر مقدار یک ماہ تعین کنم دروغ ۔۔۔ تھوڑی ہی مدت میں، اگر ایک مہینہ کہوں تو جھوٹ نہ ہوگا

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۳۰۰

نگفتہ باشیم، کتابت و سلیقۂ انشاء پیدا شد۔" ؎۱ کتابت اور انشاء کا سلیقہ پیدا ہو گیا۔

اتنے کم عرصہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لینا، شیخ کی غیر معمولی ذہانت کا کرشمہ ہے۔ شیخ محدث نے اپنی اس کامیابی کا اصلی سبب اپنے والد کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہر چہ ہست اثر توجہ و عنایت ایشاں است۔" جو کچھ بھی ہے وہ ان کی توجہ اور عنایت کا اثر ہے۔

شیخ سیف الدین نے اپنے فرزند کی تعلیم میں اس زمانہ کے مروجہ نصاب یا طریقۂ تعلیم کی پابندی نہیں کی بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا۔ اس زمانہ میں نظم کی بہت سی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا۔ شیخ سیف الدین نے اپنے بیٹے کو بوستان اور دیوان حافظ کے چند جزو کے علاوہ نظم کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔ قرآن پاک کے بعد میزان شروع کر دی اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی۔ شیخ محدث کا بیان ہے۔

"ایں کتابہائے نظم و اشعار کہ تعلیم آں متعارف ایں دیار است، شاید کہ چند جزو از بوستان و گلستان و دیوان خواجہ حافظ تعلیم کردہ باشند و ہم از ابتدائے حالت صغر سنی بعد از ختم قرآن میزان الصرف یاد داوند تا مصباح و کافیہ خود تعلیم فرمودند۔" ؎۲

اور نظم کی ان کتابوں میں سے جو اس ملک میں مروج ہیں۔ شاید گلستان و بوستان کے چند جزو اور دیوان حافظ پڑھایا ہو اور لڑکپن ہی سے قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف سے مصباح و کافیہ تک خود تعلیم دی۔

پڑھاتے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ تو جلد عالم بن جائے گا۔

؎۱ و ؎۲ اخبار الاخیار ص ۳۰۱

؎۳ عرصہ سے ہندوستان کے نصاب میں یہی کتابیں شامل تھیں۔ عباس شیروانی شیر شاہ کی تعلیم کے متعلق تاریخ شیر شاہی میں لکھتا ہے:۔

"فرید بہ تحصیل علوم عربیہ مشغول شد۔ کافیہ بحواشی قاضی شہاب الدین خوب طریق بخواند، و علوم دیگر نیز تحصیل کردہ گلستان و بوستان و سکندر نامہ وغیرہم بخواند۔" (قلمی نسخہ)

اس زمانہ کے نصاب تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو مولانا حکیم عبدالحی مرحوم کا مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" (الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء) ملاحظہ کرنا چاہیے۔ نیز ڈاکٹر صوفی کی کتاب المنہاج بھی اس موضوع پر کافی دلچسپ ہے۔

"ان شاء اللہ تو زود دانشمند شوی"

شیخ سیف الدین اپنے بیٹے کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں مکمل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ اپنے جگر گوشہ کے سینہ میں وہ تمام علوم منتقل کر دیں جو انہوں نے عمر بھر کے ریاض کے بعد حاصل کیے تھے۔ لیکن یہ ان کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے سخت مجبور بھی تھے، کبھی کتابوں کا شمار کرتے اور حسرت کے ساتھ کہتے کہ یہ اور پڑھالوں، پھر فرماتے۔

"مرا خطے عزیب دست وہد بہ تصور آنکہ حق تعالےٰ ترا بکمالے کہ من خیال کردہ ام برساند" [۱]

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کمال تک پہنچادے کہ جو میں نے خیال کیا ہے۔

شیخ محدث خود بے حد ذہین تھے۔ طلب علم کا سچا جذبہ تھا، جس علم کی طرف توجہ کرتے، پانی ہوجاتا، بوڑھا باپ بیٹے کی ذہانت اور سعی پیہم سے خوش ہوتا اور اس کے شاندار علمی مستقبل کے نقشے ذہن میں جماتا رہتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ شیخ محدث خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"یاد دارم کہ روزے در ملازمت ایشاں تقریر بعضے سختان علمی می کردند، وایشاں بجانب بندہ ناظر بودند۔ در اثنائے سخن ایشاں را حالتے در گرفت، و نعرہ زدند و گریہ کردند۔ و ہم در آں حالت ہر دو دست بر روئے فقیر برآوردند، دعا کردند، و بعد از فرود آمدن آں حالت فرمودند کہ ما را از مشاہدہ تماشا تجلی دست دلو، و نورے مشہود شد کہ تعبیر از کیفیت آں ممکن نباشد خداوند کہ آں چہ حالت بود۔"

بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ[۱۵] سولہ[۱۶] برس کی عمر ہو گی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اٹھارہ[۱۸] برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں۔ اس زمانہ کی پوری روئیداد خود ان کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی فرماتے تھے (اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہیں) کہ ہر ایک علم میں سے مختصر پڑھ لو گے تو تم کو کافی ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد برکت اور سعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور تمہیں سارے علوم بے تکلف حاصل ہو جائیں گے۔ اُن کے اس ارشاد پاک نے یہ اثر کیا کہ تحصیل علوم میں مجھ کو ایسی سرعت حاصل ہوئی کہ جس کو طے زمان اور طے مکان کہتے ہیں ہر علم حاصل ہو گیا۔ یعنی مختصرات نحو مثل کافیہ و لب و ارشاد وغیرہ شاید ایک ایک

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۳۰۱

جزو بلکہ زیادہ یاد کرتا تھا اور اتمام تحصیل علم کے لیے اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی جزو ان مختصرات کا صحیح اور محشی مل جاتا تھا تو اس کو خود مطالعہ کر لیتا۔ حاجت استاد سے پڑھنے یا دریافت کرنے کی نہ ہوتی۔ اگر بحث آسان ہوتی یا مضمون سے پہلے سے واقفیت ہوتی تو میرا فکر اس کو قبول نہ کرتا۔ خدا جانے کہ ان دنوں میں کیا سمجھتا تھا اور کیا دیکھتا تھا۔ لیکن ہر کتاب کے متن اور حاشیے اور ان کے الفاظ سے پورا فائدہ حاصل کرتا تھا اور جو کتاب میرے ہاتھ آتی یا جز کسی کتاب کا ملتا، خواہ میرے پڑھے ہوئے ہوتے یا نہ ہوتے اس کو اول سے آخر تک دیکھنا اپنے اوپر واجب کر لیتا تھا اور میں اس امر کا مقید نہ تھا کہ شروع یا خاتمہ کتاب ملے تو دیکھوں۔ میری نظر تحصیل علم پر تھی۔ خواہ کسی طرح پر ہو۔" [1]

شیخ محدّث طالب علم کی حیثیت سے

شیخ محدث رحمہ اللہ نے اپنے بڑھاپے میں نواب مرتضیٰ خان، شیخ فرید کو ایک خط میں "طلب صادق" کی نوعیت بتائی تھی:-

"ہر دمے کہ زند و ہر قدمے کہ نہد حصول مطلوب و حضور محبوب پیش چشم دارد۔" [2]

انسان جو سانس لے اور جو قدم رکھے اس میں ہمیشہ حصول مطلوب اور حضور محبوب پیش رہے۔

طالب علمی کے زمانہ میں خود اُن کا یہی حال تھا۔ دن اور رات اسی میں غرق رہتے تھے حصول علم کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ زندگی اور اس کی ساری دلچسپیاں سمٹ کر اسی میں آ گئی تھیں خود لکھتے ہیں:-

"از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست و خواب کدام، مصاحبت کیست و آرام چہ، و آسائش کو و سیر کجا ؎

بچپن سے میرا یہ حال ہے کہ، مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے خواب، مصاحبت، آرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے ؎

شب خواب چہ و سکوں کدامست
خود خواب بعاشقاں حرامست

ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نخوردہ و خواب در محل نبردہ۔" [3]

تحصیل علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۱۔ [2] المکاتیب والرسائل ص ۴۷۔ [3] اخبار الاخیار ص ۳۰۲۔

جس محنت و مشقت اور جان دہی کے ساتھ انہوں نے علم حاصل کیا تھا، اس کی مثال اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ ابوالفضل نے اگررات کو پڑھتے پڑھتے اپنے دماغ میں خشکی پیدا کرلی تھی[۱] تو شیخ محدث رحمۃ اللہ نے بارہا مطالعہ کی مشغولیت میں اپنے بالوں اور عمامہ کو چراغ سے جلایا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ آگ لگنے کی خبر تک بھی نہیں ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں :

چہ دودہائے چراغے کہ در دماغ نرفت — کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت

کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام — چہ خار خار کہ در بسترِ فراغ نرفت

بحیرتم ز دلِ خود کہ عمر رفت و لے — ز کنج غمکدہ ہرگز بہ صحنِ باغ نرفت[۲]

شیخ محدثؒ نے صبح سے رات تک کا اپنا پورا پروگرام بتایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ علمی دنیا کی صدر نشینی کیلئے جس ریاض کی ضرورت تھی، اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی۔ بچپن سے انہیں اس بات کا احساس تھا۔ ؏

جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اس لیے انہوں نے تحصیل علم میں اپنے خون کا پانی کر دیا۔ طلوع آفتاب سے قبل وہ مدرسہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ مدرسہ مکان سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ دوپہر کو کھانا کھانے تھوڑی دیر کیلئے گھر آتے اس کے بعد پھر مدرسہ جاکر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ چھ میل کی مسافت کر چکنے کے بعد بھی ان کو تھکن محسوس نہ ہوتی تھی اور وہ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ رات تک مدرسہ میں مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ رات کو جب گھر واپس آتے تو آرام کرنے کے بجائے پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے۔ والدین ان کی اس محنت اور مصروفیت سے بہت پریشان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کبھی کبھی آرام بھی کرنا چاہیے۔ لیکن ان پر تحصیل علم کا ایک نشہ سا تھا۔ وہ سب کی نصیحتیں سنتے تھے لیکن کچھ مجبور سے تھے۔ مفصل کیفیت خود ان کی زبانی سنیئے۔ فرماتے ہیں :

"ہر روز با وجود غلبہ برودت ہوائے زمستان و شدت حرارت تابستان دو بارہ بمدرسہ دہلی کہ شاید از منزل ما بعد دو میل داشتہ باشد میل می کردم۔ و درمیان سہ ادنیٰ وقفہ در غریب خانہ بسبب تناول چند لقمہ کہ بسبب عادی ترام

میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جھلسا دینے والے جھونکوں میں ہر روز دوبارہ دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا جو ہمارے مکان سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے منہ کھا لیتا ۔۔۔۔ میرے

---

[۱] کہتا ہے ؎ دودِ چراغ خوردہ شب آوردہ ام بروز — معذورم ار نماند دماغ مرا تری

[۲] اخبار الاخیار ص ۳۰۳

حرکت ارادی است واقع می شد..... والمهید ومادر	والدین ہرچند کہتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے محلہ کے لڑکوں
من در پئے آں بودند کہ یک دم باکودکاں محلہ بازی کنم	کے ساتھ کھیل لو اور وقت پر سو جاؤ، میں کہتا تھا کہ آخر کھیلنے
یا شب بوقت متعارف پا دراز کشم ۔ ومن می گفتم کہ آخر	سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی تو ہے، میری طبیعت اسی
غرض از بازی خاطر خوش کردنست ومرا خاطر بآں خوش	سے خوش ہوتی ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں، عام طور پر ماں باپ
است کہ چیزے بخوانم یا مشقے کنم، برعکس آنکہ پدران	بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید اور تنبیہ کیا کرتے ہیں لیکن
ومادران اطفال را بر خواندن وبمکتب رفتن زجر کنند	اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے۔ کبھی
وعتاب نمایند مرا در جانب دیگر بمبالغہ خطاب می کردند	مطالعہ کے دوران میں ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات گزر گئی
گاہے در اثنائے مطالعہ کہ از نیم شب در می گذشت، والدم	ہے، میرے والد نے مجھ سے فریاد کی ہے کہ بابا کیا کرتے ہو۔
قدس سرہٗ مرا فریاد می زد کہ بابا چہ می کنی، من فی الحال	میں سنتے ہی فوراً لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ
دراز کشیدم تا دروغ واقع نشود ومی گفتم کہ خفتہ	میں سوتا ہوں، آپ کیا فرماتے ہیں، جب وہ مطمئن ہو جاتے
ام چہ می فرمایند باز برمی نشستم ومشغول می شدم۔[1]	تو پھر اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں تحصیل علم کا کام صرف خواندن پر ہی ختم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے اور مراحل بھی تھے۔

(۱) مطالعہ (۲) بحث وتکرار (۳) کتابت

ان منزلوں سے گزر کر سبق جس قدر پختہ ہو جاتا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ طالب علم کے دل ودماغ کا رگ وریشہ اس تعلیم سے متاثر ہوتا تھا اور اس کا نقش علم آج کل کی طرح نقش بر آب نہیں، بلکہ آہنی ستونوں پر کھڑا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اور بحث وتکرار میں مستقل مشغولیت کے باوجود کتابت کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"وغریب تر آنکہ باوجود احاطہ اوقات وشمول	اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مطالعہ تذکرہ اور
ساعات بمطالعہ وتذکار وبحث وتکرار ہرچہ از	بحث وتکرار میں ہر وقت منہمک رہنے کے جو کتابیں پڑھتا
کتب خواندہ می شد بلکہ ورائے آں از شروح وحواشی	تھا بلکہ ان کے علاوہ شروح وحواشی بھی جو نظر سے گزرتے تھے

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۲ ۔ ۳۰۳

"در نظرمی آمد تقید آں بہ کتابت از ضروریات وقت می دانستم، اکثرے از شب و پارہ از روز بہ مطالعہ می گذشت و پارہ از شب و اکثرے از روز بکتابت می رفت۔" [1]

ان کے لیے بھی لکھنے کی مشق کو ضروریات وقت میں سے شمار کرتا تھا۔ رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گزرتا تھا۔ اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

یہ تھا اس شخص کی طالب علمی کا زمانہ جس نے سترھویں صدی میں احیاء علوم الدین کی شاندار خدمت انجام دی۔

حفظِ کلام پاک

شیخ محدث رحمہ اللہ نے ابتدائی زمانہ میں ہی قرآنِ پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کام میں اُن کو سال سوا سال محنت کرنی پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں :

"بعد ازاں بہ حفظ قرآن مجید نیز موفق شدم و در کنف حفظ در آمدم و در مدت یک سال و چیزے ایں نعمت را...... بدست آوردم" [2]

اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور میں نے ایک سال اور کچھ دنوں میں اس نعمت کو حاصل کر لیا۔

عبادت وریاضت کی ابتدا :

اقبال رح نے کہا ہے ۔

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد　　　فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

شیخ محدث رح نے "پاکیٔ عقل و خرد" کے ساتھ ساتھ "عفتِ قلب و نگاہ" کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ بچپن سے اُن کو عبادت و ریاضت میں دلچسپی تھی۔ اُن کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی :

"ملائے خشک و ناہموار نباشی!" [3]

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت " رہا۔ دوسرے میں سندانِ عشق، عشق الٰہی کی لگن تو انکا خاندانی ورثہ تھی۔ شیخ سیف الدین رح نے ان میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دیئے تھے جو آخر عمر تک ان کے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۲ [2] اخبار الاخیار ص ۳۰۱، ۳۰۲۔ [3] اخبار الاخیار ص ۳۰۳

قلب وجگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اُن کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لکھتے ہیں:۔

"وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم در کثرت	تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود
صلوٰۃ اورادو شب خیزی ومناجات ہم دراں طفولیت	اس زمانۂ طفلی میں نماز، اوراد، شب خیزی اور مناجات
بوجود می آمد" [1]	کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانہ میں جس ذوق وشوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اسکے کام ودہن لطف اندوز ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

ہنوز ذوق آں اسحار واوقات در کام وقت پیدا است" [2]

اس زمانہ میں شیخ محدث رح کو علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف وکرم کا مرکز بن جاتے تھے۔ شیخ اسحاق رح (المتوفی ۹۸۹ھ) سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے اور ملتان کو چھوڑ کر دہلی میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بہت کم کسی سے بات کرتے تھے۔ لیکن جب شیخ محدث رح ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے حد التفات وکرم فرمایا اور

"بفقیر سخنان بسیار کردہ" [3]

تکمیلِ علم کے بعد

باز گلبانگ پریشاں می زنم	آتشے در عندلیبان می زنم
حجلۂ گل بہر من کردند ومن	سر بدیوار گلستان می زنم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے تکمیل علم بہت کم عمر میں کرلی تھی اس کے بعد ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۸ء تک (جب کہ وہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے) وہ کیا کرتے رہے؟ اس کا کچھ پتہ ان کی تصانیف سے نہیں چلتا۔ عبدالحمید لاہوری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد (یعنی حج بیت اللہ کو روانگی سے قبل) انہوں نے درس وتدریس کا کام شروع کردیا تھا۔ لکھا ہے:۔

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۷۸

"وچون سنین عمرش بعشرین رسید از پایہ تحصیل بدرجہ	جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تکمیل علم کے بعد
تدریس برآمد و چندے ہنگامہ افادہ گرم داشتہ بپائے	درس کا شغل اختیار کیا اور کچھ دنوں یہ شغل جاری رکھنے
طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز کردید" لہ	کے بعد عازم حجاز ہوئے۔

اخبار الاخیار میں اپنی تعلیم کا ذکر کرنے کے بعد ایک دم سے یہ کہنے لگتے ہیں :-

"چارہ گر بیچارگاں و راہ نمائے آوارگاں مرا بجانب	بے لبوں کے مددگار اور پریشان حال لوگوں کے
خود طلبید و من بے خاناں را سلسلۂ شوق در گردن	راہ نما نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور مجھ بے خاناں کی گردن
افگندہ بسوئے خانۂ خود کشید و من نامراد را بہ	میں زنجیر شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ لیا۔ اور مجھ
منزل مراد رسانید یعنی بدرگاہ حبیب صلی اللہ علیہ	نامراد کو منزل مراد تک پہنچا دیا۔ یعنی اپنے حبیب صلی اللہ
وسلم جائے داد" ؎۲	علیہ وسلم کی درگاہ میں مجھے جگہ دی۔

زاد المتقین میں لکھتے ہیں :

"در سنہ ست وتسعین وتسع مائۃ جاذبہ از غیب در	۹۹۶ھ میں جذبۂ غیب سے پیدا ہو گیا۔ اور دل پر
رسید و وحشت در دل پدید آمد۔ چارہ نماند جز دیوانگی	وحشت طاری ہو گئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ
کردن و زاد ہمت بخیال سفر بربستن" ؎۳	کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

آخر وہ ہندوستان میں اپنے آپ کو "بے خاناں" کیوں سمجھتے تھے؟ اور وہ "وحشت" جس کا ذکر انہوں نے زاد المتقین میں کیا ہے ان کو ہندوستان میں کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟

شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں پہنچ کر انہوں نے وحشت کا سبب اس طرح بیان کیا :

یاسیدی! انا امرء نشأت من زمان صغری	یا سیدی! میں وہ شخص ہوں جو بچپن ہی سے تحصیل علم
فی الریاضۃ للتعلم والتعب لمواعتہ	اور عبادت گزاری کی محنت اور ریاضت میں پلا ہے،
بصحبۃ الناس والاختلاط معھم و	میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں

لہ بادشاہ نامہ، حصہ دوم، ص ۲۴۱ - ۲۴۲

محمد صالح کنبوہ نے شاہجہان نامہ (جلد سوم ص ۳۸۴) میں بھی یہی لکھا ہے: "روزے بتدریس و تعلیم گزرانید" اس کے بعد "معنی توحید بر لوح دل برنگاشتہ بہ عزم کعبہ سفینہ نشست"

؎۲ اخبار الاخیار ص ۲۹۴   ؎۳ زاد المتقین (قلمی نسخہ)

الدخول فیھم ولما حصل لی بفضل اللہ
طرف صالح من ذلک وقضیت وطری
وحاجتی مما ھنالک دعانی بعض اھل
الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا
فادرکت سلطان الوقت والامراء
فاعتنوا ابشانی ورفعوا امکانی وارادوا
ان یکثروا بی سوادھم ویکملوا بی وابھذا
الضعیف صورھم ومواد ھم فحمانی اللہ
ولم یترکنی معھم واوجد فی قلب عبدہ
جذبۃ ھذا ھا الی ھذا المقام الشریف"[1]

نہیں لایا اور جب اللہ کے کرم سے مجھے (علم کا) اچھا خاصا
حصہ مل گیا، اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں
سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیادار لوگوں
کی طرف بلایا چنانچہ میں بادشاہِ وقت اور امراء کے
پاس گیا۔ انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا رتبہ
بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں
اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں پس اللہ نے
مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے
بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس
مقام شریعت تک پہنچایا۔

اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدث رح کچھ عرصہ فتح پور سیکری میں بھی رہے تھے اور وہاں اکبر اور اس کے درباریوں نے اُن کی بڑی قدر بھی کی تھی۔ لیکن جس شخص کی قسمت میں علوم اسلامی کی تجدید اور تقویت شرح لکھی ہوئی تھی وہ کس طرح اُس ماحول میں ٹھہر سکتا تھا جہاں شرح کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور بدعات کا ہنگامہ برپا تھا۔ ملّا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:۔

"چوں وضع زمانہ و زمانیاں کہ ہمہ مخل و بر ہکالا طبیعی
مشتمل است دیگر گوں شد و بر اوضاع آشنایاں
اعتماد نماند، صحبت فلانی و فلانی راست نیامد و
توفیق رفتن بہ کعبۂ شریفہ رفیق او شد، از دہلی بہ
طریق جذبہ بے ہیچ چیز مقید نہ شدہ بہ گجرات
رفت"۔[2]

جب اہل زمانہ کی وضع میں دجو اوقات میں مخل اور
کمروہات پر مشتمل ہے) فرق آیا اور جننے والوں سے معاملات
اعتماد کے قابل نہ رہے اور فلاں وفلاں کی صحبت
سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے کی توفیق رفیق حال
ہوئی تو شیخ جذبہ کے عالم بے سروسامانی کے ساتھ دہلی
سے گجرات کو روانہ ہو گئے۔

[1] المکاتیب والرسائل ص ۲۷۹

[2] منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۱۳۔
سروولزلے ہیگ (   ) کا خیال ہے کہ ملّا عبدالقادر نے یہاں فیضی اور ابوالفضل کا نام لکھنے کے بجائے "صحبت فلانی وفلانی" لکھ دیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۹۸۔

شیخِ محدّث رحمۃ اللہ حجاز کی طرف

۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء میں جب کہ شیخ محدث رح کی عمر اڑتیس سال کی تھی وہ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے اور ۹۹۶ھ میں حجاز کو روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ[1] مالوہ کے حاکم تھے۔ شیخ نے اُن کے پاس بھی قیام فرمایا تھا[2]۔ وہاں سے وہ مانڈو تشریف لے گئے تھے۔ مانڈو میں گلزار ابرار کے مصنف نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر "بہت کچھ فیروزی اور فرخندگی کے فوائد حاصل کیے تھے۔"[3] مانڈو سے روانہ ہو کر شیخ محدث رح احمد آباد پہنچے۔ وہاں اُن دنوں مرزا نظام الدین مصنف طبقات اکبری صوبے کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور "بے حد التماس کر کے آئندہ موسم تک ٹھہرایا"[4]

احمد آباد میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح شیخ وجیہ الدین علوی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

"محرر سطور در وقتیکہ بہ قصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ احمد آباد گجرات رسید از متاخرین مشائخ آں دیار کہ شیخ وجیہ الدین جامع کمالات و برکات

محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے احمد آباد گجرات پہنچا تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہ الدین جو جامع کمالات و

---

[1] مرزا کوکہ خان اعظم لقب تھا۔ اتکہ خاں کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے متعلق لکھا ہے:-

"بحسن اخلاق و بانواع فضائل و ہنر موصوف بود" (ج ۲ ص ۲۸۰ - ۲۸۱)

اکبر جب اس سے ناراض ہوتا تو کہا کرتا تھا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی نہر بہتی ہے اس لیے مجبور ہوں۔ جہانگیر نے اس کے سب علمی فضائل کو مختصراً بیان کیا ہے:-

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت۔ و در تاریخ و تقریر بے نظیر بود و در مدعا نویسی ید طولی داشت و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و در شعر ہموار می گفت۔"

[2] گلزار ابرار، ص ۵۹۹ - [3] ایضاً - [4] ایضاً -

وسن و عمر و مرتاض مشغول بتدریس علوم و تصنیف کتب و ترتیب و ارشاد طالبان بود۔ بملاقات وے مستعد شد۔ و بہ بعضے اذکار و اشغال لسلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید۔

برکات سن رسیدہ بزرگ تھے درس تدریس میں مشغول تھے کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالباں میں ان کا انہماک تھا۔ انکی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کیے۔

شیخ محدث دہلی سے بلا کسی زاد راہ کے احمد آباد پہنچے تھے۔ احمد آباد میں مرزا نظام الدین بخشی نے جو اُن کے دیرینہ دوست تھے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو زادِ راہ فراہم کی اور جہاز کا بندوبست کیا۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے :-

"از دہلی بطریق جذبہ بہ ہیچ چیز مقید نشدہ، بگجرات رفت و بہ حسن سعی میرزا نظام الدین احمد مددگاری او درجہاز نشستہ بسفر حجاز رفت"[1]

دہلی سے ایک جذبہ کی حالت بلا سامان سفر کے گجرات پہنچ گئے اور میرزا نظام الدین احمد کی مدد سے جہاز میں بیٹھ کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدث نے لکھا ہے کہ ان کا شریک سفر ایک قادری درویش تھا صبح کو جب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا تھا یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رح کا نام زور زور سے لیا کرتا تھا۔ شیخ کو اس کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

شیخ محدث ماہ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے مکہ معظمہ کے محدثین سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مولانا عبدالوہاب متقی رح کے قدموں میں

شیخ عبدالحق دہلوی ۹۹۶ھ مطابق ۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز پہنچے تھے ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء تک انکا وہاں قیام رہا۔ یہ تقریباً تمام وقت شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں گزرا۔ ان کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ شیخ نے علم کی تکمیل کرائی اور احسان و سلوک کی راہوں سے آشنا کیا۔ تکمیل علم کے بعد نو خیز عالم کو ایک سخت منزل پیش آتی ہے۔ اسے کسی ایسے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے علمی ذخیرے کو تعمیری کاموں میں لگا دے۔ دل و دماغ پر علم کا ایک بوجھ ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک ہلکا نہیں ہوتا جب تک اس کے استعمال کیلئے صحیح راہیں

[1] منتخب التواریخ جلد سوم، ص ۱۱۳۔

متعین نہ ہو جائیں۔ اس منزل پر ذراسی لغزش عمر بھر کے ریاض کو بیکار کر دیتی ہے۔ شیخ عبد الحق خوش قسمت تھے کہ ان کو ایسا رہبر کامل مل گیا جس نے اُن کے علم اور علمی صلاحیتوں کو صحیح راہ پر لگا دیا۔

شیخ عبد الحق کی تعلیم و تربیت شیخ متقی کی نگرانی میں

رمضان ۹۹۶ھ میں شیخ عبد الحق دہلوی رح شیخ عبد الوہاب متقی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور مشکوٰۃ کا سبق لینا شروع کیا۔ رمضان کے آخری دس دنوں میں ان کے ساتھ معتکف رہے۔ مناسک حج انہی کے ساتھ ادا کیے۔ عرفات اور مزدلفہ میں اُن کی صحبت سے فوائد حاصل کیے۔ پھر درس میں مشغول ہو گئے۔ ۲۳، ربیع الثانی ۹۹۷ھ کو شیخ عبد الوہاب کی اجازت سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے اور آخر رجب ۹۹۸ھ تک یہیں مقیم رہے پھر مکہ معظمہ آکر شیخ عبد الوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا:۔

"الحمد للہ نسبتے بایں علم شریف بوجہ اتم حاصل شد۔ است وایں مقدار شدہ است کہ از عہدہ خدمت ایں علم تواند برآمد۔ اکنوں چند روز بکار دیگر ہم پردازید۔ و اندکے لذت خلوت و ذکر اللہ نیز دریابید"۔ [۱]

الحمد للہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہو گیا۔ بلکہ اس قدر ہو گیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کیا جا سکتا ہے اب چند دن دوسرے کام میں مصروف ہونا چاہیے اور خلوت و ذکر اللہ کی کچھ لذت بھی چکھنی چاہیئے۔

اور اُن کو آداب، اوضاع ذکر، تقلیل طعام وغیرہ کی تعلیم دی اور تصوّف کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"دراں ہنگام کہ شیخ اجل اعز اکرم، اوحد اعدل عبد الوہاب متقی قادری شاذلی ایں مسکین را تلقین ذکر نمودہ اجازت داد و آداب آں آموخت کتابے بدست من داد مسمیٰ بہ منہج السالک الی اشرف المسالک و چوں عبارت آں کتاب عربی بود برائے طالباں ترجمہ کردم"۔ (المکاتیب والرسائل)

جس زمانہ میں حضرت شیخ عبد الوہاب متقی قادری شاذلی اس مسکین کو تلقین ذکر فرما رہے تھے، اور اسکے آداب بتا کر اجازت دی تھی، ایک کتاب میرے ہاتھ میں دی تھی اس کا نام منہج السالک الی اشرف المسالک تھا۔ وہ کتاب عربی میں تھی۔ اس لیے میں نے اس کا (فارسی میں) ترجمہ کر دیا۔

ایک اور کتاب جس کی تعلیم خاص طور پر دی تھی وہ قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تھی کتاب کے عنوان ہی

---

[۱] زاد المتقین (قلمی) [۲] شاہ کلیم اللہ دہلوی رح نے کشکول کلیمی (ص ۱۲-۱۱) میں اس کا طویل اقتباس دیا ہے۔

سے شیخ متقی رح کے مقصدِ تعلیم کا پتہ چلتا ہے ۔

پھر حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین واقع تھا، ریاضت کے لیے بٹھادیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی رح نے اس زمانہ میں ان کی طرف خاص توجہ کی۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور ان کی عبادت و ریاضت کی نگرانی فرماتے۔ شیخ محدث زاد المتقین میں لکھتے ہیں :۔

"فقیر را نیز دراں خلوت مشرف می ساختند و پرسش احوال می کردند و می فرمودند کہ الحمد للہ ظہور احوال موافق مقصود است ۔"	فقیر کے پاس اس خلوت میں تشریف لاتے تھے پرسش احوال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الحمد للہ ظہور احوال مقصد کے مطابق ہے ۔

جب اس خلوت کدہ سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قراءت کی اجازت چاہی جب اس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا :۔

اکنوں عزیمت ہندوستان بکنید	اب ہندوستان کا ارادہ کرو ۔

شیخ عبدالوہاب متقی نے اپنے علم حدیث کا وہ بیش بہا حصہ عنایت فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے علمی حلقے گونج رہے تھے۔ شیخ عبدالحق فرماتے تھے :

تمامہ کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے آں عالی مقام علیہم رحمۃ اللہ الملک العلام خصوصاً از حضرت شیخ اجل و اکرم اوحد و اعدل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ داد و اصل الینا فیوضہ و فتوحہ بتلقین ذکر و ایثار خلوت و برکت مشرف و فائز شد و نعمتہا و بشارتہا از خدمت وے در حصول انوار و آثار نتائج و ثمرات برکت و التزام مقام صدق و استقامت در نشر علوم دینی و حصول مواہب یقینی مشرف و مبشر گشتہ برجوع و عود بوطن مالوف مامور و مکلف شدہ ۔ [1]	تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ (حجاز کے) علماء کرام سے حاصل کیے۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا ۔

[1] تالیف قلب الالیف (قلمی) ۔

(۲) علم ظاہری کے بعد علم باطنی کی تعلیم دی اور سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہوں سے آشنا کیا۔ تصوف کی کتابیں پڑھائیں اور عبادت و ریاضت حرم شریف کے اندر اپنی نگرانی کرائی۔

(۳) حقوق العباد کا صحیح جذبہ اور صحیح تصور پیدا کیا۔ تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

(۴) فقہ حنفی کے متعلق شیخ محدث کے خیالات قیام حجاز کے دوران میں بدل گئے تھے اور وہ شافعی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، شیخ عبدالوہاب رح کو اس کا علم ہوا تو مناقب امام اعظم پر ایسا پرتاثیر خطبہ ارشاد فرمایا کہ شیخ محدث کے خیالات بدل گئے اور فقہ حنفی کی عظمت اُن کے دل میں قائم ہو گئی۔

حدیث، تصوف، فقہ حنفی، حقوق العباد .... ان چار چیزوں کی اعلیٰ تعلیم شیخ عبدالحق رح نے حقیقت میں شیخ عبدالوہاب متقی رح کے قدموں ہی میں حاصل کی۔

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

شیخ عبدالحق دہلوی رح کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا۔ دیار حبیب میں جب داخل ہوتے تو برہنہ پا ہو جاتے تھے۔ تحفۃ الکرام میں لکھا ہے:-

در مدینہ برہنہ پا گردیدے

ایک مرتبہ ایک طویل قصیدہ[۱] سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ زاد المتقین میں لکھا ہے کہ جب اس شعر پر پہنچے ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ | جمال خود نما، رحمے بجان زار شیدا کن

تو دل بے قابو ہو گیا اور بقول خود

"گریہ زار زار در گرفت"[۲]

خلوص و عقیدت کا یہ والہانہ تقاضہ قبول ہوا اور وہ زیارت رسول پاک سے مشرف ہوئے۔

---

[۱] یہ قصیدہ ہندوستان میں لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد جگہ حالات گرد و پیش پر افسوس اور بددلی کا اظہار کیا گیا ہے۔ "ظلم سیہ کاراں" اور "بے ہمتاں دہر" ہندوستان کی دینی فضا کو خراب کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

جہاں تاریک شد از ظلمت سیہ کاراں | بیا دُعالمے را روشن از نور تجلی کن

[۲] زاد المتقین (قلمی)

زاد المتقین میں شیخ عبدالحق دہلوی نے چار بار زیارت رسول پاک سے مشرف ہونے کا حال لکھا ہے۔

۲۱ رذی الحجۃ ۹۹۸ھ کو مکہ معظمہ میں جو خواب دیکھا اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"دیدم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر سریرے نشستہ درس علم حدیث شریف میفرمایند و انوار جمال و جلال از وجہ شریف وے متلالی است و باحسن صورت متجلی است کہ فوق آں تصور نتواں کرد۔"

میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں۔ اور جمال وجلال کے وہ انوار اُن کے چہرۂ مبارک سے چمک رہے ہیں جن سے زیادہ تصور ہی نہیں کیے جا سکتے۔

اسی شب میں یہ بھی خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدائے دین سے لڑنے کے لیے لشکر تیار کر رہے ہیں..... شیخ عبدالحق کی پوری زندگی حقیقت میں اسی خواب کی تعبیر بن گئی۔ وہ آخری سانس تک حدیث کی نشر و اشاعت میں سرگرم اور بدعات کے خلاف نبرد آزمائی میں مصروف رہے۔

حجاز سے روانگی

علم وعمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا:

"بخانہ خود بروید کہ والدہ و فرزندان شما بسیار پریشان حال و بجانب شما نگراں خواہند بود۔"

(اب تم) اپنے گھر جاؤ کہ تمہاری والدہ اور بچے بہت پریشان حال اور تمہارے منتظر ہوں گے۔

شیخ محدث ہندوستان کے حالات سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی، عرض کیا:

"فقیر را نیت اقامت ایں مقامات شریفہ بسیار است و بعد ازاں نیت سیر بغداد و زیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہست۔"

فقیر کے دل میں ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ اس کے بعد سفر بغداد اور زیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی نیت ہے۔

اس سلسلہ میں اُستاد اور شاگرد میں جو گفتگو ہوئی وہ خود اُن ہی کی زبانی سننے کے قابل ہے:۔

شیخ عبدالوہاب:۔

شمارا بعد ازیں گنجائش ندارد کہ اینجا باشید یا جائے

اب اس کے بعد تمہیں یہاں رہنے یا اصلی وطن کے

دیگر روید الا بوطن اصلی خود۔ حق شرع بر ہمہ مقدم است
حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ باشما اند، ہر جا کہ
باشید محبت و اعتقاد و توجہ بایشاں درست
دارید۔ وقصد اتباع ایشاں بکنید۔ و بر فرمودہ
ایشاں بروید ایشاں ہرگز راضی نیستند کہ ایذا لئے
والدہ و زوجہ و فرزنداں صغیر بکنید۔ وشما خود می
گفتید کہ والدۂ من مرا رضائے حرمین داوہ و گفتہ
است کہ جائے ثالث نروی۔ پس چوں می
توانید رفت۔

شیخ عبدالحق

سوا دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ حق شرع
سب پر مقدم ہے۔ حضرت غوث اعظم تمہارے ساتھ
ہیں۔ جس جگہ بھی رہو اُن سے محبت اور اعتقاد اور
ان کی طرف توجہ رکھو۔ ان کی پیروی کی کوشش کرو
اور ان کے حکم پر چلو۔ وہ اس سے ہرگز خوش نہیں کہ تم
اپنی والدہ بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایذا دو، تم خود کہتے
تھے کہ میری والدہ نے مجھے حرمین شریفین جانے کی
اجازت دی ہے اور تاکید کر دی ہے کہ تیسری جگہ نہ جانا
اس حالت میں تم کیونکر جا سکتے ہو۔

"فقیر نیت کردہ است کہ از ہماں راہ بغداد رسیدہ
ہندوستان رود۔ چہ ایں راہ وچہ آں راہ۔ پس
گویا جائے ثالث نرفتہ"

شیخ عبدالوہاب

فقیر نے یہ نیت کی ہے کہ اسی راہ سے بغداد ہوتا ہوا ہندوستان
جائے جیسی یہ راہ ویسی وہ راہ۔ لہذا اس کو تیسری جگہ
جانا کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

ایں چنیں اگر کنید درست است۔ اما می توانید کہ در
بغداد یک ماہ یا چہل روز باشید۔ بعدہٗ ازانجا
برآئید۔ نمی توانید۔ ایں نسبت کہ شما بجانب ایشاں
دارید برآمدن شما از آں جا مشکل است نمی توانید
از آں جا برآمد، سفر ممتد می شود، جماعۂ شما در انتظار ہلاک
می شوند و ایذا می کشند۔

شیخ عبدالحق

اگر ایسا کرو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ
تم بغداد میں صرف ایک ماہ یا چالیس روز قیام کرو اور
پھر وہاں سے ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ، نہیں، حضرت
غوث اعظم سے تمہاری نسبت کو دیکھتے ہوئے تمہارا وہاں
سے نکلنا مشکل ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ سفر طویل ہو جائے گا اور
تمہاری جماعت انتظار میں تباہ ہو جائے گی اور ایذا اٹھائے گی۔

"توجہ فرمایند کہ در ہر چہ خیریت بندہ است
پیش آید"

دعا کیجیے کہ جو کچھ بندے کے حق میں بہتر ہو وہی ظہور
میں آئے۔

شیخ عبدالوہاب

ان شاء اللہ تعالیٰ خیریت است ، استخارہ بکنید ، اکنوں درظاہر خود خیریت منحصر است درآنکہ بخانہ خود روید۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بہتر ہی ہوگا، استخارہ کرلو۔ اب بظاہر خیریت اسی میں نظر آتی ہے کہ اپنے وطن واپس جاؤ۔

شیخ عبدالحق رح کو اور زیادہ گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اس وقت خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن موقع پاکر پھر اس گفتگو کو چھیڑا۔

شیخ عبدالحق

"شیخ عبداللہ بلیانی.... فرمودہ است کہ ایں شرط طالب راہ آں است کہ بداند کہ ہیچ حقے از حقوق بالاتر از حق باری تعالیٰ نیست۔ وبیشتر از تحصیل معرفت وے سبحانہ تعالیٰ ہیچ کس را بروے حقے نیست خواہ مادر و پدر باشد۔ یا زوجہ و فرزنداں بترک ہمہ باید بود تکمیل نفس باید کرد۔

شیخ عبداللہ بلیانی نے فرمایا ہے کہ طالب طریقت کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے سے زیادہ کسی کا حق اس کے ذمہ نہیں ہے ماں باپ ہوں یا بیوی بچے سب کو چھوڑ دے اور معرفت الٰہی کی طلب اور تکمیل نفس کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ عبدالوہاب نے یہ گفتگو سن کر کچھ دیر توقف کیا، پھر فرمایا:

ایں چنیں خود نیست کہ ایشاں گفتہ اند، حقوق شرع ہمہ حقوق اللہ اند۔ ورعایت آں مورث معرفت حق تعالیٰ و موجب قرب رضائے وے تعالیٰ است۔ اگر از طلب حق و دین اسلام مانع آیند آں دیگر است۔"

جو شیخ موصوف نے کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے حقوق شرعیہ سب کے سب حقوق اللہ میں داخل ہیں اور ان کا خیال رکھنا معرفت اور قرب الٰہی کا سبب ہے البتہ اگر وہ لوگ طلب حق و دین اسلام سے مانع ہوں تو دوسری بات ہے۔

شیخ عبدالحق

"دیگر ہمیں بزرگ گفتہ است کہ طلب رزق و کسب معیشت نباید کرد۔ زیرا کہ حق تعالیٰ گفتہ است نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

انہیں بزرگ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طلب رزق اور تلاش معاش نہ کرنی چاہیے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے نَحْنُ نَرْزُقُكَ (ہم تجھے رزق دیتے ہیں)

شیخ عبدالحق

"این مسئلہ مختلف فیہ است تفصیلے دارد۔ مطلق نیست۔ بہ شیب و تجرد ہر دو طریق قرب ووصول است۔"

یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور تفصیل کا محتاج ہے۔ مطلق طلب رزق ممنوع نہیں ہے۔ تعلق اور تجرد دونوں طریقوں سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

شیخ عبدالحق رح کی عجیب حالت تھی۔ یہ شیخ کے سامنے سوء ادب کے خوف سے زیادہ گفتگو نہ کرتے تھے، اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا، لیکن جب تنہا ہوتے اور واپسی کے متعلق سوچتے تو دل گھبرانے لگتا۔ فرماتے ہیں۔

"چوں این فقیر بہ منزل خودمی آمد وتنہامی بود، بخود قرارمی داد کہ بہ ہندوستان نرود و مطلق این عزیمت فسخ نمود۔"

جب فقیر قیامگاہ پر آتا تھا اور اکیلا ہوتا تھا تو دل میں طے کرلیتا تھا کہ ہندوستان نہ جاؤں گا اور واپسی کا ارادہ بالکل فسخ کردیتا تھا۔

اس کے بعد کئی بار بغداد کے سفر کا ذکر آیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے ہر مرتبہ یہی مشورہ دیا کہ وطن واپس جانا چاہیے۔ شیخ دہلوی اس کے لیے کسی طرح راضی نہ تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ بغداد چلے جائیں یا پھر شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں رہیں۔ ایک دن شیخ نے وطن جانے کے لیے کہا تو عرض کیا کہ حضور کی صحبت سے مجھے روزانہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، رہنے دیا جائے۔ فرمایا۔

"اکنوں فائدہ شما درین است کہ بوطن خود بروید و اہل حقوق را بملاقات خود مسرور سازید، این نیز عبادت است۔"

اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ وطن جاؤ اور جن لوگوں کے تم پر حقوق ہیں ان کو اپنے دیدار سے مسرور کرو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

اس پیہم تقاضہ سے مجبور ہوکر شیخ عبدالحق نے ہندوستان کو واپس ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ آخر شعبان سنہ ۹۹۹ھ میں طائف جاکر حضرت عبداللہ بن عباس رض کے مزار کی زیارت کی۔ پھر رمضان کے آخر تک شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رہے۔ شوال میں عازم ہندوستان ہوگئے۔

حجاز سے روانگی کے وقت اُن کی حالت یہ ہوگئی کہ :-

"حیرتے دروقت پیش آمد کہ این ہمہ خواب وخیالے بود کہ گذشت وچناں نمود کہ یک روز این جا اقامت نہ نمودہ بود۔"[۱]

[۱] زاد المتقین (قلمی)

آنکھوں میں آنسو اور دل میں یہ شعر لیے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

وہ اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے جہاں تین سال قبل وہ ایک نہایت ہی والہانہ انداز میں داخل ہوئے تھے اور جہاں اُن کو وہ دولت ملی تھی جس پر دنیا کی تمام دولتیں نثار کی جا سکتی تھیں۔ صحیح مذہبی وجدان، بلندی فکر و نظر، احساس فرائض اور دل دردمند۔

شیخ عبدالوہاب نے رخصت کرتے وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ایک پیراہن مبارک عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ:

"بیکار نباشید۔ واز بجانب امداد انوار ان شاء اللہ متوالی خواہد بود"

شیخ عبدالحق ابھی جدہ ہی میں تھے کہ انہوں نے ایک ایسا "خریطہ" بھیجا جس کو انہوں نے عرصہ تک استعمال کیا تھا۔

شیخ محدّث کے روحانی مرشد

شیخ محدث دہلوی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس فضا میں پرورش پائی اس پر تصوّف کا رنگ غالب تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہوتے۔ چنانچہ بچپن ہی سے اُن میں عبادت و ریاضت کی لگن پیدا ہو گئی۔ ابتدائی زمانہ میں جس طرح وہ عبادت کرتے تھے، اس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ان کا یہ مذہبی جذبہ عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تصوّف کا رنگ پوری طرح اُن پر چڑھ گیا۔[1] نظام الدین احمد بخشی نے لکھا ہے۔

"امروز در دہلی است .... در لباس صوفیہ می گزرانند" [2]

آج کل دہلی میں ہیں اور صوفیہ کے طرز زندگی گزارتے ہیں۔

[1] خافی خاں نے لکھا ہے: "در صلاح و تقوی کہ لازمہ علم با عمل است ممتاز بودہ، در اداء فرض و سنن تا دم واپس دقیقہ فروگذاشت نمود" صفحہ ۲۴۰۔

[2] طبقات اکبری، جلد دوم صفحہ ۴۶۶

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :-

"در تصوّف رتبہ بلند دارد" [1] — تصوف میں بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

بلکہ ملا صاحب کا خیال تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے درس و تدریس میں مشغولیت اس لیے رکھی تھی کہ لوگ ان کو علوم ظاہری کا فاضل سمجھ کر باطنی تعلیم کے لیے پریشان نہ کریں۔ لکھتے ہیں۔

"ستر حال خویش با افادہ و استفادہ علوم رسمیہ می کند" [2] — علوم رسمیہ کے درس و تدریس کو انھوں نے اخفاء حال کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

والدِ ماجد سے بیعت

شیخ عبدالحق نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ رسالہ وصیت میں لکھتے ہیں :-

"والدم را بر من حق پدری و استادی و دوستی و پیری جمع است" — میرے والد ماجد کے مجھ پر پدری، استادی، دوستی اور پیری کے حق جمع ہیں۔

شیخ سیف الدین کا یہ حال تھا کہ پہروں اپنے نوعمر فرزند کو آغوش میں لیے بیٹھے رہتے تھے اور اس کے سینہ کو علوم باطنی سے معمور کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ شیخ عبدالحق نے "مکتب عشق" کا پہلا درس اپنے باپ ہی سے لیا تھا اس کے بعد باپ نے حکم دیا کہ سید موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو جاؤ سعادتمند فرزند نے اس حکم کی تعمیل بھی بسر و چشم کی فرماتے ہیں۔

"بامر پدر مرید حضرت سیدی سندی کلیم اللہی الشیخ موسیٰ گیلانی ام" [3] — والد ماجد کے حکم سے میں نے حضرت سید سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے بیعت کی۔

شیخ محدث ۲۰ شوال ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) کو حضرت سید موسیٰ گیلانی کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے شیخ نے ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو خلافت سے بھی نوازا۔ خود فرماتے ہیں۔

"غایت محبت بمن داشت، و مرا بفرزندی قبول کرد، و تلقین نمود و خلافت داد" [4]

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۱۳ — [2] منتخب التواریخ جلد ۳ - ص۱۱۴

[3] وصیت نامہ (قلمی) — [4] رسالہ وصیت (قلمی)

شیخ عبدالوہاب متقی سے ارادت

مکہ معظمہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی بیعت کی تھی، فرماتے ہیں:

"بعد شرف یابی از سید موسیٰ گیلانی بہ مکہ رفتم و بہ خدمت شیخ ولی اجل اعزو اکرم قطب الوقت عبدالوہاب متقی رضی اللہ عنہ مشرف شدم۔ وے نیز مرا قبول کرد..... و علم ظاہر و باطن تربیت فرمود۔ و وے در انتساب قادری و درسلوک و ارشاد شاذلی و از سلسلۂ مدینہ و چشتیہ کہ از راہ بالا بجناب ولایت مآب شیخ مودود چشتی می رسد نیز خلافت داشت مرا نیز بخلافت ایں سلاسل مشرف گردانید۔"

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔

چوں بہ ہندوستان آمدم صحبت افتاد مرا با خواجہ محمد باقی نقشبندی مدتے مشق نسبت خواجگان کردہ طریقۂ ذکر، مراقبہ، و رابطہ و حضور و یاد داشت[1] حاصل نمودہ۔"	جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ عرصہ تک طریقۂ خواجگان کی مشق کی اور ذکر، مراقبہ، رابطہ حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اگر سولہویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ ان کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی، بلندی فکر و نظر کا شاہد ہے۔ شیخ عبدالحق نے جب احیاء علوم الدین کا بیڑا اٹھایا تو حضرت باقی باللہ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ ان سے کسب فیض نہ کرتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

---

[1] ان اصطلاحات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو "انفاس العارفین" ترجمہ القول الجمیل از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۹۶-۱۰۰۔

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "گلزار ابرار" ص ۲۶۵

وکان الداعی الیھا والمرشد للطالبین فی	ہمارے شہر میں اس نسبت (نقشبندیہ) کے داعی اور
بلدنا ھذا الشیخ العارف الکامل سر	مرشد شیخ العارف الکامل سر اللہ الاعظم ونور الاتم سیدنا و
اللہ الاعظم ونور الاتم سیدنا ومولانا خواجہ	مولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ تھے۔ وہ اس
محمد الباقی قدس سرہٗ الاصفی وھو من مشائخنا	طریقہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں۔ اللہ ان کو
فی ھذا الطریق جزاہ اللہ منا خیرا۔ لہ	جزائے خیر دے۔

شیخ محدث رحمہ اللہ اپنے مرشد کا جو ادب واحترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"نقل ایں چند کلمہ اتفاق افتاد، ہر بار کہ می خواست کہ بجانب ایشاں عریضہ بنولیسد وچیزے ازیں سخناں کہ بنظر درآمدہ نقل نماید، حیا وحجاب مانع می آمد وناتحریت وناالیت خود منظور می افتاد تادریں مرتبہ کہ قلم تقدیر سے بے سابقہ تامل وتدبر جریان یافت وکلمہ چند بظہور آمد معذور خواہند داشت۔" ٢ہ

خواجہ باقی باللہ نے ایک مرتبہ ان کو خط میں کچھ راز کی باتیں بتائیں، شیخ محدث رح کو اسقدر خوشی ہوئی کہ پھولے نہ سماتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ کس طرح ..... ایں حقیر را بایں سخن .... مخاطب ساختہ۔" ٣ہ

حضرت خواجہ صاحب کو بھی اُن سے بڑی محبت اور خصوصیت تھی۔ اُن کے خطوط کو نہایت ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ ملفوظات باقیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔

"روزے عنایت نامہ بندگان حضرت مخدومی حاجی	ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت مخدومی حاجی شیخ عبد الحق
شیخ عبد الحق کہ بامضامین حقائق آمیز وکلمات نصائح انگیز	کا عنایت نامہ جو حقیقت میں حقائق آمیز مضامین اور
نسخہ سعادت را عنوانے بود، رسید، بنظر آں	نصائح آمیز کلمات کا نسخہ سعادت بلکہ اس کا عنوان تھا
مکتوب کلمہ چند از آثار کلک بدائع نگار حضرت	پہنچا خط کی پشت پر چند کلمے حضور کے قلم سے
ایشاں بنظر تعطش اثر درآمد وحالتے بخشید کہ از	لکھے ہوئے نظر پڑے۔ ایک ایسی حالت اور وجد طاری ہوا
حوصلہ کاغذ وقلم بیروں است مجملے از ذوق آں دریں	کہ کاغذ اور قلم کے حوصلہ سے خارج ہے۔ اس ذوق کا
مصرعہ یافتہ می شود ع۔	نمونہ مجملاً اس مصرعہ میں پایا جاتا ہے۔ ع
نہادم روئے بر روئے وے واز خویشتن رفتم۔	یعنی میں نے اپنا منہ اسکے منہ پر رکھا اور اپنے آپ سے بے آپے ہوگیا۔

لہ المکاتیب والرسائل، ص ۲۷۸ - ۲۷۹ - ٢ہ و ٣ہ کتاب المکاتیب والرسائل۔

وآں کلمات حقائق آیات ایں است۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

ہرچہ نوشتنی بود در صحیفہ بندگان مخدومی مندرج است زیادہ چہ نویسم بارے فرصت وقوت بلکہ وقت ونفس راغنیمت شمردہ بمقتضائے آن زندگانی میباید کرد، دریغ کہ ایں عاجز گرفتار را قوت کار نماندہ وگرنہ بتوفیق اللہ دریں دور روزہ عمر دیوانہ وار ماتم بازماندگی خود میداشت وزندگانی فدائے ایں راہ می کرد حق تعالیٰ دریں افتادگی نیز دردے وآشوبے کرامت فرماید کہ کار دوجہاں خود را در قبضہ اقتدار او نہادہ از مجموع گرفتاریہا فراغے۔ بیابم۔ آمین یارب العالمین امید از آں برادر آنست کہ روئے برخاک نہد و ازبرائے حصول ایں آرزوئے فقیر از خدا بخواہد کہ دعاء الغائب للغائب اسرع اجابۃ آمدہ است۔ والدعاء۔[1]

حضور نے جو کلمات حقائق آمیز لکھے تھے وہ یہ ہیں:۔

"اللہ ایمان والوں کا حامی ومددگار ہے کہ اُن کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے"۔

جو کچھ لکھا تھا بندگانِ مخدومی کے خط میں لکھا گیا زیادہ کیا لکھوں ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ فرصت اور قوت بلکہ وقت اور نفس کو غنیمت شمار کر کے اس کے مناسب زندگی کرنی چاہیے۔ افسوس کہ اس عاجز گرفتار کو قوت کسی کام کی نہیں رہی ورگرنہ خداوندی توفیق سے اس دوران کی عمر میں دیوانوں کی طرح اپنی عاجزی اور سستی کا ماتم کرتا اور اپنی زندگی کو اس راہ میں قربان کر دیتا لیکن دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس عاجزی میں بھی ایسا درد اور آشوب عنایت فرمائے کہ میں اپنے دین و دنیا کے کاموں کو اس کے قبضہ اقتدار میں سونپ کر تمام گرفتاریوں سے فراغت پا جاؤں۔ آمین یارب العالمین۔ امید ہے کہ تم ہمیشہ خاک مذلت پر عاجزی کا منہ رکھ کر فقیر کی اس آرزو پر کامیاب ہونے کی خدا سے دعا مانگتے رہو گے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ غائب کی دعا غائب کے لیے بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ والدعاء۔

سلسلہ قادریہ سے خصوصی تعلق:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو مندرجہ ذیل سلاسل کی خدمت ملی تھی۔

(۱) قادریہ (۲) چشتیہ (۳) شاذلیہ
(۴) مدنیہ (۵) نقشبندیہ

[1] کلمات طیبات۔ ص ۵۴ - ۵۵۔

لیکن ان کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ اُن کی عقیدت وارادت کا مرکز حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بعض وقتی ضروریات اور ماحول کے اثرات کی بنا پر دوسرے خانوادوں کے بزرگوں سے استفادہ کرنے مجبور ہوگئے تھے لیکن ان کا دل و دماغ کا ریشہ ریشہ شیخ جیلانی کے عشق میں گرفتار تھا۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ خواب میں حضرت غوث الاعظم نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر مرید کیا تھا اور بیعت ہونے کے بعد حضور سرور کائنات نے بزبان فارسی بشارت دی تھی کہ۔ " بزرگ خواہی شد " [1]

اپنی تصانیف میں جس طرح انہوں نے شیخ جیلانی کا ذکر کیا ہے وہ ان کے جذبات عقیدت کا آئینہ دار ہے شیخ کا نام آتے ہی اُن پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور ان کا علم فرطِ مسرت اور جوش عقیدت میں وجد کرنے لگتا ہے۔ اخبار الاخیار میں انہوں نے صرف ہندوستان کے علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے، لیکن عقیدت کی بناء پر حضرت شیخ جیلانی کے تذکرہ سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ ایک مکتوب میں اپنے فرزند شیخ نور الحق کو لکھتے ہیں۔

"مرجع وملاذ لئے ما فقیراں ہمہ جناب سید کائنات وخلاصۂ موجودات است علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات بوسیلہ حضرت پیر دستگیر غریب نواز شکستہ پرور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ " [2]

شیخ محدث اپنے نام کے ساتھ بھی صرف قادریہ سلسلہ سے ہی اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں:۔

" عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی وطناً، البخاری اصلاً، الترکی، نسباً الحنفی مذہباً، الصوفی مشرباً، القادری طریقۃً " [3]

وصال

۱۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے [4] سال تک فضائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھا تھا، غروب ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] زبدۃ الآثار (قلمی نسخہ)

[2] المکاتیب والرسائل ص ۲۹۸

[3]

[4] خافی خاں نے غلط لکھا ہے کہ " زیادہ از صد سال مرحلۂ عمر طے نمودہ " ص ۲۴۰

وصیت نامہ میں لکھا تھا ۔

"دعا و تمنائے فقیر از درگاہ الٰہی است ۔

اگر ایں دعا در قبول افتاد ہیچ حاجت بوصیت نیست، اگر در ینجا اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے پاکاں و مغفوراں است دفن کنند"۔

چنانچہ ان کے جسد خاکی کو حوض شمسی کے کنارے ہی سپرد خاک کیا گیا۔ وصیت نامہ میں قبر کے متعلق یہ ہدایات تھیں ۔

"قبر وسیع بکنند۔ تجاوز از حد اعتدال و درون قبر کچ نکنند۔ و دیوار ہائے او بخشت خام بر آرند و بدیوار بالیں طاق بسازند و شجرۂ پیراں دراں نہند"۔

اس کے بعد لکھا تھا کہ شیخ سیف الدین رح کے کفن پر جو عبارت لکھی گئی تھی وہ قبر پر جلی حروف میں لکھ دی جائے اور ۔

اگر مصلحت دانند لوحے قائم کنند کہ در روے تاریخ ولادت و فوت یا برخے از احوال تحصیل و سفر و اوقات آنرا باختصار نوشتہ بکنند"۔

وصیت کے مطابق نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار پر یہ کتبہ نصب کرایا :۔

"مجملے از احوال کرامت منوال ایں شیخ وقت مقتدائے زمان صاحب المفاخر ابو المجد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ نزدیک باواں بجوع اکثر علوم دین تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ بر مسند افادہ نشست۔ و ہم در عنفوان جوانی جاذبۂ الٰہی در رسید بیکبار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بآں مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بوداع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ و علاوۂ آں تکمیل فن حدیث نمودہ بابرکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافتہ تکمیل فرزندان و طالبان بجا آورد۔ و بنشر علوم سیما بعلم شریف حدیث پرداختہ منہجیکہ در دیار عجم احدے را از علمائے متقدمین و متاخرین دست نداده است۔ ممتاز و مستثنی گردید۔ و در فنون علمیہ خاصۃً فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ و اہل دانش از خواص و عوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بعدد مجلد و بحسب شمار ابیات بپانصد ہزار

رسیدا ست۔

در محرم ۹۵۸ھ این نوراتم پرتو ظہور بعالم عنصری داد۔ و در ۱۰۵۲ھ تمام آگہی و کشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔
تاریخ ولادت شیخ اولیا (۹۵۸ھ) و تاریخ رحلت فخر عالم است " (۱۰۵۲ھ)

لوح مزار کی یہ عبارت اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ بہت سے مصنفین نے شیخ محدث کے حالات میں صرف اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مولوی انوار الحق نے اس عبارت کو کتاب المکاتیب و الرسائل کے ساتھ طبع کرا دیا ہے۔
مراۃ الحقائق میں مقبرہ کے متعلق لکھا ہے۔

"ایسا سنا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے حضرت کی حیات میں کنارہ حوض شمسی پر بنوایا تھا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ معمار یا مہتمم نے حضرت شیخ سے جب اطلاع کی کہ حضرت مقبرہ تیار ہے۔ فرمایا کہ ہم بھی تیار ہیں " [1]

سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ مقبرہ وفات کے بعد تیار ہوا۔ میرے خیال میں سرسید کی رائے صحیح ہے۔ مہابت خاں کا انتقال شیخ محدث کے وصال سے آٹھ سال قبل ہو گیا تھا۔

شیخ محدّث کا مکان، مدرسہ اور کتب خانہ

دہلی دروازہ سے آگے، باغ مہدیاں کے قریب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مکان، خانقاہ اور مسجد واقع تھی، خانقاہ کی طرف خود انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اس طرح اشارہ کیا ہے:۔

تَمَّ فی الخانقاہِ القادری وھذا الفقیر یخدمہ ویکنسہ ویوقد سراجہ کانما تَمَّ فی مجلسٍ واحِدٍ۔

(یہ کتاب خانقاہ قادریہ میں ختم ہوئی جس کی خدمت یہ فقیر کرتا ہے اور اس میں جھاڑو دیتا ہے اور وہاں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ گویا کہ یہ کتاب ایک جلسہ میں تمام ہوئی)۔

شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا۔ منشی برکت علی حقی مصنف مراۃ الحقائق نے اس کی زیارت کی تھی۔ مسجد کی اس زمانہ میں مرمت کرائی گئی تھی۔

شیخ محدث کے مکانات کی زمین کی پیمائش ان کے خاندان کے لوگوں نے کرائی تھی، کل رقبہ چھ بیگھہ اور چند

---

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۹۲

بسوہ تھا، شیخ کے خاندان کے لوگ ہی اس پر قابض تھے۔

شیخ محدث نے جس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور جس کی نسبت اخبار الاخیار میں لکھا ہے:۔

"ہر روز با وجود غلبہ برودت ہوائے زمستان وشدت حرارت تابستان دو بار بمدرسہ دہلی کہ از منزل بابعد دو میل داشتہ باشد، میل میکردیم۔ سو مدتے بیشتر از وقت صبح بمدرسہ می رسیدیم ودر سایہ چراغ جزو می کشیدیم۔"

پرانے قلعہ کے قریب واقع تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"یہ مدرسہ بعمارت پختہ دو منزلہ مع مسجد مقابل قلعہ کہنہ لب سڑک دہلی وآگرہ واقع ہے۔ یعنی دروازہ قلعہ کا بجانب غرب ہے اور اس مدرسہ کا بسمت شرق ہے۔ یہ مکان مدرسہ اب تک اپنی ہیئت پر بدستور قائم ہے سامنے دروازہ سے مسجد اس کی نظر آتی ہے اور گرد صحن کے ہر چہار طرف مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تر پتہ یہ ہے کہ بسمت دکھن جو دیوار مکانات بالائی کی ہے، اس میں چند دروازے باہر کی طرف ہیں کہ منجملہ اُن کے کوئی دروازہ پتھر اور چونے سے مسدود شدہ ہے اور کوئی بدستور کشادہ ہے کہ یہ ہیئت پلول سے جانے والوں کو دور سے دکھائی دیتی ہے اور جانب شمال متصل اس مدرسہ کے ایک ایسا ہی مکان عظیم الشان اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے اور اس کے دروازہ صدر پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔" [1]

ایک ایسے دور میں جبکہ کتب خانے وجود میں نہیں آئے تھے، ہر تصنیفی کام کرنے والے کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایک ذاتی کتب خانہ جمع کرے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں بسر کر دیا۔ اس نصف صدی میں انہوں نے عرب وعجم کے علمی نوادر اپنے کتب خانہ میں سمیٹ لیے تھے اُن کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فن پر اُن کے پاس معیاری کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ شرح سفر السعادت لکھنے بیٹھے تو حدیث تفسیر وفقہ کی کتابوں کا ڈھیر سامنے تھا۔ اخبار الاخیار مرتب کرنے لگے تو اسلامی ہند کا سارا مذہبی لٹریچر پیش نظر تھا۔ حجاز میں قیام کے دوران میں انہوں نے کثیر تعداد میں کتابیں حاصل کی تھیں۔ اس طرح ان کا کتب خانہ ہندوستان کے نہایت ہی بیش قیمت علمی ذخیروں میں تھا۔ شیخ محدث کا یہ کتب خانہ ان کے وصال کے بعد عرصہ تک صحیح حالت میں رہا۔ ان کے فرزند شیخ نور الحق اور پھر ان کی اولاد علمی ذوق رکھتی تھی۔ اس طرح اس کتب خانہ کی نگرانی اور نگہداشت ہوتی رہی اٹھارہویں صدی میں جب دہلی کی سیاسی فضا بدلی اور مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے مسلسل ہنگامہ آرائی پر

---

[1] مراۃ الحقائق ص ۱۰۳

کمر باندھ لی تو معنوی دولت کے یہ خزانے بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ شیخ محدث کی روح ان ہنگاموں کو دیکھ رہی تھی اور جس کتب خانہ کو نصف صدی کی جگر سوزی کے بعد جمع کیا تھا اس کی تباہی کو دیکھ کر بے اختیار زبان حال سے کہہ رہی تھی ؎

اس دور میں ہر اک تہ چرخ کہن لٹا
اوروں کا زر لٹا مرا نقد سخن لٹا

شیخ نورالحق کے پوتے شیخ الاسلام شرح بخاری کی دوسری جلد کے خاتمہ پر شیخ محدث کے کتب خانہ کی بربادی کا حال اس طرح لکھتے ہیں :-

"تمام شد ...... در ہنگام تشتت بال و پریشانی حال از نہب و غارت خانہ در حملہ شہر کہنہ دہلی کہ باستیلاء کفار عتاۃ باتفاق طغاۃ و لمغاۃ واقع شد و ذہاب کتب خانہ قدیمہ و جدیدہ کہ بسیار ازاں دریں دیار کمیاب بود و بعضے ازاں بہ تصحیح و تحشیہ و تدریس شیخ المحدثین شیخ اجل محقق دہلوی بود رحمۃ اللہ علیہ ..... نماند خانہ مگر چند کتب در گوشہائے شکستہ افتادہ"

تصانیف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے پورا ۹۴ سال کی عمر پائی۔ اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا۔ جس جوش و خروش سے انہوں نے جوانی میں کام شروع کیا تھا۔ اسی جذبے اور ہمت کے ساتھ آخر عمر تک انجام دیتے رہے عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے :-

"با آنکہ عقود زندگیش بتسعین پیوستہ است از سلامت قویٰ بانواع طاعات و ریاضات و تعلیم و تالیف و تصحیح بساں ایام شباب می پردازد" [1]

ان کی تصانیف کی تعداد عبدالحمید لاہوری [2]، محمد صالح کنبوہ [3] اور خافی خان [4] نے سو یا سو سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ اس

[1] بادشاہ نامہ حصہ دوم۔ ص ۳۴۱ - ۳۴۲۔

[2] اودر فنون دانش یک صد و کسری، تصانیف مختصر و مطولہ دارد۔ بادشاہنامہ

[3] ویک صد و چند کتاب از تصانیف مختصر و مطولہ بر صفحہ روزگار گذاشتہ۔ شاہجہان نامہ جلد ۳ ص ۳۸۴

[4] صد کتاب از ہمہ علوم، عقلی و نقلی تالیف فرمودہ "منتخب اللباب جلد ا ص ۲۴۰

اندازہ میں مورخین نے غلطی کی ہے۔ انہوں نے وہ مضامین و رسائل بھی علیحدہ کتاب تصور کر لیے ہیں جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا جزو ہیں۔

شیخ محدث نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ایک رسالہ میں جس کا نام تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف ہے، دی ہے۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی تھی، اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی فہرست کے اختتام پر فرماتے ہیں۔

"ہنوز سلسلہ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز۔ تا بکجا رسد و بکجا رساند۔"

اس فہرست میں ۴۹ کتابوں کے نام درج ہیں۔ ان میں ایک کتاب یعنی المکاتیب والرسائل میں ۶۸ رسائل شامل ہیں۔ اگر اس میں سے ہر رسالہ کو الگ تصنیف مانا جائے (جیسا کہ عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کنبوہ نے کیا ہے) تو تصانیف کی تعداد ۱۱۶ ہو جاتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں ان رسائل کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ خود شیخ نے بھی ہدایت فرمائی ہے:۔

"ایں ہمہ را یک صحیفہ سازند و دریک جلد شیرازہ بہ بندو۔"

فہرس التوالیف کو مرتب کرنے کے بعد شیخ محدث نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائی تھیں، اس طرح اُن کی کل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہوتی ہے۔ ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں، لیکن مقصد ایک ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

جیسا کہ خود انہوں نے کتاب الرسائل میں کہا ہے وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں، چنانچہ ان کی تمام ادبی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنت ہی ہے۔

شیخ محدث کی تصانیف فن و موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث
(۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تصوف
(۷) اخلاق (۸) اعمال (۹) فلسفہ و منطق
(۱۰) تاریخ (۱۱) سیر (۱۲) نحو
(۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) مکاتیب

(۱۶) اشعار

جب اس چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ ایک ہی قلم سے یہ مختلف النوع تصانیف نکلی ہیں اور ان سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے تو شیخ محدث کے علمی تجربہ کا غیر فانی نقش دل پر قائم ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی علمی خدمات کا خاص پہلو علم الحدیث کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں اُن کی بیش بہا خدمات پر پھر کسی وقت بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف ان تصانیف کا ذکر مقصود ہے حدیث اور علم حدیث پر شیخ محدث کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں :۔

۱۔ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح۔

۳۔ ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین۔

۴۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ۔

۵۔ جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین۔

۶۔ رسالہ اقسام الحدیث۔

۷۔ رسالہ شب برات۔

۸۔ ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ۔

۹۔ الاکمال فی اسماء الرجال۔

۱۰۔ شرح سفر السعادت۔

۱۱۔ اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ۔

۱۲۔ تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ۔

۱۳۔ ترجمہ مکتوب النبی الاہل فی تعزیۃ ولدا معاذ بن جبل۔

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ

فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔ شیخ محدث نے یہ عظیم الشان کام ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء میں دہلی میں شروع کیا تھا۔ ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کیا۔ کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں :۔

قال مولف الکتاب شکر اللہ سعیہ و اتم علیہ نعمہ وقع الفراغ من جمع الاحادیث النبویۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رویۃ ہلال شوال، سنۃ سبع وثلاثین وسبع مائۃ بحمد اللہ وحسن توفیقہ۔ عہ

مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا خیال جن حالات میں پیدا ہوا اس کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

بعد از رجوع از حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً وتعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق وتائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد و درخدمت ایں علم شریف درمقام استقامت بنشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح راکہ دریں روزگار بسمت تداول واشتہار موسوم است شرح کند واز فوائد آنچہ در کتب قوم دیدہ از مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر دے رسیدہ بطالبان برساند۔" ؎۲

اشعۃ اللمعات کی تکمیل میں حضرت شاہ ابو المعالی کے تقاضوں اور دعاؤں کو بھی بڑا دخل تھا۔ ایک مرتبہ شیخ محدث لاہور تشریف لے گئے تو فرمایا۔

"شرح مشکوٰۃ را اتمام کنید۔ ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند۔" ؎۳

شاہ صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ شرح میں موقع کی مناسبت سے جگہ بہ جگہ اشعار بھی لکھے جائیں جیسا کہ ملا حسین نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ شیخ محدث نے عرض کیا کہ دوسروں کے اشعار اُن کو یاد نہیں ہیں فرمایا۔

"شمارا حاجت بتیبہائے مردم نیست۔ انچہ شمارا باید از شما زاید، شمارا در ہیچ چیز بہیچ کس احتیاج نخواہد بود ہمہ چیز حاصل است، ان شاء اللہ تعالیٰ۔" ؎۴

عہ اس عبارت میں کتاب کی تکمیل کا سنہ ۷۳۷ درج ہے جو ظاہر ہے کسی طرح درست نہیں۔ پس یہ طباعت کی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ "صحیح"

؎۱ اشعۃ اللمعات۔ جلد چہارم۔ ص ۷۶۳

؎۲ ایضاً جلد اول ص ۲۔

؎۳ کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰۶

؎۴ کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰۶ - ۳۰۷۔

اشعۃ اللمعات، چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ ان چار جلدوں میں مضامین کی ترتیب یہ ہے۔ پہلی جلد میں علم حدیث و محدثین پر انتالیس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور اقسام حدیث پر نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے اور امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل، امام ابوداؤد سجستانی، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ، دارمی، دارقطنی، بیہقی، رزین، نووی، ابن جوزی کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔ [۱]

اس مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد میں مشکوٰۃ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کا ترجمہ ہے:۔

۱۔ کتاب الایمان ۲۔ کتاب العلم ۳۔ کتاب الطہارت
۴۔ کتاب الصلوٰۃ ۵۔ کتاب الجنائز۔

دوسری جلد میں چھ کتابیں ہیں:۔

۱۔ کتاب الزکوٰۃ ۲۔ کتاب الصوم ۳۔ کتاب فضائل القرآن
۴۔ کتاب الدعوات۔ ۵۔ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ ۶۔ کتاب المناسک

تیسری جلد میں مندرجہ ذیل نو کتابیں ہیں۔

۱۔ کتاب البیوع۔ ۲۔ کتاب العتق ۳۔ کتاب الحدود۔
۴۔ کتاب الامارت والقضا۔ ۵۔ کتاب الجہاد ۶۔ کتاب الصید والذبائح۔
۷۔ کتاب الاطعمہ۔ ۸۔ کتاب اللباس ۹۔ کتاب الطب والرقی۔

چوتھی جلد میں دو کتابیں ہیں:۔

۱۔ کتاب الآداب۔ ۲۔ کتاب الفتن۔

چاروں جلدیں ۲۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان ڈھائی ہزار صفحات میں شیخ محدث نے مشکوٰۃ کی شرح کا حق پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے حبیب گنج (علی گڑھ) [۲]۔ اسلامیہ کالج پشاور [۳]۔ ایشیاٹک سوسائٹی

[۱] ۱۳۰۵ھ میں مطبع اعظم جون پور سے شائع ہوا۔
[۲] "مقالاتِ شیروانی" ص ۲۴۵ - ۲۴۷ - نیز رسالہ "معارف" اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۲۷۷ -
[۳] نمبر ۲۱۵ -

کلکتہ[۱]، برٹش میوزیم[۲]، بانکی پور[۳]، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ[۴] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان سب نسخوں میں جیبب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے۔ اس کے خاتمہ پر مصنف کے دست مبارک کی یہ عبارت ہے :۔

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیئہ یوم الاربعاء بیست وچہارم ربیع الآخر سنہ ہزار وبیست وپنج از ہجرت سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وبود ابتداء تالیف سیزدہم ذی الحج سنہ یک ہزار ونوزدہ وبہ تحقیق درآمد درمیان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر کہ مجموع سہ سال وکسرے باشد وتمام شد درخانقاہ قادریہ در دہلی کہ ایں بندہ خدمت میکند او را وجاروب (می کشد) می افروزد وچراغ آں را۔ وبود ابتداء وختم دریک مکان گویا در مجلس واحد تمام شد مقصود وبیان توفیق الٰہی ست سبحانہ واعطائے وے استقامت مراد وتخصیص وے تعالیٰ بندہ مسکین را بسلامت وعافیت والحمد للہ۔ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً حررت ہذہ الاسطر علیٰ ید مؤلفہ الفقیر الحقیر عبد الحق بن سیف الدین القادری الدہلوی البخاری، ضحوہ یوم الجمعہ سنہ ۱۰۴۹ الف وتسع واربعین وآخر دعوائی ان الحمد للہ رب العالمین۔

اس عبارت کی تحریر کے وقت شیخ محدث کا سن شریف اکیانوے برس کا تھا مگر بقول نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب مرحوم "خط میں ہاتھ کی کمزوری یا نگاہ کے ضعف کا بال برابر اثر نہیں ہے۔" خاتمہ کتاب پر لکھا ہے۔ "ترجمہ مشکوٰۃ شریف تصنیف حضرت شیخ عبد الحق قدس سرہٗ کہ درخاتمہ کتاب دستخط حضرت شیخ درج است بہ ہدیہ یک ہزار ودو صد روپیہ گرفتہ ۔"

---

[۱]

[۲]

[۳]

[۴]

[۵] نمبر ۱۱۹۳-۱۱۹۴ ۔

[۶] سبحان اللہ کلیکشن $\frac{۲۹۷،۲}{۸}$ و $\frac{۲۹۷،۲}{۷}$ و $\frac{۲۹۷،۲}{۱}$ شیفتہ کلیکشن $\frac{۱۸}{۱}$ ۔
اسی زمانہ میں شرح فتوح الغیب اور دیگر رسائل کی تکمیل ہوئی ۔

[۷] مقالات شروانی ص ۲۴۶

یہ عبارت بھی کافی قدیم ہے۔اس سے اس زمانہ میں شیخ محدث کی تصانیف کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے ،حبیب گنج کے نسخہ کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی اور اسلامیہ کالج کے نسخے بہت قابل قدر ہیں۔دونوں کا سنہ کتابت ۱۰۹۵ھ ہے یعنی مصنف کے تینتالیس سال بعد۔

لَمَعَاتُ التَّنقِیحِ فِی شَرحِ مِشکوٰۃِ المَصَابِیحِ

عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔دو جلدوں پر مشتمل ہے۔فہرس التوالیف میں شیخ محدث نے سرفہرست اسی کا ذکر کیا ہے۔شیخ محدث جب اشعۃ اللمعات کی تصنیف میں مصروف تھے تو بعض مضامین ایسے پیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا۔فارسی عوام کی زبان تھی۔بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا لہٰذا جو باتیں فارسی میں قلم انداز کردی تھیں وہ عربی میں بیان کریں۔فرماتے ہیں:-

"در اثنائے مطالعہ آں سخناں روے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نباشد واز دست دادن آں سخناں را نیز گنجائش ندید۔پس در شرح آں بلسان عربی نیز شروع نمود تا چندگاہ ہر دو شرح فارسی و عربی معاً تسوید یافت، آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی پیشتر رفت و تمام شد و فارسی در نیمہ راہ ماند چو امر از نظر ثانی براں مقید شد تبیض نمود و زمانے مدید براں گشت و مسودۂ فارسی حکم نسیاً منسیا گرفت باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد" [۱]

۲۴۔رجب ۱۰۲۵ھ کو شیخ محدث لمعات التنقیح سے فارغ ہوئے۔

لمعات میں لغوی و نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔خود فرماتے ہیں کہ اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت امام شافعی اصحاب الرائے میں سے ہیں اور حضرت امام اعظم اصحاب ظواہر میں سے۔لمعات کے شروع میں جو مقدمہ ہے وہ نہایت جامع اور مفید ہے اور مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ اور علیحدہ شائع کیا گیا ہے [۲]

لمعات التنقیح۔اس کے قلمی نسخے بانکی پور [۳]۔رامپور [۴]۔حیدر آباد [۵]۔ایشیاٹک سوسائٹی [۶]۔دہلی [۷] اور علی گڑھ [۸]

---

[۱] اشعۃ اللمعات ج ا ص ۲۔ [۲] مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے مشکوٰۃ کے ساتھ شائع کیا اور ترجمہ شیخ الٰہی بخش بہاری اور خواجہ محمد علی فاضل سہارنپوری نے کیے تھے۔ [۳] نسخہ نمبر ۱۱۔ [۴] فہرست کتب خانہ آصفیہ۔نسخہ نمبر ۲۶۴۔ [۵] نسخہ نمبر ۸۹۵ (فہرست مرتبہ مرزا اشرف علی)

[۷] نسخہ نمبر ۱۷۱۔

[۸] سبحان اللہ کلکشن ۲۹۷۷۲/۱۹۔

کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

عقائد

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۸ھ/۱۵۵۲ء) کی شخصیت اپنے علم وعرفان اور عظیم تجدیدی کارناموں اور تصنیفی خدمات کے باعث بڑی ہی بزرگ اور بلند و بالا ہے۔ ان کی حیات وخدمات پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر ان کی سوانحات میں ان کے عقائد ونظریات پر سیر حاصل گفتگو نہیں ملتی حالانکہ کسی بھی شخصیت کا مکمل تعارف اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے نظریات ومعتقدات کی بھی واضح نشاندہی کر دی جائے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کا فکری واعتقادی موقف ان کی گرانقدر تصنیفات سے بخوبی واضح ہے آپ نے خاص بیان عقائد میں تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ دور اکبری کے فتن ماحول میں شیخ رحمۃ اللہ نے اہل اسلام کو عقائد حقہ کی روشنی دکھا کر ان کے اثبات واستقلال کا سامان فراہم کیا اور ہر اس نظریے اور عقیدے کی بیخ کنی کی جو اسلام وایمان کی روح سے متصادم ہو۔ ذیل کے چند صفحات میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تصنیفات سے ان کے عقاید ونظریات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے۔ جس سے واضح ہوگا کہ حضرت شیخ نے عقائد اہل سنت کی پوری پوری ترجمانی کی ہے۔ ان کی روشنی میں وہ لوگ اپنے افکار ونظریات کا منصفانہ جائزہ لیں جو حضرت شیخ قدس سرہٗ کو اپنا پیشوا ومقتدا بنانے کے باوجود قدم قدم پر عقیدۃً ان سے متصادم اور ان کے خلاف ہیں۔

علم غیب اور علم ماکان ومایکون

حدیث پاک فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی شرح فرماتے ہوئے اشعۃ اللمعات میں رقمطراز ہیں۔

پس دانستم ہرچہ در آسمانہا وہرچہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامۂ علوم جزئی وکلی واحاطۂ آں۔

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوگیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ تمام جزوی وکلی علوم حضور کو حاصل ہوگئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کا احاطہ فرمایا۔

اسی حدیث کی شرح کے اخیر میں فرمایا۔

پس ازاں دانست عالم را وحقائق آں را ۔
(ص ۳۳۲ ج ۱ ۔ نولکشوری)

تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم اور عالم کے تمام حقائق کو جانا ۔

اشعۃ اللمعات میں دوسری جگہ رقمطراز ہیں :۔

یعنی احوال مبدا و معاد از اول تا آخر ہمہ را بیاں کرد (ج ۴ ص ۴۴۴)

یعنی ابتدائے آفرینش اور آخرت کے حالات اول سے آخر تک تمام بیان کر دیے ۔

حدیث حذیفہ فاخبرنا بما ھو کائن الیٰ یوم القیمۃ کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

پس خبر داد مارا چیزیکہ پیدا شوندہ است از حوادث و وقائع و عجائب و غرائب تا در قیامت (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۹)

تو حضور نے ہمیں ہر اس چیز کی خبر دی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے، حوادث و واقعات، عجائب و غرائب سب بتا دیے ۔

مدارج النبوۃ شریف جلد اول کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

وھو بکل شئی علیم و وے صلی اللہ علیہ وسلم داناست برہمہ چیز از شیونات الہٰی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و مصداق وفوق کل ذی علم علیم شدہ ، عَلَیْہِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں، انہوں نے خدائے پاک کی شان میں اس کے احکام، حق تعالیٰ کے صفات اور افعال سارے ظاہری باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرما لیا ہے اور فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ کے مصداق ہو گئے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔

اسی مدارج النبوۃ باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت میں ارقام فرماتے ہیں :۔

و ہر چہ در دنیا است از زمان آدم (علیہ السلام) تا نفخۂ اولیٰ بر وے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم گردد، و یاران خود را از بعضے احوال خبر داد ۔

زمانۂ آدم سے قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب حضور علیہ السلام پر ظاہر فرما دیے تاکہ اول سے آخر تک تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی ۔

ان تمام عبارتوں سے عیاں ہے کہ علم غیب رسول علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں شیخ کا یہی مسلک تھا کہ تمام علوم اولین و آخرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے اور از ابتدا تا قیام قیامت سارے جزئیات و کلیات کا

علم حضور کو عطا فرمایا گیا۔
ہم اسی کو جمیع ماکان و مایکون کے علم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اختیار و تصرّف

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت شیخ مدارج النبوۃ میں رقمطراز ہیں:۔

واز اں جملہ آنست کہ دادہ شدہ آں حضرت را
صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح خزائن وسپردہ شد بوے
وظاہرش آنست کہ خزائن ملوک فارس وروم ہمہ
بدست صحابہ افتادہ و باطنش آں کہ مراد خزائن
اجناسِ عالم است کہ رزق ہمہ در کف اقتدار
وے سپرد، وقوت تربیّت ظاہر و باطن ہمہ بوے
(مدارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۱۳۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور
خزانے ان کے سپرد کر دیے گئے اس کا ظاہر تو یہ ہے
کہ شاہان فارس وروم کے سارے خزانے صحابہ
کے ہاتھ میں آئے اور باطن یہ ہے کہ اجناس عالم کے
خزانے مراد ہیں کہ سب کے رزق انکے دستِ قدرت
واختیار میں دے دیے گئے اور انہیں ظاہر و باطن سب
کی تربیت کی قوت حاصل تھی۔

صحیح مسلم شریف، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور معجم کبیر، طبرانی کی حدیث جس میں ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نے فرمایا سَلْ مانگ اور حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ سرکار نے فرمایا کچھ اور؟ حضرت ربیعہ نے عرض کیا۔ میری مراد تو صرف یہی ہے۔ اس کی شرح میں شیخ رقمطراز ہیں:۔

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نہ کرد بمطلوبے
بے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و
کرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہرچہ
خواہد ہر کرا خواہد باذنِ پروردگار خود بدہد۔
فان من جودك الدنيا وضرتها ومن
علومك علم اللوح والقلم اگر خیریت

سوال کو مطلق فرماتے تھے کہ فرمایا مانگ کو کسی خاص
چیز سے مقید نہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ
حضور ہی کے کریمانہ ہاتھوں میں ہے جو چاہیں جس کو
چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں۔ کیوں کہ
دنیا اور اس کی شادابی آپ ہی کی سخاوت سے ہے
اور لوح و قلم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و

دنیا و عقبیٰ آسندو داری بدرگاہش بیاو ہرچہ می خواہی تمنا کن۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۹۶)

آخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

احکام شرعیہ حضور کے اختیار میں ہیں جس کے لیے جو حکم چاہیں جاری کر دیں۔ اس بارے میں حضرت شیخ فرماتے ہیں :۔

واز اں جملہ آنست کہ آنحضرت تخصیص می کرد ہر کرا بہرچہ می خواست از احکام ایں جا دو قول است یکے آنکہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہرچہ خواہد حکم کند۔ دوم آنکہ بہر حکمے وحی خدامی شد چنانکہ تخصیص کرد خزیمہ بن ثابت را بآنکہ شہادت وے حکم دو شہادت دارد۔

(مدارج النبوۃ جلد ۱)

ان اختیارات سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام جس کے لیے جو حکم چاہتے خاص فرما دیتے، یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ احکام حضور کے سپرد تھے جو چاہیں حکم فرمائیں، دوسرا یہ کہ ہر حکم سے متعلق وحی ہوتی اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ بن ثابت کی ایک شہادت دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دی۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وشارع را می رسد کہ تخصیص کند ہر کرا خواہد بہرچہ خواہد۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۱۵۷)

شارع علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کے لیے جو حکم چاہیں خاص کر دیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی سے متعلق شیخ کی وہ عبارت بہت جامع ہے جو شرح مشکوٰۃ شریف میں تحریر فرماتے ہیں :۔

وملک وملکوت جن والنس وتمامہ عوالم بتقدیر وتصرف الٰہی عزوجلا در بسیطۂ قدرت وتصرف وے بود صلی اللہ علیہ وسلم (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۳۷ مطبع کلکتہ)

جن وانس کے تمام ملک وحکومت اور سارے جہان خداوند قدوس کی عطا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرت وتصرف میں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اختیارات اور بعطائے الٰہی سارے جہان ان کے زیر نگین ہونے کے بارے میں شیخ کی متذکرہ بالا عبارتیں اتنی نمایاں اور روشن ہیں کہ مزید کسی وضاحت کی کوئی حاجت ہی نہیں۔

حضور کا حاضر و ناظر ہونا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کاروبارِ عالم پر ہمہ وقت ناظر و باخبر ہیں اور ان کو یہ قوت حاصل ہے کہ قبر شریف سے تعلق رکھتے ہوئے جہاں چاہیں تشریف ارزانی فرما سکتے ہیں۔ اس نظریہ پر شیخ کی تحریریں ملاحظہ فرمائیں :۔

مدارج النبوۃ جلد دوم قسمِ چہارم وصل حیات انبیاء میں رقمطراز ہیں :۔

اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسدِ شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است۔ کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد۔ خواہ بعینہٖ۔ خواہ بمثال، خواہ بر آسمان خواہ بر زمین، خواہ در قبر یا غیر وے، صورتے دارد۔ باوجود نسبت خاص بقبر در ہمہ حال۔ (ج ۲ صنہ ۴۵۰)

اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ بعینہٖ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ زمین پر، خواہ قبر میں یا اور کہیں، تو درست ہے قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔

جامع البرکات میں فرماتے ہیں۔

وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و خاصان درگاہِ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال و اعمال پر مطلع ہیں اور خاصان بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :۔

ذکر کن اورا، و درود بفرست بروئے علیہ السلام و باش در حال ذکر، گویا حاضر است، پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا، زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفاتِ الٰہیہ، و یکے از صفات الٰہی آں است کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرو [illegible] اور حالت ذکر میں ایسے ہو گویا [illegible] میں تمہارے سامنے ہیں اور تم اُن کو دیکھتے ہو ادب اجلال اور تعظیم و ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام تمہیں دیکھتے اور تمہارے کلام کو سنتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام صفاتِ الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہمنشین ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریانِ حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافرادِ ممکنات، پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلّی را باید کہ ازیں معنیٰ آگاہ باشد۔ وازیں شہود غافل نبود، تابانوارِ قرب واسرارِ معرفت متنور وفائز گردد۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۱، ص ۴۰۱)

اور بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب یعنی التحیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ کہہ کر سلام عرض کرنا اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں میں موجود اور حاضر ہیں۔ تو چاہیے کہ نمازی اس نکتے سے باخبر اور آگاہ رہے، تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے فیضیاب ہو۔

یہ عبارتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر، احوال عالم سے باخبر اور قبر سے نسبت باقی رکھتے ہوئے ہر جگہ تشریف ارزاں ہونے کے بارے میں شیخ کا سخت اور مستحکم فکری موقف نمایاں طور پر بتا رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاظر و ناظر ہونے سے اہل سنت کی وہی مراد ہے جو شیخ کی توضیحات سے ظاہر ہے۔

حیاتِ انبیاء واولیاء

بدانکہ حیاتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء امت و ہیچ کس را اختلاف نیست در آں کہ آں کامل تر و قوی تر از وجود حیاتِ شہداء ومقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی اخروی است وحیاتِ انبیاء حیات حسی دنیاوی است واحادیث وآثار دراں واقع شدہ۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۷)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات وزندگی کا ثبوت علماء امت کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں اس لیے کہ انبیاء کی زندگی شہداء اور مجاہدین کی زندگی سے زیادہ کامل اور قوی ہے۔ ان کی زندگی تو معنوی اور اخروی ہے مگر انبیاء کی زندگی حسی اور دنیاوی زندگی ہے۔ اس بارے میں احادیث و آثار وارد ہیں۔

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں :-

اولیائے خدا نقل کردہ شدند ازیں دارِ فانی بہ دارِ بقا و زندہ اند نزدِ پروردگار خود و مرزوق اند و خوش حال اند و مردم را ازاں شعور نیست (اشعۃ اللمعات جلد ۲ صـ۴۰۲)	اولیاء اللہ اس دارِ فانی سے دارِ بقا میں منتقل ہو گئے ہیں، اپنے پروردگار کے یہاں زندہ، رزق یافتہ اور خوش حال ہیں، لوگوں کو اس کا احساس و شعور نہیں۔

اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں :-

باچندیں اختلاف و کثرتِ مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل، دائم و باقی است و براعمال امت حاضر و ناظر است و در طالباں حقیقت و متوجہاں آنحضرت رامفیض و مربی است۔ (سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل بر ہامش اخبار الاخیار صـ۱۵۵)	علماء امت میں تمام تر اختلافات اور کثرتِ مذاہب کے باوجود، اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مجاز کے شائبہ اور احتمالِ تاویل کے بغیر حقیقی زندگی کے ساتھ دائم و باقی اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں طالبانِ حقیقت اور اہلِ توجہ کے لیے فیض رساں اور تربیت کناں بھی۔

حضور غوثِ اعظم کی تصنیف فتوح الغیب کی شرح میں فرماتے ہیں :-

امام انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و متصرف اند درینجا سخن نیست۔ (شرح فتوح الغیب صـ۳۳۳)	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ باقی اور متصرف ہونے میں کلام نہیں ہے۔

مُردوں کا سننا، دیکھنا، اور ادراک کرنا :

حدیث شریف "کسر عظم المیت ککسرہ حیا" (مردے کی ہڈی توڑنی اور اسے ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنی) کے تحت امام ابوعمر ابن عبد البر سے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں نقل فرماتے ہیں :-

ازیں جا مستفاد می گردد کہ میت متالم می گردد تمام آں کہ متالم می گردد بداں ولازم ایں است کہ متلذذ گردد بتمام آنچہ متلذذ می شود بداں زندہ (اشعۃ اللمعات)

یہاں سے مستفاد ہوتا ہے کہ میت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسے لازم ہے کہ مردہ کو ان تمام چیزوں سے لذت بھی حاصل ہو جن سے زندہ کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسماع مر سائر اموات را۔ (ص ۲۰۲ نولکشور)

تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ سارے مردوں کے لیے ادراک جیسے جاننا سننا وغیرہ ثابت ہے۔

زیارتِ قبور

شیخ، اموات کے لیے علم وادراک کے ساتھ زیارت قبور کے بھی قائل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

زیارت گاہے از جہت ادائے حق اہل قبور باشد، در حدیث آمدہ مانوس ترین حالتے کہ میت را بود، در وقتیست کہ یکے از آشنایاں او زیارت قبر او کند واحادیث دریں باب بسیار است (جذب القلوب) ص ۲۱۳،

کبھی قبر والوں کے حق کی ادائیگی کے لیے زیارت کی جاتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت کے لیے سب سے زیادہ انسیت کی حالت وہ ہوتی ہے۔ جب اس کے آشناؤں میں سے کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے اور احادیث اس باب میں بہت ہیں۔

دوسری جگہ علامہ صدر الدین قونوی سے نقل فرماتے ہیں۔

درمیان قبور سائر مومنین وارواح ایشاں نسبت خاصے است مستمر، کہ بداں زائراں را می شناسند وسلام بر ایشاں می کنند، بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات۔ (جذب القلوب ص ۲۰۶)

تمام مومنین کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہمیشہ ایک خاص نسبت قائم رہتی ہے جس سے اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے اور انھیں سلام کرتے ہیں ہمیشہ یہ نسبت قائم رہنے کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔

زیارتِ روضۂ انور

زیارت حضرت سید مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع علماء دین قولاً و فعلاً از افضل سنن واوکد مستحبات است (جذب القلوب ص۲۱۰)

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت علماء دین کے قولی اور عملی اجماع کی بنا پر سب سے افضل سنت اور سب سے مؤکد مستحبات، سے ہے۔

سفرِ زیارت

واما اختیار سفر از برائے زیارتِ قبر شریف وشد رحال بقصدِ دریافت ایں سعادت عظمی ہرگاہ کہ استحباب و فضیلت زیارت ثابت شد مشروعیت سفر واستحباب او نیز لازم آمد از جہتِ عموم دلائل وافادہ او استوائے قرب وبعد اور آں۔

(جذب القلوب ص۲۱۴)

رہا قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر اور اس عظیم سعادت کے ارادہ حصول سے شد رحال تو جب زیارت کا افضل ومستحب ہونا ثابت ہوگیا، سفر کا جائز ومستحب ہونا بھی لازم آیا۔ اس لیے کہ زیارت کے دلائل عام ہیں۔ اور اس بات کا افادہ کر رہے ہیں کہ (زیارت کے جواز و استحباب میں) دور ونزدیک قرب وبعد سب برابر ہیں۔

توسل واستعانت

و توسل بوے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجب تقضائے حاجت وسبب نجاح مرام است۔

(جذب القلوب ص۲۲۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسیلہ چاہنا حاجت پوری ہونے کا سبب اور مقصد میں کامیابی کا باعث ہے۔

و گفت آنحضرت بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی دریں حدیث دلیل است بر توسل در ہر دو حالت نسبت بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حالتِ حیات و ونسبت بانبیاء علیہم السلام بعد از وفات دچوں توسل بانبیاء دیگر صلوات اللہ علیہم بعد از وفات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے نبی کے اور ان انبیاء کے وسیلے سے جو مجھ سے پہلے ہیں اس حدیث سے حیات اور بعدِ وفات دونوں حالتوں میں وسیلہ چاہنے کا ثواب ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی بہ نسبت زندگی میں اور دیگر انبیاء کی بہ نسبت بعد وفات۔ اور

جائز است سید انبیاء بطریق اولی جائز باشد، بلکہ اگر بایں حدیث توسل با ولیاء خدا نیز بعد از وفاتِ ایشاں قیاس کنند دور نیست مگر آں کہ وسیلے بر تخصیص حضرت رسل صلوات الرحمٰن علیہم اجمعین قائم شود، و ایں الدلیل؟

(جذب القلوب ص ۲۲۱)

جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے بعد وفات توسل جائز ہوا تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات توسل بدرجہ اولی جائز ہوگا، بلکہ بعید نہیں اگر اس حدیث پر اولیاء سے ان کی وفات کے بعد بھی وسیلہ چاہنے کو قیاس کر لیں اس لیے کہ پیغمبران عظام علیہم السلام کی تخصیص نہیں اگر دلیلِ تخصیص ہو تو البتہ، مگر دلیل کہاں؟

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے حیات استمداد کردہ می شود بوئے بعد از وفات۔

یکے از مشائخ عظام گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر شیخ معروف عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہما و دو کس دیگر را از اولیاء شمردہ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ گفتہ است۔

حجۃ الاسلام امام غزالی کا فرمان ہے کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے گی

ایک عظیم بزرگ نے فرمایا: میں نے چار مشائخ کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں تصرف کیا کرتے تھے یا اس سے زیادہ، شیخ معروف کرخی غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی اور دو ولیوں (۱) شیخ عقیل منبجی (۲) شیخ ابن قیس حرانی رضی اللہ عنہم کو شمار کر لیا اور حصر مقصود نہیں بلکہ جو کچھ خود دیکھا اور پایا بتایا۔

سیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہاء و علماء و مشائخ دیارِ مغرب است گفت، روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید، امداد حی قوی است یا امداد میت قوی است من گفتم می گویند کہ امداد حی قوی تر است و من می گویم کہ امداد میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق است و در حضرت اوست۔

اشعۃ اللمعات جلد ا باب زیارۃ القبور ص ۷۱۵/۱۶۲

سیدی احمد بن مرزوق جو دیارِ مغرب کے اکابر فقہاء و علماء و مشائخ سے ہیں انہوں نے فرمایا، شیخ ابو العباس حضرمی نے ایک دن مجھ سے پوچھا، زندہ کی امداد قوی ہے یا مردہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی مدد زیادہ قوی ہے۔ شیخ نے فرمایا ہاں اس لیے کہ وہ خدا کے دربار اور اس کی بارگاہ میں ہے۔

جامع البرکات میں فرماتے ہیں۔

اولیار را کرامات و تصرفات در اکوان حاصل است۔

کائنات میں اولیاء کی کرامات اور اُن کے تصرفات ہوتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

لیست شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر ند آں را۔ آں چہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی دعا کند خدارا، و توسل کند بروحانیت ایں بندۂ مقرب یا ندا کند ایں بندۂ مقرب را کہ اے بندہ دولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا، اگر ایں معنی موجب شرک باشد چنانکہ منکر زعم می کند باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از دوستان خدا در حالت حیات نیز۔ و ایں مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین۔ و آنچہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل و استفادہ ازاں خارج از حصر است و مذکور است در کتب و رسائل ایشاں و مشہور است میان ایشاں حاجت نیست آں را ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند او را کلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلک۔ کلام قدس مقام بجدا لمناب کشید برغم منکران کہ در قرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیائے خدا و متوجہاں بجناب ایشاں

آخر مانگنے والے استمداد و امداد سے کون سا ایسا معنی مراد لیتے ہیں کہ یہ فرقہ اس کا منکر ہے۔ اس سے ہم تو بس یہی سمجھتے ہیں کہ دعا کرنے والا خدا سے دعا کرتا ہے اور اس بندۂ مقرب کو وسیلہ بناتا یا اس کو پکارتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور اس کے ولی میرے لیے شفاعت کیجے اور خدا سے دعا کیجے کہ میری مراد بر لائے اور میرا مطلوب عطا فرما دے، اگر یہ معنی شرک کا سبب ہے جیسا کہ منکر گمان کرتا ہے تو چاہیے کہ زندگی میں بھی خدا کے دوستوں سے توسل اور طلبِ دعا سے روک دیں (کیونکہ جو چیز شرک ہو گی حیات و بعد وفات دونوں حالتوں میں شرک ہو گی حالانکہ یہ معنی بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین میں رائج ہے۔ ارواح کاملین سے استمداد اور استفادہ کے بارے میں اہل کشف بزرگوں سے جو مشاہدہ کے واقعات مروی ہیں وہ حد سے باہر ان کے رسائل اور کتابوں میں مذکور اور اُن کے درمیان مشہور ہیں ہمیں اُن کے ذکر کی حاجت نہیں، شاید متعصب منکر کے لیے ان کے کلمات بھی مفید نہ ہوں خدا ہمیں اس سے عافیت میں رکھے اس جگہ کلام طول والمناب کی حد کو پہنچ گیا۔

را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام می دانند و می گویند آنچہ می گویند۔

(اشعۃ اللمعات ص۴۰۱، جلد ۳ ص۴۰ ملخصاً)

منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیونکہ قریب زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کا منکر ہے اور اولیا کی طرف توجہ کرنیوالوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا ہے اور کہتا ہے جو کہتا ہے۔

اس آخری مضمون کو عربی میں یوں بیان فرماتے ہیں :۔

وانما اطبنا الکلام فی ھذا المقام رغماً لانف المنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمۃ ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون ما لھو علی ذلک من علو ان ھوالایخرصون۔ (اللمعات)

ہم نے اس مقام میں کلام طویل کیا منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے، کیونکہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو حضرات اولیاء سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں اور انہیں اس پر کچھ علم نہیں یوں ہی اپنے سے انکلیں لڑاتے ہیں۔

شفاعت

یشفع یوم القیمۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء۔

روزِ قیامت تین گروہ شفاعت کریں گے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

شیخ اس حدیث میں فرماتے ہیں۔

تخصیص شفاعت بایں سہ گروہ بجہت زیادت فضل و کرامت ایشاں است والا ہمہ اہل خیر از مسلمانان را ثابت ست و احادیث مشہور دریں باب وارد۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص۴۰۸)

ان تینوں گروہوں کی تخصیص ان کے زیارت فضل و کرامت کی وجہ سے ہے ورنہ مسلمانوں میں سے تمام اہل خیر کے لیے شفاعت ثابت ہے اور اس باب میں احادیث مشہور وارد ہیں۔

دوسری حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

ایں جا معلوم می شود کہ فاسقاں و گناہگاراں اگر خدمتے و امدادے باہل طاعت و تقویٰ در دنیا کردہ باشند در آخرت نتیجہ آں بیابند و

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقوں اور گناہگاروں نے دنیا میں اہل طاعت و تقویٰ کی اگر کوئی خدمت و امداد کی ہے تو آخرت میں اس کا نتیجہ

وباملاد و شفاعت ایشاں در بہشت در آیند۔
(اشعۃ اللمعات جلد ۴ صـ ۴۰۵)

پائیں گے اور ان کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے۔

اور فرماتے ہیں۔
وانکار شفاعت بدعت وضلالت است چنانچہ خوارج وبعض معتزلہ بداں رفتہ اند۔
(اشعۃ اللمعات ج ۴ صـ ۴۰۸)

شفاعت کا انکار بدمذہبی وگمراہی ہے۔ جیساکہ خوارج اور بعض معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

محفل میلاد

ابولہب بولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کرد۔ عذاب وے تخفیف کرد وروز دوشنبہ ازوے عذاب برداشت چنانکہ در حدیث آمدہ ست ودر ایں جا سند است مراہل موالید را۔ کہ در شب میلاد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرور کنند وبذل اموال نمایند۔ یعنی ابولہب کہ کافر بود۔ چوں سرور میلاد آنحضرت وبذل جاریہ وے آنحضرت جزا دادہ شد تاحال مسلمان کہ مملو است سرور وبذل مال در وے چہ باشد۔
(مدارج النبوۃ دوم وصل رضاعت)

دوستاں را کجا کنی محروم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کے عوض ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور دوشنبہ کو اس سے عذاب اٹھالیا گیا۔ جیساکہ حدیث میں وارد ہے یہاں میلاد خواں کرنے والوں کے لیے سند ودلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی شب میں خوشی منائیں اور مال خرچ کریں۔ یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور باندی آزاد کردینے کی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جزا دی گئی۔ تو مسلمان کا حال جو محبت ومسرت اور صرف مال سے بھرا ہوا ہے اس میں کیا ہوگا۔

تو کہ بادشمناں نظر داری

فاتحہ وایصال ثواب

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:۔
مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از

میت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دنوں تک

رفتن او از عالم تا ہفت روز، تصدق از میت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است دراں احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد بمیت مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظری کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔

(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور ج ۱ صـ۷۶۹)

اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے میت کی طرف سے صدقہ کرنا اسے نفع پہنچاتا ہے اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف نہیں۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں خصوصاً پانی اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا پہنچتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات میں اپنے گھر آتی ہے اور منتظر رہتی ہے کہ اہل خانہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں۔

و دعا ہائے زندگان مر مردہ ہا را و صدقہ و ادن بہ نیتِ ثواب ایشاں را نفع عظیم است مر مردہ ہا را واحادیث و آثار دریں باب بسیار است۔

(تکمیل الایمان صـ۷۶،۷۷)

زندوں کے مردوں کے لیے دعا کرنے اور ان کے ثواب کی نیت سے صدقہ دینے میں مردوں کے لیے بڑا فائدہ ہے۔ اس باب میں آثار و احادیث بہت ہیں۔

عرس بزرگان

ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:۔

ذکر بعض المتاخرین من مشائخ المغرب ان الیوم الذی وصلوا الی جناب العزۃ وحظائر القدس یُرجی فیہ من الخیر والبرکۃ والنورانیۃ اکثر و اوفر من سائر الایام وانما ھو من مستحسنات المتاخرین۔ (ماثبت بالسنۃ صـ۱۷۴)

بعض متاخرین مشائخ مغرب نے فرمایا ہے کہ وہ دن جس میں اولیاء کرام بارگاہِ عزت اور حلقہائے قدس میں پہنچتے ہیں اس دن میں تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے اور یہ متاخرین ہی کے مستحسن بتائے ہوئے اعمال سے تو ہے۔

عرس کی حقیقت یہی ہے کہ ولی کی تاریخِ وفات میں اہل اسلام جمع ہو کر دعا و قرآن خوانی، صدقہ

اور ایصالِ ثواب کریں اور صاحب قبر کے فیوض برکات سے مستفید ہوں۔ اس دن کی خصوصیت کی وجہ حضرت شیخ نے نقل فرمائی۔

رہے منکرات اور محرمات شرعیہ تو وہ جس طرح اور تمام ایام و مقامات میں حرام ہیں۔ یہاں بھی حرام ہوں گے۔ بزرگوں کے پاک اعراس کو ان سے خالی رکھنا بے حد ضروری ہے۔

مزارات پر قبے اور عمارت بنانا

فرماتے ہیں :۔

در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیزہا افزودند تا آں جا ہیبت و شوکت اسلام و اہل صلاح پیدا آید، خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند، و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعثِ رعب و انقیادِ ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف مکروہ بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔ (شرح سفر السعادۃ)

آخر زمانہ میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بیں رہ گئے ہیں مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا تاکہ وہاں مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو خصوصاً ہندوستان میں جہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنانِ دین ہیں۔ ان مقامات کی بلندی شان ظاہر کرنا کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔

سرکار کا سایہ نہ تھا

و نبود مر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول۔ و عجب است ازیں بزرگان کہ ذکر نہ کردند چراغ را و نورے کہ از اسمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است و نور را سایہ نمی باشد۔ (مدارج النبوۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ اسے امام محمد بن علی حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے اور تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا اور "نور" حضور کے اسماء گرامی سے ایک

نام ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

دور سے ندا کرنا

اپنے قصیدہ نعتیہ میں عرض کرتے ہیں۔

خرابم در غم ہجر حالت یا رسول اللہ — جمالِ خود نمار حمے بجان زار شیدا کن

یارسول اللہ! آپ کے غم وہجر میں برباد ہوں۔ اپنا جمال دکھائیں اس جان زار عاشق پر ذرا رحم فرمائیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما — بلطفِ خود سروسامان جمع بے سروپا کن

جیسے بھی ہو یارسول اللہ! اپنے کرم سے نوازیں اپنی عنایت سے اس بے یار و مددگار کو سروسامان بخشیں۔

معراجِ جسمانی

مدارج النبوۃ میں رقمطراز ہیں:۔

صحیح آنست کہ وجود اسرا و معراج ہمہ در بیداری وبجسد بود وجمہور علماء از صحابہ وتابعین واتباع ومن بعدہم از محدثین وفقہا ومتکلمین بریں اند ومتواتر است بداں احادیثِ صحیحہ واخبار صریحہ۔

(مدارج النبوۃ جلد ا ص ۱۵۷)

صحیح یہ ہے کہ سرکار کی سیر گرامی اور معراج سب بیداری میں اور جسم اطہر کے ساتھ تھی صحابہ تابعین ان کے بعد محدثین، فقہا، اور متکلمین کے جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں۔ اس بارے میں صحیح اور صریح احادیث واخبار وارد ہیں۔

رویت باری تعالیٰ

رویت حق سبحانہ تعالیٰ در دنیا نیز ممکن ست ولیکن واقع نیست بہ اتفاق الا حضرت سید المرسلین را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در شبِ معراج کہ آں واقع است۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۴۲۴)

دیدار الٰہی دنیا میں بھی ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے۔ بالاتفاق ہاں حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شب معراج میں دیدار الٰہی واقع وثابت ہے۔

اعلاءِ شانِ رسالت

شیخ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اکبری دورِ الحاد میں جب کہ شانِ رسالت کی بے حرمتی کی جا رہی تھی اور اسلام کی عظمتیں پامال ہو رہی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو مقامِ رسالت سے روشناس کیا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و خصائص، اختیارات و تصرفات اور ان کی عظمتوں کو ایک دل سوز مند اور حق شناس علم سے اپنی کتابوں میں پوری قوت تحریر کے ساتھ بیان کیا۔ جس نے گم گشتگانِ راہ کو ہدایت سے ہمکنار کیا اور اہل اسلام کو دینِ حق پر استقامت بخشی۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم و محبت شیخ کی سطر سطر میں نمایاں ہے اور آج بھی ان کے رشحات قلم اس دورِ بے ادبی کے لیے شمع ہدایت ہیں۔

بیانِ شفاعت میں شیخ کی یہ سطور قابلِ ملاحظہ ہیں۔ جو ان کے جذبات تعظیم و عقیدت سے لبریز ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

واول کسے کہ فتح بابِ شفاعت کند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود، فردا ظاہر شود کہ او را در درگاہِ خداوندی چہ قدر جاہ و عزت بودہ است روز روزِ اوست، و جاہ جاہِ او۔

اور سب سے پہلے جو دروازۂ شفاعت وا فرمائیں گے وہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ کل ظاہر ہو گا کہ ان کو بارگاہِ خداوندی میں کس قدر عزت و وجاہت حاصل ہے۔ دن ان کا دن ہے اور مرتبہ ان کا مرتبہ۔

پھر فرماتے ہیں:۔

بالجملہ روز روزِ محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جائے جائے اوست و مقام مقامِ او، و سخن سخنِ او، مہمان اوست سو دیگراں طفیلی اند و در قرآنِ مجید خطابِ پروردگار ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ترا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ترا اے محب من، اے محبوبِ من و مطلوبِ من اے بندہ خاص من! چنداں نعمت دہم و رحمت کنم کہ راضی

حاصل یہ ہے کہ دن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دن ہے اور جا انُ کی جا ہے اور مقام ان کا مقام اور بات ان کی بات وہ مہمان ہیں اور تمام اہل محشر طفیلی۔ قرآن مجید میں خطاب ہوتا ہے ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ تمہیں اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہیں اے میرے محب! اے میرے محبوب و مطلوب! اے میرے بندۂ خاص! اتنی نعمت

شوی ازمن تا ہیچ آرزو دل تو نہ شکند اے	دوں گا اور اتنی رحمت سے نوازوں گا کہ مجھ سے راضی
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمہ کس رضائے من	ہو جاؤ، کسی آرزو و تمنا سے تمہارا دل شکستہ نہ ہو
طلبند و من رضائے تو، تواہد گفت من راضی	ملفھا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب میری رضا کے
نہ شوم تا یک یک از امت من نیامرزی ۔	طالب ہیں اور میں تمہاری رضا کا، عرض کریں گے میں
(تکمیل الایمان ص ۲۲،۲۱)	اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میرے ایک
	ایک ایک امتی کی مغفرت نہ فرما دے ۔

اسی دیباچۂ اخبار الاخیار میں عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا اور مقامِ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہوئے اُن کے حسنِ محبت اور صلابتِ اعتقاد کا عالم قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں :۔

ہم چناں کہ شکر و سپاسِ خالق موجودات	جس طرح خالق موجودات کا شکر ادا کرنا دائرہ امکان
از حیطۂ امکان و احاطۂ انسان بیرون است مدح	اور قدرتِ انسان سے باہر ہے ، اسی طرح سید
وثنائے سید کائنات از مجالِ شرح و	کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی مدح وثنا و قت
بیان افزوں ۔	شرح و بیان سے فزوں تر ۔

خیر الوریٰ امام رسل مظہر اتم — آوازِ خدا و ہرچہ جزا و منتہیٰ از او

بہترین خلق پیشوائے رسولاں، ذاتِ خدا کے مظہر اکمل وہ تو خدا سے اور سب کا منتہیٰ ان کی ذات ۔

جاں جملہ عالم و حق جانِ جان شمار — حق را بغیر واسطۂ ذاتِ او مجو

وہ سارے عالم کی جان اور حق کو جانِ جان سمجھو ان کے واسطے کے بغیر خدا کے طالب نہ بنو ۔

پھر ان کی بلاغت عقیدت اور اکرام اجلال کے موتی یکجا نظم دیکھیں ۔

در اوّل باعثِ خلقت عالم است ، دور	ابتدا میں باعثِ تخلیق عالم انتہا میں ذریعہ
آخر واسطۂ ہدایت بنی آدم، در باطن مربی	ہدایت بنی آدم، باطن میں روحوں کے تربیت
ارواح و در ظاہر مہتمم اشباح۔ کاسر ارکان	فرما، ظاہر میں جسموں کے تکمیل کار، باطل مذہبوں
ادیان و دُوَل، ناسخِ احکام ملل و نحل، نقشِ	اور حکومتوں کے ارکان شکن، دوسرے مذاہب
خاتم وجود ، نقشِ معرفت و شہود ، مقصود	و ملل کے احکام منسوخ فرمانے والے، انگشتری
معتکفانِ مقصورۂ افلاک ، مقصد سالکان	وجود کے نگینہ، معرفت و شہود کے نقش ، حجرہ

معمورہ خاک، متمم مکارم اخلاق، مکملِ کاملانِ آفاق، حاجز منزلین وجود و عدم برزخ بحرین حدوث و قدم، جامع نسخۂ امکان و وجوب، موجب رابطۂ طالب و مطلوب عزیز مصر صمدیت، ملک مملکت احدیت مظہر حقیقتِ فردانیت، مظہر صورت رحمانیت سر مکتوم غیب لاہوت۔ طلسم معلوم کنج جبروت مروح ارواحِ ملکوتیہ، مزین اشباح ناسوتیہ بدایتِ خط ولایت، نہایت دائرہ نبوّت مظہر اتم رحمت اعم، عقلِ اوّل ترجمانِ ازل۔ نور انور، سر اسرار، ہادی! سبل، سید رسل نور اسنی، سراہی، حبیب اعلیٰ صفی اصفی، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آسمان کے اعتکاف نشینوں کا مقصود آبادی زمین کے اہل سلوک کا مطلوب، اخلاقی خوبیوں کے منتظم، کاملان عالم کے تکمیل کار، وجود و عدم کی منزلوں کے درمیان رابطہ، حدوث و قدم کے سمندروں کے درمیانی واسطہ نسخۂ امکان و وجوب کے جامع، طالب و مطلوب کے رابطہ، مصر صمدیت کے عزیز حکومت احدیت کے سلطان، حقیقت فردانی کے پرتو صورت رحمانی کے مظہر غیب لاہوتی کے راز نہاں، گوشۂ جبروت کے طلسم آشکار ملکوتی روحوں کے راحت دہندہ انسانی! جسموں کے تزئین فرما۔ خطِ ولایت کی ہدایت دائرہ نبوت کی انتہا پرتو کامل، رحمت عام۔
مخلوق کے وجود اوّل، ازل کے ترجمان، نوروں کے نور، رازوں کے راز حق راستوں کے ہادی رسولوں کے سردار، نور حق، راز حق۔ محبوب بالا۔ سب سے پاکیزہ انتخاب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ؂

سیّد رسل، شفیع امم، خواجہ دو کون　　نور ہدیٰ، حبیب خدا، سید انام

رسولوں کے سردار، امتوں کے شفاعت فرما۔ دونوں جہاں کے آقا۔ ہدایت کے نور، خدا کے محبوب، مخلوق کے سردار،

مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل　　منظور نور اوست دگر جملگی ظلام
مقصود ان کی ذات ہے باقی سب طفیل　　نمایاں ان کا نور ہے باقی سب تاریکی
ہر رتبہ کہ بود در امکان بروست ختم　　ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام
امکان کا ہر مرتبہ ان پر ختم ہے　　اور خدا کی ہر نعمت ان پر تمام

(اخبار الاخیار ص ۲)

حضرت شیخ سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات کو مظہر ذات خدا، مصدر جملہ موجودات اور منبع تمام فیوض

وبرکات مانتے ہیں۔ مدارج النبوۃ میں اپنے نظریات بڑی صلابت اور پختگی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

انبیا مخلوق انداز اسماء ذاتیہ حق، و اولیاء از اسماء صفاتیہ، و بقیہ کائنات از صفاتِ فعلیہ، و سید رسل، مخلوق است از ذات حق و ظہور حق در وے بالذات است پس انبیاء و اولیاء علیہم صلوات اللہ وسلامہ مظہر اسماء و صفات گشتند و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ذات۔

(مدارج النبوۃ ص۶۰۹ و ج۲ ص۶۱۱ ملخصاً)

انبیاء کرام اللہ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا ہیں۔ اور اولیاء اسماء صفاتیہ سے باقی کائنات صفات فعلیہ سے، اور سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ حق سے پیدا ہیں۔ ان میں خدا کا ظہور بالذات ہے تو انبیاء و اولیاء علیہم صلوات اللہ وسلامہ اسماء و صفات کے مظہر ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرتو ذات۔

اور فرماتے ہیں۔

پس حقیقتِ محمدی مصدر جمیع موجودات و مبدء و واسطہ تمام فیوض و برکات است پس اگر متحقق شود یکے کمالے ازاں کمالات شملہ الیہا معطوف خواہد بود بروے و تابع خواہد گشت مراورا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص۶۱۱)

تو حقیقتِ محمدی تمام موجودات کا سرچشمہ سب کا منبع و مبدا اور تمام فیوض و برکات کا واسطہ ہے تو اگر کسی کو کوئی نمایاں کمال حاصل ہو تو ان ہی کی طرف راجع اور انہیں کے تابع ہوگا۔

دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم۔ ایں کلمات اعجاز سمات ہمہ مشتمل بر حمد و ثنائے الٰہی است۔ تعالیٰ و تقدس کہ در کتاب مجید خطبہ کبریائی خود بداں خواندہ، و ہم متضمن نعت و وصف حضرتِ رسالت پناہی ست صلی اللہ علیہ وسلم کہ وے سبحانہ او را بداں تسمیہ و توصیف نمودہ و چندیں اسماء حسنہ جل شانہ است کہ در وحی متلو و غیر متلو

وہ اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ یہ اعجاز نشان کلمات خدائے تعالیٰ کی حمد و ثناء پر بھی مشتمل ہیں جن سے قرآن مجید میں اپنی کبریائی کا خطبہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفت کو بھی متضمن ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کے یہ نام و صفات رکھے۔ اور وحی متلو و غیر متلو (قرآن و حدیث) میں کتنے اسماء حسنہ اللہ تعالےٰ کے ایسے ہیں کہ اپنے

جبیب خود را بداں نامیدہ وحلیہ جمال وحلی کمال وے ساختہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتمامہ اسماء وصفات الہٰی متخلق ومتصف است، باوجود آں بہ بعضے ازاں بخصوص نامزد ونامور گشتہ است مثلِ نور، حق، علیم، حکیم مومن، مہیمن ولی، ہادی، رؤف، رحیم، وجز آں وایں چہار اسم اوّل وآخر، ظاہر وباطن نیز ازاں قبیل است ۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲)

حبیب کو بھی ان سے موسوم فرمایا، اور اُن کے جمال وکمال کا زیور بنایا، اگرچہ حضور علیہ السلام تمام صفات واسماء الہٰی سے متصف ہیں پھر بھی بعض اسماء وصفات سے خاص طور پر نامزد اور مشہور ہیں جیسے نور، حق، علیم حکیم، مومن، مہیمن، ولی، باری، رؤف، رحیم وغیرہا اور یہ چاروں نام اول وآخر ظاہر وباطن بھی اسی قبیل سے ہیں ۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج دیدار الہٰی سے شرف یاب ہوئے۔ اس پر احادیث، دلائل فریقین اور علماء کا راجح مسلک تحریر فرمانے کے بعد اپنے وجدان اور عقل وبصیرت کا ایمانی فیصلہ تحریر فرماتے ہیں۔

گفت بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید الصدق والیقین کہ کلام علماء نظر بہ دلائل وآثار واخبار ہمچناں ست کہ مذکور شد، اما ایں مقدار خلجان می کند کہ معراج اتم مقامات واقصیٰ کمالات آنحضرت بود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ ہیچ یکے از انبیاء ودر انجا باوے شرکت نہ بود وہیچ بشرے وملکے را گنجائشِ آں مقام نہ۔ پس عجب است کہ دراں مقام برند ودر خلوت خاص در آرند وباعلی مطلب واقصیٰ مسألت کہ دیدار است مشرف نگردانند آنحضرت بایں معنیٰ راضی باشد، اگرچہ بکمال بندگی وادب وسطوت کبریائی حق اوذا ابریں دارد کہ سوال نتواند کرد، از ذوق کلام مست گشتہ انبساط

بندہ ناچیز عبدالحق بن سیف الدین اللہ تعالےٰ اُسے مزید صدق ویقین سے نوازے، کہتا ہے، کہ دلائل اور آثار واحادیث پر نظر کرتے ہوئے علماء کے کلام اس طرح ہیں جیسا کہ ذکر ہوا لیکن اتنا خلجان رہ جاتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کامل ترین مقام اور بعید الحصول کمال تھا کہ اس مقام وکمال میں کوئی نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں اور نہ ہی کسی انسان یا فرشتہ کی اس مقام تک رسائی پس تعجب خیز امر ہے کہ اس مقام میں لے جائیں خلوت خاص میں بلائیں اور سب سے اعلیٰ واقصیٰ مطلوب ومقصود دیدار سے مشرف نہ فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی بھی رہیں۔

نماید طلب دیدار نہ کند چنانکہ موسیٰ علیہ السلام	اگرچہ کمالِ بندگی و ادب اور سطوت کبریائی کی بنا
کرد۔ اما کمالِ محبت و محبوبیت کہ باجناب اقدس	پر خدا انہیں اسی حال پر رکھے کہ سوال نہ کریں اور
وارد کجا می گزارد کہ حجابے ماند (مدارج ص ۱۲۳، ۱)	ذوقِ کلام سے مست ہو کر مسرور ہو جائیں۔

اور طلب دیدار نہ کریں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ لیکن کمال محبت و محبوبیت جو حضور کو رب کی جناب اقدس میں حاصل ہے کب اس حال پر چھوڑے گا کہ کوئی حجاب باقی رہ جائے۔

عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے متعلق شیخ کے کلمات و عبارت کا احصار انتہائی مشکل ہے، ہر کتاب میں تنظیم و اجلال اور ادب و محبت کے شواہد و آثار نمایاں ہیں، ذوقِ مطالعہ رہنمائی کر سکتا ہے۔

بہر حال شیخ نے اس وقت کے بگڑے ماحول میں عظمت رسالت سے اہل عالم کو روشناس کر کے ایسی عظیم خدمت انجام دی ہے، جو رہتی دنیا تک ان کے نمایاں تجدیدی و اصلاحی کارناموں میں شمار کی جائے گی۔

سرکارِ غوثیت

شیخ کو تمام اولیاء کرام سے عقیدت و محبت ہے مگر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے انہیں گہری اور بے پناہ عقیدت تھی، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات میں انہوں نے زبدۃ الآثار تصنیف فرمائی جو بہجۃ الاسرار شریف کی تلخیص ہے۔ پھر فارسی میں خود ہی اس کا ترجمہ بھی فرمایا۔

اخبار الاخیار شریف کے خاتمہ میں بارگاہِ غوثیت میں ان کی نظرِ عقیدت ملاحظہ ہو۔

اگر دیگراں قطب اند او قطب الاقطاب است	اگر دوسرے اولیاء قطب ہیں تو وہ قطبوں کے
واگر ایشاں سلاطین، او سلطان السلاطین	قطب اور اگر یہ بادشاہ ہیں تو وہ بادشاہوں کے
محی الدین کہ دین اسلام را زندہ گردانید، ملت	بادشاہ محی الدین کہ دینِ اسلام کو زندہ فرمایا ملتِ
کفر را بمیرانید کہ الشیخ یحیی ویمیت۔	کفر موت کے گھاٹ اتاری کہ شیخ جلاتا مارتا ہے۔
زہے مرتبہ کہ ایجاد دین از حی قیوم است و احیا	خوشا مرتبہ کہ ایجادِ دین خدائے حی وقیوم سے ہے
از وے غوث الثقلین آں را گویند کہ جن و انس	اور احیائے دین ان سے، غوث الثقلین اسے
ہمہ بوے پناہ جویند من بے کس نیز پناہ باد جستہ	کہتے ہیں جس کی جن و انس سب پناہ لیں۔ بندہ

ام او بر درگاہ او فتادہ مرا جز عنایت او کس نیست و بغیر لطف او فریادرس نے۔

بیکس نے بھی ان ہی کی پناہ لی ہے اور انہیں کی بارگاہ میں پڑا ہوا ہے۔ میرا ان کی عنایت کے سوا کوئی نہیں اور نہ ان کے کرم کے بغیر کوئی فریادرس۔

آگے فرماتے ہیں ۔

اوست در جملہ اولیاء ممتاز
چوں پیغمبر در انبیاء ممتاز

وہ ہیں تمام اولیاء میں ممتاز
جیسے ہمارے پیغمبر تمام انبیاء میں ممتاز

(اخبار الاخیار ص۳۱۵)

بارگاہِ غوثیت سے اپنی عقیدت کا اظہار دوسری تصنیفات میں بھی طرح طرح فرمایا ہے۔ اپنے نام کے ساتھ قادری لکھا کرتے تھے جب کہ دیگر سلاسل میں بھی ان کو بیعت و خلافت حاصل تھی۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "فتوح الغیب" کی شیخ نے فارسی میں شرح کی ہے مگر شرح میں اپنا مقدمہ یا نام تحریر نہ فرمایا۔ بلکہ فرماتے ہیں ۔

ذکر نام ایں حقیر چہ حد و مجال کہ دریں مقام تواں برد۔" (شرح فتوح الغیب ص۴۲۴)

کیا جرأت و طاقت کہ اس حقیر کا نام اس مقام میں ذکر ہو سکے۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بارگاہِ غوثیت میں ان کے کمال احترام و عقیدت کا کیا حال تھا؟

وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و عترتہ وسلم

(ماخوذ و ملخص)
محمد سعید احمد نقشبندی عفی عنہ

۲۰ر فروری ۱۹۸۱ء
بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

الحمد للہ اکمل الحمد علی کل حال و فی کل حین و الصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید المرسلین و امام المتقین خاتم النبیین محمد و الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین ھداۃ طریق الحق و محی علوم الدین

ہر حال اور ہر وقت میں اکمل و اعلیٰ حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور اتم و اکمل درود و سلام سید المرسلین امام المتقین، خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و آپ کے صحابہ اور تمام پیروکاروں پر ہمیشہ نازل ہوتا رہے۔ جو راہِ حق کے راہنما اور علوم دین کو زندہ کرنے والے تھے۔

بعد حمد و صلوۃ بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین دہلوی وطناً بخاری اصلاً کی جب حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً سے واپسی اور اُن دیار شریف کے مشائخ سے روایت حدیث کی اجازت کے حصول کے بعد توفیق و تائید الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ اور ناچیز کو اس علم شریف کی خدمت میں مقام استقامت پر بٹھایا۔ تو اس بندہ مسکین نے چاہا کہ کتاب مشکوۃ المصابیح (جو آج کل مشہور و متداول ہے) کی شرح تحریر کرے اور ان فوائد کو جو قوم کی کتابوں سے معلوم ہوئے اور مشائخ وقت سے سنے یا اس سمت مزاج بندہ کے دل میں القاء ہوئے، ان کے طلبگار اور چاہنے والوں تک پہنچائے۔ کچھ مخلص اور جلیل القدر دوستوں اور ارباب محبت نے فرمایا اگر یہ شرح فارسی زبان میں تالیف کی جائے تو اس کا نفع اور فائدہ ضرور زیادہ اور عام ہوگا۔ جب ان کی فرمائش کے مطابق فارسی میں یہ شرح لکھنا شروع کی تو اس کے مطالعہ کے دوران کچھ ابحاث اور باتیں ایسی سامنے آئیں جن کا فارسی میں تحریر کرنا مناسب نہ تھا مگر نظرانداز کر دینا بھی ٹھیک نہیں تھا تو اس پر ساتھ ہی ایک شرح عربی میں بھی تحریر کرنا شروع کر دی۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں دونوں شرحیں تکمیل کے قریب پہنچ گئیں۔ لیکن آخر جا کر یہ معاملہ رونما ہوا کہ عربی شرح تو عربی گھوڑے کی طرح آگے نکل گئی اور مکمل ہو گئی۔ اور فارسی شرح راستہ میں ہی رہ گئی۔ راقم جب عربی شرح کی نظر ثانی میں مصروف ہوا۔ اور نظر ثانی کا کام بھی مکمل کر لیا۔ اور ایک عرصہ گزر گیا۔ اور فارسی شرح کا کام ذہن سے بالکل نکل گیا تو دوبارہ حکم ہوا کہ فارسی شرح بھی مکمل کی جائے۔ اور اس کی نظر ثانی کر کے اسے بھی آخری شکل دی جائے المامور معذور (یعنی حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑتی

ہے) کے مطابق جس قدر فارسی شرح لکھی جا چکی تھی اسے مبیضہ کی شکل دی۔ اور باقی ماندہ شرح کی تکمیل شروع کر دی۔ وباللہ التوفیق۔ ومنہ الاتمام۔ اسے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہمارا نور مکمل فرما ہمیں بخش دے بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور تو ہی غفور رحیم ہے۔ کتاب (مشکوٰۃ) کی شرح شروع کرنے سے قبل بقدر ضرورت مصطلحات حدیث میں یہ مقدمہ

مقدمہ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ محدثین کی اصطلاح میں حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ تقریر کا معنی یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کام یا بات سے منع نہ کیا۔ اس کا انکار نہ کیا بلکہ اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور اسے جائز و ثابت رکھا اسے تقریر کہتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث میں داخل ہے۔ اور بعض محدثین کے نزدیک صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ پھر وہ حدیث جس کی سند حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہو اسے مرفوع کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا یا کیا یا مقرر و جائز رکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا اس طرح کہیں یہ "روایت ابن عباس رضہ سے مرفوعاً آئی ہے" یا یوں کہیں "اس حدیث کو ابن عباس رضہ نے مرفوعاً بیان کیا۔

موقوف:۔ اور وہ حدیث جس کی سند صحابی تک پہنچتی ہو اسے موقوف کہتے ہیں۔ جیسے حضرت ابن عباس رضہ نے فرمایا یا کیا یا اس بات کو مقرر و جائز رکھا۔ یا یوں کہیں یہ حدیث ابن عباس رضہ سے موقوفاً آئی ہے۔ یا ابن عباس پر موقوف ہے۔

مقطوع:۔ اور جس حدیث کی سند تابعین تک ہی پہنچے اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ موقوف و مقطوع حدیث کو اَثَر کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں آثار میں اس طرح آیا ہے اور بعض محدثین اثر کا اطلاق مرفوع حدیث پر بھی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ماثور دعاؤں یا دعائے ماثورہ میں اس طرح آیا ہے۔ اور خبر و حدیث دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور کچھ محدثین حدیث کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے خاص کرتے ہیں۔ اور خبر کا لفظ ملوک و سلاطین اور ایام گزشتہ میں استعمال کرتے ہیں۔

حدیث کا مرفوع ہونا کبھی تو صریح ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور کبھی صریح کے حکم میں۔ جیسے صحابہ یا تابعین ایسا کام یا ایسی بات نقل کریں جسے اجتہاد و فکر اور قیاس عقل سے نہ کہہ سکتے ہوں۔ سماع و نقل کے سوا اس تک کوئی راستہ نہ ہو جیسے آخرت کے حالات یا گزشتہ اور آنے والے واقعات کی خبر دیں تو ان کی اس طرح کی روایت بھی صریح مرفوع کی طرح ہے۔ اور اگر یوں کہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس طرح کیا کرتے تھے۔ یا سنت اس طرح ہے تو یہ بھی صریح رفع کی طرح ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں اس کا احتمال بھی ہوتا ہے کہ یہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت ہیں۔

وَصَل:۔ سندان رجال حدیث کو کہتے ہیں جنہوں نے ... اور لفظ اسناد بھی سند کے معنی میں آتا ہے۔ اور کبھی ذکر سند

اور اظہار سند کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مَتْن حدیث اس کلام کو کہتے ہیں جس پر سند جا کر ختم ہو۔ تو اگر رواۃ حدیث میں سے کوئی راوی درمیان سے ساقط نہ ہو اور اس کا اسناد متصل اور مسلسل ہو تو اسے حدیث متصل کہتے ہیں۔ اور اس عدم سقوط کا نام اتصال ہے۔ اور اگر سند کے درمیان سے ایک یا زیادہ راوی ساقط ہوں تو اسے حدیث منقطع کہتے ہیں۔ اور اس سقوط کا نام انقطاع ہے پھر اگر یہ سقوط ابتداء سند میں واقع ہو تو اُسے معلق کہتے ہیں۔ اور اس اسقاط کو تعلیق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ ساقط راوی چاہے ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ اور کبھی پوری کی پوری سند ہی ساقط ہوتی ہے جیسے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مصنفین کی عادت ہے۔ اور صحیح بخاری کے تراجم میں تعلیقات بہت ہیں۔ مگر وہ سب کی سب صحیح ہیں اور اتصال کی طرح ہیں۔ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا التزام کر رکھا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحیح کے بغیر نہ لائیں گے۔ پھر حضرت امام موصوف نے ان تعلیقات میں سے بعض کو دوسرے مقامات میں متصلاً بیان کر دیا ہے۔ اور اگر یہ سقوط تابعین کے بعد سند کے آخر میں ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں۔ اور اس فعل کو لفظ ارسال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کوئی تابعی یوں کہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ بعض محدثین کے نزدیک مرسل و منقطع کا ایک ہی معنی ہے۔ تاہم اصطلاح اول فقہاء اور محدثین کے نزدیک زیادہ مشہور ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث کا حکم توقف ہے کیونکہ اس بات کا پتہ نہیں کہ راوی ساقط ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ کیونکہ تابعی کی تابعین سے روایت کی تعداد بہت ہے۔ اور تابعین میں ثقہ بھی ہیں اور غیر ثقہ بھی۔ اور امام ابو حنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً مقبول ہے۔ یہ دونوں امام فرماتے ہیں کہ یہ ارسال کمال وثوق و اعتقاد کی بنا پر ہے۔ کیونکہ کلام ثقہ راوی میں ہو رہا ہے۔ اگر اس کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ ارسال نہ کرتا۔ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل حدیث کی تائید کسی اور حدیث سے ہوتی ہو تو وہ مقبول ہوگی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ مقبول ہے دوسرا یہ کہ اس میں توقف کیا جائے گا۔ اور اگر سقوط سند کے درمیان سے ہوا ہو اور اکٹھے دو راوی مسلسل ساقط ہوں تو اسے مُعْضَل کہتے ہیں۔ بضمہ میم و سکون عین اور فتح ضاد معجمہ اور اگر ایک راوی یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں مگر مسلسل نہ ہوں بلکہ دو یا دو سے زیادہ متفرق جگہوں سے ساقط ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہیں گے۔ اور منقطع ایک معنی کے مطابق تمام مذکورہ اقسام کو شامل ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ منقطع حدیث کی ایک قسم وہ ہے جسے مُدَلَّس کہتے ہیں۔ بضم میم و فتح دال مشددہ اور اس فعل کو تدلیس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس کے فاعل کو مُدَلِّس بکسر لام کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے۔ بلکہ اس سے اوپر کے شیخ سے روایت کرے۔ لیکن ایسا لفظ استعمال کرے جس سے سماع کا وہم پڑتا ہو۔ حالانکہ فی الواقع اس سے سماع واقع نہ ہوا ہو۔ مثلاً یوں کہے عن فلان وقال فلان اور تدلیس مکروہ و مذموم فعل ہے۔ ہاں اس صورت میں تدلیس مکروہ و مذموم نہیں جب کہ اس بات کا پتہ ہو کہ یہ راوی ثقہ سے تدلیس کرتا ہے۔ اور کوئی غرض فاسد بھی درمیان میں کارفرما نہیں

ہوتی۔ جیسے اس وجہ سے اپنے شیخ سے سماع کا پوشیدہ رکھنا کہ شیخ کی عمر چھوٹی ہے۔ یا اسے عزت و شہرت حاصل نہیں۔ یا وہ شیخ مستور الحال ہے۔ کیونکہ یہ سب نقائص طعن اور عیب کا باعث ہیں۔ لغت میں تدلیس کے معنی سامان کا عیب چھپانے، خلط ملط کرنے اور سخت تاریکی کے بھی آتے ہیں۔ بعض اکابر محدثین بھی تدلیس کرتے تھے لیکن ان کی تدلیس حدیث کی صحت پر وثوق اور راوی کے حال کی شہرت کی بنا پر ہوتی تھی، مذکورہ اغراض فاسدہ کے تحت نہ ہوتی تھی۔

اور اگر راویِ حدیث سے اسناد یا متن میں اختلاف واقع ہو جائے۔ مثلاً راوی نے موخر کو مقدم کر دیا یا مقدم کو موخر یا الفاظ بڑھا دیے یا کم کر دیے۔ یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا ذکر کر دیا یا ایک متن کی جگہ دوسرا متن ذکر کر دیا۔ اور اسی طرح کی اور باتیں تو ایسی حدیث کو مُدْرَج کہتے ہیں۔ اور اگر راوی کسی غرض و مصلحت کے تحت حدیث کے درمیان اپنے الفاظ لے آئے تو اس حدیث کو مُضْطَرَبْ کہتے ہیں۔

تنبیہ:۔ اس کلام کا تعلق دراصل اس کلام سے جڑ جاتا ہے جو روایت حدیث اور نقل بالمعنی سے متعلق ہے۔ اور اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر نقل اور روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں مگر اس شخص کے لیے جو عربی کا پورا عالم، اسالیب کلام کا ماہر اور عبارات و مفہومات اور خطابات کے خواص سے اچھی طرح واقف ہو تاکہ زیادتی یا کمی وغیرہ خطا سے بچ سکتا ہو ——————

—————— اور عَنْعَنَہ اس روایت حدیث کا نام ہے جو عن فلان عن فلاں کے لفظ سے مروی ہو۔ اور مُعَنْعَنْ وہ حدیث ہوگی جو اس طریق پر روایت کی گئی ہو۔ اور خطرہ تدلیس کے باعث عنعنہ معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں التباس مذکور کا اشتباہ ہے۔ اور جو مرفوع ہو اور اس کی سند بھی متصل ہو اسے مُسْنَدْ کہتے ہیں۔ مشہور اصطلاح یہی ہے۔ بعض علماء متصل کو مطلقاً مسند کہہ دیتے ہیں اگرچہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ اور بعض مطلقاً مرفوع کو مسند کہہ دیتے ہیں اگرچہ مرسل یا معضل یا منقطع ہو۔ تاہم معتمد علیہ پہلا قول ہے۔

وَصْل:۔ حدیث کے اقسام میں سے شاذ، منکر اور معلل بھی ہیں۔ شاذ لغت میں فرد کو کہتے ہیں جو جماعت سے الگ ہو جائے۔ اور محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث شاذ ہوگی جو ثقہ راویوں کی روایت کے مخالف روایت کی گئی ہو۔ پھر اگر وہ شاذ حدیث کا راوی ثقہ نہ ہو تو مردود ہوگی اور اگر ثقہ ہو اور اس میں مزید حفظ، کثرت عدد وغیرہ وجوہ ترجیح کی روشنی میں ترجیح کا راستہ اختیار کیا گیا ہو تو جو حدیث راجح قرار پائے گی اسے محفوظ کہیں گے۔ اور مرجوح کو شاذ کا نام دیا جائے گا۔ ضعیف وہ حدیث ہے جسے وہ راوی ضعیف روایت کرے جس کی روایت کردہ حدیث اس سے کم ضعف والے راوی کی حدیث کے مخالف ہو۔ منکر کے مقابل معروف ہے۔ منکر و معروف دونوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ معروف حدیث کا راوی کم ضعیف ہوتا ہے اور منکر کا زیادہ۔ اور شاذ و محفوظ میں دونوں راوی قوی ہوتے ہیں اتنا فرق ہوتا ہے۔ کہ محفوظ کا راوی شاذ کے راوی سے قوی تر ہوتا ہے۔ شاذ و منکر دونوں حدیثیں مرجوح ہوتی ہیں اور محفوظ و معروف دونوں راجح۔ اور بعض محدثین نے شاذ و منکر میں دوسری حدیث کے

قوی یا ضعیف راوی کی مخالفت کی قید نہیں لگائی اور کہا ہے کہ ہر وہ حدیث شاذ کہلائے گی جو کسی راوی ثقہ اور منفرد نے روایت کی ہو اور کسی طرف سے بھی کوئی اصل اس کے موافق و مؤید موجود نہ ہو۔ بعض دوسرے محدثین شاذ و منکر میں ثقہ یا مخالفت کسی چیز کا اعتبار نہیں کرتے۔ اسی طرح منکر کو مذکورہ صورت کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ ہر اس حدیث کو جس کے راوی میں فسق، فرط غفلت اور کثرت غلط کا عیب پایا جاتا ہو، منکر کہہ دیتے ہیں۔ یہ محدثین کی اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔ جن میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

مُعَلَّل: ۔ بصیغہ اسم مفعول تعلیل سے مشتق ہے، یہ اس اسناد کو کہتے ہیں جس میں ایسے اسباب و علل پائے جاتے ہوں جو اس کی صحت میں نقص پیدا کرتے ہوں۔ اور ان اسباب و علل کا پتہ علم حدیث کے حذاق و ماہرین کو چل جاتا ہے۔ اور اگر روایت کرنے والوں نے کوئی روایت کی ہو اور ایک اور راوی بھی اس کے مطابق و موافق حدیث کی روایت کرے تو اس کی اس روایت کو اُس حدیث کی مُتَابِع کہیں گے یہی معنی ہے محدثین کرام کے اس قول کا۔

تَابَعَ فُلَانٌ وَلَهٗ مُتَابِعَات ۔ فلاں نے متابعت کی ہے اور فلاں کے بہت سے متابعات ہیں۔

متابعت تقویت و تائید کا موجب ہوتی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ متابع مرتبہ میں اصل کے برابر ہو۔ ہو سکتا ہے مرتبہ میں اصل سے کمتر ہو۔ اور مرتبہ میں متابعت ہونی چاہیئے۔ اور اگر متابع لفظاً و معنیً میں اصل کے موافق ہو تو اس پر لفظ مثلہٗ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور صرف معنی میں موافق ہو تو اس کے لیے نَحْوَهٗ کا لفظ بولتے ہیں البتہ متابعت میں یہ شرط ہے کہ دونوں احادیث ایک ہی صحابی سے مروی ہوں۔ اور اگر دو الگ الگ صحابیوں سے مروی ہوں تو اسے شَاهِدٌ کہیں گے۔ چنانچہ کہتے ہیں وَلَهٗ شَوَاهِدُ وَيَشْهَدُ بِهٖ بِحَدِيْثِ فُلَانٍ اور متابع و شاہد کی تلاش و جستجو کی غرض سے طُرُق و اسانید کی چھان بین کرنے کو اعتبار کہتے ہیں۔

وَفَصْلٌ: ۔ حدیث تین قسم ہے۔ صحیح، حسن، ضعیف صحیح اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور ضعیف ادنیٰ مرتبہ۔ اور حسن بدر میانہ مرتبہ۔ صحیح وہ حدیث ہے۔ جو عادل، تام الضبط اور متصل السند راویوں سے منقول و مروی ہو۔ اور آخر تک یہ شرائط موجود ہوں۔ رواۃ حدیث میں یہ شرائط اگر علی وجہ الکمال والتمام پائی جاتی ہوں تو اس حدیث کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں۔ اور اگر ان شرائط میں کسی قدر نقصان و قصور پایا جاتا ہو مگر کثرت طرق سے اس نقصان و قصور کی تلافی ہوگئی ہو تو اسے صحیح لغیرہ کہیں گے۔ اور اگر اس نقصان و قصور کی کمی پوری نہ ہوئی ہو تو اس حدیث کو حسن لذاتہ کہتے ہیں۔ اور اگر ضعیف حدیث کے ضعف کا نقصان تعدد طرق سے پورا ہو چکا ہو تو اسے حسن لغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں محدثین کے ظاہر کلام سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے۔ کہ حدیث حسن میں یہ نقصان تمام صفات مذکورہ میں پایا جا سکتا ہے۔ تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ حسن لذاتہ میں یہ نقص: خامی صرف صفت ضبط کے اعتبار سے ہوتی ہے باقی تمام صفات اپنی حالت پر موجود ہوتی ہیں۔ اور ضعیف و حسن لغیرہ میں یہ خامی تمام صفات کے اعتبار سے ہوتی ہے

ضبط و عدالت:۔ اب ضبط و عدالت کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان مذکورہ اقسام کی تعریف کا پتہ چل جائے۔ جاننا چاہیئے کہ عدالت سے کسی شخص میں ایسے ملکہ کا پایا جانا مراد ہے جو اُسے تقویٰ و مروت پر استحکام و مضبوطی سے قائم رہنے پر راغب کرتا ہو۔ اور تقویٰ سے اعمال سیئہ، شرک، فسق، بدعت سے بچنا مراد ہے۔ گناہ صغیرہ سے اجتناب میں اختلاف ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ صغائر سے اجتناب مراد نہیں کہ یہ امر عموماً طاقت انسانی سے باہر ہے، الا یہ کہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرے کہ یہ بھی کبیرہ گناہوں کے قبیلہ میں سے ہے۔ اور مروت سے بعض ایسے گھٹیا کاموں اور نقائص سے بچنا مراد ہے جو انسانیت اور مردانگی کے تقاضا کے مطابق نہ ہوں۔ جیسے دین میں بعض مباح امور جیسے بازار میں کھانا پینا، اور شارع عام میں بول پیشاب وغیرہ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ عدلِ روایت، عدل شہادت سے عام ہے۔ کیونکہ عدل روایت غلام کو بھی شامل ہے جبکہ عدل شہادت صرف آزاد کو شامل ہے۔ یعنی روایت غلام عادل کی بھی معتبر ہوگی مگر شہادت غلام عادل کی معتبر نہیں ہے اور ضبط سے وہ حفظ اور قوتِ یاداشت مراد ہے جس کے باعث سنی ہوئی مرویات خلل اور بعض الفاظ کے چھوٹ جانے سے محفوظ رہتا ہو یہاں تک کہ ان مرویات کے ذہن میں حاضر کرنے کی قدرت رکھتا ہو، پھر ضبط کی دو قسمیں ہیں ضبطِ صدر اور ضبطِ کتاب۔ ضبط صدر یاداشت اور حفظ قلب سے ہوتی ہے۔ اور ضبط کتاب یہ ہے کہ ادا کرنے اور دوسرے کو پہنچانے تک محفوظ اور یاد رکھے۔

وَصْل:۔ عدالت سے متعلق وجوہ طعن کی علماء نے پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ قسم اول راوی کا کاذب اور جھوٹا ہونا۔ قسم دوم اس کا کذب کے ساتھ متہم ہونا۔ قسم سوم فسق راوی۔ قسم چہارم راوی کی جہالت، قسم پنجم راوی کا بدعتی ہونا۔ کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ اس کا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کرنے میں جھوٹ ثابت ہو چکا ہو۔ اور اس حدیث کو جس کا راوی کاذب قرار پا چکا ہو، موضوع کہتے ہیں۔ اور جس شخص سے تمام عمر میں ایک دفعہ بھی روایت حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا ہو اس کی روایت کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ جھوٹ سے توبہ بھی کرلے۔ بخلاف جھوٹی گواہی دینے والے گواہ کے۔ کیونکہ تائب ہونے کے بعد وہ مقبول الشہادۃ ہو جائے گا۔ اور محدثین کی اصطلاح میں موضوع حدیث سے یہی مراد ہے۔ نہ یہ کہ کسی خاص حدیث میں اس کا کذب و وضع ثابت ہو۔ اور وضع و افترا کا حکم ظن غالب سے ہوگا۔ قطعیت و یقین کے لیے کوئی راہ نہیں۔ کیونکہ جھوٹا انسان بھی کبھی سچ کہہ دیتا ہے۔ اور راوی کے متہم بالکذب ہونے سے یہ مراد ہے کہ راوی گفتگو میں دروغ گوئی میں مشہور ہو چکا ہو۔ اگرچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں اس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہوا ہو۔ اور جو روایت شریعت پاک کے معلوم و ضروری قواعد کے مخالف ہو وہ بھی موضوع حدیث کے حکم میں ہے۔ حدیث کی اس قسم کو متروک کہتے ہیں۔ چنانچہ محدثین کہتے ہیں حدیثہ متروک، یا ہو متروک الحدیث۔ ایسا شخص اگر توبہ کرے اور توبہ میں مضبوط ہو جائے اور صدق و راستی کی علامات اس کے حال کی پیشانی سے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں تو اس کی روایت کردہ حدیث بھی سنی جا سکے گی۔

اور وہ شخص جس کے حدیث کے سوا دوسرے کلام میں کبھی کبھی نادر طور پر جھوٹ کا ثبوت ملتا ہو تو اگرچہ اتنی مقدار میں بھی کذب کا مرتکب ہونا معصیت اور گناہ ہے تاہم اس کی روایت کردہ حدیث کا نام موضوع یا متروک نہ ہو گا۔

اور فسق سے عملی فسق مراد ہے۔کیونکہ فسق اعتقادی بدعت میں داخل ہے۔ بدعت کا زیادہ تر استعمال اعتقادی خرابی میں ہوتا ہے اور کذب بھی اگرچہ فسق میں داخل ہے تاہم اس کے شدید قسم کا نقص ہونے کے باعث اور ایک الگ شے قرار دیتے ہوئے اسے فسق سے جدا چیز شمار کیا گیا ہے۔راوی کے نام کا معلوم نہ ہونا بھی حدیث میں طعن کا موجب ہے۔کہ جب راوی کا نام معلوم نہ ہو گا اس کا حال بھی معلوم نہ ہو گا اور یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔اس کی مثال یوں ہے اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ اَوْ اَخْبَرَنِیْ شَیْخٌ اور اس مجہول الاسم راوی کو مبہم کہتے ہیں۔اور مبہم راوی کی حدیث مقبول نہیں ہے الا یہ کہ وہ صحابی ہو کہ صحابہ سب کے سب عادل و ثقہ ہیں۔

اور اگر راوی مبہم کا نام روایت میں بصورت تعدیل آیا ہو جیسے اَخْبَرَنِیْ عَدْلٌ اَوْ اَخْبَرَنِیْ ثِقَۃٌ تو اس میں اختلاف ہے۔صحیح قول یہ ہے کہ اس کی روایت مقبول نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ روایت کرنے والے نے اس مجہول الاسم راوی کو اپنے خیال کے مطابق ثقہ گمان کر لیا ہو۔مگر وہ نفس الامر میں ثقہ نہ ہو۔لہٰذا اس کا نام لینا چاہئیے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ثقہ ہے۔اور اگر علم حدیث کا کوئی ماہر و حاذق امام مجہول الاسم راوی کو ثقہ کے لفظ سے بیان کرے تو وہ مقبول ہے۔

بِدْعَتْ:۔ بدعت سے ایسی نئی نکالی ہوئی چیز کا اعتقاد کر لینا مراد ہے جو کسی شبہ اور تاویل کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو کچھ معروف و معلوم طور پر وارد ہوا ہے اس کے خلاف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت شدہ معروف و معلوم چیز کے انکار اور اس سے عناد کی بنا پر اس نئی چیز کا معتقد نہ بنا ہوا ہو۔کیونکہ انکار و عناد کفر ہے۔اور مبتدع کی حدیث مردود ہے۔

اور اگر وہ مبتدع صدق لہجہ و حفاظت زبان سے متصف ہو تو بعض کے نزدیک اس کی حدیث مقبول ہے۔اور بعض کے نزدیک اگر وہ مبتدع کسی ایسے متواتر امر شرع کا منکر ہو جس کا دین اسلام میں سے ہونا بداہتہ معلوم یا اس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم و معروف ہو تو اس کی حدیث مردود ہے۔اور جو اس حالت تک نہ پہنچا ہو اگرچہ مخالفوں نے اس کی تکفیر بھی کی ہو اس کی حدیث مقبول ہو گی جب کہ اس راوی میں ضبط، ورع، تقویٰ اور احتیاط پائی جاتی ہو۔لیکن اس بارے میں مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اگر وہ مبتدع لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا۔اور اس کی ترویج و تزئین میں کوشاں رہتا ہو تو اس کی حدیث کو قبول نہ کیا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو مقبول ہو گی الا یہ کہ ایسی چیز روایت کرے جو اس کی بدعت کو تقویت دینے والی ہو۔کہ اس صورت میں اس کی روایت مردود ہو گی۔الغرض اہل بدعت و ہوا اور بدعقیدہ لوگوں سے حدیث اخذ کرنے میں محدثین کرام کا آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔جامع الاصول میں ہے کہ آئمہ حدیث کی ایک جماعت نے خوارج اور ان لوگوں سے جو قدریہ، شیعہ، روافض اور دوسرے اہل بدعت و ہوا سے حدیث لی ہے۔اس کے برعکس محدثین کی ایک دوسری جماعت نے ان لوگوں سے اخذ حدیث میں احتیاط اور ورع

کو اختیار کیا ہے۔ محدثین کے ان دونوں گروہوں کی اپنی اپنی نیت ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان فرقوں سے اخذ حدیث، ان کے صدق و صواب کو پوری طرح جانچنے کے بعد کیا جائے گا۔ اور یہ احتیاط عدم اخذ میں ہے کیونکہ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ان گمراہ فرقوں نے اپنے مذہب کو رواج دینے کے لیے بہت سی احادیث اپنے پاس سے گھڑلی ہیں اور بدعت سے توبہ اور رجوع کے بعد انہوں نے خود اس کا اعتراف و اقرار بھی کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَصْل :۔ علماءِ نقد و جرح نے ضبط سے متعلق وجوہِ طعن کی بھی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ اول غفلت کی زیادتی۔ دوم غلطی کا کثرت سے واقع ہونا۔ سوم ثقات کی مخالفت۔ چہارم وہم میں مبتلا ہونا۔ پنجم حافظے کا خراب ہونا۔ غفلت کا زیادہ ہونا اور غلطی کا کثرت سے وقوع دونوں قریباً ایک ہی چیز ہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ غفلت کا تعلق حدیث کے سننے اور اسے ذہن میں محفوظ کرنے سے ہوتا ہے اور غلطی کا تعلق دوسرے کو سنانے اور حدیث کو دوسرے تک پہنچانے سے ہوتا ہے۔ اور ثقہ راویوں کی مخالفت کا تعلق اسناد یا متن حدیث سے ہوتا ہے۔ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ اور یہ حدیث کو شاذ کر دینے کا موجب ہے۔ اور یہ مخالفت ثقات ضبط کے وجوہِ طعن میں سے اس لحاظ سے ہے کہ ثقہ راویوں کی مخالفت کا باعث عدم ضبط ہوتا ہے۔ اور اس وصف ضبط کے نہ ہونے کے باعث یہ راوی حدیث میں تغییر و تبدیل سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اور وہم اس وجہ سے موجب طعن ہے کہ اس کی بنا پر راوی روایت حدیث کرتے وقت وہم میں مبتلا اور خطا میں واقع ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس کے وہم و خطا پر دلالت کرنے والے قرائن کے ذریعے اطلاع ہو جائے اور اس روایت میں نقص پیدا کرنے والے اسباب و علل کا پتہ چل جائے تو ایسی حدیث کو مُعَلَّل کہتے ہیں اور یہ شناخت و اطلاع حدیث کے مشکل ترین اور ادق ترین علوم میں سے ہے۔ اس استعداد پر وہی شخص قائم و راسخ ہو سکتا ہے جسے مراتب رواۃ اور اسانید و متون کی معرفت تامہ اور اس سلسلے میں تیز فہم اور وسیع حفظ کی قوت عطا کی گئی ہو۔ جیسا کہ اس فن کے متقدمین حضرات سے لے کر امام دارقطنی تک کے علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ اس باب میں دارقطنی جیسا کامل ان کے بعد پیدا نہیں ہوا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مُعَلِّل (نقص بیان کرنے والا) کی عبارت حجت اور دلیل قائم کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور وہ علت و نقص کی تنقیح و تعیین نہیں کر سکتا۔ جس طرح بعض اوقات صراف درہم و دینار کو کھوٹا کھرا ظاہر کرنے کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ حافظے کی خرابی سے مراد یہ ہے کہ اس کی درستی فہم خطاء سے اور حفظ و یادداشت سہو و نسیان سے بڑھ کر نہ ہو۔ یعنی یا تو خطاء و نسیان غالب ہو یا صحت فہم و قوت یادداشت کے برابر ہو۔

یہ دونوں صورتیں سوءِ حفظ میں داخل ہیں۔ قابل اعتبار یہ ہے کہ صحت فہم و قوت یادداشت کا غلبہ ہو۔ اور خرابیٔ حافظہ کا مرض اگر راوی کی پوری عمر کے حالات کے ساتھ لازم ہو چکا ہو اور کسی حالت میں بھی وہ اس سے محفوظ و مصون نہ رہتا ہو تو اس کی حدیث معتبر نہ ہو گی۔ اور بعض محدثین کے نزدیک ایسے بھی شاذ ہی کہیں گے۔ اور اگر خرابیٔ حافظہ کا مرض عارضی اور وقتی ہو۔ مثلاً زیادہ

بوڑھا ہو جانے کے باعث یا بینائی چلے جانے کی وجہ سے یا کتابوں کے تلف ہو جانے کی بنا پر ہو تو اسے مختلط کہتے ہیں۔ اور اگر اس نے کوئی روایت اس خلل و اختلاط کے عارض ہونے سے قبل بیان کی ہو اور اُسے ان روایات سے جدا و الگ کر دیا ہو جو اس عارضہ کے لاحق ہونے کے بعد روایت کی ہیں۔ تو جدا کردہ روایت کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور اگر الگ اور جدا نہ کیا ہو تو اس میں توقف کیا جائے گا۔ اور اگر اشتباہ ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اور اگر اس قسم حدیث کے لیے متابعات اور شواہد مل جائیں اور وہ مقام اشتباہ سے نکل جائے تو وہ روایت درجۂ توقف سے نکل کر مرتبۂ قبول و رجحان کو پہنچ جائے گی۔ اور یہی حکم ہے مستور، مُدلّس اور مرسل احادیث کا۔

وُصل: اگر حدیث صحیح کا راوی ایک ہی ہو۔ تو اُسے غریب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اگر دو راوی ہوں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور و مستفیض کہتے ہیں۔ اور اگر راویوں کی کثرت اس حد کو پہنچ جائے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو جائے تو اُسے متواتر کہتے ہیں۔ اور غریب حدیث کو فرد بھی کہتے ہیں۔ اور راوی کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے ایک درجے میں بھی یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو وہ غریب کہلائے گی۔ لیکن اس صورت میں اُسے فردِ نسبی کہتے ہیں۔ اور اگر سند کے تمام درجوں میں ایک ہی راوی چلا آ رہا ہو تو ایسی روایت کا نام فردِ مطلق ہے۔ اور دو راویوں کے روایت کرنے سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام درجوں میں دو راوی ہوں۔ اگر کسی ایک درجے میں بھی صرف ایک راوی آ گیا تو وہ عزیز نہ ہو گی بلکہ غریب کہلائے گی جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور اسی قیاس پر مشہور حدیث میں دو سے زیادہ راویوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ علماء نقد و جرح کے اس قول کا کہ اس فن میں اقل اکثر پر غالب ہے یہی معنی ہے۔ (یہ بات ذہن نشین کر لو)۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ غرابت صحت کے منافی نہیں۔ اور یہ کہ غریب حدیث بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کے تمام رجالِ سند ثقہ ہوں۔ اور کبھی غریب بمعنی شاذ بھی آتی ہے۔ وہ شاذ جو حدیث میں اقسام طعن میں سے ہے۔ صاحب مصابیح بعض احادیث کے بارے میں بطور طعن جب یہ فرماتے ہیں کہ ہذا حدیث غریب تو اس سے ان کی مراد یہی شاذ ہوتی ہے۔ اور بعض نے شاذ سے صرف وہ حدیث مراد لی ہے جس کا راوی منفرد ہو۔ بغیر اس بات کا لحاظ کیے کہ اس میں ثقات کی مخالفت واقع ہوئی ہو۔ اس بنا پر یہ حضرات کہتے ہیں کہ صحیح شاذ بھی ہوتی ہے اور غیر شاذ (بمعنی فرد ثقہ) بھی۔ اور جہاں طعن کے طور پر کسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں وہاں مخالفت ثقات مراد ہوتی ہے۔

وُصل: ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح یا حسن کی شرائط معتبرہ میں سے ایک یا ایک سے زیادہ مطلقاً شرائط مفقود ہوں اور راوی میں عدالت یا ضبط نہ ہو۔ یا اس کا اسناد انقطاع کے عیب سے خالی نہ ہو۔ اور شذوذ، اجنبیت اور علت و نقص سے پاک نہ ہو۔ اس اعتبار سے افراداً و ترکیباً ضعیف کی متعدد اور کثیر اقسام بن جاتی ہیں۔ اسی طرح صحیح یا حسن لذاتہ اور لغیرہ کی اقسام بھی اصل صحت و حسن میں مشترک ہونے کے باوجود ان صفات کے مراتب و درجات سے تفاوت کے لحاظ سے بہت بن جاتی ہیں۔

اور علماء نقد و جرح نے صحت کے مراتب پورے ضبط کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ اور ان کی تعیین فرما دی ہے۔ اور احادیث کی سندوں سے ان کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور کہا ہے کہ عدالت و ضبط کا نام سندوں کے تمام رجال (رواۃ حدیث) کو شامل ہے۔ لیکن ان صفاتِ عدالت و ضبط میں بعض راویوں کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔ بنا بریں صحیح ترین سند کا اطلاق کس مخصوص سند پر کیا جائے تو اس میں علی الاطلاق اختلاف ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اصح ترین سند حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ہے جو وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے نانا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام) سے کریں۔ اور بعض مالک از نافع از ابن عمر کو اصح ترین سند کہتے ہیں۔ اور بعض زہری از سالم اور وہ اپنے باپ ابن عمر سے روایت کو اصح ترین سند قرار دیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں درست بات یہ ہے کہ کسی مخصوص سند پر علی الاطلاق اصح ترین ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ہاں اس مقام پر ایک اعلیٰ درجہ ہے جس میں بہت سی سندیں داخل ہیں۔ اور اگر کسی قید کے ساتھ مقید کر کے اصح ترین کا لفظ بولا جائے۔ مثلاً فلاں شہر کی اصح ترین سند، یا فلاں باب میں اصح ترین سند یا اس مسئلہ میں اصح ترین تو البتہ یہ اطلاق درست ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ایک حدیث کے بارے میں یوں فرمادیا کرتے ہیں حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ و حدیث غریب حَسَنٌ اور حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ ان کی اس عادت کے بارے میں یہ بات ہے کہ حسن و صحت کے اجتماع میں تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ایک حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو سکتی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ ہاں غریب اور حسن کے اجتماع میں اشکال ضرور ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے۔ اور یہ بات غرابت کے مفہوم کے منافی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ امام ترمذی کے نزدیک تعدد طرق کا اعتبار مطلق حسن میں نہیں ہے۔ بلکہ حسن کی ایک خاص قسم میں ہے۔ اور جہاں وہ حسن اور غریب کو جمع کرتے ہیں وہاں اس سے ایک دوسری قسم مراد ہوتی ہے۔ بعض علماء اس اشکال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن و غریب کو یکجا کر کے امام ترمذی علیہ الرحمۃ اختلاف روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق یہ حدیث غریب اور بعض دوسری کے اعتبار سے حسن ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں واو بمعنی اَوْ ہے جو شک و تردد کے معنی دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ حدیث یا تو غریب ہے یا حسن۔ اور اس اشکال کا یہ جواب دینا کہ یہاں حسن سے مراد اصطلاحی حسن نہیں بلکہ حسن سے مایمیل الیہ الطبع مراد ہے (یعنی جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو) اگرچہ وہ سند کے اعتبار سے غریب ہی کیوں نہ ہو تو یہ جواب درستی سے بعید ہے۔

وَصْل:۔ احکام میں صحیح لذاتہ کے قابل حجت ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے۔ عام علماء کے نزدیک حسن لذاتہ کی بھی یہی حیثیت ہے اور یہ قابل حجت ہونے میں صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔ اور جب ضعیف حدیث تعدد طرق کے ذریعے درجہ حسن تک پہنچ جائے تو اس سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ ضعیف حدیث

صرف فضائل اعمال میں حجت ہے تو اس سے مفرد یعنی ایک سند والی ضعیف مراد ہے۔ نہ کہ وہ جو کئی اسناد سے مروی ہو اس لیے کہ وہ تو تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ اور ضعیف کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ آئمہ فن نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ بعض آئمہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا ضعف اگر بعض راویوں کے سوء حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی بنا پر ہو۔ اور راوی میں صدق و دیانت کا وصف بھی ہو تو تعدد طرق سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جائے گی اور اگر ضعف کا موجب راوی کا متہم بالکذب ہونا یا اس کا شذوذ اور فحش خطا ہو تو تعدد طرق کے ساتھ بھی اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور حدیث درجہ ضعف میں ہی رہے گی۔ اور فضائل میں مقبول و معمول بہ ہو گی۔ ممکن ہے کہ بعض علماء کے اس قول کا کہ ایک ضعف کے دوسرے ضعف کے ساتھ مل جانے سے قوت نہیں آسکتی تعلق ضعیف حدیث کی اس قسم سے ہو۔ ورنہ کسی اور معنی کے مطابق یہ قول ظاہر الفساد ہے۔ اور اس بات میں ابھی مزید غور و تدبر کی ضرورت ہے۔

وَصْل:۔ جب کہ صحیح حدیث کے درجات میں فرق و تفاوت ہوتا ہے۔ اور بعض بعض سے زیادہ صحیح ہوتی ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بات محدثین کے ہاں طے شدہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی صحیح، حدیث میں تصنیف شدہ کتب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ علماء نے کہا ہے اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ صحیح البخاری۔ یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے۔ اور بعض مغربی علماء مراکش و اندلس وغیرہ کے علماء کے نزدیک صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر صحت میں فوقیت حاصل ہے۔ لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ ترجیح احادیث کے حسن سیاق، احادیث کی ترتیب و وضع میں عمدگی وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔ اور حدیث کی کوئی کتاب بھی احادیث کی وضع و ترتیب، اشارات کی باریکیوں کی رعایت، سندوں کے ذکر کرنے میں بہترین نکات پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے صحیح مسلم کی ہم پلہ اور برابر نہیں۔ تاہم ترجیح کی یہ وجوہات خارج از بحث ہیں۔ کیونکہ یہاں گفتگو حدیث کی صحت، قوت اور ان امور کے بارے میں ہے جو اس سے متعلق

صحیح بخاری کے برابر نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے رجال حدیث میں صحت حدیث کے لیے جن صفات کاملہ کا لحاظ و اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ کسی اور محدث نے ملحوظ نہیں رکھیں۔ بعض علماء ان دونوں کتابوں کو ایک دوسری پر ترجیح دینے میں توقف کرتے ہیں۔ تاہم جمہور کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح حاصل ہے۔ جیسا کہ اس بات کو انہوں نے اپنے مقام پر وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور جس حدیث کی تخریج و روایت میں امام بخاری و امام مسلم دونوں اکٹھے ہو جائیں یا جس کے بارے میں یوں آئے اَخْرَجَہُ الشَّیْخَانِ تو وہ حدیث متفق علیہ کہلائے گی۔ علماء حدیث نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحیح احادیث کی تعداد دو ہزار تین سو چھبیس ۲۳۲۶ ہے۔ مختصر یہ کہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک احادیث صحیحہ میں اعلیٰ ترین مرتبہ متفق علیہ حدیث کا ہے۔ پھر اس کا جس کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہوں۔ پھر اس کا مرتبہ

جس کے روایت کرنے میں امام مسلم منفرد ہوں۔ پھر وہ حدیث جو امام بخاری و امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہو۔ پھر وہ جو امام بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔ اس کے بعد وہ جو امام مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔ پھر اس کا درجہ جو ان دو ائمہ کی شرط کے بجائے دوسرے ائمہ حدیث کی شرط کے موافق ہو جنہوں نے صحت احادیث کا التزام کر کے ان کی تصحیح کی ہے اس ترتیب کے مطابق تمام سات قسمیں بنتی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ رجال حدیث ان صفات سے متصف ہوں جن کا اعتبار ان دونوں اماموں نے کیا ہے۔ جیسے ضبط، عدالت، شذوذ کا نہ ہونا نکارت (اجنبیت راوی) اور علت قادحہ سے پاک ہونا وغیرہ۔ بخاری و مسلم کی شرط کی اس سے زیادہ تفصیل مقدمہ شرح سفر السعادت میں کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

وصل:۔ احادیث صحیحہ کا ذخیرہ صرف صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہی منحصر نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان دونوں حضرات نے تمام صحاح کا استیعاب (اکٹھی کر دینا) کیا ہے۔ بلکہ ان دونوں اماموں نے بعض ایسی صحیح احادیث بھی چھوڑ دی ہیں۔ جو ان کی شرائط کے مطابق تھیں۔ چہ جائیکہ مطلقاً تمام صحیح احادیث کو انہوں نے اپنی صحیحین میں درج کیا ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث درج کی ہیں اور ان میں سے بھی بہت سی چھوڑ دی ہیں۔ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے میں نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ہی درج کی ہیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے درج نہیں کیا وہ ضعیف ہیں تاہم بعض احادیث صحاح کو چھوڑ دینے اور بعض کے نقل کرنے میں ان دونوں اماموں کے ہاں تخصیص و ترجیح کی وجہ ضرور ہو گی۔ خواہ وہ صحت کی حیثیت سے متعلق ہو یا دوسرے مقاصد کے پیش نظر۔

اور حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام مستدرک رکھا۔ یعنی وہ صحیح احادیث جنہیں امام بخاری و مسلم نے چھوڑ دیا مستدرک میں انہیں درج کر کے ان کی اس فروگذاشت کی تلافی کی۔ اس کتاب میں انہوں نے بعض احادیث شرط شیخین کے مطابق روایت کیں اور بعض ان میں سے ایک کی شرط کے مطابق۔ اور بعض دوسرے ائمہ حدیث کی شرط کے مطابق۔ اور حاکم علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ انہوں نے یعنی بخاری و مسلم نے یہ فیصلہ نہیں دیا کہ جن احادیث کی ہم نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں تخریج و روایت نہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ حاکم علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے زمانے میں بدعتی لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے جنہوں نے آئمہ دین پر طعن و اعتراض کی زبانیں کھول دی ہیں۔ کہ تمہارے نزدیک بھی احادیث صحیحہ کی تعداد بارہ ہزار ہے۔ تو ان آئمہ حدیث نے بہت سی صحیح احادیث کیوں چھوڑ دیں، تاہم آئمہ دین پر طعن و اعتراض کرنا ٹھیک نہیں۔ اور امام بخاری سے منقول ہے وہ فرماتے تھے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث یاد ہے۔ اور غیر صحیح سے دو لاکھ یاد ہیں ظاہر یہی ہے کہ صحیح سے مراد وہ احادیث ہیں جو امام بخاری علیہ الرحمۃ کی اپنی شرط کے مطابق صحیح ہوں۔ اور صحیح بخاری میں مکرر احادیث سمیت کل سات ہزار دو سو پچھتر ۷۲۷۵ احادیث ہیں۔ اور مکرر احادیث کو شمار نہ کرنے کی صورت

ہیں۔ صحیح بخاری میں کل چار ہزار حدیث ہے۔

بہت سے دوسرے آئمہ حدیث نے بھی صحیح احادیث اکٹھا کرنے کی خاطر کتب تصنیف فرمائی ہیں جیسے صحیح ابن خزیمہ کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ کو امام الائمہ کہا گیا ہے یہ صاحب ابن حبان کے شیخ واستاد ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شان میں فرمایا ہے۔ کہ میں نے روئے زمین پر ابن خزیمہ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو فن حدیث کو ان سے بہتر جانتا ہو۔ یا جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ پوری طرح احادیث صحیحہ یاد ہوں۔ گویا تمام سنن واحادیث کا ذخیرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی طرح ایک کتاب صحیح ابن حبان ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ امام الائمہ ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد ہیں۔ ثقہ، ثبت (قوی الذہن) فاضل اور نہایت تیز فہم وفراست کے مالک تھے۔ حاکم نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ ابن حبان علیہ الرحمۃ علم فقہ، علم حدیث اور وعظ میں علم سے بھرے ہوئے برتنوں کی طرح تھے۔ اور نہایت ہی عقلمند شخصیت تھے۔ اور ایک کتاب صحیح حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری الحافظ الثقہ ہے جس کا نام مستدرک ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے حاکم سے اس کتاب میں قدرے فروگذاشت بھی سرزد ہوئی ہے۔ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان سندوں اور متنوں کے بیان کرنے میں حاکم سے اکمل واقویٰ اور بہتر وعمدہ تر ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کتاب مختارۂ حافظ ضیاء مقدسی ہے انہوں نے بھی اس میں وہ احادیث صحیحہ اکٹھی کی ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں۔ علماء نے اس کتاب کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ مستدرک حاکم سے بھی یہ احسن ہے۔ یوں ہی صحیح ابو عوانہ، ابن السکین اور ابن جارود کی مُنْتَقیٰ ہے۔ ان تمام مذکورہ کتب میں صحیح احادیث ہی جمع کی گئی ہیں۔ تاہم علماءِ نقد وجرح کی ایک جماعت نے ان کتب پر از راہ تعصب یا از روئے انصاف تنقید کی ہے۔

وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا موجود ہے) واللہ اعلم۔

وصل: اسلامی حلقوں میں حدیث کی جو چھ کتابیں مشہور ہیں اور جنہیں صحاح ستہ کہتے ہیں وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سے عبارت ہیں۔ بعض کے نزدیک ابن ماجہ کے بجائے موطا ہے۔ کتاب جامع الاصول کے مؤلف نے موطا کو ہی اختیار کیا ہے۔ ان چھ کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی احادیث موجود ہیں۔ اغلب واکثر احادیث کے لحاظ سے ان کتب کو صحاح ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ صاحب مصابیح نے جو بخاری ومسلم کے غیر مرویات کو حسن کہا ہے۔ تو اس کی وجہ بھی قریب قریب یہی ہے۔ دراصل یہ صاحب مصابیح کی جدید اصطلاح ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ابن ماجہ کی جگہ دارمی کی کتاب چھٹی کتاب شمار کیے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اس کے رجال ضعف میں کمتر ہیں۔ اور منکر وشاذ احادیث اس میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔

یہ تمام مذکورہ کتابیں علم حدیث کی مشہور کتابیں ہیں۔ اور امام سیوطی نے جمع الجوامع میں پچاس سے زائد کتب حدیث سے

احادیث جمع کی ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی احادیث ہیں۔ اور امام سیوطی نے دعویٰ کیا ہے کہ جمع الجوامع میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی گئی جو موضوع ہو۔ یا جو باتفاق محدثین متروک اور مردود ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصنف مشکوٰۃ المصابیح نے دیباچہ کتاب میں ائمہ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی مصنف کی ترتیب کے مطابق ان ائمہ کے حالات بیان کر دیے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کا ذکر جو اجل، اعظم، اور اکرم امام ہیں اس کتاب میں نہیں کیا ہے۔ اسماء الرجال کی کتاب میں آپ کا ذکر اتم و اکمل طریقہ پر ہم نے کر دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات

آپ کی کنیت ابو عبداللہ، نام محمد۔ اور شجرہ نسب اس طرح ہے۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بفتح باء موحدہ، و سکون راء و کسر دال مہملہ و سکون زاء اور فتح باء موحدہ۔ آپ کو بخاری اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ بخارا شریف میں پیدا ہوئے۔ لفظ بخاری آپ اور آپ کی کتاب کے لیے علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ کو جُعفی (بضمہ جیم، و سکون عین مہملہ آخر میں فاء مکسور) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا جداعلیٰ مغیرہ مجوسی تھا یمان جعفی کے ہاتھ پر جو اس وقت والی بخارا تھا، مسلمان ہوا۔ امام بخاری کو بھی اس نسبت سے جعفی کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح شافع کی نسبت سے شافعی کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فن حدیث و علمائے حدیث کے مقتداء و پیشوا ہوتے ہیں۔ محدثین کے ہاں آپ کو امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ اور ناشر المواریث المحمدیہ کے القاب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ آپ کے وقت کے علماء نے مختلف الفاظ میں آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام مسلم صاحب الصحیح جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو یوں کہا کرتے تھے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں چوم لوں۔ اے عمدہ گفتگو والے۔ اے استاذ الاساتذہ۔ اے محدثین کے رئیس و سردار۔ امام ترمذی نے کہا۔ "میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس امت کی زینت بنایا ہے" ابن مدنی نے کہا امام بخاری نے خود بھی اپنے جیسا کوئی نہیں دیکھا ابن خزیمہ نے کہا نیلے آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑھ کر حدیث جاننے والا اور اس کا حافظ موجود نہیں ہے۔ بعض علماء نے آپ کی شان میں فرمایا ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں سے امام بخاری علیہ الرحمتہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمتہ اپنے زمانہ میں احادیث کے حفظ و یادداشت کتاب و سنت کے معانی سمجھنے میں، ذہن کی تیزی، طبیعت کے نکھار، وفور علم فقہ، کمال زہد، غایت ورع و تقویٰ، حدیث کے طرق اور ان کے نقائص و علل پر مطلع ہونے میں، نظر کی باریکی قوت اجتہاد اور فروع کو اصول سے نکالنے میں اپنی نظیر نہیں

رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ۔ ابرار و اخیار اور احادیث کے راویوں میں سے تھے۔ انہیں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و ہم نشینی نصیب رہی۔ اور انہوں نے امام مالک کے اصحاب اور ان کے طبقہ سے روایت کی ہے۔ اور وہ یعنی والد مکرم مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ اور بار ہا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے خداوند قدوس! میری تمام دعائیں دنیا میں ہی قبول نہ کرے بلکہ کچھ آخرت کے لیے بھی رہنے دے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی مستجاب الدعوات تھیں۔ منقول ہے کہ امام بخاری بچپن میں نابینا ہو گئے۔ اطباء نے آپ کو لا علاج قرار دے دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے درگاہ الٰہی میں متوجہ ہو کر دعا کی خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے بڑھیا اللہ تعالیٰ نے تیرے بار بار دعا کرنے اور تیری گریہ و زاری کی برکت سے تیرے بچے کو بینائی عطا فرما دی۔ امام بخاری جب صبح کو اٹھے تو آنکھوں کی بینائی اس طرح صحیح اور درست تھی گویا کبھی بینائی ضائع نہیں ہوئی تھی۔ منقول ہے کہ آپ دس برس کے تھے کہ حدیث حفظ کرنے کا الہام ہوا۔ گیارہ برس کے تھے کہ اپنے شیخ کے خلط (سند حدیث میں عیب و نقص کا نام ہے) کی اصلاح کی۔ سولہ برس کی عمر میں ابن مبارک اور وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا۔ اور اصحاب رائے کی کتابوں سے واقف ہو گئے۔ انہی ایام میں والدہ، والد اور آپ کا بھائی آپ کو حج بیت اللہ کے لیے لے گئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے صحابہ و تابعین کے فضائل و مناقب میں کتاب تصنیف کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے قریب بیٹھ کر تاریخ کبیر تالیف کی۔ آپ چاندنی راتوں میں بھی کتابیں لکھتے تھے۔ آپ نے سماع اور قرأت حدیث کے لیے اسلامی شہروں کے متعدد سفر اختیار کیے۔ آپ سے منقول ہے کہ فرمایا میں نے استفادہ حدیث کے لیے دو مرتبہ شام اور مصر کا سفر کیا۔ چار مرتبہ بصرے آیا۔ چھ سال حجاز مقدس میں اقامت گزیں رہا۔ اور اس کا شمار نہیں کر سکتا کہ بغداد و کوفہ میں کتنی بار آیا ہوں۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک ہزار اسی اشخاص سے میں نے حدیث روایت کی ہے۔ اور اس تعداد میں اصحاب حدیث علماء کے علاوہ اور کوئی شامل نہیں۔ آپ کے مشائخ کے پانچ طبقات ہیں۔ تبع تابعین، تبع تبع تابعین۔ آپ کے ہم عصر۔ آپ کے ساتھی۔ اور آپ کے وہ تلامذہ جن کی روایت کردہ احادیث میں آپ نے فوائد ملاحظہ فرمائے ان سب حضرات سے آپ نے روایت کی ہے۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے کہ کوئی محدث اس وقت تک کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک اپنے سے اوپر، اپنے برابر اور اپنے سے کم درجہ آدمی سے روایت نہ کرے۔ اور بے شمار لوگوں نے امام بخاری علیہ الرحمۃ سے روایت کی ہے۔ جیسے امام مسلم نے اپنی غیر صحیح میں اور امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور فربری وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ اور کم و بیش ایک لاکھ افراد نے آپ سے روایت کی ہے رحمۃ اللہ علیہ وعلیہم وعلی سائر عباد اللہ الصالحین۔

منقول ہے کہ امام صاحب کو اپنے والد کی طرف سے [illegible] اس کی بنا پر آپ بہت بڑے مالدار تھے۔

اور آپ جوانمرد، سخی، صاحب مروت، نہایت پارسا اور تمام امور میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔ غرباء و فقراء کو صدقات و خیرات سے نوازتے رہتے تھے۔ علم حدیث کے طلبہ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور نہایت قلیل الغذاء تھے۔ یہاں تک کہ دن میں صرف دو یا تین بادام آپ کی خوراک تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے چالیس سال روٹی کے ساتھ سالن استعمال نہیں کیا۔ جب بیمار ہو گئے تو اطباء نے کہا کہ یہ مرض خشک روٹی کھانے کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ تو صحت کی خاطر کثرت کے ساتھ مخصوص شربت پینا پڑا۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ سترہ مرتبہ بھڑ نے آپ کو کاٹا مگر آپ نے نماز نہ توڑی اور بدستور نماز میں مصروف رہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا ملۃ صحیح کے علاوہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی اور بھی تالیفات ہیں۔ جیسے اَدبِ مفرد، رفع الیدین فی الصلوٰۃ قرأۃ خلف الامام، برالوالدین، تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، خلقِ افعالِ عباد، کتاب الضعفاء جامع کبیر، مسند کبیر، تفسیر کبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الہبۃ، اَسامیِ صحابہ، کتاب رجال، کتاب علل، کتاب کُنٰی۔ کتاب مبسوط اور کتاب فوائد۔

صحیح بخاری کی وجہ تصنیف

معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ اور تابعین کبار رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں احادیث و آثار جوامع (کتب) کی شکل میں مدون و مرتب نہ ہوئی تھیں اور تصنیف و تالیف کی رسم معرض وجود میں نہ آئی تھی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت اور زمانۂ رسالت سے قرب کی بنا پر ان حضرات کا دائرۂ حفظ بڑا وسیع، اور ان کے اذہان و عقول بڑے صاف و روان تھے۔ نیز جو امور جمع اور تالیف اور تصنیف کتب کا سبب بنتے ہیں، جیسے مذہبی تنازعات، اختلافات، فتاویٰ اور واقعات بھی کم تھے۔ روایتہً منقول بھی آیا ہے کہ صحابہ کرام کو احادیث ضبط تحریر میں لانے کی ممانعت تھی، تاکہ ان میں بعض قرآن مجید سے خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اور اس طرح سطحی ذہن کے لوگ اشتباہ و التباس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ضبط تحریر میں نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر حضرات فن تحریر سے آشنا نہ تھے۔ احادیث و اخبار کی تدوین اور سنن و آثار کی تصنیف کا سلسلہ دراصل تابعین کے آخری دور میں شروع ہوا۔ چنانچہ امام زہری، ربیع بن صبیح اور سعید بن ابوعروبہ وغیرہ نے اس مبارک کام کا آغاز کیا۔ اور ہر باب کی علیحدہ تصنیف کی۔ تا آنکہ طبقۂ ثالثہ میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق حدیث کی تدوین و تالیف کی۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے جو اہل مدینہ کے پیشوا و مقتدا ہیں موطا تصنیف کی۔ اور اہل حجاز کی جو احادیث ان کے ہاں صحت و قوت کے معیار پر درست تھیں وہ اس میں جمع کر دیں۔ نیز صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین عظام اور ان کے بعد کے لوگوں کے فتوی جات

اپنی اس کتاب میں درج کیے، اور تصنیف و تالیف کا یہی کام مکہ معظمہ میں ابو محمد عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (دو فتحہ و جیم اول مضموم) علیہ الرحمۃ نے شروع کر دیا۔ شام میں ابو عمرو عبد الرحمٰن اوزاعی نے، کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ ان سب حضرات نے کتابیں تصنیف فرمائیں ان کے بعد علماء مجتہدین میں سے ہر ایک نے تالیفات کیں۔ اور کبرائے محدثین میں سے امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ جیسے حضرات نے مسانید تالیف کیں۔ اور بعض تصانیف ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق مرتب فرمائیں۔ تاہم ان تمام مولفات میں سے کسی کتاب میں بھی ان کی تدوین و تالیف کرنے والوں نے صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے جدا اور الگ نہ کیا تھا۔ سب سے پہلا شخص جس نے خالص صحیح احادیث کا ذخیرہ کسی کتاب میں بصورت تصنیف جمع کیا وہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ہے۔ اور ان مذکورہ کتب سے واقفیت امام موصوف کے لیے صحیح احادیث یکجا کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ آپ نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور تشریف لائے ہیں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور وہ آپ کو ہوا پہنچانے کے لیے جھول رہا ہوں۔ اور آپ کے چہرہ انور پر سے مکھیوں کو دور ہٹا رہا ہوں۔ میں نے اپنا یہ خواب تعبیر کی خاطر ایک معبر کے سامنے بیان کیا۔ اس نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ تو وہ شخص بنے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے جھوٹ کو دور کرے گا۔ یہ واقعہ اور تعبیر بھی الجامع الصحیح کی تالیف کے سلسلے میں مزید تاکید کا سبب بنا۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے چھ لاکھ احادیث سے چھانٹ کر صحیح کی تالیف کی۔ اور کہا ہے احادیث کا جو ذخیرہ میں نے چھوڑ دیا ہے (کتاب میں درج نہیں کیا) وہ اس سے زیادہ ہے۔ جو میں نے صحیح بخاری کی شکل میں جمع کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تالیف مسجد خانہ کعبہ میں بیٹھ کر کی۔ اور ہر حدیث لکھنے سے پہلے بارگاہ الٰہی میں استخارہ کرتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اور ایک روایت ہے کہ پہلے آب زمزم شریف سے غسل کرتے اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر حدیث پاک لکھتے تھے۔ اور جس حدیث کی صحت آپ کے نزدیک یقین سے ثابت تھی صرف اس کو آپ نے اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ اور ابن عدی نے اپنے شیوخ و اساتذہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رح نے کتاب کے تراجم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر اور آپ کے منبر شریف کے درمیان بیٹھ کر پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اور ہر ترجمہ کی تحریر سے قبل آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ مسودہ کتاب تو مسجد خانہ کعبہ میں تیار کیا لیکن اس کی نظر ثانی اور اسے بیاض کی شکل مدینہ مطہرہ میں جا کر دی۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کو تین مرتبہ تصنیف کیا۔ تین مرتبہ ان میں سے گزرے اور تین مرتبہ ان کی کاٹ چھانٹ کی۔ اس کے بعد جا کر اُسے آخری شکل دیتے تھے۔ بخاری شریف کے نسخوں کے کثرت اختلاف کی وجہ بھی یہی ہے۔ بخاری شریف کے مختلف نسخے دراصل مختلف روایات ہیں

جو آپ نے درج کی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ امام صاحب ہر حدیث عالم واقعہ یا الہام میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں عرض کرتے ہوں۔ اور حضور علیہ السلام سے اجازت و رخصت لے کر درج کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

امام ابو زید مروزی فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ اے ابو زید تو میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے۔ فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب۔

اور بعض عظیم القدر علماء کرام سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور جس جگہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک رکھتے ہیں بالکل اسی جگہ امام موصوف بھی اپنا قدم رکھتے ہیں۔ اور جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ علم حدیث میں تمام تصنیف شدہ کتابوں میں سے امام بخاری کی کتاب کو فوقیت و برتری حاصل ہے۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب صحیح البخاری ہے۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر نے صحیح بخاری کی شرح میں فرمایا ہے کہ صحیح بخاری کی تمام احادیث کی تعداد تعلیقات، شواہد، تابعات اور مکرر احادیث ملا کر نو ہزار آٹھ سو بیاسی (۹۸۸۲) ہے۔ اور مکرر احادیث کو چھوڑ کر مرفوع احادیث دو ہزار چھ سو تیئیس (۲۶۲۳) ہیں۔ انتہی لیکن اس جگہ علماء اصول حدیث اور شارحین بخاری کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے واللہ اعلم۔ صحیح بخاری کی احادیث میں سند کے اعتبار سے اعلیٰ و اقرب وہ احادیث ہیں جن میں امام بخاری اور حضور علیہ السلام کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ اور مکررات کو ملا کر وہ کل بائیس احادیث ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر کل سولہ ہیں۔

اور بہت سے مشائخ اور ثقہ علماء کرام مرادوں کے حصول، مہمات میں کفایت، حاجات کے پورا ہونے، مصائب کے دور کرنے، تکالیف سے نجات پانے، بیماروں کی صحت و شفا اور شدائد و پریشانیوں کے وقت بخاری شریف کے پڑھنے کا عمل کرتے آئے ہیں۔ اور اس عمل کے ذریعے اپنی مرادیں پاتے اور مقاصد میں کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور اس عمل کو انہوں نے تریاق مجرب کی طرح قرار دیا ہے۔ اور علماء حدیث کے ہاں یہ عمل و وظیفہ نہایت ہی شہرت یافتہ ہے۔ چنانچہ میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ سید اصیل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنی اور لوگوں کی مشکلات اور مسائل و پریشانیوں کی خاطر کم و بیش ایک سو بیس مرتبہ صحیح بخاری پڑھنے کا عمل کیا ہے۔ جس مقصد اور جس نیت کے تحت ایسا کیا اس میں کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی۔ اور علماء عامت کے درمیان یہ حقیقت اس حد تک شہرت یافتہ ہے کہ بے دھڑک یہ کہا جاتا رہا ہے کہ صحیح بخاری کی تلاوت کسی مشکل کے لیے نہیں کی گئی مگر اس سے نجات مل گئی۔ اور وہ مشکل حل ہو گئی۔

نیز جس کشتی اور گھر میں کتاب صحیح بخاری ہوگی خدا تعالیٰ اسے ڈوبنے اور جلنے وغیرہ سے محفوظ رکھے گا۔ اور معتمد علماء کے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مستجاب الدعوات تھے۔ اور آپ نے صحیح بخاری پڑھنے والے کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

تذکرہ نگار رقم طراز ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب تحصیل علوم، بلاد اسلامی کی رحلت وسیاحت اور مشائخ سے اکتساب فیض سے فارغ ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا شریف میں جو آپ کی جائے پیدائش بھی ہے، واپس تشریف لائے تو اہل بخارا نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم اور آپ کا بڑا ادب و احترام کیا بخارا شریف سے تین میل باہر جا کر آپ کا استقبال کیا۔ اور اس تین میل کے پورے راستے میں آپ کے اعزاز و اکرام میں قبّے اور خیمے نصب کیے۔ اور آپ پر درہم و دینار اور زر و جواہر نچھاور کیے۔ ایک مدت تک بخارا میں آپ کا قیام رہا اس دوران آپ کا زیادہ وقت تعلیم حدیث اور افادہ علوم میں گزرتا تھا۔ اس اثنا میں بعض لوگوں نے آپ سے حسد و عداوت کی بنا پر حاکم بخارا سے کہا کہ وہ امام بخاری کو حکم دے کہ وہ صحیح البخاری اور تاریخ کبیر اس کے دربار میں لائیں اور پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب نے حاکم بخاری کے قاصد کو جواب دیا "میں علم کو خوار نہیں کر سکتا۔ لہذا وہاں کتابیں لانے کو تیار نہیں ہوں۔ حاکم بخارا اگر علم کی طلب و چاہت رکھتا ہے تو وہ میرے پاس میری مسجد میں یا میرے گھر آئے اور اکتساب علم کرے"۔ ایک روایت یہ ہے کہ والی بخارا نے امام صاحب سے استدعا کی تھی کہ ایک خصوصی مجلس کا اہتمام کیا کریں جس میں صرف میری اولاد کو تعلیم دیں اور ان کی معاونت کریں۔ اس مجلس میں کوئی شریک نہ ہو۔ امام صاحب علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ میں ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ کہ حدیث سنانے میں یہ امتیاز برتوں اور کچھ لوگوں کو خاص کروں پس یہ بات امام صاحب اور حاکم وقت کے درمیان کشیدگی کا باعث بن گئی۔ اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ حاکم بخارا نے شہر بخارا سے امام صاحب کو بدر کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ امام صاحب شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ مگر چونکہ آخر عمر میں آپ کو ناحق اذیت دی گئی اس لیے آپ نے حاکم بخارا اور اس سے اتفاق کرنے والے درباریوں کے حق میں بددعا کی۔ اور اس طرح بارگاہ الٰہی میں عرض کی:۔ اَللّٰھُمَّ اَرِہِمْ مَا قَصَدُوْنِیْ بِہٖ فِیْ اَنْفُسِہِمْ وَاَوْلَادِہِمْ وَاَھَالِیْھِمْ۔

اے میرے اللہ جس چیز کا ارادہ ان لوگوں نے میرے متعلق کیا ہے وہ چیز تو مجھے دکھانے کے بجائے ان کو، ان کی اولاد کو اور ان کے اہل و عیال کو دکھا۔

آپ کی یہ بددعا ان لوگوں کے حق میں قبول ہوئی اور ایک ماہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ والی بخارا کے لیے دار الخلافت سے حکم جاری ہوا کہ اُسے عہدہ سے برطرف کیا جاتا ہے۔ پھر اسے گدھی پر سوار کرکے تمام شہر میں پھرایا گیا۔ ساتھ ہی ایک منادی یہ ندا کر رہا تھا کہ بدکار شخص کی یہی سزا ہے۔ پھر اُسے جیل میں قید کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ جیل میں ہی مرا۔ اور اس کے درباریوں کے جس گروہ نے اس سے اتفاق رائے کیا تھا ان میں سے ہر ایک ایسی مصیبت و بلا میں گرفتار ہوا کہ لوگوں کے لیے درس عبرت بن گیا۔

شعر۔ للہ قوم اذا حلوا بمنزلۃ حل الرضا و یسیر الجود اذا ساروا

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے کچھ مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جہاں نزول فرماتے ہیں خدا کی رضا بھی وہاں اتر پڑتی ہے۔ اور جب چلتے ہیں تو جود و سخا بھی ان کے ساتھ چلتا ہے۔"

منقول ہے کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا شریف سے نکل کھڑے ہوئے اور اہل سمرقند کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے سمرقند میں قیام اختیار کرنے کی پیش کش کی۔ آپ اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ جب خرتنگ نامی قصبہ میں پہنچے جو سمرقند کے قریب ہے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہل سمرقند کا آپ کے سمرقند میں قیام پذیر ہونے پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ اس انتظار میں آپ اسی قصبہ میں رک گئے کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ آخر کار ایک رات یہ دیکھ کر کہ لوگوں کا اس بارے میں اتفاق نہیں ہو رہا۔ بلکہ ان میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔ اور یہ صورتِ حال ان کے دین میں بھی اختلاف و انتشار کا باعث بن جائے گی۔ اس صدمے نے آپ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ اسی رات تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ قَدْ ضَاقَتْ عَلَیَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ۔

"اے میرے اللہ زمین فراخ ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے اس لیے اب تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔"

یہ دعا کیے ابھی ایک ماہ نہ گزرا تھا کہ آپ بیمار پڑ گئے۔ چند روز بیمار رہ کر اسی قصبہ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی ولادت ۱۳ شوال المعظم ۱۹۴ھ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر شہر بخارا میں ہوئی۔ اور وفات یکم شوال المکرم ۲۵۶ھ ہفتہ کی شب کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خطیب ابوبکر بغدادی اپنی سند سے عبدالواحد طوادیسی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں اور کسی کی انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا آپ نے میرے سلام کا جواب ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کی حضور یہاں کیوں کھڑے ہیں اور کس کی انتظار فرما رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا اَنْتَظِرُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ میں محمد بن اسماعیل بخاری کی انتظار میں ہوں۔ اس خواب کے چند دن بعد امام بخاری کی وفات کی اطلاع ملی تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس رات میں نے خواب دیکھا تھا اسی رات امام صاحب کی وفات ہوئی تھی۔

منقول ہے۔ کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر انور سے نہایت اعلیٰ قسم کی کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ اور مدت دراز تک یہ خوشبو آتی رہی۔ لوگ زیارت کے لیے آتے تھے۔ اور قبر مبارک کی خاک بطور تبرک لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قبر انور میں کافی گڑھا پڑ گیا۔ تو قبر مبارک کے تعویذ پر لکڑی کا پنجرہ بنا کر رکھ دیا گیا۔ تاکہ تعویذ پر سے لوگ مٹی نہ اٹھا سکیں۔ اب لوگ پنجرے سے باہر سے قبر کی مٹی اٹھاتے تھے اس مٹی سے بھی وہی خوشبو آتی تھی۔ یہ خوشبو عرصہ دراز تک زائرین کے دماغ معطر کرتی رہی۔

نظم۔ ہر جا کہ تو بگذری و برداری پے گل روید و لالہ رویداندر نہ وے

تو جہاں سے گزرتا ہے اور جہاں قدم رکھتا ہے۔ اس کی تہ سے پھول اور گل لالہ اگتا ہے۔

کمال ہمنشین در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں کا کمال مجھ میں اثر کر گیا۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو کہ تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاد قشیری نسباً۔ نیشاپوری وطناً اور مسکناً۔ امت کے چوٹی کے علماء اور حفاظ ملت میں سے ہوئے ہیں۔ فن حدیث میں مقتدا و پیشوا، اس فن کے مسلم لوگوں میں سے اور اس علم شریف کے ظاہر کرنے والے اہل تقویٰ میں سے ایک عظیم شخصیت۔ اور اہل اسلام کے نزدیک امام، عمدہ اور استاذ ہوئے ہیں۔ آپ نے طلب حدیث میں اپنے وطن مالوف سے رحلت اختیار کی۔ اور تحصیل علم کی لگن میں اقطار و اکناف اور امصار و اطراف عالم میں پہنچے اور علم حدیث کی تحصیل کی۔ چنانچہ خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ وغیرہما سے، رے میں محمد بن مہران جمال (جیم سے) اور ابو غسان مسمعی وغیرہما سے۔ عراق میں احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی وغیرہما سے۔ حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب وغیرہما سے اور مصر میں عمر بن اسود اور حرملہ بن یحییٰ وغیرہما سے اسی طرح اپنے وقت کے کبار علماء و حفاظ حدیث سے جو آپ سے فائق تھے، حدیث کی روایت کی ہے۔ چند بار بغداد بھی تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر اس علم کا پرچار کیا۔ اور آپ سے آپ کے ہم عصر مشائخ، علماء و حفاظ کے ایک گروہ نے جو درجے میں آپ کے برابر ہوئے ہیں، روایت کی ہے۔ جیسے ابو حاتم رازی، موسیٰ بن ہارون، احمد بن سلمہ، ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ وغیرہم بہت سے لوگوں نے جن کا شمار مشکل ہے، روایت کی ہے۔ آپ نے خالص صحیح احادیث میں کتاب تصنیف کی ہے۔ جسے علماء نے قبولیت کے شرف سے نوازا ہے۔ جس طرح امام بخاری نے اپنی صحیح میں کہا ہے "میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں درج

نہیں کیا بلکہ اس صحیح حدیث کو درج کیا ہے جس کی صحت پر اجماع ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس مسند صحیح کو اپنے کانوں سے سنی ہوئی تین لاکھ احادیث سے چھانٹ کر تصنیف کیا ہے۔

اور ابو عمرو بن احمد بن حمدان حیری نے فرمایا میں نے ابو العباس بن عقدہ سے محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے بارے میں دریافت کیا کہ ان میں سے زیادہ عالم کون ہے۔ فرمایا وہ بھی عالم ہیں اور یہ بھی۔ میں نے دوبارہ یہی بات دریافت کی تو انہوں نے پھر یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے ابو عمرو اہل شام کے بارے میں کبھی کبھی امام بخاری غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو ایک جگہ تو کنیت سے بیان کرتے ہیں، اور دوسری جگہ اسی شخص کو اس کے نام سے اس طرح یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ دو شخص ہیں۔ لیکن امام مسلم سے یہ غلطی بہت کم واقع ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی نے فرمایا ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کی پیروی کی ہے۔ اور ان کے علم میں غور و فکر کی ہے۔ پھر ان کے برابر بالکل راست طریقہ پر چلے ہیں۔ اور امام بخاری جب آخر عمر میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام مسلم پوری پابندی سے ان کے پاس رہے اور ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور ان کے پاس کثرت سے آمدورفت جاری رکھی۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اگر وہاں امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم آمدورفت نہ رکھتے۔ مختصر یہ کہ امام مسلم امام بخاری کے آثار سے استفادہ کرنے والے اور ان کے انوار سے روشنی حاصل کرنے والے ہیں۔ اور ابو احمد جو شیخ حاکم ابو عبد اللہ ہیں نے کہا ہے کہ امام مسلم اپنی کتاب میں متفرق مقامات پر صحیح بخاری کی احادیث لائے ہیں۔ اور بڑی دلیری سے کام لیا ہے کہ یہ احادیث ان کی طرف منسوب نہیں کیں اور اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

اور مسلم کی اعلیٰ ترین سندوں میں سے وہ سند ہے جس میں امام مسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چار واسطے ہیں۔ صحیح مسلم میں اسی سے کچھ اوپر احادیث اس نوعیت کی ہیں۔ اور اس کتاب صحیح مسلم کے علاوہ اور بھی امام مسلم علیہ الرحمۃ کی تصنیفات ہیں۔ جیسے مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب علل، کتاب اوہام محدثین، کتاب تمییز، کتاب من لیس لہ الا راوٍ واحد، کتاب طبقات تابعین اور کتاب مخضرمین۔ اور شیخ محی الدین نووی علیہ الرحمۃ نے شرح مسلم کے مقدمہ میں فرمایا ہے۔ جو شخص صحیح مسلم کا تحقیق و دقت نظر سے مطالعہ کریگا۔ اور اسانید و ترتیب احادیث میں ان کے اسلوب کی عمدگی۔ حسن عبارت، نفیس تحقیقات و جواہر تدقیقات، بہمہ پہلو تقویٰ و احتیاط، روایت حدیث میں ان کے غور و تدبر، طرق حدیث میں ان کی تلخیص و جامعیت، متفرق امور کے ضبط وغیرہ امور میں ان کے انوکھے دلچسپ پن پر مطلع ہوگا وہ جان لے گا کہ آپ علماء سلف میں سے ایسے مقتداو پیشوا ہیں کہ بعد کا کوئی عالم و محدث ان کے مقام رفیع کو نہیں پا سکا۔ ان کے زمانہ میں ان کا ہم پایہ یا ان کے مرتبہ کے قریب بہت کم ہی کوئی شخص پایا گیا ہوگا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے) اور جمہور علماء کے نزدیک آپ کی صحیح صحت و متانت میں صحیح البخاری

کے بعد دوسرے درجے کی کتاب ہے۔ اور علاقہ مغرب کے بعض علماء کے نزدیک صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ لیکن ترجیح عمدگی وضع و ترتیب اور حسن عبارت اور اسلوب بیان میں ہے۔ تاہم علماء اسلام میں سے کسی نے بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے اصح قرار نہیں دیا۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ صفات جن پر صحت کا دارومدار ہے جیسے سند، عدالت، ضبط، حفظ، رجال کا ثقہ ہونا، شذوذ و علت سے پاک ہونا یہ سب صحیح بخاری میں بدرجہ اتم ہیں اور بخاری کی شرائط بھی اقوی اور اشد ہیں۔

ولادت: ۔ آپ دو سو چار اور ایک قول کے مطابق دو سو چھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور اتوار کی رات چوبیس رجب المرجب دو سو اکسٹھ ہجری میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔ اور نیشاپور کے باہر دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمیر بن الحارث الاصبحی الحمیری۔ آپ دار الہجرۃ یعنی مدینہ مطہرہ کے مقتدا و پیشوا تھے۔ آپ ثقہ، مامون، متقی، فقیہ، محدث اور حجت و دلیل تھے۔ تبع تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ نافع مولی ابن عمر اور محمد بن المنکدر، زہری اور تابعین و تبع تابعین کی ایک جماعت سے حدیث روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری اور امام زہری نے باوجودیکہ آپ کے شیوخ اور تابعین میں سے ہوئے ہیں، ان سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، شعبہ، لیث بن سعید، ابن مبارک، امام شافعی، ابن وہب اور دوسرے بے شمار لوگوں اور علماء نے آپ سے حدیث سنی۔ اور علم حفظ احادیث اور تقوی و ورع میں آپ کی جلالت شان اور افضلیت و برتری کے قائل و معترف تھے۔ امام شافعی رح نے آپ کی شان میں فرمایا۔ لَوْلَا مَالِكٌ وَّابْنُ عُيَيْنَةَ لَذَهَبَ عِلْمُ اَهْلِ الْحِجَازِ (اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو اہل حجاز میں علم ختم ہو جاتا)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے آپ کی شان میں یہ بھی فرمایا۔ اِذَا ذُكِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِكٌ النَّجْمُ (جب علماء کا ذکر کیا جائے تو امام مالک کی حیثیت ان میں ستارے اور کوکب کی ہے۔ اور آپ کی کتاب موطا کی شان میں فرمایا ما تحت ادیم السماء اصح من موطا مالک آسمان کے نیچے موطا مالک سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں موطا کی تصنیف کے وقت صحیح بخاری و مسلم کی تالیف نہیں ہوئی تھی۔ اور ذہب بن خالد نے جو علم و حدیث میں عظیم شخصیت ہوئے ہیں۔ فرمایا ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان امام مالک علیہ الرحمۃ سے بڑھ کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امین کوئی شخص نہیں گزرا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کوئی کم ہی ایسا شخص ہوا ہے جس سے میں نے حدیث لکھی ہے اور وہ میرے پاس نہ آیا ہو اور مجھ سے فتویٰ نہ لیا ہو۔ آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا انتہائی درجے کی کوشش کرتے تھے۔ جب طلب علم کے

لیے کوئی شخص آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوتا آپ لونڈی کو حکم دیتے جا پوچھ کر فتویٰ چاہتا ہے یا حدیث پوچھنا چاہتا ہے۔ اگر فتویٰ کا ضرورت مند ہوتا تو آپ باہر تشریف لاتے اور فتویٰ کا جواب ارشاد فرماتے۔ اور اگر وہ حدیث پوچھنے کے لیے آیا ہوتا تو اسے بٹھاتے۔ اور خود تازہ غسل فرماتے۔ پاکیزہ لباس زیب تن فرماتے، خوشبو لگاتے۔ اپنے آپ کو پاک و صاف کرتے۔ تکیہ رکھتے اور اس پر ہیبت و وقار سے تشریف فرما ہوتے۔ پھر اس شخص کو اندر بلاتے اور حدیث بیان فرماتے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید اپنے دور خلافت و سلطنت میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اسے دیکھنے کے لیے اس کے پاس گئے۔ جب ملاقات ہوگئی اور اس کی آؤ بھگت اور سلام و کلام کی مجلس برخاست ہوگئی۔ اور امام مالک اٹھ کر آنے لگے تو ہارون رشید نے عرض کیا اگر مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا (یعنی امام مالک) مہربانی فرما کر روزانہ ہمارے پاس تشریف لایا کریں اور ہمارے لڑکوں امین و مامون کو حدیث کی تعلیم دیا کریں تو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ یہ سن کر امام صاحب نے خلیفہ کی طرف نفرت و حقارت سے دیکھا۔ اور فرمایا مَہ یا امیر المؤمنین لا تضع فی عزۃ شیءٍ رفعہ اللہ۔ العلم یُؤتی ولا یأتی امیر المومنین ایسی بات نہ کیجئے اور اس چیز کی عزت کم نہ کیجئے جسے اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی عطا کی ہے۔ علم کے پاس دنیا آتی ہے علم کسی کے پاس نہیں آتا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے عزت عطا کرے یہ علم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو تمہارے اصل و قبیلہ میں سے ہیں چھوٹا ہے اس کی عزت و حرمت تم لوگوں پر لازم و واجب ہے۔ یہ سن کر ہارون کا دماغ درست ہوا۔ اور انصاف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ صدقت ایھا الشیخ کان ھذا ھفوۃ منی فاسترھا اے شیخ آپ نے درست فرمایا۔ مجھ سے یہ ایک نامناسب اور فضول بات ہوگئی۔ اس پر پردہ ڈالیے اور درگزر فرمائیے۔ اس کے بعد وہ اپنے لڑکوں امین و مامون کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بھیجتا۔ اور امام صاحب ان کو اس وقت شرف باریابی عطا کرتے جب دوسرے طالب علم بھی آجاتے۔ ان سب کو اکٹھے بٹھا کر تعلیم دیتے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رشید نے امام صاحب کی خدمت میں اشرفیاں بھیجیں۔ امام صاحب نے خادموں سے فرمایا یہ مال محفوظ رکھ لو اسے خرچ نہ کرنا۔ اس کے بعد ہارون نے امام صاحب سے کہا اگر آپ ہم سے اتفاق کریں۔ اور ہماری مجلس میں آیا کریں تو ہم آپ کی کتاب کو مشہور کریں گے اور اسے رواج دیں گے۔ اور تمام لوگوں کو آپ کے اور آپ کی کتاب کے مذہب کے مطابق کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا پناہ بہ خدا! ہم نے یہ کتاب اپنے اور اپنی دانش کے مطابق جمع کی ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بہت سے اغلاط ہوں۔ اور دوسرا شخص مجھ سے زیادہ صاحب علم ہو۔ اس لیے دوسروں کو اپنے مذہب کی طرف کھینچنے کا کیا معنی۔ اور جو رقم امیر المومنین نے ارسال کی تھی۔ بالکل جوں کی توں امانت کے طور پر پڑی ہوئی ہے۔ پھر وہ رقم ہارون کو واپس کر دی۔ ہارون نے معذرت کی اور رقم واپس نہ لی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ میں نے ایک دفعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے دروازے پر چند

خراسانی گھوڑے اور مصری خچریں بندھی ہوئی دیکھیں کہ ان سے بہتر و عمدہ کہیں نہ دیکھی تھیں۔ میں نے بر سبیل تعجب کہا کیا ہی اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور خچریں ہیں۔ آپ نے سن کر فرمایا اسے ابو عبداللہ میں نے یہ سب بطور ہدیہ تجھے دے دیے ۔ انہیں قبول کریں میں نے کہا ان میں سے ایک سواری آپ اپنی ضرورت کے لیے اپنے پاس رکھ لیں۔ فرمایا مجھے خدا تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس زمین پر سوار ہو کر چلوں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے۔ ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے ساری عمر مسجد نبوی میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ آپ مدینہ طیبہ میں ہی ۹۵ یا ۹۱ یا ۹۴ یا ۹۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ ہجری میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی۔ آپ کو مطلبی اس نسبت سے کہا جاتا ہے کہ آپ کا جدِ اعلیٰ جیسا کہ معلوم ہوا ہاشم بن عبد مناف (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد محترم) کا بھائی مطلب بن عبد مناف ہے۔ اور آپ کی نسبت آپ کے جد اعلیٰ شافع کی طرف کر کے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ اور اس لفظ سے آپ کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں عبد یزید بن ہاشم کی والدہ ہاشم بن عبد مناف (جو حضور علیہ السلام کا جد اعلیٰ ہے) کی بیٹی ہے۔ اور شافع کی والدہ خلدہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف حضرت فاطمہ بنت اسد کی ہمشیرہ ہے جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ام الحسن بنت حمزہ بن القاسم بن یزید بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہے۔ لہٰذا ان اطراف سے بیت نبوت کے ساتھ امام شافعی کی نسبت ثابت ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شافع بن سائب نے جوانی کی عمر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی ہے۔ اور ان کا باپ بدر کے دن اہل مکہ کی جانب سے بنی ہاشم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا بعد میں فدیہ دے کر مسلمان ہو گیا۔

ولادت :۔ آپ غزہ میں پیدا ہوئے اور ایک روایت کے مطابق عسقلان میں اور ایک کے مطابق منیٰ میں۔ پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں نشوونما پائی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں موطا مالک یاد کی۔ علم فقہ مفتی مکہ حضرت مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس وقت کے علماء نے آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور امام مالک کی شاگردی اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابتداءً عمر میں شعر و شاعری کے بڑے دلدادہ تھے۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں

وہ مقام عطا فرمایا جو بڑے ہی صاحب نصیب کو عطا ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں ایک دن میں اکیلا دیوار کعبہ کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ یا محمد علیك بالفقہ ودع الشعر اے محمد بن ادریس فقہ حاصل کرو اور شعر و شاعری کا شغل ترک کرو۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے بلوغت سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے فرما رہے ہیں۔ اے بچے میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ فرمایا تو کس قوم میں سے ہے۔ میں نے عرض کی آپ کی قوم سے۔ فرمایا میرے قریب آ اور منہ کھول۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے اپنے لعاب دہن مبارک کی کچھ مقدار لی اور میرے منہ میں ڈال دیا۔ اور فرمایا امض بارک اللہ فیک جا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے۔ حضور کی اس مہربانی کے بعد حدیث اور کلام عرب میں خطا اور غلطی واقع نہیں ہوئی۔ امام شافعی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے میرا کلام سنا تو کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہے۔ امام مالک صاحب فراست بزرگ تھے۔ میرا نام دریافت کیا میں نے کہا محمد فرمایا اے محمد خدا سے ڈر اور پرہیزگاری اختیار کر اور گناہوں سے بچ۔ اللہ تعالیٰ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں عظیم شان عطا فرمائے گا۔ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تمام علوم حاصل کرنے تک ان کی خدمت میں رہا۔ جب میں نے آپ سے واپسی سفر کی اجازت طلب کی تو رخصت کرتے وقت فرمایا اے جوان اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں ایک نور ڈالا ہوا ہے۔ ظلمت معصیت سے یہ نور بجھا نہ دینا۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے امام مالک، سفیان بن عیینہ، اور عبد العزیز وغیرہ بے شمار لوگوں سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے امام احمد بن حنبل، ابو ثور اور مزنی وغیرہ بہت سے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ مذکور ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے آنے کے بعد آپ بغداد گئے اور دو سال وہاں رہے۔ اس دوران بغداد کے علماء آپ کی خدمت میں آتے اور حدیث و فقہ کا علم حاصل کرتے۔ آپ نے اپنی اولیں کتاب وہیں تصنیف کی۔ مذکور ہے کہ اصول میں چودہ جلدیں تالیف کیں۔ اور فروع میں آپ کی تالیفات کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناسخ حدیث کو منسوخ سے حدیث سے خاص کو عام سے اور اس کے مجمل کو مفصل سے اس وقت تک نہ پہچانا جب تک امام شافعی کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت ہمیں حاصل نہ ہوئی۔ حسن بن محمد زعفرانی سے منقول ہے مجھے جب بھی امام شافعی کی خدمت میں آنے کا اتفاق ہوا امام احمد بن حنبل کو ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا دیکھا۔ اور ان سے استفادہ کرتے ہی دیکھا۔ امام احمد بن حنبل نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم اغفر لی ولوالدی ولمحمد بن ادریس الشافعی اے اللہ میری، میرے والدین اور محمد بن ادریس شافعی کی مغفرت فرما۔ اور فرماتے تھے امام شافعی دن کے آفتاب کی طرح اور لوگوں کے لیے شفا اور عافیت ہیں۔ اور فرماتے تھے تین سال کا عرصہ ہو رہا ہے کہ میں امام شافعی کے لیے دعا اور استغفار کر رہا ہوں۔ یحییٰ بن معین نے جو

علمائے حدیث کے رئیس و سردار ہونے میں ایک دفعہ امام احمد بن حنبل سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم علم و زہد میں کامل ہونے کے باوجود امام شافعی علیہ الرحمۃ کی سواری کے داہنی جانب ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہو۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا اگر آپ بھی علم و فقہ کے دلدادہ ہوتے تو ان کی سواری کے ساتھ بائیں جانب پیدل چلتے (اور اسے فخر محسوس کرتے)۔ شعر

ہر کہ دانش نباشدش روزی ننگ دارد ز دانش آموزی

جس کی قسمت میں دانش و عقلمندی نہ ہو۔ اسے دانش کی بات سیکھنے سے شرم و عار محسوس ہوتی ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کی مدح و ثنا میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتاب اوسط عاریۃً لے گئے اور ایک ہی دن رات میں وہ کتاب پوری حفظ کر لی۔ علماءِ وقت نے ان کی مدح و ثنا میں بہت کچھ فرمایا ہے۔

حفظ اور ضبط حدیث، فقہ، نظم، وضاحت و معرفت، پختگی اور رسوخ علم، حسن صورت و سیرت، رائے کی عمدگی، فراست و شجاعت، حسن اخلاق، کرم وجود اور سخاوت و مروت میں آپ درجہ کمال پر فائز تھے۔ امام شافعی کے بھانجے ابو محمد علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک رات میں اپنی لونڈی کو کئی بار چراغ جلانے کا حکم دیتے اور اس کی روشنی میں جو کچھ چاہتے لکھتے اور مطالعہ فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے چراغ اٹھا لے۔ پھر تفکر و تدبر میں مصروف ہو جاتے۔ کچھ دیر بعد پھر آواز دیتے کہ چراغ لے آ۔ لوگوں نے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا چراغ اٹھا دینے سے ان کا مقصد کیا ہوتا تھا۔ فرمایا اندھیرے میں ذکر و فکر زیادہ جلد اور صفائی عطا کرتا ہے۔

آپ کے کلمات علم و حکمت:۔ استعینوا علی الکلام بالصمت وعلی الاستنباط بالفکر کلام کے لیے خاموشی سے مدد لو، اور استنباط کے لیے فکر سے۔

فرمایا من وعظ اخاہ سرا فقد نصحہ وزانہ ومن وعظ علانیۃ فقد فضحہ وشانہ جو شخص اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرتا ہے وہ دراصل اس کی خیر خواہی کرتا اور اسے زینت و حسن عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص علانیہ نصیحت کرتا ہے وہ اسے عیب لگاتا اور شرمندہ کرتا ہے۔

اور فرمایا۔ زینۃ العلماء التقوی وحلیتھم حسن الخلق وجمالھم کرم النفس۔ علماء کی زینت تقویٰ ہے۔ ان کا زیور حسن اخلاق اور ان کا کمال و جمال کرم نفس ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ سے یہ بھی منقول ہے اگر علماء کرام خدا تعالیٰ کے ولی اور دوست نہیں ہیں تو پھر آخرت میں خدا کا دوست کوئی نہ ہوگا۔ ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا قط اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ کہتے

ہیں کہ ہارون رشید نے امام صاحب سے پوچھا سنا ہے کہ آپ صرف صبح کے وقت ہی کھانا کھاتے ہیں، اس میں کیا حکمت و مصلحت ہے۔ فرمایا۔ صبح کے وقت ٹھنڈا پانی اور تازہ ہوا میسر آتی ہے۔ اور اس وقت مکھیاں کم ہوتی ہیں۔ نیز اس وقت کھانا کھا لینے سے دوستوں کے دستر خوانوں کے طمع اور لالچ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ ہارون نے یہ سن کر کہا ہذا بیت القصید آپ کا گھر میانہ روی کے راستہ پر چلنے والا گھر ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ فقراء کے لیے فقر و قناعت اور اس پر صبر و شکر کرنا زینت ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جہال کا اضطراری۔ آپ کی وفات کے وقت مزنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور پوچھا آپ نے کس حال میں صبح کی ہے۔ اور اب آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا دنیا سے کوچ کرنے کے ارادے، دینی بھائیوں سے جدائی اختیار کرنے، موت کا پیالہ پینے کے قریب پہنچ جانے، اپنی بداعمالیوں کی سزا سے ڈرنے اور خدا تعالیٰ کے حضور پہنچ جانے کی حالت میں صبح کی ہے اور اس وقت بھی انہی خیالات میں کھویا ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ پر گریہ طاری ہوگیا اور معافی کی امید اور مغفرت الٰہی کے بارے میں چند اشعار پڑھے۔ اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ آپ ایک سو پچاس ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور دو سو چار ہجری اواخر ماہ رجب المرجب جمعہ کے روز فوت ہوئے۔ اور اسی دن نماز عصر کے بعد قرافہ مصر میں دفن کیے گئے۔ آپ کی قبر انور قرافہ میں ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ آپ حدیث، فقہ، زہد و ورع اور عبادت میں مقتدا و پیشوا ہوئے ہیں۔ آپ کے فیضان علم سے ہی صحیح و سقیم اور مجروح اور ثقہ احادیث کی لوگوں کو پہچان نصیب ہوئی۔ بغداد میں نشو و نما پائی۔ اور اسی علاقہ میں رہ کر طلب علم اور تحصیل حدیث کی۔ اس علاقہ کے مشائخ سے تحصیلِ علمِ حدیث سے جب فارغ ہو گئے تو سفر عالی اور علم حدیث حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے رحلت اختیار کی اور کوفہ، بصرہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور جزیرے وغیرہ پہنچے۔ اور ان بلاد مذکورہ کے علما و مشائخ سے احادیث لکھیں اور سنیں۔ آپ نے یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ بے شمار لوگوں سے حدیث روایت کی ہے۔ پھر آپ سے بڑے بڑے مشائخ و علماء جیسے محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوزرعہ اور ابوداؤد سجستانی وغیرہ نے روایت کی۔ اسحاق بن راہویہ نے آپ کی شان میں فرمایا احمد بن حنبل زمین پر خدا اور بندوں کے درمیان حجت و دلیل ہیں۔ ... آپ کی ... فرمایا۔ میں بغداد سے ایسے وقت نکلا

اور ایسے وقت اسے چھوڑا کہ وہاں امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر کوئی زیادہ متقی زیادہ پرہیزگار اور زیادہ عالم نہ تھا۔ احمد بن سعید دارمی فرماتے ہیں میں نے احمد بن حنبل سے بڑھ کر کسی جوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ نہیں دیکھا۔ آپ کی کتاب مُسْنَد لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔ مسند میں آپ نے تیس ہزار حدیث جمع کی ہیں۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی کتاب (مسند) تمام کتب سے اعلیٰ و ارفع اور جامع تھی۔ لائق اعتماد اور ثقہ علماء نے آپ سے یہ بات نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے اپنی کتاب مسند سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے منتخب کرکے لکھی ہے" ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ بیٹھنا اور مجلس کرنا درحقیقت آخرت کی چیز کے ساتھ بیٹھنے کے مترادف ہے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر دنیا کی ہر چیز بھول جاتی تھی۔ علماء نے بیان کیا ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ چنانچہ پورے ستر برس فقر و فاقہ میں گزار دیئے اور کسی سے کوئی چیز قبول نہ کی۔ محمد بن موسیٰ کہتے ہیں مصر سے حسن بن عبدالعزیز کے لیے مال وراثت اور سرخ سونے کے ایک لاکھ دینار لاد کر بغداد پہنچائے گئے۔ ان میں سے تین تھیلیاں جن میں سے ہر ایک میں ایک ہزار دینار تھے امام احمد بن حنبل کے لیے روانہ کیں۔ اور پیغام ارسال کیا اے ابوعبداللہ یہ مال وراثت حلال طریقہ سے میری ملکیت میں آیا ہے۔ آپ اسے قبول کریں اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات میں صرف کریں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا مجھے اس دولت کی کچھ ضرورت نہیں اور آپ نے اس میں سے کچھ نہ لیا۔ شعر

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم گر بآب چشمۂ خورشید دامن ترکنم

ترجمہ۔ اگرچہ فقر نے مجھے آلودہ کر دیا ہے۔ تاہم مجھے اپنی ہمت سے شرم محسوس کرنی چاہیئے اگر چشمہ آفتاب کے پانی سے اپنے دامن کو تر کروں۔

صبر، توکل، استغفار اور باب ورع و تقویٰ اور احتیاط میں آپ سے عجیب و غریب حکایات منقول ہیں جو اس باب میں آپ کے بلند اور اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔ رباعی

دست و دل ما ہر چہ تہی تر خوشتر وآزادی ما ز ہر چہ خوشتر خوشتر
عیشِ خوش مفلسانہ یک چشم زدن از عشرت صد ہزار قیصر خوشتر

ترجمہ:۔ ہمارے ہاتھ اور دل کا ہر چیز سے خالی ہونا بہت بہتر ہے۔ نفس کو جو چیز اچھی لگتی ہو اس سے ہمارا آزاد و فارغ رہنا بہت بہتر ہے۔ ایک لمحہ بھر کے لیے مفلسی کی خوش تر زندگی۔ قیصر (بادشاہ) کی لاکھ برس کی عیش و عشرت کی زندگی سے بہتر ہے۔

ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میرے مشائخ حدیث کے دو سو بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے

ان میں احمد بن حنبل جیسا با کمال شخص کوئی نہ پایا۔ ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ میری آنکھوں نے احمد بن حنبل جیسا کوئی صاحب کمال نہیں دیکھا۔ لوگوں نے کہا علم حدیث میں۔ فرمایا علم، زہد، فقہ اور تمام نیکیوں میں۔ علی بن المدنی فرماتے ہیں۔ ہمارے اصحاب میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا۔ عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بہت سے علماءِ حدیث ابو عاصم ضحاک بن مخلد کی خدمت میں حاضر تھے۔ ابو عاصم نے فرمایا تم لوگ اس لیے جمع ہوتے ہو کہ تمہارے علم میں اضافہ ہو حالانکہ تم میں کوئی شخص فقیہ نہیں ہے۔ یہ بات کی اور مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی مذمت کی۔ علماء نے فرمایا ان میں ایک شخص فقیہہ ہے فرمایا کون؟ انہوں نے کہا وہ فقیہہ ابھی ابھی تشریف لانے والا ہے ابھی یہ بات ختم نہ ہوئی تھی کہ اچانک احمد بن حنبل نمودار ہوئے۔ تو علماء نے فرمایا جس شخص کو آپ چاہتے تھے وہ تشریف لے آیا ہے۔ ابو عاصم نے پیچھے دیکھا امام احمد پر نگاہ پڑی تو فرمایا چلیئے اور بلند جگہ پر تشریف رکھیئے۔ امام احمد نے فرمایا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کی گردنوں پر پاؤں رکھوں۔ ابو عاصم نے یہ سن کر فرمایا امام احمد کی یہ بات بھی ان کی فقہ میں سے ہے۔ پھر فرمایا ان کے لیے مجلس کشادہ کرو۔ علماء کھلے کھلے بیٹھ گئے۔ اور ابو عاصم نے امام احمد کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ اور ایک مسئلہ دریافت فرمایا جس کا انہوں نے فوراً جواب دیا۔ ایک مسئلہ پوچھا امام احمد نے اس کا بھی جواب ارشاد فرمایا۔ اسی طرح ابو عاصم نے کئی مسائل دریافت کیے جن کے امام احمد نے جواب دیے۔ ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احمد بن حنبل ان لوگوں میں سے ہیں جو زمین پر چلنے کے بجائے دریا پر چل سکتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علوِ مقام، رفعت مکان اور قوت مذہب و اجتہاد کی قوی ترین اور روشن ترین دلیل یہ ہے کہ شیخ الشیوخ، قدوۃ الاولیاء، قطب الاقطاب، فرد احباب، غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ و ارضاہ آپ کے مذہب کے حامل اور آپ کے اقوال و ارشادات کے پیروکار ہیں۔ کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں ہے کہ کان یفتی علی مذھب الشافعی و احمد بن حنبل کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مسند اجتہاد پر فائز و متمکن تھے۔ اسی لیے مذکورہ دو مذاہب میں سے کسی ایک کی موافقت کرتے تھے۔ لیکن مشہور و تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ امام احمد بن حنبل کے مذہب پر تھے۔ اور آپ کا ذکر حنبلی علماء میں ثابت و واقع ہے واللہ اعلم۔

ولادت:۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں سن ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ہی سن دو سو اکتالیس ۲۴۱ھ میں جمعہ المبارک کے دن چاشت کے وقت فوت ہوئے۔ اور نماز عصر کے بعد آپ کو دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔

ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابو داود سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر سجستانی ہیں۔ اور ان علماء میں سے ایک ہیں جنھوں نے علم کے لیے اپنے وطن عزیز کو چھوڑا۔ اور تلاش علم میں اطراف واکناف عالم کا چکر لگایا۔ احادیث جمع کیں اور اس علم میں تصانیف فرمائیں۔ عراق، خراسان، شام، مصر اور جزیرہ کے علماء سے ملے۔ اور ان سے احادیث حاصل کیں۔ آپ نے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ جیسے مشائخ کبار اور علماء ذی اقتدار سے احادیث کی روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن محمد بن خلال وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔ آپ بصرہ میں سکونت پذیر رہے۔ کئی مرتبہ بغداد آئے۔ اپنی مشہور کتاب "سنن ابو داود" بغداد میں ہی تصنیف کی۔ یہاں کے لوگوں نے آپ سے اس کتاب کی آپ سے روایت کی۔ امام احمد بن حنبل کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی تو آپ نے اسے پسند فرمایا اور نظر استحسان سے دیکھا۔ ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث مشائخ سے ضبط تحریر اور احاطہ کتابت میں لائیں۔ پھر ان پانچ لاکھ سے اپنی کتاب "سنن" کو منتخب کیا۔ اور اس کتاب میں چار ہزار چھ سو صحیح۔ اور صحیح کے قریب احادیث نقل درج کیں۔ آدمی کے لیے ان احادیث میں سے جو میں نے اس کتاب میں درج کی ہیں صرف چار حدیثیں کافی ہیں۔ حدیث اول۔ انما الاعمال بالنیات اعمال کی قبولیت کا انحصار نیت پر ہے۔ حدیث دوم من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی باتیں ترک کر دے۔ حدیث سوم۔ لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ حدیث چہارم۔ ان الحلال بین و ان الحرام بین و بینھما مشتبھات الحدیث بیشک حلال بھی ظاہر و واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان بہت سی شبہے والی چیزیں ہیں۔

ابو بکر خلال رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرمایا ہے۔ ابو داود اپنے وقت میں امام و پیشوا تھے۔ اور زہد، ورع، بصارت سے موصوف اور فن حدیث میں مہارت تامہ کے مالک اور مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔

ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کتاب ابو داود عمدہ کتاب ہے علم دین میں اس طرح کی اور کوئی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔ یعنی بخاری اور مسلم کے بعد اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں۔ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جس کے چھوڑ دینے پر سب علماء کا اتفاق و اجماع ہو۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے

اگر کسی شخص کے پاس قرآن مجید اور سنن ابو داؤد کے سوا کوئی دینی کتاب نہ ہو تو اسے کسی کتاب کی ضرورت نہ پڑے گی۔ آپ کے سوا کسی محدث نے احکام میں کامل جزو تصنیف نہیں کیا۔ جب آپ نے یہ کتاب تالیف کی اور لوگوں کے سامنے پڑھی تو قرآن کی طرح اس کی اہمیت محسوس کی گئی کہ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں امام ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لیے پیدا کیے گئے اور آخرت میں بہشت کے لیے اٹھائے جائیں گے۔

ابو حاتم بن حبان نے آپ کی شان میں فرمایا فقہ، علم، حفظ حدیث، عبادت، ورع و تقویٰ اور پختگی علم میں آپ زمانہ کے پیشواؤں اور آئمہ میں سے ہیں۔ دو سو دس ۲۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور دو سو پچھتر ۲۷۵ ہجری میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ بن موسیٰ ابن الضحاک اسلمی ہیں۔ آپ بلند پایہ علماء، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حفاظ اور متفق علیہ ثقہ محدثین میں سے ہوئے ہیں علم فقہ و حدیث میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی کتاب "جامع ترمذی" آپ کی عظمت شان، وسعت حفظ، کثرت مطالعہ اور اس فن میں آپ کے غایت درجہ تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کتاب کی طرح عِلَلِ حدیث کے بیان، صحیح، حسن اور ضعیف کی نشاندہی کرنے میں سلف و خلف کے مذاہب بیان کرنے اور مجتہدین کے اختلافات ظاہر کرنے میں کوئی بھی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔ علماء نے آپ کی کتاب "جامع" کی شان میں کہا ہے۔ ھو کاف للمجتھد ومغن للمقلد یہ کتاب مجتہد کے لیے کافی و وافی اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے۔ آپ نے دور اول کے مشائخ قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع محمد بن المثنی، سفیان بن وکیع اور محمد بن اسماعیل و غیرہم رحمہم اللہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپ سے محمد بن احمد محبوبی اور ہیثم بن کلیب وغیرہم بے شمار لوگوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کی سندوں میں بھی تین راویوں والی احادیث موجود ہیں۔ آپ کی کتاب سنن ترمذی میں ایک حدیث ایسی موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یاتی علی الناس زمان الصابر منھم علی دینہ کالقابض علی الجمر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر صبر کرنے والا اور اس پر قائم رہنے والا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑنے والا۔ مسلم اور ابو داؤد کی اسناد میں کوئی ایسی سند نہیں جس میں صرف تین واسطے ہوں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جامع" تصنیف کرنے کے بعد علماء حجاز، عراق اور خراسان کی خدمت میں پیش کی جسے انھوں نے پسند فرمایا اور اچھی کتاب قرار دیا۔ شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کی تصنیف ہے۔ اور شمائل نبوی کے موضوع پر یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ اور بہت سی خیرات و برکات کی حامل ہے۔ حل مشکلات کے لیے اس کا پڑھنا مشائخ کبار کا تجربہ میں آچکا ہے۔ آپ دو سو نو ۲۰۹ ہجری میں

پیدا اور دو سو اناسی میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابو عبدالرحمٰن بن احمد بن شعیب بن بحر بن سنان النسائی۔ آپ محدثین کے طبقہ حفاظ میں بلند مرتبہ حافظ حدیث، عالم، شہرت یافتہ، افضل، عمدہ اور پیشوا و مقتدا ہوئے ہیں۔ آپ کی جرح و تعدیل علماء میں معتبر قرار دی گئی ہے۔ پہلے آپ نے سنن نسائی کبیر تصنیف کی جمع طرق حدیث اور بیان تخریج میں یہ بلند پایہ کتاب ہے اس موضوع پر اس طرح کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر اسی سنن نسائی کبیر کا اختصار کیا اور اس کا نام مجتبیٰ رکھا۔ اختصار کی وجہ یہ بنی کہ وقت کے امراء میں سے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کتاب کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ فرمایا نہیں۔ اس پر امیر موصوف نے آپ کو حکم دیا کہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل ایک کتاب الگ تالیف کریں۔ تو آپ مجتبیٰ کا انتخاب کیا۔ اور ہر ایسی حدیث کو جس کی سند میں قیل و قال کی گئی ہے اور نقص و عیب بیان کیا گیا، اس کتاب سے خارج کر دی۔ جب محدثین کرام یوں فرماتے ہیں رواہ النسائی۔ تو اس سے ان کی مراد یہ مختصر کتاب مجتبیٰ ہی ہوتی ہے نہ کہ وہ بڑی کتاب۔ اسی طرح بعض دفعہ جب علماء فرماتے ہیں کتب خمسہ، یا اصول خمسہ تو اس سے بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور مجتبیٰ نسائی مراد ہوتی ہے۔

حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ اہل اسلام میں چار افراد کو حافظ حدیث کہتے تھے۔ ان میں پہلا نام ابو عبدالرحمٰن نسائی کا لیتے تھے۔ حاکم سے ہی یہ بات بھی منقول ہے کہ انھوں نے ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی سے کئی بار سنا کہ فرماتے تھے کہ علم حدیث اور راویوں پر جرح و تعدیل کے فن میں اپنے وقت کے تمام لوگوں پر آپ کو فوقیت حاصل ہے۔ آپ نہایت محتاط اور متقی و پرہیزگار تھے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ آپ اپنی سنن میں جب حارث بن مسکین سے روایت کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں۔ قرئ علیہ وانا اسمع ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی جبکہ میں سن رہا تھا۔ ان سے حدیث روایت کرتے وقت یوں نہیں کہتے حدثنا یا اخبرنا جیسا کہ اپنے دوسرے مشائخ سے روایت کرتے وقت کہتے ہیں۔ علماء نے ان سے اس طریقہ روایت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حارث اور نسائی کے درمیان کچھ ناراضگی اور ناچاقی ہو گئی تھی۔ اس بنا پر آپ ان کی مجلس حدیث میں حارث رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نہ بیٹھتے تھے۔ بلکہ ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتے کہ حارث آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن نسائی ان کی آواز سنتے تھے۔ اور اس طرح ان سے حدیث سنتے تھے۔

اور یہ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ نیک شخص اور قاضی مصر تھے۔ امام نسائی نے قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ علی بن خشرم، محمود بن غیلان اور ابوداؤد جیسے عظیم الشان مشائخ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ان سے ابو جعفر طحاوی، ابوبکر بن السنی،

ابو القاسم طبرانی وغیرہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ابو عبد الرحمٰن۔ احمد بن شعیب نسائی صاحب تصانیف اور اپنے وقت کے مقتدا زمانہ تھے۔ مصر میں رہتے تھے۔ اور اس علاقہ میں آپ کی تصانیف مشہور و معروف ہیں۔ بیشمار لوگوں نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ دمشق تشریف لائے وہاں کے لوگوں نے ایک دفعہ مسجد میں آپ سے سوال کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے اور ان کی فضیلت میں کیا کچھ وارد ہے۔ آپ نے سائل کے جواب میں فرمایا اما یرضی معاویۃ ان یخرج راسا براس حتی یفضل کیا معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہیں کہ قیامت کے دن صرف نجات ہی حاصل کر لیں۔ فضیلت کی بات تو بہت دور ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہ جواب دیا۔ میرے علم میں آپ کی فضیلت میں کچھ وارد نہیں ہے۔ ستو اللہ اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔ (جمہور سلف و خلف اہل سنت کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سے فضائل و مناقب کے حامل ہیں۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحابیت کا عظیم شرف حاصل ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے حق میں دعا فرمائی ہے۔ امام نسائی علیہ الرحمۃ کا یہ بیان جمہور اہل سنت کے خلاف ہے۔ اسے ہرگز اعتبار نہ کیا جائے مترجم) سا آپ کا جواب سن کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ پر پل پڑے۔ آپ کی بے حرمتی شروع کر دی۔ اور مار مار کر مسجد سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپ کو رملہ لے جایا گیا۔ وہاں آپ بیمار ہو گئے۔ اور وفات پائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کو مکہ معظمہ لے جایا گیا وہاں بیمار ہوئے اور مکہ معظمہ میں ہی وفات پائی۔ اور صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہوئے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ آپ نے کتاب خصائص حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں تالیف کی لوگوں نے کہا آپ نے فضائل صحابہ میں کوئی کتاب کیوں تصنیف نہیں کی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب دمشق آیا تو لوگوں کو دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہیں۔ میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا کرے اس لیے یہ کتاب تالیف کی سا آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ آپ کثرت جماع کے عادی تھے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں ان میں پورا عدل و انصاف کرتے تھے۔ بیویوں کے علاوہ آپ کی لونڈیاں بھی تھیں۔ آپ دو سو پندرہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور تین سو تین میں وفات پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی (یعنی اس قبیلہ کے آزاد کردہ غلام) القزوینی۔ آپ علم حدیث کے آئمہ اور حفاظ حدیث

میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ اور ثبت اور صاحب سنن ہیں۔ مالک اور لیث کے اصحاب سے احادیث سنیں۔ طلب حدیث کے لیے بہت سے شہروں کا سفر اختیار کیا۔ آپ کی کتاب ان اسلامی کتابوں میں سے ہے جو علماء میں اصول سنہ اور کتب حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کتب کو صحاح ستہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ جب محدثین کرام کسی حدیث کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ رواہ الجماعۃ (اسے جماعت نے روایت کیا ہے) تو اس سے یہی چھ حضرات مراد ہوتے ہیں۔ کہ یہ حضرات یہ حدیث اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔ اور جب یوں کہتے ہیں رواہ الاربعہ کہ اسے چار آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے تو اس سے بخاری اور مسلم کے علاوہ مذکورہ چار آئمہ مراد ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ کی بھی چند احادیث ایسی ہیں جس کی سند میں صرف تین واسطے ہیں آپ نے اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں قزوین شہر کی فضیلت میں ایک حدیث درج کی ہے۔ اس بنا پر محدثین اور علماء نقد و جرح نے آپ پر اور آپ کی کتاب پر طعن و اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔ قزوین کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں مگر محدثین کے نزدیک وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ اپنے پاس سے احادیث گھڑنے والے ایک شخص میسرہ نے وضع کی ہیں آپ دو سو نو ہجری (۲۰۹ھ) میں پیدا ہوئے اور دو سو تہتر (۲۷۳ھ) میں وفات پائی۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام السمرقندی الدارمی۔ آپ حفاظ حدیث، جلیل القدر علماء دین میں سے اور حفاظ اور اسناد حدیث بیان کرنے والوں کے شیخ و امام ہوئے ہیں۔ آپ زہد، ورع و تقوی دیانت و حفاظت کے اوصاف سے موصوف تھے۔ آپ کی کتاب کتب احادیث میں ایک عمدہ کتاب ہے۔ آپ نے یزید بن ماجہ، حبان بن بلال اور النضر بن شمیل اور حیوۃ بن شریح سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپ سے مسلم، ترمذی اور فریابی جیسے بلند پایہ محدثین نے روایت حدیث کی ہے۔ منقول ہے کہ کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ابو المنذر کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا میں اسے نہیں جانتا۔ ہمارے احباب نے غیبت کا بڑا لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ البتہ میں تمہیں یہ ضرور کہوں گا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی صحبت و مجلس ضرور اختیار کرو۔ اس سید و سردار کی مجلس میں ضرور بیٹھو۔ آپ نے تکرار یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔ بندار فرماتے ہیں حدیث کے حافظ چار شخص ہیں۔ بخارا میں محمد بن اسماعیل، رے میں ابو زرعہ، نیشاپور میں مسلم بن الحجاج اور سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن آپ کی بیان کردہ سندوں میں اعلیٰ اور اقرب وہ سند ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اور میان صرف تین واسطے ہیں آپ کی کتاب میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ آپ ایک سو اکاسی ہجری (۱۸۱ھ) میں

پیدا ہوئے۔ اور دو سو پچپن ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

اسحاق بن احمد بن خلف بخاری فرماتے ہیں۔ ہم لوگ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی کی وفات کی خبر ملی۔ امام بخاری نے یہ خبر سنتے ہی سر مبارک نیچے جھکا لیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس وقت آنسو آپ کے رخساروں پر بہ رہے تھے رحمۃ اللہ علیہما۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابوالحسن بن علی بن عمر الدارقطنی۔ آپ اپنے زمانہ میں حافظ حدیث، فاضل، محدث، عالم باعمل اور یگانہ وقت تھے۔ نیز علم حدیث، حدیث کی علل پہچاننے، اسماء رجال اور راویوں کی شناخت میں بے مثل تھے۔ اور صدق و دیانت ثقاہت و عدالت اور صحت اعتقاد سے موصوف تھے علماء فرماتے ہیں اس باب میں ان کے بعد ان جیسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا اور یہ فن آپ پر ختم ہو گیا آپ تفسیر و فقہ اور ادب و شعر میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ نے علم فقہ ابوسعید اصطخری سے اور علم حدیث ان سے اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حاصل کیا۔ اور آپ سے حافظ ابونعیم، ابوبکر برقانی، جوہری، قاضی ابوطیب طبری اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے احادیث روایت کیں۔ حاکم نیشاپوری سے پوچھا گیا کہ آپ نے دارقطنی جیسا شخص دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا دارقطنی نے خود اپنے جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا مجھے اس جیسا شخص کہاں نظر آئے۔ آپ سن تین سو پانچ یا چھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور بغداد میں ہی تین سو پچاسی ۳۸۵ھ ہجری بائیس ذیقعد بدھ کے روز وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ائمہ حدیث و فقہ اور پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ نے تحقیق علوم میں بڑا وقت صرف کیا۔ مباحثہ و مناظرہ میں نہایت ہی منصف مزاج تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، کہا جاتا ہے آپ کی تصانیف کی تعداد ہزار جزو تک پہنچتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے متاخرین میں سات افراد ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی کتابیں تصنیف کیں اور مسلمانوں کو ان کی تالیفات سے بہت فائدہ پہنچا۔ ایک دارقطنی۔ دوسرے حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری تیسرے ابومحمد عبدالغنی بن سعید ازدی مصری چوتھے ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی۔ پانچویں ابوعمرو بن عبدالبر نمری ... چھٹے ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی، ساتویں

خطیب ابوبکر احمد بن علی بغدادی صاحب تاریخ بغداد۔ آپ نے علم فقہ شیخ سہل صعلوکی سے حاصل کیا۔ آپ کے زمانہ میں علاقہ خراسان میں کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ علم حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا اسناد اور بے اجازت و تجربہ تعلیم دے۔ آپ نے حدیث کی روایت حاکم ابوعبداللہ حافظ مصنف تاریخ نیشاپور اور ابوطاہر محمد بن محمد زیادی اور ابن فورک اور ابوعبداللہ سلمی سے کی۔ امام بیہقی کی مشہور تصانیف میں سے کتاب بمسوط، کتاب السنن، کتاب دلائل النبوۃ، کتاب معرفۃ علوم الحدیث، کتاب بعث و نشور، کتاب آداب، کتاب فضائل صحابہ، کتاب فضائل اوقات، کتاب شعب الایمان اور کتاب خلافیات ہیں۔ آپ کی ولادت قصبہ خسروجرد میں ہوئی جو مضافات بیہقی سے ہے ماہ شعبان تین سو چوراسی ہجری (۳۸۴ھ) میں ہوئی۔ اور چار سو اٹھاون (۴۵۸ھ) میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔ وہاں سے آپ کا جنازہ اٹھا کر اپنے وطن لایا گیا۔ اور سال مذکور کی دس جمادی الاولیٰ کو مدفون ہوئے۔

امام رزین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابوالحسین رزین بن معویہ العبدری صاحب کتاب تجرید فی الجمع بین الصحاح۔ آپ پانچسو بیس ہجری (۵۲۰ھ) کے بعد فوت ہوئے۔ عبدری عبدالدار بن قصی قریش کی ایک مشہور شاخ کی طرف منسوب ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

لقب محی الدین، کنیت ابوزکریا۔ اور نام یحییٰ بن شرف حزامی بحاء مہملہ مکسورہ و زا حِزام کی طرف نسبت ہے۔ حزام ان کے اجداد میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کی ولادت ملک شام کے قصبہ نوی میں جو دمشق کے مضافات سے ہے، چھ سو اکتیس ہجری (۶۳۱ھ) کے پہلے عشرہ محرم الحرام میں ہوئی۔ اس قصبے کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو نواوی بھی کہتے ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے تجوید سے قرآن پاک پڑھا پھر چھ سو انچاس (۶۴۹ھ) میں دمشق آئے۔ اور شافعی مذہب کی کتاب تنبیہ ساڑھے چار ماہ میں یاد کی اور شافعی مذہب کے بقایا مسائل اسی سال کے باقی حصہ میں پڑھے۔ اور یہاں دو سال اس طرح گزارے کہ زمین پر پہلو نہ رکھا۔ اور دن رات میں دین کے مختلف علوم و فنون کا وہاں کے علماء و مشائخ سے بارہ دفعہ درس لیتے۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے علم فقہ حاصل کیا۔ زیادہ تر استفادہ کمال الدین اسحاق مغربی سے کیا۔

آپ مذہب شافعی کے محرر، اُسے آسان کر کے بیان کرنے والے، اور اُسے چھانٹنے اور ترتیب دینے والے ہیں۔ رافعی والان رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کا دار و مدار آپ کی تصحیح و تحقیق پر ہے۔ آپ انتہاء درجہ کے باعمل، زاہد،

صابر اور بالکل سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حمام میں نہ جاتے تھے۔ دمشق کے پھل نہیں کھاتے تھے۔ حالانکہ وہاں کے لوگوں کی زیادہ تر خوراک پھل ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں کی ضمانت و تحویل و حفاظت میں پھلوں کے باغات تھے وہ لوگ ان میں خیانت اور شبہے کے مرتکب ہوتے تھے۔ جو آپ کے شہر سے آپ کے والدین کے پاس سے آتا تھا اس پر گزر کرتے۔ دن رات میں صرف ایک بار عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ اور صرف سحری کے وقت ایک دفعہ پانی پیتے۔ اور برف کا پانی نہ پیتے جیساکہ شامیوں کی عادت ہے۔ آپ نے تجرد و انفراد کی زندگی اختیار کی۔ نکاح کرنے کا اتفاق بھی نہ ہوا۔ زیادہ وقت عبادت الٰہی میں بیدار رہ کر گزارتے۔ دینی کتب کی تصنیف و تالیف پر مصروف رہتے۔ حکام و امراء وغیرہم کو امر معروف اور نہی منکر کی تاکید کرتے۔ آپ کے نزدیک اس کام میں مداہنت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ سن چھ سو پینسٹھ ۶۶۵ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے نگران و متولی مقرر ہوئے لیکن تا زندگی اس خدمت کا کوئی وظیفہ وصول نہ کیا۔ وفات کے وقت آپ کی داڑھی مبارک میں صرف چند بال سفید تھے۔ بحث و گفتگو کے دوران آپ پر سکون و وقار چھایا ہوتا تھا۔ ہمیشہ شافعیت کے تعصب سے دور رہے۔ کسی معاملے میں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کے اقوال اپنی کتابوں میں نقل کیے۔ آپ تصوف و سلوک سے متصف تھے۔ مشائخ صوفیہ کے ساتھ آپ کا اعتقاد درست تھا۔ دمشق میں عرصہ دراز سکونت رکھنے کے بعد واپس اپنے شہر تشریف لے گئے اور قدس خلیل کی زیارت کے لیے گئے۔ زیارت سے لوٹے تو والدین کے پاس اپنے گھر آتے ہی بیمار ہو گئے۔ اور سن چھ سو چھہتر ۶۷۶ھ میں چودہ رجب المرجب بدھ کے روز وفات پائی۔ اور اپنے شہر میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلی عباد اللہ الصالحین۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

کنیت ابو الفرج۔ نام عبدالرحمن بن علی البغدادی الحنبلی الصدیقی۔ ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ جوزی ایک موضع کی طرف نسبت ہے جس کا نام فرضۃ الجوزی تھا۔ آپ کے والد رونگری کا کام کرتے تھے۔ آپ عالم، فاضل، فقیہہ، محدث، فصیح و بلیغ اور تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ اور اخبار اور مواعظ میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں اپنے دور میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ وعظ و تذکیر اور قصص و حکایات کے بیان کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور فی البدیہہ ممبر پر ہی لوگوں کے سوالات کا جواب دے دیتے تھے۔ آپ کی حکایات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن اہل سنت و شیعہ میں حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ اس سلسلے میں بہت جھگڑا ہوا آخر کار ابن جوزی کے فیصلے پر راضی ہوئے۔ ابن جوزی علیہ الرحمۃ اس وقت ممبر پر وعظ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے آکر آپ سے

سوال کیا من افضل الصحابۃ۔ آپ نے فریقین اور حق بات دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے جواب دیا افضل صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی بنتہ فی بیتہ۔ (حضور کے صحابہ کرام میں افضل وہ ہے جس کی بیٹی اس کے گھر میں ہے) اتنا جواب دیا اور باہر نکل گئے ۔تا کہ فریقین اس کا مطلب سمجھ سکیں ۔یہ حکایت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے سا امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں فرمایا ہے ۔کہ خلفاء بنی عباس میں سے خلیفہ الناصر لدین اللہ نے جس کا جھکاؤ اپنے آباؤ اجداد کے خلاف امامیہ مذہب کی طرف ہو چکا تھا، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا من افضل بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔تو علامہ ابن جوزی نے اس کے جواب میں یہ مذکورہ بات کہی تھی ۔علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے موضوع احادیث پر ایک کتاب تصنیف کی ہے ۔جس میں انہوں نے افراط و زیادتی سے کام لیا ہے ۔اور جو کچھ ان کے علم میں تھا اس کے خلاف محض توہم کی بنیاد پر بہت سی احادیث کو موضوع قرار دیدیا ۔شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مقامات میں ابن جوزی کو اپنی بحث کا نشانہ بنایا اور کہا احادیث کو موضوع قرار دینے میں ابن جوزی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔آپ پانچ سو دس ۵۱۰ہجری میں پیدا ہوئے اور خلیفہ الناصر لدین اللہ کے عہد خلافت میں ۵۹۷ھ پانچ سو ستانوے میں فوت ہوئے علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کی ایک مشہور تصنیف "تلبیس ابلیس" ہے ۔اس کتاب میں انہوں نے ان راستوں کی نشاندہی کی ہے ۔جن میں سے شیطان آکر لوگوں کو گمراہ کرتا ۔اور بدعت و خلاف سنت کاموں میں مبتلا کرتا ہے ۔اس کتاب میں گروہ صوفیہ پر خصوصیت کے ساتھ سخت تنقید کی ہے ۔اور اس گروہ کی غلبہ حال و سکر کی حکایات سامنے رکھ کر انہیں بڑی شدت سے رد و انکار کا نشانہ بنایا ہے ۔اور اس بلند گروہ کے بزرگوں کو جہل و جنون اور حماقت سے منسوب کیا ہے ۔باوجود یکہ اپنی اس کتاب کو انہیں بزرگوں کے عمدہ کلمات اور عجیب سے حکایات سے مزین و آراستہ کیا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن جوزی کی یہ تنقید بھی تلبیس ابلیس کا ہی کرشمہ ہے ۔علامہ موصوف کو اس نے اس طریقہ کا شکار بنایا اور غرور و تکبر میں ڈال دیا ہے ۔علامہ موصوف نے اگرچہ قسم کھا کر کہا ہے کہ اس تنقید سے ان کی غرض و غایت صرف اظہار علم اور اتباع سنت کی ترغیب دینا ہے ۔تاکہ لوگ راہ راست کی پیروی اختیار کریں اللہ کے نیک بندوں پر طعن و تشنیع مقصود نہیں ۔تاہم علامہ کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا اور صوفیائے کرام کو رد و انکار کا نشانہ بنانا اس کے خلاف دلالت کرتا ہے ۔اور ظاہر کرتا ہے کہ علامہ موصوف اس گروہ بلند کا منکر اور فی الحقیقت ان سے اختلاف رکھتا ہے ۔سیدی احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خیر خواہان ملت نے اس کتاب کے مطالعہ سے منع کیا ہے ۔کیونکہ یہ مشائخ کرام کے متعلق بدگمانی اور سوء ظن کا موجب ہے ۔بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ معصوم نہ ہونے اور غلبہ حال اور نوشتہ تقدیر کی بنا پر ولی سے لغزشیں اور غیر مناسب باتیں صادر ہو جاتی ہیں ۔تاہم آئمہ کرام اور مشائخ عظام کی ان لغزشوں اور غیر مناسب باتوں کی پردہ پوشی ضروری ہے ۔نصیحت و تذکیر

کے طور پر مصلحت کے تحت اچانک اگر تنبیہ (خبردار) کرنا پڑے تو کسی فاعل کو معین کیے بغیر صرف قول پر گرفت کرے کہ ائمہ کی لغزشوں کا چھپانا لازم اور انصاف پر چلنا ضروری ہے۔ اور وہ نہایت تخلیص جس میں خواہش نفس کی ملاوٹ ہو غلط اور اعتراض کی چیز ہے۔ یہ طریقہ محفوظ تر ہے۔ اسلم تسلم سلامتی کی راہ اختیار کر، محفوظ و مامون رہو گے۔ ابن جوزی نے جو کچھ کہا ہے اور صوفیہ کرام کی شان میں حد سے تجاوز کر کے جو نازیبا الفاظ کہے ان کا رد و انکار اور ان پر جو اعتراضات کیے ہیں صوفیائے کرام کی طرف سے علماء نے ان سب باتوں کے نہایت شافی جوابات دیے ہیں جن سے شریعت و طریقت اور علماء و صوفیا کے درمیان اختلاف رفع ہو جاتا اور درست پہلو سامنے آ جاتا ہے۔ ان جوابات کی تقریر و تحریر ایک تو امام اجل عفیف الدین عبداللہ یافعی نے اپنی تالیفات میں کی ہے۔ دوسرے اس سلسلے میں سید احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دقیق عمدہ حقائق واضح کرنے والی کتاب مسمی بقواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تصنیف فرمائی جس میں آپ انصاف کے راستہ پر چلے ہیں۔ اور بلا جھجک طریقے سے حق بیان فرمایا ہے۔ سیدی الشیخ القطب الامام عبدالوہاب المتقی رحمۃ اللہ علیہ نے راقم حروف (شیخ عبدالحق) کو اس کتاب کی تعلیم اور اس کی روایت کی اجازت دی۔ میں نے اس کے بعض مسائل کا اپنے رسائل میں فارسی ترجمہ کیا ہے۔ خصوصاً رسالہ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین کا۔ وباللہ التوفیق۔

مختصر یہ کہ ابن جوزی عالم و فاضل شخص تھے لیکن اپنے علم، فضل اور روانی پر نظر کر کے غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے۔ علامہ موصوف سخت گیر، سخت مزاج اور نہایت خشک طبیعت تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ طریقہ صوفیہ سے بعید اور ان سے عقیدت و محبت سے دور تھے۔ سب سے سخت تر بات یہ ہے کہ زمانِ کرامت نشان شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ میں علامہ موصوف بغداد ہی میں تھے۔ لیکن ان کی برکات و عقیدت سے محروم رہے۔ اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اجتناب و انکار کے راستے پر گامزن رہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک اللہ تعالیٰ ہمیں اس روش سے پناہ میں رکھے نفرت و انکار یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ حضور غوث پاک کے زمانہ میں علامہ موصوف نے اپنے دور کے بغداد وغیرہ شہروں میں موجود زاہدوں اور عابدوں کے حالات میں ایک کتاب تالیف کی مگر حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمۃ کے ذکر جمیل سے اپنی کتاب کو آراستہ اور مزین نہ کیا۔ یہ علامہ کے ظاہری علم و فضل پر مغرور اور اس کے جاہل ہونے کی بین دلیل ہے۔

شیخ عالم، عارف کامل خواجہ محمد پارسا قدس اللہ روحہ وافاض علی المستفیدین فیوضہ وفتوحہ نے اپنی ایک کتاب "فصول ستہ" میں ابن جوزی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وہ شیخ حافظ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن علی البکری البغدادی ہیں ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں امام، حافظ، فصیح متبحر اور کئی علوم میں کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ دو سو پچاس کتابیں

تصنیف کیں۔ خاص و عام میں مقبول و پسندیدہ نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ پانچ سو آٹھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے اور پانچ سو ستانوے میں رمضان کے مہینے میں فوت ہوئے۔ قطب الاولیا تاج المفاخر شیخ عبدالقادر اور دوسرے اہل معارف مشائخ کے انکار، ان پر رد اور ان پر تنقید کرنے کے باعث پانچ سال لوگوں سے روپوش رہے۔ اور واسط کے قید خانہ سے باہر لائے گئے۔ علامہ ابن جوزی کا ذلت و خواری، ابلیس کے مکر و فریب میں مبتلا ہونا اور غرور و عجب میں پڑنا ان کے سیدنا حضور غوث پاک اور دوسرے اولیاء کرام کے انکار کے باعث ہوا۔ حالانکہ دوسری جانب اولیاء کرام کے محاسن کلمات اور ان کے مقامات و حالات کے ذکر سے اپنے کلام اور اپنی تالیفات و تصنیفات کو مزین و آراستہ بھی کرتے ہیں۔ ابن جوزی اگر مشائخ اور علماء باطن کے انکار اور ان پر طعن و اعتراض سے بچے رہتے تو اس خرابی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتے۔ اور محاسن اخلاق اور عمدہ اوصاف کے ساتھ موصوف ہوتے۔ ان کا لڑکا محی الدین یوسف بغداد کا محتسب اور گروہ حنابلہ کے مدرسہ مستنصریہ کی تعلیم و تدریس کا متولی و نگران تھا۔ یہاں تک بلفظہ حضرت محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ (اللہ اس کے حالات کی اصلاح کرے۔ اور ہر عیب کی بات سے اسے محفوظ رکھے) کہ میں نے حرم شریف مکہ معظمہ (زادہا اللہ تشریفا و تعظیما) میں ایک رسالہ دیکھا جس میں ابن جوزی اور ان کے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کا ذکر تھا۔ مولف رسالہ لکھتا ہے کہ کچھ مشائخ و علماء ابن جوزی کو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور درخواست کی کہ ابن جوزی کو معاف کر دیا جائے۔ اور درگزر کی جائے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور ابن جوزی علیہ الرحمۃ سے درگزر فرمایا اور انہیں معافی دے دی۔ اور ان کے جرم کو نظر انداز کر دیا۔ (حضرت شیخ فرماتے ہیں) مذکورہ رسالہ میں یہ واقعہ پڑھنے کے بعد میں سیدی الشیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کتاب کا یہ واقعہ بیان کیا۔ اور حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ کے ابن جوزی علیہ الرحمۃ کو معاف کر دینے کا حال سنایا۔ ساری بات سن کر شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد للہ علیٰ ذٰلک پڑھا اور کہا ابن جوزی بہت بڑے محدث اور عالم و فاضل مرد تھے الحمد للہ کہ اس انکار اولیاء کے بھنور و فتنہ سے نجات پا گئے۔ (پھر فرمایا) اے فلاں (عبدالحق) حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نہایت بزرگ شخصیت ہیں۔ ان کا انکار زہر قاتل ہے۔ اللہ تعالیٰ انکار اولیاء سے محفوظ رکھے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضور غوث پاک کو وہ شان عظیم عطا فرمائی ہے جو کسی اور بزرگ کو عطا نہیں ہوئی۔ نسأل اللہ العافیۃ والعاقبۃ بالخیر۔ ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں۔ اور سب کا انجام بخیر ہو۔ اب وہ وقت آگیا کہ میں کتاب (مشکوٰۃ) کی شرح شروع کروں وباللہ التوفیق۔ چنانچہ کہتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حامد کی طرف سے ہر محمود پر ہر نعمت کے برابر ہر صفت کمال پر ہر معنی اور ہر وجہ پر ہر وقت اور ہر

جبکہ ازل سے ابد تک ہمیشہ اور مسلسل حمد و تعریف کے تمام افراد خدا تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے اور رجوع کرتے ہیں۔ اور اس اللہ سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہیں جو تمام نعمتوں سے سرفراز فرمانے والا، تمام عالم کا پروردگار، ساری کائنات کا خالق، تمام کمالات سے متصف اور ہر خیر و نیکی سے بہرہ ور کرنے والا ہے۔ اور بندوں کے افعال کا خالق، انہیں توفیق دینے والا اور سب کو بخشنے والا ہے۔ اور حمد و ستائش کرنے والوں کے وجود سے قطع نظر اس ذاتِ سبحانہ کی حمد و ستائش اس کی ذات کامل الصفات پر اس کے کلام قدیم میں اور آیات و نشانات بکھیرنے کی صورت میں اور اظہارِ کمالات، اور احسان و مہربانیوں اور عظیم نعمتوں کی تکمیل کی صورت میں بھی اسی کے لیے باقی و ثابت ہے۔ اس کے باوجود جب اس نے بندوں کو بھی اپنی ذات مجید کی حمد و ثنا کرنے اور بے شمار نعمتوں پر شکر گزار ہونے کا حکم دیا ہے اس لیے اس حکم کی بجا آوری اور اس کی بزرگ ذات کی حمد و ثنا میں زبان کو حرکت میں لانا ضروری ہے۔ اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ تمام افراد انسانی بلکہ تمام روحانی و جسمانی مخلوقات کے ساتھ مل کر زبان قال و حال سے ہم اس کریم اور انعام و فضل فرمانے والی ذات کی حمد کرتے ہیں۔ اور جب کہ اس شان و مرتبہ کا حصول اور اس کا اتمام اور اس کی تکمیل ایک عظیم اور مشکل کام ہے۔ اس لیے اس کی بزرگ و برتر ذات سے مدد و نصرت بھی طلب کرتے اور اپنی قوت و طاقت سے پناہ لیتے ہیں۔ اور اس کے ادائے حق کے لیے تقریر و تحریر میں اس کی درگاہ صمدیت کے لائق و مناسب جس قسم کا صدق و اخلاص درکار ہے۔ اس میں نقصان و کوتاہی برتنے پہ ہم اس سے معافی کے خواستگار ہیں۔ نظم

گر ز اول و آخر تمام جمع آیند — کہ راہ شکر خدا عز اسمہ پویند
باتفاق در جستجوی آں بزنند — باجتماع رہ گفت و گوی آں جویند
بصد ہزار زباں گر کنند ممکن نیست — کہ حمد و شکر کمیں نعمتِ خدا گویند

ترجمہ: اگر اولین و آخرین سب اکٹھے ہو جائیں اور خدا تعالیٰ عز اسمہ کے شکر کا راستہ طے کرنے لگیں۔ اور سب مل کر اس کی تلاش و جستجو میں چل پڑیں۔ اور سب اکٹھے ہو کر اس کی گفتگو کا راستہ اختیار کریں لاکھ زبانوں سے بھی اگر ایسا کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معمولی سی نعمت پہ اس کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کر سکیں۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا اور ہم خدا کے پاس پناہ لیتے ہیں اپنے نفوس امارہ کی برائیوں سے۔ وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا اور اپنے اعمال کی بدیوں سے۔ اعمال کی بدیوں کی چند مثالیں یہ ہیں۔ اس ذات مقدس کی حمد و ثنا میں مخلوق کی نمائش کا خیال اور ریا۔ نیک اعمال کے صدور میں اپنے نفس کی قوت و طاقت کا عمل دخل سمجھنا، منعم حقیقی کے مسلسل

احسانات و انعامات سے ہر گھڑی مستفید ہونے کے باوجود زبان کو اس کی حمد و ستائش میں مشغول و مصروف نہ رکھنا۔ نیت کی درستی اور اخلاص میں کمی اور کوتاہی کے ہوتے ہوئے علم حدیث میں کتب تصنیف کرنا۔ یا اس نعمت عظمیٰ اور بہت بڑے عطیہ کی توفیق ملنے پر اس کے شکر میں کوتاہی کرنا۔ یا زبان سے باطل و لایعنی باتیں کرتے رہنا خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنا۔ اور عبادات و طاعات بجا لانے میں سستی کرنا۔ اور حرام و مکروہ چیزوں کا ارتکاب کرتے رہنا۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ۔ جس کی رہنمائی کرنے والا خدا ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ بیان واقع اور ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں خدا تعالیٰ کے اکیلا ہونے کے اثبات میں یہ کلام اپنے الفاظ کے لحاظ سے خبر ہے انشاء نہیں تاہم خدا تعالیٰ سے ہدایت کی طلب اور سوال اور گمراہی سے حفاظت و بچاؤ کی درخواست کرنے کے اعتبار سے معنیً انشاء ہے۔ یعنی تو ہی ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ تو ہمیں ہدایت عطا فرما اور گمراہی میں پڑنے سے محفوظ رکھ کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک راہ نمودن یعنی راستہ دکھانا اور اس کے نشانات و علامات بیان کرنا اس معنی کے مطابق ہدایت کی نسبت قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ہدایت کا سبب و ذریعہ ہیں۔ جس طرح ضلالت کی نسبت شیطان اور بتوں کی طرف کرنا درست ہے۔ ہدایت کا دوسرا معنی ہے مقصود تک لے جانا اور مقصود تک پہنچا دینا۔ یہ صرف حق سبحانہ و تعالیٰ کا کام ہے کسی اور سے نہیں ہو سکتا۔

اور جب کہ حدیث میں آچکا ہے کہ جس خطبے میں اللہ و رسول پر ایمان کی گواہی کا ذکر نہ ہو کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے یعنی مقطوع البرکتہ (برکت سے خالی) اور بے فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ یہاں دونوں شہادتوں کا ذکر لاتے ہیں۔ چنانچہ کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور میں گواہی دیتا ہوں اور جزم و یقین سے اظہار کرتا ہوں کہ اس ایک ذات کے سوا جو تمام صفات کمال سے متصف اور نقص و زوال کے ہر نشان سے منزہ ہے، کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، درانحالیکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، شَهَادَةً تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسِیْلَةً ایسی گواہی دیتا ہوں جو آتش دوزخ اور دوری و ناراضگی کی سزا اور عذاب سے نجات کا سبب اور دستاویز ثابت ہو۔ وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِیْلَةً اور جو بہشت اور قرب و رضائے خدا تعالیٰ کے پائے بلند کرنے کی ضامن و کفیل ہو۔ اور یہ وہ شہادت ہے جو صدق و اخلاص، زبان کی دل کے مطابقت اور ظاہر و باطن کی موافقت سے آراستہ اور موت کے دن تک جس میں استقامت کا ضمیمہ بھی لگا ہوا ہو۔ (اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس اقرار پر مستقیم رہے) حمد و استعانت اور استغفار میں صیغہ جمع لانا اور شہادت میں واحد

صیغہ استعمال کرنا اس بنا پر ہے کہ وہاں کثرت، نعمتوں کی دید اور اپنی تقصیرات نگاہ ہوں اور خدا تعالیٰ کی صفات کا کشف و ملاحظہ پیش نظر ہوتا ہے۔ اور یہاں مقام شہادت میں وحدتِ ذات کا مشاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا نگاہ سے ہٹا دینا ملحوظ ہوتا ہے۔ تو اول مقام فرق ہے۔ اور دوسرا مرتبۂ جمع ہے۔ اس کی توجیہہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہادت اس مطابق واقع خبر دینے کا نام ہے جو جزم و یقین سے ہو۔ اور مصنف کے لیے مناسب نہیں کہ ایسی خبر کی ذمہ داری اپنی ذات کے سوا کسی اور کی طرف سے بھی اٹھائے بخلاف حمد الٰہی کے تاکہ کلمہ ایمان کے مطابق و موافق ہو جائے۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور میں جزم و یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور مخلوق کی طرف اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اَلَّذِیْ بَعَثَهٗ وَطُرُقُ الْاِیْمَانِ قَدْ عَفَتْ اٰثَارُهَا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صفت اور شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حال میں مبعوث فرمایا جب کہ ایمان کے راستے ناپید اور اس کے نشانات مٹ چکے تھے وَخَبَتْ اَنْوَارُهَا اور اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ وَوَهَنَتْ اَرْكَانُهَا اور ان کے ستون سست و کمزور اور بے بنیاد ہو چکے تھے۔ رکن بضم را ہر چیز کے مضبوط ستون اور سہارے کو کہتے ہیں جیسا کہ صراح میں ہے وَجُهِلَ مَكَانُهَا اور ان کی جگہیں لاپتہ اور پوشیدہ ہو چکی تھیں ہو سکتا ہے طرق ایمان سے انبیاء و رسل صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین اور ان کے پیروکار اور متبعین یعنی علماءِ دین اور راہ یقین پر چلنے والے لوگ مراد ہوں۔ اور ان کے راستوں کے مٹ جانے، ان کی روشنیوں کے بجھ جانے اور ان کے ستونوں کے کمزور پڑ جانے سے مراد ان اعمال کا ترک کر دینا ہو جو انھوں نے شریعت کے طور پر لوگوں کو بتائے اور جن باتوں کا انھوں نے حکم دیا اور جن اعمال، اخلاق، آداب اور علوم و معارف کی انھوں نے وضاحت کی ہے اور جنہیں انھوں نے روشن و ظاہر کیا ہے۔ نیز علم دین پڑھنے، عمدہ اخلاق و آداب کے ساتھ موصوف ہونے کو چھوڑ دینا مراد ہو۔ اور ان کے مکان کے لاپتہ ہو جانے سے ان کے مرتبے اور شان اور ان کے حقوق پہچاننے سے بے خبر رہنا مراد ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ طرق ایمان سے علوم و اعمال، آداب و ریاضتیں، اچھی صفات کی تحصیل اور اخلاق حمیدہ کی تکمیل مراد ہو۔ کہ انھی چیزوں کے ذریعے انسان ایمان کامل کا مرتبہ پا سکتا ہے جو حق کے راستے پر چلنے والوں کا مقصود و مطلوب ہے۔ اور نشانات کے مٹ جانے، روشنیوں کے بجھ جانے، ستونوں کے کمزور پڑ جانے اور مکان کے لاپتہ ہو جانے سے اس راستے پر نہ چلنا اور اس کی تحصیل و تکمیل کے اہتمام سے لاپروائی برتنا مراد ہو۔ فَشَيَّدَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَا عَفَا تو حضور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے ایمان کے راستوں کے نشانات کی ان جگہوں کو اونچا اور بلند کر دیا جو پست ہو چکی اور مٹ چکی تھیں۔ اور راہ کو دیکھنے والوں اور اس پر چلنے والوں کے لیے پوشیدہ ہو چکی تھیں۔ اگرچہ باطنی آنکھوں کے اندھوں کو انتہائی واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود وہ جگہیں اور راہیں بالکل ہی نظر نہ

آسکیں۔ وَشَفٰی مِنَ الْعَلِیْلِ فِی تَاْیِیْدِ کَلِمَۃِ التَّوْحِیْدِ مَنْ کَانَ عَلٰی شَفَا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو موت اور ہلاکت کو جھانک رہے تھے، یا راہ راست سے ہٹ چکے تھے اور صراط مستقیم پر نہیں چل رہے تھے یا آتش دوزخ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، شفا اور تندرستی عطا فرمادی۔ اور کلمہ توحید کو قوت و طاقت عطا کرکے انہیں جہالت و شرک کی بیماری سے نجات عطا فرمادی۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ (تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے)۔ اور کلمہ توحید سے کلمہ ایمان یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مراد ہے۔ اکثر نسخوں میں علیل بعین مہملہ ہے بمعنی بیمار۔ اور اس سے بیماروں کی جنس مراد ہے کوئی مخصوص فرد مراد نہیں۔ مِنْ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے۔ جسے عبارت میں مقدم کردیا گیا ہے۔

جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اصل سماع اور ہمارے سامنے کتاب مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں علیل بعین بے نقطہ ہے۔ بمعنی بیمار یعنی وہ گزشتہ معنی جنس بیمار مراد ہے۔ اور جائز ہے کہ غلیل بغین معجمہ سے پڑھا جائے۔ جو غِلّ بمعنی کینہ یا غُلَل بروزن خلل بمعنی کینہ سے مشتق ہو۔ یا بمعنی سوزش و تشنگی اور اس سے وہ لوگ مراد ہوں جو جماعت اہل ایمان سے کینہ رکھتے ہیں۔ اور تشنہ کاموں کی طرح جہالت و ضلالت کے جنگل میں حیران اور سرگشتہ پھر رہے ہیں واللہ اعلم بالصواب انتہی۔ اور میں خدا تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ غلیل مصدر بھی تشنگی و سختی اور بمعنی سوزش سینہ آیا ہے ایک شاعر نے کہا ہے۔

یشفی غلیل صدورہم ان تصرعوا

تمہارا ہلاک ہوجانا ان کے سینوں کی سوزش کو شفا بخشتا ہے۔

اور سوزش کے معنی میں ہو۔ اور شفٰی سے متعلق ہو تو یہ بھی صحیح توجیہہ ہے۔ اور اس کا معنی ظاہر ہے کما لا یخفی وَاَوْضَحَ سَبِیْلَ الْهِدَایَۃِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْلُکَهَا اور روشن کردیا ہدایت اور ایمان کا راستہ ہر ایسے شخص کے لیے جو اس پر چلنا چاہے۔ وَاَظْهَرَ کُنُوْزَ السَّعَادَۃِ لِمَنْ قَصَدَ اَنْ یَّمْلِکَهَا اور ظاہر و نمایاں کردیے سعادت و نیک بختی کے خزانے ہر ایسے شخص کے لیے جو ان خزانوں کے مالک بننے کا قصد و ارادہ رکھتا ہو۔ اس موقعہ و محل اور مقتضا کی مناسبت سے گنجہائے سعادت سے ایک تو اسلام، ایمان، احسان، طاعات، عبادت اور عنایات الٰہیہ کی توجہات جیسے امور مراد ہیں دوسرے ان امور و اوصاف کے نتائج و مواہب یعنی علوم، معارف، انوار و اسرار مراد ہیں۔ جو شخص ان خزانوں اور ذخائر کو جمع کرتا ہے۔ نعیم جنت، رضائے حق تعالیٰ اور اس بلند و برتر ذات اقدس کے دیدار کی سعادت ابدی اسے نصیب ہوگی۔ ایک حدیث میں جو وارد ہے، کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کنز من کنوز الجنۃ یعنی لاحول

ولاقوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، تو اس میں اسی طرح اشارہ ہے۔ اللّٰھم ارزقنا اے اللہ ہمیں یہ گنجہائے سعادت عطا فرما۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

اسیر لذت تن ماندۂ وگرنہ ترا چہ گنجہاست کہ در ملک جان مہیا نیست

ترجمہ۔ افسوس کہ تو جسمانی لذتوں میں گرفتار ہو کر رہ گیا ہے۔ ورنہ وہ کون سے خزانے ہیں جو روحانی ملک میں تیرے لیے مہیا اور حاصل نہیں ہیں۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ راہ ہدایت کا بیان و ایضاح اور گنج سعادت کا اظہار و افشاء جو بیان شریعت اور تعلیم دین سے عبارت ہے، اس پر چلنے والوں اور ان خزانوں کا مالک بننے والوں اور نہ چلنے کا ارادہ کرنے والوں اور ان خزانوں کو اپنی ملکیت میں نہ لانے کا قصد کرنے والوں سب کے لیے برابر ہے تو پھر مصنف نے قصد و ارادہ کی تخصیص کیوں کی ہے۔

جواب۔ جب کہ اس وضاحت و اظہار سے نفع اٹھانے والے صرف یہی لوگ ہیں جو اس کا قصد و ارادہ کرتے ہیں۔ اور اس کا فائدہ اور نفع بھی صرف انہی حضرات کو پہنچتا ہے۔ تو گویا یہ ایضاح اور اظہار صرف انہی لوگوں کے لیے ہے۔ اور بس جیسا کہ آیۃ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے کہا ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْیِهٖ لَا یَسْتَتِبُّ "اما بعد" ایک کلمہ ہے جو ایک اسلوب و طرز سے دوسرے اسلوب و طرز کی طرف منتقل ہونے کے وقت انسان استعمال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے اما بعد۔ ارباب تاریخ و اخبار کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ کس نے استعمال کیا۔ مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ اس قول کے علاوہ اور اقوال بھی اس کلمہ کی شرح میں مذکور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں اصل کلام اس طرح ہو گا حمد و صلوۃ اور شہادہ مذکورہ کے بعد بیشک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، طریقہ اور عادت مبارکہ کو مضبوطی سے تھامنے کا عمل تمام اور درست اور ٹھیک نہیں ہو سکتا اِلَّا بِالْاِقْتِفَاءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مِشْكٰوتِهٖ مگر اس چیز کی پیروی کرنے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے صادر اور ظاہر ہوتی ہے۔ مشکوۃ دراصل اس روزن اور طاق کو کہتے ہیں جو چراغ رکھنے کے لیے دیوار میں بنایا جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو اس طاق سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں چراغ ہوتا ہے اور نور کا فیضان آپ کے دل روشن سے جو چراغ کی مانند ہے، لوگوں کو پہنچتا ہے یا قلب شریف آئینہ کی طرح ہے جیسے درخشندہ ستارہ اور آپ کے دل اطہر میں پاکیزہ اور روشن لطیفہ چراغ کی

مانند ہے تاکہ یہ تشبیہ مطابق آیہ کریمہ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ الآیۃ اس کے نور کا حال طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو۔ چراغ شیشے میں ہو الاٰیۃ (ہو جاسے) وَمَآلِ الْاِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللّٰهِ لَا يَتِمُّ اِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهٖ اعتصام پنجے کے ساتھ مضبوط پکڑنا، حبل رسی۔ بیان واضح اور صاف گفتگو کرنا۔ کشف نمایاں کرنا ننگا کرنا۔ یعنی مضبوط پنجے کے ساتھ اللہ کی رسی کو پکڑنا جو اس کی جناب کے قرب تک وصول اور پہنچنے کا سبب و وسیلہ ہے، مکمل نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمانے، نمایاں اور ظاہر کرنے سے۔ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے یا تو خدا تعالیٰ کا وہ عہد و پیمان مراد ہے۔ جو اس نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ یعنی ایمان، توحید، ربوبیت کا اقرار اور اس کی فرمانبرداری اور عبادت کی پابندی کرنا۔ اور جسے الست کے روز بندے قبول کر چکے ہیں (مگر بعد میں) ارواح کے ابدان کے ساتھ متعلق ہونے اور قبائح اور ارتکاب معاصی کے سبب ارواح پہ کدورتوں کے میل کچیل چڑھ جانے سے بندوں نے اُسے فراموش کر دیا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لا کر اس عہد کی یاد دہانی کراتے رہے ہیں خصوصاً حضور سید رسل علیہ وعلی آلہ من الصلوٰۃ افضلہا و اکملہا نے واضح اور صاف بیان سے اور پوری طرح کھول کر اسے لوگوں کے سامنے رکھا۔ اور مکمل طور پر اس کی یاد دھانی کرائی ہے۔ اور واضح آیات و غالب معجزات کے ذریعے اس کی تاکید و تلقین کی۔ اور فرمایا ہے لوگو اللہ کے عہد کو پورا کرو تاکہ مطابق آیۃ کریمہ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا)، اللہ تعالیٰ بھی دائمی نعمتوں، رضاء و قرب، اپنی ذات کریم کے دیدار سے تمہیں مشرف کر کے اپنا وعدہ اور عہد پورا کرے۔ نظم

چونکہ در عہد خدا کردی وفا ... از کرم عہدت نگہدارد خدا

یک زمان اوفوا بعہدی گوشدار ... تاکہ اُوف عہدکم آید زیار

آں جماعت راکہ وافی بودہ اند ... بر ہمہ اصناف شان افزودہ اند

ترجمہ۔ جب تو نے خدا تعالیٰ کا عہد پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا۔ اوفوا بعہدی کی آواز اپنے کانوں میں تازہ رکھ۔ تاکہ تو اپنے دوست حقیقی کی طرف سے اُوف بعہدکم کی خوشخبری سنے۔ کاملین کی وہ جماعت جو وفاداری میں پوری اتری وہ اس وفائے عہد کی صفت میں سب سے سبقت لے گئی۔

اور ہو سکتا ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ القرآن حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض قرآن مجید اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے۔ فضائل قرآن میں یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث ان شاء اللہ آئیں گی۔ اور جس طرح مضبوطی سے رسی کو پکڑنا پانی حاصل کرتے وقت کنویں میں گرنے سے سلامتی اور حفاظت کا سبب

ذریعہ ہے، قرآن حکیم کو تھام لینا جہنم کے گڑھوں میں گرنے سے نجات کا سبب و ذریعہ ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن کے معانی کی حقیقت اور اس کے مقاصد کا فہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان و انکشاف کے بغیر میسر نہیں آسکتا جو احادیث کی شکل میں موجود و معلوم ہے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيحِ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ۔ اور کتاب المصابیح جیسے اپنے زمانہ کے پیشوا و مقتداء نے تصنیف فرمایا تھا۔ تصنیف کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور بعض کو بعض سے الگ کرنا۔ صنف بکسر صاد یا فتح صاد سے مشتق ہے۔ بمعنی ایک حصہ اور ٹکڑا۔ اس کی جمع اصناف آتی ہے۔ مُحْيِ السُّنَّةِ جو سنت کو زندہ کرنے والے تھے۔ سنت لغت میں روش اور طریقہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مراد ہوتی ہے چاہے وہ آپ کا قول یا فعل یا تقریر ہو۔ جیسا کہ مقدمہ میں گزرا۔ اور جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہ ہو وہ بھی سنت میں داخل ہے۔ بعض علماء نے اس عمل کو سنت قرار دیا ہے جو آپ نے ہمیشہ کیا ہو مگر کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو۔ قَامِعُ الْبِدْعَةِ جو بدعت پر غالب آنے والے اور اُسے ذلیل و خوار کرنے والے تھے۔ دین میں نئی بات جاری کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ شرع شریف میں بدعت کے مفہوم کی حقیقت اور اس کے اقسام و انواع کی تفصیل باب اعتصام بکتاب و سنت میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگی۔ اَبُوْ مُحَمَّدٍ یہ امام صاحب کی کنیت ہے۔ اَلْحُسَيْنُ آپ کا نام مبارک ہے۔ بْنُ مَسْعُوْدٍ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی ہے۔ الفراء فتح فا اور تشدید را کے ساتھ پوستین دوز (چمڑے کی سلائی کرنے والے) مصنف مشکوٰۃ المصابیح کے والد کی صفت ہے جو یہ کام کرتے تھے۔ اَلْبَغَوِيُّ بغشور کی طرف منسوب ہے۔ جو ہرات اور مرو کے درمیان ایک گاؤں تھا۔ قاموس میں ہے کہ بغشور بفتح ہرات اور سرخس کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ اور یہ خلاف قیاس نسبت ہے۔ محی السنۃ ابو محمد الحسین بن الفراء اس کی طرف منسوب ہے۔ غالب اور کثیر الاستعمال یہ ہے کہ اسم مرکب مزجی میں جزو دوم کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی جزو اول کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں۔ جس طرح معدیکرب میں معدی اور بعلبک میں بعلی۔ ایک روایت کے مطابق اس گاؤں کو بغ بھی کہتے تھے۔ اس قول کے مطابق مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ نسبت کرتے وقت واو زیادہ کر دیتے ہیں جیسے دہلی میں دہلوی اور غزنہ کو غزنوی۔ علم صرف میں اسے بھی قاعدہ قرار دیا گیا ہے رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهُ اللہ تعالیٰ امام موصوف کے درجات بلند فرمائے۔

امام محی السنۃ علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات

آپ اپنے زمانہ میں اہل اسلام کے پیشوا و مقتداء و مفتی، ارباب تفسیر کے امام، احادیث سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کے

جاننے والوں کے رہنما تھے۔ تفسیر معالم التنزیل اور کتاب شرح السنۃ کے مولف و مصنف ہیں۔ مذہب شافعی میں ایک فتاویٰ مشہور بفتاویٰ بغوی بھی آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ایک دوسری تالیف میں اپنے شیخ و استاذ قاضی حسین علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ بھی جمع فرمائے ہیں۔ آپ اپنے دور کے عظیم بزرگ مقتداء و پیشوا، فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ علم قرأت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بے تکلف و سادہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ابتداء میں صرف خشک روٹی پر اکتفا کرتے تھے مگر جب احباب و تلامذہ نے مجبور کیا اور عرض کیا کہ محض خشک روٹی بدن کو کمزور کر دے گی تو آپ نے تیل اور ایک روایت کے مطابق منقا بھی ساتھ تناول فرمانا شروع کر دیا۔ آپ علم و عمل کے جامع اور طریقہ سلف صالحین کے مطابق چلنے کے توفیق یافتہ تھے۔ آپ کا لقب محی السنۃ کی وجہ بیان کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے۔ کہ جب آپ نے کتاب شرح سنۃ تالیف کی تو خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں اَحْیَاکَ اللّٰہُ کَمَا اَحْیَیْتَ سُنَّتِی تو نے میری سنت کو زندہ کیا اللہ تجھے زندگی عطا فرمائے۔ آپ نے فقہ شافعی، قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ سے جو سماء شافعیہ میں مشہور شخصیت تھے، حاصل کی۔ حدیث اور اس کی روایت اپنے دور کے مشائخ و محدثین عظام سے کی۔ اور علماء و مشائخ کی ایک جماعت نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ ان مشائخ میں سے ایک حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے ماہ شوال المکرم ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کی قبر انور آپ کے استاذ گرامی جناب قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے نزدیک ان کی اقامت گاہ میں ہے۔ رحمھما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اَجْمَعَ کِتَابٍ صُنِّفَ فِیْ بَابِہٖ اس باب (علم حدیث) میں جو کتب حدیث تصنیف کی گئی ہیں ان میں سب سے یہ جامع ترین کتاب تھی یعنی اعمال، اعتقادیات اور ایمان و اسلام کے احکام میں یہ کتاب المصابیح جامع ترین کتاب ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اس باب میں جو جامع ترین کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں سے ایک کتاب یہ ہے۔ ورنہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو اس سے بھی جامع تر ہیں۔ یا کتاب کی مدح میں مبالغہ کے طور پر یہ بات کہی گئی ہو کیونکہ طالبان علم کی ترغیب کے لیے کسی کتاب کے بارے میں اس طرح کے مبالغے کا اتفاق ہو جاتا ہے اور اس قسم کا مبالغہ جائز ہے۔ یا اس کتاب میں صدق کا احتمال غالب ہے۔ کیونکہ دینی مقاصد و مطالب یکجا ہونے کے اعتبار سے اس طرح کی مختصر کتاب بہت ہی قلیل و نایاب ہے۔ اگرچہ احادیث و روایات کی تعداد کے لحاظ سے کوئی اور کتاب اس سے بڑھ کر ہو۔ واللہ اعلم۔ وَاَضْبَطَ شَوَارِدِ الْاَحَادِیْثِ وَاَوَابِدِھَا اور اس کتاب نے ان احادیث کی زیادہ نگہداشت کی جو لوگوں کے اذہان سے پوشیدہ اور غیر مانوس تھیں۔ شوارد شاردۃ کی جمع ہے [illegible] کا بھاگ جانا (لاپتہ ہو جانا) اَوَابِد اَبِدَۃ

کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور۔ صراح میں ہے اَبَدُ گائے بیل کا بھاگ جانا لوگوں کے ساتھ مل کر نہ رہنا۔ اوابد و منگان یعنی بھاگ جانے والے جانور۔ میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے شوارد سے وہ احادیث مراد ہیں جن کی تخریج کتب اصول میں تو کی گئی ہے مگر طالبان حدیث سے یہ بات پوشیدہ ہو کر وہ کہاں کہاں سے لائی گئی ہیں۔ تو گویا وہ احادیث ان سے بھاگ چکی ہیں۔ اور اوابد سے وہ احادیث مراد ہیں جن کے مرادی اور مقصودی معانی طالبان حدیث سے پوشیدہ ہیں۔ تو گویا وہ احادیث طالب علم سے وحشت و نفرت اختیار کر چکی ہیں۔ اور محی السنۃ نے مصابیح میں ان کے مناسب و لائق باب میں لاکر انہیں پوشیدگی و وحشت کی وسعت سے نکالا اور ضبط تحریر میں لاکر انہیں مانوس کر دیا ہے وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ طَرِيْقَ الْاِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْاَسَانِيْدَ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ النُّقَّادِ اور جب کہ حضرت شیخ نے اس میں اختصار کا راستہ اختیار کیا اور سندیں حذف کر دیں تو بعض ناقدین اور کھری کھوٹی کو جدا کرنے والوں اور صحیح حدیث کو غیر صحیح سے الگ کرنے والوں نے اس پر اعتراض کر دیے۔ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں صحیح و سقیم میں امتیاز سندوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ تو جس حدیث کی سند مذکور نہ ہوگی وہاں صحیح و سقیم میں امتیاز نہ ہو سکے گا۔ لغت میں سند کا معنی ہے۔ کسی کو واپس بلانا، کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تکیہ اور سہارا دینا، اور بات کو اٹھا کر بات کرنے والے تک لے جانا اور محدثین کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے متن حدیث کے طریق کو اس طرح نقل کرنا کہ اس کی روایت کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ ان رجال واشخاص کا ذکر کرنا جنہوں نے وہ حدیث کی روایت ہے۔ اور متن حدیث اس سے عبارت ہے جس کا اسناد پورا ہونے کے بعد ذکر ہوتا ہے۔ اور کتاب المصابیح میں حذف اسناد سے صحابی اور حدیث بیان کرنے والے اور اپنی کتاب میں درج کرنے والے محدث کا ذکر نہ کرنا مراد ہوگا۔ کیونکہ مصنف نے مشکوۃ میں مصابیح پر زیادہ سے زیادہ یہ کام کیا ہے کہ صحابی کا ذکر اور ہر حدیث کے مُخَرِّج (اپنی کتاب میں لانے والے محدث) کا ذکر کر دیا ہے اس کے برعکس صاحب مصابیح نے ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اور ہو سکتا ہے اسناد سے اصطلاحی معنی مراد ہو۔ یعنی طریق متن کی حکایت اور سند کے پورے رجال کا ذکر۔ لیکن مولف علیہ الرحمۃ نے پورے اسناد کے ساتھ کتاب میں درج کرنے والے محدث کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ وہ آگے فرمائیں گے کہ میں نے جب ان محدثین کی طرف حدیث کی نسبت کر دی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر دی۔ اس اعتبار سے صحابی کا ذکر محض تبرک و تاکید کے طور پر ہوگا (خوب سمجھ لے) اور اس فن والوں کے نزدیک اخراج و تخریج، اسناد کے ساتھ حدیث کتاب میں لانے سے عبارت ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں اخرجہ الشیخان اس حدیث کا اخراج شیخان (بخاری و مسلم) نے کیا ہے۔ یا خَرَّجَهُ الشَّيْخَانِ یا اس کی تخریج شیخین نے کی ہے۔ ان الفاظ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان حضرات ائمہ نے یہ حدیث اسناد کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ تو مولف فرماتے ہیں صاحب

مصابیح کے سندیں حذف کر دینے کی وجہ سے کچھ ناقدین نے آپ پر اعتراض کیا اور قیل و قال کی وَاِنْ كَانَ نَقْلُهٗ فَاِنَّهٗ مِنَ الثِّقَاتِ كَالْاَسْنَادِ اگر چہ شیخ محی السنۃ کا حدیث نقل کرنا جب کہ وہ خود ثقہ اور لائق اعتماد لوگوں میں ہے، حدیث کے باسند بیان کرنے کے مترادف ہے۔ یعنی شیخ محی السنۃ کا احادیث بے سند بیان کرنا باسند بیان کرنے کے حکم میں ہے۔ لفظ ثقات ثقہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی لغت میں اعتماد کرنے اور درست جاننے کے ہیں۔ اس لغوی معنی کے مطابق حدیث میں معتمد و معتبر شخص پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ لٰكِنْ لَيْسَ مَا فِيْهِ اَعْلَامٌ كَالْاَغْفَالِ اگر چہ صاحب مصابیح کا بلا سند بیان کرنا ان کے ثقہ ہونے کی بنا پر باسند کی طرح ہی تھا تاہم جس راستے میں نشانات و علامات موجود ہوں اس راستے کی طرح نہیں جو بے نشان اور بے علامت ہو۔ اعلام بفتح ہمزہ جمع عَلَم دو فتحوں کے ساتھ یعنی ایسی علامت اور اثر جو دوسری چیز پر دلالت کرے۔ اَغْفَال بھی اسی وزن پر بضمہ غین کی جمع ہے۔ غفل اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آبادی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا ہو۔ اور اعلام و اغفال بہ لفظ مصدر بھی درست ہے۔ فَاسْتَخَرْتُ اللّٰهَ وَاسْتَوْفَقْتُ مِنْهُ تو میں نے اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے خیر و نیکی طلب کی اور اس سے توفیق کی درخواست کی۔ فَاَعْلَمْتُ مَا اَغْفَلَهٗ تو میں نے خیر و توفیق مانگنے کے بعد صاحب مصابیح کی احادیث کو جنہیں انہوں نے بے نشان اور بے علامت چھوڑ دیا تھا، نشان والا کر دیا۔ یعنی انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے کا ذکر چھوڑ دیا تھا، میں نے ہر حدیث میں اس کا راوی ذکر کرنے کی پابندی کی نیز صاحب مصابیح نے ہر ہر حدیث کی جو تخریج نہیں کی تھی (اس حدیث کو اپنی کتاب میں باسند بیان کرنے والے محدث کا ذکر نہیں کیا تھا) میں نے ہر اس کی تخریج کر دی۔ اگر چہ صاحب مصابیح کی صحیح اور حسن احادیث میں وضع کردہ اصطلاح سے اجمالاً پتہ چل جاتا ہے کہ قسم اول میں دونوں شیخین یا ان میں سے ایک کی روایت کردہ حدیث مراد ہے۔ اور قسم دوم میں ان کے غیر کی احادیث ہیں۔ لیکن میں نے خصوصیت کے ساتھ ہر حدیث میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔ كَمَا رَوَاهُ الْاَئِمَّةُ الْمُتْقِنُوْنَ وَالثِّقَاتُ الرَّاسِخُوْنَ جیسا کہ عمدہ شکل میں کام کرنے والے اور قابل اعتماد ائمہ نے جو علم حدیث میں پختہ اور مضبوط ہیں، اپنی تصنیفات میں اسے روایت کیا تھا۔ جیسے ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، ابو الحسین مسلم الحجاج القشیری وابو عبداللہ مالک بن انس الاصبحی، وابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی وابو عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی، وابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی و ابو داؤد سلیمان الاشعث السجستانی و ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی۔ وابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی وابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی و ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی وابو بکر احمد بن الحسین البیہقی وابو الحسن رزین بن معاویۃ العبدری۔ حدیث کے ائمہ سے یہ تیرہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ احادیث اپنی کتابوں میں لائی ہیں۔ اور صاحب مشکوٰۃ نے احادیث

ان کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی کچھ ہیں جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا ہے۔ وَغَيْرُهُمْ وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ یعنی کچھ اور بھی ہیں مگر وہ بہت کم ہیں۔ اور جب کہ اس بات کا موقعہ اور گنجائش تھی کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ناقدین نے صاحب مصابیح پر اسناد کا ذکر چھوڑ دینے کی بنا پر جو اعتراض کیا تھا وہ تو اب بھی باقی ہے۔ کیونکہ اب بھی ان مصنفین میں سے کسی کے اسناد کا ذکر نہیں ہوا۔ تو یہ وہم دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں۔ وَاِنِّیْ اِذَا اَسْنَدْتُ اِلَیْهِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اور بیشک جب میں نے حدیث کی نسبت ان ائمہ کی طرف کر دی تو گویا میں نے نسبت کر دی اور اٹھا لے گیا حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لِاَنَّهُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْهُ وَاَغْنَوْنَا عَنْهُ کیونکہ یہ ائمہ کرام اس کا اسناد بیان کر چکے اور اس کام سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں بھی اسناد بیان کرنے کے کام سے بے نیاز اور فارغ کر چکے ہیں وَسَرَدْتُ الْكُتُبَ وَالْاَبْوَابَ كَمَا سَرَدَهَا اور جس طرح محی السنۃ علیہ الرحمۃ نے مصابیح میں کتب اور ابواب کو مسلسل اور ترتیب وار بیان کیا میں نے بھی ویسا ہی کیا وَاقْتَفَيْتُ اِثْرَهُ فِيْهَا اور میں نے بھی کتب ابواب اور ترتیب میں شیخ کی پیروی کی ہے۔ اور ان کے قدم بقدم چلا ہوں سَرَدٌ کا معنی ہے لگاتار کام کرنا۔ اچھے طریقہ سے بات کرنا۔ اور مسلسل گفتگو کرنا۔ اقتفا بکسر ہمزہ وسکون ثاء مثلثہ اور دونوں فتحوں کے ساتھ یعنی پاؤں کے نشان۔ یعنی چونکہ صاحب مصابیح نے کتب، ابواب کو بڑی عمدہ ترتیب سے بیان کیا تھا۔ اور اس کے تراجم عنوانات کو مناسب اور درست طریقہ سے ذکر کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے بھی بغیر کسی تغیر و تبدل اور تقدیم و تاخیر کے اسی طرح ذکر کر دیا۔ اور اسی کی پیروی کی مصنفین کی عادت ہے کہ وہ ایک مکمل بحث کو جو بمنزلہ جنس عام اور چند مختلف النوع مطالب پر مشتمل ہوتی ہے۔ کتاب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس جنس میں سے ہر ہر نوع کا الگ الگ باب میں کرتے ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کہ اس میں وضو کا الگ غسل کا الگ اور تیمم کا الگ باب ہوتا ہے۔ پھر ہر باب میں الگ نوع کے مسائل فصل میں بیان کرتے ہیں۔ جیسے غسل جنابت، غسل جمعہ اور غسل عیدین وغیرہ۔ لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں ابواب کو فصلوں میں منحصر کر دیا ہے۔ اور باب کے تحت وہی کچھ بیان کیا ہے جو فصل کے ضمن میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ غَالِبًا عَلٰى ثَلٰثَةِ فُصُوْلٍ۔ اور میں نے کتب کے تحت لائے گئے ہر باب کو زیادہ تر تین فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ زیادہ تر اس لیے فرمایا کہ کچھ تھوڑے باب ایسے بھی ہیں جن میں تین فصلیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اَوَّلُهَا مَا اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ اَوْ اَحَدُهُمَا ان میں سے پہلی فصل ان احادیث پر مشتمل ہے جن کی تخریج و روایت امام بخاری و امام مسلم یا دونوں میں سے ایک نے کی ہے۔ وَاكْتَفَيْتُ بِهِمَا اور میں نے ان دونوں شیخین کے ذکر پر اکتفا کی ہے۔ وَاِنِ اشْتَرَكَ فِيْهِ الْغَيْرُ اگرچہ [illegible] ان دو حضرات کے ساتھ دوسرے ائمہ حدیث

بھی شریک ہوں۔ لِعُلُوِّ دَرَجَتِهِمَا فِي الرِّوَايَةِ روایت میں ان کے بلند پایہ اور رفیع الشان ہونے کی بنا پر۔ کہ کسی حدیث کو ان دونوں کے روایت کر دینے سے حدیث کی صحت کا اصل ثابت ہو جانے سے دوسروں کی روایت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگرچہ دوسروں کا بھی روایت کرنا تائید و تاکید کے لیے ضرور مفید ہے۔ پھر صرف شیخین کے ذکر میں اختصار بھی ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہو اُسے اصطلاح محدثین میں متفق علیہ کہتے ہیں۔ لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ دونوں نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔ اور اگر دونوں کے راوی دو الگ الگ صحابی ہوں تو اسے اصطلاح محدثین میں متفق علیہ نہ کہیں گے۔ شیخ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اس کی تصریح کی ہے وَثَانِيْهِمَا مَا أَوْرَدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَذْكُوْرِيْنَ ان تین فصلوں میں سے دوسری فصل ان احادیث پر مشتمل ہے جنہیں شیخین کے بجائے دوسرے ائمہ مذکورین نے روایت کیا ہے۔ وَثَالِثُهَا مَا اشْتَمَلَ عَلَى مَعْنَى الْبَابِ تیسری فصل ان چیزوں پر مشتمل ہے جو مقصد باب اور جس غرض کے لیے باب باندھا گیا ہے اس کے موافق ہیں۔ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ یعنی ایسے ملحقات اور مناسب امور جو باب پر چسپاں ہوتے ہیں اور مقصد باب کے مناسب و موافق ہیں مَعَ مُحَافَظَةٍ عَلَى الشَّرِيْطَةِ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ہر حدیث میں راوی اور اس کے روایت کرنے والے محدث و امام کا ذکر۔ وَإِنْ كَانَ مَا ثُوْرًا عَنِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وہ چیز جو فصل سوم میں مذکور اور معنی باب پر مشتمل ہے اگرچہ جماعت سلف اور گروہ خلف سے ہی منقول ہوتی ہو۔ یعنی متقدمین اور متاخرین علماء سے ماثور و منقول ہو۔ مطلب یہ کہ جو کچھ میں نے فصل سوم میں ذکر کیا ہے اس میں یہ پابندی نہیں کی کہ وہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ہی ہو، بلکہ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے حضرات کے وہ اقوال، افعال اور تقریرات جو باب کے مناسب ہوں، بھی تیسری فصل میں درج کر دی ہیں۔ اور مقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اصطلاح میں انہیں بھی حدیث کہہ دیتے ہیں۔ یہ تیسری زائد فصل مصنف لائے ہیں مصابیح میں نہ تھی۔ مصابیح میں صرف اول اور ثانی قسم ہی تھی۔ اسے بھی فصل کے عنوان سے بیان نہ کیا تھا۔ بلکہ اول کو جسے شیخین یا دونوں میں سے ایک نے روایت کیا تھا اپنے قول میں من الصحاح کے عنوان سے معنون کیا۔ اور دوسری قسم کو جسے غیر شیخین نے روایت کیا من الحسان کے عنوان سے ذکر کیا۔ قسم ثانی کو حسان کے نام سے موسوم کرنا صاحب مصابیح کی جدید اصطلاح ہے۔ ورنہ قسم ثانی میں صحیح اور ضعیف احادیث بھی ہیں، یا تغلیب کے طور پر سب کو حسان کہہ دیا کیونکہ قسم ثانی میں زیادہ تر حسن احادیث ہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور صاحب مشکوٰۃ نے اپنے قول میں الفصل الاول الفصل الثانی کے عنوان سے معنون کیا۔ اور مصنف نے مذکورہ کتابوں سے احادیث یکجا کر کے اپنے پاس سے ایک تیسری فصل بنا دی۔ وہ چاہے شیخین سے مروی ہو چاہے غیر شیخین سے۔

اور اس کے ساتھ سلف کے اقوال و آثار بھی ملا دیے اور یہاں بھی راوی کا ذکر وہ صحابی ہو یا غیر صحابی اور مذکورہ ائمہ میں سے اپنی کتاب میں لانے والے کا تذکرہ بھی التزام و پابندی سے کیا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكَ اِنْ فَقَدْتَ حَدِيثًا فِيْ بَابٍ پھر ان مذکورہ مقدمات کے جان لینے کے بعد یہ بھی علم میں ہونا چاہیئے کہ اس کتاب کے ابواب میں سے کسی باب میں اگر تجھے کوئی ایسی حدیث نہ ملے جسے صاحب مصابیح نے اس باب میں درج کیا تھا فَذٰلِكَ عَنْ تَكْرِيْرٍ اُسْقِطُهٗ تو اس حدیث کا اس باب میں مذکور نہ ہونا اور نہ ملنا اس وجہ سے ہے کہ صاحب مصابیح نے اسے مکرر بیان کیا تھا۔ میں نے اسے ساقط کر دیا بیان نہ کیا۔ وَ اِنْ وَجَدْتَ اٰخَرَ بَعْضَهٗ مَتْرُوْكًا عَلَى اخْتِصَارِهٖ اور اگر تو بعض دوسری احادیث میں سے کسی کو مختصراً پائے اَوْ مَضْمُوْمًا اِلَيْهِ تَمَامُهٗ یا کسی جگہ اس متروک حدیث کو مکمل اور باقی حصے کے ساتھ موجود پائے۔ فَعَنْ دَاعِيْ اِهْتِمَامٍ اَتْرُكُهٗ وَ اُلْحِقُهٗ تو کسی خاص وجہ، اہتمام اور اعتنا کی بنا پر میں نے اس کے کچھ الفاظ کو چھوڑا ہو گا یا اہتمام اور ضرورت کے تحت میں نے پوری اور مکمل حدیث بیان کی ہو گی، یعنی یہاں ایسی صورتِ حال ہو گی جو یا اس کے بعض الفاظ نقل نہ کرنے یا پوری حدیث بیان کرنے کی متقاضی ہو گی۔ اس کے بعض الفاظ ترک کر دینے کا سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً اس حدیث کا کچھ حصہ ہی باب کے مناسب ہے۔ دوسرا حصہ اس باب کے مناسب نہیں۔ یا ایک حصہ اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا کسی دوسرے باب سے مناسبت رکھتا ہے۔ جو حدیث اس نوعیت کی ہے میں نے اسے مختصر شکل میں بیان کیا کہ باب کے مناسب حصہ کو تو ذکر کر دیا باقی ذکر نہ کیا۔ اور اگر حضرت شیخ محی السنۃ علیہ الرحمۃ نے اسی غرض سے کہیں اختصار کیا ہے تو میں نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ اور اس مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے میں نے بھی اسے اختصار کی صورت میں رہنے دیا ہے اور جس حدیث میں، میں نے بہ صفات تریایش اس کے تتمہ اور باقی ماندہ حصہ کو بھی اس سے ملا کر بیان کر دیا۔ اگرچہ شیخ نے اس کے بیان میں اختصار کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ترک یا الحاق کا باعث و داعی اس بیان شدہ معنی کے علاوہ کوئی اور معنی بھی ہو (خوب سمجھ لے) وَاِنْ عَثَرْتَ عَلَى اخْتِلَافٍ فِي الْفَصْلَيْنِ اور اگر فصل اول اور فصل ثانی میں تجھے اختلاف کی اطلاع اور علم ہو (تیسری فصل کے اختلاف کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے)۔ مِنْ ذِكْرِ غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْاَوَّلِ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ غیر شیخین کا ذکر تو فصل اول میں پائے وَ ذِكْرِهِمَا فِي الثَّانِيْ اور شیخین امام بخاری و امام مسلم کا ذکر تجھے فصل ثانی میں ملے۔ یعنی صاحب مصابیح نے تو یہ بات طے کر رکھی ہے کہ جو احادیث قسم اول میں وارد کی ہیں وہ بخاری و مسلم کی ہیں۔ اور جو قسم دوم میں وارد کی ہیں وہ اس کے خیال میں غیر بخاری و مسلم کی احادیث ہیں۔ لیکن میں نے فصل اول کی بعض احادیث غیر بخاری و مسلم کی طرف نسبت کر دی ہیں۔ اور ان دو اماموں کی جگہ دوسرے ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ باب سنن وضو کی فصل اول اور باب فضائل القرآن کی فصل اول۔ اور کتاب الآداب

کے باب اسلام کی فصل اول میں اور اس کے علاوہ بعض اور مقامات میں۔ اور اسی طرح فصل ثانی کی بعض احادیث کی نسبت بخاری و مسلم کی طرف کی اور فصل ثانی میں ان کا ذکر کیا ہے جیسے باب ما یقرأ بعد التکبیر وغیرہ میں۔ اور میرے ایسا کرنے سے لازم آتا ہے کہ صاحب مصابیح سے احادیث کی تتبع و تلاش میں قصور اور کوتاہی واقع ہوئی ہے۔ فَاعْلَمْ اَنِّیْ بَعْدَ تَتَبُّعِیْ کِتَابَیِ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّحِیْحَیْنِ لِلْحُمَیْدِیْ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ تو یہ بات جان لے کہ صاحب مصابیح کی مخالفت کرنے میں میرا عذر اور اس نسبت کے لیے میری دلیل یہ ہے۔ کہ میں نے ان دو کتابوں یعنی "الجمع بین الصحیحین" (جس میں صحیح بخاری اور مسلم دونوں کتابوں کی احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے)۔ اور علامہ ابن اثیر جزری کی جامع الاصول جس میں چھ کتابوں کو یکجا کر دیا ہے، کی چھان بین اور تلاش و تتبع کے بعد اِعْتَمَدْتُ عَلٰی صَحِیْحَی الشَّیْخَیْنِ وَمَتْنَیْهِمَا صحیح بخاری و مسلم پر اور احادیث کے ان متون پر اعتماد و بھروسہ کیا ہے جو ان دو کتابوں میں ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کے متن سے ان کی اصل کتاب مراد ہو نہ کہ کتاب جمع بین الصحیحین اور جامع الاصول جو شروح کی مانند ہیں یعنی شیخین کی احادیث کے پائے جانے کی جگہ اور مقام ان کی صحیحین اور دو مذکورہ کتابیں ہیں تو اگر کسی حدیث کو میں نے ان میں پا یا ہے۔ تو ان کی طرف نسبت کر دی ہے۔ اگر چہ شیخ نے ان کے غیر کی طرف نسبت کی ہو۔ اور اگر کوئی حدیث ان میں نہیں پائی تو نسبت نہیں کی اگرچہ شیخ علیہ الرحمۃ نے نسبت کی ہو۔ اور اس بارے میں صرف الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول پر اکتفا نہیں کیا۔ اگر الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول پر اکتفا کرتا تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ شاید صحیحین اور ان کے متن میں بھی یہ حدیث ہو گی (یعنی صرف ان دو میں پائے جانے سے صحیحین اور ان کے متن میں پائے جانے کا وثوق نہ ہوتا) اور اگر میں صحیحین اور ان کے متن پر اکتفا کرتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ شاید یہ حدیث الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول میں بھی ہو۔ لہٰذا میں نے ان چاروں کی پوری چھان بین کی تاکہ اس نسبت کی صحت جو میں نے کی ہے اور اس نسبت کی عدم صحت کا جو صاحب مصابیح نے کی ہے، وثوق و اعتماد اور ظن غالب ہو جائے۔ لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ صحیحین اور ان کے متون اور الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول کا تتبع اور ان کی چھان بین جو صحیحین کی احادیث پر مشتمل ہیں، مفید نہیں ہے۔ مگر فصل ثانی میں جہاں شیخین کا ذکر ہے۔ تاہم فصل اول میں جہاں غیر شیخین کا ذکر آیا ہے۔ وہاں غیر شیخین کی کتب اور سنن کا تتبع اور ان کی چھان بین ہونی چاہیے۔ تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ صاحب مصابیح نے فصل اول میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور حدیث کی جو شیخین کی طرف نسبت کی ہے وہ شیخین کی نہیں بلکہ غیر شیخین کی حدیث ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں مراد کے ظاہر اور واضح ہونے کے باعث مصنف نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ (یہ مقام غور ہے) و باللہ التوفیق۔

وَاِنْ تَرَاَیْتَ اخْتِلَافًا فِیْ نَفْسِ الْحَدِیْثِ ۔ اور اگر لفظ حدیث میں میرے اور صاحب مصابیح کے درمیان تجھے

اختلاف نظر آئے کہ صاحب مصابیح نے اُسے اور الفاظ سے ذکر کیا ہو اور میں نے دوسرے الفاظ سے فَذٰلِكَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْحَدِيْثِ تو یہ اختلاف احادیث کی اسانید کے متفرق اور زیادہ اور مختلف ہونے کے باعث ہے۔ جو حدیث تک پہنچنے کے راستے ہیں۔ ایک طریق اور اسناد سے حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ دوسرے طریق اور دوسرے اسناد میں دوسرے الفاظ سے۔ وَلَعَلِّيْ مَا اطَّلَعْتُ عَلٰى تِلْكَ الرِّوَايَةِ الَّتِيْ سَلَكَهَا الشَّيْخُ رح اور اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس طریق کا پتہ نہ چل سکا ہو جس کے مطابق شیخ نے روایت کی ہے اور صاحب مصابیح کے الفاظ اس طریق کے مطابق ہوں۔ وَفِيْ قَلِيْلٍ مِّمَّا تَجِدُ اَقُوْلُ قلیل جگہوں میں تو مجھے یوں کہتا ہوا بھی پائے گا کہ مَا وَجَدْتُ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِيْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ مجھے صاحب مصابیح کی یہ روایت کتب اصول میں نہیں ملی۔ یعنی ائمہ حدیث کی ان کتابوں میں جو روایت کا اصل و مدار اور اس باب میں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فِيْهَا میں یوں کہوں گا کہ میں نے کتب اصول میں شیخ کی ذکر کردہ روایت کے خلاف پایا ہے۔ فَاِذَا وَقَفْتَ عَلَيْهِ جب تو میری اس بات سے واقف ہو فَانْسِبِ الْقُصُوْرَ اِلَيَّ لِقِلَّةِ الدِّرَايَةِ تو میری دانش اور دریافت کی کمی کے باعث اس قصور و کوتاہی کی نسبت میری طرف کرنا لَا اِلٰى جَنَابِ الشَّيْخِ جناب شیخ کی طرف نہ کرنا۔ اس انداز بیان میں ادب و احترام پایا جاتا ہے۔ یعنی شیخ تو وہ ہستی ہیں کہ ان کا نام تو زبان مبارک پر لایا ہو ... جا سکتا ہاں ان کی درگاہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یوں ہی جب ایسے مقامات میں لفظ حضرت یا مجلس یا خدام، نواب یا ملازمین کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اس سے ادب و احترام مقصود ہوتا ہے۔ رَفَعَ اللّٰهُ قَدْرَهٗ فِي الدَّارَيْنِ۔ اللہ تعالیٰ ان کی عظمت و بزرگی دونوں جہان میں بلند فرمائے۔ حَاشَا لِلّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ قصور و کوتاہی کی اس نسبت سے شیخ کی ذات پاک و منزہ ہے۔ اور ان کی یہ پاکیزگی و نزاہت خدا کی جانب سے ہے۔ لفظ ماشاء اللہ کی تحقیق اور بیان شرح میں ذکر کیا گیا ہے۔ رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اِذَا وَقَفَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اللہ اس شخص پر رحم و مہربانی فرمائے جو اس روایت پر مطلع ہو جائے جسے شیخ نے مصابیح میں ذکر کیا ہے۔ اور میں کتب اصول میں اسے نہیں پا سکا نَبَّهَنَا عَلَيْهِ تو ہمیں بھی اس کے بارے میں بیدار اور آگاہ کر دے۔ وَاَرْشَدَنَا طَرِيْقَ الصَّوَابِ اور ہمیں بھی راہ راست دکھا دے۔ تنبیہ و ارشاد اگر حقیقت پر محمول ہوں تو اس صورت میں مؤلف کی زندگی کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔ اور اگر حقیقی معنی پر محمول نہ ہو تو بھی کتب وا ضافہ مناسب تغیر و تبدل، کتاب پر حواشی کی تعلیق اور مناسب حواشی کی طرف اشارات اور ان پر تنبیہ کی صورت میں کتاب کی صحت اور درستی مراد ہوگی۔ وَلَمْ اٰلُ جُهْدًا فِي التَّنْقِيْرِ وَالتَّفْتِيْشِ۔ اور میں نے کتب اصول سے مختلف احادیث و روایات کی کھود کرید، تلاش و جستجو اور چھان بین بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تنقیر و تفتیش دونوں کا ایک ہی معنی ہے

جس طرح لفظ وسع اور طاقت ہم معنی ہیں۔ اور یہ ارباب تصنیف کی عادت ہے کہ خطبوں میں مترادف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وَنَقَلْتُ ذَالِكَ الْاِخْتِلَافَ كَمَا وَجَدْتُ۔ اور میں نے اختلاف روایات کو جس طرح پایا بالکل اسی طرح نقل کر دیا۔ یعنی بغیر کمی بیشی کرنے اور بغیر کسی تغیر و تبدل کے۔ وَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ غَرِيْبٍ اَوْ ضَعِيْفٍ اَوْ غَيْرِهِمَا بَيَّنْتُ وَجْهَهُ غَالِبًا اور شیخ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث غریب، ضعیف اور غیر غریب و ضعیف جیسے شاذ منکر اور معلل وغیرہ کی طرف اشارہ کیا تھا میں نے اس میں سے اکثر کی وجہ بیان کر دی۔ اور تھوڑی احادیث ایسی ہیں جن کی وجہ نہ معلوم ہونے یا کسی اور بنا پر غرابت یا ضعف وغیرہ کا سبب بیان نہیں کیا۔ واللہ اعلم وَمَا لَمْ يُشِرْ اِلَيْهِ مِمَّا فِي الْاُصُوْلِ۔ اور کتب اصول کی جن احادیث کے بارے میں شیخ نے اشارہ نہ کیا اور غریب و ضعیف وغیرہ نہ کہا فَقَدْ قَفَيْتُهُ فِي تَرْكِهٖ تو اس میں میں نے بھی شیخ کی اتباع اور پیروی کی اور حدیث کی صحت، حسن، ضعف اور غرابت وغیرہ کی جانب اشارہ اور اس کا تعرض نہ کیا۔ اِلَّا فِي مَوَاضِعَ لِغَرْضٍ۔ مگر کتاب کے چند مقامات میں شیخ کی پیروی نہیں کی اور کسی غرض کے تحت حدیث کے حال کی جانب اشارہ کر دیا باوجودیکہ شیخ نے ایسا کوئی اشارہ نہ کیا تھا۔ وہ غرض یہ ہے کہ بعض ناقدین اور معترضین نے مصابیح کی کچھ احادیث کی نسبت وضع اور بطلان کی طرف کی تھی۔ تو مولف (صاحب مشکوٰۃ) علیہ الرحمۃ نے ترمذی وغیرہ کا حوالہ نقل کر کے بتا دیا کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے وغیرہ تاکہ ان ناقدین و معترضین کا وہم باطل ہو جائے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ محی السنۃ علیہ الرحمۃ نے دیباچہ مصابیح میں کہا تھا کہ میں نے منکر احادیث لانے سے گریز کیا ہے حالانکہ مصابیح میں منکر احادیث موجود ہیں۔ تو مصنف علیہ الرحمۃ اظہار حق کی خاطر وہ بھی بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ علامہ طیبی نے فرمایا ہے وَرُبَّمَا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً اور بہت کم یا بسا اوقات تو میری کتاب مشکوٰۃ میں خالی جگہ بھی پائے گا کہ وہاں ائمہ مذکورین میں سے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وَذٰلِكَ حَيْثُ لَمْ اَطَّلِعْ عَلٰى رَاوِيْهِ یہ راوی کا ذکر نہ کرنا اور جگہ خالی چھوڑ دینا اس بنا پر ہے کہ میں اس راوی سے آگاہ نہ ہو سکا۔ فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ۔ تو میں نے اس کا نام لکھنے کے لیے کتاب میں سفید جگہ چھوڑ دی۔ فَاِنْ عَثَرْتَ عَلَيْهِ فَاَلْحِقْهُ بِهٖ اے مخاطب اور کتاب کا مطالعہ کرنے والے اگر تجھے اس کا علم ہو جائے تو اس کے ساتھ ملحق کر دینا اور اس سفید جگہ میں راوی کا نام لکھ دینا۔ اَحْسَنَ اللهُ جَزَاءَكَ اللہ تعالیٰ تجھے اس عمل کی نیک جزا عطا کرے۔ اور کچھ علماء جیسے شیخ شمس الدین محمد جزری وغیرہ نے خالی جگہوں کی وضاحت کی ہے۔ مگر سفید جگہ میں لکھنے کے بجائے کتاب کے کنارے پر راوی کا نام لکھ دیا اور سفید جگہ کو اس لیے اسی طرح رہنے دیا تاکہ اس امر کا پتہ چل جائے کہ یہ وضاحت مصنف کی طرف سے نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس سفید جگہ میں ہی لکھ دیا۔ اور حاشیہ میں لکھ دیا کہ یہ جگہ اصل میں سفید

چھپ کر دی گئی تھی۔ اور یہ عارضی اور بعد کی تحریر ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے نسخوں کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے۔ وَسَمَّيْتُهُ الْكِتَابَ اور میں نے اس کتاب کا نام بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ مشکوٰۃ بمعنی طاق جس میں چراغ رکھتے ہیں مصابیح جمع مصباح بمعنی چراغ کتاب کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر حدیث کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو روشنی عطا کرتا ہے۔ حدیث بھی ایمان ویقین کے راستے پر چلنے والے کو روشنی بخشتی ہے۔ اور نور علم اور معرفت دین سے اس کے دل کو منور کرتی ہے۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصابیح جو محی السنۃ کی کتاب ہے، اس کتاب مشکوٰۃ کے اندر ہے۔ اور یہ کتاب مصابیح کو اس طرح شامل ہے جیسے طاق چراغ پر مشتمل ہوتا ہے۔ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ التَّوْفِيْقَ اور میں مذکورہ اور جامع طریقہ پر اس کتاب کی تصنیف بلکہ تمام امور وحالات میں اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں لغت میں توفیق کسی کی دستگیری کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح علماء میں خدا تعالیٰ کا بندے میں قدرت، قوت اور طاقت پیدا کرنے کا نام توفیق ہے۔

وَالْاِعَانَةَ وَالْهِدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ اور اس تالیف اور باقی امور خیر میں بھی خدا تعالیٰ سے اعانت، ہدایت اور اس کتاب وغیرہ میں اس حفاظت کا خواستگار ہوں۔ وَتَيْسِيْرَ مَا اَقْصِدُهُ اور جمیع مقاصد میں آسانی پیدا کرنے کا طلبگار ہوں۔ وَاَنْ يَّنْفَعَنِيْ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اور خدا تعالیٰ سے یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ مجھے زندگی میں اس تالیف کے ذریعے مطالعہ کی توفیق، تعلیم اور اس کتاب کی احادیث لوگوں تک پہنچا کر دنیا میں اور مرنے کے بعد مجھے اجر و ثواب، رضا و خوشنودی، جو عظیم چیز ہے، عطا کر کے نفع عطا فرمائے وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بھی نفع عطا فرمائے حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔ وکیل اُسے کہتے ہیں جس کے حوالے اپنا کام کر دیتے ہیں۔ شعر

کار خود را بخدا باز گذار — کت نمی بینم ازیں بہتر کار

ترجمہ:۔ اپنا کام خدا تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ کہ اس سے بہتر میرے نزدیک تیرے لیے کوئی کام نہیں۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اور گناہوں سے دور ہونے اور جستجو کرنے اور نیک کام کرنے کی ہمت و طاقت نہیں ہے مگر اللہ عزیز و حکیم کی مدد و نصرت سے۔ اور عزیز و حکیم کا معنی کتاب میں اسمائے حسنیٰ کی شرح کے مقام پر بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العلی العظیم۔ اور جب ہم خطبۂ کتاب کی شرح سے فارغ ہو گئے تو وقت آ پہنچا ہے کہ احادیث مبارکہ کی شرح میں اپنے آپ کو مصروف و مشغول کریں۔ وباللہ التوفیق ومنہ التیسیر (اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا اور آسانی مہیا کرنے والا ہے)۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتب و ابواب کا ذکر شروع کرنے سے پہلے کتاب کی ابتداء حدیث

انما الاعمال بالنیات سے اس علم شریف کی طلب و تحصیل میں نیت کو شائبہ اغراض یا معاوضہ لینے کے خیال سے خالی اور پاک رکھنے پر تنبیہ کرنے اور اس کی ترغیب دینے کے لیے کی ہے اور گویا اس علم کی طلب کے راستے میں آنا خدا اور رسول خدا کی طرف ہجرت کرنے کے حکم میں ہے۔ تو جس طرح ہجرت کے وقت خلوص نیت کی ضرورت ہے یہاں بھی خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ ارباب تصنیف و تالیف کی عادت بن چکی ہے کہ وہ اپنی تالیفات کی ابتداء اس حدیث سے کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری جو اس گروہ کے رئیس و سردار ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ خطابی نے فرمایا ہمارے مشائخ کرام امور دین میں سے ہر امر سے پہلے حدیث انما الاعمال بالنیات کا لانا مستحسن اور اچھا جانتے تھے۔ ائمہ حدیث اس حدیث کے فضل و شرف، موقع کی عظمت کے مطابق اس کی عظمت شان اور اس کے کثرت فوائد پر اتفاق رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ بعض علماء نے تو اسے نصف علم قرار دیا ہے۔ اور وہ یوں کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ قلبی اعمال اور بدنی اعمال نیت اعمال قلب کی اصل و بنیاد ہے۔ اور اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ تمام اعمال، عبادات و عادات کی صحت اور ان کا ثواب حسن و خلوص نیت پر موقوف ہے۔ اور اس طرح اس حدیث کو سارا علم اور پورا دین قرار دے دیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کا دین کے ابواب میں سے سترؔ بابوں میں عمل دخل ہے۔ ممکن ہے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اس جملے سے مقصد کثرت و مبالغہ ہو۔ حصر و تخصیص مقصود نہ ہو۔ اس لیے کہ ستر کا عدد مبالغہ و کثرت میں مشہور ہو چکا ہے۔ ورنہ اس حدیث کا دین کے ستر ابواب سے بھی زیادہ میں عمل دخل ہے۔ کہ عبادات، معاملات اور عادات کے اقسام حد و شمار سے باہر ہیں۔ اور نیت کا ہر جگہ دخل ہے۔ اور تمام علماء اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ بعض نے اسے متواتر کہا ہے۔ تحقیقِ حال مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى۔ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور بیشک ہر شخص کے لیے وہ ہے جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اسی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہوگی کہ اسے حاصل کرے یا عورت کی طرف کہ اس سے نکاح کرے۔ تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت اختیار کی ہے۔

شرح :- امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ میں اعمال اور ان کی قبولیت کا اعتبار نہیں مگر ان کی نیتوں کے ساتھ اکثر اور اشہر روایات میں یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اور بعض روایات میں بغیر لفظ انما صرف الاعمال بالنیات کے الفاظ ہیں اور بعض میں بالنیات جمع کے بجائے بالنیۃ کے الفاظ ہیں اور بعض میں صرف العمل بالنیۃ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ لیکن تمام عبارات سے مقصود مدعی ایک ہی ہے کہ قلب و قالب (ظاہر و باطن) کا کوئی عمل، کسی حکم کا بجا لانا، امر ممنوع کو چھوڑنا۔ قول و فعل اور عبادات وطاعات نیت کے بغیر مقبول و معتبر نہیں ہیں اور نیت کے بغیر ان پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ اس باب میں تحقیق کی غایت و انتہا یہ ہے کہ اعمال دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو مقصود ولذاتہ ہیں جیسے نماز۔ اس قسم میں جب ثواب نہ ہوگا تو وہ عمل صحیح اور جائز بھی نہ ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو دوسرے عمل کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہے۔ جیسے وضوء۔ اس قسم میں ثواب اس وقت ملے گا جب نیت ہوگی لیکن نیت کے بغیر بھی عمل جائز ہوگا۔ اور بغیر نیت کے وضو سے نماز درست ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے۔ تاہم دوسرے ائمہ کے نزدیک بے نیت کے وضو سے نماز درست اور جائز نہیں ہے۔ اور نیت سے یہاں تقرب الی اللہ کا قصد و ارادہ مراد ہے یعنی جو کام بھی کرے خدا کے لیے اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا و خوشنودی کے لیے کرے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ نیت دل کا فعل ہے زبان سے کہنے کی ضرورت و حاجت نہیں۔ اگر دل غافل ہو اور صرف زبان سے نیت کے الفاظ دہرائے جائیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے برعکس اگر دل میں نیت موجود ہو مگر زبان پر نہ آسکے یا زبان سے اس کے خلاف ادا ہو جائے تو اس میں کچھ نقصان اور حرج نہیں ہے اور علماء کرام میں اس بات پر اتفاق کے باوجود کہ بلند آواز سے نیت کے الفاظ کہنا منع نہیں اس میں اختلاف ہے کہ نیت کے الفاظ میں ادا کرنا صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں۔ مذہب صحیح یہ ہے کہ شرط نہیں ہے۔ اور اسے شرط قرار دینا غلط ہے۔ تاہم فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے زبان سے کہہ لینا بھی بہتر و مستحب ہے تاکہ زبان کی دل سے موافقت اور ظاہر کی باطن سے مطابقت ہو جائے، اور نیت کے الفاظ ذکر کرنے سے ان کا معنی سمجھنا اور دل میں ان کا استحضار بھی آسان ہو جاتا ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے نیت کرتے تھے۔ صرف اسی قدر آیا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو صرف اللہ اکبر کہتے۔ اگر اس مقام پر زبان سے بھی آپ نے کچھ پڑھا ہوتا تو محدثین ضرور اسے روایت کرتے، لہٰذا طریقہ سنت اور اس کی اتباع یہی ہے کہ دل کی نیت پر اکتفا کیا جائے۔ اور جس طرح کسی کام کے کرنے میں اتباع ضروری ہے اسی طرح کسی کام کے نہ کرنے میں بھی اتباع ضروری ہے۔ پس جو شخص وہ کام ہمیشہ اور پابندی سے کرے جو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا تو ایسا شخص بدعتی ہے جیسا کہ محدثین کرام علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى اور بندے کو اس کے عمل اور ثواب سے حصہ نہیں ملتا مگر وہی جو اس نے نیت کی ہوتی ہے۔ اور بعض روایات میں یوں ہے اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ لفظ کل کے اضافے کے ساتھ آیا ہے۔ یہ جملہ کلام سابق کی تاکید اور پختگی کے لیے آیا ہے۔ مآل اور مدعیٰ دونوں کا ایک ہے۔ کہ نیت کے بغیر عمل صحیح اور قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر ہر عمل کی مخصوص نیت ہوتی ہے۔ بندے کا حصہ اس میں سے یہی ہے کہ اس عمل کی نیت کی۔ مثال کے طور پر اگر ایک عمل بہت سی نیتوں کا متقاضی ہو، چنانچہ اگر اپنے قریبی عزیز کو صرف اس کے فقیر ہونے کی نیت سے صدقہ دے اس کے قریبی ہونے کو ملحوظ نہ رکھے تو صرف صدقہ کا ثواب ملے گا۔ صلہ رحمی کا ثواب نہ ملے گا۔ اور اگر صرف اس کی رشتہ داری کا لحاظ کر کے اُسے کچھ دے اس کے فقیر و محتاج ہونے کا لحاظ نہ کرے تو صرف صلہ رحمی کا ثواب پائے گا۔ صدقے کا ثواب نہ ملے گا۔ اگر دونوں کی نیت کرے تو دونوں کا ثواب پائے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی صرف ایک عمل میں متعدد نیتیں کر لینے کی بنا پر متعدد درجے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے لیکن اس ایک عمل میں بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں۔ اور ہر نیت پر الگ ثواب ملے گا۔ ایک یہ کہ روایات میں وارد ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ اور جو شخص مسجد میں آتا ہے۔ وہ گویا رب تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات اور اس کی ذات کو پانے کے لیے آتا ہے۔ اور رب تعالیٰ چونکہ رحیم و کریم ہے۔ لہٰذا اس کے ذمہ کرم پر ہے کہ اپنے زائرین کی ضیافت و مہمان نوازی کرے تو بندہ اس نیت کے ذریعے یہ فضیلت اور یہ اعزاز حاصل کرتا ہے۔ دوسری نیت نماز باجماعت کی انتظار ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نماز کی انتظار کرنے والا گویا نماز میں ہوتا ہے۔ تو جس نماز کی انتظار کر رہا ہے گویا اسے ادا کر رہا ہے۔ اور اس کا ثواب حاصل کر رہا ہے۔ اور آیۂ کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (اے ایمان والو صبر اختیار کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کیا کرو، اور مرابطت اختیار کرو)۔ اس میں مرابطت سے بعض مفسرین نے انتظار نماز مراد لی ہے۔ ایک حدیث میں ہے نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار میں رہنا خطاؤں کے مٹنے، گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کا موجب ہے، اور تکرار کے ساتھ فرمایا فذالکم الرباط فذالکم الرباط (یہی ہے مومن کی انتظار گاہ یہی ہے مومن کی انتظار گاہ)۔ تیسری نیت یہ کہ مسجد میں چل کر بیٹھتا ہوں تاکہ کان، آنکھ اور دوسرے اعضاء ان گناہوں اور ممنوعات میں ملوث ہونے سے محفوظ رہیں جو بازاروں اور گلی کوچوں میں پائے جاتے ہیں۔ چوتھی نیت اعتکاف ہے، علماء نے فرمایا ہے جو شخص مسجد میں آئے چاہیے کہ اعتکاف کی نیت کرے تاکہ ان حضرات علماء کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں ایک گھڑی بھر کا اعتکاف بھی ہوتا ہے، اعتکاف کے ثواب سے بہرہ ور۔ اور اس فضیلت سے مشرف ہو۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حصول بڑا آسان ہے لوگ اسے حاصل کرنے سے غافل و بے خبر ہیں۔ پانچویں نیت حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور مسجد میں

داخل ہونے اور اس سے باہر نکلنے کی مسنون و ماثور دعائیں پڑھنے کی نیت کرنا۔ کہ اس کا بے حد و بے شمار ثواب ہے۔ چھٹی نیت۔ خدائے عزوجل کی یاد، تلاوت قرآن مجید یا اس کے سننے کے لیے خلوت و علیحدگی اختیار کرنا یا لوگوں کو نصیحت کرنے یا اس کی ترغیب کے لیے ایسا کرنا۔ اخبار و روایات میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کو ذکر و تذکیر کے لیے مسجد میں جاتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے جو قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک اور درس و تدریس کا کام کرتی ہے اس کا درجہ اس کے سوا نہیں کہ ملائکہ انہیں رحمت خداوندی میں چھپا لیتے ہیں۔ ساتویں حج و عمرہ کی نیت کرنا جیسا کہ وارد ہوا ہے جو شخص وضو کرے اور مسجد میں جائے اور نماز ادا کرے اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ خصوصاً مسجد نبوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ آٹھویں نیت علمی افادہ و استفادہ اور مسجد میں لوگوں کے اجتماع و ہجوم کے امر معروف و نہی منکر کی نیت ہے۔ نویں برادر دینی کی زیارت کی نیت کہ راہ خدا میں مدد و نصرت کرے۔ دسویں مسجد میں موجود یا آنے والے حضرات کو سلام کہنے اور سلام کا جواب حاصل کرنے کی نیت۔ گیارہویں تفکر و مراقبہ، امور آخرت میں فکر اور اپنے گناہوں کے استغفار کے لیے فراغت و دلجمعی سے اس مقصد کی نیت کہ یہ فراغت مسجد کے علاوہ کہیں کم ہی میسر آتی ہے۔ بارہویں نیت حضور باطن، تسکین قلب، مشاہدہ حق سے اتصال اور ذات مطلق کے شہود میں استغراق کہ مسجد کی روحانیت سے جو خاص تجلی گاہ اور لفظ بیتی میں یائے اضافت کا تقاضا ہے ایک ذوق و نورانیت کا حاصل ہونا۔ اور صرف مسجد میں آنا ہی اعمال آخرت میں سے اور جائے عبادت ہے جب طبعی اور شہوانی امور میں نیت کارفرما ہونے کی صورت میں ثواب مرتب ہوتا ہے۔ تو غیر طبعی اعمال میں ثواب کیوں مرتب نہ ہوگا۔ جیسے جمعۃ المبارک وغیرہ ایام میں اتباع سنت کے ارادہ سے خوشبو کا استعمال کہ آپ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ خاص کر کے جب یہ نیت بھی ہو کہ مسجد کی تعظیم کا اظہار ہو، اور اپنے ساتھیوں فرشتوں اور دینی بھائیوں سے ناپسندیدہ بو دور کرے۔ نیز دماغ کا معالجہ کہ اسے تازگی حاصل ہو۔ تیزی ذہن اور ذکاوت میں اضافہ ہو۔ اور علوم و معارف وغیرہ امور بہتر طور پر حاصل کر سکے ہاں اگر خوشبو کا استعمال لذات جسمانی اور شہوات نفسانی اور خود نمائی کے لیے ہو تو ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ملامت و عتاب کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ مدار کار اور حصول ثواب نیت پر موقوف ہے حضور علیہ السلام نے جب یہ معنی بطریق اجمال و کلیت بیان فرمایا اگلے جملہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور بطور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ تو جو شخص وطن چھوڑ کر خدا اور اس کے رسول پاک علیہ السلام کی طرف گیا اور ان کی رضا چاہنے اور ان کا حکم بجا لانے کی نیت کی فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ تو خدا اور اس کے رسول کی طرف اسی کی ہجرت شمار ہوگی یعنی اسی کی ہجرت مقبول ہے اور ایسی ہی ہجرت پر ثواب عظیم مرتب ہوگا۔ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا اور ایک روایت

میں لِدُنْیَا کا لفظ ہے۔ یعنی جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو یعنی اسے حاصل کرنے کے لیے تاکہ اس ہجرت کے ذریعے اسے پا سکے۔ اَوِ امْرَاَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا یا بیوی کے لیے ہجرت کرے کہ اس سے نکاح کرے یعنی خدا اور رسول کی رضا و خوشنودی اور ان کے حکم کی بجا آوری کے لیے نہ ہو۔ فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت اختیار کی ہے۔ یعنی دنیا کا حصول اور عورت سے نکاح۔ دنیا اور عورت کا ذکر صراحتہً کیا۔ پہلے جملے میں خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا تکرار استلذاذ اور مٹھاس حاصل کرنے کے لیے۔ نیز اجمالاً ذکر فرمایا تاکہ بطریق کلیت اور عموم ان تمام اشیاء اور امور کو شامل ہو جن کے لیے انسان اپنا وطن ترک کرتا اور ان کی طرف ہجرت اختیار کرتا ہے۔ اور اس صورت کو بھی شامل ہو جس میں انسان قصد رضائے الٰہی اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کے ساتھ کسی عورت سے نکاح یا حصول دنیا کا ارادہ بھی ملا لیتا ہے۔ کہ اس صورت میں قول مختار کے مطابق بھی حصول ثواب سے خالی نہ رہے گا اور باندازۂ نیت ثواب پائے گا۔ مگر بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ نیت میں شرکت کی صورت میں ثواب کا بالکل مستحق نہ ہو گا ظاہر احادیث بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ہاں جب کہ رضائے الٰہی کی نیت غالب ہو۔ واللہ اعلم۔

خصوصیت کے ساتھ عورت کا ذکر اس سے ڈرانے کے لیے کیا۔ کہ وہ دنیا میں سے ہے۔ کیونکہ دنیا سے مراد خدا تعالیٰ کے ماسوا اور ہر ایسی چیز ہے جو اس کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل کر دے۔ یا اس بنا پر عورت کی تخصیص فرمائی کہ اس سے زیادہ ڈرنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کے لیے اس کا ابتلا و فتنہ زیادہ اور سخت تر ہے اور عورت خدا کے ذکر سے زیادہ غافل کرتی اور دین کے راستے پر چلنے میں زیادہ رکاوٹ ہے۔ محدثین کرام ———— اس حدیث کے تحت ایک مرد کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس نے ایک عورت کے پیچھے جس کا نام ام قیس تھا اور مغنیہ تھی، ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگیا اس کا یہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیان کیا گیا۔ اس پر آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد لوگ اس شخص کو مہاجر ام قیس کے لفظ سے پکارتے تھے۔

صحیح بخاری کے بعض شارحین نے عورت کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ عرب کے لوگ عجمیوں کے نکاح میں عربی عورتیں نہیں دیتے تھے۔ اور نسب میں اپنی کفو کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ جب اسلام آیا اور عربوں کی عصبیت میں کچھ کمی ہوئی اور مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نکاح وغیرہ معاملات میں مساوات کی طرح پڑی تو بہت سے لوگوں نے عورتوں سے نکاح کے طمع میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اختیار کی جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ یہ وجہ درستی کے زیادہ قریب اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ تاہم مہاجر ام قیس کے قصہ کی صحت میں بھی کلام ہے جیسا کہ فتح الباری میں شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

جاننا چاہیئے کہ لغت میں ہجرت کا معنی ترک اور قطع ہے۔ اور شرع شریف کے عرف میں رضائے الٰہی عزوجل کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اور اسلام میں ہجرت دو طرح واقع ہوئی ہے۔ ایک خوف کی جگہ سے امن و سکون کی جگہ منتقل ہونا۔ جیسے صحابہ کرام نے ابتدائے اسلام میں ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ کے شر و فساد سے امن پائیں۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے اور اسلام کے مستحکم ہونے سے پہلے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کی دوسری قسم دار کفر سے دار اسلام کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہ ہجرت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں جم جانے اور قرار پذیر ہونے کے بعد معرض وجود میں آئی۔ مسلمانوں کا مکہ معظمہ وغیرہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس وقت ہجرت کرنا اس دوسری قسم کی ہجرت میں سے ہے۔ اس وقت ہجرت غالب و اکثر مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہوتی تھی۔ اور فتح مکہ تک اس ہجرت کو بڑی خصوصیت و اہمیت حاصل تھی فتح مکہ کے بعد یہ خصوصیت و اہمیت ختم ہو گئی۔ اور وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ (فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں) تو اس سے مکہ سے (بعد فتح) ہجرت مراد ہے۔ کیونکہ فتح کے بعد مکہ بھی دار الاسلام بن گیا۔ اور ہجرت بمعنی دار کفر سے علی العموم جسے بھی اس کی قدرت نصیب ہو، قیامت تک باقی رہے گی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا تنقطع الھجرۃ حتی تنقطع التوبۃ ہجرت منقطع نہ ہو گی جب تک توبہ منقطع نہ ہو اور ہجرت کا حکم منسوخ نہ ہوگا جب تک توبہ کے دروازے بند نہ ہوں اور یہ روز قیامت تک بند نہ ہوں گے) تو اس ہجرت سے اپنے وطن مالوف سے غیر وطن کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔ خواہ مکہ سے ہو یا غیر مکہ سے۔ اور خواہ مدینہ منورہ کی جانب ہو یا غیر مدینہ کی طرف۔ اور خواہ طلب رضائے الٰہی کے لیے ہو یا دنیا کی خاطر۔ تاکہ دنیا اور عورت کی خاطر ترک وطن کے مفہوم کو بھی شامل ہو جائے۔

اور ہجرت کا ایک خاص معنی بھی ہے۔ جسے حقیقی ہجرت کہنا چاہیئے۔ اور وہ طبعی اور بشری تقاضوں سے باہر آ جانے اور ممنوعات و مکروہات شرعیہ کا ترک کر دینا ہے۔ اس ہجرت کا ذکر بھی حدیث شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے اَلْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَى اللّٰهُ عَنْهُ یعنی کامل اور حقیقی مہاجر وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو چھوڑ دیا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا اور منع کیا ہے۔ اسی بنا پر جہاد نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ متفق علیہ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)۔ اور متفق علیہ جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا، اس حدیث کو کہتے ہیں جسے امام بخاری و مسلم نے ایک ہی صحابی سے روایت کیا ہو۔ اور حدیث انما الاعمال بالنیات کو اکثر مشہور ائمہ بلکہ تمام ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اور تمام ائمہ کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اگرچہ دور اول میں دو تین افراد سے بکثرت افراد نے اسے روایت کیا، تاہم بعد کے دور

میں اسے یہاں تک شہرت حاصل ہو گئی کہ حد تواتر تک بلکہ اس سے بھی بڑھ کر شہرت پذیر ہو گئی۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کو دو سو پچاس مشہور راویوں نے روایت کیا ہے۔ بلکہ تین سو راویوں سے بڑھ کر سات سو راویوں تک کا قول بھی بعض نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ اخبار میں وارد ہوا ہے کہ نیۃ المؤمن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں ضعیف اور صحت سے موصوف نہیں تاہم موضوع کے نام سے بھی موسوم نہیں ہے۔ اور اس کی توجیہہ و تفسیر میں علما کے بہت سے اقوال ہیں۔

قول اول:۔ یہ کہ صرف نیت بغیر عمل کے بھی عبادت ہے۔ اور اس پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے بخلاف اعضاء جوارح کے عمل کے کہ اس پر اجر و ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے نیک کام کے صرف ارادے اور نیت پر بھی کامل نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یہ نیت کر کے سوئے کہ سحری کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے گا۔ تو اس کے لیے تہجد ادا کرنے کا اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ غلبہ نیند کی وجہ سے صبح تک سویا رہے اور نماز تہجد نہ پڑھ سکے۔ اس بارے میں بہت سی حکایات و روایات منقول ہیں۔

دوسرا قول:۔ نیت کی جگہ دل ہے اور معرفت الہیہ کا مکان بھی دل ہی ہے۔ اور جو چیز معرفت کی جگہ سے پیدا ہو۔ اور اس معدن سے نمودار ہو وہ ضرور اس سے افضل و اعلیٰ ہو گی جو کسی اور جگہ سے سامنے آئے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رب العزت نے عرش سے فرش تک کوئی جگہ ایسی پیدا نہیں کی جو بندۂ مومن کے دل سے اسے زیادہ پیاری ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی معرفت سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ چیز عطا نہیں فرمائی۔ اس لیے عمدہ ترین چیز اعلیٰ ترین جگہ میں رکھ دی۔ اگر دل سے بڑھ کر کوئی اور جگہ اعلیٰ ہوتی تو رب العزت اپنی معرفت اس جگہ رکھتا۔ اور فرمایا بندے کا سب سے گھٹیا قصد و ارادہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے اشرف و عزیز ترین جگہ کو غیر ذکر حق میں معروف و مشغول کرے۔ اور وہ آدمی نہایت بے ادب ہے جو خدا تعالیٰ کی رکھی ہوئی چیز کو اس کی جگہ سے نکال کر اس کی جگہ کسی دوسری چیز کو رکھے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ نیت بہر حال عمل سے بہتر ہے کہ نیت پائدار اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ اور عمل ناپائدار اور فانی چیز ہے۔ اہل بہشت اور اہل دوزخ کا جنت و دوزخ میں دائم و ہمیشہ رہنا نیت کی بنا پر ہو گا جو دائمی چیز ہے اگر اندازہ عمل کے مطابق ہوتا تو اتنے وقت تک ہی ہوتا جتنا عرصہ عمل میں صرف ہوا تھا۔

چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ عمل میں ریا کا دخل ہو جاتا ہے ... اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

بخلاف نیت خیر کے کہ وہ باطن اور دل سے تعلق رکھتی ہے اس میں ریا کی آمیزش نہیں ہوسکتی۔ آثار و روایات میں آیا ہے کہ جب فرشتے بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کے متعلق فرماتا ہے الق الصحیفۃ الق الصحیفۃ فلاں عمل نامہ اور فلاں عمل نامہ نیچے پھینک دے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے بارِ خدایا تیرے بندے نے تو اچھی اور نیک بات کی ہے اور نیک عمل کیا ہے۔ ہم نے اس کی نیکی کو خود سنا اور دیکھا ہے اور نیکیوں کے عمل نامہ میں درج کیا ہے۔ ہم اسے کیسے نیچے پھینک دیں۔ رب العزت کی طرف سے جواب ملتا ہے لَمْ یُرِدْ وَجْھِیْ اس نے یہ کام میری رضا کے لیے نہیں کیا تھا۔ اور کچھ دوسرے ملائکہ کو آواز دی جاتی ہے اُکْتُبْ لِفُلَانٍ کَذَا وَکَذَا کہ فلاں بندے کے اعمال نامہ میں یہ یہ نیکی لکھ دے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے خداوند تعالیٰ اس بندے نے یہ نیک کام نہیں کیا اس لیے میں کیسے لکھوں اس پر رب العزت کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اس بندے نے قصد خیر اور ارادہ نیک کیا تھا۔

پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ نیک کام بے حد بے اندازہ ہیں اور مومن کی نیت ان تمام سے متعلق ہوتی ہے۔ اور بندہ بھی چاہتا ہے کہ سب سے نیت متعلق ہو۔ مگر ایک عمل سب اعمال سے متعلق نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے نیت کے ثواب کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اور خیرات و طاعات بندے کی نیت میں محدود نہیں ہوتے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نیت الکافر شر من عملہ یعنی کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوگی۔ کہ تمام معاصی میں اس کی نیت کار فرما ہوگی اور اس کے اعمال بہرحال محدود ہوں گے۔ نیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے۔ ابیات

۱	چوں نباشد پاک اعمال از ریا	ہست بے حاصل چوں نقش بوریا
۲	ہر کہ را اندر عمل اخلاص نیست	در جہاں از بندگانِ خاص نیست
۳	ہر کہ را کار از برائے حق بود	کار او پیوستہ بارونق بود
۴	پاک گردانی عمل را از ریا	شمع ایمانِ ترا باشد ضیاء

ترجمہ اشعار:۔ ۱۔ جب اعمال ریا و نمائش سے پاک نہ ہوں تو وہ ٹاٹ پر بنی ہوئی محض ایک بے جان تصویر کی طرح ہیں۔

(۲) جس شخص کے عمل میں اخلاص نہیں ہے وہ جہاں میں اللہ تعالیٰ کے بندگان خاص میں سے نہیں ہے۔

(۳)۔ جس شخص کا کام رضائے حق تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا کام ہمیشہ بارونق رہتا ہے۔

(۴) اپنے عمل کو ریا اور نمائش سے پاک کر تاکہ تیری شمع ایمانی کو ضیا اور روشنی حاصل ہو۔

وباللہ التوفیق

کتاب الایمان

شرع شریف کے عرف میں ایمان وہ سب کچھ تسلیم کر لینے اور اس پر اعتقاد و یقین کر لینے سے عبارت ہے جیسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے لائے اور اس کے بندوں کو پہنچایا، اور جس کا خدا تعالیٰ کی طرف سے لانا یقین کے ساتھ معلوم ہو چکا ہو، یہ تسلیم و اعتقاد خواہ اجمالی طور پر ہو جیسے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے وہ سب حق اور سچ ہے۔ یا یہ تسلیم و اعتقاد تفصیلا ہو۔ جیسے ہر ہر حکم جو آپ نے کیا اور ہر چیز جو آپ لائے، سب کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا۔ مومن ہونے کے لیے ایمان اجمالی کافی ہے۔ تاہم ایمانِ تفصیلی کا درجہ اتم اور اکمل ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی کی صرف صداقت کا علم ہو جانا اور حق کا پہچان لینا مومن ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ مرتبہ تصدیق تک جس سے مراد یہاں اذعان و تسلیم ہے اور فارسی میں گرویدن کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، نہ پہنچے اور باطن اس کے اقرار سے آرام پذیر نہ ہو جائے۔ تاکہ اہل تکبر و عناد کا حال، جو دیدہ دانستہ کفر و انکار کی راہ پر چلتے اور معرفت حق اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے سے واقف اور آگاہ ہونے کے باوجود کفر اختیار کرتے ہیں، ایمان کی تعریف سے خارج ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا:۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ — ان کے دلوں کو یقین ہوتے ہوئے انہوں نے جان بوجھ کر انکار کیا۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۔ — یہ منکر حضور علیہ السلام کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو۔

اور حقیقت ایمان یہی تصدیق قلبی ہے۔ زبان سے اقرار احکام اسلامی کے اجراء کی صرف شرط ہے:۔ اگر اقرار باللسان میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ جیسے گونگا پن یا کلمہ کفر کہنے پر مجبور کرنا۔ یا وہ شخص جو ابھی دل سے صرف ایمان ہی لایا تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہاں ایمان کی تشریح کے مقام میں تصدیق و اقرار کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور بھی ہے۔ جسے شارع علیہ السلام نے کفر کا نشان اور علامت قرار دیا ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا اور زنار باندھنا وغیرہ۔ کہ ان امور کا مرتکب بھی حکم شرع کے مطابق کافر ہوگا۔ اگرچہ بالفرض تصدیق و اقرار کا مدعی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا عمل صالح تو وہ حقیقت ایمان سے خارج ہے بلکہ

کمالِ ایمان کی شرط ہے۔ ایمان ہو اور عمل نہ ہو تو وہ ناقص ایمان ہوگا۔ تاہم ایمان کا نام اس پر بھی اطلاق ہوگا۔ ایسا شخص اگر معصیت و گناہ کو ہلکا اور حلال نہ جانتا ہو۔ چاہے گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو تو اسے مومن فاسق کہیں گے۔ اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے۔ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ وہ فاسق کو مومن کہتے تھے۔ اس پر اسلامی احکام جاری کرتے تھے۔ اور ایسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے تھے۔ بعض صحابۂ کرام، تابعین عظام اور دوسرے حضرات سے جو منقول ہے کہ الایمان تصدیق بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یعنی ایمان تصدیق قلبی زبان کے اقرار اور اعضا کے عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ تو اس سے ایمان کامل مراد ہے دلائل مذکورہ اور محققین کی تصریح کے مطابق اسی پر محمول ہے وہ کلام جو اس بارے میں محدثین سے منقول ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی عبارتوں کے ظاہر معنی اس کے خلاف وہم ڈالتے ہیں بعض اکابر متکلمین نے بھی سلف کے مذکورہ قول کو ظاہری معنی پر حمل کر دیا اور اس قول کی نسبت سلف اور محدثین کی طرف کر دی جیسے صاحب مواقف وغیرہ۔ مگر تحقیقی بات وہی ہے جو بیان کر دی گئی ہے۔ فتدبر یہ مقام غور ہے۔ و باللہ التوفیق۔

اور خوارج گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اور معتزلہ ایسے شخص کو نہ کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ ایمان و کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ اولین بدعت ہے جو عقائد میں پیدا ہوئی۔ یہ لوگ بعض آیات و احادیث کے ظاہر معنی سے استدلال کرتے ہیں اور ان آیات احادیث کی جو مذہب اہل سنت و جماعت کی دلیل ہیں تاویل کرتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ آیات و احادیث کا مرادی معنی وہی ہے جو ائمہ سلف صالحین نے سمجھا کہ وہ حضرات دین کے زبان داں اور قرائن و مواقع استعمال کے عالم ہونے کی بنا پر شریعت حقہ کے مراد شناس ہیں۔ اگرچہ ظاہری معنی اس کے خلاف ہی محسوس ہوتا ہو۔ اور یہ چیز نصوص کے سمجھنے اور مراد کی تعیین کے بارے میں بہت بڑا اور جامع ضابطہ ہے۔ بدعتی شخص کی کجی اور اس کی لغزش اسی جگہ وجود میں آتی ہے۔ اور عصمت و توفیق اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی کتاب کی ابتدا میں حدیث انما الاعمال بالنیات لائے جو تمام طاعات و عبادات کی بنیاد ہے اسی طرح کتاب الایمان کے ابتدا میں وہ حدیث لائے جو دین کے اصول و فروع پر مشتمل ہے اور اسے حدیث جبریل کہتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ اس حدیث کو ام الاحادیث اور ام الجوامع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مضامین کی جامع ہے۔ جو دوسری تمام احادیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ جس طرح فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ کو ام القرآن اور ام الکتاب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سورۃ قرآن عظیم کے تمام معانی اور مقاصد پر مشتمل ہے۔ اور آئندہ حدیث اس

حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ امام بخاری۔ امام مسلم اور دوسرے آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا یُرٰی عَلَیْہِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْہِ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَہٗ یَسْاَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک دن ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص ہم پر نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال سخت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح آکر بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے دونوں زانوں آپ کے زانوؤں سے ملا دیے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دیے اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ تو پابندی کے ساتھ مسنون طریقہ سے نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھے، اور طاقت و استطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ اس شخص نے (یہ سن کر) کہا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ہمیں اس کی بات سے تعجب ہوا کہ آپ سے سوال بھی کرتا ہے اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ (پھر اس

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِيْهِ وَاِذَا

نے کہا آپ مجھے ایمان کے متعلق بھی بتائیں (کہ وہ کیا ہے) آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں اور رسولوں پر اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اس کی اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔ اس نے کہا آپ نے درست فرمایا ہے۔ (پھر) اس نے عرض کیا مجھے احسان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا احسان (کا اعلیٰ مرتبہ) یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا اُسے دیکھ رہا ہے (اور احسان کا کم درجہ) یہ ہے کہ اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو (کم از کم تیرا یہ یقین ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے (پھر) سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں مجھے بتائیں کہ (کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ (اس پر) اس نے کہا مجھے اس کی علامات ہی بتائیے۔ آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ لونڈی اپنا مالک (مربی) جنے گی اور یہ کہ تو دیکھے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم، بکریاں چرانے والے اور تنگ دست لوگوں کی مالی حالت یہ ہو جائے گی کہ وہ مکانات کی تعمیر و آرائش میں فخر و تکبر کے طور پر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر وہ شخص چلا گیا۔ اور میں اس کے جانے کے بعد کافی دیر خاموش رہا۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھے فرمایا اے عمر جانتا ہے کہ یہ سائل کون تھا میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بیشک وہ جبرئیل تھا تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آیا تھا اسے

وَرَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِیْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ
متفق علیہ -

مسلم نے روایت کیا - اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کچھ مختلف الفاظ سے یہ حدیث روایت کی ہے - اس میں اس طرح ہے" اور تو دیکھے گا ننگے پاؤں ننگے جسم بہرے اور گونگے لوگوں کو زمین کے بادشاہ (قیامت کا علم) ان پانچ علوم میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الخ (یعنی سورۃ لقمان کی آخری آیت پڑھی) یہ حدیث متفق علیہ ہے -

شرح فصل اول :- (عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال) روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے کہ آپ نے فرمایا (بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس اثنا میں کہ ہم لوگ یعنی صحابہ رض کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (ذات یوم) ایک روز (طلع علینا رجل) کہ ایک نہایت حسین اور نہ رنگ شخصیت کا مرد ہمارے سامنے اچانک نمودار اور ظاہر ہوا جیسے سورج یا چاند نمودار ہوتا ہے - (شدید بیاض الثیاب) جس کے کپڑے نہایت سفید (شدید سواد الشعر) اور بال نہایت سیاہ تھے - شعر بسکون عین اور فتح عین دونوں طرح استعمال ہوتا ہے - (لا یری علیہ اثر السفر) اس پر سفر کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا تھا - جیسے گرد و غبار ، بالوں کی آلودگی ، تھکاوٹ ، چہرے کی رنگت میں تبدیلی ، اور سستی و کمزوری وغیرہ ، گویا وہ مرد ہمارے ہی شہر میں سے کسی جگہ سے آیا تھا - (ولا یعرفہ منا احد) اور حالت یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا - یعنی حقیقت میں وہ ہمارے شہر کا باشندہ نہیں تھا اگر ہمارے شہر کا ہوتا تو ہم اسے پہچان لیتے - (حتی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تک کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نزدیک آکر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف (ادبا) جھک کر اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کی خدمت میں اس طرح بیٹھ گیا جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے - (فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ) تو اس شخص نے اپنے دونوں زانوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوؤں کے ساتھ ملا دیے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بہت زیادہ قریب ہو گیا تاکہ دونوں طرف سے سوال و جواب سننے میں آسانی ہو - اور کمال محبت و دوستی اور موانست کی بنا پر جو دونوں میں تھی (ووضع کفیہ علی فخذیہ) اور اپنے دونوں ہاتھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دونوں ران مبارک پر حضور کی تسکین و تسلی کے لیے رکھ دیے تاکہ گفتگو اور فہم و افہام کے دوران آپ کا ذہن مبارک حاضر و متوجہ رہے - یا اس آنے والے شخص نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر اس طرح ادب و احترام کے ساتھ رکھے جس طرح شاگردوں کی رسم و

عادت ہوتی ہے۔ یہ دوسرا معنی جبرئیل کے خدمت میں حاضر ہونے، آپ کے قریب ہونے اور متعلم و شاگرد کی طرح حضور کی خدمت میں بیٹھنے کے اعتبار سے بظاہر زیادہ مناسب ہے۔ تاہم پہلا درجہ راجح اور افضل ہے، کیونکہ نسائی میں صراحۃً آچکا ہے کہ حتی وضع یدیہ علی رکبتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنے دونوں ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔ اور حضرت جبرئیل بظاہر اگرچہ سائل اور متعلم کی صورت میں حاضر ہوئے تھے۔ مگر حقیقۃً خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف معلم اور علم القاء کرنے آئے تھے۔ اور حاضرین کو تعلیم اور دینی احکام سنانے آئے تھے۔ جیسا کہ حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف تعلیم دینے کی نسبت قرآن مجید میں بھی آچکی ہے، جیسا کہ (سورۃ النجم میں) فرمایا۔ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ اسے بڑی قوتوں والے بڑے زور والے نے علم سکھایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (وقال یا محمد اخبرنی عن الاسلام) اور اس آنے والے مرد نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کی حقیقت بتائیے کہ وہ کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے جواب میں فرمایا۔ (الاسلام ان تشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ) اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تو اس امر کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور اس بات کی بھی شہادت دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے احکام کی تبلیغ کے لیے اس کی طرف سے لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

لغت میں اسلام انقیاد (اطاعت گزاری) فرمانبرداری اور خوشی و رغبت سے جھک جانے اور کسی قسم کی سرکشی اور اعراض کے بغیر کسی کا حکم تسلیم کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ اور شرع شریف کے عرف میں اسلام فرمانبرداری۔ احکام الٰہی کی اطاعت اور دین اسلام کے پانچ ارکان جو آگے بیان ہوں گے، کے بجالانے سے عبارت ہے۔ تو اسلام ظاہری اعمال اور ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے۔ اور دین مجموعہ اسلام و ایمان سے عبارت ہے۔ اور عقائد میں جو مذکور ہے۔ کہ اسلام و ایمان ایک ہی چیز ہے اس کا معنی یہ ہے۔ کہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے اور ہر مسلم مومن۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نام کی مسلمان سے نفی نہیں کی جا سکتی۔ تاہم حقیقتاً اسلام ایمان کا ثمرہ اور اسی کی فرع ہے۔ علمائے کرام نے اس مسئلے میں بہت گفتگو فرمائی ہے۔ مگر تحقیق یہی ہے جو اس مقام پر بیان کر دی گئی ہے۔ تو اسلام کا پہلا رکن خدائے تعالیٰ و تقدس کی وحدانیت اور رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت و گواہی دینا ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلمہ شہادت کا زبان سے ادا کرنا اسلام کی شرط ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اگر اس کی شہادت نہ دے۔ یا کلمہ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) کی جگہ کلمہ اعلم (میں جانتا ہوں) زبان سے ادا کرے۔ تو مسلمان نہ ہوگا۔ لیکن اس بات کا دین میں سے ہونا واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے، کہ اگر کوئی شخص صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے تو وہ

مسلمان کہلائے گا۔مگر جبکہ احادیث میں لفظِ اَشْہَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) واقع ہو چکا ہے۔تو اس لفظ کا ادا کرنا ہی زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہے۔جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔

اسلام کے ارکان میں سے دوسرا رکن نماز ہے۔جیسا کہ فرمایا وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ اور تو نماز قائم کرے۔اور اقامت صلوٰۃ سے اُسے صحیح و درست اور تعدیل ارکان اس کی پوری شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور سنتوں اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا مراد ہے۔اور اقامت کا لفظ تقویم سے مشتق ہے۔جس کا معنیٰ درست اور سیدھا کرنے کا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔اَقَامَ الْعُوْدَ (اس نے ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کر دیا۔یا اقامت سے نماز کو ہمیشہ اور پابندی سے ادا کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا مراد ہے۔اس صورت میں اقامت مقیم ہونے کے معنیٰ میں ہوگا۔یا اقامت کا لفظ قیام سوق سے لیا گیا ہے۔جس کے معنیٰ بازار کے چل پڑنے اور گرم ہو جانے کے ہیں۔

اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔جیسا کہ فرمایا (وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ) اور زکوٰۃ دے۔لغت میں زکوٰۃ کا معنیٰ بڑھنا اور پاک کرنا ہے۔اور زکوٰۃ کا ادا کرنا۔بڑھنے۔مال کے زیادہ ہونے۔اس میں برکت پیدا ہونے کا سبب اور مال کے پاک ہونے۔اور صاحب مال کے بخل و کنجوسی کی بدخصلت سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔اور لفظ زکوٰۃ تزکیہ شہود (گواہوں کی صفائی پیش کرنا) سے مشتق ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔مطلب یہ ہوگا۔کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنے ایمان کی صحت اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ دعویٰ محبت میں سچا ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

چوتھا رکن رمضان شریف کے روزے رکھنا ہے۔جیسا کہ فرمایا۔(وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ) اور تو ماہ رمضان کے روزے رکھے۔لفظ صوم لغت میں روکنے اور حفاظت کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔اور شرع میں نفس کو کھانے پینے اور جماع سے روک رکھنے سے عبارت ہے۔اور بعض علماء کے نزدیک جن میں سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہے۔ زبان کو روزے کی حالت میں کھانے پینے اور جماع کی طرح غیبت سے روکنا بھی ضروری ہے۔ان حضرات کے نزدیک غیبت روزے کو توڑ دینے والی چیز ہے۔کامل روزہ یہ ہے۔کہ تمام اعضاء اور حواس کو غیر شرع باتوں سے روک کر رکھا جائے۔رمضان رَمَضٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ گرم کرنا اور جلانا ہے۔چونکہ روزے میں نفس کو جلایا اور پگلایا جاتا ہے۔اس مناسبت اور تعلق سے روزوں کے مہینے کا نام ماہ رمضان رکھا گیا۔لیکن یہ توجیہ اس صورت میں درست ہوگی۔ جبکہ لفظ رمضان شرعی وضعوں میں سے ہو اور کچھ لوگ کہتے ہیں۔کہ عربوں نے جب مہینوں کے نام مقرر کیے۔اس وقت گرم ہوا اور گرمی کا موسم تھا۔اس لیے گرمی والے مہینے کا نام رمضان رکھ دیا۔واللہ اعلم۔

(وَتَحُجَّ الْبَیْتَ) اسلام کے ارکان میں سے پانچواں رکن یہ ہے۔کہ تو خانہ کعبہ کا ارادہ کرے اور حج کے احکام و منا

ادا کرے۔ (ان استطعت الیہ سبیلا) اگر تجھے اس تک پہنچنے اور راستہ پانے کی طاقت و استطاعت ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک استطاعت دو چیزوں سے عبارت ہے۔ سفر خرچ اور سواری۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس شخص پر بھی حج فرض ہے۔ جو پیدل چل کر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور راستے کا پُر امن ہونا بھی استطاعت میں داخل ہے۔ مگر اس باب میں اعتبار غالب حالت کا ہے۔ اس بنا پر راستے میں دریا کا واقع ہونا۔ امن کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ غالب یہی ہے۔ کہ موسم حج میں سلامتی کے ساتھ ہی اس سے گزر جائے گا۔ صحابہ کرام نے جہاد کے لیے کشتی میں سفر کیا ہے۔ لہذا حج کے لیے بھی کشتی میں سفر کرنا جائز ہوگا۔ اور فرضیت حج کو ذمہ سے ساقط نہ کرے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔ کہ افضل شہید وہ ہے۔ جو کشتی میں ڈوب کر مرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ ڈوب کر مرنے والوں کی جان اللہ تعالیٰ براہ راست خود قبض فرماتا ہے۔ فرشتوں کے ذریعے قبض نہیں فرماتا۔ قال جب حضور علیہ السلام نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ تو اس شخص نے کہا صَدَقْتَ یعنی آپ نے حقیقت اسلام ٹھیک ٹھیک بیان فرمادی ہے۔ کیونکہ اسلام کی حقیقت یہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی۔ (فعجبنا لہ یسالہ ویصدقہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں اس شخص کے حال سے تعجب ہوا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ کیونکہ پوچھنا اور دریافت کرنا بظاہر جہالت اور نادانی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن حضور کی بیان کردہ عبارت کی تصدیق کرنا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسے اس کا علم ہے۔ تاہم فی الحقیقت یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں تھی۔ کیونکہ وہ مرد حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ جو صحابہ کرام کو دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ تاکہ جبرئیل علیہ السلام پوچھتے جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب ارشاد فرماتے جائیں اور صحابہ کرام سنتے جائیں۔ اور دوبارہ دین کی باتیں یاد کرلیں۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پاک کے آخری ایام کا واقعہ ہے۔

(قال فاخبرنی عن الایمان) پھر اس شخص نے کہا۔ جس طرح آپ نے اسلام کا معنی و حقیقت بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح مجھے ایمان کی حقیقت بھی بتائیں۔ کہ کیا ہے (قال) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان تومن باللہ) ایمان کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تو خدائے تعالیٰ کی ذات۔ اس کی ثبوتی اور سلبی صفات اور اس کی تنزیہہ و تقدیس پر ایمان لائے اور اسے تمام عیوب ونقائص اور حدوث و فنا کے نشانات سے پاک جانے (وملئکتہ) اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ نوری جسم کی ایک مخلوق ہے۔ جو مختلف شکلیں تبدیل کرنے کی قدرت رکھتی ہے اور وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرسکتے اور اس کے اذن و اجازت سے جہاں میں تصرف[1] کرنے کی طاقت رکھتے

[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جہاں میں تصرف کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ تصرف کی یہ طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے

ہیں۔ اور نہ وہ مادہ ہونے کی صفت سے موصوف نہیں ہیں فرشتوں کی باقی صفات کتاب وسنت میں آچکی ہیں۔

(وَکُتُبِہٖ) اور یہ کہ تو خدائے تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ کلام قدیم ہے جو حرف و آواز سے خالی ہے۔ ان کتابوں کو خدائے تعالیٰ نے تختیوں یا فرشتوں کی زبانوں میں حروف و آواز ایجاد کرکے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمایا۔ یا فرشتے کے واسطہ کے بغیر ہی پردے کے پیچھے سے وہ آواز سنی جاتی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابیں خدائے تعالیٰ کا سچا اور ثابت کلام ہے۔ اور قرآن مجید فصاحت اور جامعیت کی حیثیت سے سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ آسمانی کتابیں تعداد میں ایک سو چار ہیں۔ ان میں سے پچاس حضرت شیث پر تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت آدم پر اور دس حضرت ابراہیم علیہم السلام پر نازل ہوئیں باقی چار مشہور کتابیں ہیں۔ یعنی توراۃ۔ زبور۔ انجیل اور قرآن مجید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(وَرُسُلِہٖ) اور یہ کہ تو مخلوق کی ہدایت، ان کے معاشی، دُنیوی اور اُخروی مسائل و احکام کی تکمیل کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات اور صداقت کے نشانات سے مؤید کرکے بھیجا۔ اصل نبوت میں فرق کیے بغیر ان سب پر ایمان لانا لازم اور ضروری ہے۔ ان کا ادب و احترام بھی واجب اور ضروری ہے۔ نیز نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد انہیں ہر قسم کے گناہوں اور ہر قسم کے نقص و عیب کے داغ سے پاک جاننا ضروری ہے۔ یہی علماء کا پسندیدہ اور مختار مذہب ہے۔

بعض مفسرین اور اہل قصص و اخبار نے جو بعض انبیاء کے بارے میں جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد علیہم السلام کے متعلق ان کی شان نبوت کے خلاف باتیں نقل کی ہیں، صحیح اور درست نہیں ہیں۔ اور اگر ہیں تو خطا اور نسیان پر مبنی ہیں۔ اور صحیح یہ ہے۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پیغمبر نہیں تھے۔ اور قرآن مجید میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان و نافرمانی کی نسبت کی اور ان پر عتاب فرمایا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے خدائے تعالیٰ کے مقرب ہونے اور ان کی بلندیٔ شان پر مبنی ہے۔ اور مالک کو حق پہنچتا ہے۔ کہ اولیٰ و افضل چیز کے ترک کرنے پر اگرچہ وہ معصیت کی حد تک نہ پہنچے۔ اپنے بندے کو جو کچھ چاہے کہے۔ اور عتاب کرے۔ دوسرے کسی کو بھی کچھ کہنے کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔۔ اولیاء کو بھی عطا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اس کی تصریح کی ہے۔ جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مکتوبات امام ربانی حجۃ اللہ البالغہ تالیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور کتاب الامن والعلی تصنیف اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کا مطالعہ فرمائیں ۱۲۔

مجال نہیں ہے۔ یہ نہایت ادب کا مقام ہے۔ جس کا لحاظ ضروری ہے۔ اور وہ ادب یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو اس کی درگاہ کے مقرب ہیں۔ عتاب نازل ہو یا ان کی طرف خطا کی نسبت کی گئی ہو۔ یا خود ان انبیا کی طرف سے جو کہ اس کے خاص بندے ہیں۔ تواضع، عاجزی اور انکساری کی بات صادر ہو۔ جس سے ان میں نقص و عیب کا وہم پڑتا ہو۔ تو ہم بندوں کو اس میں دخل دینے یا اسے زبان پر لانے کی ہرگز اجازت نہیں۔ حضور سیدا انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ مرتبہ الوہیت اور اس کی صفات کے علاوہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے۔ اور تمام بشری فضائل و کمالات سے موصوف ہیں۔ اور ہر خوبی اور کمال آپ کی ذات میں راسخ اور کامل طور پر موجود ہے۔ (وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) اور پچھلے دن پر ایمان لانے۔ جو محدود زمانوں کا آخری دن ہے۔ اور یوم آخر یا بعد الموت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے یا بہشت میں پہنچ جانے تک کے زمانۂ دراز سے عبارت ہے۔ روز قیامت پر ایمان لانے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو کچھ شارع علیہ السلام نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔ اور صحیح طور پر ہم تک پہنچ چکی ہے جیسے آخرت کے حالات عذاب قبر اور وہاں کی نعمتیں۔ قیامت کی علامات صور کا پھونکا جانا۔ بعث ونشر۔ حساب و میزان۔ پلصراط اور جنت و دوزخ سب حق ہیں۔ (وتومن بالقدر خیرہ وشرہ) اور اس بات پر ایمان لانے۔ کہ خدائے تعالیٰ ہر اچھی بری چیز کو ازل سے جانتا ہے۔ اور اسے ایک اندازے پر پیدا فرمایا اور جو کچھ کائنات میں واقع ہو چکا ہے یا ہوگا۔ سب اس کے قضا و قدر اور ارادہ کے مطابق ہے۔ جیسا کہ فرمایا انا کل شئ خلقناہ بقدر (بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا فرمایا ہے) اور اس نے تقدیر پیدا کرنے کے باوجود بندوں کو امر و نہی کا پابند بنایا ہے۔ اور بندوں کو فعل و کسب کا اختیار دیا ہے۔ اور ثواب و عقاب اس پر مرتب فرمائے۔ مگر حقیقتاً ثواب اس کا فضل اور عتاب و سزا اس کا عدل و انصاف ہے۔ اسباب کا پیدا کرنا اور اسباب کے ذریعے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں ان کا ترتیب دینا سب اس کی تقدیر سے ہے۔ یہ مسئلہ اور جو کچھ باب ایمان میں ذکر ہوا۔ علم کلام میں واضح اور مدلل طریقہ پر بیان ہو چکا ہے۔ ایمان بالقدر کے باب میں اس مقام کی تحقیق و تفصیل ان شاءاللہ تعالیٰ بیان کی جائے گی۔ طالب صادق کو چاہیئے کہ تقدیر کے اصل اور بنیادی مسائل کو بے قیل وقال اور بغیر بحث و مناظرہ کے تحصیل کرے اور شک و شبہ میں نہ پڑے۔ تقدیر سے متعلق جو کچھ ضروری مسائل ہیں۔ وہ ہم نے رسالہ تکمیل الایمان فی تقویۃ الایقان میں بیان کر دیے ہیں و باللہ التوفیق۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں ایمان سے متعلق سوال و جواب کا ذکر اسلام کے بارے میں سوال و جواب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ جو کہ ایمان اسلام کا [illegible] مقدم ہے۔ اس لیے جیسا کہ بیان ہوا۔ اس

کے پہلے آنے کی وجہ ظاہر ہے۔ اور اسلام کا ذکر ایمان سے پہلے آنے کی وجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کی بنا پر ہے۔ جس طرح ایمان کی تحقیق کے بعد احسان کا ذکر فرمایا۔ جو ایمان واسلام کا آخری درجہ اور مرتبہ تکمیل ہے۔ اور اعلیٰ مراتب و مقامات سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا (قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان) اس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ اب مجھے احسان کی حقیقت سے بھی آگاہ فرمائیں۔ چونکہ بہت سی آیات واحادیث میں احسان کا ذکر آیا ہے۔ اور اسے درجہ عالی پر رکھا اور مرتبہ کمال قرار دیا۔ اس لیے اسلام اور ایمان کا معنیٰ دریافت کرنے کے بعد اس نے احسان کی حقیقت کے بارے میں بھی سوال کر دیا۔ تاکہ دین کا کام مکمل اور پورے طور پر معلوم ہو جائے۔ احسان کا معنی نیکی کرنا ہے۔ اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ لوگوں سے نیکی کرنا یعنی انہیں انعام واکرام سے نوازنا۔ اور نیک عمل کرنا پورے کمال اور پوری درستی اور اچھائی کے ساتھ اور جیسا کہ چاہیئے اسے بجالانا۔ نیک عمل اس اچھائی اور عمدگی سے کرنا۔ گویا اپنی ذات کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ اور اس کے خلاف کسی عمل کا بجالانا اپنی ذات پر ظلم اور اپنے نفس کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے۔ احسان کا خلاصہ دراصل عبادت میں اخلاص اور حضور وخشوع ہے اور یہ اخلاص وخشوع درحقیقت شرط کمال بلکہ اسلام وایمان کی صحت کا نشان ہے۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت احسان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ) احسان خدائے تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرنے کا نام ہے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کا یہ حال ہوتا ہے وہ نہایت ہیبت وتعظیم اور احترام وخشوع خضوع اور حیاو شوق وذوق اور محبت وجذب کے مقام پہ فائز ہوگا۔ اور یہ مقام مشاہدہ اور دریائے شوق وحضور میں ڈوب جانے کا مقام ہے۔ اس سے نچلا درجہ مراقبے کا درجہ ہے۔ یعنی یہ اعتقاد ہونا۔ کہ خدائے تعالیٰ کی نگاہ مجھ پر پڑ رہی ہے۔ اور اس کا علم بندے کے حال کو شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا (فان لم تکن تراہ فانہ یراک) یعنی اگر تیری یہ حالت نہ ہو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ تو پھر اُس ذات پاک کی اس طرح عبادت کر کہ تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ اور وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس صورت میں بھی حرکات وسکنات میں خوف وخشیت اور احتیاط اور افعال وحالات اور ادب واحترام اور اطمینان میں ضبط ورعایت اور دائیں بائیں توجہ نہ بٹنے کی سعادت ضرور نصیب ہوگی۔ جس طرح کسی بادشاہ کی حضوری میں جب کوئی شخص موجود ہو۔ اور اسے پتہ ہو کہ بادشاہ میرے حالات کا مشاہدہ ان کی نگرانی اور ان کا معائنہ فرما رہا ہے۔ تو اس صورت میں وہ بے قید اور غافل ہونے کی جرأت نہ کرے گا۔ اور ترک ادب اس کے لیے مشکل ہوگا۔ اور وہ شخص جو اس حالت میں بادشاہ کو دیکھ بھی رہا ہو۔ اور اس کے جمال کا مشاہدہ بھی کر رہا ہو۔ اس کا حال کچھ اور ہی ہوگا۔ اور اس کی حضوری اور لذت کی کیفیت کچھ دوسری ہی ہوگی۔ جس

سے آگے کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا۔ اور سید العابدین و امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)۔ مقام اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور تمام عبادت گزاروں کے مقامات سے بالاتر اور کامل تر ہے۔ پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ مقامات ہیں۔ مختصر یہ کہ طاعت و عبادت کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا یہ کہ صرف اسی قدر عبادت بجالائے جو اس کے ذمے ہو۔ تاکہ اس پر قضا واجب نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے۔ کہ احکام و ارکان اور شرائط و آداب کو اس طرح بجالائے۔ کہ حصول رضا اور عظیم ثواب مرتب ہونے کا موجب بنے۔ اور اس کا باطن بھی ذوق عبادت و بندگی سے لبریز ہو۔ اور سب سے بلند ترمرتبہ یہ ہے۔ کہ مشاہدۂ معبود اور اس کی ذات اقدس کے حضور میں ڈوب جائے۔ اور نماز میں جو سب عبادتوں سے افضل اور تمام مقامات قرب سے اکمل مقام ہے۔ اس ذات اقدس تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑے ہو جانے کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ جس سے باطن نورانیت سے روشن و منور ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی کیفیت ہے جو صرف ذوق سے معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔

اس حدیث سے آخرت میں خداوند تعالیٰ کا دیدار اخذ ہو سکتا ہے۔ چونکہ دنیا میں جسمانی حجابات کی تہیں جم جانے کی بنا پر انسان اس کے دیدار سے محروم و محجوب ہے۔ جب یہ پردہ اٹھ جائے گا اور کانک تراہ (گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے) سے ترقی کرکے انک تراہ (بے شک تو اسے دیکھ رہا ہے) جیسا کہ آخرت میں واقع ہوگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ ستررون ربکم یوم القیمۃ الحدیث (عنقریب تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ اسی بنا پر حدیث رویت میں پہلی اور آخری نماز کی پابندی کرنے کی بطور خاص تاکید آئی ہے۔ کیونکہ جنت میں یہ اوقات خدائے تعالیٰ کو دیکھنے کے اوقات ہوں گے۔ یعنی تاکہ پابندی نماز کی برکت سے مشاہدہ ذات کا ملکہ پیدا ہو۔ اور آنکھ سے دیکھنے کی استعداد نصیب ہو۔ کہ بندے میں عالم آخرت میں قوت بصیرت پیدا کر دی جائے گی۔ قال صدقت اس نے کہا آپ نے درست فرمایا۔ احسان کا یہی معنی ہے جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔ فقہ۔ علم عقاید۔ اور علم تصوف و سلوک پر۔ اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرما دیے۔ اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے۔ تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت سے اشارات فرمائے ہیں۔ اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا تصوف اور علم عقائد و کلام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ وجود میں آسکتا ہے۔ اور تصوف فقہ کے بغیر بھی معرض وجود میں نہیں آسکتا۔

کیونکہ احکامات الٰہیہ کی فقہ کے بغیر شناخت نہیں ہو سکتی۔ اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے روح اور جسم کہ ایک دوسرے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

من تصوف و لم یتفقه فقد تزندق	جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ بے دینی کا شکار ہو گیا۔
و من تفقه و لم یتصوف فقد تفسق	اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف و فقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہو گیا۔
و من جمع بینهما فقد تحقق۔	اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ تحقیق کے مقام پر فائز ہو گیا۔

کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے۔ توفیق خیر اللہ کریم و برتر ہی عطا فرمانے والا ہے۔

جب دین کے احکام اور قرب و یقین کے مقامات سب کا بیان ہو چکا تو اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے اس کے علامات و نشانات کا بیان فرمایا۔ تاکہ عبادت کی پابندی کرنے اور کمال حاصل کرنے پر تنبیہ اور اس کا باعث و ذریعہ بنے۔ چنانچہ فرمایا (قال فاخبرنی عن الساعۃ) جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام اسلام ایمان اور احسان کا بیان فرما چکے تو اس شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے وقت قیامت کی بھی خبر دیجئے کہ کب قائم ہو گی۔ قیامت کو ساعت (ایک گھڑی) اس کے لمبا ہونے کے باوجود اس بنا پہ کہتے ہیں۔ کہ اس کا قیام یکایک ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس بنا پر کہ اس کے لمبا اور دراز ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک گھڑی کی طرح ہے۔ ساعت لغت میں غیر معین اور غیر محدود زمانہ کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اور اہل حساب و نجوم کی اصطلاح میں رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹے کو ساعت کہا جاتا ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما المسئول عنها باعلم من السائل) قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ یعنی میں اس بارے میں تجھ سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ یعنی میں اور تو اس کے نہ جاننے[1] میں دونوں برابر ہیں۔ بلکہ ہر پوچھنے والے اور جس سے پوچھا جائے، کا یہی حال ہے۔ کیونکہ اسے خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس نے ملائکہ اور رسولوں میں سے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی۔ (قال فاخبرنی عن اماراتها) اس نے کہا۔ اگر آپ کو اس کے معین وقت کا علم نہیں تو مجھے قیامت کی

---

[1] حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات فرمانے سے پہلے پہلے آپ کو عین قیامت کے وقت کا علم بھی دے دیا گیا۔ عارف باللہ علامہ احمد الصاوی المالکی نے اپنی تفسیر قرآن میں متعدد جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامات ونشانات سے آگاہ فرمائیں (قال ان تلد الامۃ ربتھا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک ومربی کو جنم دے گی۔ اس عبارت کی تاویل اور بیان مراد میں شارحین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ لونڈیوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اور لونڈیوں سے پیدا ہونے والوں کی حیثیت اپنے باپوں کی نسبت سے اپنی ماں کے لیے مولا اور سردار اور مالک کی طرح ہو گی۔ یا اس اعتبار سے کہ آدمی کا مال ومتاع موت کے بعد اولاد کے قبضہ وملک میں چلا جاتا ہے۔ یا والد کی زندگی ہی میں اس کی واضح تصریح یا اشارۃً یا عرف وعادت کی بنا پر اولاد کے تصرف واستعمال میں آ جاتا ہے۔ اس امر کا قیامت کی علامت ہونا اس بنا پر ہو گا کہ خوشحالی، ناز ونعمت، زندگی اور معیشت کے اسباب وآلات میں دائرۂ اعتدال ومیانہ روی سے تجاوز کر جائیں گے جس کی بنا پر لوگوں کے حالات وانتظام زندگی میں خلل وفساد پیدا ہو جائے گا۔ یا اس بنا پر یہ بات فرمائی۔ کہ بڑی کثرت سے جہاد کے مواقع پیدا ہوں گے اور بہت سے لوگ گرفتار اور قیدی بنیں گے۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس دوران کچھ اولاد اپنی ماؤں کو قید کر لیں اور گرفتار کر کے اپنے پاس لے آئیں اور ان کے مالک بنیں۔ پھر اگر یہ بات معلوم نہ ہو سکے۔ کہ یہ ان کی مائیں ہیں۔ تو وہ عورتیں ہمیشہ ان کی ملکیت میں رہیں گی۔ اور اگر ان عورتوں کے غلام بننے کے بعد معلوم ہو جائے کہ یہ فی الحقیقت گرفتار کرنے والوں کی مائیں ہیں۔ تو وہ آزاد ہو جائیں گی۔ یا آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ جہاد کا کثرت سے واقع ہونا بلاد کفر پر مسلمانوں کے غلبے اور تسلط اور اسلام کی مضبوطی اور اس کے کمال کا باعث ہو گا۔ اور چونکہ ہر کمال کے لیے زوال ہے۔ اس مخبر صادق اور لوگوں کو ڈرانے والے پیغمبر نے اسلامی حکومت واقتدار کے ختم اور منقطع ہونے کی خبر دے دی جو قیامت کے قائم ہونے کی علامت ہے۔ یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اولاد میں اپنی ماؤں کی بے ادبی اور ان کی نافرمانی اس حد تک بڑھ جائے گی کہ وہ اپنی ماؤں کو اپنی لونڈیوں کی طرح سمجھنے لگیں گے۔ اور ان کے ساتھ مالکوں اور آقاؤں جیسا سلوک کریں گے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ جہاد کی کثرت اور بلاد کفر پر قبضہ وتسلط تو اسلام کے دور اول میں تھا۔ اور ظاہر یہ ہے۔ کہ علامات قیامت آخر زمانے میں پیدا ہوں گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور اسلامی تک کے زمانے کی نسبت سے اسلام کا ابتدائی زمانہ بھی آخری زمانہ ہی ہے۔ لہٰذا اگر اسلام کے ابتدائی دور میں بھی قیامت کی کچھ علامات ظاہر ہو جائیں۔ تو کوئی دور اور بعید نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ آخر زمانہ میں جہاد اور غلبہ بہت زیادہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض علمائے کرام اس عبارت کی تشریح میں یوں فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں احکام کی رعایت اور حلال وحرام میں

خلط ملط کے بارے میں لوگوں کے حالات میں فساد و بگاڑ پیدا ہو جانے کی بنا پر لوگ اپنی ماؤں تک کی خرید و فروخت شروع کر دیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ چیزوں کے کثرت کے ساتھ لوگوں کے ہاتھوں میں ادل بدل ہونے اور خریداروں کے ہاتھوں میں گھومنے کی وجہ سے مائیں بکتی بکاتی اپنی اولاد کے ہاتھوں میں آ پہنچیں اور تلد الامۃ ربتہا (لونڈی اپنے مالک و مربی کو جنم دے گی) کا مضمون سچا ہو جائے۔

بعض علماء اس جملے کی توجیہہ میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ یہ جملہ اس بات سے کنایہ ہے۔ کہ ایسا وقت آئے گا۔ کہ عورتیں بادشاہوں اور امراء کو جنم دیں گی۔ اور ان کی مائیں ان کی رعایا میں شامل ہوں گی اور وہ امراء اور بادشاہ ان کے سرپرست و مربی اور حاکم ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیش گوئی بھی آخر زمانہ میں پوری ہو چکی ہے۔ خصوصاً خلفائے بنی عباس کے دورِ حکومت میں اور دوسرے رؤسا اور اکابر کے زمانہ میں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ربتہا بتائے تانیث کیوں فرمایا گیا (ربہا) کا لفظ کیوں نہیں لایا گیا۔ حالانکہ گزشتہ بیان میں اس جملے کی جو تاویلات اور توجیہات بیان ہوئی ہیں وہ مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کا موصوف یا لفظ نفس یا نسمہ ہے۔ جو مؤنث ہے اور اس کا معنی ذکور و اُناث دونوں کو شامل ہے۔ اور اس بنا پر بھی لفظ رب استعمال نہ فرمایا کہ یہ لفظ عموماً ذات پروردگار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی عظمت اور بزرگی شان کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے گریز کیا گیا۔ اگرچہ اضافت کے ساتھ رب کا اطلاق غیر حق کے لیے بھی آیا ہے۔ یا ربتہا سے مراد بیٹی ہے۔ اور جب کہ اس کے لیے یہی لفظ درست تھا اس بنا پر ربتہا کا لفظ لایا گیا۔

اور ایک روایت میں ربتہا کے بجائے بعلہا کا لفظ آیا ہے۔ اور بعل مربی و سردار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور اگر بعل بمعنی خاوند ہو تو بھی بعض مذکورہ توجیہات کے مطابق درست ہے جیسے کوئی شخص کفار کی گرفتار کردہ لونڈی اپنے تصرف و ملک میں لائے اور اسے جو واقع میں اس کی ماں ہو، نادانستہ طور پر اپنے نکاح میں لائے۔ اور اس سے صحبت کرے۔ یا ابتدائے اسلام میں لوگ لونڈی کے ساتھ وطی اور صحبت کرنے سے نفرت اور انکار کرتے تھے۔ اور آزاد عورتوں سے نکاح اور وطی کرنے کی رغبت رکھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء) علامات قیامت میں سے دوسری علامت یہ ہے۔ کہ اے مخاطب تو دیکھے گا ننگے پاؤں، ننگے جسم، تنگ دست۔ بکریاں چرانے والوں کو یعنی فقیر بے نوا لوگوں کو اس حالت و کیفیت میں پائے گا۔ کہ (یتطاولون فی البنیان) مکانات کے تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر فخر و تکبر کریں گے۔ یعنی محتاج اور جنگلات میں رہنے والے لوگ جو ہمیشہ فکر و فاقہ اور ذلت کی حالت میں بیابانوں و صحراؤں میں گزارتے ہیں۔ اور بھیڑ بکریاں جو اہل عرب

کے نزدیک گھٹیا درجے کا مال ہے۔ چراتے ہیں۔ ایسے لوگ معزز و معتبر حیثیت اختیار کرلیں گے اور شہروں میں سکونت پذیر ہو جائیں گے اور اونچے اونچے محلات تعمیر کریں گے۔ اور ایک دوسرے پر فخر و تکبر کریں گے۔ یہ بھی قیامت کی علامت ونشان ہوگا۔ جو آخر زمانے میں ظاہر و نمودار ہوگا کہ یہ حالت جہان کی بے انتظامی اور خلل کا موجب بنے گی۔ کیونکہ اس طرح رذیل اور گھٹیا اور جاہل لوگوں کی عزت و عظمت ہوگی۔ اور بلند مرتبہ لوگوں و اکابر اور علماء کی اہانت و حقارت کا سبب بنے گی۔

منقول ہے۔ کہ ذوالقرنین نے اپنے دور حکومت میں تمام لوگوں کو ان کے ایسے پیشوں وصنعتوں میں لگا دیا جو ان کے آباؤ اجداد کے مناسب حال تھا اور کسی کو بھی اس میں رد و بدل کی اجازت نہ دی۔ یہی اس کے دور حکومت میں لوگوں کے امن و امان ان کی سلامتی۔ اور ان کے نظم و ضبط سے رہنے کا باعث بنی۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دنیا کے بدبخت اور بے عقل لوگ سب سے زیادہ دولت مند اور خوشحال نہ ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ نیک پست اور ذلیل سمجھے جائیں گے۔ اور برے لوگ بلند اور غالب ہو جائیں گے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ قیامت کی چھوٹی اور بڑی بہت سی علامات ہیں جیسا کہ باب علامات قیامت میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ لیکن یہاں شاید تقاضۂ مقام کی بنا پر صرف دو علامتیں بیان کرنے پر کفایت فرمائی۔ واللہ اعلم۔ (قال) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ثم انطلق) اس شخص نے یہ سوالات کیے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جوابات سے اس کے بعد چلا گیا۔ (فلبثت ملیا) اس پر میں کافی دیر ٹھہرا رہا۔ یعنی میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کیا کہ یہ مرد کون تھا۔ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ملیاً سے ساعت طویلہ مراد ہے۔ یعنی وقت کی درازی اور کمی ایک نسبی امر ہے۔ اس قسم کے عجیب و غریب قصہ میں اقتضائے حال اور مقتضائے طبیعت تو یہ تھا کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کرنے میں جلدی کی جاتی۔ ایسے موقعہ پر تھوڑی دیر صبر کرنا کثیر و طویل محسوس ہوتا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب پشت پھیر کر وہ مرد چلا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسے واپس لاؤ۔ لوگ واپس لانے کے لیے اس کے تعاقب میں گئے مگر وہ نہ ملا (ثم قال لی) پھر مجھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر (اتدری من السائل) تجھے علم ہے کہ سوالات کرنے والا آدمی کون تھا (قلت) میں نے عرض کی (اللہ و رسولہ اعلم) اللہ اور اس کا رسول اسے بہتر جانتا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طریقہ تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات پوچھتے تو جواب میں اللہ و رسولہ اعلم کہا کرتے تھے۔ اور اس طرح ادب و دانش کا ثبوت دیتے (قال ھذا جبریل)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سوالات کرنے والا یہ شخص جبرئیل فرشتہ تھا۔ جبرئیل سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی عبداللہ ہے (اتاکم یعلمکم دینکم) تمہارے پاس آیا تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائے۔ اس مقام پر فوا عدوا حکام اسلامی اور تعلیم کی نسبت جو حضرت جبرئیل کی طرف کی گئی اس بنا پر تھی کہ حضرت جبرئیل سوالات کرنے اور اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب ارشاد فرمانے کا باعث بنے۔ اور صحابہ کرام کو یہ جوابات سنوائے۔ اور امر واقع بھی یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چونکہ حامل وحی اور مبلغ علم ہیں۔ اس لیے تعلیم کی نسبت آپ کی طرف کرنا فی الحقیقت ٹھیک اور درست ہے۔ غایت درجہ صرف یہ بات ہے کہ یہ احکام پہلے سے معلوم تھے۔ سوالات کرنے سے مقصود یاد دہانی اور ان احکام کے علم کی تجدید تھی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے۔ اور شریعت اس مجموعے کا نام ہے۔ اور کبھی کبھی خاص اسلام پر بھی دین کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام (اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) اور کبھی شریعت کا لفظ احکام فرعیہ فقہیہ کے ساتھ خاص ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح شریعت، طریقت اور حقیقت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کہ یہ تینوں دین کے اجزاء اور شعبے ہیں۔ در حقیقت شریعت ہی حقیقت ہے۔ تاکہ اہل اسلام جن حقائق پہ ایمان لائے ہیں فی الحقیقت ان تک پہنچیں اور جو کچھ انہوں نے سنا ہے اسے سامنے پالیں شریعت دین سے الگ اور مغائر کوئی چیز نہیں۔ اور دین ایک ہی ہے دو نہیں ہیں۔ جو شخص اس تحقیق کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے وہ خطا پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (رواہ مسلم) اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اگرچہ امام بخاری نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں کی لہٰذا اصطلاح کے مطابق یہ حدیث متفق علیہ نہ ہو گی۔ اور بخاری و مسلم دونوں نے اس حدیث کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ لیکن اس کا حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ الفاظ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ (ورواہ ابو ھریرۃ رض مع اختلاف) اس حدیث کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی حدیث کے الفاظ سے کچھ مختلف اور مغایر الفاظ سے روایت کیا (وفیہ) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو انہوں نے روایت کی اس طرح آیا ہے (واذا رایت الحفاۃ العراۃ الصم البکم ملوک الارض) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب تو دیکھے کہ پا برہنہ ننگے جسم والے کانوں سے بہرے زبان سے گونگے یعنی نادان اور بے عقل لوگ صاحب ملک و جاہ اور حاکم بن جائیں گے۔ (فی خمس لا یعلمھن الا اللہ) علم قیامت اور اس کے قائم ہونے کا خاص وقت ان پانچ چیزوں میں داخل ہے جنہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا[1] ہے (ثم قرء) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پانچ چیزوں کے بیان اور ان کی تعیین کے لیے جنہیں

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر۔

سوا خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ بیشک اللہ ہی کو ہے نہ کہ کسی اور کو قیامت کا علم کہ کب واقع ہوگی۔ وینزل الغیث (الآیۃ) اور اللہ ہی جانتا ہے بارش کا علم کہ کب برسے گی الی آخر الآیۃ۔ اور وہ یہ ہے۔ ویعلم ما فی الارحام اور صرف وہی جانتا ہے کہ حاملہ عورت کے شکم میں بچہ ہے یا بچی۔ وما تدری نفس ماذا تکسب غدا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کیا کام کرے گا۔ وما تدری نفس بای ارض تموت اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ نفی علم سے مراد یہ ہے کہ بے تعلیم الٰہی محض عقل کے ذریعے ان مذکورہ چیزوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اور یہ ان امور غیبیہ میں سے ہیں جن کا صرف خدا تعالیٰ کو ہی علم ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وحی و الہام کے ذریعے بتا دے تو یہ امر دیگر ہے[۵]

۲۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ متفق علیہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھنا متفق علیہ۔

شرح: ستذکرہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

(عن ابن عمر رضی اللہ عنہ) آپ کی ولادت باسعادت نزول وحی سے ایک سال پیشتر ہوئی۔ چھوٹی عمر میں ہی اپنے والد ماجد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ اپنے والد سے بھی پہلے اسلام لائے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ صغر سنی کی بنا پر جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ احد میں شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ آپ اہل ورع اور اہل زہد و تقویٰ میں سے ہوئے ہیں۔ فتویٰ دینے میں نہایت احتیاط پورے غور و خوض اور غلطی سے بچنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اتباع سنت میں بڑے قوی اور مستقیم الحال تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم میں ہر شخص دنیا کی جانب میلان رکھتا تھا یا دنیا اس کی طرف مائل ہوتی تھی سوائے ابن عمر کے رضی اللہ عنہ۔

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی

[۵] جن آیات و احادیث میں مخلوق سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ان کا مطلب یہی ہے جو حضرت شیخ نے یہاں بیان فرمایا ہے۔

الاسلام علی خمس) مسلمانی کے مکان کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) اول یہ کہ خدا تعالیٰ و تقدس کی خدائی کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی گواہی دینا۔ (واقام الصلوٰۃ) دوم درست اور ٹھیک طریقہ سے نماز ادا کرنا۔ (وایتاء الزکوٰۃ) سوم مال کی زکوٰۃ ادا کرنا (والحج) چہارم حج کرنا۔ (وصوم رمضان) پنجم ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ اس حدیث میں اسلام کو ایسے مکان سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ان پانچ بنیادوں اور ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہو۔ (متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۲ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاۗءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ متفق علیہ

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رض سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان ستر اور چند شاخوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سب سے افضل شعبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ اور سب سے نچلا شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا دور کرنا ہے۔ اور شرم و حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

شرح: تذکرہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ آپ کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور عبد الرحمٰن ہے۔ عبداللہ بھی کہا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبد الشمس یا عبد عمرو تھا۔ چھوٹی سی بلی کی پرورش کرنے کی بنا پر ابو ہریرہ کنیت کو آپ کے نام سے زیادہ شہرت حاصل ہو گئی۔ اور کنیت کا استعمال نام پر غالب آ گیا۔ آپ بلاد دوس سے ہیں۔ فتح خیبر کے سال جو ہجرت کا ساتواں سال ہے۔ اسلام لائے۔ اور حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے علم میں پوری استقامت دکھائی اور قناعت و کم خوری کا طریقہ اختیار فرمایا۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ قوت حافظہ، متانت، مستقل مزاجی، ذکاوت اور ضبط علم کی صفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ روزہ دار، شب بیدار اور ذکر و تسبیح و تہلیل کرنے والے تھے۔ رضی اللہ عنہ (عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کی ستر اور چند شاخیں ہیں۔ (بِضْعٌ) با کے کسرہ کے ساتھ فتح با بھی آیا ہے۔ تین سے دس تک کے عدد کا نام ہے۔ جیسے فارسی زبان میں چند یا اندک (تھوڑے) کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ایمان کے شعبے یعنی اخلاق، اعمال، واجبات، مستحبات و آداب حد و شمار سے باہر ہیں۔ ان شعبوں کے متعین عدد کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں جو تعبیر اختیار کی گئی ہے وہ اصول احکام اور قواعد ایمانی سے متعلق ہو جو اس عدد کی طرف رجوع کرتی ہے [illegible] روایات میں ساٹھ اور چند کا ذکر بھی آیا ہے۔ ممکن ہے اس اختلاف کی

وجہ یہ ہو کہ دونوں عددوں کی طرف رجوع درست ہو۔ کبھی ایک عدد کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ذکر کر دیا اور کبھی دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ذکر فرما دیا۔ اس اختلاف عدد کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اولاً ساٹھ اور چند عدد کی وحی ہوئی ہو بعد میں جب کچھ احکام اور بڑھ گئے ہوں تو ستر اور چند کے عدد کی وحی ہوئی ہو۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس عدد سے مقصود حصر و تعیین نہیں ہے۔ بلکہ تعدد و تکثر کا بیان مراد ہے۔ تاہم یہ توجیہ ستر کے عدد میں درست آتی ہے۔ کیونکہ ستر کا عدد بول کر اظہار کثرت میں مبالغہ مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہ متعارف و مشہور ہے۔ اور بعض علماء کرام اس معین عدد کی وضاحت و تشریح کے درپے ہوئے ہیں مگر یہ تشریح و وضاحت تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایمان کی انواع کے بہت سے افراد ان کے احاطہ بیان سے باہر رہ گئے ہیں۔ ایمان اپنے شعبوں کے حصر و شمار سے تجاوز کرنے کے باوجود اجمالی طور پر ایک اصل کی طرف رخ کرتا ہے۔ اور وہ ہے کمال علمی و عملی کی تحصیل کے ذریعے دنیا و آخرت میں تکمیل نفس اور تحصیل سعادت۔ اور یہ تکمیل و سعادت اعتقاد میں صحت اور عمل میں استقامت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔	بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت دکھائی۔

ایک حدیث میں وارد ہوا۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (کہیں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کر)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اپنے قول مبارک سے ایمان کی ابتداء اور انتہا بیان فرما دی۔ چنانچہ فرمایا (فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) پس ایمان کے شعبوں میں سب سے افضل اور سب سے پہلا شعبہ کلمہ طیب کہنا اور اس پر ایمان لانا ہے۔

(وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ) اور سب سے ادنیٰ اور نچلا درجہ و شعبہ راستے سے ان چیزوں کا دور کرنا ہے جو لوگوں کو تکلیف و ایذاء دیتی ہوں جیسے کانٹے، پتھر اور پلیدی وغیرہ۔ حدیث مبارک کا ظاہر مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ایسی چیزیں راستے میں پڑی ہوں تو انہیں اٹھانا چاہیئے۔ اور اگر سرے سے راستے میں گرائی ہی نہ جائیں تو یہ بھی دور کرنے کے حکم میں ہی داخل ہے۔ بلکہ حدیث سے مراد ہی یہ ہے کہ کسی کو بھی ناحق تکلیف و اذیت نہ پہنچائی جائے۔ درحقیقت آپ کا یہ ارشاد ترک وجود اور ترک دعویٰ ہستی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دعویٰ ہستی ہی تمام شرور و قبائح کا مبداء و منشا ہے۔ شعر

بردار خار و سنگ زراہ ایں چہ رمز بود	یعنی وجود خود از ہمہ بردار از میان

ترجمہ۔ کانٹے اور پتھر راستے سے ہٹا، اس میں کیا رمز و اشارہ ہے؟ یہ رمز و اشارہ ہے کہ سب کے درمیان سے اپنے وجود و ہستی کو ہٹا دے۔

(وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ) ممنوع اور ناشائستہ کاموں کے ارتکاب سے شرم و حیا کرنا ایمان کے شعبوں میں شعبہ

عقلی اور دین کے کاموں میں نہایت عمدہ کام ہے۔اسی لیے اس شعبہ کو جدا بیان فرمایا اور خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ حیا لغت میں اس تغیر وانکساری (شکستگی) کا نام ہے جو انسان کو عیب والے کام کے ارتکاب کے خوف سے لاحق ہوتی ہے۔اور عرف شرع میں اس سیرت و عادت کا نام حیا ہے جو ممنوع اور نافرمودہ کاموں سے پرہیز کا باعث و ذریعہ بنتی اور ادائیگی حق میں کوتاہی کرنے سے مانع اور رکاوٹ بنتی ہے۔اور حیا اگرچہ انسان کی سرشت اور اس کا جبلی وصف ہے لیکن شرعی حیا کو وجود میں لانے میں بندے کے اختیار اور ریاضت کا دخل ہے جس طرح اس اسے کے باقی تمام اخلاق اور تہذیب و تربیت میں بندے کی ریاضت اور اس کے اختیار و ارادہ کا دخل ہے۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے۔الحیاء حالۃ تتولد من رؤیۃ الا لاء و رؤیۃ التقصیر حیا ایک ایسی حالت کا نام ہے جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے اور پھر اس کے شکر میں کوتاہی کے احساس سے بندے پر طاری ہوتی ہے۔بندہ جب اپنے اوپر حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں نازل ہوتی دیکھتا ہے۔اور پھر اپنی طرف سے ان کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔تو اس سے جو شرم محسوس ہوتی ہے اس کا نام حیا ہے۔(متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۴۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرٌ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے اور مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہو۔یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔اور مسلم کے ہاں یوں ہے۔کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا مسلمانوں میں بہتر مسلمان کون ہے۔فرمایا وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم اور محفوظ رہیں۔

شرح:۔ تذکرہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل سہمی۔قریش کے ایک بطن سہم بن عمر کی طرف منسوب ہے۔آپ عبادت گزار، جید عالم، روزہ دار اور قائم اللیل تھے۔اپنے باپ سے بارہ سال چھوٹے تھے۔اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کاتب تھے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ میں اور ان میں صرف یہ فرق تھا کہ وہ احادیث لکھتے بھی تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔اہل بیت سے محبت رکھتے تھے۔اگرچہ باپ کی خوشنودی کی خاطر جس کی حضور علیہ السلام نے ان کو وصیت کی تھی۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اپنے والد کی خدمت و صحبت

میں رہتے تھے۔ پہلے ان کا نام ان کے دادا عاص کے نام پر تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ان کا نام عبداللہ رکھا۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان امن و سلامتی میں رہیں۔ کہ زبان سے کسی کو گالی نہ دے اور کسی کی غیبت نہ کرے۔ اور کوئی نازیبا بات نہ کرے۔ اور ہاتھ سے نہ کسی کو مارے نہ تکلیف دے۔ اور نہ غضب و غصہ کا اظہار کرے۔ ہاتھ اور زبان کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ ایذاء اور تکلیف پہنچانے کی اکثر انواع انہیں دو اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور انسان کے نفس اور باطن میں جو کچھ ہے زبان اس کی ترجمان اور معبر ہے۔ اور زیادہ تر کام ہاتھ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور زبان کا ذکر پہلے اس لیے فرمایا کہ زبان سے ایذاء پہنچانا زیادہ اور سخت تر ہوتا ہے۔ اور زبان سے ہی گزرے ہوئے اور موجود اور آنے والے لوگوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ ہاتھ سے تو صرف سامنے موجود اور حاضر لوگوں کو ہی اذیت دی جا سکتی ہے۔ اور لکھنا زبان سے کہنے کی طرح ہے۔ بلکہ اس میں زبان اور ہاتھ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تخصیص غالب صورت حال کے تحت ہے ورنہ کافر جو ذمی اور مطیع اسلام ہوں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ اور ابن حبان کی روایت میں من سلم الناس کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ ابن حبان کی روایت کے الفاظ زیادہ عام ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ بہرصورت وہ اذیت مراد ہے جو ناحق دی جائے۔ ورنہ حکم شرع کے مطابق جو زجر ہو جو زدوکوب اور ہجو گالی وغیرہ ہو جائز و روا ہے۔ بلکہ بعض اوقات واجب اور ضروری ہو جاتی ہے۔ شعر

وبے حکم شرع آب خوردن خطاست   وگر خون بفتوی بریزی رواست

ترجمہ۔ حکم شرع کے بغیر پانی پینا بھی گناہ ہے۔ اور فتوی شریعت کے مطابق اگر کسی کا خون بھی بہا دے تو جائز و روا ہے۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایذاء دینا مسلمانوں کی صفت اور شان کے خلاف ہے۔ اور مسلمان کو چاہیئے کہ اس کی یہی شان ہو۔ اور جس کی یہ شان و صفت نہ ہو وہ گویا مسلمانوں میں سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو شخص صرف یہ صفت رکھتا ہو وہ مومن کامل ہے۔ اگرچہ باقی احکام وارکان دین میں سستی اور کوتاہی کرتا ہو جیسا کہ ملحد اور بے دین لوگ مطلب نکالتے ہیں۔ شعر

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن   کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کسی کے درپے آزار نہ ہو اس کے سوا جو چاہے کر۔ کہ ہماری شریعت میں اس کے سوا کوئی گناہ نہیں۔

حدیث کی تحقیقی مراد یہ ہے کہ جو شخص حقوق پروردگار کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خلق کے حقوق بھی بجالاتا ہے وہی مومن کامل ہے (والمہاجر من ہجر ما نھی اللہ عنہ) اور مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو ترک کر دے جس سے خدا تعالیٰ نے اسے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ دار کفر سے دار السلام کی طرف آنے اور دینی فتنہ کے مقام سے بھاگ جانے کا نام ہجرت ہے اسے ظاہری ہجرت کہتے ہیں اور باطنی ہجرت یہ ہے کہ انسان بشری اور طبعی تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور نفس و شیطان اسے جس طرف بلائیں اس طرف نہ جائے۔ بلکہ اس سے دور بھاگے شریعت میں در حقیقت ہجرت اسی غرض کے لیے ہے۔ جو آدمی یہ غرض حاصل کرنے میں مصروف ہو وہ مہاجر ہی ہے۔ اگرچہ اپنے وطن میں ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ کہ ظاہری صورت میں بھی ہجرت لازم اور ضروری ہو جائے تو پھر وہ بھی کرنا ہوگی جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوا کہ مسلمانوں کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ضروری تھا۔ اس حدیث سے مقصود مہاجرین کو ممنوعات کے ترک کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ تاکہ صرف نام اور صورت پر اکتفا نہ کریں۔ اور غرور و دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یا اس میں ان کے دلوں کے لیے تسلی ہے جن کو دنیا میں صورتاً ہجرت نصیب نہ ہوئی کہ وہ بھی منہیات کو ترک کر کے ہجرت کا ثواب حاصل کر لیں (ھذا لفظ البخاری) یہ حدیث جو مذکور ہوئی بخاری کے الفاظ ہیں۔ کہ انہوں نے اس لفظ سے یہ حدیث روایت کی۔ حدیث کے یہ الفاظ مسلم کی روایت کے الفاظ سے قدرے مغایرت اور مخالفت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا (ولمسلم ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا (ای المسلمین خیر) مسلمانوں میں سب سے بہتر مسلمان کون ہے۔ (قال) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا (من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ اور مسلم میں یہ جملہ یعنی والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ (مہاجر وہ ہے جو اس بات کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے اس کو روکا ہو) نہیں ہے۔ لیکن مولف کتاب کی ظاہر عبارت سے وہم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۵۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز تر نہ ہوں۔

شرح :- تذکرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ آپ انس بن مالک بن النضر الانصاری الخزرجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ دس سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کی۔ آٹھ یا نو سال کے تھے۔ جبکہ آپ کی خدمت میں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ آپ بصرہ میں لوگوں کو علم فقہ سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اور آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے ۹۱ھ ہجری میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی والدہ کی درخواست پر ان کے لیے دین ودنیا کی بہتری کے لیے دعا فرمائی۔ ان کی دینی فضیلت وشان کے متعلق کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ البتہ ان کی دنیاوی حالت یہ تھی۔ کہ سو سال ان کی عمر ہوئی، اور ان کی اولاد سو سے بڑھ گئی۔ اور ان کا کھجوروں کا باغ سال میں دو دفعہ پھل دیتا تھا۔

(وقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ) انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا اور نہ ہی مومن کامل ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (من والدہ وولدہ والناس اجمعین) اس کے باپ۔ اس کے بیٹوں اور تمام لوگوں سے متفق علیہ۔ مومن کامل کی نشانی یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک ہر چیز اور ہر شخص سے محبوب تر اور معظم تر ہو جائیں چاہے وہ شخص اس کا باپ اور اس کا فرزند ہی کیوں نہ ہو جو طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ اور ان کے علاوہ چاہے باقی تمام لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ جن کے ساتھ تعلقات کی بنا پر رشتہ محبت ودوستی فطرتاً یا اختیاری طور پر استوار ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت دو قسم کی ہے۔ ایک جبلی اور فطری جو بندے کے اختیار سے باہر ہے۔ اور بندہ طبیعت اور فطرت کے طور پر بے اختیار، چیزوں کی طرف کشش رکھتا ہے۔ محبت کی یہ قسم اس محبت سے خارج ہے۔ کیونکہ گفتگو ایمان میں ہو رہی ہے۔ جس کا شرع نے مکلف بنایا اور اس کی تحصیل وتکمیل کا حکم دیا ہے۔ پس یہاں محبت سے مراد وہ محبت ہے۔ جو بندے کے اختیار میں ہو۔ اور جس کا اسے مکلف بنایا جا سکے۔ لہٰذا اس مقام پر محبوب تر ہونے سے یہ مراد ہو گی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب اور آپ کی ذات کا حق ادا کرنے۔ دینی احکام کی پابندی کرنے۔ سنت کی اتباع۔ ادب کا لحاظ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور آپ کے لیے جان نثاری سب سے بڑھ کر ہو۔ کسی بھی چیز اور کسی بھی شخص کو چاہے اس کی اپنی ذات۔ اولاد والدین، اہل وعیال، ساز وسامان ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضور کی رضا کی خاطر اسے اپنی جان بھی ہلاک کرنی پڑے اور اپنی ہر پیاری چیز قربان کرنی پڑے تو کر گزرے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق فوت اور ضائع نہ ہونے دے۔ جیسا کہ کامل صحابہ کرام کی حالت تھی۔

اس مقام پر انسان کی اپنی ذات کا ذکر نہیں فرمایا۔ جیسا کہ حضور سے ایک منقول دعا میں جس میں خداوند تعالیٰ کی محبت کی آپ نے درخواست کی ہے۔ اپنی ذات کا بھی ذکر فرمایا۔ اور یوں دعا کی اللھم اجعل حبک الی من نفسی ومالی وولدی (اے میرے اللہ تو اپنی ذات کی محبت۔ میری اپنی ذات۔ میرے مال اور میری اولاد سے بھی بڑھ کر میرے دل میں ڈال دے) کیونکہ اولاد۔ اور باپ کی محبت میں انسان کے اختیار کا دخل ہے۔ اپنی ذات کی محبت میں انسان کا اختیار نہیں۔ امت کو ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبت کا پابند بنانے میں آپ نے شدت اور حرج محسوس کیا۔ اس لیے اس کی تکلیف نہ دی بخلاف خداوند تعالیٰ جل وعلیٰ کے ساتھ اپنی محبت کے۔ اسی لیے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ ومن الماء البارد للعطشان (جس طرح پیاسے کی ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اے اللہ تو اپنی محبت میرے دل میں ڈال دے) کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ انسانی اختیار کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ یا تعلیم و تربیت میں آہستگی اور ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھا تاکہ جب کوئی بندہ حضور کے ساتھ اپنے والد اور اولاد سے محبوب تر ہونے کا مرتبہ حاصل کرے۔ تو اس کے بعد اپنی ذات سے بھی حضور کی محبت بڑھ کر اپنے دل میں پیدا کرنے کا مرتبہ حاصل کرے۔ اور اس بات کا بھی اسے مکلف کر دیا جائے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا حال ہے عرض ہمیں ہی دوست رکھتا ہے۔ یا ہمارے غیر کو بھی اس دوستی میں شریک کرتا ہے۔ عرض کی۔ یہ محبت مشترک ہے۔ مجھے آپ سے بھی دوستی ہے۔ اپنی ذات، اپنی اولاد اور مال و سامان سے بھی دوستی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر اپنا دست مبارک مارا[1] اور تصرف سے کام لیا۔ پھر پوچھا۔ اب کیا حال ہے۔ اور تم اپنے آپ کو کس کیفیت میں پاتے ہو۔ عرض کی اب اہل و مال کی محبت دل سے نکل گئی۔ لیکن اپنی ذات سے محبت اب بھی باقی ہے۔ دوسری بار پھر آپ نے اپنا دست مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پاک پر مارا۔ اور پوچھا۔ اب کیسے ہو۔ عرض کی۔ اب سوائے آپ کی محبت کے باقی ہر قسم کی محبت ختم ہو گئی۔ رباعی

عمرم ہمہ صرف در وفایت بادا — جان دل و دین من فدایت بادا
محبوب من از جان و دل و عمر توئی — ہر چیز من خستہ برایت بادا

ترجمہ۔ میری ساری عمر تیری وفاداری میں صرف ہو جائے۔ میری جان میرا دل میرا دین سب تجھ پر فدا ہو جائیں۔

---

[1] معلوم ہوا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نزدیک حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرف کی قوت حاصل تھی۔

جان، دل اور عمر سب سے بڑھ کر تو ہی میرا محبوب ہے۔ مجھ خستہ کی ہر چیز تیرے لیے ہی ہو۔
معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت کا منشا اور دوستی کا ذریعہ یا حسن ہوتا ہے یا احسان۔ اور مخلوقات میں سے یہ دونوں صفات بہ تمام و کمال حضور سید کائنات علیہ السلام کی ذات میں منحصر ہیں، کیونکہ آپ تمام مخلوق میں سے اجمل (خوبصورت ترین) اور اکمل (کامل ترین) ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در درحقیقت سب حسن و کمال ذات حق کامل الصفات جل جلالہ میں منحصر اور بند ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا آئینہ ہے۔ اس لیے محبوب تر ہونے کی نسبت خواہ اللہ کی طرف کی جائے۔ اور خواہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دونوں طرح صحیح ہے۔ اور حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ رباعی

ہم حسن و جمال بے نہایت داری ہم جود و کرم بحد غایت داری
ہم حسن ترا مسلّم و ہم احسان محبوب توئی کہ ہر دو آیت داری

ترجمہ۔ تو بے انتہا حسن و جمال کا مالک ہے۔ اور غایت درجہ جود و کرم سے بھی موصوف ہے حسن بھی تجھے ہی مسلّم ہے اور احسان بھی۔ تو ہی محبوب ہے کہ دونوں نشانیاں تجھ ہی میں پائی جاتی ہیں۔

۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ۔ (متفق علیہ)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کے ذریعے ایمان کی حلاوت پائے گا۔ وہ شخص کہ جسے اللہ اور اس کا رسول باقی سب سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ اور وہ شخص جو کسی بندے سے محبت کرے اور اس کی یہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔ اور وہ شخص کہ کفر میں لوٹ جانے کو برا جانے اس کے بعد کہ اللہ نے اسے اس سے نجات عطا فرمائی۔ اس طرح برا جانے جیسے کوئی اسے آگ میں ڈال دے۔

شرح:۔ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ثلث من کن فیہ) تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس بندے میں وہ تین موجود ہوں گی (وجد بھن حلاوۃ الایمان) وہ پائے گا ان تین خصلتوں کے سبب ایمان کا مٹھاس اور اس کا ذائقہ۔ (من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما) پہلی خصلت یہ کہ خدا اور خدا کا رسول اس کے نزدیک باقی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں (ومن احب عبداً"

یحبہ الا للہ) دوسرا وہ شخص جو کسی بندے سے محبت رکھے۔ اور اس کی یہ محبت صرف خدا تعالیٰ اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔ (ومن یکرہ ان یعود فی الکفر) تیسرا وہ شخص جو کفر میں لوٹ جانے کو برا جانے (بعد اذ انقذہ اللہ منہ) اس کے بعد کے اللہ نے اسے اس سے نجات دی اور کفر سے باہر نکالا۔ (کما یکرہ ان یلقی فی النار) جس طرح کہ وہ برا جانتا ہے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ متفق علیہ۔

وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ (رواہ مسلم)

حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چکھ لیا مزہ ایمان کا اس بندے نے جو اللہ کے رب ہونے پر۔ اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی اور خوش ہو گیا۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں آپ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ بعض نے کہا ہے دو سال بڑے تھے۔ آپ عام الفیل سے پہلے پیدا ہوئے۔ دور جاہلیت میں رئیس تھے۔ مسجد خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانا اس کے آپ نگران وانچارج تھے۔ آپ قدیم الاسلام تھے یعنی ابتداء سے ہی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن اہل مکہ سے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ہمراہ مجبوراً آئے تھے۔ آپ کی عمر اٹھاسی ۸۸ سال ہوئی۔ اور وفات سے قبل اسی غلام آزاد کیے۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

(وعن العباس بن المطلب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چکھ لیا ایمان کا مزہ (من رضی باللہ ربا) اس نے جو خدا تعالیٰ پر راضی ہوا اور اسے اپنا پروردگار مان لیا اور اس کی قضا و تقدیر پر راضی اور خوش رہا اور اس کی بندگی و عبادت میں معروف رہا (وبالاسلام دینا) اور اسلام پر راضی ہوا اور اسے اپنا دین قرار دیا۔ اور جو کچھ دین میں ہے اس پر عمل پیرا ہوا (وبمحمد رسولا) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر راضی ہوا اور آپ کو اپنا پیغمبر تسلیم کیا اور آپ کی اتباع کا راستہ اختیار کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ غفلت و خواہش نفس کے امراض سے محفوظ دل معانی کی لذتوں سے بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جس طرح نفوس انسانی عمدہ اور لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور ان امراض سے قلب کی سلامتی اور عافیت ان تین مذکورہ اشیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کو یہ تین باتیں نصیب نہ ہوں وہ حلاوت ایمانی اور

اس کے ذوق و لذت سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ الٹ ہو جاتا ہے۔ اور اسے ان باتوں سے نفرت ہوتی ہے۔ جس طرح بیمار آدمی کو میٹھی شے کڑوی محسوس ہوتی ہے۔

۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِيْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ رواه مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے نہیں سنے گا میرے بارے میں کوئی شخص اس امت سے کوئی یہودی اور عیسائی پھر مر جائے اور جو کچھ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان نہ لائے تو وہ نہیں ہوگا مگر اصحاب دوزخ سے۔

شرح :۔ (عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (والذی نفس محمد بیده) خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بقا ہے (لا یسمع بی احد من هذه الامة) کہ نہیں سنے گا مجھے کوئی بھی اس امت سے اور نہ پہنچے گی اسے میری رسالت و نبوت کی خبر۔ امت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی جانب کوئی رسول مبعوث کیا گیا ہو۔ اسی طرح ایک گروہ کی جنس کو بھی امت کہتے ہیں۔ (یهودی ولا نصرانی) وہ شخص چاہے یہودی ہو۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہو یا نصرانی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم سے (ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به) پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ ایمان نہ لائے اس دین و شریعت پر جسے میں لے کر آیا ہوں (الا کان من اصحاب النار) مگر ایسا شخص اہل دوزخ میں سے ہوگا۔ یعنی جس شخص نے میری نبوت و رسالت کی خبر سنی اور میرا معجزہ بھی اس پر ثابت و ظاہر ہو گیا پھر اس نے میرا دین قبول نہ کیا تو وہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا چاہے اہل کتاب میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۹۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔ ایک وہ آدمی جو اہل کتاب میں سے ہو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے مالکوں کا حق بھی ادا کیا۔ تیسرا وہ شخص جس

حَتَّی مَوَالِیْہِ وَرَجُلٌ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَۃٌ یَطَأُھَا فَاَدَّبَھَا فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبَھَا وَ عَلَّمَھَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا فَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ - (متفق علیہ)

کی ملک میں لونڈی ہو جس سے صحبت و مجامعت کرے۔ پھر اس کی بہت اچھی تربیت کی اور اسلامی احکام اور آداب معاشرت کی نہایت اچھی طرح تعلیم دی۔ پھر اُسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ تو ایسے شخص کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔

شرح: متذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ آپ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ عبداللہ بن قیس نام ہے۔ اپنے اجداد کی طرف نسبت سے اشعری کہلاتے ہیں۔ پہلے یمن سے مکہ آئے۔ اور مسلمان ہوئے اور ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد فتح خیبر کے وقت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انعام و اکرام اور مدح و ثنا سے نوازے گئے۔ آپ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن ابی موسی الاشعری) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ لہم اجران) لوگوں میں سے تین شخص ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔ (رجل من اھل الکتاب) ان تین میں سے ایک وہ ہے جو اہل کتاب یعنی یہودی یا عیسائی ہو (امن بنبیہ وامن بمحمد) اپنے نبی حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لایا پھر ان پہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ (والعبد المملوک اذا ادی حق اللہ وحق موالیہ) ان تین میں سے دوسرا وہ شخص ہے جو بندہ غلام و مملوک ہو۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا حق یعنی اس کے تمام واجبات ادا کرے اور اپنے مالکوں کا حق یعنی ان کی ہر طرح خدمت بجا لائے (ورجل کانت عندہ امۃ یطأُھا) تیسرا وہ شخص ہے جس کی ملک میں لونڈی ہو، اس کا مالک ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ صحبت و مجامعت کرے جیسا کہ عادۃً ایسا ہوتا ہے۔ (فادبھا فاحسن تادیبھا) پھر اس نے اس لونڈی کو ادب و احترام کی باتیں سکھائیں۔ یعنی اس کے آداب و اخلاق و معاشرتی مسائل کی نہایت اچھے طور پر تربیت کی (وعلمھا فاحسن تعلیمھا) اور اسے احکام و مسائل دینیہ کا علم سکھایا۔ اس کی تعلیم میں پوری توجہ سے کام لیا۔ اچھی طرح تعلیم و تربیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسی اس کی تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے ایسی ہی کی اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ چھوڑی۔ پھر یہ سب کچھ نہایت درجہ حلم و نرمی اور شفقت سے کیا۔ اس سے کوئی سختی اور بدمزاجی نہ کی (ثم اعتقھا فتزوجھا) پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا (فلہ اجران) تو ایسے شخص کے لیے بھی دوہرا اجر و ثواب ہے۔ اس آخری مرد کے لیے دوہرے ثواب کے ثبوت کی تاکید و مبالغہ کے لیے فلہ اجران کے الفاظ کو لایا گیا ہے ورنہ اہل کتاب اور غلام کے لیے تو دوہرے اجر کا

ملنا ظاہر ہے کہ انہوں نے عمل بھی دو کیے۔ لیکن وہ شخص جس کی ملک میں لونڈی تھی تو اس کے لیے یہ اجر و ثواب اس لیے ہے کہ اس نے اسے آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا پھر اسے اپنے رشتہ زوجیت سے منسلک کیا۔ باقی رہا اسے ادب و تعلیم دینا تو یہ سب کے لیے عام ہے۔ اس مقام پر اس کی کوئی خصوصیت نہیں تاہم اس میں بھی اسے آزاد کرنا اور اس سے نکاح کرنے کے استحقاق و اہلیت کی طرف اشارہ ہے۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اجر و ثواب کا زیادہ ہونا عمل کے تعدد اور زیادہ ہونے کی بنا پر ایک قاعدے کی بات ہے۔ اس میں کوئی تعجب و اجنبیت نہیں ہے۔ جس قدر عمل زیادہ ہوگا اور جو بھی زیادہ عمل کرے گا اس کے لیے فضیلت اور ثواب میں زیادتی ثابت ہوگی لہٰذا ان تین افراد کو اس بارے میں مخصوص و ممتاز کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لیے ان کے تمام اعمال نماز، روزہ وغیرہ میں دوہرا ثواب ہے۔ مثلاً اگر دوسروں کو ایک عمل کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی تو ان کو بیس نیکیاں ملیں گی۔ اور ہر ثواب جو دوسروں کو ان کے عمل پر ملتا ہے ان کو اس سے دو گنا ملے گا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے یہ فضل عطا کرتا ہے) واللہ اعلم۔

۱۰۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَآءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ متفق علیہ۔ الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ جب لوگ ایسا کرلیں تو محفوظ کرلیے انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال مگر اسلام کے حق کے لیے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ متفق علیہ۔ مگر مسلم نے الا بحق الاسلام کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

شرح:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ و جہاد کروں (حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ یہاں شہادت سے مراد زبانی اس کلمہ کا اقرار ہے۔ یا وہ جو اس اقرار کے حکم میں ہے۔ جیسے ان سے جزیہ قبول کرلینا۔

ان سے صلح کر لینا اور انہیں امن دینا۔ یا یہ ارشاد ان احکام جزیہ وغیرہ کی مشروعیت اور نزول سے پہلے کا ہے۔ (ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ) اور یہاں تک کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ قتال وجہاد کا وجوب شہادت دینے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ عبادات کا ذکر تو ارکان اسلام کی ادائیگی کے ذریعے شہادت کو تمام و مکمل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تاویل فاسد کے ذریعے واجبات و فرائض کے ترک اور اس ترک پر اصرار کی صورت میں بھی قتال و جہاد ثابت ہوتا ہے جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ کیا۔ بلکہ علماء نے یہاں تک کہا ہے اگر کوئی قوم ایسی سنت کی تارک ہو جائے جو اسلام کے شعائر و نشانات میں سے ہو جیسے اذان اور ختنہ وغیرہ اور اس ترک پر اصرار کرے اور دوام اختیار کرے اور ترک سے باز نہ آئے تو اس صورت میں بھی امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان کے ساتھ جہاد و قتال کرے۔ اور احکام اسلامی میں یہاں نماز و زکوٰۃ کی اس لیے تخصیص فرمائی کہ یہ اصل عبادات ہیں۔ یا اس میں بدنی اور مالی عبادتوں کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید میں یہ دو عبادتیں اکٹھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اس وقت صرف یہی نماز و زکوٰۃ کی عبادت ہی فرض تھی۔ (فاذا فعلوا ذالک) جب لوگ یہ شہادت دے دیں اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دیں (عصموا منی دماءھم واموالھم) تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے (الا بحق الاسلام) مگر اسلام کے حق اور حکم شریعت کی خاطر۔ جیسے اگر کوئی شخص دوسرے کو قتل کر دے یا زنا کا مرتکب ہو تو قصاص و حد کے طور پر اسے قتل کیا جائے گا۔ یا کسی کا جو مال اس پر واجب و لازم ہو تو وہ ضرور اس سے لیا جائے گا۔ (وحسابھم الی اللہ) اور آخرت میں ان کا حساب خدا عزوجل کے ذمہ ہے۔ یعنی اس کے ظاہری اسلام کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے۔ اور اس کے خون و مال کی حفاظت کریں گے۔ اگر وہ چھپ کر کفر و معصیت کرتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کے پوشیدہ حال سے واقف ہے۔ وہ خود آخرت میں اس کے مطابق حال اس کا فیصلہ کرے گا۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں کی روایت ہے۔ (الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام) مگر امام مسلم نے الا بحق الاسلام کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ملحدوں اور زندیق لوگوں کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اگر وہ آئیں اور لوگوں کے سامنے توبہ کریں تو ہم اہل اسلام ان کی توبہ قبول کر لیں گے۔ اور ان کا خون نہ بہائیں گے۔ اور ان کے دل کا حال خدا کے سپرد کریں گے۔ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں۔ علامہ طیبی نے ان سب کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے صحیح تر قول یہی ہے کہ ان کی توبہ مقبول ہے۔ تاہم ظاہر تر قول یہ ہے کہ اگر کسی نے الحاد اختیار کیا اور زندیقانہ باتیں کیں پھر جلدی ان سے باز آ گیا اور رغبت کے ساتھ توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اور اگر اپنے الحاد پر اڑا ہوا ہو اور سرکشی کرتا ہو اور ایسا محسوس ہو کہ یہ محض خوف جان اور وقت ٹالنے کے لیے توبہ کر رہا

ہے۔ تو ایسی توبہ قبول نہ کی جائے گی توبہ قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے جہاد و قتال کریں گے۔ پھر اگر واقع میں اس کی توبہ صحیح و خالص ہو تو آخرت میں اسے اس کا فائدہ پہنچے گا۔

۱۱۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ ۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہماری طرح کی نماز پڑھی، اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا۔ اور ہمارا ذبح کردہ جانور کھایا تو یہ وہ مسلمان ہے جس کا اللہ پر ذمہ ہے اور اس کے رسول پر ذمہ ہے۔ تو تم لوگ اللہ کے ذمہ میں خیانت نہ کرو۔

شرح: ۔ (وعن انس رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلٰوتنا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی۔ یعنی وہ نماز جو دین اسلام میں معہود و مشہور ہے۔ (واستقبل قبلتنا) اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا جو خانہ کعبہ ہے۔ (واکل ذبیحتنا) اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھایا۔ (فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ) تو یہ وہ مسلمان ہے جس کا عہد ہے امن دینا اور جس کا ضامن بننا اللہ کے ذمہ ہے۔ ذمہ و ذمام بکسر بمعنی عہد و امان، اور ضمانت، حرمت اور حق اور یہ سب معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اور اہل ذمہ اور ذمی کا لفظ جو استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد ان کے امن اور ان کی ضمانت میں آجاتے ہیں۔ (فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ) تو اس خدائے سبحانہ کے عہد و ذمہ میں اس کے ساتھ غدر اور اس کی عہد شکنی نہ کرو۔ تخفروا بضمہ تاء و سکون خاء و کسر فا اخفار سے مشتق ہے بمعنی غدر اور عہد شکنی کرنا۔ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ دوسرے ارکان اسلام جیسے خدا اور رسول پر ایمان کی شہادت دینا وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلام کے بالکل صحیح اور درست نشان ہیں۔ اور ان سے مسلم اور غیر مسلم میں واضح طور پر تمیز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں جیسی نماز پڑھتا ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اسے قبول کرتا ہے۔ اور قبلے کی طرف منہ کرنے کا ذکر الگ سے بیان کیا حالانکہ وہ نماز کی شرط ہے۔ اور جب نماز کا ذکر کر دیا تو اس کے ضمن میں قبلے کا ذکر بھی ہو گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا ایک مشہور امر اور ہماری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف نماز میں قیام و قرأت کے کہ اہل کتاب کی عبادت میں بھی قیام و قرأت پایا جاتا ہے۔ اور ہمارے ذبیحے کا کھانا بھی اہل اسلام کے ساتھ خاص

ہے۔ یہودی ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ رواہ البخاری۔

۱۲ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤَدِّی الزَّکٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا اَزِیْدُ عَلٰی هٰذَا شَیْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا -

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیے جسے اختیار کرنے سے میں جنت میں جاؤں۔ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اور نماز قائم کرے اور فرض شدہ زکوٰۃ ادا کرے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھے۔ (یہ سن کر) اس اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں نہ اس سے کچھ زیادہ کروں گا۔ اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔ جب وہ اعرابی پشت پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات سے مسرت محسوس کرے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔

شرح: - (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اتی اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ایک بادیہ نشین (دیہاتی) آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ (فقال) پس اس اعرابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا (دلنی علی عمل) میری رہنمائی فرمائیے اور مجھے ایسے عمل سے آگاہ کیجئے۔ (اذا عملتہ دخلت الجنۃ) کہ جب میں وہ عمل کروں تو بہشت میں داخل ہو جاؤں (قال) حضور علیہ السلام نے اس اعرابی کے جواب میں فرمایا (تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا) یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یہاں شہادتین (اللہ و رسول پر ایمان کی شہادت) کا اس کی شہرت کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا یا یہاں پر شہادت کا نہیں عمل کا سوال کیا گیا تھا۔ شرک کرنے سے مراد یا تو بتوں کی پرستش ہے۔ یا ریا و نمائش کہ اس میں انسان مخلوق کو خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں شرک سے ریا ہی مراد ہے۔ کہ اس کے بعد آپ نے اپنے قول مبارک میں عبادت کا ذکر فرمایا۔ (وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ) اور یہ کہ نماز قائم کرے جو فرض کی گئی اور بندوں کے ذمہ لکھ دی گئی اور اس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ (وتودی الزکوٰۃ المفروضۃ) اور فرض شدہ زکوٰۃ ادا کرے فرض زکوٰۃ یہی ہے جو ادا کی جاتی ہے۔ یہاں زکوٰۃ سے

مراد صدقہ ہے۔ (وتصوم رمضان) اور یہ کہ رمضان شریف کے روزے رکھے۔ یہاں فرائض کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ فرائض ہی آتش دوزخ سے نجات۔ اور بہشت میں آنے کا اصل ذریعہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سوال کے وقت صرف یہی احکام فرض ہوئے تھے۔ اور چونکہ وہ اعرابی درحقیقت بہشت میں داخل ہونے کا طالب تھا اس لیے صرف اسی قدر جواب پر کفایت کی گئی (قال) اس نے کہا (والذی نفسی بیدہ) مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری ذات کی بقا ہے۔ (لا ازید علی هذا شیئا ولا انقص منه) کہ جو عبادات آپ نے فرمائی ہیں میں ان میں نہ تو نوافل کا اضافہ کروں گا۔ اور نہ ہی ان فرائض میں سے کوئی چیز کم کروں گا۔ اور جس کا یہ حال ہو وہ بلاشبہ نجات یافتہ شخص ہے۔ اگرچہ سنتوں کے ترک سے قدرے برائی کا مرتکب ہو گا اور ترک نوافل سے مراتب و درجات کی نیکیوں سے محروم رہے گا۔ یا زیادہ کرنے سے حد شرع سے زیادہ کرنا۔ اور نقصان سے حد شرع سے کم کرنا مراد ہو۔ جیسے نماز کی مقررہ رکعتوں سے کسی رکعت کا زیادہ کرنا یا شرعاً مقررہ مقدار سے کم کرنا یا یہ مراد ہے کہ میں اس سے زائد کوئی سوال نہ کروں گا۔ اور ان کے قبول کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔ یا یہ سوال کرنے والا ایک قوم کی طرف سے بھیجا گیا تھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنی قوم تک یہ احکام پہنچانے میں زیادتی کمی نہ کروں گا۔ یا یہ کلام شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخذ ہوا اہتمام میں شدت و مبالغہ سے کنایہ ہے۔ کلام کا حقیقی معنی مراد نہیں۔ (فلما ولی) جب اس اعرابی نے منہ پھیرا، پیٹھ دکھائی اور چلا گیا (قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (من سرہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة) جسے جنتی انسان دیکھنے سے مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہو۔ یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے۔ (فلینظر الی هذا) تو چاہیئے کہ وہ اس مرد پر نگاہ ڈالے اور اسے دیکھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس شخص کا صدق و یقین اور احکام دین کے ساتھ اس کی عقیدت کا مشاہدہ فرمایا تو اسے جنت کی بشارت دی۔ متفق علیہ۔

۱۴ - وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسلام کے متعلق ایسا جامع ارشاد فرمائیے کہ آپ کے بعد اس کے بارے میں پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ فرمایا کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہ۔ اور ایک روایت میں غیرک کا لفظ آیا ہے۔

شرح:- تذکرہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ۔ آپ طائف کے رہنے والے ہیں، صحابی ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کی طرف سے طائف کے حاکم تھے۔ (وعن سفیان بن

عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ قال قلت) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی (یارسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا) یارسول اللہ میرے لیے اسلام و ایمان کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمایئے کہ (لا اسئل عنہ احدا بعدك) آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے۔ یعنی آپ کے سوا یا آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد۔ (وفی روایۃ غیرك) اور ایک روایت میں بعدک کے بجائے غیرک آیا ہے۔ اور یہ روایت پہلے معنی کو واضح کرتی ہے۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔ (قل امنت باللہ ثم استقم) کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مستقیم رہ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے اسماء صفات اور افعال کے ساتھ اس کی وحدانیت کی گواہی دے۔ اور اس نے جو جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کر۔ اور اس کے اوامر و نواہی کو قبول کر۔ یہ قول ان تمام باتوں کو شامل ہے جن پر ایمان لانا چاہیئے۔ اس کے بعد اس بات کی پابندی کر کہ تو اس پر قائم رہے۔ اور اس پر استقامت اختیار کر۔ استقامت کا معنی ہے انسان کا راہ راست پر قائم رہنا اور سیدھا کھڑا ہونا۔ یہاں اس سے تمام اوامر و نواہی کو کسی قسم کی کجی اور سستی کے بغیر دوام و ثبات اور اعتدال سے بجالانا مراد ہے۔ قاموس میں کہا استقام الامر اعتدل کام پر مستقیم رہا یعنی اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ اور شرح حکم میں فرمایا کہ بلا افراط و تفریط درستی اور پختگی کے ساتھ حق کی اتباع میں جمے رہنے کا نام استقامت ہے۔ اور قواعد الطریقہ میں فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو کتاب و سنت کے آداب و اخلاق کا عادی بنائے اور فضائل و خوبیوں کے ملکات راسخہ کی تحصیل کر کے اسے ریاضت اور عمدہ اوصاف کا عادی بنائے۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱۴ - وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَسْئَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے سر کے بال پراگندہ تھے ہم اس کی گنگناہٹ سنتے تھے مگر یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ اور حاضر ہوتے ہی اس نے اسلام کے بارے میں حضور سے پوچھنا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔ اس نے کہا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے آپ نے فرمایا

فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ ۔ (متفق علیہ)

نہیں الایہ کہ تو نفل نماز ادا کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہِ رمضان کے روزے (بھی فرض ہیں) اس شخص نے کہا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی روزے فرض ہیں فرمایا نہیں الایہ کہ تو اپنی خوشی سے نفل روزے رکھے۔ اور اس شخص کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو اس نے کہا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے۔ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل صدقہ وخیرات کرے۔ راوی کہتا ہے پھر وہ آدمی پشت پھیر کر چلا گیا۔ اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے اللہ کی قسم میں اس سے نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اپنے قول و اقرار میں سچا ہے۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ آپ کے مناقب و فضائل کتاب کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوں گے۔

(وعن طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل نجد میں سے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نجد بفتح نون و سکون جیم بلادِ عرب کے اس علاقہ کا نام ہے جو تہامہ سے سرزمین عراق تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد غور کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ نجد دراصل بلند زمین کو کہتے ہیں۔ جس طرح غور بفتح غین پست اور نشیبی زمین کو کہا جاتا ہے۔ (ثائر الراس) اس کے سر کے بال پراگندہ تھے (نسمع دوی صوتہ) ہم اس کی گنگناہٹ کی آواز سنتے تھے۔ دَوِی بفتح دمضمہ دال واو مکسور اور یائے مشدد کے ساتھ پست آواز کو کہتے ہیں۔ جو سمجھ میں نہ آئے جیسے شہد کی مکھی وغیرہ کی آواز ہوتی ہے۔ (ولا نفقہ ما یقول) اور جو کچھ وہ مرد کہہ رہا تھا ہم اُسے نہیں سمجھ رہے تھے۔ نسمع و نفقہ بفتح نون دو نوں فعل مضارع کے صیغے ہیں۔ اور یُسمع و یُفقہ بیائے تحتانی بصیغہ مجہول بھی ایک روایت میں ہے۔ صیغہ معلوم کی صورت میں دوی منصوب ہو گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق مرفوع (حتی دنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تک کہ وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ گیا۔ (فاذا ھو یسأل عن الاسلام) اور آتے ہی اس نے اسلام کے احکام و فرائض کے بارے

ہیں پوچھنا شروع کر دیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے حقیقت اسلام کے متعلق سوال کیا ہو۔ اور توحید و رسالت کی شہادت و گواہی کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ مشہور چیز ہے۔ اور اس کا علم ہوتا ہی ہے۔ (فقال رسول اللہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ) دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ (فقال) پس اس مرد نے کہا (ھل علی غیرھن) کیا مجھ پر دن رات میں پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی اور نماز بھی پڑھنا لازم ہے۔ (فقال لا الا ان تطوع) آپ نے فرمایا ان پانچ نمازوں کے سوا تجھ پر کوئی اور نماز نہیں مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے کوئی نماز پڑھے جو فرض نہیں ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وصیام رمضان) احکام اسلام میں سے دوسرا حکم رمضان شریف کے روزے ہیں۔ (فقال ھل علی غیرہ) اس شخص نے کہا کیا مجھ پر رمضان کے روزوں کے علاوہ اور بھی کوئی روزے لازم ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لا الا ان تطوع) تجھ پر رمضان کے روزوں کے سوا کوئی لازم نہیں۔ مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے نفل روزے رکھے۔ (قال) حضرت طلحہ بن عبید اللہ جو حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں۔ (ذکر رسول اللہ) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے لیے (الزکوٰۃ) زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ (فقال ھل علی غیرھا) تو اس نے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ فرض ہے۔ (فقال لا الا ان تطوع) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تجھ پر زکوٰۃ کے سوا کچھ لازم نہیں الا یہ کہ تو اپنی چاہت سے صدقہ نفل ادا کرے۔ (قال) حضرت طلحہ فرماتے ہیں (فادبر الرجل) پس وہ مرد پشت کر کے چل پڑا۔ (وھو یقول) اور وہ یہ کہہ رہا تھا (واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص) خدا کی قسم میں ان فرائض پر اور کوئی چیز زائد نہ کروں گا۔ اور نہ ان سے کوئی شے کم کروں گا۔ اس کلام کی توجیہہ گزشتہ حدیث میں گزر چکی ہے۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (افلح الرجل ان صدق) نجات اور فلاح پا گیا یہ مرد اگر سچ کہتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ یا اس کے کلام میں جو رغبت و اہتمام محسوس ہوتا ہے اگر اس میں یہ آدمی راست گو ہے۔ اس معنی کے مطابق فوز و فلاح اس کی صدق نیت پر مبنی ہے۔ اور اَنْ صَدَقَ بفتح ہمزہ بھی مروی ہے۔ (متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ جب کہ اس شخص کا سوال فرائض اسلام سے متعلق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی اس کے مطابق دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہو۔ یا وہ شخص حج کا اہل نہیں تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک وتر نماز بھی فرض نہ ہوئی تھی وتر نماز کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ وتر فرض قطعی نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ فرض نماز روزہ و زکوٰۃ پہ مزید فرض نماز و روزہ اور زکوٰۃ کی آپ نے نفی فرمائی۔ یہاں آپ کے نفی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کوئی چیز اسلام میں فرض نہیں۔ پس شافعیہ کا اس حدیث سے ذبح وغیرہ میں بسم اللہ کے فرض نہ ہونے پر دلیل بنانا جیسا کہ علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔

۱۵ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ
وَفْدَ عَبْدِ الْقَیْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِیَّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ
الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِیْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ
اَوْ بِالْوَفْدِ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا نَدَامٰی
قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِیْعُ
اَنْ نَاْتِیَكَ اِلَّا فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ
وَبَیْنَنَا وَبَیْنَكَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ كُفَّارِ
مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهٖ مَنْ
وَّرَاءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ
عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ
وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ
بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ
اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ
قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ
شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ
الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَ
صِیَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ
الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ
اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَ
النَّقِیْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں
بیشک عبدالقیس کا وفد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آیا تو آپ نے پوچھا کون قوم یا کونسا وفد ہو۔ (یہ راوی کا
شک ہے) انہوں نے کہا ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں۔ آپ نے
اس قوم یا وفد کو مرحبا کہا۔ اور فرمایا آپ لوگوں کا یہاں آنا
آپ کے لیے کسی قسم کی ذلت واہانت اور شرم و ندامت کا
سبب نہ بنے گا۔ ان لوگوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہم لوگ صرف شہر حرام میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔
اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ آباد ہے۔ تو
آپ ہمیں جامع اور دو ٹوک بات کا حکم دیجیے جس کی خبر ہم اپنے
پیچھے رہنے والوں کو جا کر دیں۔ اور اس کے ذریعے ہم جنت میں
داخل ہوں۔ اور انہوں نے آپ سے پینے کی چیزوں کے بارے
میں پوچھا۔ تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا۔ اور چار چیزوں
سے منع کیا۔ انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کا حکم دیا۔
آپ نے فرمایا جانتے ہو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے
انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا
ایمان یہ ہے کہ اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق
نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور
زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اور یہ کہ تم لوگ غنیمت
میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔ اور چار چیزوں سے آپ نے انہیں
منع فرمایا۔ سبز رنگ کے کوزے۔ کدو کی بنی ہوئی صراحی درخت
کی جڑ کے بنے ہوئے پیالے اور مٹکے کے استعمال سے منع
فرمایا۔ اور فرمایا ان کو یاد رکھو اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی

وَ اَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَآءَ كُمْ جا کر بتا دو۔ اور یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔
متفق علیه وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِی -

شرح:- تذکرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ان کے بیان کی حاجت و ضرورت نہیں آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ یا پندرہ سال تھی۔ جیسا کہ اس میں اختلاف ہے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دو بار دیکھا۔ آپ شکل و شباہت میں اجمل الناس، گفتگو میں افصح الناس اور علم حدیث میں اعلم الناس تھے۔ آپ کا لقب ترجمان القرآن اور سلطان المفسرین ہے۔ اور آپ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ نہایت دانا حلیم الطبع متحمل اور صابر مزاج تھے۔ آپ کا قد دراز تھا اور لوگوں میں اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے گھوڑے پر سوار ہیں۔ اور آپ کے والد ماجد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان سے بھی دراز قد تھے۔ اور عبدالمطلب حضرت عباس سے بھی زیادہ دراز قد تھے۔ آپ کا رنگ گورا تھا۔ متناسب الاعضاء نہایت خوبصورت اور صبیح الوجہ اور بہت بڑے عالم تھے۔ ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ اکہتر سال عمر پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) آپ نے کہا (ان وفد عبد القیس) کہ بیشک عبدالقیس کا وفد جو بنی ربیعہ کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ ربیعہ دراصل ان کے جد اعلیٰ کا نام ہوا ہے۔ اس کے نام پر سارے قبیلے کو ربیعہ کہتے ہیں۔ قبائل عرب کے اکثر نام ایسے ہی ہیں کہ ان کے باپوں کے نام پر ہوتے ہیں۔ (لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا (من القوم) یہ کونسی قوم کے لوگ ہیں یا (او من الوفد) یا یہ لوگ کس جماعت کی طرف سے قاصد بن کر آئے ہیں۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے قوم کا لفظ استعمال فرمایا یا وفد کا (قالوا ربیعۃ) انہوں نے کہا ہم قوم ربیعہ کے لوگ ہیں (قال) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مرحبا بالقوم او بالوفد) اس قوم یا اس وفد کو مرحبا مرحب فراخ جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ کلمہ آنے والے شخص کے اکرام و اعزاز اور اس سے اظہار انسیت کے لیے کہا جاتا ہے۔ یعنی تو فراخ و کشادہ جگہ میں آیا ہے۔ اور کبھی مرحبا کے ساتھ اہلاً و سہلاً کا کلمہ بھی ملا دیتے ہیں۔ یعنی تو اپنے اہل و عیال اور نرم و ملائم جگہ میں وارد ہوا ہے۔ (غیر خزایا ولا ندامی) تم لوگ ایسے حال میں تشریف لائے ہو کہ تمہیں کسی قسم کی رسوائی اور ندامت لاحق نہ ہوگی اور کسی قسم کی مصیبت و شدت اور پشیمانی نہ دیکھو گے یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اس قوم کو بشارت اور دعا ہے (قالوا) وفد کے لوگوں نے کہا (یا رسول اللہ انا لا نستطیع

ان نا تیک) یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک ہم لوگ اس بات کی استطاعت و طاقت نہیں رکھتے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ (الا فی الشھر الحرام) مگر عزت و حرمت کے مہینوں میں ۔ اور وہ ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ہے۔ کہ عرب لوگ ان مہینوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے ۔ اور ان مہینوں کی تعظیم اور بیت اللہ شریف کی زیارت کو آنے والوں کو امن عطا کرنے کے لیے ان مہینوں میں جنگ کرنا حرام جانتے تھے ۔ لہٰذا ان اوقات میں وہ لوگ راستوں میں دشمنوں سے امن میں ہوتے تھے ۔ (و بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر) اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ حائل ہے ۔ مُضر بضم میم و فتح ضاد معجمہ قبیلہ ربیعہ کے مقابل ایک قبیلہ کا نام ہے ۔ یہ لوگ مضر بن نزار کی اولاد ہیں ۔ اور ربیعہ اور مضر کے درمیان ہمیشہ دشمنی اور جنگ رہتی تھی ۔ (فمرنا بامر فصل) جب کہ ہم لوگ آپ کی خدمت میں بار بار نہیں آسکتے اور شریعت کے احکام و مسائل دریافت نہیں کر سکتے آپ ہمیں واضح اور محکم بات ارشاد فرما دیں جس میں کوئی اجمال و اشکال نہ ہو اور حق و باطل میں بالکل صاف صاف امتیاز کر دے ۔ (نخبر بہ من وراءنا) تاکہ ہم لوگ پیچھے اپنی قوم کے لوگوں کو بتا سکیں ۔ یعنی اپنی قوم کے ان لوگوں کو جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں ۔

(و ندخل بہ الجنۃ) اور جس پر عمل کر کے ہم اور ہماری قوم کے لوگ جنت میں جائیں ۔ نخبر و ندخل جزم اور رفع دونوں کے ساتھ مروی ہیں ۔ (وسألوہ عن الاشربۃ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبدالقیس کے وفد نے چند مخصوص قسم کے پینے کے برتنوں کے استعمال کے متعلق بھی پوچھا ۔ جیسا کہ عنقریب ان برتنوں کا ذکر آرہا ہے ۔ (فامرھم باربع ونھاھم عن اربع) تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا ۔ اور چار باتوں سے منع کیا (امرھم بالایمان باللہ وحدہ) انہیں اکیلے خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا ۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اتدرون ما الایمان باللہ وحدہ) جانتے ہو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے ۔ (قالوا اللہ ورسولہ اعلم) انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ صحابہ کرام کا انداز ادب تھا کہ جب آپ ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ اس کے جواب میں یہ کلمہ عرض کرتے ۔ اگرچہ وہ بات ان کے علم میں ہوتی تھی ۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خدائے وحدہٗ پر ایمان لانے کا مطلب ہے (شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا ۔ (واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان) نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا ۔ جن چار باتوں کا آپ نے حکم دیا وہ یہی ہیں اور حج کا ذکر نہ کرنے کی وجہ اس سے قبل مکرر بیان ہو چکی ہے ۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان کی تفسیر ان چار چیزوں سے اس لیے کی کہ یہاں ایمان سے اسلام اور اس کا اقرار مراد ہے ۔ (وان تعطوا الخمس من المغنم) اور یہ کہ تم لوگ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو ۔ آپ نے یہاں جہاد کا ذکر جہاد کی اہمیت ظاہر کرنے کی غرض سے کیا کہ یہ لوگ مجاہد تھے اور کفار مضر کے ساتھ

جنگ و جہاد میں معروف رہتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے جن چار باتوں کا آپ نے حکم دیا ان میں سے پہلی نماز اور آخری خمس ادا کرنا ہے۔ اور کلمہ شہادت کا ذکر تبرک کے طور پر کر دیا۔ کیونکہ وہ لوگ مومن تھے اور اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس توجیہ کے مطابق خمس کا ادا کرنا بھی اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے میں داخل ہے۔ (ونہاھم عن اربع) یہ ان کے پینے کے برتنوں کے سوال کا جواب ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کا سوال مخصوص برتنوں میں پینے کے متعلق تھا۔ تو آپ نے انہیں چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا (عن الحنتم) بفتح حائے مہملہ وسکون نون وفتح تا سبز کوزہ کو کہتے ہیں۔ (والدباء) اور دُبّاء کے استعمال سے منع فرمایا دُبّاء بضم دال و تشدید باء موحدہ ممدودہ کدو کو کہتے ہیں۔ یا تو خود کدو مراد ہے جسے وہ لوگ برتن کے طور پر استعمال کرتے تھے یا کدو کی شکل کی صراحی مراد ہے۔ جو وہ بنایا کرتے تھے۔ (والنقیر) اور نقیر کے استعمال سے منع فرمایا نقیر نقر سے بنا ہے۔ نقر کا معنی کُھرنا ہے یہاں درخت کی جڑ مراد ہے جسے کُھر کر پینے کا برتن بناتے تھے۔ اور پھر اس میں شراب پیتے تھے۔ (والمزفت) اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا۔ مزفت بضمہ میم و فتح زا مشددہ وہ چیز جو زفت سے طلا کی گئی ہو زِفت بکسر زائے معجمہ وسکون فا ایک سیال چیز ہے جسے کشتی وغیرہ چیزوں کی درزوں پر ملتے ہیں تاکہ پانی اندر نہ آئے زفت کو قار و قیر (ڈلک) بھی کہتے ہیں۔ (وقال احفظوھن واخبروا بھن من وراءکم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا یہ کلمات یا ان اشیاء کو یاد رکھو۔ اور اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کو بھی جا کر آگاہ کرو۔ (متفق علیہ ولفظہ للبخاری) معلوم ہونا چاہیئے کہ نہی سے یا تو شراب نوشوں اور ان کے برتنوں کے ساتھ مشابہت سے بطور تاکید و مبالغہ روکنا مراد ہے یا ان برتنوں میں شیرہ انگور اور شیرہ کھجور ڈالنے سے روکنا مراد ہے۔ کہ ان برتنوں میں جوش اور مستی کی قوت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ کھجور کا شیرہ مشکوں میں ڈالنا چاہیئے کہ ان میں جوش اور نشہ کرنے کا اثر دیر سے آتا ہے۔ اور کم مقدار میں آتا ہے۔ اس تفصیل کے باوجود جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ یہ حرمت و نہی ابتدائے اسلام میں تھی تاکہ تاکید و مبالغہ سے شراب کی حرمت ذہن نشین کرا دی جائے اور سکر و مستی لانے والی چیز کے آثار و مواد کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد ان برتنوں کے استعمال کی یہ حرمت منسوخ ہو گئی۔

۱۶۔ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا

/ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ کے اصحاب کی ایک جماعت موجود تھی تو آپ نے فرمایا (اے لوگو) مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ

وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (متفق علیہ)

کروگے اور نہ چوری کروگے نہ زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے۔ اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بہتان گھڑوگے اور کسی نیک کام میں نافرمانی نہ کرنا تو جو شخص پورا اترے گا اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اور جو ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوگا۔ پھر دنیا میں ہی اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ (ذریعہ معافی) بن جائے گا۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے معاف کرے اور چاہے اسے سزا دے۔ تو ہم سب نے اس پر آپ کی بیعت کی۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ۔ عُبادہ بضمہ عین وتخفیف باء موحدہ نقباء انصار میں سے ہیں۔ آپ بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ اور غزوہ بدر میں موجود تھے۔ دراز قد جسیم اور صاحب جمال شخصیت تھے۔ اور جامعین قرآن میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا۔ آپ کا مفصل ذکر کتاب کے آخر میں اسمائے اہل بدر میں آئے گا۔

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وحولہ عصابۃ من اصحابہ) جب کہ آپ کے اردگرد صحابہ کرام اور آپ کے دوستوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ (عِصَابَۃٌ) بکسر عین دس سے چالیس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ (بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا) میری بیعت کرو، مجھ سے عہد کرو اور عقد باندھو۔ مبایعت بیع سے مشتق ہے۔ جو شخص کسی سے عہد کرتا ہے وہ گویا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں فروخت کرتا ہے جس طرح بیع میں ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کا معاہدہ کرتے ہیں۔ بیعت میں بھی گویا یہی چیز ملحوظ ہوتی ہے۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میری بیعت کرو۔ کہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کروگے۔ اشراک سے بت پرستی یا عمل میں ریا مراد ہے۔ (ولا تسرقوا) اور چوری نہ کروگے۔ (ولا تزنوا) اور زنا و بدکاری کا ارتکاب نہیں کروگے۔ (ولا تقتلوا اولادکم) اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے جیسا کہ دور جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ تنگدستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ (ولا تاتوا ببھتان تفترونہ)

اور نہیں لاؤ گے اور نہ بولو گے جھوٹ جسے تم گھڑ لو۔ (بین ایدیکم وارجلکم) اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے۔ یعنی اپنی ذوات کو جھوٹ سے ملوث نہ کرو گے۔ کہ دست و پا سے ذات مراد ہے۔ کیونکہ بہتان و افترا وہ ہوتا ہے جب انسان اپنے پاس سے گھڑتا ہے حالانکہ انسان اپنی ذات سے گھڑتا ہے۔ لوگ اس سے پاک و مبرا ہوتے ہیں۔ یا فاسد گمانوں کے تحت لوگ جو اپنے دل و ضمیر سے جھوٹ بہتان و افترا تراشتے ہیں تم ایسا کرنے سے باز رہنا۔ چونکہ دل انسان کے سینے میں ہوتا ہے۔ لہذا وہ بندے کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہی ہوتا ہے۔ یا افتراء کی نسبت ہاتھ پاؤں کی طرف اس لیے کی کہ اکثر کام ہاتھ پاؤں سے انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ فی الواقع تمام اعضاء کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور ان تین توجیہوں کا مقصد دراصل ایک ہی ہے۔ یعنی اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان کسی چیز کو گھڑنے کا مطلب ہے اعلانیہ اور کھلم کھلا لوگوں پہ افتراء بازی اور بہتان تراشی کرنا اور بے حیائی و بے مروتی کی داد دینا۔ (ولا تعصونی فی معروف) اور جس کام کا وجود شرع سے معلوم ہو چکا ہے اس میں میری نافرمانی نہ کرنا یعنی مشروع و جائز امر میں میری نافرمانی کا مرتکب نہ ہونا۔ معروف کے مقابل منکر ہے۔ منکر ایسا فعل ہے جس کا وجود شرع میں نہ ہو۔ یعنی غیر شرعی اور ناجائز کام۔ (فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ) تو جو شخص اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کرے گا تو اس کی مزدوری اور اس کا اجر اللہ پہ لازم ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اس پر ثواب عطا کرتا ہے۔ (ومن اصاب من ذلک شیئا) اور جو شخص شرک کے علاوہ دوسری مذکورہ برائیوں کا مرتکب ہوا۔ (فعوقب بہ فی الدنیا) پھر اسے دنیا میں ہی اس کی سزا بھی مل گئی۔ کہ اس جرم و گناہ پر حد شرعی اس پر لگا دی جائے۔ یا اسے سزا دے دی گئی۔ (فھو کفارۃ لہ) تو وہ حد یا سزا اس گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور آخرت میں اس پر سزا نہ ہو گی (ومن اصاب من ذلک شیئا) اور جس نے ان مذکورہ گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا۔ (ثم سترہ اللہ علیہ) پھر اللہ نے اس کے گناہ کو پوشیدہ رکھا یعنی اس کا گناہ ظاہر نہ ہوا۔ اور اس پہ حد شرعی نافذ نہ ہوئی (فھو الی اللہ) تو وہ یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (ان شاء عفا عنہ) اگر خدا تعالیٰ چاہے گا تو درگزر کر دے گا۔ اور سزا نہ دے گا (ان شاء عاقبہ) اور اگر اس کی مشیت ہو گی تو اسے سزا دے گا۔

اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک نافرمان کو سزا دینا اللہ کے ذمے لازم و ضروری ہے۔ اسے معافی نہیں مل سکتی اور نہ اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ یہ حدیث معتزلہ کے خلاف اہل سنت و جماعت کی دلیل و حجت ہے (فبایعناہ علی ذالک) تو ہم لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی اور آپ سے عہد کیا کہ ہم ان باتوں کے پابند رہیں گے۔ متفق علیہ۔

۱۷ - وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ ... ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَآءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْأَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَھَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا۔

(متفق علیہ)

عید قربا یا عید فطر کے دن حضور علیہ السلام عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ راستے میں آپ کا گزر عورتوں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا اے عورتوں کے گروہ تم صدقہ وخیرات کیا کرو۔ کیونکہ مجھے تم دکھائی گئی ہو کہ قیامت کے روز تم زیادہ دوزخ میں جاؤ گی۔ انہوں نے عرض کیا کیوں؟ یا رسول اللہ فرمایا تم زیادہ لعنت کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے عقل و دین میں ناقص، دانا اور ہشیار مرد کی عقل چھین لینے والی تم سے بڑھ کر نہیں دیکھی۔ عورتوں نے سوال کیا یا رسول اللہ ہماری عقلوں اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے۔ فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا یہ ان کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ حیض کے ایام میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ عرض کی ہاں۔ یہ تو ہے۔ فرمایا یہ اس کے دین کی کمی کی وجہ سے ہے۔

شرح: تذکرہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ شجرہ بیعت رضوان میں سے ہیں۔ انصار میں سے ایک چھوٹے قبیلہ بنی خدرہ سے تعلق رکھتے ہیں (خُدرہ بضم خاء معجمہ) سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ شریک ہوئے غزوۂ خندق ہے۔ بارہ غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت نصیب ہوئی۔ آپ کا نام مبارک سعید بن مالک بن سنان ہے۔ آپ کے والد ماجد بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

(وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فی اضحٰی) عید بقر کے روز اَضحٰی بفتح ہمزہ و سکون ضاد جمع اضحاۃ اضحاۃ دراصل اس دنبے یا بکرے کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جاتی ہے۔ پھر اس لفظ کا اطلاق عید بقر کے دنوں پر بھی کر دیتے ہیں (او فطر) یہ راوی کا شک ہے۔ کہ یہ عید بقر کا دن تھا یا عید فطر کا۔ (الی المصلی) یا ہر عیدگاہ

کی طرف تشریف لے گئے۔(فمر علی النساء) تو آپ کا گزر عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ اور عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں بھی حضور کی اجازت اور امر کے مطابق عید گاہ میں آتی تھیں۔ اور آکر ایک کونے میں بیٹھ جاتی تھیں۔ تاکہ مسلمانوں کی دعا سے محروم نہ رہیں۔(فقال) تو آپ نے ان سے فرمایا۔(یا معشر النساء) اے عورتوں کے گروہ (تصدقن) راہ خدا میں صدقہ و خیرات دیا کرو (فانی اریتکن اکثر اھل النار) کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے۔ یعنی مجھے بتلایا گیا ہے وحی یا کشف یا مشاہدہ کے ذریعے کہ مردوں کی نسبت دوزخ میں زیادہ تعداد میں تم جاؤ گی۔ یعنی دوزخ میں عورتیں زیادہ ہوں گی اور مرد کم۔(فقلن وبم یا رسول اللہ۔) عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوگا کہ عورتیں زیادہ تعداد میں دوزخ کے اندر جائیں گی (قال تکثرن اللعن) آپ نے فرمایا اس لیے کہ تم لعنت کا استعمال زیادہ کرتی ہو۔ عورتوں کی عادت ہے کہ ہر حرف شکایت اور ذرا ذرا سی بات پر لعنت و نفرت پھٹکار کے الفاظ زبان پر لاتی ہیں۔ اور لعنت کا معنی ہے خدا تعالیٰ کا اپنی درگاہ رحمت سے راندنا اور دور ڈال دینا۔ لعنت کا یہ مفہوم کفار کے ساتھ خاص ہے کسی شخص اور معین آدمی پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے آخر وقت میں مسلمان ہو کر مرے۔ الا یہ کہ یقین سے اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو چکا ہو۔ اور یہ علم یقینی شارع علیہ السلام کے سوا کو نہیں ہو سکتا جس طرح ایمان پر مرنا سوائے شارع کے کسی کو معلوم نہیں، ہاں کسی وصف و عنوان کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین۔ اور لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اور خاص رحمت اور مقام قرب سے کسی کو دور کر دینے کے معنی میں بھی لعنت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لعنت کا یہ معنی کفار کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تغلیظ و تشدید کے ارادہ سے غیر کافر پر بھی اس کا اطلاق درست ہے۔ مختصر یہ کہ لعنت کرنا ایک بری عادت ہے۔ اور اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت، لعنت کرنے والے پر لوٹ کر پڑتی ہے۔(وتَكْفُرْنَ العشیر) اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ عورت کا یہ مزاج ہے کہ شوہر سے اگرچہ سونا زر و نعمت بھی دیکھ چکی ہو اور صرف ایک بار اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے تو کہہ دیتی ہے کہ تیرے پاس آکر میں نے سکھ اور چین کا منہ بھی نہیں دیکھا۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آچکا ہے۔ عشیر۔ بفتح عین و کسر شین معجمہ بمعنی قریب، صدیق۔ اور خاوند آتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں یہ لفظ شوہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔(ما رایت من ناقصات عقل ودین) میں نے نہیں دیکھا ناقصات عقل و دین میں سے کسی کو۔(اذہب للب الرجل الحازم) حازم بجائے مہملہ و زائے معجمہ (من احداکن) تم سے بڑھ کر لے جانے اور لوٹ لینے والی دانا اور سنجیدہ آدمی کی عقل کو جو اپنے کار و بار میں ہشیار و چالاک ہوتا ہے۔(قلن وما نقصان عقلنا ودیننا) عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہماری عقلوں اور ہمارے دین کا نقصان

کیا ہے۔ اور یہ نقصان و کمی کس طرح معلوم کی جا سکتی ہے۔ (قال الیس شہادۃ المرأۃ مثل نصف شہادۃ الرجل) فرمایا کیا شرع شریف میں ایسا نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی نصف شہادت کے برابر ہے۔ کیونکہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ (قلن بلی) انہوں نے عرض کی ہاں یہ تو ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کی مثل ہے۔ (قال فذلک من نقصان عقلھا) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی گواہی کا مرد کی نصف گواہی کے برابر ہونا عورت کے نقص عقل کی بنا پر ہے۔ کہ عورت ناقص ہونے میں نیز حفظ و تحمل اور ادائے شہادت میں وہ درجہ اور مقام نہیں رکھتی جو مرد رکھتا ہے۔ (قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم) فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ حیض کے ایام میں عورت نہ نماز ادا کر سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ (قلن بلی قال فذلک من نقصان دینھا) فرمایا یہ بات عورت کے نقصان دین کے باعث ہے۔ اگرچہ یہ امر خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے۔ عورت کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ لیکن عورتوں کو اس حالت پر پیدا کرنا اور انہیں عبادات سے منع کرنا مردوں کو منع نہ کرنا ہی عورتوں کے درجے کو مردوں کے درجے سے کم کرنا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبادت کا زیادہ ہونا دین کے زیادہ ہونے کا سبب ہے۔ اور عبادت میں کمی دین میں کمی اور نقصان کا سبب ہے۔ اگرچہ وہ نقصان کسی عذر کے باعث ہی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ حائضہ کو حیض کے عذر کے باعث اس کی فوت شدہ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ جس طرح مریض و مسافر کو عذر مرض و سفر کی وجہ سے نوافل عبادات ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی ان کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی حائضہ کو فوت شدہ نمازوں کا ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ مریض و مسافر تو ہر وقت ان عبادات کی ادائیگی کی نیت رکھتے ہیں۔ اور اس نیت کے اہل بھی ہیں بخلاف حائضہ عورت کے کہ وہ نیت کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ متفق علیہ۔

۱۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا ہے حالانکہ اسے یہ حق نہ پہنچتا تھا۔ اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی ہے۔ حالانکہ اسے یہ لائق نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا، تو اس کا یہ قول ہے۔ کہ اللہ مجھے دوبارہ زندگی نہ دے سکے گا جس طرح اس نے مجھے پہلے زندگی عطا کی۔ حالانکہ

إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لِي وَلَدٌ وَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ لَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لِي وَلَدٌ وَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا (رواہ البخاری)

پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ (یعنی پہلے پیدا کرنا اور موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا دونوں میرے لیے یکساں آسان ہے)۔ اور مجھے اس کا گالی دینا اس کا یہ قول ہے کہ میری اولاد ہے۔ حالانکہ میں بیوی اور اولاد سے پاک و منزہ ہوں۔

شرح:۔ (وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالٰی کذبنی ابن آدم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے ابن آدم نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ (ولم یکن لہ ذلك) حالانکہ اس کے لیے روا نہیں اور نہ اُسے یہ حق پہنچتا ہے کہ میرے پروردگار عالم ہوتے ہوئے میری طرف جھوٹی اور خلاف حقیقت بات کی نسبت کرے۔ کہ اس کی یہ بات دلیل و برہان کے خلاف اور مرتبہ عبودیت کے منافی ہے۔ (وشتمنی ولم یکن لہ ذالك) اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجھے گالی دے۔ (فاما تکذیبہ ایای) لیکن ابن آدم کا میری طرف جھوٹ منسوب کرنا (فقولہ لن یعیدنی کما بدأنی) تو اس کا یہ قول ہے کہ اس نے جس طرح مجھے پہلے پیدا کیا دوبارہ مجھے ہرگز نہ اٹھائے گا اور نہ موت کے بعد مجھے زندہ کرے گا۔ اس قول میں تکذیب سے مراد ان اخبارِ الٰہیہ کی تکذیب ہے جو بعث بعد الموت سے متعلق ہیں۔ یا بندے کو خاک سے پیدا کرکے اس جہان میں لانا اس حقیقت کو متضمن ہے۔ کہ اللہ تعالٰی دوبارہ بھی انسان کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور انسان کا اس پر اعتقاد نہ رکھنا اس کی تکذیب ہے۔ جیسا کہ فرمایا (ولیس اول الخلق باھون علی من اعادتہ) حالانکہ یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی کے لیے پہلی بار پیدا کرنا تو آسان ہو مگر دوبارہ پیدا کرنا مشکل اور دشوار ہو جائے۔ بلکہ دستور کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ٹوٹی ہوئی چیز کے اجزاء کو جوڑ دینا نئے سرے سے پیدا کرنے اور عدم محض سے وجود میں لانے سے آسان تر ہوتا ہے۔ یہ بیان لوگوں کے اذہان اور دستور کے مطابق ہے۔ ورنہ خدا تعالٰی کے لیے جو قادر مطلق ہے، سب یکساں ہے وہاں آسان یا مشکل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ انسان کا قول ہے جو پہلی پیدائش کا تو قائل ہے۔ اگر یہ انسان صحیح نظر و فکر سے کام لے تو ممکن ہے کہ بعث بعد الموت کا بھی قائل ہو جائے۔ (واما شتمہ ایای فقولہ اتخذ

اللہ ولدًا) اور آدمی کا مجھے گالی دینا اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور یہودی حضرت عزیر علیہم السلام کو اور مشرکین فرشتوں کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے ہیں۔ یہ قول اس بنا پر خدا کے حق میں گالی ہے۔ کہ اس میں ماہیت اور جانشین بننے میں اولاد کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثلت لازم آتی ہے۔ جس طرح کہ عادت و دستور ہے پھر اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کے خلاف اس کی ذات میں بے شمار عیوب و نقائص لازم آتے ہیں جیسا کہ فرمایا (وانا الاحد الصمد الذی لم الِدْ ذکرًا ولد) حالانکہ میں ذات وصفات میں بے مثل و بے مثال ہوں۔ کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ سب میرے محتاج ہیں۔ میں اولاد جننے سے یا کسی کی اولاد ہونے سے پاک و منزہ ہوں۔ (ولم یکن لی کفوًا احدٌ) اور کوئی بھی میری مثل و مانند نہیں۔ اور یہ زوجہ کی نفی ہے جو زوج شوہر کی مانند و مثل ہوتی ہے۔ اور زوجین کی باہمی مماثلت کی بنا پر ان سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یا یہ قول بچے کی نفی کو بھی شامل ہے۔ کہ وہ بھی باپ کی مثل ہوتا ہے۔ (وفی روایۃ ابن عباس واما شتمہ ایای فقولہ لی ولد وسبحانی ان اتخذ صاحبۃ او ولدا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یوں آیا ہے۔ لیکن ابن آدم کا مجھے گالی دینا تو اس کا یہ قول ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ میری بیوی یا اولاد ہو اور بعض روایات میں او کے بجائے کلمہ واؤ آیا ہے۔

۱۹ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ (متفق علیہ)۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ زمانے کو گالیاں دیتا ہے۔ حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں رات اور دن کا اُدل بدل میں ہی کرتا ہوں۔

شرح:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (یوذینی ابن آدم) آدم کا بیٹا مجھے رنج و اذیت دیتا ہے۔ اور ایسا کام کرتا ہے جو مجھے ناپسند ہے۔ اور جس سے میں راضی نہیں ہوں اور وہ یہ ہے کہ (یسب الدھر) وہ زمانے کو گالی دیتا ہے۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے۔ کہ رنج و محنت اور بلا و مصیبت کے وقت زمانے کی شکایت کرتے اور اسے برا کہتے ہیں (وانا الدھر) حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ یعنی اس کا فاعل، مدبر اور متصرف میں ہی ہوں۔ جب کہ زمانہ کو گالی دینا زمانے کی فاعلیت اور اس کے تصرف کے اعتقاد کا مشعر ہے۔ تو گویا دھر فاعل متصرف کا نام ہوا۔ تو فرمایا میں ہی دھر ہوں۔ یعنی تم لوگ جو زمانے کو فاعل و متصرف اعتقاد کرتے ہو وہ فاعل و متصرف میری ذات ہے۔ یا مضاف

محذوف ہے یعنی انا مقلب الدھر (زمانے کو ادل بدل کرنے والا میں ہوں) علامہ کرمانی نے کہا انا الدھر سے مراد انا المدبر ہے۔ یعنی زمانہ میں تبدیلیاں میں لانے والا ہوں۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ دھر اللہ تعالیٰ شانہ کے اسمائے حسنٰی میں سے ایک نام ہے۔ لیکن علامہ خطابی نے اس کا انکار کیا۔ تاہم قاموس سے اس کی صحت مفہوم ہوتی ہے۔ اور قطع نظر اس سے کہ دھر اللہ تعالیٰ کا نام ہو اس میں معنوی بلاغت وجودت نہیں مگر اس صورت میں کہ دھر بمعنی فاعل و متصرف ہو۔ اور ایک روایت میں انا الدھر بہ نصب بھی آیا ہے اور زمانہ کو گالی میں ایذاء اور رنج پہنچانے کا پہلو بایں طور ہے کہ اس کی مذمت اور اسے گالی دینا اس کی طرف نسبت تصرف کا اظہار کرتا ہے۔ یا اس بنا پر ہے کہ اس کی مذمت اور اسے گالی دینا دراصل جناب الٰہی کی طرف لوٹتا ہے۔ کہ جب فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو زمانے کو گالی دینا حقیقت میں خدا تعالیٰ کو گالی دینا ہوگا۔ جس طرح کہ علماء نے فرمایا ہے (بیدی الدھر) زمانہ میں رونما ہونے والے ہر کام کی باگ ڈور دراصل میرے دست قدرت میں ہے۔ ایک روایت میں (بیدی) شد کے ساتھ بھی وارد ہوا ہے۔ (اقلب اللیل والنھار) میں ہی رات دن کو گھماتا اور پھیرتا ہوں۔ بیت

چرخ را در شبا روزی دہم شب بہم روز آورم روزی دہم

ترجمہ۔ آسمان کو دن رات کے گھومنے کے چکر میں ڈالتا ہوں۔ رات سے جاتا ہوں دن چڑھاتا ہوں۔ اور روزی میں عطا کرتا ہوں۔

۲۰۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدَّعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رنج و تکلیف کی باتیں سن کر ان پر سب سے زیادہ صبر و برداشت کرنے والا خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں (جس سے وہ پاک و منزہ ہے) پھر وہ انہیں صحت و تندرستی دیتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصبر علی اذی یسمعہ من اللہ) کوئی بھی تکلیف و اذیت کی بات سن کر اس پر خدا تعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا نہیں۔ (یدعون لہ الولد) لوگ اس کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ جو اس کی جناب کے ہرگز لائق نہیں (ثم یعافیھم ویرزقھم) پھر وہ انہیں آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور انواع و اقسام کی

نعمتوں کی شکل میں انہیں رزق دیتا ہے۔ نفس کا ناگوار بات کو برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے۔ صبر کے مقابل جزع (بے صبری) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کا معنی ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کو معاف کر دینا یا ان سے انتقام لینے میں تاخیر کرنا اور جلدی نہ کرنا۔ صبور اللہ تعالیٰ و تقدس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حلیم و صبور معنی میں قریب قریب ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ صبور میں مجرم و گناہ گار انتقام سے بالکل بے خوف نہیں ہوتا۔ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت انتقام لے لے۔ حلیم میں یہ خوف و خطرہ بھی نہیں ہوتا۔

۲۱ - وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا۔ (متفق علیہ)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے پیچھے دراز گوش پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان کجاوے کی صرف پچھلی لکڑی حائل تھی۔ پس آپ نے فرمایا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بیشک اللہ کا اس کے بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو وہ اسے عذاب میں نہ ڈالے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دوں آپ نے فرمایا ان کو اس کی بشارت نہ دو تاکہ لوگ بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

شرح: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اکابر و عظماء صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے مناقب و فضائل حد و شمار سے باہر ہیں۔ کتاب کے آخر میں قدرے آپ کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں گے۔

(وعن معاذ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) حضرت معاذ بن جبل نے کہا (کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (علی حمار) دراز گوش پر سوار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تواضع اور بے تکلفی کے طور پر کبھی کبھی اس دراز گوش پر سواری فرمایا کرتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسی دراز گوش پر سوار تھا (لیس بینی وبینہ الا موخرۃ الرحل) ہمارے

سوار ہونے کی کیفیت و حالت یہ تھی کہ میرے اور آپ کے درمیان پالان کی صرف پچھلی لکڑی ہی تھی۔ جس کے ساتھ سوار تکیہ لگاتا ہے۔ مُؤَخِّرَۃ بضمہ میم، و سکون ہمزہ، و خائے معجمہ مکسورہ اور ہمزہ مفتوحہ اور تشدید خائے مفتوحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اس بیان سے مقصد حضور علیہ السلام کے بالکل نزدیک ہونا اور آپ کے کلام مبارک کا فہم اور ضبط کرنا ہے (فَقَالَ) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علی عبادہ) اے معاذ تو جانتا ہے اللہ کا حق جو اس نے ان کی عبودیت اور حکم شریعت کے تحت ان پر لازم و واجب قرار دیا ہے کیا ہے (وما حق العباد علی اللہ) اور بندوں کا حق خدا تعالیٰ کے ذمے کیا ہے جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (قلت اللہ و رسولہ اعلم) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے (قال فان اللہ حق اللہ علی العباد) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر (ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا) یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ یعنی بت پرستی نہ کریں۔ یا ریا سے بچیں اور عبادت میں اخلاص کو ملحوظ رکھیں۔ (وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب) اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ (من لا یشرک بہ) اس بندے کو جو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ اگر شرک سے کفر مراد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ کفار کی طرح اسے عذاب مخلد میں نہ ڈالے۔ اور اگر شرک سے ریا مراد ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اُسے عذاب سے بالکل محفوظ رکھے۔ (فقلت) میں نے عرض کیا۔ (یا رسول اللہ افلا ابشر بہ الناس) یا رسول اللہ لوگوں کو میں اس کی بشارت نہ دے دوں۔ بشارۃ بکسر و فتح و ضمہ تینوں طرح وارد ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کو خوش کن خبر دینا۔ بُشرہ سے مشتق ہے۔ خوش کن خبر سننے کا زیادہ تر اثر انسان کے بشرے اور چہرے سے نمایاں ہوتا ہے۔ (قال لا تبشرھم فیتکلوا) فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے تاکہ بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور صرف اتنی بات پر اعتماد کر کے احکام الٰہی پر عمل کرنا نہ چھوڑ دیں (فَيَتَّكِلُوْا) تائے فوقانی مشددہ اور کاف مکسورہ کے ساتھ اِتّکال بمعنی اعتماد فَيَنْكُلُوْا بفتح یائے تحتانی و سکون نون و ضمہ کاف بھی ایک روایت ہے۔ اس صورت میں نکول سے مشتق ہوگا۔ جس کا معنی ہے کسی کام کے کرنے سے رک جانا۔ کوئی شخص اگر یہ سوال کرے جب حضور علیہ السلام نے اس حدیث کے مضمون کی بشارت دینے سے حضرت معاذ کو منع کر دیا تھا تو حضرت معاذ نے اس کی خبر کیوں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ ممانعت اور نہی اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے کہ وہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی تکالیف شرعیہ کے عادی نہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب احکام اور تکالیف شرعیہ پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں۔ اور امر و نہی کا معاملہ استقامت پذیر ہو

گیا تو آپ نے اس کی خبر دے دی یا وجوب تبلیغ اور علم کے چھپانے پھر وعید کے بعد آپ نے یہ روایت کی۔ یا بشارت دینے سے روکنا ایک خاص جماعت کی نسبت تھا جن سے بھروسہ کر لینے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔ اور ان لوگوں کے لیے اس حدیث کی روایت کر دی جو اس نوعیت کے نہ تھے۔

۲۲ - وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔

(متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو جب کہ وہ حضور کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، فرمایا اے معاذ، حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ اور ہر آن آپ کی اطاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا اے معاذ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں حاضر ہوں اور ہر وقت آپ کی طاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا اے معاذ عرض کی یا رسول اللہ میں حاضر خدمت ہوں۔ اور ہر لمحہ آپ کی طاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ تین دفعہ آپ نے بلایا اور تینوں دفعہ حضرت معاذ نے یہ جواب عرض کیا۔ فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں تاکہ انہیں خوشی ہو فرمایا ایسا کرنے سے وہ کلمہ شہادت پر ہی اعتماد کر لیں گے۔ پھر حضرت معاذ نے اپنی موت کے وقت علم چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لیے لوگوں کو اس کی اطلاع اور خبر دی۔

شرح:۔ (عن انس) رضی اللہ عنہ (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعاذ ردیفہ علی الرحل قال) بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کہ حضرت معاذ آپ کے پیچھے سوار تھے ان کو فرمایا۔ (یا معاذ) اے (قال) معاذ نے عرض کیا (لبیک یا رسول اللہ وسعدیک) یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت و فرمانبرداری میں کھڑا اور حاضر ہوں۔ اور آپ کی معاونت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ (قال) حضور نے دوبارہ فرمایا (یا معاذ قال) اے معاذ انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ وسعدیک (قال) حضور نے تیسری دفعہ پھر فرمایا (یا معاذ قال) اے معاذ انہوں نے عرض کیا (لبیک یا رسول اللہ وسعدیک ثلاثا) حضور

نے تین بار حضرت معاذ کو بلایا۔ حضرت معاذ نے تینوں بار یہ جواب عرض کیا۔ اس تکرار سے دراصل تاکید و مبالغہ مقصود ہے کہ معاذ حضور کی گفتگو اور کلام کو پوری توجہ اور دھیان سے سنیں لبیک کا معنی قبول کرنا اور فرمانبرداری اختیار کرنا ہے۔ اور سعدیک کا معنی معاونت و موافقت کرنا ہے۔ یعنی میں آپ کی خدمت و طاعت اور ہر بات میں موافقت کے لیے تیار کھڑا ہوں۔ آپ جو کچھ فرمانا چاہتے ہیں فرمائیں۔ (قال) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مامن احد یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ) نہیں ہے کوئی شخص جو گواہی دے اور ایمان لائے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں (صدقاً من قلبہ) یہ گواہی صدق دل سے ہو اخلاص سے ہو شائبہ کذب و نفاق سے پاک ہو۔ (الا حرمہ اللہ علی النار) تو البتہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گواہی دینے والے کو آتش دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ جو اس نے کافروں منکروں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ یا آتش دوزخ میں ہمیشہ رہنا اس کے لیے حرام کر دیتا ہے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صرف کلمہ شہادت پر اس بشارت کے ملنے کا حکم فرائض اور اوامر و نواہی کے نزول سے پہلے تھا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادائے حق اور فرض الٰہی کی بجاآوری کے ساتھ اس کلمہ شہادت کا پڑھنا مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ندامت و توبہ کی نیت سے کلمہ شہادت کا پڑھنا اور پھر اس پر مرنا مراد ہے (قال) حضرت معاذ نے کہا (یارسول اللہ افلا اخبر بہ الناس) یارسول اللہ یہ خوشخبری لوگوں کو نہ دوں (فیستبشروا) کہ وہ یہ بشارت سنیں اور اپنے دل خوش کریں۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا (اذاً یتکلوا) جب تو لوگوں کو یہ بشارت دے گا تو وہ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ (فاخبر بہا معاذ عند موتہ) تو حضرت معاذ نے اس قصے یا ان کلمات کی خبر لوگوں کو اپنی موت کے وقت دی (تاثماً) علم کے چھپانے کے گناہ اور تبلیغ کا تارک بننے کی برائی سے بچنے کے لیے یہ خبر دی۔ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت دینے کی ممانعت علم چھپانے کی ممانعت سے پہلے تھی۔

۲۳۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَھُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (اس وقت) آپ سفید کپڑا لیے سو رہے تھے (میں واپس چلا گیا) کچھ دیر بعد پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا جو بندہ بھی کلمہ لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے پھر اسی پر اس کی موت واقع ہوتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے

اِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ	زنا کیا ہو اور چوری کی ہو فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔
قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ قَالَ	میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ
وَاِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ	اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس
زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ	نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری
اَبِیْ ذَرٍّ وَکَانَ اَبُوْ ذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ	کی ہو۔ چاہیے ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو۔
بِھٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ حدیث بیان فرماتے وان
ذَرٍّ۔ (متفق علیہ)	رغم انف ابی ذر کے الفاظ ساتھ بیان کرتے۔

شرح:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ زاہد اور صادقین صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ کا مذہب یہ تھا کہ مال میں سے اگر خدا کا حق ادا بھی کر دیا جائے تب بھی اس کا ذخیرہ نہیں بنانا چاہیئے۔ آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ اور ان شاء اللہ العزیز کتاب کے آخر میں بیان ہوں گے۔

(عن ابی ذر) رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) انہوں نے کہا (اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ (وعلیہ ثوب ابیض) کہ آپ پر سفید رنگ کا کپڑا تھا (دھوناٹی) اور آپ سوئے ہوئے تھے (ثم اتیتہ وقد استیقظ) کچھ دیر کے بعد میں پھر آیا اس وقت آپ بیدار ہو چکے تھے۔ آپ نے ان حالات کا ذکر اس لیے کیا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حضرت ابوذر حضور کے حالات شریفہ سے خوب واقف و آگاہ ہیں۔ تاکہ لوگ یہ بات جان لیں کہ ابوذر یہ روایت پورے علم اور مکمل بصیرت سے کر رہے ہیں۔ یا اس بنا پر کہ دوسرے معاملات سے قطع نظر محبوب کے حالات کا تذکرہ بذات خود لذیذ وشیریں ہوتا ہے اور غالباً یہ وحی اسی نیند کی حالت میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضور کی اس حالت کا ذکر کرنا بھی بہتر تھا۔ واللہ اعلم۔ (فقال) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما من عبد قال) نہیں ہے کوئی بندہ جو کہتا ہے (لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذلک) پھر اسی عقیدے پر مرا۔ اور اس کلمہ کے منافی کوئی بات اس سے صادر نہ ہوئی۔ (الا دخل الجنۃ) مگر وہ بندہ بہشت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ (قلت) میں نے عرض کیا (وان زنی وان سرق) کیا بہشت میں داخل ہوگا اگرچہ اس بندے نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (وان زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو اور جب کہ یہ بات حضرت ابوذر کو بعید اور عجیب محسوس ہوئی اس لیے تحقیق ویقین کی خاطر دوبارہ اس کا اعادہ کیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار وا عادہ حق جل وعلا کی رحمت پر کامل سرور اور شکر گزاری کے لیے ہو۔ (قلت) میں نے عرض کی (وان

زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قال) آپ نے فرمایا (وان زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قلت) میں نے پھر کہا (وان زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو (قال) آپ نے فرمایا (وان زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (علی رغم انف ابی ذر) ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہونے کے باوجود یہ شخص بہشت میں داخل ہوگا۔ رغم کا معنی ہے ناک خاک میں ملنا رغام بفتح را سے مشتق ہے بمعنی خاک۔ یہاں رغم انف سے ناگواری کے باوجود خوار ہونا اور فرمانبرداری اختیار کرنا مراد ہے۔ جب کہ یہ مسئلہ حضرت ابوذر کو بعید و غریب محسوس ہو رہا تھا گویا ان کی طبیعت کا پسندیدہ و محبوب امر اس کے الٹ تھا۔ تو ان کے پسندیدہ اور محبوب خیال کے خلاف حقیقت کا سامنے آنا ان کی خواری اور ان کی شکست کا سبب اور انہیں جبر و اکراہ کے ساتھ اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے اس کے علی الرغم یہ کام یا یہ بات کی ہے اس کا یہی معنی ہوتا ہے۔ (وکان ابوذر اذا حدث بھذا) حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے (قال) یہ کلمہ سابقہ بیان کرتے وان رغم انف ابی ذر اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہی ہو۔ جو الفاظ آپ نے اپنے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے، ان کی یاد اس کی تاکید و تحقیق اور اس سے لذت گیر ہونے کے لیے انہیں دہرایا کرتے تھے۔ بیت

کرد دشنام من آں محبوب جانے یک شبے
عمر بگذشت و ہنوزم لذتِ آں در دل است

ترجمہ۔ میرے محبوب نے ایک رات مجھے گالی دی عمر گزر گئی مگر اس گالی کی لذت اب تک دل میں موجود ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث اس امر کی دلیل ہیں کہ مومن اگرچہ فاسق اور مرتکب گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، خدا تعالیٰ کے عفو و مغفرت اس کے فضل و کرم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا بقدر گناہ آتش دوزخ میں سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا۔ اور وہ حدیث جس میں اس پر آتش دوزخ کا حرام ہونا آیا ہے۔ اس کی تاویل و توجیہہ حدیث معاذ میں گزر چکی ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ فاسق مومن ہے۔ اور مومن کا مآل آخر کار بہشت ہے۔ اس بارے میں لاتعداد صحیح احادیث آچکی ہیں۔ اور صحابہ و تابعین تمام سلف کا اس پر اجماع ہے۔ اور معتزلہ وغیرہ اہل بدعت کے ظہور سے پہلے سب اہل اسلام کا مذہب و مسلک یہی تھا۔ ان بدعتی لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ فاسق مومن نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور عمل ایمان کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہے۔ یہ بدعتی اس بارے میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی شخص صرف لاالہ الا اللہ کہنے سے بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ تو یہ بات ان کے صرف کلمہ شہادت پر اعتماد کر لینے، ان کے غرور، ان کے ارتکاب معاصی اور فسق و فجور پر دلیر ہونے کا باعث بنے گی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ لوگوں کو ملت اسلامی کی رسی اور قید شریعت سے آزاد

ہو جانے کا سبب بنے گا۔ لیکن جو کچھ وہ کہتے ہیں حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جھڑک اور ڈانٹ کی باتیں جو نافرمان لوگوں کے متعلق وارد ہوئی ہیں، بہت زیادہ ہیں اور گناہوں سے ڈرانے اور جھڑکنے کے لیے کافی ہیں۔ ورنہ قیامت کے روز اگر چاہیں گے تو ایک معصیت پر بھی حد و شمار سے بڑھ کر عذاب ہوگا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے کم از کم عذاب کی مدت دنیا کی عمر کے برابر ہوگی جو سات ہزار سال ہے۔ بعض روایات میں ستر ہزار برس بھی آئے ہیں۔ اور اس کلمہ طیبہ کا صدق و اخلاص سے صادر ہونا اور اس کلمہ طیبہ کے منافی امر یعنی شک و تردد کے لاحق ہونے کے بغیر اس کلمہ پہ قیام و دوام آسان کام نہیں۔ خصوصاً ان فساق و فجار سے جن کے دل نازیبا کلمات اور شبہات سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور شرع کو ہلکا جاننے اور حرام کو حلال قرار دینے کے بھنور میں پھنسے ہوتے ہیں۔ تاہم اس فسق و فجور کے باوجود اگر تصدیق قلبی نصیب رہے۔ اور غلبہ شہوت و نفس کے تحت معصیت صادر ہو جائے مگر خوف اور جزع فزع اور توبہ کا پختہ عزم و ارادہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو تو بتقاضائے وعدہ کرم اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بخش دے۔ اور سزا دینے اور عذاب و عتاب کرنے کے بعد آخر کار بہشت میں داخل فرمائے۔ یحکم اللہ ما یشاء ویفعل ما یرید ھو العزیز الحکیم (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

۲۴- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَابْنُ اَمَتِهٖ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔ متفق علیہ۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور یہ کہ بیشک حضرت عیسیٰ اس کے بندے اور اس کے رسول اور اللہ کی لونڈی کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ اور اس کی روح ہیں۔ اور یہ کہ جنت اور دوزخ حق ہیں تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ چاہے جیسے عمل پر بھی تھا۔

شرح: (وعن عبادۃ بن الصامت) حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من شہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ) جس شخص نے گواہی دی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول ہیں۔ اور گواہی دے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کا اثبات میں نصاریٰ کا رد ہے۔

جو انہیں اللہ یا اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور ان کی رسالت کی شہادت میں یہود کا رد ہے جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ (وابن امتہ) اور اس امر کی گواہی دے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی بندی مریم کے فرزند ہیں۔ عربی میں مرد کو عبداللہ اور عورت کو امۃ اللہ کہتے ہیں۔ اور مرد عورتیں سب کے سب اللہ کے غلام اور اس ذات پروردگار کے بندے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان الفاظ میں نصاریٰ کا رد اور اس کی تاکید ہے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس میں یہود کا رد بھی ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ سے اصل مراد یہ ہے کہ اس ذات پاک کی جناب اس بہتان و گالی سے بری اور منزہ ہے جس کی یہود اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ (وکلمتہ القاھا الی مریم) اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس بنا پر کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت اسباب عادیہ اور باپ کی وساطت کے بغیر صرف کلمہ کن سے ہوئی۔ یا اس بنا پر کہ آپ نے گہوارہ میں صغر سنی میں کلام کیا لہٰذا آپ اسم المتکلم کے مظہر کامل ہیں۔ (وروح منہ) حضرت عیسیٰ جناب حق تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والی روح ہیں۔ آپ کو روح اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ آ... نے مردے زندہ کیے۔ مردہ دلوں کو معنوی اور روحانی زندگی عطا کی۔ یا روح اللہ سے یہ مراد ہے کہ آپ ایسی صاحب روح شخصیت ہیں جسے بے وساطت اصل و مادہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے وجود عطا کیا۔ (والجنۃ والنار حق) اور اس بات کی گواہی دی کہ بہشت اور دوزخ برحق ہیں۔ (ادخلہ اللہ الجنۃ) تو اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو ابتداء یا بعد عذاب جنت میں داخل کرے گا۔ (علی ما کان علیہ من العمل) وہ نیک یا بد جس عمل پر بھی ہو۔ یہ حدیث مذہب اہل سنت و جماعت کی صریح دلیل ہے۔

۲۵ – وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلْاُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ فَقَبَضْتُ يَدِيْ فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا قُلْتُ اَنْ يُّغْفَرَ لِيْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آکر کہا اپنا داہنا ہاتھ پھیلائیے کہ میں آپ کی بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اپنا داہنا دست مبارک پھیلا دیا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ بند کر لیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا میں نے ارادہ کیا ہے کہ شرط مقرر کروں فرمایا کیا شرط مقرر کرنا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ مجھے بخش دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمرو تجھے معلوم نہیں کہ اسلام پہلے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہجرت سب پہلے گناہوں کو مٹا

يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَالْحَدِيْثَانِ الْمَرْوِيَّانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ وَ الْاٰخَرُ اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ سَنَذْكُرُهُمَا فِيْ بَابَيِ الرِّيَاءِ وَالْكِبْرِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

دیتی ہے اسی طرح حج بھی تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور دو حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ ان میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمام شریکوں کے شریک سے بہت ہی بے نیاز ہوں۔ دوسری حدیث یہ کہ کبریائی اور بڑائی میری چادر ہے ہم یہ دونوں احادیث باب ریا و کبر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

شرح: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ اور عقلائے قریش اور اہل فہم و دانش میں سے ہیں۔ آپ کے مفصل حالات کتاب جامع المناقب میں آئیں گے۔

(وعن عمرو بن العاص) (رضی اللہ عنہ) (قال) حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ (اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلت ابسط یمینک فلا بایعک) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ اپنا داہنا ہاتھ کشادہ کیجئے تاکہ میں اسلام پر آپ کی بیعت ہو جاؤں۔ لابایعکَ بکسر لام اور نصب عین اور فتح لام اور رفع عین دونوں طرح مروی ہے۔ (فبسط یمینہ) اس پر آپ نے اپنا دست راست کشادہ فرمایا (فقبضت یدی) تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا (فقال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (مالک یا عمرو) اے عمرو تجھے کیا ہوا اور تو نے یہ کیا کیا ہے۔ اور اپنا ہاتھ پیچھے کیوں کھینچ لیا ہے (قلت اردت ان اشترط) میں نے عرض کیا چاہتا ہوں کہ شرط کر لوں۔ (قال تشترط ماذا) کیا شرط کرنا چاہتا ہے۔ (قلت ان یغفرلی) میں نے عرض کی میری شرط یہ ہے کہ میری مغفرت ہو جائے اور میرے تمام پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ) اے عمرو تجھے معلوم نہیں یعنی تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام قبول کرنا پہلے ہر قسم کے گناہ کو چاہے وہ مظالم میں سے ہو یا غیر مظالم میں سے، سب مٹا دیتا ہے۔ مظالم اور غیر مظالم یعنی حقوق العباد اور حقوق اللہ)۔ (وان الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا) اور تجھے معلوم نہیں کہ بیشک ہجرت یعنی ایمان بچانے کی خاطر دار حرب و کفر سے دار اسلام میں پناہ لینا پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے (ان کی معافی ہو جاتی ہے)۔ (وان الحج یھدم ما کان قبلہ) اور تجھے علم نہیں کہ بیت اللہ شریف کا حج پہلے تمام گناہوں کے نام و نشان کو مٹا دیتا ہے۔ ہجرت و حج تو ان گناہوں کی مغفرت سے مخصوص ہے۔ جو

لوگوں پر مظالم اور ان کی حقوق تلفی کے علاوہ ہیں۔ حج میں ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ اس کے مظالم بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہے۔ واللہ اعلم۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔ صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ موت کے وقت نہایت قلق و اضطراب اور شدید بے تابی محسوس کر رہے تھے۔ آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اے والد محترم اس قدر قلق و اضطراب کی کیا وجہ ہے۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیئے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو چکی ہے۔ اور آپ نے حضور کی خدمت اقدس میں رہ کر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں اپنی عمر میں تین قسم کے حالات پیش آئے۔ ایک یہ کہ اسلام لانے سے پہلے ہم لوگ اپنا سب سے بڑا دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے ہم نے ان کے خلاف لڑائیاں لڑیں۔ اور ان کی عداوت و دشمنی میں کمربستہ رہے۔ پھر دوسری حالت یہ تھی کہ اسلام لانے اور قبول کرنے کے بعد ہمارے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔ اور ہمیں آپ کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا اور آپ کی طاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر تیسری حالت یہ رونما ہوئی کہ حضور کے وصال مبارک کے بعد ہم نے امارت اور حکومت کا دور دیکھا۔ اور کئی طرح کے عجیب و غریب حالات و واقعات پیش آئے۔ ان میں کئی طرح کی افراط و تفریط واقع ہوئی۔ اور بہت سی باتیں صادر ہوئیں۔ دیکھیں ان کا انجام کیا سامنے آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(والحدیثان المرویان عن ابی ھریرۃ) اور دو حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ اور مصابیح میں کتاب ایمان کے اندر موجود ہیں، ان میں سے پہلی حدیث وہ ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں (قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک) میں تمام شریکوں کے شرک سے کامل درجے بے نیاز ہوں۔ اور دوسری حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں الکبریاء ردائی بڑائی و کبریائی میرا لباس ہے۔ یہ دونوں مکمل احادیث ہم ریاء و کبر کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۲۶۔ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے ایسا نیک عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ اور مجھے دوزخ سے دور کر دے۔ فرمایا بیشک تو نے

سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ يَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِي الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِي الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُونَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ ۔ رواہ احمد والترمذی

ایک نہایت مشکل چیز کے بارے میں سوال کیا ہے تاہم بلاشبہ وہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس پر اللہ تعالٰی آسان کر دے (وہ عمل یہ ہے) کہ تو اللہ تعالٰی کی عبادت کرے۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔ اور پابندی سے نماز ادا کرے۔ زکوٰۃ دے۔ رمضان شریف کے روزے رکھے اور بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ پھر حضور نے فرمایا میں تجھے خیر اور نیکی کے دروازوں کی رہنمائی نہ کروں۔ روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا (مٹا) دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور آدمی کا رات کے درمیانی حصے میں نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تتجافی جنوبھم عن المضاجع یعملون تک پھر آپ نے فرمایا میں تجھے سب سے بڑا کام اس کا ستون اور اس کی کوہان کی چوٹی نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کی ہاں فرمایا سب سے بڑا کام اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے۔ اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا میں تجھے ان سب باتوں کے اصل مدار اور اس کی بنیاد کی خبر دوں میں نے عرض کی یا اللہ کے نبی ضرور بتائیں۔ تو آپ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا اسے اپنے پاس روک کر رکھ۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم لوگ زبان سے جو باتیں کرتے ہیں اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی۔ فرمایا اے معاذ تیری ماں تجھ پر روئے۔ کوئی چیز لوگوں کو ان کے مونہوں یا نتھنوں کے بل دوزخ میں نہ گرائے گی مگر ان کی زبانوں کی باتیں۔

شرح:۔ (عن معاذ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قلت) کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اخبرنی بعمل یدخلنی الجنۃ ویباعدنی من النار یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کرے اور آتش دوزخ سے دور کر دے۔ (قال) آپ نے فرمایا (لقد سالت عن امر عظیم) بیشک تو نے بڑے مشکل اور عظیم کام کا سوال کیا ہے۔ (وانہ لیسیر علی من یسرہ اللہ تعالیٰ علیہ) اور بیشک وہ آسان ہے اس شخص پر جس پر اللہ تعالیٰ وہ کام آسان کر دے۔ اس کے بعد اس کا ذکر فرمایا (تعبد اللہ ولا تشرک بہ) خدا تعالیٰ کی عبادت کر۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ (وتقیم الصلوٰۃ) اور پابندی سے نماز ادا کر۔ (وتوتی الزکوٰۃ) زکوٰۃ ادا کر۔ (وتصوم رمضان) اور رمضان کے روزے رکھ۔ (وتحج البیت) اور خانہ کعبہ کا حج کر۔ (ثم قال الا ادلک علی ابواب الخیر) پھر فرمایا کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ خیر اور نیکی کے دروازے کون سے ہیں۔ جن سے نیکی بندے کے اندر داخل ہوتی ہے (الصوم جنۃ) روزہ ڈھال کا حکم رکھتا ہے۔ کہ روزہ دار کو معصیت کا تیر لگنے سے بچاتا ہے کیونکہ روزہ شہوات کو روکتا اور شیطانی راستے کو بند کرتا ہے۔ (والصدقۃ تطفی الخطیئۃ) اور فقیر کو راہ خدا میں مال دینا سرد کر دیتا اور مٹا دیتا ہے آتش گناہ کو۔ (کما یطفی الماء النار) جس طرح پانی آگ کو سرد کر دیتا ہے۔ اگرچہ مطلقاً ہر نیکی گناہوں کو مٹاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے (ان الحسنات یذھبن السیئات) بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی (مٹا دیتی) ہیں، لیکن صدقہ میں گناہ معاف کرانے کی قوت زیادہ ہے کہ اس میں دوسرے کا نفع ملحوظ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز دعویٰ ایمان کی صداقت اور خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت و وابستگی کی قوی دلیل ہے۔ (وصلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل) اور مرد کا رات کے درمیانی حصہ میں نماز (نفل) پڑھنا بھی خیر و نیکی کے دروازوں میں سے ہے کہ اس دروازہ سے بھی بندے میں فیوض و انوار آتے ہیں۔ اور یہ بھی گناہوں کی آگ کو بجھانے کا سبب و ذریعہ ہے۔ بیت

گر روز نیا بیش ز غوغائی عرب شب محرم عاشقان ست شبہا ش طلب

ترجمہ:۔ اگر دن میں لوگوں کے شور و غوغا کے باعث تو اُسے نہیں پا سکتا تو رات میں اسے تلاش کر کہ رات عاشقوں کی محرم (راز) ہے۔

(ثم تلا) تہجد رات کی نماز اور صدقہ کی فضیلت کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع جزاء بما کانوا یعملون تک آپ نے یہ آیت پڑھی۔ آیہ مذکورہ کا حاصل معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ شب بیدار اور اپنے پہلوؤں کو اپنی خوابگاہوں سے الگ رکھنے والوں کی صفت و ثنا فرماتا ہے۔ اور پھر مولیٰ کریم جل و علا انہیں جن نعمتوں سے نوازے گا اور اس کے راستے میں مال خرچ کرنے والوں کو آخرت میں جو کچھ عطا فرما

گا۔ اس سے کوئی آگاہ نہیں وہ ایسی نعمتیں اور عطائیں ہوں گی جو ان کے قرار و آرام اور ان کی لذت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گی۔ ان کے اعمال صالحہ اور ان کی شب بیداری اور صدقہ و خیرات کی جزا کے طور پر اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی انواع واقسام کی نعمتوں اور اپنے دیدار سے نوازے گا۔ بیت

شرف مرد بجود ست و کرامت بسجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ۔ مرد کی بزرگی اور اس کا شرف سخاوت سے اور اس کی عزت سجدہ و عبادت سے ہے۔ جس میں یہ دو خوبیاں نہ ہوں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

(ثم قال) اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امور دین اور شعار ملت میں سے افضل امر اور خلاصہ دین کا انتخاب کرتے ہوئے فرمایا (الا ادلك برأس الامر) میں تجھے نہ بتاؤں کہ اصل اور دینی کاموں میں سے افضل و اعلیٰ کونسا کام و عمل ہے۔ جس کے بغیر دین کچھ نہیں جس طرح روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں (و عمودہ) اور بتاؤں کہ دین کا ستون کیا چیز ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوتا۔ اور قوت و کمال کے درجے کو پہنچتا ہے۔ جس طرح مکان ستون کے سہارے قائم ہوتا ہے۔ (وذروۃ سنامہ) اور بتاؤں دین کی کوہان کی چوٹی اور بلندی کیا چیز ہے۔ جس سے دین بلند اور اونچا دکھائی دیتا ہے۔ ذروۃ بکسرہ و ضمہ ذال بلند مکان کو کہتے ہیں۔ اور پہاڑ کی بلند چوٹی کو بھی ذروہ کہتے ہیں۔ سنام بفتح سین اونٹ کی کوہان۔ (قلت) میں نے عرض کی ہاں جب کہ سائل کا توجہ سے سننے کا شوق و ذوق بڑھا اور اس مقام میں پہنچ کر اس امر عظیم کی صفات عظیمہ سن کر اسے پانے اور معلوم کرنے کی رغبت بڑھ گئی (بلی) تو عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ) مجھے اس کی راہ نمائی فرمائیں۔ (قال) آپ نے فرمایا (راس الامر الاسلام) تمام ارکان کا سردار اسلام ہے۔ اسلام سے مراد اللہ و رسول پر ایمان کی شہادت ہے۔ جو سارے دین کی اصل و بنیاد ہے۔ (وعمودہ الصلوٰۃ) اور دین کا ستون نماز ہے۔ کہ مسلمان کے دین کو اس سے قوت و پختگی حاصل ہوتی ہے۔ (وذروۃ سنامہ) اور دین کی کوہان کی بلندی کفار سے جہاد کرنا ہے۔ کہ اس سے دین کو بلندی و رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب کہ جنگ و جہاد غالبا سواری کی حالت میں ہوتا ہے تو جہاد میں صورۃ بھی بلندی پائی جاتی ہے (ثم قال الا اخبرك بملاك ذلك كله) پھر آپ نے فرمایا میں تجھے وہ چیز بتاؤں جو ان تمام چیزوں کی جنکا ذکر ہوا، مدار و موقوف علیہ ہے۔ یا ذالک سے اسلام کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کے اجزاء اور ارکان کے اعتبار سے یہ اس کی تاکید ہے۔ ملاک وہ چیز جس سے کوئی چیز قیام پذیر اور منظم ہو۔ یہ لفظ کسرہ میم اور فتح دونوں کے ساتھ آیا ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت کسرہ اور فتح دونوں طرح اسے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں حدیث میں بکسر

میم ہے۔(قلت بلی) میں نے عرض کی ہاں مجھے اس کی ضرور خبر دیں۔(یا نبی اللہ) اے اللہ کے نبی برحق (فاخذ بلسانہ) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا۔(وقال) اور فرمایا (کف علیك هذا) اس کی حفاظت کر اور اسے روک کر رکھ۔(فقلت) میں نے استفہام اور تعجب کے طور پر عرض کیا (یا نبی اللہ وانا لمواخذون بما نتکلم بہ) اے اللہ کے نبی ہم لوگ زبان سے جو کچھ کہتے اور بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی۔(قال ثکلتك امك یا معاذ) اے معاذ تیری ماں تجھے روئے ثکل بضم ثاء بمعنی موت، ہلاکت اور دوست و اولاد کا گم ہونا۔ دراصل یہ کسی کے مرنے اور ہلاکت کی دعا ہے۔ یعنی تو مر جاتا کہ جس بعنور و مخمصے میں تو پڑا ہوا ہے اس سے چھوٹ جائے۔ علماء فرماتے ہیں یہ ایک لفظ ہے جو عادت کے طور پر زبان سے جاری ہوتا ہے اس کا معنی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ مخاطب پر تعجب و انکار مقصود ہوتا ہے۔(وھل یکب الناس فی النار) کونسی چیز لوگوں کو آتش دوزخ میں ڈالے گی (علی وجوھھم) ان کے چہروں کے بل (او علی مناخرھم) یا ان کے نتھنوں کے بل۔ راوی کو شک ہے کہ حضور علیہ السلام نے علی وجوھھم کا لفظ فرمایا یا علی مناخرھم کا۔ مناخر منخر کی جمع ہے۔ بفتح میم و سکون نون و فتح خائے معجمہ یا بکسرۂ خا۔ اصل میں ناک کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے ناک مراد ہے۔ کہ جو چیز چہرے پر گرتی ہے پہلے ناک پر گرتی ہے کیونکہ چہرے کے بلند ترین اجزاء میں سے ہے۔ یعنی لوگوں کو کوئی چیز دوزخ میں نہ ڈالے گی (الا حصائد السنتھم) مگر ان کی باتیں جو بلا تمیز و احتیاط نیک و بد زبان سے نکالتے ہیں۔ اور نیک و بری بات میں فرق نہیں کرتے۔ اور مفید و لایعنی گفتگو میں تمیز نہیں کرتے۔ حصائد حصیدہ کی جمع ہے۔ وہ شے جو کھیت سے درانتی کے ساتھ کاٹی جائے۔ کھیت سے شے کاٹتے وقت خشک و تر اور کارآمد و بے کار میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ بے فائدہ باتوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔ یہ اکثر و اغلب دستور کے مطابق فرمایا۔ کہ آدمی زادہ کو دنیا و آخرت میں جو رنج و مصیبت پہنچتی ہے۔ اکثر زبان کے راستے پہنچتی ہے۔ نظم

ہر چہ بر آدمی رسد ز زیاں	ہمہ از آفت زبان برسد
ہر چہ آمد بزبانت گفتی	آنچہ آمد بدھانت خوردی
دیگرے را چہ گناہ است کہ تو	خویش را خویش بدوزخ بردی

(ترجمہ) انسان جو نقصان اٹھاتا ہے عموماً زبان سے ہی اٹھاتا ہے۔

جو کچھ تیری زبان پر آئے اسے کہہ ڈالے اور جو کچھ تیرے منہ میں آئے اسے ہڑپ کر جائے۔

تو پھر دوسرے کا کیا گناہ تو خود ہی اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال رہا ہے۔

۲۷۔ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ، رواہ ابو داؤد ورواہ الترمذی عن معاذ بن انس مع تقدیم وتاخیر وفیہ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے کسی کو کچھ عطا کیا اور اللہ کے لیے روکا۔ تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے معاذ بن انس سے یہ حدیث روایت کی اس میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں فقد استکمل ایمانہٗ۔ اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نام صُدیّ ہے بضم صاد وفتح دال مہملتین وتشدید یا و قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ صحابی ہیں۔ آپ کے نسب اور آباؤ اجداد میں محدثین کا اختلاف ہے۔ تاہم آپ کی کنیت پر سب کا اتفاق ہے۔ پہلے مصر میں سکونت اختیار کی پھر حمص میں منتقل ہو گئے۔ وہیں وفات پائی۔ آپ کثیر الروایۃ ہیں۔ آپ کی اکثر احادیث شامیوں کے پاس ہیں۔ ۸۰ھ یا ۸۱ھ میں ۹۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اکثر محدثین کے قول کے مطابق آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے شام میں انتقال فرمایا۔

(وعن ابی امامۃ) رضی اللہ عنہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من احب للّٰہ وابغض للّٰہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے کسی سے محبت کرتا ہے۔ اور اسی کے لیے کسی سے دشمنی رکھتا ہے۔ (واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ) اور خدا کے لیے دیتا ہے اور خدا ہی کے لیے روکتا ہے۔ یعنی اس کے تمام کام خدا ہی کی رضا و خوشنودی کی خاطر ہوتے ہیں۔ بیت

وطن برائے تو گیرم سفر برائے تو جویم　　　خمش برائے تو باشم سخن برائے تو گویم

ترجمہ۔ میں تیرے لیے کسی جگہ کو وطن بناتا ہوں اور تیرے ہی لیے سفر اختیار کرتا ہوں۔ تیرے لیے خاموش رہتا ہوں اور تیرے ہی لیے لب کشائی کرتا ہوں۔

(فقد استکمل الایمان) تو بیشک اس نے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ کہ اس کا کمال خالص ایمان لانے میں ہے۔ جو صدیقین کاملین کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ایمان عطا فرمائے۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ (ورواہ الترمذی، عن معاذ بن انس) اور امام ترمذی نے اسے معاذ بن انس سے روایت کیا بعض فقروں کی بعض پر تقدیم و تاخیر کے ساتھ اور مصابیح کے الفاظ یہی ہیں۔ اور ترمذی میں فقد استکمل الایمان کی

بجائے فقد استکمل ایمانہ کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۸ ۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر عمل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

شرح:۔ اس حدیث کا معنی بعینہٖ وہی ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے اور اس عمل کا تمام اعمال سے افضل و بہتر ہونا اس لحاظ سے ہے کہ تمام خیرات اور نیکیوں کا مبنیٰ اور باعث خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ اور جب اس کی محبت اس حد تک غالب آجائے کہ کسی شئے سے محبت نہ رکھے مگر خدا کے لیے اور دشمنی نہ رکھے مگر خدا کی خوشنودی کے لیے۔ تو اس کے غلبہ محبت کی یہ کیفیت تمام امر کی بجا آوری اور تمام منہیات سے رک جانے کا باعث بنے گی۔

اس قسم کی احادیث جوامع الکلم (وہ کلمات جن کے معانی میں غایت درجہ جامعیت پائی جاتی ہو) میں سے ہیں کہ اسلام، ایمان اور احسان کے تمام مراتب و درجات کی جامع اور شریعت کے تمام احکام، طریقت کے جملہ آداب اور حقیقت کے جملہ اسرار پر مشتمل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص کسی باورچی سے اس بنا پر دوستی رکھے کہ یہ اچھا کھانا پکاتا اور فقراء و صلحاء کو کھلاتا ہے تو اس کی یہ دوستی خدا کے لیے ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی آدمی اپنے استاد سے اس لیے محبت کرے کہ اس سے علم حاصل کرتا ہے۔ اور پھر اس علم کو دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنائے گا۔ تو یہ دوستی خدا کے لیے نہیں ہے۔

۲۹۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ رواہ الترمذی والنسائی وزاد البیھقی فی شعب الایمان بروایۃ فضالۃ وَالْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنے خونوں اور مالوں کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ یہ الفاظ زیادہ روایت کیے اور مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔

شرح :۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ ان الفاظ کی شرح فصل اول میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ (والمؤمن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم) اور مومن کامل وہ شخص ہے جسے لوگ اپنے خونوں اور مالوں پر امین اور محافظ جانیں یعنی جس سے لوگ اپنی جان و مال میں کوئی خطرہ محسوس نہ کرتے ہوں۔ اور جس کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہوں کہ بلا اجازت شرع کسی کے مال میں یہ شخص تصرف نہ کرے گا اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان اور مسلم و مومن متغائر اور الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسلام و ایمان سے ایک ہی معنی مراد ہے۔ فقرہ ثانی پہلے فقرہ کی تاکید و تقریر ہے۔ اس حدیث میں اسلام پر لوگوں کی سلامتی کو مرتب فرمایا اور ایمان سے لفظی مناسبت و مطابقت کے لحاظ سے لوگوں کے امن و عافیت کو متعلق فرمایا۔ پھر جملہ ثانی (المؤمن من امنہ الخ) میں صرف ہاتھ کے گناہوں کے بیان پر کفایت کی زبان کے گناہوں کا تکرار نہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کے گناہ ظاہر اور عام ہیں اس لیے اس کے تکرار کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ہاتھ کے گناہ بیان و تاکید کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ توجیہ بھی درست ہے کہ جب کہ ایمان تصدیق اور عمل قلب سے عبارت ہے اس بنا پر ایمان اسلام سے قوی اور کامل تر ہے۔ کہ اسلام (اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے محض ظاہری طاعت و فرمانبرداری سے عبارت ہے۔ اس لیے لوگوں کے امن و عافیت کو جو سلامتی کے مفہوم سے قوی تر ہے ایمان کے ساتھ مختص کیا کہ سلامتی کا مفہوم ذہنی نقصان پہنچانے کے وہم و احتمال کے باوجود کسی کو مزید نقصان نہ پہنچانا ہے۔ اور امن کے مفہوم میں اس وہم و احتمال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دماء (خون) و اموال سے متعلق امن و خوف ہاتھ کے ساتھ مختص نہیں ہوتا۔ زبان کا بھی اس میں دخل ہے کہ زبان کے ذریعے ایک دوسرے کے درمیان پھوٹ ڈالتے دوسروں کی غیبت و چغلی کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اس حدیث میں خون و مال کے ساتھ عزت کا ذکر نہ کرنا اس بنا پر ہے کہ خون کی حفاظت عزت کی حفاظت کو شامل اور راسی کے حکم میں داخل ہے۔ خوب سمجھ لے۔ وباللہ التوفیق۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ درج ذیل فقرات زیادہ بیان کیے فُضَالَۃ بفتح فاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں (والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ) کامل اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ کہ نفس طاعت الٰہی سے انکار اور سرکشی

کرتا ہے۔ اور فرمانبرداری کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ تو جاہد وہ ہے جو اس سے جنگ کرتا شریعت کا پابند بناتا اور خالق و مالک کی فرمانبرداری کی طرف کھینچ کر لاتا ہے۔ بیت

سہل آں شیرے کہ صفہا بشکند   شیر آں باشد کہ خود را بشکند

ترجمہ۔ بڑا شیر وہ نہیں جو صفوں کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے آپ کو پچھاڑ دے۔

(والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب) اسی طرح حقیقی و کامل درجے کا مہاجر وہ ہے جو صغیرہ کبیرہ اور دانستہ و نادانستہ ہر قسم کے گناہ چھوڑ دے۔ اس کی تحقیق و تشریح بھی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳۰۔ **وَعَنْ** اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ رواہ البیهقی فی شعب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کم ہی ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا ہو مگر اس میں یہ فرمایا کہ جس میں امانت و دیانت نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں۔ اور عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔

شرح:۔ (وعن انس) رضی اللہ عنہ (قال قلما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا وقت کم ہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا ہو (الا قال) مگر یہ کلمات ضرور بیان فرمائے اور ان پر عمل کی وصیت فرمائی (لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔) جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں (ولا دین لمن لا عهد له) اور جو عہد و پیمان کا پابند نہیں اس کا دین نہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ظاہر یہی ہے کہ امانت سے اس کا مشہور و متعارف معنی مراد ہے یعنی ان کے اموال اور ان کی مجالس کی حفاظت اور اس میں ترک خیانت سے عبارت ہے۔ اور عہد سے ان کے آپس کے عہد و پیمان مراد ہیں جو وہ آپس میں کرتے ہیں۔ تو ایمان اور دین کی نفی تغلیظا اور تاکید کے لیے ہے۔ اور دین و ایمان کامل مراد ہے۔ اور اگر امانت سے تکالیف شرعیہ مراد ہوں جن کا ذکر اٰیۃ کریمہ ان عرضنا الامانۃ (بیشک ہم نے ایک امانت پیش کی) اور عہد سے روز الست کا عہد مراد ہو جو پروردگار عالم نے بندوں سے حقوق ربوبیت کی حفاظت کے لیے لیا تھا تو پھر حدیث کے الفاظ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ وہ فروع و اصول کے لحاظ سے دین و ایمان کو شامل ہے۔ اس صورت میں کلام میں تکرار و تاکید تحقیق و پختگی کے لیے ہوگی۔ واللہ اعلم

الفصل الثالث

تیسری فصل

۳۱ - عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ - رواه مسلم -

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آتش دوزخ اس پر حرام کردی۔

شرح:۔ (عن عبادة بن الصامت) رضی اللہ عنہ۔ روایت ہے حضرت عُبادہ (بضم عین و تخفیف با) بن الصامت جو کبرائے انصار اور ان کے نقباء میں سے ہیں کہ (قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (من شهد ان لا الٰه الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار) جو شخص صدق و یقین سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان لایا اور اس کا اقرار کیا اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ اس کی شرح گزشتہ حدیث معاذ میں گزر چکی ہے۔

۳۲ - وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ - رواه مسلم

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

شرح:۔ (وعن عثمان) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین و ایمان کی حالت میں مرا (دخل الجنة) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ گناہوں کی پاداشں میں اسے کچھ وقت کے لیے دوزخ میں جاتا اور عذاب برداشت کرنا پڑے۔ اور اس بات کی بھی امید ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں اور وہ دوزخ کے عذاب سے بالکل ہی محفوظ رہے۔

۳۳ - وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ۔ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ قَالَ مَنْ مَّاتَ یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ۔ وَمَنْ مَّاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ رواہ مسلم۔

علیہ وسلم نے فرمایا دو کام ایسے ہیں جن کی جزا اور بدلہ ثابت ہو کر رہتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ وہ دو چیزیں کونسی ہیں جن کی جزا بندے کو ضرور ملتی ہے۔ فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا تھا اور کفر میں مبتلا تھا وہ البتہ دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں رہے گا اور جو شخص اس حال میں مرا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ مرتے ہی یا انجام کار جنت میں داخل ہو گا۔

۳۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَاَ عَلَیْنَا وَخَشِیْنَا اَنْ یُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَتَیْتُ حَائِطًا لِّلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِیْعٌ یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِّنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَالرَّبِیْعُ الْجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور آپ نے واپس تشریف لانے میں دیر کر دی اور ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ آپ کہیں بالکل تنہا نہ ہو جائیں (اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے) اور ہم لوگ گھبرا گئے (اور آپ کی تلاش کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے گھبراہٹ محسوس کرنے والا شخص میں تھا۔ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ انصار کے قبیلہ بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچا میں نے اس باغ کے اردگرد چکر لگایا مگر مجھے اندر جانے کا دروازہ نہ ملا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ باغ سے باہر کنویں کی ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے اپنے جسم کو سکیڑا اور باغ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ نے دیکھ کر فرمایا ابوہریرہ ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں ابوہریرہ ہوں۔ فرمایا تمہارا کیا حال

فَقُلْتُ نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ
مَا شَأْنُكَ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا
فَقُمْتَ فَاَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ
تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ
اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا
الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ
الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِيْ
فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِيْ
نَعْلَيْهِ فَقَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ
فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَّرَآءِ هٰذَا الْحَائِطِ
يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا
قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ
لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ
يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -
بَعَثَنِيْ بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ
اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مستقينا بها
قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ
بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِيْ فَقَالَ
ارْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِيْ عُمَرُ
وَاِذَا هُوَ عَلٰى اِثْرِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ

ہے (ادھر کیسے آئے ہو) میں نے عرض کی آپ ہمارے درمیان
تشریف فرما تھے پھر اچانک آپ اُٹھ کر آگئے اور واپس پہنچنے میں
آپ نے دیر کردی جس سے ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ آپ کہیں
بالکل تنہا اور اکیلے رہ جائیں اور دشمن آپ کو گزند پہنچائے
اس خیال سے ہم لوگ گھبرا گئے۔ اور سب سے یہ گھبراہٹ
جسے لاحق ہوئی وہ میں تھا۔ تو میں اس باغ میں آیا۔ اور جس طرح
لومڑی اپنا جسم سکیڑ لیتی ہے اس طرح میں اپنا جسم سکیڑ کر اندر
داخل ہوا) اور باقی لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں اس پر آپ نے
اپنا جوتا مبارک مجھے دیتے ہوئے فرمایا اے ابو ہریرہ میری یہ
نعلین شریف لے کر جاؤ اور اس باغ کے باہر پیچھے آنے والا اور
یقین قلبی کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جو شخص بھی
تجھے ملے اسے جنت کی بشارت دے۔ تو سب سے پہلے جو شخص
مجھے ملا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے
دیکھ کر فرمایا یہ کس کے نعلین مبارک ہیں میں نے کہا یہ حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے نعلین شریف ہیں آپ نے یہ دے کر مجھے
بھیجا ہے۔ کہ یقین قلبی کے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت
دینے والے جس شخص سے بھی میں ملوں۔ اسے جنت کی بشارت
دوں (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر تھپڑ
مارا جس سے میں اپنی سیرین کے بل گر پڑا اور فرمایا اے ابو ہریرہ
واپس لوٹ چل تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
اقدس میں واپس لوٹ آیا۔ اور میں نے روتے ہوئے حضور کے
پاس آکر پناہ لی۔ اور حضرت عمر بھی مجھ پر چڑھے ہوئے (میرے ساتھ
ساتھ) میرے پیچھے ہی آرہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ مَا شَأْنُكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِيْ بَعَثْتَنِيْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِإِسْتِيْ فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ۔

رواہ مسلم۔

فرمایا ابوہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کی کہ میں عمر سے ملا اور انہیں وہ بشارت دی جس کے دینے کے لیے آپ نے مجھے بھیجا انہوں نے (خوشخبری سن کر) میرے سینے پر تھپڑ مارا ہے جس سے میں اپنی سیرین کے بل گر پڑا ہوں۔ اور مجھے کہا کہ واپس لوٹ چل۔ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر تجھے اس فعل پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا اور قربان ہوں۔ کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنا جوتا مبارک دے کر یہ بشارت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ جو شخص بھی یقین قلبی کے ساتھ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے اسے جنت کی بشارت دے۔ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عمر نے عرض کی آپ ایسا نہ کریں کہ بیشک مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے (عمل کرنا چھوڑ دیں گے) لوگوں کو رہنے دیں کہ عمل میں مصروف رہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ٹھیک ہے) اسی حال میں لوگوں کو رہنے دے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کنا قعودا حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ (ومعنا ابوبکر وعمر) حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہمارے ساتھ تھے (فی نفر) ایک جماعت و گروہ کی صورت میں نفر کا لفظ آدمیوں کی تین سے دس تک کی جماعت پر بولا جاتا ہے اور مطلق قوم و جماعت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ (من بین اظھرنا) ہمارے درمیان سے۔ اظھر بفتح ہمزہ و سکون ظاء و ضم ہاء ظہر کی جمع ہے بمعنی پشت چونکہ جو شخص چند افراد کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ دراصل ان کی پشتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کہ ہر فرد کی پشت اس سے ایک طرف کو ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں لفظ ظہر میں مدد و قوت حاصل کرنے کا معنی بھی ہے۔ جو شخص کسی قوم و جماعت کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ مدد طلب و قوی ہوتا ہے۔ عرب یہ لفظ ویسے ہی کلام میں

استعمال کر دیتے ہیں اس کا معنی مراد نہیں ہوتا بظاہر اس لفظ کا معنی یہ بنتا ہے کہ حضور ہماری پشتوں کے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے۔ یعنی ہمارے درمیان سے۔ زبان عرب میں یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ (فابطأ علینا) تو آپ نے ہمارے پاس واپس آنے میں دیر کر دی۔ اور کافی وقت گزر گیا کہ آپ واپس تشریف نہ لائے۔ (وخشینا ان یقتطع دوننا) اور ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ کہیں دشمن وغیرہ آپ کو تنہا دیکھ کر پکڑ لے۔ اور تکلیف پہنچا مراح میں ہے اقتطاع کسی چیز سے ٹکڑا جدا کرنا۔ (وفزعنا) خشیت اور فزع دونوں کا غالباً ایک ہی معنی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ خشیت دل کے ڈر اور خوف کو کہتے ہیں۔ اور فزع وہ ڈر ہے جس کا اثر ظاہر جسم پر بھی محسوس ہو۔ جیسے اٹھ کھڑا ہونا اور فکر و تلاش کرنا۔ (فقمنا) تو ہم ساری کی ساری جماعت اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی ڈھونڈ پڑتال شروع کر دی۔ بیت

نشست آں دلبر جانی بجانم ہمچو جاں در تن اگر یکدم جدا افتاد جان از تن بروں آید

ترجمہ۔ وہ دلبر جانی میری جان میں جان کی طرح ہر وقت موجود ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے جدائی واقع ہو جائے تو جسم سے جان نکل جائے گی۔

(فکنت اول من فزع) سب سے پہلے شخص جسے یہ ڈر لاحق ہوا، اور اٹھ کھڑا ہوا میں تھا۔ اس عبارت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غایت محبت و التجاء مفہوم ہوتی ہے۔ فی الحقیقت ایسا کیوں نہ ہو جب کہ غریب و بے بس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے حضور کی جناب اور آپ کے لطف و کرم کے سوا اور کوئی پشت و پناہ اور ملجاء و ماویٰ نہ تھی۔ بیت

جز آستان توام در جہاں پناہے نیست سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ترجمہ۔ تیرے آستانے کے سوا جہاں میں میری کوئی جائے پناہ نہیں۔ تیرے در کے سوا کوئی جگہ نہیں جس کے حوالے اپنا سر کروں۔

(فخرجت ابتغی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ (حتی اتیت حائطا للانصار) یہاں تک کہ میں انصار کے ایک باغ میں پہنچا (لبنی النجار) جو بنی نجار کی ملکیت تھا۔ بنی نجار انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ حائط۔ در اصل اس دیوار کو کہتے ہیں جو باغ کے ارد گرد ہوتی ہے۔ پھر اس کا اطلاق باغ پر بھی کر دیتے ہیں۔ گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قیاس اور کسی قرینہ و علامت سے معلوم ہو گیا کہ آپ اس باغ میں تشریف فرما ہیں۔ بلکہ حضور کے جمال کی خوشبو نے نسیم آپ کے مشام محبت کو پہنچی جس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ آپ اس باغ میں تشریف رکھتے ہیں۔ بیت

رفت بر بوئے سر زلف تو خلقے بچمن ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

ترجمہ۔ لوگ تیری زلف کی خوشبو کے خیال میں چمن کی طرف گئے۔ ورنہ بوئے نسیم سحری سے کسی کو کوئی غرض و مطلب نہیں۔

(فدرت به هل اجد له بابا) اور باغ کے گرد چکر لگایا کہ شاید کسی جانب دروازہ ملے تو اندر جاؤں۔ (فلم اجد) تو مجھے کوئی دروازہ نہ ملا۔ شاید اس کا دروازہ بند تھا یا وہ قلق و اضطراب جو اس وقت حضرت ابوہریرہ کو لاحق تھا اس کی وجہ سے دروازہ دکھائی نہ دیا۔ (فاذا ربیع یدخل فی جوف حائط) اور گرد چکر کاٹنے کے دوران مجھے ایک چھوٹی سی نہر دکھائی دی جو دیوار کے درمیان سے باغ میں داخل ہو رہی تھی۔ (من بئر خارجۃ) ایک بیرونی کنویں سے۔ بعض نے کہا ہے کہ خارجۃ ایک آدمی کا نام ہے جس کا یہ کنواں تھا۔ پہلے معنی کے مطابق لفظ بئر اور خارجۃ تنوین کے ساتھ اور دوسرے معنے کے مطابق بئر مجرور اور خارجۃ بفتح پڑھا جائے گا۔ (والربیع الجدول) الربیع چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ یہ راوی نے تفسیر کی ہے۔ (قال) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (فَاحْتَفَزْتُ) میں نے اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹے تاکہ اس چھوٹی سی نہر میں گھس کر اندر جا سکوں صراح میں ہے احتفاز فاء و زاء معجمہ کے ساتھ اپنے آپ کو اکٹھا کر لینا، سر و پاؤں سمیٹ کر بیٹھنا (فدخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا (فقال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر بطور تعجب و استفہام فرمایا (ابوھریرۃ) تو ابوہریرہ ہے۔ باغ کا دروازہ بند ہونے کے باوجود حضرت ابوہریرہ کے باغ کے اندر داخل ہو جانے پر حضور کو تعجب ہوا۔ یا اس بنا پر آپ کو تعجب لاحق ہوا کہ آپ اس وقت نزول وحی کے سبب حالت استغراق میں تھے۔ اور اپنی ذات اور عالم دنیا سے غائب تھے اس لیے حضرت ابوہریرہ کو نہ پہچانا۔ (فقلت نعم یا رسول اللہ) میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ میں ابوہریرہ ہوں (قال ما شانک) فرمایا تیرا کیا حال ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اور یہاں کس طرح آ پہنچا ہے۔ (قلت کنت بین اظھرنا فقمت فابطات علینا فخشینا ان تقتطع دوننا ففزعنا فکنت اول من فزع فاتیت هذا الحائط) حضرت ابوہریرہ نے پورا قصہ بیان کیا اور صورت حال واضح کی اور کہا یا رسول اللہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ پھر آپ اچانک اٹھ کر آ گئے اور ہمارے واپس پہنچنے میں آپ نے دیر کر دی ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ آپ کو کوئی دشمن تکلیف نہ پہنچائے۔ اور ہم لوگ آپ کے پاس نہ ہوں۔ اس لیے ہم سب لوگ آپ کی تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے سب سے اول مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا۔ تو میں باغ میں آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ (فاحتفزت) میں سکڑ کر چھوٹی نہر میں سے اس طرح باغ کے اندر داخل ہوا ہوں جس طرح لومڑی سکڑ کر اپنے سوراخ میں داخل

ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پورا قصہ بیان کرنے میں، جدائی کے صدمہ کی شکایت کرنے اور کسی تکلیف دہ چیز سے ڈرنے میں دراصل کمال محبت و دوستی کا اظہار ہے نیز خلوت میں آ گھسنے اور گستاخی کرنے کی معذرت پر مشتمل ہے۔ (وھؤلاء الناس وراءی) اور یہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ (فقال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یا اباھریرۃ واعطانی نعلیہ) اے ابوہریرۃ اور اپنی نعلین مبارک بھی آپ نے مجھے عطا فرمائی تاکہ اس بات کا نشان ہو کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ رہا ہوں۔ نعلین شریف دینے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت نشان کے طور پر دینے کے لیے کوئی چیز موجود نہ ہو گی۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ مناسبت یہ بیان کی ہے۔ کہ نعلین شریف دینے میں جو چلنے میں سہولت اور آسانی کا ذریعہ ہے، اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آسانی فراہم کرنے اور سہولت دینے کے لیے ہے۔ اور آپ کا کام آسانی فراہم کرنا ہے۔ نیز اس میں کلمہ طیبہ کی شہادت کے بعد ثابت قدمی اور استقامت کی بشارت ہے۔ جیسے فرمایا آمنت باللہ ثم استقم (میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہ) (فقال اذھب بنعلی ھاتین) اور فرمایا میرے یہ نعلین شریف لے جاؤ (فمن لقیک من وراء ھذا الحائط) جو شخص بھی تجھے اس باغ کے پیچھے (یشھد ان لا الہ الا اللہ) کلمہ طیبہ کی گواہی دینے والا ملے (مستیقنا بھا قلبہ) صدق دل سے اس کلمہ کی گواہی دینے والا (فبشرہ بالجنۃ) تو اسے بہشت کی بشارت دے۔ یعنی اسے اس بات کی اطلاع دیدے کہ جو بھی اس صفت کا آدمی ہو، بہشتی ہے۔ (فکان اول من لقیت عمر) پھر سب سے اول جو شخص مجھے ملا وہ حضرت عمر تھے رضی اللہ عنہ (فقال) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ما ھاتان النعلان یا اباھریرۃ رض) اے ابوہریرہ یہ نعلین مبارک کس کے ہیں۔ (قلت ھاتان نعلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثنی بھما) یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف ہیں۔ یہ دے کر آپ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ (من لقیت یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ) ایسے جس شخص سے بھی میری ملاقات ہو جو صدق دل سے اس کلمہ طیبہ کی شہادت و گواہی دیتا ہو۔ (بشرتہ بالجنۃ) میں اسے جنت کی بشارت دوں۔ (فضرب عمر بین ثدیی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے دونوں پستانوں کے درمیان تھپڑ مارا (فخررت لاستی) تو میں اپنی سرین کے بل زمین پر گر گیا۔ (فقال ارجع یا اباھریرۃ) اور فرمایا اے ابوہریرہ واپس لوٹ جا۔ (فرجعت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹ آیا۔ (فاجھشت بالبکاء) اور میں نے روتے ہوئے حضور کے پاس پناہ لی۔

جہش و اجہاش رونے کے ارادے سے کسی آدمی کا کسی کے پاس پناہ لینا۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا

ہے۔ صراح میں ہے جہش کسی کے سامنے رونا اور رونے کا ارادہ کرنا۔ اجہشت وجہشت مزید و مجرد دونوں طرح مروی ہے (درکبنی عمر) اور حضرت عمر بھی میرے اوپر چڑھے ہوئے آ گئے (واذا ھو علی اثری) میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ بھی مجھے اپنے پیچھے کھڑے نظر آئے۔ اثر بکسر ہمزہ سکون ثا مثلثہ اور ہمزہ و ثاء مثلثہ دونوں کے فتح کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں لغات فصیح ہیں (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مالك یاابا ھریرۃ) اے ابوہریرہ تجھے کیا ہوا ہے۔ اور تو کیا کر رہا ہے۔ اور کیوں رو رہا ہے (قلت) میں نے عرض کی (لقیت عمر) حضرت عمر میرے سامنے آ گئے (فاخبرته بالذی بعثتنی به) میں نے ان کو اس بشارت سے آگاہ کیا جس کے لیے آپ نے مجھے بھیجا۔ یعنی ہر اس شخص کو بشارت دینے کے لیے جو کلمہ طیبہ کی گواہی دیتا ہو۔ (فضرب بین ثدیی ضربۃ فخررت لاستی) تو انہوں نے میرے دونوں پستانوں کے درمیان زور سے تھپڑ مارا ہے جس سے میں اپنی سرین کے بل گر پڑا ہوں۔ (فقال ارجع) اور کہا واپس لوٹ چل۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یا عمر ما حملك علی ما فعلت) اے عمر تجھے کس چیز نے اس فعل پر آمادہ کیا کہ تو نے ابوہریرہ کو مارا بھی اور واپس بھی لوٹا دیا۔ (قال) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (یا رسول اللہ بابی انت وامی) میرے ماں باپ آپ پر فدا (ابعثت اباھریرۃ بنعلیك) کیا آپ نے اپنے نعلین شریف دے کر ابوہریرہ کو بھیجا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے۔ (من لقی یشھد ان لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبه بشرہ بالجنۃ) کہ جو شخص بھی صدق دل سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوا ملے۔ اُسے جنت کی بشارت دے۔ (قال نعم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے اسے بھیجا ہے۔ کہ اس کی بشارت دیدے۔ (قال فلا تفعل) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیں۔ (فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا) کہ بیشک مجھے اس کا ڈر ہے کہ لوگ اس پر یعنی اس بشارت پر یا صرف یہ کلمہ کہہ لینے پر تکیہ کر لیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ (فخلھم یعلمون) لوگوں کو چھوڑ دیں کہ عمل میں مصروف رہیں۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلھم) اگر تجھے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے میں مصلحت نظر آتی ہے تو ٹھیک ہے انہیں یہ بشارت نہ دے۔

سوال:۔ یہ کہاں جائز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کام سے روک دیں جس کے کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو۔ اور حضرت ابوہریرہ کو واپس لوٹا دیں۔ اور انہیں اس بات کا پابند کر دیں کہ وہ بشارت نہ دیں۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ بشارت دینے کا حکم ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بشارت صرف اہل ایمان کے دل خوش کرنے کے لیے ہے۔ اور اگر وہ یہ بشارت سن لیں گے تو صرف اسی پر اعتقاد کر لیں گے۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے جیسا کہ خود حضور نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اذا یتکلوا لیکن محبت و اخلاص کے احساس کے تحت اہل اسلام پر غایت رحمت و شفقت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت دینے پر آمادہ ہو گئے تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر وہ مصلحت آپ کے ذہن شریف میں تازہ ہو گئی اس لیے حضرت عمر کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے فرمایا ہاں رہنے دے تاکہ لوگ عمل میں مشغول رہیں۔ ورنہ اگر بشارت کا یہ حکم وجوبی اور ضروری ہوتا تو آپ نے یہ بشارت دینے کے وقت تخلیہ کیوں اختیار فرمایا اور بشارت دینے سے کیوں روک لیا۔ خوب سمجھ لے۔ و باللہ التوفیق۔

۳۵۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رض قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ رواہ احمد۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابیاں لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

شرح:۔ (وعن معاذ بن جبل) رضی اللہ عنہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ۔) جنت کی چابیاں اس کلمہ طیبہ کی شہادت اور گواہی دینا ہے۔ مفاتیح کا لفظ جمع لانا اہل ایمان کے افراد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ہر مومن فرد کی شہادت اس کے لیے جنت کی چابی ہے تو جس قدر اہل ایمان کے افراد ہیں اسی قدر چابیاں ہیں۔ یا اس لیے کہ جنتیں متعدد ہیں۔ اس لیے اس کی چابیاں بھی متعدد ہوں گی۔ یا مبالغے کے طور پر کلمہ جمع فرما دیا گویا اس کلمہ شہادت کا ہر جزو چابی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

۳۶۔ وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر صحابہ کرام میں سے بعض حضرات نے سخت غم و صدمہ محسوس کیا یہاں تک کہ بعض کو وسوسہ لاحق ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان کہتے ہیں میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو وسوسہ کا شکار ہوئے اس اثنا میں کہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت عمر کا میرے پاس سے گزر

فَاشْتَكٰى عُمَرُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ رضى الله عنهما ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا حَمَلَكَ اَنْ لَّا تَرُدَّ عَلٰى اَخِيْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ فَقُلْتُ اَجَلْ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوَفَّى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّى الْكَلِمَةَ الَّتِىْ عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّىْ فَرَدَّهَا فَهِىَ لَهٗ نَجَاةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ہوا انھوں نے مجھے سلام کہا لیکن ذہن پر صدمے کے اثر کے باعث) مجھے اس کا پتہ نہ چلا (اور میں نے انہیں سلام کا جواب نہ دیا) جس کا شکوہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ پھر یہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے آکر مجھے السلام علیکم کہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تو نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم تو نے ایسا ضرور کیا ہے۔ حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے آپ کے میرے پاس آنے اور سلام کہنے کا شعور نہ ہو سکا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان سچ کہتا ہے۔ بیشک تجھے ایک چیز نے سلام کا جواب دینے سے مصروف و مشغول رکھا میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی چیز ہے۔ میں نے کہا قبل اس کے کہ ہم لوگ اس چیز سے نجات کے بارے میں حضور سے پوچھتے آپ وصال فرما گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے حضور سے اس چیز سے نجات پانے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ (یہ سن کر) میں حضرت ابوبکر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے ان سے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ اس چیز کے متعلق دریافت کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اس چیز (عذاب آخرت) سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری طرف سے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا اور اس نے اسے رد کر دیا تھا تو وہ کلمہ اس کے لئے نجات ہے۔

شرح:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کتاب کے آخر میں مناقب خلفاء میں مذکور ہوں گے۔

(وعن عثمان رضی اللہ عنہ قال) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں (ان رجالا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی حزنوا علیه) بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ غم وصدمہ میں ڈوب گئے۔ (حتی کاد بعضهم یوسوس) یہاں تک کہ قریب تھا کچھ لوگ وسوسہ میں مبتلا ہو جائیں۔ وسوسہ حدیث نفس کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے وسوسہ نفس و شیطان کی اس بات کو کہتے ہیں جس میں کوئی نفع اور بہتری نہ ہو۔ یُوَسْوِس بکسرہ دا ؤ ثانی ہے فتح واؤ کے ساتھ پڑھنا خطا ہے۔ اور وسوسہ میں پڑ گیا اور دوسرے کو وسوسہ میں ڈالا، کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (قال عثمان وکنت منهم) حضرت عثمان کہتے ہیں اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو وسوسہ میں مبتلا ہونے کے قریب تھے۔ (فبینا انا جالس مر علی عمر) اس دوران کہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت عمر میرے پاس سے گزرے۔ (وسلم) اور مجھے سلام کہا۔ (فلم اشعر به) تاہم مجھے حضرت عمر، ان کے گزرنے اور سلام کہنے کا پتہ نہ چلا۔ (فاشتکی عمر الی ابی بکر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا گلہ کیا۔ (ثم اقبلا حتی سلما علی جمیعا) پھر یہ دونوں حضرات تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کہا۔ (فقال ابوبکر ما حملك علی ان لا ترد علی اخیك عمر سلامه) حضرت ابوبکر نے فرمایا تو نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ (قلت ما فعلت) میں نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا کہ سلام کا جواب نہ دیا ہو۔ یعنی مجھے علم نہیں کہ میں نے ایسا کیا ہو۔ (فقال عمر بلی واللہ لقد فعلت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم تو نے ایسا ضرور کیا ہے۔ (قال قلت) حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے حضرت عمر سے کہا (واللہ ما شعرت انك مررت ولا سلمت) اللہ کی قسم مجھے بالکل پتہ نہ چلا کہ آپ گزرے ہیں اور آپ نے سلام کہا ہے۔ (قال ابوبکر صدق عثمان) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست اور حضرت عثمان کی بات پر وثوق کرتے ہوئے فرمایا عثمان سچ کہہ رہے ہیں۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ مبارک میری طرف کیا اور مجھ سے ہم کلام ہوتے ہوئے فرمایا (قد شغلك عن ذلك امر) اے عثمان! تجھے ایک عظیم بات نے حضرت عمر کے گزرنے اور ان کے سلام کہنے کا علم نہ ہونے دیا (فقلت اجل) میں نے کہا یہی بات ہے جو آپ نے بیان کی ہے کہ مجھے ایک عظیم بات نے اس سے باز رکھا۔ (قال) حضرت ابوبکر نے فرمایا (ما هو) وہ عظیم بات کیا ہے (قلت) میں نے کہا (توفی اللہ نبیه صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی۔ (قبل ان نسأله عن نجاة هذا الامر) اس سے پہلے کہ ہم آپ سے اس عظیم بات سے نجات حاصل کرنے کا پوچھتے۔ (قال ابوبکر قد سئلته عن ذلك) حضرت ابوبکر نے فرمایا بیشک میں نے حضور سے اس کے بارے میں پوچھا تھا (فقمت الیه) تو میں کھڑا

ہو گیا اور ان کے قریب چلا گیا۔ (فقلت لہ بابی انت وامی) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ (انت احق بہا) آپ حضور کے ساتھ کمال قرب، علم حاصل کرنے کی حرص و چاہت اور خصوصیت سے حضور کے محرم اسرار ہونے کی بنا پر اس نجات، اس امر عظیم اور اس کے دریافت کرنے کے زیادہ لائق ہیں (قال) حضرت ابوبکر نے کہا (قلت) میں نے کہا (یا رسول اللہ ما نجاۃ ھذا الامر) یا رسول اللہ اس امر (عذاب آخرت) سے نجات کی کیا صورت ہے۔ (فقال) تو حضور نے فرمایا (من قبل منی الکلمۃ التی عرضت علی عمی) جس شخص نے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا (فردھا) اور اس نے وہ کلمہ قبول نہ کیا۔ (فھی لہ نجاۃ) تو وہ کلمہ اس کے لیے نجات ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ نجاۃ ھذا الامر کے الفاظ کی شرح میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہو سکتا کہ اس امر سے امر دین مراد ہو۔ یعنی دین میں آتش دوزخ سے نجات اور خلاصی دینے والی کیا چیز ہے۔ یا امر سے مراد وہ اعمال بد ہوں جن میں لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔ جیسے فریب شیطان، حب دنیا، خواہشات و شہوات نفسانی میں پھنسا رہنا اور معاصی کا ارتکاب ان سب سے نجات کی کیا صورت ہے۔ فرمایا اس کلمہ طیبہ کی دل سے تصدیق آتش دوزخ سے نجات کا سبب ہے۔ اور ہمیشہ اس کا ورد و ذکر صفائی قلب اور طہارت باطن کا موجب ہے۔ اور دل کی صفائی اور باطن کی طہارت غرور و فریب شیطان کے دفع کرنے، زہد اور حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے انتہیٰ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ طیبی کی بیان کردہ ان دو وجہوں میں سے وجہ اول اس وجہ سے مخدوش ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود روایت کی ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پر یقین رکھتے ہوئے مرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہو گا اس لیے وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز نہ پوچھ سکا جو دین میں آتش دوزخ سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ پھر اس وجہ سے بھی اس توجیہ کی کیا گنجائش ہے جو دین کی اولین باتوں میں سے ہو اور حضرت عثمان کو معلوم نہ ہو۔ الا یہ کہ غیب بعد وفات کی دہشت اور شدت حیرت کی بنا پر وقتی طور پر آپ کو اس کا ذہول ہو گیا ہو۔

اس کے باوجود درست توجیہ یہ ہے کہ وسوسہ شیطان سے نجات مراد ہے۔ جیسا کہ سیاق حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا۔ حضرت عمر نے ان کو سلام کہا مگر انہوں نے آپ کے سلام کا جواب نہ دیا اس کی شکایت حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کی۔ جس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عثمان سے دریافت فرمایا تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا حضرت عثمان نے کہا خدا کی قسم میں نے ان کا سلام نہ سنا۔ اس وقت میں اپنے جی سے کوئی بات کر رہا

تھا فرمایا تم اپنے جی میں کیا بات کر رہے تھے۔ عرض کیا شیطان کے خلاف کہ وہ میرے نفس میں ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے سب مجھے دے دیا جائے تب بھی میں انہیں زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ جب شیطان نے میرے نفس میں ایسا ہی وسوسہ ڈالا تو میں نے اپنے جی میں کہا کاش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا کہ ان وسوسوں سے کس طرح نجات مل سکتی ہے۔ جو شیطان ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی اور پوچھا تھا کہ ہم لوگ شیطانی وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان وسوسوں سے وہ کلمہ نجات عطا کرتا ہے۔ جو میں نے اپنے چچا کی موت کے وقت اس کے سامنے پیش کیا مگر اس نے قبول نہ کیا۔ اسے ابویعلی نے اپنے مسند میں روایت کیا۔ اور امام بوصیری نے زوائد العشرۃ میں فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع میں ہے۔ اور ہمارے حدیث کے شیخ المشائخ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یوسوس کی شرح میں فرمایا یہاں وسوسے سے مراد جس میں لوگ مبتلا ہونے کے قریب ہو گئے تھے۔ یہ ہے کہ شاید آپ کی وفات کے بعد دین ختم ہو جائے گا۔ اس کے انوار بجھ جائیں گے اور اس کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ خوب غور سے سمجھو۔

۳۷۔ وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَّذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ رواہ احمد

اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر کوئی کچا یا پکا مکان نہ رہے گا مگر اس میں اللہ تعالی کلمہ اسلام کو داخل کر کے رہے گا۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت و خواری کے ساتھ۔ یا تو انہیں اللہ تعالی عزت عطا کرے گا۔ تو انہیں اس کلمہ اسلام کا اہل بنا دے گا۔ یا انہیں ذلیل کرے گا اور انہیں مجبوراً اس کلمہ کی اطاعت قبول کرنا پڑے گی حضرت مقداد کہتے ہیں تو پھر دین سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ۔ حضرت مقداد بن الاسود فضلائے و نجباء صحابہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ آپ کو ابن الاسود اس لیے کہتے ہیں کہ اسود نامی شخص کے حلیف یا پروردہ تھے۔ در حقیقت آپ مقداد بن عمرو بن ثعلبۃ کندی ہیں آپ کا قد دراز

تفصیل سے ذکر کتاب کے آخر اسمائے اہل بدر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(وعن المقداد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (لا یبقی علی ظھر الارض) نہ باقی رہے گا روئے زمین پر (بیت مدر ولا دبر) اینٹ کا بنا ہوا مکان اور نہ خیمے کا مکان۔ مدر بفتح میم و دال مہملہ۔ اینٹ، مٹی کا روڑہ۔ وبر بفتح واو موحدہ اون یعنی خیمہ۔ بیت مدر سے شہر اور بستیاں مراد ہیں اور بیت وبر سے جنگلات و صحراء مراد ہیں جو خیموں میں رہنے والوں کی جگہ ہے جیسا کہ بادیہ نشینان عرب کی عادت ہے۔ تو حضور فرماتے ہیں کوئی جگہ نہ رہے گی کیا شہر کیا گاؤں اور کیا بادیہ اور صحراء (الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام) مگر یہ کہ داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اس میں کلمۂ اسلام مشکوۃ کے بعض نسخوں میں اسم اللہ جل و علا صراحتہ مذکور ہے۔ جیسا کہ بیان ہے (بعز عزیز و ذل ذلیل) اللہ تعالیٰ اس کلمہ کو ہر گھر میں داخل کرے گا جو عزت والا بننا چاہتا ہے اسے اس کلمہ کے سبب عزت دے کر اور جو ذلت و خواری میں رہنا چاہتا ہے اسے خوار رکھ کر جیسا کہ فرمایا (اما یعزھم اللہ) یا تو ان اہل خانہ کو اللہ تعالیٰ عزیز و غالب کرے گا (فیجعلھم من اھلھا) پس انہیں اس کلمہ کا اہل اور اسی پر ایمان کی توفیق عطا کرے گا۔ (او یذلھم) یا انہیں خوار و ذلیل کرے گا۔ (فیدینون لھا) تو وہ ذمی بن کر اور جزیہ قبول کر کے اس کلمہ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں گے۔ جب یہ کلمہ ہر گھر میں داخل ہو جائے گا تو (قلت) حضرت مقداد فرماتے ہیں میں نے کہا (فیکون الدین کلہ للہ) پھر سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے گا اور باقی تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ لوگ خوش ہوں یا ناخوش۔

۳۸۔ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ قِيْلَ لَهٗ اَلَيْسَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا وَلَهٗ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهٗ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَاِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ۔ رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ سے کہا گیا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں انہوں نے کہا ہاں۔ لیکن ہر چابی کے دندان ہوتے ہیں اگر تو ایسی چابی لائے گا جس کے دندان ہوں گے تو دروازہ کھلے گا ورنہ نہ کھلے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ترجمہ باب میں روایت کیا۔

شرح:۔ تذکرہ وہب بن منبہ۔ منبہ بضم میم و فتح نون و تشدید باء مکسورہ۔ آپ صنعا یمن سے ہیں۔ تابعی ثقہ ہیں یمن کے قاضی تھے ۱۱۴ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔

(وعن وھب بن منبہ) رضی اللہ عنہ۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قیل لہ)

آپ سے کہا گیا جب کہ آپ لوگوں کو عمل کی ترغیب اور گناہ چھوڑ دینے کی تاکید کر رہے تھے۔ (الیس لا الٰہ الا اللہ مفتاح الجنۃ) کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ بہشت کی چابی نہیں ہے جس کے ساتھ جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ لہٰذا صرف یہی کلمہ کافی ہے۔ اعمال بجالانا کوئی شرط نہیں۔ (قال بلی) وہب بن منبہ نے کہا یہ کلمہ ضرور جنت کی چابی ہے (ولکن لیس مفتاح الا ولہ اسنان) لیکن کوئی چابی نہیں ہوتی مگر اس کے دندانے ہوتے ہیں۔ (فان جئت بمفتاح لہ اسنان فتح لک۔) اگر تو ایسی چابی لائے گا جس کے دندانے ہوں تو تیرے لیے دروازہ کھلے گا۔ (والا لم یفتح لک) ورنہ تیرے لیے دروازہ نہ کھلے گا۔ اسنان (دندانوں) سے نیک اعمال کی طرف اشارہ کیا۔ تاکہ سابقین و مقربین کے ساتھ جنت میں داخلے کے سلسلے میں کریم ذات کے وعدہ کا یقین اور مقرب بندوں کے مراتب و درجات پانے کی سعادت نصیب ہو۔ مقصود اعمال کی بجاآوری کی تاکید و ترغیب ہے۔ (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ترجمہ باب میں بیان کی ہے اور ان کی تعلیقات میں سے ہے۔ تعلیق کا معنی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۹۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَہٗ فَکُلُّ حَسَنَۃٍ یَعْمَلُھَا تُکْتَبُ لَہٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ وَّکُلُّ سَیِّئَۃٍ یَعْمَلُھَا تُکْتَبُ بِمِثْلِھَا حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص اچھے طریقے سے اسلام لے آتا ہے۔ تو پھر وہ جو نیکی بھی کرتا ہے اس کا اجر دس سے سات سو تک لکھا جاتا ہے۔ اور انسان جو برائی کرتا ہے۔ تو وہ ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خدا سے جا ملتا ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص اچھے طریقہ سے اسلام لے آتا ہے۔ یعنی صدق و اخلاص سے ایمان قبول کر لیتا ہے۔ (فکل حسنۃ یعملھا تکتب لہ بعشر امثالھا) تو پھر وہ جو نیکی بھی کرتا ہے وہ دس سے (الی سبعمائۃ ضعف) سات سو تک لکھی جاتی ہے۔ ضعف بکسر ضاد بمعنی مثل (وکل سیئۃ یعملھا تکتب بمثلھا) اور جو وہ برا عمل کرتا ہے۔ اس کی ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزا اسے دس سے سات سو تک اس کے صدق و اخلاص وغیرہ کے مطابق ملتی ہے۔ (حتی یلقی اللہ) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔ یعنی تا دم مرگ، خدا سے ملاقات، موت سے کنایہ ہے۔

۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ۔ رواہ احمد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ایمان کیا ہے۔ فرمایا جب تیری نیکی تجھے اچھی لگے اور تیری برائی تجھے بری محسوس ہو تو تو مومن ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ گناہ کیا ہے۔ فرمایا جب کوئی چیز تیرے دل جی میں کھٹکتی ہو تو اسے چھوڑ دے۔

شرح:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الایمان) کہ بیشک ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ایمان کی صحت و درستی کی کیا علامت ہے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اذا سرتک حسنتک) جب تجھے تیرا ایک عمل جو تجھ سے صادر ہوا خوشی و مسرت سے ہمکنار کرے۔ یہ مسرت و خوشی شکر کی توفیق ملنے، اعانت حق تعالیٰ اور اس کی درگاہ کے قریب ہونے کے خیال سے ہو۔ (وساءتک سیئتک) اور تیرا برا فعل وعمل جو تجھ سے وجود میں آیا تجھے غم میں ڈالے تجھے غم وصدمہ میں ڈال دے کہ یہ عمل بد تو مجھے عذاب الٰہی میں مبتلا کرنے کا باعث ہے۔ اور میں تو خدا تعالیٰ سے دور ہونے اور حجاب نفس میں گرفتار ہونے کو برا جانتا ہوں۔ مجھ سے یہ عمل بد کیوں ہو گیا جب تو اپنے اندر ہی اندر اس بات سے کڑھے اور افسوس کرے (فانت مومن) تو تو درست ایمان والا مومن ہے۔ کہ تیرا یہ کڑھنا اور افسوس کرنا اس امر کی علامت ہے کہ تجھے تصدیق ایمانی اور خدا اور اس کے احکام پر یقین کی دولت حاصل ہے۔ اور اس بات کا نشان ہے کہ روزِ آخرت اور جزائے اعمال پر تیرا ایمان ہے۔ اور جن چیزوں پر یقین رکھنا ضروری ہے ان میں ایک چیز جزائے اعمال پر یقین رکھنا بھی ہے۔

شیخ امام عارف حضرت عبدالوہاب المتقی المکی قدس اللہ روحہ واوصل الینا فتوحہ نے رسالہ حبل المتین فی تقویۃ الیقین میں فرمایا ہے چار چیزیں ایسی ہیں کہ اس راستے پر چلنے والے کے لیے ان پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ پہلی چیز توحید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ اس کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔ اور جو کچھ جہان میں رونما ہوتا ہے یعنی نفع و نقصان خیر و شر اور منع وعطا سب اس کے حکم اور تقدیر کے تحت ہے۔ اس عقیدہ توحید سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بندے کا التفات اور اس کی توجہ مخلوقات کے ضرر و نفع اور ان کے ہونے نہ ہونے سے کٹ جاتی ہے۔ دوسری چیز توکل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے رزق عطا کرنے میں اس کی ضمانت و ذمہ داری پر پورا

پورا یقین رکھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ تلاش رزق میں جائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اور رزق کے اسباب و ذرائع میسانہ ہونے کی صورت میں اضطراب و بے چینی اور پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ تیسری چیز جزائے اعمال یعنی ثواب و عذاب پر یقین رکھنا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی کوشش کرتا اور معصیت و نافرمانی سے دور رہتا ہے۔ چوتھی چیز یہ کہ تیرا اس پر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تمام حالات اور اس کے تمام اعمال و افعال سے پوری طرح ہر وقت واقف و آگاہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہر و باطن کی اصلاح کی سعی کرتا اور اس میں پوری جد و جہد بروئے کار لاتا ہے۔ حضرت شیخ عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ کتاب حِکَم میں فرماتے ہیں۔ دل مردہ ہو جانے کی علامت اور اس کا نشان یہ ہے کہ بندہ نیکیوں کے فوت ہو جانے سے صدمہ اور غم محسوس نہیں کرتا۔ اور گناہوں اور لغزشوں کے صدور سے نادم و پشیمان نہیں ہوتا۔ (قال) اس شخص نے کہا (یا رسول اللہ فما الاثم) گناہ کیا ہے اور کس نشانی سے پتہ چلے کہ یہ کام گناہ ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اذا حاك في نفسك شيء) جب کوئی چیز تیری ذات میں کھٹکا پیدا کرے۔ تجھ پہ اثر کرے۔ تجھے متردد کر دے۔ اور اس پہ تیرا دل اطمینان و قرار نہ پکڑے اور کشادگی و سکون محسوس نہ کرے (فدعہ) تو اس کام کو چھوڑ دے کہ یہ اس امر کا نشان ہے کہ اس میں گناہ ہے استفت قلبك (اپنے دل سے فتوی پوچھ) کا یہی مطلب ہے۔ لیکن یہاں دل سے قدسی دل مراد ہے۔ جو زیور تقوی سے آراستہ، ایمان کے نور سے منور اور یقین کی صفائی سے مصفا ہو چکا ہے۔ ایسا دل اگر کسی کام کے کرنے میں متردد ہو اور خلجان و کھٹکا محسوس کرتا ہو تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کام میں گناہ کی آمیزش ہے۔ عام اہل اسلام کا دل مراد نہیں جو معصیت و کدورت کی تاریکی سے بریختہ ہوتا ہے جو نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ دل کا فتوی وہاں معتبر ہے جہاں شرعی دلائل مفقود یا متعارض ہوں۔ قرآن مجید کی نص، حدیث یا اجماع نہ ہو اور وہاں علماء کے اقوال متعارض اور متخالف ہوں۔ ایسے مقام میں شرح صدر و فتوی قلب سے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینا درست ہے۔ اسے خوب سمجھ لے و باللہ التوفیق۔

۴۱۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ مَعَكَ عَلَى هٰذَا الْأَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ قُلْتُ مَا الْإِسْلَامُ

اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ اس کام میں آپ کے ساتھ اور کون ہے۔ فرمایا آزاد اور غلام میں نے دریافت کیا اسلام کیا ہے فرمایا پاکیزہ گفتگو

قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قَالَ قُلْتُ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَيُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ۔ رواہ احمد۔

اور کھانا کھلانا۔ میں نے دریافت کیا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا۔ راوی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا کونسا ہے۔ فرمایا وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے رہیں۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا اچھا اخلاق راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا افضل نماز کونسی ہے۔ فرمایا لمبا قیام۔ راوی فرماتے ہیں میں نے کہا افضل ہجرت کونسی ہے فرمایا یہ کہ تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناپسند ہیں۔ راوی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا کونسا جہاد افضل ہے فرمایا جس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ اور جس کا خون بہا دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسی گھڑیاں افضل ہیں۔ فرمایا نصف رات کے بعد کا حصہ۔

شرح:۔ حضرت عمرو بن عَبَسَۃ تینوں فتحوں کے ساتھ جلیل القدر صحابی ہیں۔ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ آپ کے حضور کی خدمت شریف میں آنے۔ اسلام قبول کرنے اور پھر آپ سے رخصت ہونے کا قصہ عجیب و غریب ہونے سے خالی نہیں۔ یہ قصہ کسی دوسرے مقام میں مذکور ہوا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب کہ آپ ابھی مکہ میں ہی تھے۔ اور ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا (فقلت) میں نے کہا (یا رسول اللہ من معک علی ھذا الامر) یا رسول اللہ آپ کے ساتھ اس دین اسلام میں اتفاق کرنے والا کون ہے۔ (قال حر و عبد) حضور علیہ السلام نے فرمایا اس میں میرے ساتھ اتفاق کرنے والا آزاد اور غلام ہے۔ اس سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت بلال ہیں رضی اللہ عنہما۔ بعض شارحین نے کہا ہے عبد سے مراد حضرت زید بن حارثہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ کہ مسلم کی روایت میں معہ ابوبکر و بلال صراحتہ سے آچکا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حر و عبد سے سب لوگ مراد ہیں تو یہ تو جیہہ زمانہ استقبال میں خبر کے طور پر درست ہو سکتی ہے۔ جب اسلام پھیل گیا اور اس کا معاملہ قرار پذیر ہو گیا۔ گویا انہوں نے یہ سوال کیا اس میں آپ کی موافقت کون کرے

گا۔ تو حضور نے جواب دیا سب آزاد اور غلام لوگ (قلت) میں نے پوچھا اسلام کی علامات اور اس کے خصائل کیا ہیں۔
(قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (طیب الکلام واطعام الطعام) گفتگو میں خوبی اور نرمی اختیار کرنا۔ اور لوگوں کو کھانا کھلانا۔ غالباً عمدہ اخلاق اور اعلیٰ صفات بیان کرنا مقصود ہے۔ لیکن ان سب میں سے ان دونوں صفتوں یعنی تواضع و سخاوت کے بیان پر کفایت اس لیے کی کہ ان دو خوبیوں کا اثر لوگوں تک پہنچتا ہے یا اس بنا پر صرف ان صفات کا ذکر فرمایا کہ یہ سائل کے حال سے زیادہ تعلق اور مطابقت رکھتی تھیں۔ اسی لیے احادیث میں اس سوال کے جواب میں مختلف صفات ذکر کی گئی ہیں اور ہر سائل کے مناسب حال ——— ان صفات کا ذکر کر دیا گیا۔ یہی تشریح و تحقیق حضور کے اس کلام میں بھی ہوگی (قلت ما الایمان) میں نے دریافت کیا ایمان کیا ہے اور اس کے خصائل کیا ہیں۔ (قال) آپ نے فرمایا (الصبر والسماحۃ) علماء فرماتے ہیں ایمان کے تمام خصائل و محاسن کا خلاصہ صبر اور سخاوت ہے۔ لفظ صبر میں ممنوعات کے چھوڑ دینے کی جانب اشارہ ہے اور سماحت میں اچھے کام کرنے کی تلقین ہے جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول الصبر عن معصیۃ اللہ والسماحۃ علی اداء فرائض اللہ۔ (اللہ کی نافرمانی سے رک جانا اور اس کے فرائض کی ادائیگی پر کمر بستہ رہنا) میں خود اس کی تفسیر کر دی ہے۔ (قال) حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں (قلت) میں نے عرض کیا (ای الاسلام افضل) کونسا اسلام یعنی اسلام کے کون سے اخلاق اور اس کی کون سی صفات زیادہ افضل اور اعلیٰ ہیں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) وہ جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی تکلیف و اذیت نہ پہنچے (قال) حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں (قلت) میں نے دریافت کیا (ای الایمان افضل) کونسا ایمان یعنی ایمان کی خصلتوں اور شعبوں میں سے کونسی خصلت اور کونسا شعبہ افضل و اعلیٰ ہے۔
(قال خلق حسن) ایمان کے شعبوں میں افضل تر شعبہ اچھا خلق ہے۔ جو تمام اعمال حسنہ کی اصل و جڑ۔ نفس کے لیے مشکل تر اور مخلوق الٰہی کو نفع پہنچانے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ (قال قلت) راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا (ای الصلوٰۃ افضل) کونسی نماز یعنی نماز کے ارکان و افعال میں سب سے افضل رکن و فعل کونسا ہے۔ (قال طول القنوت) فرمایا لمبا قیام۔ لفظ قنوت کے متعدد معانی ہیں۔ جیسے طاعت و خشوع، نماز، دعا، قیام اور سکوت و خاموشی۔ یہاں قیام مراد ہے۔
علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ طول قیام افضل ہے یا لمبا سجدہ۔ بعض اس پر ہیں کہ طول قیام افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں درازی سجدہ افضل ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ رات کی نماز میں طول قیام افضل ہے اور دن کی نماز میں درازی سجدہ افضل ہے۔ ہم نے ان سب علماء کے دلائل شرح سفر السعادۃ میں ذکر کر دیے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں رکن فضیلت میں برابر ہیں۔ قیام کی فضیلت قرآن مجید کی قرأت سے ہے۔ اور سجدے کی فضیلت تذلل و خشوع کی شکل و ہیئت کی بنا

پر۔ اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ طویل قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت بیشتر اور خدمت زیادہ تر ہے۔ (قال قلت ای الھجرۃ افضل) راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسی ہجرت افضل ہے۔ (قال ان تھجر ما کرہ ربك) فرمایا یہ کہ تو وہ کام ترک کر دے جو تیرے پروردگار کو ناپسند ہو اور جس سے وہ خوش اور راضی نہ ہو۔ اس معنی کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ (قال فقلت) حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں جب میں نے ان تمام احکام وارکان اسلام کے بارے میں دریافت کر لیا اور جواب سن لیا تو آخر میں جہاد کا سوال کیا جو ارکان دین میں اعلیٰ و ارفع رکن ہے۔ تو میں نے عرض کیا (فای الجھاد افضل) افضل جہاد کون سا ہے (قال من عقر جوادہ و ھریق دمہ) جس کے عمدہ گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ اور اس کا خون بہا دیا گیا۔ یعنی سواری اور سوار دونوں اللہ کے راستے کام آگئے۔ اور اس نے پوری مردانگی اور کوشش سے جہاد میں حصہ لیا یہاں تک کہ وہ شہادت کے اس مرتبہ بلند پر فائز ہو گیا۔ اور خالص ثواب آخرت کے لیے ایسا کیا غنیمت اور مال دنیا سے پاک چلا گیا۔ اور دین کے بدلے دنیا حاصل نہ کی۔

جب کہ اس صحابی نے افضل نماز کا سوال کیا تو نماز کے افضل اوقات کا بھی سوال کیا۔ غالباً آپ کا مقصود رات کی نماز اور اس کا قیام تھا (قال قلت ای الاوقات افضل) کہتے ہیں میں نے پوچھا اوقات میں سے کونسا وقت یا رات کی گھڑیوں میں سے کونسی گھڑی شب بیداری کے لیے افضل ہے۔ (قال جوف اللیل الآخر) فرمایا رات کے دوسرے نصف کا درمیانی حصہ۔ کہ وہ رات کا چوتھایا یا پانچواں گھنٹہ ہے اور اگر چھٹے گھنٹے کو بھی داخل کر لیا جائے تو یہ رات کے آخری چھٹے حصے کو بھی شامل ہو جائے گا۔

۴۲۔ **وَعَنْ** مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَّ يُصَلِّي الْخَمْسَ وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا۔

رواہ احمد۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا۔ اور پانچ نمازیں پڑھتا۔ رمضان شریف کے روزے رکھتا تھا۔ اسے بخش دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں فرمایا انھیں رہنے دے کہ عمل کریں۔

شرح:۔ (وعن معاذ بن جبل) رضی اللہ عنہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (من لقی اللہ) جس نے اللہ سے ملاقات کی اور اس کی جناب میں پیش ہوا۔ (لا یشرک بہ شیئًا) اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ (ویصلی الخمس) اور پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے۔ (ویصوم رمضان) اور رمضان شریف کے روزے رکھتا ہے۔ (غفر لہ) اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے (صرف نماز و روزہ کا ذکر ان کی افضلیت، شہرت اور عمومیت کی بنا پہ کیا۔ یا زکوٰۃ و حج اس وقت ابھی فرض ہی نہ ہوئے تھے۔ یا اس بنا پر صرف ان دو کا ذکر فرمایا کہ ان دو کو فضل و کرم الٰہی کی جناب میں وہ شرف و عزت حاصل ہے کہ اگرچہ کتنے ہی گناہ کیے ہوں اور دوسرے فرائض ترک ہی ہو گئے ہوں، ان دو کی برکت سے بخشش ہو جائے گی۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اور ابھی اللہ کی مشیت اپنی جگہ باقی ہے۔ (قلت) میں نے کہا (افلا ابشرھم) یا رسول اللہ میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں۔ (قال دعھم یعملوا) فرمایا لوگوں کو چھوڑ دے کہ عمل کرتے رہیں۔ اس عبارت کی شرح گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

۴۳۔ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔

رواہ احمد۔

اور انہی سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کا سوال کیا۔ فرمایا افضل ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے لیے کسی سے دشمنی کرے اور اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا اس کے علاوہ آپ اور کیا فرمانا چاہتے ہیں فرمایا یہ کہ دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اور ان کے لیے بھی وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

شرح:۔ (وعنہ انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن افضل الایمان) اور حضرت معاذ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کا اعلیٰ ترین فرد اور اس کی بہترین خصلت کیا ہے۔ (قال ان تحب للہ) فرمایا ایمان کی افضل و اعلیٰ صفت یہ ہے کہ جس سے دوستی کرے۔ (وتبغض للہ) اور جس سے دشمنی کرے صرف خدا کے لیے کرے۔ (وتعمل لسانک فی ذکر اللہ) اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھے (قال) حضرت معاذ نے کہا (وماذا) اس کے بعد کیا کروں یا اس کے بعد آپ کیا فرماتے ہیں یا اعلیٰ

درجہ کے ایمان کی اور کونسی صفت وخصلت ہے۔ (قال ان تحب للناس ما تحب لنفسک) فرمایا یہ کہ تو لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (وتکرہ لھم ما تکرہ لنفسک) اور ان کے لیے بھی وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ یعنی سب کا خیر خواہ ہو۔ کسی کے لیے بدخواہ نہ ہو۔

کبیرہ گناہوں اور نفاق کی علامتوں کا باب

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے ارتکاب پر شرع میں حد و سزا متعین ہو۔ یا جس پر شرع میں وعید (ڈانٹ) واقع ہو۔ یا جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ہوئی ہو۔ اور دین کی بے عزتی کا موجب ہو۔ اور جو گناہ اس نوعیت کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔ بعض سخت تر اور شفیع تر ہیں اور بعض میں نسبتاً کم شناعت وقباحت ہے۔ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی کچھ تعداد مذکور ہوئی ہے۔ جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ لیکن یہ گناہ صرف اس تعداد میں منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے جیسے وحی کا نزول ہوتا رہا حاضرین اور سائلین کے مناسب حال ان میں سے کچھ کچھ کا بیان فرماتے رہے۔ باقی گناہوں کا بیان کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھا۔ حضرت مولانا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد عضدیہ میں بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جن کبائر کی تعداد و تفصیل بیان کی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ۱۔ قتل ناحق۔ ۲۔ زنا۔ ۳۔ لواطت۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ شراب اور ہر ایسی نشہ آور چیز پینا جو شراب کے حکم میں ہو۔ ۶۔ خنزیر کا گوشت کھانا۔ ۷۔ کسی کا مال غصب کرنا۔ ۸۔ کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔ ۹۔ جھوٹی گواہی دینا۔ ۱۰۔ سود کھانا۔ ۱۱۔ بلا عذر شرعی رمضان شریف کا روزہ توڑنا۔ ۱۲۔ جھوٹی قسم کھانا۔ ۱۳۔ قطع رحمی کرنا۔ ۱۴۔ مسلمان ماں باپ کو ناحق تکلیف دینا۔ ۱۵۔ جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگ جانا ۱۶۔ یتیموں کا مال کھانا۔ ۱۷۔ وزن و پیمانہ میں خیانت کرنا۔ ۱۸۔ وقت داخل ہونے سے پہلے نماز پڑھلینا۔ ۱۹۔ نماز کا وقت ضائع کر کے اسے پڑھنا ۲۰۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ ۲۱۔ مسلمانوں سے ناحق جنگ وجدال کرنا۔ ۲۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنا۔ ۲۳۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو گالیاں دینا۔ ۲۴۔ بے عذر سچی گواہی چھپانا۔ ۲۵۔ رشوت لینا۔ ۲۶۔ خاوند بیوی کے درمیان نفرت وعداوت ڈالنا۔ ۲۷۔ سلطان وقت کے پاس جا کر لوگوں کی چغلی کرنا۔ ۲۸۔ قدرت وطاقت ہوتے ہوئے امر معروف اور نہی منکر ترک کرنا۔ ۲۹۔ قرآن مجید سیکھنے کے بعد بھلا دینا۔ ۳۰۔ حیوانات و جانوروں کو آگ میں جلانا۔ ۳۱۔ عورت کا بلا عذر اپنے آپ کو مرد کے قابو میں نہ دینا۔ ۳۲۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا۔ ۳۳۔

اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانا۔ ۳۴۔ اہل علم اور حاملان قرآن کی اہانت و بے ادبی کرنا۔ ۳۵۔ اپنی عورت سے ظہار کرنا۔ یعنی ماں بہن کے ساتھ تشبیہ دینا۔ مولانا جلال الدین دوانی نے اسی قدر بیان کیے اور ایک دوسری تفسیر کے مطابق ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک عمدہ کتاب تصنیف کی جسکا نام زواجر ہے۔ نسال اللہ العافیۃ۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

الفصل الاول

۴۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَهَا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ۔ الآیۃ۔

متفق علیہ

فصل اول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ وہ تیرا خالق ہے۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اس ڈر سے اپنی اولاد قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں۔ اور ان کا کھانا میں کہاں سے مہیا کروں گا۔ اس نے کہا پھر بڑا گناہ کونسا ہے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان احکام کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل فرمائی والذین الخ اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے۔ اور جس ذات (انسان) کا قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہیں کرتے الا یہ کہ اس کا قتل کرنا شرعاً حق ہو۔ اور زنا و بدکاری کا ارتکاب نہیں کرتے۔ الآیۃ

شرح:۔ (عن عبد اللہ بن مسعود) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب حد و شمار سے زیادہ ہیں۔ کتاب کے آخر میں کتاب جامع المناقب میں تفصیل سے مذکور ہوں گے۔ رضی اللہ عنہ۔ (قال قال رجل) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے عرض کیا (یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ) اے اللہ کے رسول اللہ کے نزدیک سب سے بڑا اور بدتر گناہ کیا ہے۔ (قال ان تدعو اللہ ندا و ھو خلقک) فرمایا سب سے بڑا گناہ جس سے سخت تر اور کوئی گناہ نہیں، یہ ہے کہ تو پروردگار

عالم کے لیے اس کی مانند اور اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھے علم ہے کہ تجھے اس نے پیدا کیا اور اگر تجھے اس کا علم نہیں ہے تو علم ہونا چاہیئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ پیدا کرنے کی صفت اس ذات کبریاء کے سوا کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔ نِدّ۔ بکسر نون۔ اسے کہتے ہیں جو کسی کی ذات و صفات میں اس کی طرح ہو مگر افعال و احکام میں اس کے خلاف ہو۔ اور ضد ایسے مخالف کو کہتے ہیں جو ذات و صفات میں اس کی طرح نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی ند ہے نہ ضد۔

مشرکین اور بت پرست اگرچہ اپنے بتوں کو خدا کا مانند اور اس کا مخالف نہیں جانتے، اور نہ کہتے ہیں مگر چونکہ ان کی عبادت اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اس بنا پر گویا وہ انہیں اس کا مانند و شریک اور اس کا مثل قرار دیتے اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بت ہمیں خدا کے عذاب سے چھڑالیں گے۔ مختصر یہ کہ شرک تین قسم ہے۔ وجود میں شرک، خالقیت میں شرک۔ اور عبادت میں شرک۔

(قال ثم ای) اس مرد نے کہا کفر کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے۔ (قال ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك۔) فرمایا کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے فرزند کو اس بنا پر قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گا، یعنی اپنی محتاجی کے ڈر سے۔ دور جاہلیت میں لوگ یہ کام کرتے تھے اور تنگدستی اور شرم و عار کے خوف سے اپنی چھوٹی اور معصوم اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اگرچہ قتل نفس مطلقاً گناہ کبیرہ ہے، لیکن اپنی اولاد کا تنگدستی کے خوف کے تحت جو عقیدہ توکل اور خالقیت پروردگار کے اعتقاد کے منافی ہے۔ قتل کرنا سخت کبیرہ اور بدترین درجے کا گناہ ہے۔ اسی بنا پر خصوصیت سے قتل اولاد کا ذکر فرمایا۔ یا سائل کے حال کے مطابق ایسا فرمایا (قال ثم ای) کہا قتل نفس کے بعد سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ (قال ان تزنی حَلِيْلَةَ جارك) فرمایا یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے بدکاری کرے۔ ہمسایہ کی بیوی کی قید بھی اس وجہ سے لگائی جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔ ورنہ اگرچہ زنا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے۔ مگر ہمسایہ کی بیوی سے ایسا کرنا سخت تر کبیرہ ہے یا سائل کے حال کے مطابق ایسا فرمایا) (فانزل الله تصديقها) تو اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ احکام کی تصدیق و تائید کے لیے درج ذیل آیت نازل فرمائی جس میں وہ اپنے خاص بندوں کی مدح و ثنا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (والذين لا يدعون مع الله الها اخر۔) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک نہیں کرتے۔ (ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق) اور وہ لوگ جو کسی ذات کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر حق شرع کے تحت جیسے حد و قصاص کے طور پر قتل کیا جاتا ہے۔ (ولا يزنون) اور بدکاری نہیں کرتے۔ الاٰیۃ۔ آخر آیت تک جس میں ان جرائم پر شناعت و قباحت اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذکر

فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے مقصود مطلق قتل وزنا ہے مذکورہ قیود زیادہ تشنیع اور اظہار قباحت کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ یا خاص سائل کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۴۵۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَنَسٍ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ۔ متفق علیہ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ۱۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ ۳۔ قتل ناحق۔ اور جھوٹی قسم کھانا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور حضرت انس کی روایت میں یمین غموس کے بجائے جھوٹی گواہی دینے کا لفظ آیا ہے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکبائر) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ (الاشراک باللہ) وجود یا عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ شرک سے ہر قسم کا کفر مراد ہے۔ صرف شرک کا ذکر اس لیے کیا کہ کفار مکہ مشرک تھے۔ اور بت پرستی کرتے تھے۔ اور بعض مقامات میں جہاں مسلمانوں کو شرک کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں شرک سے ریا مراد ہے۔ یا مرتد ہونے سے روکنا مراد ہے۔ (وعقوق الوالدین) اور حق شرع کے بغیر مسلمان ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ مطلقاً والدین کو ستانا اور ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن دوسری احادیث کے قرینہ کے مطابق والدین سے مسلمان والدین مراد ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ تاہم کافر والدین کو بھی کفر سے نکالنے کی غرض کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت دکھ دینا اور رنجیدہ کرنا درست نہیں۔ بلکہ ان سے رفق ونرمی سے پیش آنا لازم ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں وہ مشرکہ ہیں ایمان لانے سے انکار کرتی ہیں۔ کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں۔ فرمایا ہاں اس سے صلہ رحمی کے ساتھ پیش آؤ۔ جیسا کہ باب البر والصلۃ میں آئے گا۔ (وقتل النفس) اور قتل ناحق۔ (والیمین الغموس) اور جھوٹی قسم کھانا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یمین غموس دراصل یہ ہے کہ کوئی شخص گزرے ہوئے کام کی جھوٹی قسم کھائے۔ مثلاً یوں کہے میں نے یہ کام کیا یا یہ بات کی۔ واقع میں وہ کام نہ کیا ہو یا وہ بات نہ کی ہو۔ یمین غموس بفتح غین معجمہ اسی قسم کو کہتے ہیں۔

غمس کا معنی غوطہ دینا ہے۔ یہ برا فعل فاعل کو گناہ اور آتش دوزخ میں غوطہ دینے کا سبب ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یمین غموس یہ ہے کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کے ذریعے مسلمان کا مال ہڑپ کرے۔ گزرے ہوئے کام کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر اس نے کسی آئندہ فعل کے لیے قسم کھائی کہ میں ایسا کروں گا۔ پھر نہ کیا تو اس کا کفارہ ہے کفارہ دے اور قسم توڑنے کے گناہ سے نجات حاصل کرے۔ (رواہ البخاری وفی روایۃ انس وشہادۃ الزور بدل الیمین الغموس) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں الیمین الغموس کے بجائے وشہادۃ الزور کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جھوٹی شہادت دینا۔ حدیث مذکور بروایت عبداللہ بن عمرو صرف امام بخاری کی روایت ہے۔ اور حدیث مذکور بروایت انس رضی اللہ عنہ جس میں الیمین الغموس کے بجائے وشہادۃ الزور کا لفظ آیا ہے متفق علیہ ہے۔

۴۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک و برباد کرنے والی برائیوں سے بچو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ سات مہلک برائیاں کونسی ہیں۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا جادو کرنا۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ بیاج کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ کفار سے لڑائی کے دن ان کے مقابلے سے بھاگ جانا۔ اور بے خبر پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الگ رہو اور سات مہلک خصلتوں کو ترک کر دو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (یا رسول اللہ وما ھن) یا رسول اللہ وہ کیا چیزیں ہیں اور کون سی وہ سات مہلک خصلتیں ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (الشرک باللہ) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (والسحر) جادو کرنا جادو کے سکھانے اور سیکھنے کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اپنے اوپر سے جادو کا اثر دور کرنے کے لیے اس کا سیکھنا جائز ہے۔ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ شرح عقائد میں فرمایا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے متفقہ فیصلے کے مطابق جادو کرنا کفر ہے۔ صحابہ کرام سے بعد کے علماء نے کہا ہے کہ جادوگر کو قتل کر دینا چاہیئے۔ بعض نے کہا اگر جادو کفر کی باتوں سے متعلق ہو تو اس کے کرنے والے کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اگر وہ اس سے توبہ نہ کرے۔ کہانت (غیب کی خبریں بتانا) نجوم (کواکب و نجوم سے حالات دریافت کرنا۔ رمل،

شعبدہ۔ ان کی تعلیم دینا اور اس پر اجرت لینا سب حرام ہے۔

(وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق ۔) اور اس ذات کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو۔

(واکل الربا) اور سود کھانا۔ (واکل مال الیتیم) اور یتیم کا مال کھانا۔ (والتولی یوم الزحف) اور کافروں کے ساتھ جنگ کے دن انہیں پشت دکھانا اور ان سے منہ پھیرنا۔ زَحْفٌ اچھلنا، اور سرین پر چلنا جیسے بچہ چلتا ہے۔ اور اس لشکر کو بھی زحف کہتے ہیں جسے دشمن کی طرف روانہ کیا گیا ہو۔ جو ہجوم اور مشقت کے باعث چلنے سے ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے سرین پر چل رہا ہو۔ اور ایک مسلمان کا دو کافروں کے مقابلے سے بھاگنا اور پشت دکھانا گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے زیادہ تعداد کافروں سے بھاگنا حرام و گناہ نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں ایک مسلمان کا دس کفار کے مقابلے سے بھاگنا بھی حرام تھا۔ اس کے بعد اس میں تخفیف کر دی گئی اور صرف دو کافروں کے مقابلے میں جم کر لڑنے کی پابندی باقی رکھی۔ (وقذف المحصنٰت الغافلات) اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے پاکدامن بدکاری کے کاروبار سے بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔ حد قذف اسی کوڑے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لی جائے۔۔۔

۴۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيْهَا أَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ متفق عليه وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ. قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْإِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ

اور انہیں سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کرنے والا جب یہ فعل کر رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور چوری کرنے والا جب چوری کا فعل کر رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور شرابی جب شراب پی رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا اور لوگوں کا مال لوٹنے والا جب یہ عمل کر رہا ہوتا ہے اور لوگ نگاہیں بلند کر کے اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور تم میں سے خیانت کرنے والا خیانت کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ تو میں تمہیں ان افعال کے مرتکب ہونے سے ڈراتا ہوں۔ متفق علیہ۔ اور ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں اور قاتل قتل کے فعل کے ارتکاب کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے دریافت کیا اس سے ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس طرح اور دونوں ہاتھوں

لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا تَامًّا وَّلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ، هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيْ۔

کی انگلیاں ایکدوسری میں ڈال دیں اور پھر انہیں نکالا پس اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے اسی طرح اور انگلیاں ایکدوسری میں ڈال دیں اور ابو عبداللہ نے کہا وہ مومن کامل نہیں ہوتا اور اس میں نور ایمان نہیں رہتا یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔) اور انہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن) زانی زنا نہیں کر رہا ہوتا جب کہ وہ زنا کر رہا ہوتا ہے۔ مگر وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا یعنی زانی زنا کے وقت مومن و مسلمان نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ مومن کامل نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ زنا کے ارتکاب اور اس فعل قبیح سے بطور مبالغہ اور ڈانٹ و جھڑک کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ (ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن) اور چور چوری نہیں کرتا جب کہ وہ چوری کرتا ہے درانحالیکہ وہ مومن ہو۔ (ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن) اور شراب نہیں پیتا شراب پینے والا جب کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس وقت وہ مومن ہو۔ (ولا ینتھب نھبۃ یرفع الناس الیہ ابصارھم حین ینتھبھا وھو مؤمن) اور لوٹ مار کرنے والا جب بھی یہ فعل کرتا ہے اور لوگ آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اعلانیہ غارت گری کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور لوگ اسکے اس فعل پر رد تے اور اظہار افسوس کرتے ہیں۔ اور اسے روکنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ایسا شخص اس حالت میں مومن نہیں ہوتا۔ کسی کے مال محفوظ و معصوم کو اس طرح لوٹ لینا بالکل حرام ہے۔ نہبتہ بفتح نون لوٹنا اور نہبہ بضم نون لوٹا ہوا مال حدیث میں دونوں معنیٰ کا احتمال ہے۔ (ولا یغل احدکم حین یغل وھو مؤمن) اور تم میں سے کوئی شخص غنیمت میں خیانت نہیں کرتا جب کہ خیانت کرتا ہے۔ اور وہ مومن ہو۔ غلول غنیمت میں خیانت کرنا۔ اور تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرا لینا۔ اور مطلق خیانت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور گذشتہ حدیث میں گزرا کہ۔ (لا ایمان لمن لا امانۃ لہ) ۔ کہ جس شخص میں امانت داری کی صفت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ (فایاکم ایاکم) تو ان گناہوں سے اپنے آپ کو دور رکھو دور رکھو۔ متفق علیہ۔ (وفی روایۃ ابن عباس) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ عبارت بھی آئی ہے۔ (ولا یقتل حین یقتل وھو مومن) اور کوئی شخص قتل نہیں کرتا جب کہ قتل کرتا ہے۔ اور وہ مومن ہو۔ (قال عکرمۃ قلت لابن عباس) حضرت عکرمہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خادم آپ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے کاتب اور راوی ہیں کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا (کیف ینزع الایمان منہ۔) اس شخص سے ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے۔ (قال ھکذا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا اس طرح نکال لیا جاتا ہے۔ (وشبک بین اصابعہ ثم اخرجھا) آپ نے اپنی انگلیوں کی تشبیک

کی ان کو ایک دوسری میں ڈالا اور پھر نکالا۔ ایمان باہر نکالنے کی صورت بیان کرنے کے لیے۔ کہ ان افعال کا مرتکب ہونے سے پہلے آدمی کی ذات کے ساتھ ایمان اس طرح ملا ہوا تھا۔ اور ان افعال کے ارتکاب کے وقت اس سے جدا اور الگ ہو گیا (فان تاب عاد الیہ) پھر اگر اس نے توبہ کرلی اور اس گناہ اور معصیت سے باز آگیا تو ایمان اس کے اندر واپس آجاتا ہے۔ (وشبک بین اصابعہ۔) اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالا ایمان کے واپس آنے کی صورت دکھانے کے لیے۔ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ایمان معصیت سے توبہ کے بعد لوٹ کر بندے میں واپس آتا ہے۔ الا یہ کہ توبہ سے لغوی معنی مراد ہو لغوی معنی رجوع کرنا اور پھرنا ہے۔

جیسا کہ فصل ثانی کے آخر میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا کہ بندہ جب اس عمل بد سے الگ ہوتا ہے تو ایمان پھر اس میں لوٹ آتا ہے۔ (قال ابو عبد اللہ) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث اور مذہب اہل سنت و جماعت میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ (ابو عبد اللہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی کنیت ہے)۔

(لا یکون ھذا مؤمنا تاما) کہ یہ گناہگار انسان اس عمل بد کے ارتکاب کے وقت مومن کامل نہیں ہوتا۔ (ولا یکون لہ نور الایمان) اور اس میں ارتکاب گناہ کے وقت ایمان کی روشنی نہیں ہوتی۔ دراصل اس سے بھی کمال ایمان مراد ہے۔ (ھذا لفظ البخاری) یہ عبارت عین امام بخاری کی عبارت ہے۔ ان کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک بھی عمل حقیقت ایمان میں داخل نہیں۔ بلکہ عمل کمال ایمان کا موجب ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ گمان غلط ثابت ہو گیا کہ محدثین کے نزدیک عمل جزو ایمان ہے۔ اور محدثین کرام کا یہ کہنا کہ الایمان تصدیق بالجنان و اقرار باللسان وعمل بالارکان (ایمان دل کی تصدیق زبان کے اقرار اور اعضا کے عمل کا نام ہے)۔ درست ہے۔ مگر محدثین اور تمام اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس سے ایمان کامل مراد ہے۔ ہم نے یہ تحقیق بعض دوسرے مقامات میں زیادہ شرح اور زیادہ مدلل طریقہ سے بیان کر دی ہے۔

۴۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ. ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ اور امام مسلم نے یہ الفاظ زیادہ کیے، اگر چہ وہ منافق نماز پڑھے، اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ حدیث کے باقی الفاظ پر دونوں کا اتفاق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اور

جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ متفق علیہ

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ المنافق ثلٰث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی نشانی اس کی تین خصلتیں اور عادتیں ہیں۔ اور مسلم نے یہ عبارت زیادہ کی ہے۔ (وان صلی وصام وزعم انہ مسلم) اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے (ثم اتفقا) اس عبارت کی کمی بیشی کے اختلاف کے بعد ان تین چیزوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں امام بخاری و امام مسلم دونوں کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں کو منافق ہونے کا نشان قرار دیا ہے۔ (اذا حدث کذب) جب بات کرے جھوٹ بولے (واذا وعد اخلف) جب وعدہ کرے تو جو وعدہ کیا اسے پورا نہ کرے۔ (البتہ کسی مجبوری کے تحت وعدہ خلافی ہو جائے تو امر دیگر ہے)۔ محدثین کرام نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ وعدہ کرتے وقت اس کے پورا کرنے کی نیت نہ ہو۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ وفائے وعدہ عمدہ اخلاق میں سے ہے اس کی تفصیل باب وعدہ میں آئے گی۔ (واذا اؤتمن خان) اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے یا اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے کوئی بات کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین خصلتوں کو نفاق کا نشان اور اس کی علامت قرار دیا ہے یہ باتیں کسی میں بیک وقت اکٹھی موجود ہوں یا ایک ایک کر کے موجود ہوں۔ بہر حال جس میں بھی یہ تین خصلتیں موجود ہوں وہ حقیقۃً منافق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صفات منافقین کے لائق ہیں۔ مسلمانوں کے مناسب حال تو یہ ہے کہ وہ ان بری عادات سے پاک و مبرا ہوں۔ کہ ان میں باطن کی ظاہر سے مخالفت پائی جاتی ہے۔ جس طرح منافق کا دل اور زبان ایک نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان برائیوں کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ اور نہ ان پر اڑے رہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ ان کے خوگر ہو کر وہ حقیقۃً نفاق میں مبتلا ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ علامات نفاق کا موجود ہونا وجود نفاق کو مستلزم نہیں۔ دراصل اس میں اہل ایمان کو ان صفات مذمومہ سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید ہے اور انہیں ان میں مبتلا ہونے سے ڈرایا اور خوف دلایا گیا ہے۔ اور ان لوگوں سے اظہار ناراضگی کیا گیا ہے جن میں یہ صفات مذمومہ پائی جاتی ہوں۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام و بیان سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو منافقین کے نشان و علامت سے آگاہ فرمایا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں موجود تھے۔ اور منافقین کی یہ صفات بیان کیں تاکہ صحابہ کرام ان کی صحبت و مجلس سے اجتناب و پرہیز کریں۔ معین طور پر منافقین کے نام بیان نہ فرمائے تاکہ

انہیں شرمندگی لاحق نہ ہو۔ اور کسی قسم کا شر و فتنہ بھی برپا نہ ہو سکا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں ان صفات وعادات والا کوئی شخص نہ تھا۔ تاہم پہلی توجیہ زیادہ ظاہر ہے۔

۴۹ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (بری) عادتیں جس میں ہوں وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک خصلت وعادت ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے۔ یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور عہد کرے تو اس میں غداری کرے۔ اور جب کسی سے جھگڑا پڑے تو غنڈہ گردی پر اتر آئے۔

شرح:۔ (وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں اور عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ چار پائی جاتی ہوں (کان منافقا خالصا) وہ خالص اور پورا منافق ہے۔ اس میں ایمان کا نشان نہیں۔ (ومن کانت فیہ خصلۃ منھن) اور جس شخص میں ان چار میں سے ایک موجود ہو (کانت فیہ خصلۃ من النفاق) تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے۔ اسی طرح دو اور تین خصلتیں۔ (حتی یدعھا) یہاں تک کہ وہ خصلت چھوڑ دے۔ اور وہ چار یہ ہیں (اذا اؤتمن خان) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (واذا حدث کذب) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (واذا عاھد غدر) اور جب کوئی عہد کرے تو اسے توڑ دے۔ عہد توڑ دینا وعدہ خلافی کے معنی کے قریب اور اس کا ایک فرد خاص ہے۔ (واذا خاصم فجر) اور جب کسی سے لڑ جھگڑ پڑے تو جھوٹ پر اتر آئے، سرکشی پر اتر آئے۔ اور تباہی و بربادی اور دنگا فساد برپا کرے۔

۵۰ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہو۔ ایک بار

الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً۔ رواه مسلم۔

وہ ایک ریوڑ کی طرف جائے اور دوسری بار دوسرے ریوڑ کی طرف بھاگے۔

شرح:۔ (عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المنافق کالشاۃ العائرۃ بین الغنمین) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہو۔ (تعیر الی هٰذه مرة و الی هٰذه مرة) کہ کبھی ایک گلے کی طرف جائے اور کبھی دوسرے کی طرف۔ اسی طرح منافق کبھی ایک گروہ کی طرف جاتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف دو رخی سے کام لیتا ہے۔ لغت میں عائرہ اس مادہ نشتر کو کہتے ہیں جو نر شتر کی تلاش میں ادھر ادھر پھرے تاکہ مجامعت کی غرض سے نر شتر اس پر کود ے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۱۔ عَنْ صِفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَلَا تُوَلُّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا ہمارے ساتھ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چل اس کے ساتھی نے اسے کہا نبی نہ کہہ بیشک اگر اس نے تیری یہ بات سن لی تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (وہ بہت خوش ہوگا) چنانچہ وہ دونوں یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور آپ سے نو روشن نشانیوں کے بارے میں سوال کیا (کہ وہ کیا ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا مگر حق اور جائز طریقہ سے۔ اور کسی بے گناہ کو بادشاہ کے پاس لے کر نہ جاؤ کہ وہ اسے قتل کر دے۔ اور جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، اور پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ اور جنگ و جہاد کے دن بھاگنے کے لیے پشت نہ پھیرو۔ اور اے قوم یہود خاص طور پر

وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُودُ أَنْ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَقَالَا نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ. قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُونِي قَالَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ إِنِ اتَّبَعْنَاكَ أَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُودُ.
(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

تمہارے لیے یہ ہے کہ ہفتہ کے روز حد سے نہ بڑھو۔ راوی کہتے ہیں اس پر دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ اور پاؤں مبارک چومے۔ اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تمہیں میری تصدیق سے کس نے روک رکھا ہے۔ کہنے لگے داود علیہ السلام نے۔ انہوں نے دعا کی تھی کہ ہمیشہ ان کی اولاد میں نبی مبعوث ہوتا رہے۔ اور بیشک ہمیں اس کا ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کرلی تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

شرح: (عن صفوان بن عسال رض) عَسَّال بفتح عین وتشدید دونوں سین مہملہ۔ آپ صحابی ہیں کوفہ میں سکونت تھی۔ ان کی روایت کردہ احادیث بھی اہل کوفہ میں شہرت پذیر ہوئیں بارہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت اور ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(قال قال یھودی لصاحبہ) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا (اذھب بنا الی ھذا النبی) ہمیں اس شخص کے پاس لے چل جو پیغمبری کا دعوی کرتا ہے۔ اور لوگ اسے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ (فقال لہ صاحبہ) اس کے ساتھی نے اسے کہا (لا تقل نبی) اسے نبی نہ کہہ (انہ لو سمعک) بیشک اگر وہ تیری یہ بات سن لے۔ (لکان لہ اربع اعین) تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ یہ دراصل انتہا درجہ کی مسرت اور خوشحالی سے کنایہ ہے (اس کی طرف اشارہ ہے) کہ سرور و خوشی سے نگاہ میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح غم والم کے وقت جہان تاریک نظر آتا ہے۔ اور جب خوشی و مسرت کا وقت ہو تو روشن نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کلمہ کی شرح میں شارحین نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

اس کلمہ کی شرح اس طرح کرنا بھی ممکن اور درست ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ نبی اگر یہ کلمہ سن لے گا تو اپنے کار نبوت و رسالت اور اپنے پیروکاروں کے ظہور و غلبہ کا امیدوار اور اس کی انتظار شروع کر دے گا۔ کہ جو شخص کسی معاملے کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اس کی نگرانی اور زیادہ سعی اور کوشش شروع کر دیتا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ

تیری انتظار میں میری آنکھیں چار ہو چکی ہیں۔

(فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ دونوں یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ (فسالاہ عن تسع آیات بینات) اور آپ سے نو روشن نشانیوں کے متعلق سوال کیا۔ ظاہر و نیا در یہ ہے کہ ان نو روشن آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (بیشک ہم نے حضرت موسیٰ کو نو روشن دلیلیں نشانیاں عطا کیں۔ یعنی ید بیضا اور عصا وغیرہ جن کا تفاسیر میں ذکر موجود ہے لیکن اس حدیث میں ان کے جواب میں جو کچھ مذکور ہے۔ وہ ایسے احکام ہیں جو تمام ادیان اور ملتوں میں موجود تھے۔ چنانچہ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ جواب دے کر اس امر کا اشارہ فرمایا کہ معجزات سے کس لیے سوال کرتے ہو۔ احکام سے متعلق سوالات کرو جو اہم اور ضروری ہیں۔ اس قسم کے انداز جواب کو اسلوب حکیم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ علم بلاغت میں تفصیل سے یہ بیان موجود ہے۔ اور بعض محدثین کرام یہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے معجزات سے متعلق ان کے سوال کا جواب ارشاد فرمایا اس کے بعد انہیں ڈرانے اور ان کی ہدایت کے لیے ضروری احکام بھی بیان فرمائے۔ مگر ان معجزات کی شہرت کی بنا پر راوی نے ان کا ذکر نہ فرمایا۔ بعض شارحین یہ فرماتے ہیں۔ آیات بینات سے یہی احکام ہی مراد ہیں۔ کہ شرع شریف کے احکام اس شخص کی سعادت و نیک بختی کی علامت اور نشان ہیں جو ان پہ عمل پیرا ہو۔ اور شقاوت و بدبختی کی علامت یہ ہے کہ انسان ان پہ عمل نہ کرے۔ اور یہ احکام تمام انبیاء کی شریعتوں میں ظاہر و واضح اور مشہور رہے۔

(فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا تشرکوا باللہ شیئا) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ (ولا تسرقوا) اور چوری نہ کرو (ولا تزنوا) اور زنا و بدکاری نہ کرو (ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق) اور کسی ذات کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ قتل نہ کرو مگر حق اور حکم شریعت کے مطابق۔ (ولا تمشوا ببریٔ) اور کسی پاک اور بے گناہ انسان پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نہ لے جاؤ (الی سلطان) سلطنت اور قوت و زور والے حاکم کے پاس (لیقتلہ) تاکہ وہ اس بے گناہ کو قتل کرے، اسے تکلیف و اذیت دے اور اس پر ظلم کرے۔ جس طرح لوگ بادشاہوں کے پاس لے جاتے اور قتل کرواتے ہیں (ولا تسحروا) اور جادو نہ کرو۔ (ولا تاکلوا الربا) اور سود نہ کھاؤ۔ (ولا تقذفوا محصنۃ) اور کسی پاکدامن و پارسا عورت کو زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (ولا تولوا للفرار یوم الزحف) اور کفار سے جنگ کے دن بھاگنے کے لیے پشت نہ دکھاؤ اور منہ نہ پھیرو۔ یہاں تک یہ نو حکم جو ملتوں اور شریعتوں کو شامل ہیں ان کا بیان پورا ہوا۔ ان کے بیان کے بعد ایک اور

حکم بیان فرمایا جو یہود کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ فرمایا (علیکم خاصۃ الیہود) اور اے یہود تم پر خصوصیت سے یہ حکم بھی لازم و ضروری ہے۔ (ان لا تعتدوا فی السبت) کہ ہفتہ کے روز شکار کرنے میں حد سے نہ بڑھو، اور نافرمانی نہ اختیار کرو۔ جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں سوالات کرنے والے یہ یہودی اپنے دلوں میں دس سوالات لے کر آئے تھے۔ تو انہوں نے ظاہر کرنے میں دسواں سوال جو ان سے متعلق اور ان کے ساتھ خاص تھا دل میں چھپائے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سوالات کا جواب ارشاد فرمایا اور دسواں حکم جو انہوں نے دلوں میں چھپا رکھا تھا، الگ کر کے بیان فرما دیا۔ اس بنا پر انہوں نے حضور کے ہاتھوں اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا (قال) حضرت صفوان فرماتے ہیں۔ (فقبلا یدیہ ورجلیہ) تو ان دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ (وقالا نشہد انک نبی) اور کہا ہم دونوں آپ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دیتے ہیں یعنی ہم نے جان لیا اور شناخت کر لیا کہ آپ پیغمبر ہیں جیسا کہ یہودی اس حقیقت کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ مگر یہ ایمانی شہادت نہیں ہے جو اذعان و قبول پر مشتمل ہوتی ہے۔ بلکہ علم و معرفت کا اظہار ہے جو انہیں حاصل تھا اور ایمان محض پہچان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے تصدیق ضروری ہے جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ اسی لیے (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فما یمنعکم ان تتبعونی) تو کون سی چیز تمہیں مجھ پر ایمان لانے، میری نبوت و رسالت کو قبول کرنے اور میری پیروی سے تمہیں روک رہی ہے (قالا ان داؤد علیہ السلام) ان دونوں نے کہا بیشک حضرت داود علیہ السلام نے (دعا ربہ ان لا یزال من ذریتہ نبی) اپنے رب تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تھی کہ قیامت تک ان کی اولاد میں نبی پیدا ہوتا رہے۔ ان کی دعا لازماً قبول و مستجاب ہو چکی ہے۔ اس لیے یہود صرف ان کی اولاد میں پیدا ہونے والے نبی کی پیروی کر سکتے ہیں اور غلبہ و شوکت و دبدبہ بھی یہود کو ہی حاصل رہے گا۔ (وانا نخاف ان تقتلنا الیہود) اور ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کے پیروکار بن جائیں اور دین یہودیت ترک کر دیں تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔ مگر یہ گفتگو اور یہ جواب یہود نا مسعود کا محض افتراء ہے۔ کہ کذب و افتراء ان کی عادت مستمرہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے ہرگز کبھی ایسی دعا نہیں کی نہ اس طرح کی کسی چاہت کا اظہار فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایسی چاہت کیسے کر سکتے ہیں جب کہ آپ نے تورات و زبور میں پڑھا ہوا تھا کہ حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ بعض علماءِ کرام یوں فرماتے ہیں کہ یہودی حضور علیہ السلام کو صرف عربوں کا نبی تسلیم کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کو نبی الامیین کہتے ہیں مگر اس بات میں بھی غلطی پر ہیں کہ پیغمبر پہ جھوٹ باندھنا روا نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعویٰ فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف نبی

بن کر تشریف لایا ہوں سو اس لیے مومن ہونے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوی کی تصدیق بھی لازم و ضروری ہے۔

۵۲۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَّلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ۔ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُّنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ، جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ۔ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔ رواہ ابوداؤد۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی اصل اور بنیاد ہیں۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والے کو کافر کہنے سے رک جانا کہ تو اسے کسی گناہ کی بنا پر کافر نہ کہہ۔ اور کسی عمل بد کے باعث اسے اسلام سے خارج نہ کر۔ اور جب سے اللہ نے مجھے نبی مبعوث فرمایا ہے اس سے لے کر اس امت کے آخری دستے کے دجال کے ساتھ قتال تک جہاد جاری اور موجود رہے گا کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل اسے باطل اور منسوخ نہ کر سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیروں پر ایمان لانا۔

شرح: (عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین خصلتیں ایمان کے اصولوں، اس کے قواعد اور اس کی بنیادی باتوں میں سے ہیں۔ کہ اگر وہ نہ ہوں تو ایمان کی عمارت گر جائے اور جڑ سے اکھڑ جائے (الکف عمن قال) ان تین میں سے پہلی یہ کہ اس شخص سے رک جانا ہے جو کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) کی شہادت دیتا ہو۔ (لا تکفرہ بذنب) تو اسے کسی گناہ کی بنا پر کافر نہ کہہ۔ لا تکفرہ بذنب کا جملہ الکف عمن قال کا بیان اور اس کی تفسیر ہے۔ یعنی اس کلمہ پڑھنے والے کو کسی گناہ کے سبب جو صادر ہو چاہے کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، کافر مت جان اور کافر نہ کہہ۔ حضور کے اس ارشاد میں خوارج کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ مومن معصیت کے ارتکاب سے چاہے صغیرہ ہی ہو، کافر ہو جاتا ہے۔ (ولا تخرجہ من الاسلام بعمل) اور ہر عمل بد کی بنا پر جو وہ کرے اسے اسلام سے باہر نہ نکال دے اور اس کے مسلمانی سے ہی خارج ہو جانے کا فیصلہ صادر نہ کر دے۔ اسی میں فرقہ معتزلہ کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کفر میں بھی داخل نہیں ہوتا، یہ لوگ کفر و ایمان کے درمیان ایک واسطہ درجہ ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر اور فاسق کو مومن و کافر کے علاوہ ایک تیسری قسم شمار کرتے

ہیں۔ (۲) الجہاد ماض منذ بعثنی اللہ) دین کے اصولوں میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور جہاد کا حکم دیا ہے اس وقت سے کفار کے ساتھ جہاد و قتال جاری ہو چکا ہے۔ (الی ان یقاتل آخر هذه الامۃ الدجال) اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا تا آنکہ اس امت کا آخری دستہ آخر زمانہ میں دجال کے ساتھ جہاد و قتال کرے گا۔ پھر دجال کے نکلنے کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ ان کے ساتھ جہاد کی گنجائش کم ہو گی تاہم وہ جہاد کے بغیر ہی فنا اور ختم ہو جائیں گے۔ ان کے فنا و ہلاک ہونے کے بعد روئے زمین پر کوئی کافر موجود نہ رہے گا۔ تو نتیجتاً جہاد کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ (لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔) فرضیت جہاد کو کوئی ظالم یا عادل بادشاہ باطل نہیں کر سکتا۔ یعنی ترک جہاد جائز نہیں ہے۔ اگرچہ ظالم و فاسق بادشاہ کے زیر سایہ ہی جہاد کرنا پڑے۔ جہاد کرنے میں اس کی موافقت ضروری ہو گی۔ اور اس کے ساتھ جہاد کے لیے چلنا ہو گا۔

سوال:۔ ظالم کا ظلم تو اس امر کا متقاضی ہے کہ اسکے ساتھ مل کر جہاد کرنا روا نہ ہو بلکہ باطل اور ناجائز ہو۔ اسی طرح بادشاہِ عادل کے عدل سے جہاد کا باطل ہونا تصور میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا اس کی نفی کا کیا فائدہ۔

جواب:۔ اس نفی سے دراصل دونوں حالتوں کی مساوات بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح کسی کا عدل و انصاف اسے باطل نہیں کر سکتا، کسی کا ظلم و ستم بھی اسے باطل نہیں کر سکتا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جبکہ عدل امن و امان کا موجب اور کفار سے نہ ڈرنے کا باعث ہے نیز جب کہ ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو تو اموال غنیمت کی بھی کوئی ضرورت و حاجت نہیں رہتی۔ ایسے حالات میں تو جہاد کا حکم ملتوی ہو جانا چاہیے اور اس کی ضرورت کا سوال ختم ہو جانا چاہیے۔ تو فرمایا کہ ایسے حالات میں بھی جہاد کی فرضیت اپنی جگہ برقرار ہے کسی عادل کا عدل بھی حکم جہاد کو بے اثر نہیں کر سکتا۔ خوب سمجھ لے۔

(۳) الایمان بالاقدار) دین کی تیسری اصل و بنیاد تقدیرات الٰہیہ پر ایمان لانا اور اس امر کا اعتقاد رکھنا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے سب خدا تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتا ہے۔

۵۳۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهٖ كَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کے فعل میں مصروف ہوتا ہے اس وقت اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اور اس کے سر پہ سائبان کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر جب بندہ اس فعل زنا سے نکل آتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

الایمان۔ رواہ الترمذی وابوداؤد

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زنی العبد خرج منہ الایمان) جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس وقت ایمان اس کے اندر سے باہر نکل آتا ہے۔ (فکان فوق راسہ کالظلۃ) تو وہ اس کے سر پر سائبان کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ظُلّۃ بفتح ظاء معجمہ ہر وہ چیز جو تیرے سر پہ سائے کی طرح قائم اور موجود ہو جیسے بادل یا خیمہ یا چھت وغیرہ۔ دراصل یہ ایمان کی صورت مثالی ہے۔ اور ہر شے کی اس جہاں میں ایک مثال ہے۔ چنانچہ اجسام میں دودھ علم کی مثال ہے۔ اور بکری دنبہ موت کی مانند ہیں۔ اور سائبان ایمان کی مثال ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے اور اس بارے میں جس قدر احادیث آئی ہیں سب ان رسائل میں جمع کی ہیں۔ وہ سب احادیث (ہم نے) شرح (عربی) میں نقل کی ہیں۔ ایمان کو سائبان سے مثال دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے اگرچہ بندہ کمال ایمان اور اس کی نورانیت سے خالی ہو جاتا ہے۔ تاہم اب بھی اس کی پناہ اور اس کی حمایت کے سایہ تلے ہوتا ہے۔ اور بالکل اس طرح اس سے الگ نہیں ہو جاتا کہ پھر واپس ہی نہ آئے۔ جیسا کہ فرمایا (فاذا خرج من ذلک العمل) پس جب یہ بندہ اس عمل بد سے باہر نکل آتا اور اس گناہ نے عمل (زنا) سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اور اس فعل قبیح کو عمل سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر عمل بد کی یہی نوعیت ہے۔ زنا ہو یا کوئی اور عمل۔ (رجع الیہ الایمان) تو بندے کی طرف ایمان لوٹ کر آ جاتا ہے۔

الفصل الثالث
تیسری فصل

۵۴۔ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ۔ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوۃً مَّكْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوۃً مَّكْتُوْبَۃً

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ اور اپنے والدین کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے تیرے اہل اور مال سے نکل جانے کا حکم بھی دیں۔ اور جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کر نا کیونکہ جو شخص قصداً نماز فرض ترک کرتا ہے تو اُس سے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ختم

مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ وَ لَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ. وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَّاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ. وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِى اللهِ. رواہ احمد۔

ہو جاتی ہے۔ اور ہرگز شراب نہ پینا کہ بلاشبہ یہ ہر بے حیائی کی سردار ہے۔ اور معصیت و نافرمانی کے قریب نہ جانا کہ بیشک معصیت سے انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ اور جہاد کے دن مقابلہ کفار سے مت بھاگنا اگرچہ سب لوگ ہلاک ہو جائیں۔ اور جب لوگ موت میں (طاعون وغیرہ وبائی امراض کے ذریعے) مبتلا ہوں اور تو ان میں موجود ہو تو وہیں جم کر رہنا۔ اور اپنے اہل و عیال پر اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کر۔ اور تعلیم و تربیت کی غرض سے ان پر سے اپنی لاٹھی زمین پر نہ رکھ دینا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے رہنا۔

شرح:- (الفصل الثالث۔ عن معاذ) رضی اللہ عنہ۔ (قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تیسری فصل۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی۔ (بعشر کلمات) دس باتوں کی۔ (قال لا تشرك بالله شیئا) فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر۔ اور نہ زبان سے کفر نکال (وان قتلت وحرقت) اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ چونکہ حضرت معاذ نہایت بلند مرتبہ شخصیت تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بڑی تاکید سے وصیت فرمائی۔ اور مبالغے سے کام لیا لیکن دوسروں کے لیے رخصت و گنجائش کی اجازت باقی رکھی۔ (ولا تعقن والدیك) اور اپنے والدین کو رنج و اذیت نہ دے۔ اور کسی بھی جائز و مباح کام میں ان کے فرمان کی خلاف ورزی نہ کر۔ (وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك) اگرچہ وہ تجھے تیری بیوی، اولاد اور مال چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں یہ دراصل اس بارے میں تاکید و مبالغے کے طور پر فرمایا۔ ورنہ اہل و عیال اور مال و متاع چھوڑ کر چلے جانا لازم و واجب نہیں ہے کہ اس میں حرج اور تکلیف ہے۔ (ولا تترکن صلوۃ مکتوبۃ متعمدا) اور قصداً نماز فرض ترک نہ کر۔ (فان من ترك صلوة مكتوبة متعمدا) کیونکہ جو شخص قصداً فرض نماز ترک کرتا ہے۔ (فقد برئت منه ذمة الله) تو بیشک اس سے اللہ تعالیٰ کا عہد اور اس کی ذمہ داری دور ہو گئی۔ یعنی امن و امان عطا کرنے کا وہ عہد و پیمان جو اللہ نے ایمان والوں سے کر رکھا ہے۔ وہ دور ہو جاتا اور اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

حدیث پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دینا واجب ہے۔ امام شافعی اور بعض

دوسرے آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ حنفی اور مالکی مذہب کے مطابق تارک نماز کو زدوکوب کیا جائے گا۔ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اور قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام تارک نماز کے علاوہ کسی گناہگار کو کفر سے دا غدار قرار نہیں دیتے تھے۔ (ولا تشربن خمرًا) اور ہرگز شراب نہ پینا۔ (فانہ رأس کل فاحشۃ) کہ بیشک یہی ہر گناہ اور بدکاری کا سر ہے۔ کیونکہ ایمان و طاعت کا دار و مدار عقل پر ہے جب عقل زائل ہو گئی تو ایمان و طاعت سب کچھ جاتا رہا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ (وایاک والمعصیۃ) اور اپنے آپ کو گناہ سے دور رکھ اور اس سے پرہیز کر (فان بالمعصیۃ حل سخط اللہ) کہ معصیت و گناہ کے باعث بندے پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور اس کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ (وایاک والفرار من الزحف) اور کفار سے جنگ و جہاد کے وقت بھاگنے سے بچ۔ (وان ھلک الناس) اگرچہ لوگ ہلاک ہو جائیں۔ یہ بھی مبالغے اور تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ اور قاعدہ وہی ہے جس کا گزشتہ ذکر ہوا کہ ایک مسلمان کو دو کفار کے مقابلے سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ (واذا اصاب الناس موت وانت فیھم) اور جب کسی وبا اور طاعون وغیرہ کے باعث لوگ مر رہے ہوں۔ اور تو ان میں موجود ہو تو (فاثبت) تو اپنی جگہ پر موجود رہ وہاں سے موت کے ڈر سے کسی اور طرف نہ جا۔ حکم شرعی یہی ہے کہ جب کسی شہر میں وبائی مرض پھیلی ہوئی ہو تو ایسے وقت میں وہاں سے کسی اور جگہ نہ جانا چاہیئے۔ مگر ایسے وقت کسی اور شہر سے اس شہر میں بھی منتقل نہ ہونا چاہیئے۔ اور طاعون سے بھاگنا معصیت اور گناہ ہے۔ اور بالکل ایسا ہی جرم ہے جیسے کفار کے مقابلے سے بھاگنا جرم ہے۔ اور اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر یہاں سے نہ بھاگا تو ضرور مر جاؤں گا۔ اور اگر اس شہر سے بھاگ جاؤں تو ضرور بچ جاؤں گا اور سلامت رہوں گا تو ایسا عقیدہ رکھنے سے کافر ہو جائیگا نعوذ باللہ من ذالک۔ (وانفق علیٰ عیالک من طولک) اور اپنے اہل و عیال پر اپنی گنجائش کے مطابق ضروری نان و نفقہ سے بڑھ کر خرچ کیا کر۔ (ولا ترفع عنھم عصاک ادبًا۔) اور اپنی لاٹھی رکھ نہ دے بلکہ تعلیم و تربیت کے لیے انہیں مارا کر۔ (واخفھم فی اللہ) اور انہیں حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ڈرایا کر۔

۵۵۔ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ اِنَّمَا النِّفَاقُ کَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَاَمَّا الْیَوْمَ فَاِنَّمَا ھُوَ الْکُفْرُ اَوِالْاِیْمَانُ۔ رواہ البخاری۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ مگر اب ہمارے زمانہ میں صرف کفر یا ایمان ہے۔

شرح: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ یعنی حذیفہ بن الیمان عظیم اور اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی راز دان ہیں۔ آپ منافقین کے حالات سے بہت زیادہ واقف تھے۔ (قال انما النفاق کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرماتے ہیں نفاق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ (واما الیوم) مگر آج ہمارے زمانہ میں (فانما ھو الکفر او الایمان) صرف کفر یا ایمان ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ تین قسموں میں تقسیم تھے۔ مومن۔ کافر۔ منافق۔ آپ کے زمانہ اقدس میں شریعت کا حکم یہ تھا کہ منافقین کو مسلمانوں کے حکم کے تحت رکھا جاتا تھا۔ اور ان کے حال پر پردہ پوشی کی جاتی تھی۔ اور حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جو اس وقت ملحوظ تھیں، ان کے حالات کو نہیں چھیڑا جاتا تھا۔ مگر اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔ اگر فرضاً ظاہر ہو جائے کہ فلاں کے سینہ میں نفاق ہے۔ اور اس نے اپنے دل میں کفر چھپایا ہوا ہے۔ تو اسے بھی ہم قتل کر دیں گے اور اس پر کفر کے احکام جاری کریں گے۔

وسوسہ کا بیان

وسوسہ مدہم آواز، عورتوں کے زیور پازیب وغیرہ کی آواز اور برے خیال کو کہتے ہیں مگر یہاں افکار فاسدہ اور ردی خیالات مراد ہیں۔ جو گناہ اور معصیت کا سبب بنتے ہیں۔ اور جو خیالات ایمان کا سبب بنیں انہیں الہام کہا جاتا ہے اور لفظ وسواس بفتح واو و کسر کا بھی یہی معنی ہے۔ وسواس بمعنی شیطان بھی آتا ہے آیہ کریمہ من شر الوسواس میں وسواس کا معنی بعض مفسرین نے شیطان کیا ہے۔

الفصل الاول — پہلی فصل

۵۶۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت سے درگزر فرمائے ہیں وہ وسوسے جو اس کے سینوں میں آتے ہیں جب تک امت اس پر عمل نہ کرے یا وسوسے کی بات زبان پر نہ لائے۔

شرح:۔ (عن ابی ھریرۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے درگزر فرما دیے ہیں میری امت کے (ما وسوست بہ صدورھا) وہ وسوسے جو اس کے سینوں میں آتے ہیں۔ (ما لم تعمل) جب تک کہ ان پر عمل پیرا نہ ہو۔ (او تتکلم) یا جب تک کہ انہیں زبان پر نہ لائے۔

یعنی وہ عمل جو نہ کرنا چاہیئے، نفس و شیطان اس کی وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔ اور دل میں اس کے کرنے کا خیال ڈالتے ہیں یا وہ بات جو زبان پر نہ لانی چاہیئے اسے زبان پہ لانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تاہم جب تک بندہ وسوسے کے مطابق عمل بد نہیں کرتا۔ یا بری بات زبان پر نہیں لاتا کراما کاتبین اسے نہیں لکھتے اور ان پہ اللہ کے ہاں مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ رعایت و درگزر اس امت مرحومہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ گزشتہ امتوں کی محض برے خیال پر بھی گرفت ہوتی اور انہیں سزا ملتی تھی۔

اس حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ معصیت و گناہ کا پختہ ارادہ و عزم کر لینے پر بھی بندے کی گرفت نہ ہو گی۔ بعض علماء کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ لیکن درست اور صحیح مذہب یہ ہے کہ معصیت و گناہ کے پختہ عزم و ارادہ پہ بھی بندے کی گرفت ہو گی۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ بندے کے اختیار کے بغیر بیکایک جو برا خیال اس کے نفس میں آتا ہے۔ اسے ہاجس کہتے ہیں۔ یہ تمام امتوں کے لیے معاف تھا کہ ایسا خیال بندے کے اختیار سے باہر ہے۔ اور جو برا خیال دل میں آئے اور جاگزیں ہو جائے اور سینے میں گھومنا شروع کر دے اُسے خاطر کہتے ہیں۔ یہ بھی اس امت کے لیے معاف ہے۔ قابل گرفت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور اس کی یہ رحمت اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح سہو و نسیان اس امت سے اٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی اس پر گرفت و مواخذہ نہیں ہے۔ اور اگر اس خیال بد کے سینہ میں گھومنے اور گشت کرنے کے بعد دل میں اس کی محبت و چاہت پیدا ہو۔ اور اس کے حصول کی خواہش اور اس تک پہنچنے کا ارادہ پیدا ہو جائے تو ایسے خیال کو ہم کہتے ہیں۔ یہ بھی اس امت کے لیے معاف کر دیا گیا ہے اور جب تک بندہ اس پر عمل پیرا نہ ہو، عمل نامہ میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر اس کا قصد و ارادہ کر لیا پھر اپنے نفس کو اس سے روک لیا تو اس پر اس کے لیے، نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہاں ایک اور قسم بھی ہے جسے عزم کہتے ہیں اور یہ معصیت پر نفس کی قرار داد اور اس معصیت کے ارتکاب کے جزم اور پختہ ارادہ کا نام ہے۔ یہاں تک کہ اب بندے کی طرف سے اس کے کر گزرنے میں کوئی ہچکچاہٹ اور کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی ماسوائے اس کے کہ اس کے خارجی اسباب مہیا نہ ہو سکے۔ اگر خارجی اسباب مہیا ہو جاتے تو بندہ ضرور اسے کر گزرتا۔ اس قسم کے عزم و ارادہ پر مواخذہ ہو گا۔ کہ یہ قلب کے اعمال میں سے ہے۔ جس طرح عقائد و اخلاق ذمیمہ پر بندے کا مواخذہ ہو گا اور قلب کے اعمال پر بھی بندے کی گرفت ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری اعضا کے اعمال بد پہ گرفت و مواخذہ ہوتا ہے۔ تاہم یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ عزم و ارادہ عین معصیت نہیں ہے۔ جس کا بندے نے عزم کر رکھا ہے۔ مثلاً زنا کا عزم بلاشبہ معصیت و گناہ ہے۔ اور قابل گرفت

ہے۔ مگر یہ عزم و ارادہ عین زنا نہیں اور اس پر مواخذہ عین زنا کے مواخذہ کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ عزم فی نفسہ معصیت و گناہ ہے مگر زنا سے کم درجہ کا گناہ ہے۔

۵۷۔ وَعَنْهُ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْهُ إِنَّا نَجِدُ فِيْ أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ۔ قَالَ أَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ۔ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ۔ (رواہ مسلم)

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسے بُرے بُرے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص انہیں زبان پر لانے کو گناہ عظیم تصور کرتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا واقعی تم لوگ ان خیالات کو اتنا بُرا تصور کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو یہ خالص ایمان کی نشانی ہے۔

شرح :۔ (وعنہ قال) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں کہ (جاء ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت (الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی (فسألوہ) اور آپ سے دریافت کیا۔ (انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ) کہ بیشک ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسے ایسے وسوسے اور خواطر محسوس کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر آدمی انہیں زبان پر لانا نہایت سخت، بڑا گراں، بہت مکروہ اور ناپسند جانتا ہے۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اوقد وجدتموہ) کیا واقعی دلوں میں آنے والے ان بُرے خیالات کو تم لوگ زبان پر لانا بُرا اور گراں خیال کرتے ہو۔ (قالوا نعم) انہوں نے عرض کیا ہاں۔ (قال ذلک صریح الایمان) حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارا انہیں گراں اور ناپسند جاننا تمہارے خالص الایمان ہونے کی دلیل و نشانی ہے کیونکہ یہ گرانی و ناپسندیدگی ان خیالات کے باطل و قبیح ہونے کے اعتقاد اور خدا تعالیٰ کے خوف، اس کی خشیت اور اس کے حکم کی دلوں میں عظمت کی بنا پر ہے۔ اور یہ سب کچھ ایمان کے آثار و نتائج ہیں کہ معصیت و گناہ کو اس حد تک قبیح اور بُرا جاننا کہ اسے زبان پر لانے کو تیار نہ ہونا یہ صدق ایمان کا اثر ہے۔

۵۸۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ

اور انہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا

فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ۔

(متفق علیہ)

ہے اور کہتا ہے فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے، فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے۔ (بندہ جواب میں کہتا ہے خدا نے پیدا کی ہے یہاں تک کہ شیطان یہ سوال کرتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو جب ابلیس اس سوال پر پہنچے تو بندے کو چاہیئے کہ خدا کے پاس پناہ لے۔ اور اس وسوسے کو دل سے نکال دے۔ اور اس سے رک جائے۔

شرح:۔ (وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یاتی الشیطان احدکم) اور انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے۔ یہ شیطان خود ابلیس ہوتا ہے۔ یا اس کے لشکر اور گروہ کے شیاطین میں سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے اگر جنات وانسانوں میں سے ہر قسم کے شیاطین مراد لیے جائیں تو بھی درست ہے جیسا کہ آنے والی حدیث میں مذکور ہے۔ مگر فی الحقیقت وسوسہ اور گمراہی میں ڈالنا ابلیس کے سپرد ہے۔ اور اس وسوسہ اندازی اور گمراہی کا ذمہ دار اور مرجع ابلیس کو ہی بنایا گیا ہے۔ (فیقول) تو شیطان یوں کہتا اور اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ (من خلق کذا من خلق کذا۔) کہ یہ چیز کس نے پیدا کی ہے اور یہ چیز کس نے پیدا کی ہے۔ انسان ضروری طور پر شیطان کے جواب میں کہتا ہے۔ میرے پروردگار نے پیدا کی ہے (حتی یقول) یہاں تک کہ شیطان یہ کہتا ہے۔ (من خلق ربك) تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (فاذا بلغه) جب شیطان اس بات پر پہنچے (فلیستعذ بالله) تو چاہیئے کہ تم میں سے وہ بندہ شیطان کے شر سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ لے۔ (ولینته) اور چاہیئے کہ اس وسوسہ سے باز آجائے اور شیطان کے ساتھ اس گفتگو کو ترک کر دے۔ ابلیس سے بحث وجھگڑا اور اس سے ہمنشینی سے بچنے کے لیے اپنی حالت بدل لینا بھی اثر رکھتا ہے۔ جس طرح کہ علماء نے غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے حالت کی تبدیلی کو موثر قرار دیا ہے۔ کیونکہ شیطان کے ساتھ مناظرہ اور جھگڑا وسوسوں کا دروازہ کھلنے اور اس کے شر کے مزید ابھرنے اور پھیلنے کا موجب وقدر یعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے وہ لعین اپنے شبہات اور مغالطوں میں غالب آجائے۔ اور انسان ان کی تردید سے بے بس ہو جائے۔ لہذا اس لعین کے شر سے نجات پانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ بندہ عز جل وعلا کی عزت والی جناب میں پناہ لے۔ اور اس طرح اس کے شر سے دور اور اسم المضل سے اسم الھادی کی جانب بھاگے۔

شیطان سے پناہ حاصل کرنے کے اقسام میں سے اعلیٰ ترین قسم بندہ کی ریاضت، تعلقات دنیوی کی میل کچیل سے نفس کا تزکیہ اور اسے پاک اور اغیار کے نقوش سے لوحِ قلب کو صاف کرنا ہے۔ صرف زبان سے اعوذ باللہ پڑھنا کافی نہیں۔ تاہم اس سے بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے یہ سوال کرنا کہ خدا تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے بالکل فاسد اور لغو اور تناقض کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر وہ شے جو مخلوقیت سے موصوف ہے خلق اللہ الخلق میں داخل ہے۔ اس کے بعد پھر خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے، نامعقول اور متناقض بات ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۵۹۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ متفق علیہ۔

اور انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ یہ سوال کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ یہ بات کہنے کی نوبت آ پہنچے گی کہ مخلوق تو اللہ نے پیدا کی ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو جو شخص یہ وسوسہ اپنے اندر محسوس کرے اسے چاہیے کہ یوں کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔

شرح:۔ (وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايزال الناس يتساءلون) اور انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ آپس میں جھگڑے اور بحث یا اپنی یا نفس و شیطان کے ساتھ بطور وسوسہ و خیال سوال اور گفتگو کرتے رہیں گے۔ (حتی یقال هذا) یہاں تک کہ نوبت اس قول پر آ پہنچے گی کہ (خلق الله الخلق) مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ (فمن خلق الله) اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (فمن وجد من ذلك شيئا) تو جو شخص یہ بات اور اس وسوسے میں سے کچھ اپنے اندر محسوس کرے (فليقل آمنت بالله ورسله) تو چاہیے کہ اس وسوسے کو دور کرنے کے لیے یوں کہے میں اللہ پر ایمان لایا جو اس سے پاک و منزہ ہے سا اور میں اس کے رسولوں پر ایمان لایا جنہوں نے ان نقائص سے خدا تعالیٰ کے منزہ اور پاک ہونے کی تعلیم دی ہے۔ اور آمنت باللہ ورسلہ کا کلمہ اللہ کے پاس پناہ لینے اور ان وسوسوں سے رک جانے کے قائم مقام ہے جس کا گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ اور یہ بھی ابلیس سے جھگڑے اور اس کے وسوسوں کو ختم کرنے میں موثر ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ یہ کفر یہ کلمہ ہے۔ اس لیے کلمہ ایمان سے اس کا تدارک ضروری تھا مگر

قارئین سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ کلمہ اس وقت کفر بنتا ہے۔ جب کہ نیت دحقیقت اور اعتقاد کے طور پر بندے سے صادر ہو، اور اگر اس کا صدور ایک دوسرے کے ساتھ بطور بحث و مناظرہ ہو یا نفس و شیطان کے ساتھ بطور وسوسہ دل میں آئے تو کفر نہیں ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ بات قضیہ منفصلہ کے طور پر کی جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ اگر بندے سے یہ قول بطور اعتقاد صادر ہو تو آمنت باللہ ورسلہ کلمہ تجدید ایمان کے لیے ہو گا۔ اور اگر کلمہ بطور وسوسہ اور خطرہ دل میں گزرے تو کلمہ آمنت باللہ ورسلہ وسوسہ اور خلجان قلب دور کرنے کے ہو گا۔ آخری شق نسبتہً ظاہر و واضح ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۶۰۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ رواہ مسلم

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ایک بھی نہیں مگر اس پر اس کا ایک ساتھی شیاطین سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مسلط کیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا اور آپ کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا حال بھی ایسا ہی ہے لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے۔ تو وہ مجھے نیکی کا حکم ہی دیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامنکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے تم میں سے کوئی ایک بھی مگر مسلط کیا گیا ہے اس پر جنات میں سے ایک ساتھی۔ (وقرینہ من الملئکۃ) اور فرشتوں میں سے ایک ساتھی۔ یعنی ہر آدمی کے دو ساتھی ہیں ایک جن جو اسے برے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اور اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا ہے۔ دوسرا فرشتہ جو نیک کام کا حکم دیتا اور اچھے کاموں کا الہام کرتا ہے۔ بعض روایات میں اس طرح وارد ہے کہ جو آدم زاد بھی پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کی مانند ایک جن بھی پیدا ہوتا ہے جسے ہمزاد کہتے ہیں۔ (قالوا وایاک) صحابہ کرام نے عرض کیا (یارسول اللہ) یارسول اللہ آپ کا اپنے متعلق بھی یہی ارادہ ہے اور اپنے آپ کو بھی آپ اسی عموم میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور آپ کا بھی کوئی جن ساتھی ہے۔ (قال وایای) آپ نے فرمایا ہاں میں اپنے آپ کو بھی اس حکم میں داخل جانتا ہوں۔ اور جنات میں سے میرا بھی ایک ساتھی ہے۔ (ولکن اللہ اعاننی علیہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس پر غالب کر دیا ہے۔ (فاسلم) محدثین نے یہ لفظ دو

طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ایک میم کے رفع کے ساتھ بصیغہ مضارع معلوم۔ یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے تو میں اپنے اس ساتھی کے شر اور اس کے وسوسوں کی آفت سے بچا رہتا ہوں۔ اور وہ میرا مطیع اور میرے تابع ہو چکا ہے۔ دوسرے فتح میم کے ساتھ بہ لفظ ماضی یعنی میرا یہ ساتھی بھی اسلام لا چکا ہے۔
اس لفظ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام بمعنی اطاعت و فرمانبرداری ہو۔ یہ معنی وجہ اول کی طرف راجع ہے اور بعض روایات میں صراحۃً فاسلم کا لفظ بھی آیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلام کا معنی یہ ہو کہ میرا جن ساتھی مسلمان ہو گیا اور ایمان قبول کر چکا ہے۔ اور یہ کوئی بعید نہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فضیلت و بزرگی سے ممتاز اور مخصوص فرما دیا ہو۔ صاحب نہایۃ نے فرمایا ہے۔ کہ حدیث (کان شیطان آدم کافرا و شیطانی مسلما (آدم کا شیطان کافر تھا اور میرا شیطان مسلمان ہے) اسی معنی کی شاہد ہے۔ (فلا یامرنی الا بخیر) تو وہ مجھے ہر حال میں نیکی اور اچھی چیز کا ہی حکم دیتا ہے۔

۶۱۔ **وَعَنْ** اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان میں اس طرح چلتا ہے جیسے خون اس کی رگوں میں دوڑتا ہے۔

شرح: (وعن انس) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان میں اس طرح چلتا ہے۔ جیسے انسانی بدن میں خون چلتا ہے۔ اس ارشاد سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ شیطانی وسوسے انسان میں چلتے اور گھومتے ہیں۔ نیز اس سے شیطان کے انسان کو حد درجہ گمراہ اور بدراہ کرنے کے تصرف و تسلط کا بیان مقصود ہے۔ اور اگر حدیث کے الفاظ ظاہری معنی پر محمول کیے جائیں کہ شیطان بذاتِ خود آدمی کے اندر گھس جاتا ہے۔ تو یہ بھی بعید نہیں کہ شیطان اجسام لطیفہ میں سے ہے اس لیے اجسام کثیفہ میں اس کا گھس جانا اور ان میں چلنا ممکن ہے۔ جس طرح آگ اور ہوا اور خون کے دوڑنے کے ساتھ تشبیہ دینے کا ظاہر معنی بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ بَنِيْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرزندانِ آدم میں سے کوئی بچہ پیدا

آدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطٰنُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا۔ (متفق علیہ)

نہیں ہوتا مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنے ہاتھ سے چھوتا ہے۔ تو وہ بچہ چیخ مار کر روتا ہے شیطان کے ہاتھ سے چھونے کی وجہ سے۔ سوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسٰی کے۔

شرح :- (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من بنی آدم مولود) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے اولادِ آدم سے کوئی پیدا ہونے والا بچہ۔ (الا یمسہ الشیطان حین یولد) مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنے ہاتھ سے اُسے چھوتا اور ہلاتا ہے۔ جس سے بچے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور درد و اذیت محسوس کرتا ہے۔ (فیستھل صارخا) تو وہ چیختا اور آواز نکالتا اور روتا ہے۔ (من مس الشیطٰن) شیطان کے چھونے کی وجہ سے۔ یعنی پیدائش کے وقت بچے کا رونا اِس وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اس سے اس لعین کی غرض و غایت اس بچے کو فطرتِ اسلام سے برگشتہ کرنا اس کی دینی استعداد کو برباد کرنا اور اس میں گمراہی و فساد کا اثر ڈالنا ہوتا ہے۔ (غیر مریم وابنھا) ماسوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسٰی کے کہ یہ دونوں ہستیاں مس شیطان اور اس کے برے اثر سے منزہ اور پاک ہیں۔ کیونکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ماں نے اپنی بیٹی اور اس کے بیٹے کے لیے اس امر کی دعا کی تھی کہ یہ دونوں شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:-

انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم۔

بیشک میں مریم اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ ماجدہ کا شیطان کے اس مس سے بچنے میں مخصوص ہونا حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ فضائل و معجزات اور مناقب و مراتب حاصل ہیں کہ دوسرے کسی بھی پیغمبر کو حاصل نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مفضول (کم درجہ والے) کو کوئی ایسی صفت و کمال حاصل ہو جو فاضل (اعلیٰ درجہ والے) کو حاصل نہ ہو۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ فضل کلی فضل جزئی کے منافی نہیں ہے۔ ان سطور کا محرر بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس بارے میں صحیح اور درست بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اس حدیث میں حضور علیہ السلام اپنے علاوہ دوسرے فرزندان آدم

کی خبر دے رہے ہیں۔ اور طہارت میں آپ کا مقام اس سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت شیطان آپ پر کسی قسم کا تصرف کر سکے۔

بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ متکلم جب اس قسم کا کلام کرتا ہے تو عرف و محاورات میں خود اس کی اپنی ذات اس سے خارج ہوتی ہے۔ اور ذوق و حال اس کا قرینہ ہوتا ہے۔ جو کچھ بندہ ضعیف نے کہا ہے یہ کلام اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ **بیت**

دامنِ اجلالِ آں نازک نہالِ باغِ دین ۔۔۔ برتر آمد زیں کہ بروے دستِ نامحرم رسد

ترجمہ:۔ باغ دین کے اس نازک پودے کا دامنِ عزت و شان اس سے بلند و برتر ہے کہ نامحرم کا ہاتھ اسے مس کرے۔

۶۳۔ **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِيْنَ يَقَعُ نَزْغَةٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ (متفق علیہ)

انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچے کا شکم مادر سے باہر آتے وقت رونا شیطان کے اذیت پہنچانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صیاح المولود حین یقع نزغۃ من الشیطٰن) پیدائش کے وقت بچے کا رونا اور آواز نکالنا شیطان کی ٹھوکر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نَزْغَۃ بفتح نون۔ وسکون زاء و غین معجمہ یعنی نیزے سے ٹھوکر لگانا۔ لکڑی سے مارنا اور فساد پھیلانے اور گمراہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۶۴۔ **وَعَنْ** جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ يَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجِيْءُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجِيْءُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے۔ پھر اپنے دستے بھیجتا ہے۔ جو لوگوں میں فتنہ اندازی کرتے ہیں تو ان میں ابلیس کے زیادہ قریب مرتبہ میں وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑھ کر فتنہ پھیلا کر آئے۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے یہ کیا یہ کیا۔ ابلیس سن کر کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا پھر ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے فلاں کو نہیں چھوڑا مگر اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی اور بے اتفاق

اِمْرَأَتِہٖ قَالَ فَیُدْنِیْہِ مِنْہُ وَیَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ قَالَ الْاَعْمَشُ اُرَاہُ قَالَ فَیَلْتَزِمُہٗ۔

(رواہ مسلم)

ڈال کر رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا تو ابلیس اسے اپنے قریب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ہاں تو نے ٹھیک کیا ہے۔ اعمش کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضرت جابر نے کہا پھر ابلیس پیار کے طور پر اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن جابر) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء۔) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ابلیس تکبر و غرور اور شرکت و غلبہ کے اظہار کے لیے اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے۔ تخت بچھانے سے مراد اگر یہ ہو کہ وہ اپنا تخت پانی پر رکھ دیتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا اس کے تخت کو پانی پر قائم رکھنا اور ڈوبنے نہ دینا اس کے لیے مکر و استدراج کے طور پر ہوگا۔ اور اگر پانی پر تخت رکھنے سے پانی کے کنارے پر رکھنا مراد ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں (ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس) پھر ابلیس اپنے دستے اور فوجیں لوگوں میں فتنہ اندازی کے لیے مختلف علاقوں اور شہروں کی طرف روانہ کرتا ہے۔ سرایا سریۃ بفتح سین مہملہ و کسرہ راء و تشدید یاء کی جمع ہے۔ یعنی لشکر اور فوج کا ایک دستہ جو دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جائے۔ اور یہ پانچ افراد سے لے کر چار سو یا پانچ سو تک کی تعریف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فتنہ۔ بمعنی امتحان و آزمائش۔ اصل لغت میں اس کا معنی ہے سونا چاندی کو میل کچیل سے صاف کرنے کے لیے پگلانا۔ مال، اولاد، تکلیف و راحت اور گناہ و عذاب وغیرہ کو اس لیے فتنہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سب امتحان و آزمائش کی چیزیں ہیں ۔ (فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ) تو ان میں ابلیس کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے۔ جو فتنہ برپا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہو۔ یعنی ان دستوں میں سے ابلیس کے نزدیک زیادہ قدر و منزلت اور شان و مرتبہ اس کا ہوتا ہے جو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے میں سب سے پیش پیش ہو۔ مختصر یہ کہ جو سب سے بڑھ کر فتنہ انگیز ہو ابلیس کے ہاں سب سے مقرب و معتبر شمار ہوتا ہے۔ (یجیٔ احدھم فیقول) ان شیاطین میں سے ایک ابلیس کے پاس آتا اور کہتا ہے۔ (فعلت کذا وکذا) میں نے یہ کام کیا ہے یہ کام کیا ہے۔ اور یہ یہ فتنہ برپا کیا ہے۔ (فیقول ما صنعت شیئًا)۔ تو ابلیس اس کر کہتا ہے تو نے کوئی کام نہیں کیا۔ اور تیری کچھ کارکردگی نہیں ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا حضرت جابر نے حضور سے روایت کرتے ہوئے فرمایا (ثم یجیٔ احدھم) پھر اس کے فوجیوں میں سے ایک اور آتا ہے۔ اور کہتا ہے (ما ترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ) میں نے فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی اور نفرت نہیں ڈال دی (قال فیدنیہ منہ) حضور فرماتے ہیں یہ

سن کر ابلیس اپنے اس سپاہی کو اپنے قریب کرتا ہے۔ (ویقول نعم انت) اور کہتا ہے میرا اچھا دوست، کارکن اور مددگار تو ہے۔ (قال الاعمش) حضرت اعمش جو حضرت جابر سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں (اعمش) حضرت جابر کے متعلق میرا یہ گمان ہے کہ انہوں نے یہ لفظ بھی کہا۔ (فیلتزمہ) کہ ابلیس اپنے اس سپاہی سے بغلگیر ہوجاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ (فیلتزمہ) پر اضافہ کرتے ہوئے یا فیدنیہ کی جگہ کہا دونوں احتمال ٹھیک ہیں۔

یہاں علماء کرام نے مرد وزن کے جدائی ڈالنے اور ابلیس کے اسے اچھا اور عمدہ کام قرار دینے کے متعلق کہا ہے۔ کہ تفریق سے طلاق بائن کے ذریعے خاوند بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا مراد ہے۔ تاکہ عورت مرد پر حرام ہو جائے۔ اب عورت سے جو صحبت اور جماع کرے گا حرام ہوگا اور جو اولاد پیدا ہوگی حرام کی اولاد ہوگی۔ اس طرح زنا اور اولاد زنا کی رو سے زمین پر کثرت ہو جائے گی۔ اور لوگوں میں فساد اور نا فرمانی بڑھ جائے گی۔ اور یہ چیز نظام عالم میں خرابی اور گڑبڑ کا باعث بنے گی۔ اور آدم کی اولاد دنیا و آخرت میں ذلت و خواری میں مبتلا ہوگی۔ علماء نے اس کلام کی تشریح و توجیہہ میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

اس کلام کی یہ توجیہہ کرنا بھی ممکن ہے۔ کہ تفریق سے مردوں اور ان کی عورتوں میں عداوت جھگڑا اور جنگ و جدل میں مبتلا کرنا مراد ہو۔ تاکہ اس عداوت و نفرت کی بنا پر لوگ اپنی عورتوں سے صحبت و جماع کرنا ترک کر دیں۔ اور اس طرح نسل آدم کی افزائش کا معاملہ رک جائے اور نتیجۃً یہ امر قطع نسل یا افراد انسانی کی قلت کا موجب بن جائے۔ واللہ اعلم۔

۶۵۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ اَيِسَ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

اور انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ابلیس اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی لوگ جزیرہ عرب میں اب اس کی عبادت کرنے لگیں گے۔ تاہم وہ ان میں جھگڑا جدال برپا رکھنے کی کوشش میں مصروف رہے گا

شرح: (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطن قد ایس من ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب) اور انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک ابلیس اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ نماز ادا کرنے والے اب جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ سرزمین عرب کا طول

زعم مں شرح وتفصیل سے اور جو کچھ اس میں اختلاف ہے، اپنی شرح عربی میں ہم نے نقل کر دیا ہے۔ سرزمین عرب کو جزیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے چاروں طرف سے خلیج فارس، بحر روم اور نیل و دجلہ و فرات نے گھیر رکھا ہے (ولکن فی التحریش بینھم) لیکن شیطان باشندگان جزیرہ عرب میں آپس میں جنگ و عداوت برپا رکھنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔ اور اس سے ناامید نہ ہوگا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں جو لڑائیاں اور واقعات رونما ہوتے رہے وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ شیطان کی عبادت اور نماز ادا کرنے والوں سے کیا مراد ہے تو علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شیطان کی عبادت سے کفر و ارتداد اور مصلین سے اہل ایمان مراد ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اتنی بات کہنے کے بعد علامہ تورپشتی نے سوال اٹھایا ہے کہ حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد کچھ اہل ایمان مرتد ہو گئے اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کی پیروی اختیار کی۔ اور کفر و عناد کے راستے پر چلے (حالانکہ اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ابلیس اس سے مایوس ہو چکا ہے)۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اہل عرب کفر و ارتداد اختیار نہیں کریں گے۔ بلکہ اس بات کی خبر دی کہ شیطان مسلمانوں کی شوکت و عزت اور ان کے اجتماع و کثرت کو دیکھ کر ناامید ہو جائے گا۔ مگر اس کی ناامیدی اور مایوسی کے باوجود مسلمانوں میں کفر و ارتداد کا فتنہ پھیل گیا۔ لہذا اس حدیث اور اس واقعہ کے درمیان کوئی منافات اور ٹکراؤ نہیں ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس امر کی خبر دینا ہے کہ اسلام کی شوکت اور اس کا دبدبہ اس حد تک بڑھ جائے گا کہ شیطان ان میں ارتداد واقع ہونے سے مایوس ہو جائے گا۔ آپ کی اس خبر کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں ارتداد قطعاً واقع نہ ہوگا لیکن علامہ موصوف کی یہ تقریر بعید سے خالی نہیں۔ یعنی ان کا یہ جواب کوئی اتنا تسلی بخش نہیں ہے کہ شیطان کے ناامید ہونے سے ظاہر و واضح بات یہی ہے کہ کفر و ارتداد واقع نہ ہوگا۔ اور اسی حقیقت کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے مصلین سے اہل ایمان اور عبادت شیطان سے بتوں کی عبادت مراد ہے (مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں اور مانعین زکوٰۃ نے اگرچہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا تاہم وہ بھی بت پرستی میں مبتلا نہ ہوئے انتہی۔

ممکن ہے کہ حدیث کا معنی اس امر کی خبر دینا ہو کہ یہ دین اب تبدیل نہ ہوگا۔ اور نہ اسلام کی بنیادیں کلیتاً اور ہمیشہ کے لیے منہدم نہ ہوں گی۔ اور لوگ پھر سے دور جاہلیت کی طرح مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے کفر و ارتداد کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ یہ آخری توجیہ اس کے خلاف نہیں کہ چند لوگ مرتد ہو جائیں بلکہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہو جائیں۔

واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۶۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا میرے دل میں ایسی ایسی باتیں آتی ہیں کہ انہیں زبان پر لانے کی نسبت جل کر میرا کوئلہ ہو جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی حمد و ثنا جس نے اس شخص کے معاملے کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔

شرح:۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ رجل فقال) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ (انی احدث نفسی بالشیء) بیشک میں اپنے نفس سے بطور وسوسہ ایسی ایسی باتیں کرتا ہوں کہ (لان اکون حممۃ احب الی) بیشک میرا جل کر کوئلہ بن جانا مجھے اس سے اچھا لگتا ہے کہ (من ان تتکلم بہ) میں ان باتوں کو زبان پر لاؤں۔ حُمَمَۃ بضم حاء و فتح و میم۔ یعنی کوئلہ جمع حُمَم یعنی اگر میں جل کر خاکستر سیاہ کوئلہ اور نابود ہو جاؤں تو وہ مجھے بہتر محسوس ہوتا ہے اس کی نسبت جو میرے ضمیر میں وسوسے آتے ہیں انہیں زبان پہ لاؤں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ) حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس شخص یا شیطان کے کام کو اس نے اس شخص کے نفس میں ڈالا، اسے وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔ اور وسوسے کی حد میں ہی اسے روک لیا اور اسے یہ ہمت نہ دی کہ وہ اس کے مطابق عمل پیرا ہو یا اُسے زبان پہ لائے کہ وہ قابل

۶۷۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّیْطٰنِ لَمَّۃً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَکِ لَمَّۃً فَاَمَّا لَمَّۃُ الشَّیْطٰنِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّۃُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ابن آدم کے پاس شیطان بھی آتا ہے اور فرشتہ بھی شیطان کا اس کے پاس آنا تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اسے شر اور خرابی کے ساتھ ڈراتا ہے۔ اور حق کی تکذیب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور فرشتے کا آنا اس شکل میں ہوتا

وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ۔ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ ثُمَّ قَرَءَ الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔ رواه الترمذی وقال هٰذا حديثٌ غريبٌ۔

ہے کہ وہ اُسے خیر و نیکی کی نوید و خوشخبری دیتا اور حق کی تصدیق پر آمادہ کرتا ہے۔ تو جو شخص اپنے اندر وعدہ خیر پائے تو جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس پر خدا کی حمد اور اس کا شکر بجا لائے۔ اور جو شخص شیطان کی آمد محسوس کرے تو چاہیئے کہ اللہ کے پاس شیطان سے پناہ لے پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ الشیطٰن یعدکم الفقر الخ۔

شرح: ۔(وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان الشیطٰن لمۃ بابن آدم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان ابن آدم پر نزول کرتا اور اس کے نزدیک آتا ہے (وللملک لمۃ) اور فرشتہ بھی انسان پر نزول کرتا اور اس کے نزدیک آتا ہے۔ لَمَّۃ بفتح لام وتشدید میم المام سے ہے۔ یعنی نازل ہوتا، نزدیک آنا اور پہنچنا۔ یعنی انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ۔ دونوں اس سے کام رکھتے ہیں۔ (فاما لمۃ الشیطٰن فایعاد بالشر) شیطان کا کام تو اسے برائی سے ڈرانا ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بندے کو یوں کہتا ہے۔ کہ اگر تو نے فلاں نیک کام کیا تو تو برائی اور خرابی میں مبتلا ہوگا۔ مثلاً اگر تو نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا اور اس کی عبادت میں مصروف ہوگیا تو اپنے آپ کو فقر و محتاجی اور ذلت و خواری میں ڈال دے گا۔ (وتکذیب بالحق) اور حق کی تکذیب پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ (واما لمۃ الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق) اور فرشتے کا یہ کام ہوتا ہے۔ کہ وہ نیکی کی نوید و بشارت دیتا ہے اور حق کی طرف سے سچ و راستی کی نسبت اور یقین کی دولت دل میں ڈالتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ نیکی کے لیے وعدہ اور برائی کے لیے لفظ وعید استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن لغوی طور پر دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیتے ہیں۔ پھر یہ تخصیص اس وقت ہوتی ہے جب کہ خیر و شر کا کلمہ عبارت میں مذکور نہ ہو۔ اور اگر لفظ وعدہ و وعید دونوں عبارت میں مذکور ہوں تو اس صورت میں لفظ دونوں معنی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ (فمن وجد ذٰلک) تو جو شخص اپنے میں یہ چیز پائے یعنی وعدۂ خیر جو فرشتے کے نزول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (فلیعلم انہ من اللہ۔) تو جان لے کہ، یہ چیز خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اس کی جناب لطف و رحمت سے صادر ہو رہی ہے۔ (فلیحمد اللہ) اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس بلند ذات کی حمد و ثنا کرے۔ (ومن وجد الاخری) اور جو شخص شیطان کا نزول محسوس کرے۔ (فلیتعوذ باللہ من الشیطٰن) تو چاہیئے کہ وسوسۂ شیطان سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ تلاش کرے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے مضمون کے موافق اور اس کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الشیطن یعدکم الفقر شیطان تمہیں فقر و محتاجی سے ڈراتا ہے۔ یعنی یوں کہتا ہے کہ اگر اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو گے تو محتاج اور تنگدست ہو جاؤ گے ویأمرکم بالفحشآء اور تمہیں بخل و کنجوسی کا حکم دیتا ہے۔ عرب بخل کو فحشاء کہتے ہیں یا فحشاء سے مطلق معاصی مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا) اور خدا تعالیٰ اس کے راستے میں مال خرچ کرنے والوں کو گناہوں کی بخشش کی بشارت دیتا ہے۔ اور بخشش سے بڑھ کر فضل و کرم کی بشارت بھی دیتا ہے۔ یعنی مال خرچ کرنے پر ثواب عطا کرتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں ثواب کے علاوہ اپنے فضل و کرم کی بشارت بھی دیتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے اس آیت کی موافقت اس طرح ہے کہ فرشتے کا نزول جناب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ لہذا مغفرت و فضل کا وعدہ درحقیقت نزول فرشتہ کا ہم معنی ہے۔ (رواہ الترمذی وقال) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا۔ (ھذا حدیث غریب) یہ حدیث غریب ہے۔ حدیث غریب کا معنی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث میں علم خواطر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علم قوم کے دقیق علوم میں سے ہے۔ اور خواطر و غیر خواطر میں تمیز و فرق میسر نہیں آتا مگر کمال تقویٰ۔ تصفیہ قلب اور اس کے زنگ و رین سے روشن و منور ہونے کے بعد۔

اہل علم و صوفیہ کے ہاں چار قسم کے خواطر مشہور ہیں۔ ۱۔ حقانی ۲۔ نفسانی ۳۔ ملکانی۔ اور ۴۔ شیطانی۔ ان میں فرق و امتیاز کرنے کی وجوہ قوم کی کتب میں مذکور ہیں۔ لیکن وہ نہایت دقیق ہیں۔ متاخرین مشائخ میں سے بعض حضرات نے فرمایا ہے۔ کہ دل میں آنے والا خطرہ اگر مباح شہوتوں سے متعلق ہو تو وہ خاطر نفسانی ہے۔ اگر حرام چیزوں سے متعلق ہو تو خاطر شیطانی کہلاتا ہے۔ اور اگر نیکی و طاعات سے تعلق رکھتا ہو تو خاطر ملکی ہے۔ اور اگر ماسوا اللہ سے قطع تعلق سے وابستہ ہو تو خاطر حقانی ہے۔

حضرت شیخ عارف کامل عبدالوہاب متقی قدس سرہٗ کا ایک رسالہ مسمی بہ مفاتیح الغیوب فی معرفۃ خواطر القلوب ہے جو اس بارے میں نہایت نافع اور مفید ہے۔ مشکوٰۃ کی عربی شرح لمعات میں ہم نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

۶۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِكَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے ہمیشہ سوالات کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یوں کہا جاتا ہے۔ مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ جب لوگ یہ بات

قُوْلُوْا اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ ثُمَّ لْيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ رواه ابو داود ۔ وسنذكر حديث عمرو بن الاحوص في باب خطبة يوم النحر ۔

کہیں تو تم (ان کو جواب میں) کہو۔ اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے نیاز ہے ۔ اس نے کسی کو نہیں جنا ۔ نہ اسے کسی نے جنا ہے اور اس کی مثل کوئی نہیں ۔ پھر اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوکے اور شیطان مردود سے اللہ کے پاس پناہ تلاش کرے ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ہم عنقریب عمرو بن الاحوص کی حدیث باب خطبہ یوم النحر میں بیان کریں گے ۔

شرح :- (وعن ابی هريرة رضی اللہ عنہ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لایزال الناس یتساءلون حتی یقال ھذا) لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے اور سوال کرتے رہتے ہیں تا آنکہ یہ بات کہنے لگتے ہیں ۔ (خلق اللہ الخلق فمن خلق اللہ) مخلوقات کو تو اللہ نے پیدا کیا ۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے ۔ (فاذا قالوا ذٰلک) جب لوگ یہ بات کہیں (فقولوا) تو اس سوال کے رد و ابطال اور اس وسوسہ اور خطرہ کے رفع کرنے کے لیے اے سننے والو تم یوں کہا کرو ۔ (اللہ احد) اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یگانہ اور وحدہٗ لاشریک ہے (اللہ الصمد) اللہ سردار ہے ہر شے اس کی محتاج ہے ۔ اور سب حاجات و مقاصد کے لیے اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

(لم یلد ولم یولد) اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اسے کسی نے جنا ہے و لم یکن لہ کفوا احد اور کوئی بھی اس کی مثل اور مانند نہیں ۔ اور یہ صفات مخلوق ہونے کے منافی ہیں اور ذات خالق کے سوا کسی کے لائق نہیں ۔ ثم لیتفل عن یسارہ ثلٰثا پھر جو شخص لوگوں کے اس طرح کے کلمات سنے وہ ان صفات کا ذکر کرنے کے بعد تین بار اپنی بائیں جانب تھوکے ۔ تفل اس دم کرنے کو کہتے ہیں جس میں منہ سے پھونکنے کے وقت کچھ لعاب دہن بھی خارج ہو ۔ یہ تھوکنا شیطان سے اظہار نفرت و کراہت اس کے اظہار ناپاکی اور اسے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ہوتا ہے ۔ یہ تھوکنا شیطان اور اس کے شر کو دفع کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے ۔ بائیں جانب کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ شیطان بائیں جانب ہوتا ہے ۔ ولیستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور چاہیے کہ شیطان مردود سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ تلاش کرے ۔ رواہ ابوداؤد اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ۔ وسنذکر حدیث عمرو بن الاحوص فی باب خطبۃ یوم النحر اور ہم عمرو بن الاحوص کی حدیث جو مصابیح میں اس باب میں مذکور تھی باب خطبہ یوم نحر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کہ اس کی مناسبت اس باب کے ساتھ ظاہر تر اور زیادہ ہے ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۶۹ - عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّبْرَحَ النَّاسُ یَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا - اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہ - رواہ البخاری - وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللّٰہُ عزوجل اِنَّ اُمَّتَکَ لَا یَزَالُوْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا کَذَا مَا کَذَا - حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا اللّٰہُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ -

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے ہمیشہ پوچھتے اور سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ یوں کہیں گے۔ اللہ نے ہر شے پیدا کی ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ یہ امام بخاری کی روایت ہے۔ اور مسلم کے ہاں یوں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے تیری امت ہمیشہ اس طرح کہتی رہے گی یہ چیز کیا ہے یہ چیز کیا ہے۔ یہاں تک کہ یوں کہیں گے۔ مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے۔

شرح:۔ (عن انس) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یبرح الناس یتساءلون حتی یقولوا ھذا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے اور سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یوں کہیں گے۔ (اللہ خلق کل شیء) اللہ نے ہر چیز پیدا کی ہے۔ (فمن خلق اللہ عزّ وجل) تو اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (رواہ البخاری) اس حدیث کو ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (ولمسلم) اور امام مسلم کے ہاں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قال اللہ عزّ وجلّ) اللہ عزوجل نے فرمایا (ان امتک لا یزالون یقولون ماکذا ماکذا) تیری امت ہمیشہ یوں کہتی رہے گی یہ چیز کیا ہے یہ چیز کیا ہے۔ یعنی حقائق اشیاء کے بارے میں سوالات کرتے رہیں گے۔ اور ان کی تحقیق و تفتیش میں مصروف رہیں گے۔ (حتی یقولوا ھذا) یہاں تک کہ وہ یوں کہیں گے (اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ عزّ وجلّ) اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا۔

۷۰ - وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شیطان میرے اور میری

قَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَبَيْنَ قِرَاءَتِي يَلْبِسُهَا عَلَيَّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّي۔ رواہ مسلم۔

نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مجھے پڑھتے وقت شک ڈالتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تو اسے محسوس کرے تو اللہ کے پاس اس سے پناہ لے۔ اور اپنی بائیں جانب تین ۔۔ تھوک لیا کر میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

شرح: ۔ (عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ) آپ ثقفی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک اور خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کے دو سال تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب قبیلہ ثقیف نے اسلام سے پھر جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے گروہ ثقیف تم لوگ سب سے آخر اسلام لائے ہو۔ اب تمہیں سب سے پہلے مرتد نہ ہو جانا چاہیئے۔ آپ کی فہمائش کے باوجود یہ لوگ باز نہ آئے اور مرتد ہو گئے۔ آپ سے حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے۔ حضرت عثمان کی والدہ فرماتی ہیں۔ جب حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے حضور پیدا ہوئے میں اس وقت ان کے پاس موجود تھی۔

یہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ (قلت) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (یا رسول اللہ) اے اللہ کے رسول (ان الشیطان قد حال بینی وبین صلوٰتی وبین قرأتی۔ بیشک شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہوتا اور رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ (یلبسھا) میری قراءت مجھ پر غلط ملط کرتا میرے لیے اس میں شک ڈالتا اور وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاك شیطن) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شیطان تیرے اور تیری نماز کے درمیان حائل ہوتا اور قرأت میں شک ڈالتا ہے۔ (یقال له خنزب) اسے خنزب کہتے ہیں۔ خنزب بکسرہ خاء و زاء۔ اور خاء و زاء کے ضمہ کے ساتھ۔ اور ضمہ خاء و فتح زاء کے ساتھ۔ اور کسرہ خاء اور فتح زاء کے ساتھ۔ ان تمام صورتوں میں سکون نون کے ساتھ۔ یہ در اصل اس شیطان کا لقب ہے جو نماز میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ خنزب اصل لغت میں گوشت کے بدبودار ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

(فاذا احسستہ) دو سین پہلے مفتوح اور دوسرے ساکن کے ساتھ۔ تو جب تو اس وسوسہ کو پائے (فتعوذ باللہ منہ) تو اس سے اللہ کے پاس پناہ لے۔ (وا تفل علی یسارک ثلثا) اور تین بار اپنی بائیں جانب تھوک۔ تفل کا معنی حضرت ابوہریرہ کی گزشتہ حدیث میں بیان ہو گیا ہے۔ (ففعلت ذلک) میں نے ایسا ہی کیا۔ (فاذھب اللہ عنی) تو اللہ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

۱۷۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ اِنِّيْ اَهِمُ فِيْ صَلٰوتِيْ فَيَكْثُرُ ذٰلِكَ عَلَيَّ فَقَالَ لَهٗ اَمْضِ فِيْ صَلٰوتِكَ فَاِنَّهٗ لَنْ يَّذْهَبَ عَنْكَ حَتّٰى تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ۔ رواہ مالک۔

اور حضرت القاسم بن محمد سے روایت ہے بیشک ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا اور کہا مجھے نماز میں وہم ہو جاتا ہے۔ کثرت سے ایسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس حالت میں ہی اپنی نماز ادا کرتا رہ۔ کہ بیشک وہ تجھ سے الگ نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ تو اپنی نماز یہ کہتے ہوئے مکمل کرے گا کہ میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔

شرح:۔ (وعن القاسم بن محمد) حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے۔ یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم آپ عظماء تابعین، مدینہ منورہ کے سات فقہائے کرام اور اپنے دور کے افضل ترین افراد میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ بلند مرتبہ، عالم فقیہ امام، صاحب ورع و تقویٰ اور کثیر الحدیث ہوئے ہیں۔ اپنے والد محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے قتل کے بعد یتیم ہو گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی۔ آپ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ امام محمد باقر کے داماد اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ کے دادا ہیں ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر یا بہتر برس تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن القاسم بن محمد) حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (ان رجلا سالہ) ایک شخص نے آپ سے دریافت کرتے ہوئے (فقال) کہا (انی اھم فی صلوتی) مجھے نماز میں وہم لاحق ہو جاتا ہے دل میں نماز سے دھیان ادھر ادھر ہو جاتا ہے اور شیطان وسوسہ اندازی کرتا کہ تیری نماز مکمل اور درست ادا نہیں ہوئی۔ اور تیری کوئی رکعت رہ گئی ہے۔ وہم کا معنی ہے ——————— دل کا بے قصد و ارادہ مقصد کے سوا کسی اور طرف پھر جانا۔ اور کسی چیز کی صحیح مقدار و اندازہ کا نگاہ سے ہٹ جانا اور اوجھل ہو جانا (فیکثر ذالک علی) یہ وہم مجھے کثرت سے ہوتا ہے۔ ایک روایت میں فیکثر کے بجائے فیکبر باء موحدہ کے ساتھ آیا ہے۔ یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے یعنی یہ حالت مجھے سخت ناگوار اور گراں محسوس ہوتی ہے۔ (فقال لہ) حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ

نے اس شخص کو کہا (امض فی صلوتک) اسی حالت میں اپنی نماز ادا کرتا رہ اور اسی حالت میں اپنی نماز مکمل کر لیا کر شیطان کی بات پر کان نہ دھر۔ اور نہ اس کے وسوسے کا اعتبار کر (فانہ لن یذھب ذلک عنک) کہ یہ وہم وسوسہ تجھ سے ہرگز دور نہ ہوگا۔ (حتی تنصرف) یہاں تک کہ تو نماز مکمل کر کے لوٹے گا۔ (وانت تقول) اور تو شیطان سے کہہ رہا ہوگا (ما اتممت صلوتی) ہاں اے ابلیس جس طرح تو کہتا ہے واقعی میری نماز مکمل و صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوئی لیکن میں تیری بات قبول نہ کروں گا اور تیری مخالفت و شکست کے لیے نماز دوبارہ ادا نہ کروں گا۔ وساوس دور کرنے کا یہ ایک عظیم اور موثر قاعدہ ہے۔ کہ انسان اس کے وسوسے پر کار بند نہ ہو۔ اور نہ اس کا اثر قبول کرے۔ (رواہ مالک) اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

حکایت:۔ مشائخ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی حکایت میں مذکور ہے کہ نماز کے دوران ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا۔ اور کہا آپ یہ نماز دوبارہ ادا کریں کہ آپ نے اچھی طرح نہیں پڑھی۔ آپ نے اسے جواب دیا میں یہ نماز نہ لوٹاؤں گا۔ میں جیسی ادا کر سکتا تھا کر لی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کوتاہی کی معذرت کر لوں گا۔ شیطان نے کہا آپ سستی نہ کریں۔ نماز کا معاملہ ہے۔ یہ سستی کا مقام نہیں ہے۔ بزرگ نے فرمایا جو ہونا تھا ہو گیا میں نماز دوبارہ نہ پڑھوں گا شیطان نے پھر اصرار کرتے ہوئے کہا میں تیرا ناصح اور خیر خواہ ہوں۔ نماز ایک عظیم عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس نماز کے سلسلے میں تجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ اور ضد نہ کرنی چاہیئے۔ بزرگ نے جواب دیا میں نماز نہیں لوٹاؤں گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مرتبے کی بلندی کے بجائے پستی پر راضی اور خوش ہوں۔ شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ ایسی نماز قبول نہیں کرتا۔ بزرگ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کریم ذات ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے اس عمل ناقص کو شرف قبولیت بخشے گا۔ میں اس سے زیادہ تردد اور کوشش نہیں کر سکتا۔ تو وقوع ہو جائیں اس نماز کا ہرگز اعادہ نہ کروں گا۔ تو شیطان ذلیل و خوار ہو کر چلا گیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بزرگ کے اس شدت و سختی سے رد کرنے سے غرض و غایت یہ تھی کہ شیطان کو ذلیل و نگونسار کیا جائے، اس کے وسوسے کو دفع کیا جائے۔ اور اس کے راستے کو بند کیا جائے۔ یہ غرض نہ تھی کہ عمل نادرست اور نامکمل رہنے دیا جائے۔ اور اس میں سستی اور لاپرواہی کو روا رکھا جائے۔ اور فریب نفس اور کریم خداوندی کے بہانہ پر اعتماد کر لیا جائے کہ جیسی غلط سلط نماز ادا ہو جائے اسی پر کفایت کر لی جائے۔ اور دل کو تسلی دینے کے لیے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے بخش دے گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ وساوس کی حقیقت عقل کے خیال میں وہم کے زور سے جو عالم النفس کا شیطان ہے۔ نیا ہی

برپا کرنا ہے۔ اس وہم میں مزید قوت شیطان کے وسوسے کے سبب جو عالم آفاق سے ہے۔ پیدا ہوتی ہے۔ تاہم یہ اوہام و وساوس مرکز حق میں قرار پذیر نہیں ہو سکتے اور ان اوہام و وساوس کے دفع کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں کہ بندہ ان سے بے نیازی اور توجہ نہ دینے کا راستہ اختیار کرے۔ اور وہ کام کرے جو شیطانی وسوسے کے خلاف اور اس کی نقیض ہو۔

ایک بزرگ کو نماز کی جگہ کے ناپاک ہونے کا وسوسہ لاحق ہوتا تھا۔ تو وہ دفع وسواس کی خاطر قصداً وہاں نماز ادا کرتے تھے جس جگہ کے پاک ہونے میں ان کو شک و شبہ ہوتا تھا۔

تقدیر پر ایمان کا باب

قاموس میں ہے قَدَر بحرکت قاف و دال بمعنی قضاء و حکم۔ نہایہ میں ہے قَدَر وہ امور جن کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ اور حکم فرما دیا ہے۔ قدر بسکون دال بھی آیا ہے۔ لیلۃ القدر وہ رات جس میں لوگوں کے رزق اور ان کی عمروں کا اندازہ متعین کیا جاتا اور ان کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے قدر بسکون و فتح دال بندے پر اللہ کے حکم کا اندازہ ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ قضاء و قدر دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ کبھی ان کے معنی میں فرق بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قضا حکم ازلی کو اور قدر مستقبل میں اس کے وقوع کو کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق قضا قدر سے پہلے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت و قائم رکھتا ہے۔ اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

اس آیت میں محو و اثبات قدر سے عبارت ہے۔ اور عندہٗ ام الکتاب میں قضا کی طرف اشارہ ہے۔ ان دو الفاظ کا مذکورہ استعمال کے عکس اور بالعکس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ قدر کا اطلاق تقدیر ازلی پر ہوتا ہے۔ اور قضا بمعنی قدر کے مطابق شے کو پیدا کرنا۔ جیسا کہ فرمایا۔ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ای۔ خلقھن یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمادیے۔ اس معنی کے مطابق حدیث رجعت القلم بما ھو کائن (جو کچھ ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے) میں تقدیر۔ اور آیت کل یوم ھو فی شان۔ (اللہ تعالیٰ ہر دن کام میں ہے) میں قضا مراد ہوگی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المقصد الاسنی فی شرح الاسماء الحسنیٰ میں فرمایا ہے۔ کہ حکم، قضاء و قدر،

کے الفاظ کا معنی ہے اسباب کو مسببات کی طرف متوجہ کرنا۔ حکم مطلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمام مجمل اور مفصل اسباب کا مسبب و خالق ہے۔ اور قضا و قدر حکم کی شاخیں اور اس کے نتیجے ہیں۔

پس تدبیر الٰہی اصل وضع اسباب کو مسببات کی جانب متوجہ کرنے تک حکم کہلاتی ہے۔ پھر اسباب کلیہ کو قائم کرنا اور انہیں پیدا کرنا جیسے آسمان، زمین، کواکب ان کی مناسب حرکات وغیرہ جن میں تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتا اور جب تک ان کی اجل قضا کا وقت نہ آئے قضا کہلاتا ہے۔ پھر ان اسباب کو ان کے حالات و حرکات مناسبہ محدودہ اور ایک اندازہ و حساب سے مسببات کی طرف متوجہ کرنا اور پھر ہر لمحہ و لحظہ مسببات کا وجود میں آتے رہنا قدر کہلاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس کی تدبیر اول کلی کا امر اس کا حکم ہے۔ کلمح البصر یعنی اس کا حکم آنکھ جھپکنے کی مقدار میں آنا فانا ہوتا ہے۔ اور اسباب کلیہ دائمہ کے لیے وضع کلی قضا ہے۔ اور ان اسباب کلیہ کو ایک ایک مسبب کی طرف بغیر کسی کمی بیشی کے متوجہ کرنا قدر ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ کارخانہ کائنات میں کوئی چیز بھی خدا تعالیٰ کی قضا و قدر سے باہر نہیں۔ اور اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

پھر تقدیر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ عالم میں جس قدر خیر و شر کا وقوع ہو رہا ہے بندوں کے اعمال و کردار سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ، سب اس کی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی ساری کائنات کی تقدیر متعین کر دی ہے۔ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مگر اس کے باوجود بندوں کو ایک گونہ اختیار دیا گیا ہے۔ تاکہ اس پر ثواب و عتاب مترتب ہو۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق تقدیر و اختیار میں موافقت و مطابقت اور اس پر ثواب و عتاب کا مترتب ہونا نہایت مشکل اور سخت ہے۔ کتب کلامیہ میں اس کی تحقیق کر دی گئی ہے۔ اس بارے میں جس قدر گفتگو اس ترجمے (اشعۃ اللمعات) کے مناسب ہے، یہ ہے کہ انسان میں ایک صفت ہے جسے اختیار کہتے ہیں کہ اس کے تحت بندہ داعیہ شوق و نفرت کی بنا پر فعل و ترک کی دو جانبوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کی یہ حرکت و ترجیح مرض رعشہ والے کی حرکت کی طرح نہیں ہوتی کہ اس مریض کو اپنی حرکت میں کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اس تحقیق و گفتگو سے ظاہر ہوا کہ جبریہ کا یہ کہنا کہ آدمی کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں، بالکل باطل ہے۔ ان کے مذہب کا بطلان مشاہدے سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اور کتاب و سنت کی اطلاع و خبر سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر چیز ازل میں مقدر ہو چکی ہے۔ اور سب کچھ خدا تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور اس کے پیدا کرنے سے ہے۔ اور فرقہ قدریہ کا مذہب بھی باطل ہے۔ جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق اور اپنے کاروبار میں مستقل ہے۔ مگر حق جبر و قدر کے درمیان ہے۔ جیسا کہ امام العارفین ابو

عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ و علی آبائہ الکرام نے فرمایا ہے۔ لا جبر و لا قدر ولکن امر بین امرین یعنی نہ جبر درست ہے اور نہ قدر صحیح ہے۔ بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق اور ایجاد اشیاء میں اسباب و شرائط کو اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق پیدا کیا ہے۔ جیسے آگ جلانے اور گرم کرنے کے لیے۔ پانی تر اور سیراب کرنے کے لیے کھانا سیر کرنے کے لیے اور تلوار کاٹنے کے لیے یہ سب کچھ اس کی خلق و ایجاد سے ہے۔ صرف اتنا ہے کہ اس میں اسباب کا دخل اور تعلق رکھا گیا ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو اسباب کے بغیر بھی پیدا فرما دے۔ اور اگر چاہے تو اسباب کی موجودگی میں بھی کچھ پیدا نہ ہونے دے۔ انسان اور اس کا قصد و اختیار خدا تعالیٰ کا فعل پیدا کرنے کا محض سبب ہے۔ سب اشیاء کا پیدا کرنے والا وہی ہے اسباب و مسببات اور شرائط و مشروطات سب اس کے احاطہ قضاء و قدر کے تحت ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی ٹکراؤ اور مخالفت نہیں رکھتے۔ اوامر و نواہی اس کے حکم ربوبیت و عبودیت کے مطابق ہیں۔ اور ثواب و عتاب اپنی ملک میں تصرف ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ وَلَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ اس کے افعال پر اس کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ مگر لوگوں کے افعال پر ان کی باز پرس ہو گی) احادیث کی شرح کے ضمن میں اس باب سے متعلق مزید کچھ بیان ہو گا۔

علماء کرام نے فرمایا ہے قضاء و قدر کے اسرار و رموز کی اطلاع انبیاء و اولیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی اور یہ راز دار الجنۃ میں پہنچنے سے پہلے جو ظہور حقیقت کی جگہ ہے، ظاہر و منکشف نہ ہو گا۔ اور یہ مشکل وہاں پہنچنے سے پہلے حل نہ ہو گی۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ سرورِ انبیاء و خلاصہ اہل اصطفاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین اس عدم اطلاع کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کہ آپ کو تو اولین و آخرین کے علوم عطا کر دیے گئے ہیں۔ اور اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں آپ کو دکھا دی گئی ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔[1]

الفصل الاول

فصل اول

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ قَالَ وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ (رواہ مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

[1] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے متعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ کا عقیدہ و قرآن حکیم اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ علم کی نفی کی آیات و احادیث علم ذاتی کی نفی پر محمول ہیں۔ خوب سمجھو ۱۲۔ مترجم عفی عنہ

شرح: (عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کتب اللہ مقادیر الخلائق) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر اور اس کے احکام لکھ دیے۔ یعنی اپنا قلم جاری فرما کر لوح محفوظ میں ثبت فرما دیے۔ یا کچھ فرشتوں کو ان کے لکھنے کا حکم دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں لکھنے سے ان کی تقدیر، ان کا اندازہ کرنا اور ان کی تعیین و تحدید مراد ہے۔ کہ اس کے خلاف نہ ہو گا۔ یہ ایک تاویلی معنی ہے۔ ظاہر معنی یہی ہے کہ لکھنے سے لوح محفوظ میں نقوش و حروف کا ثبت کرنا مراد ہے۔ (قبل ان یخلق السموات والارض) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے (بخمسین الف سنۃ) پچاس ہزار سال پہلے۔ اس سے تقدیر اشیاء اور آسمانوں و زمینوں کی پیدائش کے درمیان مدت کی درازی اور اس درازی میں مبالغہ مراد ہے۔ اس عدد معین کی تعیین و تحدید مقصود نہیں۔ کہ مخلوق کی تقدیروں کا اندازہ اور اس کی تعیین تو ازل میں ہو چکی ہے۔ اس لیے اس ازلی تعیین کو زمانے کے کسی عدد معین کے ساتھ خاص کرنا درست نہ ہو گا۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ کتابت سے تقدیر و تعیین مراد لی جائے۔ اور اگر کتابت کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو پھر اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ کہ اس صورت میں ممکن ہے کہ تقدیر و اندازہ تو ازل میں ہوا ہو اور اس کی کتابت و تحریر بعد میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہوئی ہو۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ یہاں مزید کچھ کلام ہے۔ جسے ہم نے عربی شرح میں بیان کیا ہے۔ (قال وکان عرشہ علی الماء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (اور وہی ہے جس نے چھ دنوں میں آسمان و زمین پیدا کیے اور اس کا عرش پانی پر تھا) کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یعنی آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے عرش پانی پر تھا کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔ یہ مطلب نہیں عرش پانی کی سطح پر رکھا ہوا۔ اور پانی سے متصل اور ملا ہوا تھا۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ عالم اجسام میں سب سے پہلے جو چیز حادث ہوئی اور وجود میں آئی پانی تھا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں پانی ہوا پر تھا۔ انتہیٰ۔ صاحب کشاف نے کہا ہے اس حدیث میں دلیل ہے کہ پانی اور عرش آسمان و زمین سے پہلے پیدا کیے گئے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے دریا یا سمندر کا پانی مراد نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو عرش کے نیچے تھا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے چاہا۔ یہ احتمال بھی درست ہے کہ پانی سے سمندر کا پانی ہی مراد ہو کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے پانی میں کھڑے ہیں انتہیٰ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عرش کے پانی پر ہونے سے قدرت الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّی الْعَجْزِ وَالْکَیْسِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے ایک اندازے کے مطابق ہے۔ یہاں تک کہ کمزوری اور قوت و طاقت بھی۔

شرح:۔ (وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے۔ (حتی العجز والکیس) یہاں تک کہ کمزوری اور قوت و طاقت بھی جو انسانی صفات میں سے ہے۔ تقدیر الٰہی کے مطابق ہے۔ عجز سے انسان کی وہ کم ہمتی اور بے چارگی مراد ہے۔ جو تدبیر کی کمزوری عقل کی کمی اور ناتجربہ کاری کے باعث ہوتی ہے اور کیس سے وہ توانائی اور مضبوطی مراد ہے جو انسان میں کام کاج اور اپنے امور انجام دینے کے لیے قوت رائے اور ارادہ کی پختگی کی صورت پائی جاتی ہے کَیس۔ فتح کاف اور سکون یا کے ساتھ حماقت کی ضد یعنی دانائی کو کہتے ہیں۔

۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰی عِنْدَ رَبِّہِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی قَالَ مُوْسٰی اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِیْ خَلَقَکَ اللّٰہُ بِیَدِہٖ وَنَفَخَ فِیْکَ مِنْ رُّوْحِہٖ وَاَسْجَدَ لَکَ مَلٰٓئِکَتَہٗ وَاَسْکَنَکَ جَنَّتَہٗ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِیْئَتِکَ اِلَی الْاَرْضِ۔ فَقَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَی الَّذِی اصْطَفَاکَ بِرِسَالَتِہٖ وَبِکَلَامِہٖ وَاَعْطَاکَ الْاَلْوَاحَ فِیْهَا تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ وَقَرَّبَکَ نَجِیًّا فَبِکَمْ وَجَدْتَ اللّٰہَ کَتَبَ التَّوْرٰىةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰی بِاَرْبَعِیْنَ عَامًا۔ قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِیْهَا وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِیْ عَلٰٓی اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیَّ اَنْ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا جس میں حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں جسے اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور تجھ میں اپنی روح پھونکی۔ اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کروایا اور تجھے جنت میں سکونت عطا کی۔ پھر تو اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار لایا۔ (اس کے جواب میں) حضرت آدم نے فرمایا تو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے برگزیدہ کیا۔ اور تجھے تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور تجھے مناجات اور اپنی رازداری کے ساتھ اپنا قرب عطا کیا۔ تو اے جوان تونے کتنی مدت اللہ کو پایا کہ اس نے میری پیدائش سے پہلے تورات کو لکھا حضرت موسیٰ نے جواب دیا چالیس سال پہلے حضرت آدم نے فرمایا تو نے تورات میں یہ کلمات پائے ہیں وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی

أَعُمَلَهُ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَنِي بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى۔ (رواہ مسلم)

(آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا) حضرت موسیٰ نے کہا ہاں اس پر حضرت آدم نے فرمایا تو مجھے ایسے عمل کے مرتکب ہونے پر ملامت کرتا ہے جس کا کرنا میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لیے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح آدم مناظرہ میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتج آدم و موسیٰ عند ربھما) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے رب کے پاس ایک دوسرے سے مناظرہ اور جھگڑا کیا۔ یعنی اس عالم کے سوا دوسرے عالم میں جو عالم علوی و روحانی اور عالم حقیقت ہے۔ آسمان میں ارواح کی ملاقات کی صورت میں۔ یا دونوں کو عالم برزخ میں زندہ کرنے کی شکل میں۔ یا حضرت آدم کو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں زندہ کر کے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے (فحج آدم موسیٰ) تو حجت و دلیل میں حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ اس قصے کی تفصیل یہ ہے کہ (قال موسیٰ) حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہما السلام سے کہا (انت آدم الذی خلقک اللہ بیدہ) تو ہی وہ آدم ہے جسے اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا (ونفخ فیک من روحہ) اور تجھ میں اپنی روح پھونکی اس طرح تجھے خصوصی بزرگی و شرافت عطا کی۔ (واسجد لک ملائکتہ) اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کروایا۔ (واسکنک فی جنتہ) اور تجھے اپنے خصوصی بہشت میں جگہ دی (ثم اھبطت الناس بخطیئتک الی الارض) پھر تو نے اپنی ایک خطا کے ذریعے لوگوں کو نیچے زمین پر ڈال دیا۔ گویا اگر حضرت آدم سے یہ خطا سرزد نہ ہوتی تو آپ ہمیشہ جنت میں رہتے اور وہیں آپ کی اولاد بھی ہوتی۔ مگر حضرت آدم کے نیچے زمین پر آنے کے سبب ان کی اولاد کو بھی زمین پر اترنا پڑا۔ تو اے آدم علیہ السلام آپ کی اس قدر و منزلت کے ہوتے ہوئے آپ کے لیے یہ کام کرنا مناسب نہ تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آپ سے یہ خطا سرزد نہ ہونی چاہیے تھی۔

(فقال آدم انت موسیٰ الذی اصطفاک اللہ برسالتہ وبکلامہ) حضرت آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تو وہی موسیٰ ہے جسے اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے بلا واسطہ کلام سے برگزیدہ فرمایا۔ (واعطاک الالواح) اور تجھے الواح (تختیاں) عطا کیں (فیھا تبیان کل شیء) جن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

یعنی دین کے جملہ احکام جو تیری امت کے لیے کافی ہیں۔ الواح سے زمرد یا یاقوت کی الواح مراد ہیں جن میں لکھی ہوئی تورات آپ پر نازل ہوئی۔ کہتے ہیں تورات کی ضخامت ستر اونٹوں کا بوجھ تھا۔ اور اس کے ایک جزو کی تلاوت و قرأت ایک سال میں مکمل ہوتی تھی۔ (وقربك نجيا) اور تجھے اپنی مناجات اور اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب اور عزت و بزرگی عطا کی۔ (فبكم وجدت الله كتب التوراة قبل ان اخلق) تو تو نے کتنا عرصہ پایا کہ اللہ نے میری پیدائش سے پہلے تورات کو لکھا۔ (قال موسى باربعين عاما) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تورات آپ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھی گئی۔ خود تورات تو اللہ تعالیٰ کا قدیم کلام ہے لیکن الواح وغیرہ میں لکھنا اتنی مدت پہلے ہوا۔ اور سال سے اس جہاں کا سال مراد ہے یا وہ سال جو خدا کے ہاں ہے۔ یعنی ہزار سال کا ایک سال۔ (قال آدم فهل وجدت فيها) حضرت آدم نے فرمایا تو نے تورات میں اس آیت کا مضمون پایا (وَعَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى) آدم اپنے رب کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تو بھٹک گیا۔ (قال نعم) حضرت موسیٰ نے کہا ہاں میں نے یہ مضمون تورات میں دیکھا ہے۔ (قال افتلومني على ان عملت عملا) حضرت آدم نے کہا تو اس پر مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے۔ (كتبه الله على ان اعمله) جس کا کرنا مجھ پر اور میری تقدیر میں اللہ نے لکھ دیا (قبل ان يخلقني باربعين سنة) میرے پیدا ہونے سے چالیس برس پہلے۔ (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فَحَجَّ آدم موسى) اس دلیل و حجت کے ذریعے حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اسباب و شرائط کا وجود، امر و نہی، مدح و ذم اور عتاب و ملامت وغیرہ امور قضا و قدر کے منافی نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ بلکہ یہ سب چیزیں بھی تقدیر کے تحت ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتقاضے ظاہر اور عالم اسباب اور امر و نہی کے مطابق یہ گفتگو کی۔ اور آدم علیہ السلام نے حقیقت و تقدیر کو سامنے رکھ کر آپ کو یہ جواب دیا۔ لہٰذا دونوں حضرات کی گفتگو اور سوال و جواب اپنی جگہ درست اور برحق ہے۔ کہ ان کا یہ مناظرہ کسب و عمل کے تقاضوں اور ان کے مکلف ہونے کی حیثیت کے ختم ہو جانے کے بعد تھا۔ عالم اسباب میں نہ تھا کہ عالم اسباب میں وسائط و اسباب سے قطع نظر کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ اسی بنا پر آدم علیہ السلام نے اپنی ظاہری زندگی میں اس خطا سے معذرت کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ ربنا ظلمنا انفسنا۔ (اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا) اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس مناظرے اور گفتگو کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں خدا تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو زندہ کرنے کا احتمال زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو عالم دنیا

ہیں ہوں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام عالم حقیقت میں۔ واللہ اعلم۔

۷۵۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ۔ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَوَالَّذِىْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ۔ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔

متفق علیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے ہیں اور سچی خبریں آپ کو دی گئی ہیں، ہم سے بیان فرمایا۔ بیشک تم میں سے ایک کا مادۂ پیدائش اس کی ماں کے شکم میں جمع رکھا جاتا ہے چالیس دن تک نطفے کی شکل میں، پھر اس کے بعد چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے۔ اس کے بعد چالیس روز تک گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے چار باتیں لکھنے کے لیے۔ چنانچہ وہ اس کا عمل لکھتا ہے۔ اس کی مدت زندگی لکھتا ہے۔ اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ بات لکھتا ہے کہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ پھر اس میں روح پھونک جاتی ہے۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ تم میں سے ایک شخص اہل جنت والے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے۔ تو اہل دوزخ والے عمل میں معروف ہو جاتا ہے۔ اور دوزخ میں جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے تو وہ جنتیوں والا عمل شروع کر دیتا ہے۔ اور جنت میں جاتا ہے۔

شرح: ۔ (وعن ابن مسعود) رضی اللہ عنہ (قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے امت کو سچی خبریں دیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سچی باتیں بتائی گئیں، نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی۔ (ان خلق

احدکم) بیشک تم میں سے ایک آدمی کا مادۂ پیدائش یعنی آب منی (یجمع فی بطن امہ) اس کی ماں کے شکم اور رحم میں جمع رہتا ہے۔ (اربعین یوما نطفۃ) چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں (ثم یکون علقۃ مثل ذالک) اس کے بعد چالیس دن تک جمے ہوئے نہایت سرخ خون کی شکل میں رہتا ہے۔ (ثم یکون مضغۃ مثل ذلک) پھر چالیس روز تک ٹکڑۂ گوشت کی صورت میں رہتا ہے۔ (ثم یبعث اللہ الیہ ملکا) پھر اس کی جانب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔

حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ کو مضغہ (ٹکڑۂ گوشت) کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہڈیاں، پوست، ہاتھ، پاؤں پیدا ہو جانے اور انسانی شکل اختیار کر لینے کے بعد فرشتے کو بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر کافی گفتگو اور تفصیل ہے۔ اس کا کچھ حصہ عربی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا بیان اس ترجمہ کے مناسب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس پر قادر ہے کہ ایک ہی لمحہ کے اندر انسان کو پوری شکل و صورت کے ساتھ پیدا کر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو اس ترتیب و آہستگی سے پیدا کرنا معاذ اللہ قدرت و طاقت کی کمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس اندازِ خلق میں کمالِ قدرت و حکمت پائی جاتی ہے۔ کہ اسباب کے پیدا کرنے اور ان پر مسببات کو مرتب کرنے میں متعدد قدرتیں اور انواع و اقسام کی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ جو کہ اسباب کے بغیر پیدا کرنے میں نہیں ہیں۔ پھر اس طرز تخلیق میں بندوں کو اپنے امور انجام دینے میں آہستگی کی تعلیم و تلقین بھی ہے۔ جیسا کہ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں علماء نے یہی بات بیان کی ہے۔

محققین علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں انسان کو اس امر کی تنبیہ اور اس بات سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ کمال روحانی و معنوی تک فوری طور پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ بلکہ مرتبہ بمرتبہ اور درجہ بدرجہ آہستگی سے اس تک وصول نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح ظاہری کمالات کا حصول اور ان تک پہنچنا فوری طور پر نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اور انسان تدریجاً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مراتب سلوک میں بھی انسان کی رفتار دیر سے اور آہستہ و تدریجاً ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ انسان مرتبہ نہایت کو پہنچ جاتا ہے۔ فسبحان اللہ القدیر الحکیم (اللہ قدیر و حکیم ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے)۔

مختصر یہ کہ انسان کی پوری شکل بن جانے اور بدن کے پورے اعضاء وجود میں آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی

طرف ایک فرشتہ جو ارحام کے معاملات پر مقرر ہے، بھیجتا ہے۔ (باربع کلمات) اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ تحریر اس نوشتہ تقدیر کے علاوہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ اسی طرح جاری ہے کہ وہ تاکید و تقریر کے لیے سابقہ نوشتہ تحریر کے ساتھ فرشتے کو ایک نئی تحریر کا بھی حکم دیتا ہے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ فرشتہ یہ باتیں انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھتا ہے اور اس تحریر کا آغاز انسان کے ماتھے سے ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ باتیں ایک صحیفہ میں لکھتا ہے۔

(فیکتب عملہ) تو وہ فرشتہ اس کا عمل لکھتا ہے۔ کہ کیا کیا نیک اور برے کام کرے گا۔ (واجلہ) اور اس کی عمر لکھتا ہے کہ کتنی ہو گی۔ اور کہاں مرے گا اجل دراصل کسی کام اور ہر چیز کو انجام دینے کی معلوم مدت کو کہتے ہیں۔ اور کبھی اس لفظ سے پوری مدت مراد ہوتی ہے جس میں انسان کی ساری عمر آ جاتی ہے۔ اور کبھی اس سے جزو اخیر مراد ہوتی ہے اسی بنا پر کبھی اس سے موت بھی مراد لے لیتے ہیں۔ (ورزقہ) اور اس کا رزق لکھتا ہے۔ کہ کھانے اور پینے کی کیا کیا چیزیں نصیب ہوں گی اور وہ کن کن اشیاء سے منافع اور فوائد حاصل کرے گا۔ (وشقی او سعید) اور یہ بات لکھتا ہے کہ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ اور اس کا انجام کیا ہو گا۔ بعض احادیث میں بندے کے پیچھے رہنے والے آثار و نشانات اور وہ کہاں کہاں سوئے گا اور اس کی لاحق ہونے والی پریشانیوں اور مصائب کے لکھنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ یعنی کس کس جگہ کا سفر کرے گا۔ اور زمین پر کہاں کہاں پھرے گا اور کہاں سوئے گا اور کہاں مرے گا اور اسے کیا کیا مصائب اور حادثے پیش آئیں گے۔ ممکن ہے یہ زیادہ باتیں اس مذکورہ حدیث کے بعد نئی وحی آنے پر آپ نے بیان فرمائی ہوں۔ اسی لیے یہ باتیں دوسری احادیث میں مذکور ہوئی ہیں واللہ اعلم۔

(ثم ینفخ فیہ الروح) پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کی تحریر روح پھونکنے اور بدن میں جان ڈالنے سے پہلے ہوتی ہے۔ مگر بیہقی کی روایت میں روح پھونکنے کے بعد لکھنے کا ذکر آیا ہے۔ تاہم بخاری و مسلم کی یہ روایت زیادہ صحیح اور زیادہ مضبوط ہے۔ واللہ اعلم۔

جب کہ عمل لکھنے کے باوجود اس کی سعادت و شقاوت لکھنے میں قدرے خفا اور پوشیدگی باقی تھی اس لیے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا (فو الذی لا الہ غیرہ) تو قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ (ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ) بیشک تم میں سے ایک آدمی اہل بہشت کے عمل کرتا ہے۔ یعنی ایمان لاتا اور عمل صالح اختیار کرتا ہے۔ (حتی ما یکون بینہ و بینھا الا ذراع) یہاں تک کہ اس بندے اور بہشت میں صرف ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ یہ بہشت کے بالکل قریب ہو جانے سے کنایہ ہے۔ (فیسبق علیہ الکتاب) پھر نوشتہ

تقدیر۔ اور شکم مادر میں اس کی بدبختی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہوتا ہے اس کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ (فیعمل بعمل اھل النار) تو اس کے نتیجے میں وہ دوزخیوں کے کام کفر و فساد وغیرہ شروع کر دیتا ہے۔ (فیدخلھا) اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ (وان احدکم لیعمل بعمل اھل النار) اور بیشک تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ جیسے اعمال کرتا ہے۔ (حتی ما یکون بینہ وبینھا الا ذراع) یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ (فیسبق علیہ الکتاب) تو خدا کی تحریر اس کی جانب پیش قدمی کرتی ہے۔ (فیعمل بعمل اھل الجنۃ) تو وہ اہل جنت کے عمل شروع کر دیتا ہے۔ فیدخلھا اور جنت میں جا داخل ہوتا ہے۔

حدیث شریف کے ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کے غلبہ لطف و رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو اس بُری تبدیلی سے بچاتا اور زیادہ تر شر کے بجائے خیر و نیکی کی جانب ہی پھیرتا ہے۔ اس کے برعکس بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔ متفق علیہ۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اعتبار خاتمے کا ہے۔ دوسری حدیث میں یہ بات بالصراحۃ آچکی ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے۔ **بیت**

حکم مستوری و مستی ہمہ خاتمت است   کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

ترجمہ۔ انسان کے پوشیدہ و غفلت و مستی کے حالات کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ کسی کو علم نہیں کہ آخر وقت وہ کس حالت سے گزرے گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث میں طاعات و عبادات کی پابندی کرنے، اپنے اوقات کی حفاظت و نگرانی کرتے اور گناہوں سے بچنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ شاید عمر کی یہی آخری گھڑی ہو۔ اور خاتمہ بخیر نصیب ہو۔ اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ ان لوگوں کے برعکس جو تقدیر کا مسئلہ سن کر عمل کرنے سے سست ہو جاتے اور عمل میں کوشش و سعی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جب سعادت و شقاوت اور جنت و دوزخ میں جانا سب نوشتہ قضاء و قدر کے تحت ہے اور جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے ہو کر رہے گا۔ تو پھر عمل کس لیے ہے۔ اور عمل کی کیا ضرورت ہے۔ بعض صحابہ کرام نے بھی تقدیر کا مطلب سمجھنے سے پہلے ایک موقعہ پر جب یہی بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا۔ عمل کرو۔ ہر آدمی جس قسم کے عمل کے لیے پیدا ہوا ہے اس کی توفیق اسے دے دی گئی ہے۔ (یعنی تمہارا مسئلہ تقدیر سننے کے بعد عمل سے رک جانا اور سعی و کوشش سے انکار کرنا بے معنی ہے۔ کہ شارع کی طرف سے امر و نہی وارد ہو چکی ہے اور تمہیں شریعت کی باتیں سمجھنے کی قوت بھی دے دی گئی ہے۔ اور تم میں وہ قصد و اختیار

جس سے عمل کیا جا سکتا ہے پیدا کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ انسان میں ضرور ایسی صلاحیت و استعداد رکھی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے بندوں کو احکام کا مکلف کیا گیا ہے۔ اور ان سے کچھ کاموں کے کرنے اور کچھ کے نہ کرنے کا مطالبہ درست ہے۔ ورنہ امر و نہی کا کچھ فائدہ نہ ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے کا کوئی مقصد نہ رہے گا۔

اگر چہ قضاء و قدر کی کنہ و حقیقت تک پہنچنا مشکل ہے۔ تاہم بہت سے ایسے اسرار و رموز ہیں جن سے انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی عمل اور کوئی معاملہ اس راز کے کشف و علم پر موقوف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ اپنی ملک میں جس طرح کا تصرف کرے ظلم نہیں کہلا سکتا۔ یعذب من یشاء و یرحم من یشاء (جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے رحمت سے نوازے)۔ اس مقام میں متکلمین کے کلام کی انتہاء اس پر ہے۔ لا یُسْئَلُ عَمَّا یفعل و ھُم یُسْئَلُوْن (جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس پر اس کی باز پرس روا نہیں اور جو کچھ بندے کرتے ہیں اس پر ان کی باز پرس ہوگی۔

ارباب کشف کے محققین نے فرمایا ہے۔ کہ انسان کو امر و نہی کا مکلف کرنا صفت ربوبیت اور عہد عبودیت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ اور اس کا فائدہ بندوں کے پوشیدہ علم و ارادہ اور ان کے باطنی حقائق کا ظاہر کرنا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ سعید کون ہے اور بدبخت کون ہے۔ فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون ہے۔ اور اس سارے معاملے میں حقیقۃ خدا تعالیٰ کے اپنے اسماء و صفات اور کمالات کے تقاضوں کا اظہار ہے۔ کیونکہ ایجاد عالم سے یہی چیز مقصود ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری معرفت اور پہچان ہو۔ واللہ اعلم بحقائق الامور امور کی حقیقتیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۔ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ

متفق علیہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک انسان البتہ دوزخیوں والے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوتا ہے۔ اور جنتیوں کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل دوزخ سے ہوتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار خاتموں پر ہے۔

شرح: ۔ (وعن سھل بن سعد) آپ کی کنیت ابو العباس ہے۔ بعض نے ابو یحییٰ بیان کی ہے۔ یعنی ابو یحییٰ سہل بن سعد بن مالک ساعدی۔ ساعد بن کعب انصاری مدنی کی طرف منسوب ہیں آپ اور آپ کے والد دونوں شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ آپ کا پہلا نام حزن تھا بمعنی سخت اور بیتھریلی زمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بدل کر سہل رکھا بمعنی

نرم زمین۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی سنہ ۹۱ھ میں وفات پائی۔ اور بقول بعض سنہ ۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ آخری صحابی ہیں جنھوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

ان حضرت سہل سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد لیعمل عمل اھل النار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک انسان دوزخیوں والا عمل کرتا ہے لیکن فیصلہ ازلی اور اپنے انجام کے لحاظ سے وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔ (ویعمل عمل اھل الجنۃ وانہ من اھل النار) اور ایک آدمی عمل تو اہل بہشت والے کرتا ہے مگر واقع میں وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار نہیں مگر خاتموں پر۔ جس قسم کے عمل پر خاتمہ ہوگا اسی کا اعتبار ہوگا جیساکہ مذکور ہوا۔ خواتم بروزن مساجد اور خواتیم بروزن مصابیح دونوں طرح مروی ہے۔

۷۷۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ۔

(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لیے بلایا گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اس بچے کو خوشی اور نیکی نصیب ہو۔ یہ تو بہشت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ نہ تو اس نے کوئی برا کام کیا اور نہ اسے پایا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اے عائشہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ جنت کے لیے پیدا کیے۔ انہیں اس وقت جنت کے لیے کر دیا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے اور کچھ لوگ دوزخ کے لیے پیدا کیے۔ دوزخ کے لیے اس وقت پیدا کر دیے تھے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ) رضی اللہ عنہا (قالت دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا (الی جنازۃ صبی من الانصار) انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لیے تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ جنازہ جیم کے کسرے اور فتح دونوں طرح آیا ہے۔ بعض نے دونوں لغات میں فرق کیا ہے کہ جیم کے کسرہ کے ساتھ میت کو کہتے ہیں۔ اور بفتح جیم میت کو نہلانے والا تختہ یا اس کا عکس۔ یا کسرہ جیم کے ساتھ تختہ یا میت دونوں کے لیے آتا ہے۔ (فقلت) تو میں نے کہا (یا رسول اللہ طوبی لھذا) اس بچے کو خوشی و نیکی نصیب ہو۔ (عصفور من عصافیر الجنۃ) یہ تو جنت کی چڑیوں میں

سے ایک چڑی ہے۔ اسے چڑی کہنا تو اس کے چھوٹا بچہ ہونے کی بنا پر ہے۔ اور بہشتی چڑیوں میں شمار کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعتقاد میں اس کے بہشتی ہونے کے لحاظ سے ہے۔ (لم یعمل السوء) کہ اس نے نہ تو کوئی برائی کی۔ (ولم یدرکہ) اور نہ برائی کا زمانہ پایا۔ (فقال) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (او غیر ذلک) کلمہ اَوْ واو کے فتح اور سکون دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ فتح کی صورت میں معنی یہ ہوگا کیا واقع میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے جو تو کہہ رہی ہے کہ وہ جنتی ہے واقع میں وہ ثابت ہے جو تیرے اس بیان و خیال کے خلاف ہے یعنی وہ بہشتی نہیں ہے۔ اور واو کے ساکن ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ واقع میں وہ ہے جو تو کہتی ہے یا وہ نہیں جو تو کہہ رہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے او بمعنی بل ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا واقع میں وہ نہیں ہے جو تو کہہ رہی ہے بلکہ اس کے خلاف اور الٹ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جزم و یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بچہ جنتی ہے۔

اس کے بعد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا (یا عائشۃ ان اللہ خلق للجنۃ اھلا) اے عائشہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ جنت کے لیے پیدا کیے اور انہیں اس کا مستحق بنایا (خلقھم لھا وھم فی اصلاب ابائھم) انہیں اس وقت جنت کے لیے پیدا کر دیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (وخلق للنار اھلا) اور کچھ انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے۔ اور انہیں اس کا مستحق ٹھہرایا۔ (خلقھم لھا وھم فی اصلاب ابائھم) انہیں اس وقت دوزخ کے لیے پیدا کر دیا جب کہ ابھی وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ انسان کا بہشتی یا دوزخی ہونا اچھے یا برے عمل کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسا محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضا سے ہوگا۔ اس نے کچھ انسان جنت کے لیے پیدا کیے ہیں نیک عمل کریں یا نہ کریں۔ اور بعض کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے برے کام کریں یا نہ کریں۔ لہذا یہ بچہ اگر دوزخ کے لیے پیدا ہوا ہے تو دوزخ میں ہی جائے گا چاہے اس نے کوئی برا عمل نہیں کیا۔ تو اے عائشہ تو یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتی ہے کہ یہ بہشتی ہے۔

مگر جو کچھ کتاب و سنت کی نص سے بالبداہت ثابت ہے اور جس پر اہل دین کا اجماع ہو چکا ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے۔ اور کفار کے بچوں کے متعلق تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے اور کوئی فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ وہ بھی جنتی ہیں۔ ان تینوں اقوال میں صحیح تر یہ تیسرا قول ہے کیونکہ دین سے بداہتہ یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو بھی بے گناہ عذاب نہ دے گا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ کی بات پسند نہ کرنا اس بنا پر تھا کہ اس میں ایک غیب کی بات کے متعلق فیصلہ اور اس کے ماں باپ کے جنتی ہونے کے یقین کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ کہ بچہ مومن ہونے میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن اس بارے میں درست اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ گفتگو اور بیان مشرکین کے بچوں کے جنتی ہونے کی وحی سے پہلے کا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وحی نازل ہوئی کہ سارے بچے جنت میں جائیں گے۔ اور جن کے ماں باپ مسلمان ہوں گے انہیں بھی اپنے ساتھ بہشت میں لے جائیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں ایسا آچکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ۔ اَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَءَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔

(متفق علیہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص تم میں سے نہیں مگر اس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ تو پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ تقدیر پر ہی بھروسہ کیوں نہ کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا عمل کرو کہ ہر انسان کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ سعادت مند لوگوں میں سے ہے تو اس کے لیے اہل سعادت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ بدبخت لوگوں میں سے ہے تو اس کے لیے بدبختی والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فاما من اعطی الخ یعنی جس شخص نے راہ خدا میں اپنا مال لوگوں میں تقسیم کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور کلمہ نیک و خیر کی تصدیق کی تو بہت جلد ہم اس کے لیے ایسے کام آسان کر دیں گے جن کے ذریعے جنت میں پہنچنا آسان ہے اور جس نے بخل کیا اور شہوات دنیا میں مصروف ہو کر آخرت سے بے نیاز ہو گیا اور کلمہ نیک و حق کو جھٹلایا تو ہم جلد ہی اس کے لیے ایسے کام آسان کر دیں گے جو اسے مشکل و دشواری میں

ڈال دیں گے۔

شرح:۔ (وعن علی) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم میں سے کوئی آدمی مگر اس کے لیے لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے ایک جگہ دوزخ میں۔ (ومقعدہ من الجنۃ) اور ایک جگہ جنت میں لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے۔ یعنی یہ بات پہلے سے متعین کر دی گئی ہے کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (یا رسول اللہ افلا نتکل علی کتابنا) یا رسول اللہ جب کہ ہم میں سے ہر ایک کی جگہ دوزخ اور جنت میں لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے تو پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں۔ (وندع العمل) اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ کہ بہشت و دوزخ میں جانا تو دار عمل میں آنے سے پہلے ہی متعین ہو چکا ہے۔ عمل اس کا سبب و ذریعہ نہیں بن سکتا تو ہم کس لیے عمل کریں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اعملوا فکل میسر لما خلق لہ) عمل کرو کہ جو آدمی جس چیز اور کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کی اسے توفیق دے دی گئی ہے اور وہ اس کے لیے مہیا کر دی گئی ہے۔ (اما ان کان من اھل السعادۃ) تو جو شخص تقدیر الٰہی میں اہل سعادت میں سے ہے اور سعادت و نیک بختی کے لیے نامزد ہو چکا ہے۔ (فسییسر لعمل السعادۃ) تو اسے اہل سعادت کے عمل کی توفیق دے دی گئی۔ (واما ان کان من اھل الشقاوۃ) اور جو شخص سابقہ تقدیر خداوندی میں بدبخت لوگوں میں سے ہے (فسییسر لعمل الشقاوۃ) تو اس کے لیے بدبخت لوگوں والا عمل مہیا کر دیا گیا ہے۔

یعنی نوشتہ تقدیر ترک عمل کا باعث نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے حق ربوبیت کے تحت اور بندوں کی عبودیت کی بنا پر امر و نہی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ لہٰذا امر و نہی کے مطابق عمل بجا لانا ضروری ہے۔ اور عمل کو سعادت و شقاوت کی علامت بنایا ہے۔ اور یہ بھی قضا و قدر میں داخل ہے۔ اور ہر شخص کے لیے جو عمل مقدر کیا ہے وہ اسے کرے گا۔ اور جس کے لیے یہ مقدر کیا ہے کہ فلاں کام نہ کرے گا تو وہ کام نہ کرے گا۔ اور ثواب و عتاب تو اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے جو وہ اپنی ملک میں کرنے کا مجاز ہے۔ بہر صورت تمہارا یہ کہنا کہ جب قضا و قدر برحق ہے تو ہم عمل کس لیے کریں، درست نہیں۔ (ثم قرء) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی تائید اور اس کے اثبات کے لیے یہ آیت پڑھی۔ (فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی) تو جس نے مالی حقوق ادا کیے یا مطلق طاعات بجا لائیں اور نافرمودہ باتوں سے پرہیز کیا۔ اور تمام کلمات سے اچھے کلمے کی تصدیق کی یعنی کلمہ توحید کی یا ملت اسلام کی تصدیق کی جو

تمام ملتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آیت کے اگلے الفاظ یہ ہیں۔ (فسنیسرہ للیسریٰ) تو نزدیک ہے کہ ہم مہیا کر دیں گے اس کے لیے ایسے اعمال جو اسے آسانی سے بہشت میں پہنچنے کا ذریعہ اور سبب بنیں گے۔ (و اما من بخل و استغنیٰ و کذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ) اور جس نے مال خرچ کرنے میں بخل کیا یا جسے اللہ نے جس حق کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اسے ادا نہ کیا اور دنیوی شہوات میں مستغرق ہو کر آخرت کی نعمتوں سے بے نیاز ہو گیا اور تقویٰ و پرہیز گاری کا راستہ اختیار نہ کیا۔ اور کلمہ توحید و ملت اسلام کی تکذیب کی اُسے جھٹلایا تو نزدیک ہے کہ ہم اس کے لیے ایسے اعمال مہیا کریں گے جو اس کیلئے دشواری اور تکلیف میں یعنی دوزخ میں پڑنے کا باعث بنیں گے۔

۷۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ فَزِنَى الْعَیْنِ النَّظَرُ وَزِنَى اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَیُكَذِّبُهٗ متفق علیہ وَفِیْ رِوَایَةِ الْمُسْلِمِ قَالَ كُتِبَ عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ نَصِیْبُهٗ مِنَ الزِّنٰى مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ الْعَیْنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْیَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ یَهْوٰى وَیَتَمَنّٰى وَیُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَیُكَذِّبُهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا حصہ زنا میں سے لکھ دیا ہے جسے وہ لامحالہ حاصل کر کے رہے گا پس آنکھ کا زنا دیکھنا۔ زبان کا زنا گفتگو ہے۔ اور نفس آرزو کرتا اور چاہت کا اظہار کرتا ہے۔ اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی اور جھٹلا دیتی ہے۔ متفق علیہ۔ اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے۔ بیشک حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے آدم کے بیٹے کے لیے زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ لامحالہ پا کر رہے گا آنکھوں کا زنا کو دیکھنا ہے۔ کانوں کا زنا سننا، زبان کا زنا کلام کرنا۔ ہاتھ کا زنا پکڑنا، اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے۔ اور دل خواہش اور آرزو کرتا ہے پھر شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی اور جھٹلاتی ہے۔

شرح:۔ (عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرکہ لا محالۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کے بیٹے پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ لازماً حاصل کر کے رہے گا۔ کیونکہ یہ فعل بد اللہ تعالیٰ نے اس کے نوشتہ تقدیر میں سے کر دیا ہوتا ہے۔ محالۃ۔ بفتح میم بہ تخفیف لام بمعنی تبدیل

کرنا اور پھیرنا لامحالۃ کا معنی ہوگا ضرور و لابد یعنی اس بات میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا۔ شارحین کے بیان کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں حواس اور قویٰ پیدا کر کے اس کے لیے زنا کا حصہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ انسان ان حواس و قویٰ کی بدولت اپنے اندر لذت محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں شہوت اور عورتوں کی جانب میلان کشش پیدا کر دی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ زنا کا مقررہ حصہ ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ تاہم خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے باز رکھتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور بعض کو حقیقی زنا (شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کر دینا) کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اور بعض کو زنا مجازی کے لیے آزاد چھوڑتا ہے اپنی حفاظت و نگرانی اس سے اٹھا لیتا ہے یہاں تک کہ وہ نظر حرام اور کلام حرام کے زنا میں مبتلا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

(فزنی العین النظر) تو آنکھ کا زنا حرام نظری ہے۔ (و زنی اللسان المنطق) زبان کا زنا حرام و ناجائز گفتگو ہے۔ اسی طرح کان، ہاتھ، پاؤں اور دل کا زنا ہے۔ (والنفس تمنی وتشتھی) اور انسان کا نفس آرزو کرتا اور چاہت کا اظہار کرتا ہے۔ (والفرج یصدق ذلك ویکذبہ) پھر مرد و عورت کی شرمگاہ کبھی اس کی تصدیق کر دیتی اور نفس کی شہوت و آرزو کو سچا کر دیتی ہے اور شرمگاہ اس کی اطاعت و پیروی کرتی ہے۔ اور اسے زنا میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور کبھی مرد و عورت کی شرمگاہ نفس کی آرزو کو جھٹلا دیتی ہے۔ اس کی بات نہیں مانتی۔ اور ارتکاب زنا سے انکار کر دیتی ہے۔ (متفق علیہ) اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ اور دونوں کا اس میں اتفاق ہے۔ (وفی روایۃ لمسلم) اور ایک روایت میں جو مسلم کی ہے اور وہ اس میں متفرد ہے یہ الفاظ ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کتب علی ابن آدم نصیبہ من الزنٰی) آدم کے بیٹے پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (مدرک ذالك لا محالۃ) جسے وہ بہر حال حاصل کر کے رہے گا (العینان زناھما النظر) دونوں آنکھوں کا زنا بد نظری ہے۔ (والاذنان زناھما الاستماع) دونوں کانوں کا زنا حرام و فحش باتوں کا سننا ہے۔ (واللسان زناہ الکلام) زبان کا زنا حرام و بے حیائی کی گفتگو ہے۔ (والید زناھا البطش) ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔ صراح میں ہے بطش حملہ کرنا اور مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑنا۔ (والرجل زناھا الخطیٰ) اور پاؤں کا زنا قدم اٹھانا اور اس فعل بد کی طرف چل کر جانا ہے۔ (والقلب یھوی ویتمنی) اور دل اس فعل کی چاہت اور آرزو کرتا ہے۔ (ویصدق ذلك الفرج ویکذبہ) پھر انسان کی شرمگاہ اس فعل بد کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

۸۰۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک

مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ اَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۔

(رواہ مسلم)

قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے آکر عرض کی یا رسول اللہ ہمیں بتائیں کہ لوگ جو اعمال اس دنیا میں کرتے ہیں اور عمل میں جو کوشش و سعی کرتے ہیں۔ کیا یہ سب قضاء و قدر میں طے ہو چکا اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور ازل میں ہی اس کے بارے میں تقدیر الٰہی جاری ہو چکی ہے۔ یا اعمال میں سے جو کچھ وہ آئندہ کریں گے، اور ان کا پیغمبر ان کے پاس جو امر و نہی لے کر آیا ہے۔ اور لوگوں پر اس کے سچا ہونے کی دلیل ثابت و قائم ہو چکی ہے اس کا تقدیر ازلی سے کچھ تعلق و واسطہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بارے میں ہر عمل و فعل کا تقدیر ازلی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور تقدیر ازلی نافذ ہو چکی ہے۔ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ کہ فرمایا و نفس وما سواھا الخ یعنی قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست حالت پر پیدا کیا پھر اسے برائی اور تقویٰ کا الہام فرمایا۔

شرح: (وعن عمران بن حصین) رضی اللہ عنہ۔ حُصَین بضم حاء و فتح صاد، و سکون یا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ خیبر میں حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ ایمان لائے۔ آپ مسلسل تیس برس بستر علالت پر رہے۔ فرشتے آکر آپ کو سلام کرتے تھے۔ ایک دفعہ بطور علاج آپ نے داغ لگوائے تو فرشتے روپوش ہو گئے۔ جب تندرست ہو گئے تو فرشتے پھر نمودار ہو گئے۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی حضرت عمران بن حصین سے افضل و اعلیٰ نہ تھا۔ رضی اللہ عنہ۔

ان عمران بن حصین سے روایت ہے۔ (ان رجلین من مزینۃ قالا) کہ بیشک قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ارءیت مایعمل الناس الیوم) آپ ہمیں ان اعمال کے بارے میں بتائیں جو لوگ آج یعنی اس دنیا میں جو دار تکلیف ہے، کرتے ہیں۔ (و یکدحون فیہ) اور ان میں کوشش و سعی کرتے ہیں۔ (اشی قضی علیھم) کیا یہ ایسی چیز ہے جو قضاء و قدر میں داخل اور لوگوں کے لیے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (و مضی فیھم) اور ان کے بارے میں گزر چکا ہے۔ (من قدر سبق) تقدیر ازلی میں (او فیما یستقبلون

بہ) یا واقع میں معاملہ یوں ہے کہ جو کچھ وہ زمانہ آیندہ میں کریں گے۔ وہ اپنی قدرت واختیار سے کریں گے بغیر اس کے کہ قضاوقدر اس کے متعلق نافذ ہو چکی ہو۔ (مما اتاھم بہ نبیھم) ان تمام باتوں میں سے جو ان کے پیغمبر ان کے پاس لائے۔ (وثبتت الحجۃ علیھم) اور پیغمبر کے معجزے کے ظہور کے ذریعے اس کے سچا ہونے کی دلیل و برہان لوگوں پر ثابت و قائم ہو چکی ہے۔ یعنی پہلے سے قضاوقدر کا کوئی فیصلہ نہیں۔ بلکہ بات صرف اس حد تک ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی پر مشتمل احکام لے کر آئے اور لوگ محض اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے ان پر عمل پیرا ہوئے۔ یا معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرقہ قدریہ کا مذہب ہے۔

(فقال لا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ (بل شیء قضی علیھم و مضی فیھم) بلکہ ان کے بارے میں گزشتہ ازل کے اندر ہی ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (و تصدیق ذلک فی کتاب اللہ عزوجل) اور اس کی تصدیق اور اس کے صدق کی دلیل کتاب اللہ میں موجود ہے۔ کہ فرمایا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (قسم ہے نفس انسانی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک حالت میں پیدا فرمایا پھر اسے نیکی بدی کا الہام کیا)۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ تسویہ نفس اس سے عبارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی درست و مناسب حالت اور ایسے اعتدال پہ پیدا فرمایا جو اس کی حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میں قویٰ مرکب کیے اور اس میں ایسے آلات رکھ دیے۔ جن کی بدولت اس میں سمجھنے سمجھانے کی استعداد پیدا ہو گئی۔ اور وہ مکلف ہونے اور افعال نیک و بد صادر کرنے کے قابل ہو گیا۔ اور اس میں حسی شہوتوں کو مرکب کر کے برے کاموں کے طبعی تقاضے اس کی فطرت میں رکھ دیے۔ دوسری جانب شرعی نصوص اور عقلی دلیلوں کے ذریعے یقین سے لبریز علم کی استے تلقین کر کے اور اس کے دل میں ڈال کر اسے تقویٰ کا الہام کیا۔ اور تقویٰ اور نیکی کی باتوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ حدیث کی تصدیق اللہ سبحانہ کے قول مبارک فَسَوّٰهَا میں ہے۔ کہ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ انسان میں سب کچھ اس کے پیدا کرنے اور اس کی تقدیر سے ہے۔

۸۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَابٌّ وَّاَنَا اَخَافُ عَلٰی نَفْسِیَ الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جوان آدمی ہوں۔ مجھے اپنے متعلق زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور

بِهِ النِّسَآءَ. كَانَّهُ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ. ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَا اَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْ ذَرْ.

(رواہ البخاری)

میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کے عوض عورتوں سے نکاح کر سکوں۔ گویا آپ خصی ہو جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں حضور میری بات سن کر خاموش رہے۔ میں نے پھر یہ بات دہرائی۔ لیکن آپ خاموش رہے میں نے پھر یہی بات عرض کی مگر آپ پھر خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری مرتبہ یہی بات عرض کی تو آپ نے فرمایا جو کچھ تجھے ملنے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے تو خصی ہو یا نہ ہو (نوشتہ تقدیر میں کچھ فرق نہ آئے گا)۔

شرح: (عن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قلت یا رسول اللہ انی رجل شاب) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جوان آدمی ہوں۔ (وانا اخاف علی نفسی العنت) اور مجھے اپنے نفس کے بارے میں زنا کا اندیشہ ہے۔ عَنَت دو فتحوں کے ساتھ بمعنی فساد گناہ، ہلاکت، مشقت اور زنا۔ (ولا اجد ما اتزوج بہ النساء) اور میرے پاس اتنا مال نہیں کہ اس کے عوض عورتوں سے نکاح کر سکوں۔ (کانہ یستاذنہ فی الاختصاء) راوی کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ گویا حضور سے خصی ہونے کی اجازت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (قال فسکت عنی) ابو ہریرہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور میری طرف سے چہرۂ انور پھیر لیا۔ (ثم قلت مثل ذالک) میں نے پھر یہی بات دہرائی۔ (فسکت عنی) مگر حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ (ثم قلت مثل ذالک) میں نے پھر یہی بات عرض کی۔ (فسکت عنی) مگر آپ پھر خاموش رہے۔ (ثم قلت مثل ذلک) میں نے پھر یہی بات عرض کی۔ (فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ھریرۃ جف القلم بما انت لاق) اے ابو ہریرہ قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ ہر اس چیز کے متعلق جو تجھے پیش آنے والا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیر میں ہر چیز طے ہو چکی اور کاتب تقدیر سب کچھ لکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔ (فاختص علی ذلک او ذر) مسئلہ تقدیر کا علم ہونے کے بعد اب تو خصی ہو یا نہ ہو۔

ان الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ کو جھڑکا گیا ہے کہ تدبیر کو تقدیر کے مقابلے میں نہ لاؤ اور یہ کہ تقدیر سے مت بھاگو۔ یا مطلب یہ ہے کہ خصی ہونے کا ارادہ ترک کرو اور قضاء و قدر پر راضی ہو جاؤ۔ یعنی تقدیر میں جو خیر و شر مقدر ہو

چکا ہے ہو کر رہے گا۔ اور قضاء و قدر کا قلم جس جس کام کے متعلق چل چکا ہے وہ ضرور وجود میں آئے گا۔ تو خصی ہو یا نہ ہو۔ ان الفاظ میں خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اجازت طلب کرنے پر انہیں ڈانٹا اور ناگواری کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور بلا وجہ عضو مخصوص کاٹ دینے کے ارادہ پر ان کی ملامت کی گئی ہے۔

مصابیح کے بعض نسخوں میں فاختص کے بجائے فاختصر کا لفظ آیا ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ بات اور سلسلہ کلام کو لمبا نہ کر۔ یعنی جب کہ تیرے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ نوشتہ تقدیر میں رد و بدل ناممکن ہے تو بات لمبی نہ کر۔ اور گردن تسلیم جھکا دے۔ اور یہ اعتراض کرنا چھوڑ دے یا اختصار کلام اور تسلیم کرنے کو چھوڑ اور جو تیرا دل کرتا ہے کر۔ نسخہ اول کے مطابق ــــــــــــ خصی ہونے کے ارادے پر جھڑک و ڈانٹ ہے۔ اور نسخہ ثانی کے مطابق دوسری بات (بات لمبی کر) پر جھڑک و ڈانٹ کی گئی ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۸۲۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔ وہ انہیں پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے طور پر دعا کی اللھم مصرف القلوب الخ اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے۔ ہمارے دل اپنی طاعت و فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی آدم کلھا۔) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمام انسانوں کے دل (بین اصبعین من اصابع الرحمٰن) خدا تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان (کقلب واحد) ایک دل کی طرح ہیں۔ (یصرفہ کیف یشآء) جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیک وقت سب کچھ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یا یہ کلام لوگوں کے فہم اور ان کی سمجھ کے مطابق کیا گیا ہے۔ کہ بندوں کے فہم اور ان کی سمجھ کے مطابق ایک چیز میں تصرف کرنا متعدد اشیاء میں تصرف کرنے سے آسان تر ہے۔ ورنہ حضرت پروردگار کے نزدیک سب کچھ برابر اور یکساں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک کام مشکل ہو اور دوسرا آسان۔

اور خدا تعالیٰ کے لیے انگلیوں کا اطلاق متشابہات میں سے ہے۔ متشابہات میں دو مذہب ہیں۔ بعض ان کے بیان معنی میں توقف کرتے ہیں۔ اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ اور بعض دوسرے علماء مناسب معنی پر عمل کرتے ۔ اور تاویل کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انگلیوں سے دلوں کے ساتھ جلال و جمال اور لطف و قہر کی صفت کا تعلق مراد ہے۔ کہ وہ بعض دلوں کو طاعت کی طرف پھیرتا ہے۔ اور کچھ دلوں کو معصیت و نافرمانی کی طرف۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ تبدیل کرنا اور پھیرنا نہایت تیزی کے ساتھ اور بڑے موثر طریقہ سے ہوتا ہے اور اسم رحمٰن کی طرف نسبت، وصف رحمت کی وسعت اور غضب پر اس کے غلبے کی بنا پر ہے۔ باوجودیکہ حلیم ذات کا غضب و غصہ بھی نہایت سخت ہوتا ہے۔ پس اس میں جمال و جلال دونوں قسم کے تصرف کی طرف اشارہ ہوگیا۔

(ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دینے اور خدا تعالیٰ عزوجل کی درگاہ میں اظہار ادب کے لیے یہ الفاظ کہے۔ (اللھم مصرف القلوب) اے اللہ دلوں کو طاعت و نافرمانی کی طرف پھیرنے والے (صرف قلوبنا علی طاعتک) ہمارے دلوں کو طاعت و فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔ اور اس پر ثابت رکھ اور استقامت عطا فرما۔ ظاہر یہ ہے کہ جمع کا صیغہ امت کو شامل کرنے بلکہ در حقیقت انہی کے لیے دعا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تو نہایت اعتدال و استقامت پر قائم ہے۔ آپ کے لیے پھرنے اور ادل بدل کرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔

۸۳۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَھِیْمَۃُ بَھِیْمَۃً جَمْعَاءَ ھَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْھَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جس طرح پورے اعضاء والے چارپائے سے پورے اعضاء والا بچہ ہی پیدا ہوتا ہے کیا ان پیدا ہونے والے چارپائیوں میں کوئی ناقص اعضاء والا چارپایہ پاتے ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فطرۃ اللہ التی الخ اس فطرت کو پکڑے رکھو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے پیدا کرتے میں کوئی تبدیلی نہیں فطرت کے مطابق یہ دین بالکل صحیح اور درست دین ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من

مولود الا یولد علی الفطرۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بچہ نہیں مگر وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔فطرت کا معنی لغت میں پھاڑنا اور نئے طور پہ ایجاد کرنا۔اور پیدا کرنا ہے۔یہاں فطرت کا معنی ہے۔ بچے کی وہ حالت و ہیئت اور اس مقصد کی استعداد و صلاحیت جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔یعنی اس میں صفت عقل رکھی اور اس کے جوہر ذات کو اس صفت سے مرکب کیا تاکہ وہ اپنے مقصد کو پائے یعنی خالق کو پہچانے، حق قبول کرے، دین اسلام اختیار کرے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرے۔تاکہ صحیح نظر و فکر کی بدولت اور عوارض و موانع پیش نہ آنے کی صورت میں اس ہدایت و قبول حق پر مستحکم و مضبوط ہو سکے۔کہ عوارض و موانع پیش آنے کی صورت میں انسان نظر و فکر صحیح اور دین اسلام پر قائم و ثابت رہنے کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی عوارض و موانع کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔

(فابواہ یھودانہ) پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں۔(او ینصرانہ) یا اسے نصرانی بنا دیتے ہیں۔(او یمجسانہ) یا اسے مجوسی بنا دیتے ہیں۔یا وہ بچہ اپنے والدین کی متابعت ان کی موافقت اور ان کی تقلید کرتے ہوئے دین فطرت کو چھوڑ کر غلط عقائد و خیالات اختیار کر لیتا ہے یا اپنی عقل اور فکر و نظر کو استعمال میں نہ لا کر حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور گمراہی و کفر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔یا اس کے والدین جبر و قہر کے ساتھ اسے گمراہی کے راستے پہ ڈال دیتے ہیں۔اور اس طرح صحیح نظر و فکر کے ہوتے ہوئے بھی وہ ان کے باطل دین کا پیروکار بن جاتا ہے۔اور دین اسلام قبول نہیں کرتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ محسوسات و موہومات سے انس و محبت اور جسمانی لذات و شہوات میں انہماک جو انسان کی صحیح نظر و فکر کا راستہ روک لیتا اور دریافت حق سے محروم کر دیتا ہے یہ بھی اسے والدین کے یہودی یا عیسائی بنا دینے کی طرح ہے۔کیونکہ یہ بے راہ روی بھی بسا اوقات بچے کے لیے ان کی تقلید اور ان کی اتباع و پیروی کا باعث بن جاتی ہے۔حق سبحانہ و تعالٰی کے قول فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ (اللہ تعالٰی کی عطا کردہ فطری صلاحیت جس پہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی) سے یہی مراد ہے۔جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں بیان ہو گا۔

سوال:۔ جب کہ والدین کے یہودی یا عیسائی بنا لینے سے یہ صفت تبدیل ہو جاتی ہے۔تو پھر لا تبدیل لخلق اللہ کیسے درست ہو گا۔

جواب:۔ دریافت حق کی یہ استعداد و صلاحیت قطعاً زوال پذیر نہیں ہے اس استعداد کی تبدیلی اور اس کا

ازالہ ناممکن ہے اگر فرضاً و تقدیراً کوئی بچہ اس استعداد کے تقاضا کے خلاف پروان پڑھتا اور اس استعداد کا اثر اس پر نمودار نہیں ہوتا تب بھی وہ استعداد اپنی حالت پر موجود ہے اور اس کے خلاف حجت و دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔
اور اگر اس استعداد کے اثر کے ظہور میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اور آدمی زادہ اس فطری و پیدائشی استعداد و صلاحیت پر قائم و دائم رہے تو وہ دین اسلام کو ہی قبول کرے گا۔ کہ سلیم عقل اور صحیح نظر و فکر والوں کے لیے اسلام کا حسن بالکل ظاہر و باہر ہے۔ جس طرح بچے میں جو دودھ پینے کی محبت پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے جب تک اسے دودھ سے نہ ہٹائیں وہ اس کے پینے میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس کی چاہت و محبت اس کے دل میں مسلسل موجود رہتی ہے۔ اسی بنا پر بعض فضلاء نے کہا ہے۔ کہ فطرت سلیمہ دینِ اسلام قبول کرنے کی صلاحیت پر پیدا کی گئی ہے۔
فطرت پر پیدا ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ بچہ حقیقۃً بالفعل صفتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کے والدین اسے کافر بناتے ہیں۔ یا وہ ان کی اتباع میں کفر اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ حقیقۃً اور بالفعل بچے کا اسلام کی صفت پر پیدا ہونا بندے کے کسب و عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا پیدائش کے وقت موجود ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نیز بندے کی حالت تبدیلی قبول کر لیتی ہے۔ الا یہ کہ لا تبدیل لخلق اللہ سے یہ مراد لی جائے کہ اس میں تبدیلی نہ کرنی چاہیئے۔ اور اگرچہ بعض روایات میں علی فطرۃ الاسلام یا علی الملۃ۔ کے الفاظ بھی آئے ہیں جو دین اسلام سے عبارت ہے۔ تاہم مراد وہی ہے جو گزشتہ بیان ہوئی کہ اس سے اسلام کی استعداد و صلاحیت پر پیدا کرنا مراد ہے کہ اگر کوئی خارجی رکاوٹ پیش نہ آئے تو بچہ اسلام کی راہ اختیار کرے گا۔ عربی شرح میں اس مقام پر اس سے زیادہ شرح و تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور کچھ دوسری وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہاں اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آئندہ قول میں بچے کے فطرت سلیم اور صلاحیت مستقیم پر پیدا ہونے پھر خارجی رکاوٹ و کجی کے لاحق ہونے کو چارپائے کے بچے کے صحیح سلامت پیدا ہوتے پھر کسی خارجی نقصان و خلل لاحق ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا (کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء) جس طرح پیدا ہوتا ہے چارپائے کے ہاں پورا کامل اور سلیم الاعضاء بچہ۔ تنتج صیغہ مضارع مجہول ہے اور نتج بمعنی جننے سے مشتق ہے۔ ناتج وہ مالک و نگران جو اونٹنی کے بچہ جنواتا اور اس بارے میں اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ جس طرح انسان کی پیدائش کے لیے دایہ۔ شرح عربی میں اس لفظ کی شرح اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہے (ھل تحسون فیھا من جدعاء) کیا تم لوگ محسوس کرتے اور دیکھتے ہو ان پیدا ہونے والے چارپاؤں میں ایسا بچہ جو

ناک کٹا یا کان کٹا یا ہاتھ یا لب بریدہ ہو۔ اور اگر کوئی خارجی نقص و خلل لاحق نہ ہو تو وہ بچہ اپنی پیدائش کے وقت کی درستیٔ اعضا کی حالت پر ہی قائم و موجود رہتا ہے۔

(ثم یقول) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ) مضبوطی سے پکڑے رہو اس فطری استعداد و صلاحیت کو جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور رد و بدل نہ کرنا چاہیئے۔ (ذالک الدین القیم) تقاضائے فطرت کے مطابق یہ دین ہی صحیح اور درست دین ہے۔

۸۴۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّہَارِ وَعَمَلُ النَّہَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ۔ رواہ مسلم

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں پانچ کلمات بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا۔ اور سونا اس کی شان کے لائق نہیں۔ وہ ترازو کو نیچے کرتا اور اوپر کرتا ہے لوگوں کے دن کے اعمال سے پہلے ان کے رات کے اعمال اس کی بارگاہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اس کی جانب اٹھائے جاتے ہیں۔ حق سبحانہ کا پردہ نور ہے۔ اگر وہ اسے اٹھا دیتا تو اس کی ذات کے انوار اپنی ساری مخلوق کو جلا ڈالتے جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی۔

شرح:۔ (عن ابی موسی الاشعری) رضی اللہ عنہ (قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور ہمیں وعظ و نصیحت کی غرض سے خطبہ ارشاد فرمایا اور ہمارے حال کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ہماری اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ (بخمس کلمات) پانچ کلمات بیان کر کے (فقال) تو فرمایا۔ (ان اللہ) تعالیٰ (لا ینام) بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور بندوں اور تمام کائنات کے حالات سے غافل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شارحین رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ پانچ کلمات میں سے یہ پہلا کلمہ ہے۔ دوسرا کلمہ یہ ہے۔ (ولا ینبغی لہ ان ینام) اور سونا اس کی شان کے لائق و زیبا نہیں۔ یعنی اس پر نیند کا طاری ہوتا محال و ناممکن ہے۔ اس جہت سے یہ کلمہ پہلے کلمہ کے معنی پر ہے۔ کہ نہ سونے سے سونے کا ناممکن ہونا لازم نہیں آتا۔ حالانکہ سو جانا اس کے لیے ناممکن بھی ہے۔

تیسرا کلمہ یہ ہے۔ (یخفض القسط ویرفعہ) وہ قسط کو نیچے اوپر کرتا ہے۔ قسط بکسر قاف و سکون سین مہملہ۔ رزق کے معنی میں آتا ہے۔ اس ترجمہ کے مطابق یہ اس آیت کے ہم معنی ہوگا۔ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) یہ لفظ ترازو کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہ زیادہ ظاہر اور آنے والی حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ جس میں فرمایا بیدہ المیزان یخفض ویرفع (ترازو اس کے ہاتھ میں ہے نیچے کرتا اور بلند کرتا ہے۔ اور ترازو کے نیچے اوپر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مناسب وزن و مقدار میں اپنی جناب تقدیر سے لوگوں کے لیے رزق نازل کرتا ہے۔ اور بندوں کے اعمال اپنی درگاہ عزت میں بلند کرتا اور اٹھاتا ہے۔ اور ملائکہ کو جو اعمال پر مقرر ہیں ان کی مقدار سے آگاہ کرتا ہے۔ یا اس میں خدا تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ کل یوم ھو فی شان (وہ ہر دن ایک نئے کام میں ہے) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں میزان عدل قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس توجیہ کے مطابق یہ کلمہ کلمہ دوم یعنی لا ینبغی لہ ان ینام کی تاکید و تقریر ہوگا کہ جب کہ ہر لحظہ اور ہر آن اس کا تصرف دائم و جاری ہے تو سو جانا اور غافل ہونا اس کی شان کے لائق نہیں اور نہ اس کے لیے ممکن ہے۔

ان پانچ کلمات میں سے چوتھا کلمہ یہ ہے۔ (یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار) اٹھائے جاتے اور بلند کیے جاتے ہیں اس کی درگاہ میں بندوں کے وہ اعمال جو وہ رات میں کرتے ہیں۔ ان اعمال سے پہلے جو وہ دن میں کرتے ہیں۔ (وعمل النہار قبل عمل اللیل) اور اٹھائے اور پہنچائے جاتے اس کی درگاہ تک۔ وہ اعمال جو بندے دن کے وقت کرتے ہیں رات کے اعمال سے پہلے یعنی ابھی دن نہیں چڑھتا اور اس میں کوئی عمل واقع نہیں ہوتا کہ رات کے اعمال فرشتے اس کی درگاہ میں لے کر پہنچ جاتے ہیں، اور ابھی رات داخل نہیں ہوتی کہ فرشتے بندوں کے دن کے عمل لے کر حق تعالیٰ کی درگاہ میں جا پہنچتے ہیں۔ دراصل اس میں مبالغہ ہے کہ بندوں کے اعمال پر متعین ملائکہ اللہ کا حکم بجالانے میں نہایت جلدی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ جہاں ان کے اعمال پیش کرنا ہوتے ہیں اور وہ آسمانوں میں جس جس جگہ تک انہوں نے پہنچنا اور چڑھنا ہوتا ہے۔ اس تک عروج کرنے میں نہایت سرعت اور تیزی دکھاتے ہیں۔ اور یہ کہ ادنیٰ گھڑی کے اندر وہ بندوں کے اعمال اٹھا لے جانے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔ کیونکہ رات اور دن کے درمیان صرف ایک آن اور جزو لایتجزی کا فرق و فاصلہ ہوتا ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے ہی اٹھا لیے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال کے سے قبل اٹھا لیے جاتے ہیں۔ اور دن رات کا ہر ہر عمل الگ الگ اس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

عبارتِ حدیث کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن عمدگی و بلاغت پہلے معنی میں زیادہ ہے۔ اور یہ کلمہ بھی کلمۂ لا ینبغی لہ ان ینام کے معنی کی تاکید کرتا ہے۔

پانچواں کلمہ یہ ہے۔ (حجابہ النور) حق تعالیٰ سبحانہ و تقدس کا پردہ نور ہے۔ یعنی اس کے انوارِ جلال اور اس کی عظمت و کبریائی کی شعاعیں۔ جن کے ملاحظہ اور مشاہدہ سے عقلیں اور بصیرتیں مدہوش و متحیر ہو جاتی ہیں۔ یہ پردہ حقیقۃً مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ کہ محجوب اور پردہ میں وہ ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ۔ جیسے نابینا اور سورج۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کو پردے اور حجاب میں ہوتا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جو شے پردہ میں ہو پردہ ڈالنے والا اس پر غالب ہوتا ہے بلکہ اسے محتجب کہیں گے کہ وہ عزت اور عظمت و جلال اور وصف کبریائی کی بنا پر لوگوں سے پوشیدہ ہے اور کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ ذات شدت ظہور اور غایت بروز کی وجہ سے چھپی ہوئی ہے۔ جس طرح سورج کہ جب خوب تیزی کے ساتھ چمک رہا ہو تو وہ آنکھوں کو خیرہ اور تاریک کر دیتا ہے۔ درحقیقت اس کی صفات جو ذات کے انوار ہیں وہی اس کا پردہ ہیں اور اس کی ذات کو بردہ صفات کے علاوہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور ذات بحت کا ادراک ناممکن ہے۔ جو کچھ ادراک و مشاہدہ میں آتا ہے صفات کا نور ہے۔ ذات اس سے وراء ہے۔ بیت

ہر چہ اندیشی پذیرد او فناست وآنچہ در اندیشہ ناید آں خداست

جو کچھ تیرے وہم و خیال میں آتا ہے سب فانی ہے۔ اور جو تیرے وہم و گمان میں نہیں آسکتا وہ خدا ہے۔

اور اگر درمیان سے پردہ صفات ہٹ جائے۔ اور ذاتِ بحت تجلی فرمائے تو ساری کائنات احدیتِ ذات میں فنا اور لاشے ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا۔

(لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ) اگر یہ پردہ اٹھا دیتا تو اس کے انوارِ ذات جلا کر راکھ دیتے ہر چیز جس کی انتہا تک اس کی نگاہ پہنچتی اس کی مخلوق میں سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ تمام کائنات کو محیط ہے۔ اور اس کی نہایتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ بیت

ہست از پس پردہ گفتگوئے من وتو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

میری اور تیری گفتگو پسِ پردہ ہی ہو سکتی ہے۔ جب پردہ اٹھ جائے گا تو پھر نہ تو رہے گا نہ میں۔

سُبُحَاتُ۔ دو ضموں کے ساتھ سُبحہ بضم سین و سکون باء کی جمع ہے۔ جیسے غُرُفَات غرفہ کی جمع۔ اس سے مراد

اس کا نورِ ذات ہے۔ قاموس میں ہے سبحات وجہ اللہ انوارہٗ اس کے چہرے کے سبحات یعنی اس کے انوار ان انوارِ ذات کو سبحات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی انہیں دیکھتے اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس کی تسبیح کرتے اور اس کی ذات کے جلال کی ہیبت و دہشت اور اس کی عظمت کی بنا پر اسے تنزیہہ اور تقدیس کے ساتھ یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۸۵۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهٖ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَمِينُ اللّٰهِ مَلْأَى۔ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ مَلْآنُ سَحَّاءُ لَا يَغِيضُهَا شَيْءٌ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ کوئی خرچہ اسے کم نہیں کر سکتا اس کی عطائیں رات دن میں سیلاب کی طرح بہ رہی ہیں تم مجھے بتاؤ کتنی مقدار میں خرچ کر چکا ہے۔ جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ پس بیشک اس کے اس قدر خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے دست قدرت و حکمت میں ہے ترازو۔ وہ اسے نیچے کرتا ہے اور اوپر کرتا ہے۔ متفق علیہ۔ اور مسلم کی روایت میں ہے اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ ابن نمیر نے ملای کی جگہ ملآن کا لفظ روایت کیا ہے۔ سیلاب کی مانند عطا کو مسلسل بہا رہا ہے۔ رات اور دن میں خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ ملاٰی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا دستِ جود و کرم بھرا ہوا ہے یہ اس کے انتہاء درجہ غنی ہوتے، اس کے کمال وسعت اور اس ذات جل جلالہ و عم نوالہ کے نہایت درجہ جود و عطا سے کنایہ ہے۔

(لا تغیضھا نفقۃ) اسے کم اور خالی نہیں کر سکتا کوئی خرچہ اور عطا۔ (سحاء اللیل والنھار) اس کا دست عطا رات دن میں سیلاب کی مانند مسلسل عطاؤں کو بہا رہا ہے۔ یعنی اس کی عطائیں اتم اور باقی ہیں۔ سح کا معنی ہے بلندی سے پانی بہانا۔ عرب کہتے ہیں مطر سحاء۔ نہایت موسلادھار بارش۔ (ارءیتم ما انفق منذ خلق السماء

والارض) تم مجھے بتاؤ کتنی مقدار خرچ کر چکا ہے جب سے اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے۔ (فانہ لم یغض ما فی یدہ) بیشک اس اعطاء و انفاق نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس سے کچھ کم نہیں کیا (وکان عرشہ علی الماء) اور آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کلمہ کی شرح اس فصل کی پہلی حدیث میں گزر چکی ہے (وبیدہ المیزان) اور اس کے دستِ قدرت وحکمت میں ہے ترازو۔ (یخفض و یرفع) وہ اسے نیچے کرتا اور بلند کرتا ہے اس کی شرح بھی گزر چکی ہے (متفق علیہ۔ (وفی روایۃ لمسلم) اور مسلم کی روایت میں اس طرح آیا ہے۔ (یمین اللہ ملآی) اللہ کا دستِ راست عطاؤں سے بالکل پُر ہے۔ جب کہ غالباً داد ودہش دائیں ہاتھ سے ہوتی ہے۔ اس بنا پر دائیں ہاتھ کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ (قال ابن نمیر) ابن نمیر نے کہا ہے نُمیر بضمہ نون یہ ابن نمیر امام مسلم کے شیخ واستاد ہیں۔ انہوں نے حدیث کے لفظ مَلْأیٰ کو مَلْآن کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ (سحاء لا یغیضھا شیء اللیل والنھار) عطاؤں کو مسلسل بہا رہا ہے۔ رات اور دن میں جس قدر بھی خرچ کرتا ہے۔ اس سے اس کے خزانوں میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔

یعنی حضرت نمیر نے اپنی روایت کردہ حدیث میں لفظ مَلْأیٰ کی مَلْآن کہا ہے۔ لیکن لغت کے مطابق مَلْأیٰ ہے نہ کہ مَلْآن۔ کیونکہ یہ مونث سماعی ہے۔ ملان مذکر لفظ ہے اور اگر ابن نمیر کی روایت صحیح ہو تو پھر یہ کی تاویل جود واحسان سے کی جائے گی۔ ابن نمیر علیہ الرحمۃ نے نفقہ کی جگہ شی کا لفظ روایت کیا ہے۔ اور بعض الفاظ میں تقدیم وتاخیر بھی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۶۔ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِي الْمُشْرِكِيْنَ. قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

(متفق علیہ)

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کیے۔

شرح:۔ (وعنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا (عن ذراری المشرکین) مشرکین کے بچوں کے بارے میں کہ ان کا کیا حال ہے وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔ ذراری ذریت کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے جنوں اور انسانوں کی نسل چھوٹی عمر کی ہو یا بڑی عمر کی۔ یہاں نابالغ بچے مراد ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا (اللہ اعلم بما کانوا عاملین) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کیے

تھے۔ حدیث کا ظاہری معنی تو بتاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اطفال مشرکین کو معلق کر دیا اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ اگر وہ زندہ رہتے اور بلوغت کو پہنچ کر جس قسم کے عمل کرتے اس کے مطابق اللہ ان کا انجام کرے گا۔ پس جس کے بارے میں اللہ کا علم یہ ہے کہ اس نے بالغ ہو کر ایمان لانا تھا اسے بہشت میں داخل کرتا ہے۔ اور جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس نے کفر اختیار کرنا تھا اسے دوزخ میں ڈالتا ہے۔ لیکن یہ بات مشکل ہے۔

ایک تو اس بنا پر کہ جب بچہ صغر سنی میں ہی مرگیا تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کے بچپن میں ہی مرجانے سے متعلق تھا لہٰذا اس کا حد بلوغ کو پہنچنا اور ایمان یا کفر پر مرنے کا کوئی معنی نہیں اور ان میں سے کسی ایک صورت کے فرض کرنے کا کیا فائدہ۔

پھر اصول دین اور مناہج شریعت سے معلوم و ثابت ہو چکا ہے کہ عمر دراز ملنے کی صورت میں گناہوں پر گناہگاروں کا مواخذہ جو ہو گا وہ بالفعل ان سے صدور معاصی نہ ہونے کی وجہ سے منتفی ہوتا ہے تو اطفال مشرکین جو ضعیف تر، اور کمزور تر ہیں زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا مواخذہ بالکل نہ ہو۔ اور یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ناکردہ گناہوں پر کسی کی گرفت نہیں کرتا۔

بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ جب آپ سے اطفال مشرکین کے بارے میں یہ سوال ہوا تھا اس وقت آپ ان کی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہوئے تھے۔ اور آپ کو اس بارے میں ابھی کوئی وحی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آپ نے توقف فرمایا۔ یا آپ ان کی حقیقت حال سے آگاہ تو تھے مگر کسی مصلحت کے تحت آپ کو اس کے اظہار و انکشاف کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ تھی۔ اس لیے یہ جواب ارشاد فرمایا۔

حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے انجام سے سب سے بڑھ کر واقف ہے اور ان کے حال کا صرف اسے ہی پتہ ہے کہ وہ بہشت میں جائیں گے یا دوزخ میں یا ان کے علاوہ کسی تیسری جگہ میں۔ جہاں ان کے لیے نہ راحت ہوگی نہ عذاب و تکلیف واللہ اعلم۔

اور اطفال مشرکین کے بارے میں علماء کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ بعض نے سکوت و توقف اختیار کیا ہے۔ بعض نے ان کا معاملہ علم الٰہی سے معلق رکھا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا بعض کا یہ مذہب ہے کہ مشرکین کے بچے بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ جس طرح دنیا میں احکام کفر میں اپنے ماں باپ کے تابع تھے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بچہ جب تکلیف و اختیار کی عمر تک پہنچنے سے پہلے مرگیا تو والدین کی سرپرستی ان سے زائل ہو گئی۔ اور وہ اپنی اصل فطرت کی جانب رخ کر [illegible] کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں داخل تو ہوں

گے مگر مستقل حیثیت سے نہیں بلکہ اہل جنت کے تابع بن کر جس طرح بادشاہوں کے خدام و نوکران کے تابع ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ ان کے محلات میں رہتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ جنت و دوزخ کے درمیان کوئی جگہ ہے وہ اس میں رہیں گے۔ جہاں نہ راحت ہوگی نہ عذاب۔

لیکن ان سب مذاہب میں صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے۔ اور کسی جانب کا یقین و جزم نہ کیا جائے۔ اور کوئی فیصلہ کن بات نہ کی جائے۔ کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی خبر نقل صحیح و قطعی سے موصول ہونے کی وجہ سے کچھ کہنا درست نہیں۔ اور ایسی کوئی خبر بذریعہ نقل صحیح و قطعی موجود نہیں ہے۔ اور کوئی قطعی الدلالۃ حدیث وارد نہیں ہوئی۔ اس بارے میں علما نے جو کچھ کہا ہے رائے اور قیاس سے کہا ہے یا کمزور اور ضعیف روایات و اخبار سے اخذ کیا ہے۔ اس لیے جیسا کہ علامہ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اس بارے میں توقف کرنا ضروری ہے واللہ اعلم۔

الفَصلُ الثانی

دوسری فصل

۸۷۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب اسنادا)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ اور کہا لکھ اس نے کہا میں کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ تو قلم نے لکھ دیا وہ سب کچھ جو ہو چکا اور جو ابد تک ہوگا۔

شرح: (وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما خلق اللہ القلم) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ (فقال لہ) تو اسے فرمایا لکھ۔ (قال ما اکتب) اس نے کہا میں کیا لکھوں (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اکتب القدر) لکھ ہر چیز جسے مقدر کر دیا گیا ہے۔ (فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد) تو قلم نے لکھ دیا جو کچھ تھا اور جو کچھ ابد تک ہونا تھا۔ اگر سوال کیا جائے کہ مقادیر کی تعیین اور ان کی کتابت و تحریر تو ازل میں ہوئی تھی۔ اور ازل کی نسبت زمانہ ماضی کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا تو پھر جو کچھ ہو چکا اس کی کتابت کا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ بات اپنے زمانے کی طرف

نسبت کرتے ہوئے فرمائی۔ ما کان وما یکون یعنی جو کچھ ہم سے پہلے ہو چکا ہے اور جو کچھ ہمارے بعد ہوگا۔ زمانۂ تقدیر کی نسبت و کتابت کے اعتبار سے یہ بات نہیں فرمائی۔

یا ہم کہتے ہیں کہ فصل اول کی حدیث اول میں معلوم ہو چکا ہے کہ قضاء و قدر کی تحریر آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہو چکی تھی۔ اس وقت عرشِ الٰہی پانی پر تھا اور میں وہاں کہہ چکا ہوں ہو سکتا ہے کہ کتابت حقیقت پر محمول ہو۔ اور ازل میں نہ ہوئی ہو بلکہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی ہو جیسا کہ تعیین عدد ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ قضاء و قدر کی تعیین اور قلم کی پیدائش بھی کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی ہے۔ جیسا کہ اولیتِ خلق کا لفظ پر اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب کہ قضاء و قدر کی تحریر کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی اس لیے ماضی کے لفظ سے اس کا بیان کرنا درست ہوگا۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب اسنادًا)

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث از روئے اسناد غریب ہے۔ اور مقدمہ میں گزر چکا ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی مگر جب کہ غریب سے شاذ مراد ہو جیسا کہ اس کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔

۸۸۔ وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الْاٰيَة قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْاَلُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ

اور حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیت واذ اخذ ربک الخ کے متعلق سوال کیا گیا حضرت عمر نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے آیت کے بارے میں سوال کیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا بیشک اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا پس اس سے اس کی کچھ اولاد باہر نکال لی۔ اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے یہ لوگ اہل جنت والے عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا داہنا ہاتھ آدم کی پشت پر پھیرا اور کچھ اولاد اس سے باہر نکالی اور کہا یہ لوگ میں نے دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ یہ سن کر ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ پھر عمل کس چیز کا فائدہ دے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو جنت

لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهٗ بِهِ النَّارَ. رواہ مالک والترمذی و ابوداؤد۔

کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل جنت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت ... اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر ہوتی ہے۔ تو اسے اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل فرماتا ہے۔ اور جب کسی بندے کو وہ دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل دوزخ کے کاموں میں معروف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اللہ اسے اس عمل کی وجہ سے دوزخ میں ڈالتا ہے۔

شرح:۔ (وعن مسلم بن یسار) رضی اللہ عنہ (قال سئل عمر بن الخطاب) رضی اللہ عنہ (عن هذه الآية) حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ کبار تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ، فاضل، عابد اور متقی اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کے زمانہ میں کسی کو آپ پر فضیلت نہیں دی جاتی تھی۔ سنہ ہجری مقدس میں انتقال فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی۔ واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم (الآية) جب پکڑا اور باہر نکالا اے محمد تیرے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو جس طرح آدم کی پشت سے بلاواسطہ اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ اسی طرح ہر انسان کی پشت سے اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ پھر اس کی پشت سے اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ اسی طرح قیامت تک ہونے والی اولاد کو ان کے باپوں کی پشتوں سے جس طرح ان کا توالد و تناسل وقوع میں آنا تھا باہر نکالا۔ لیکن آیت مذکورہ میں حضرت آدم کا ذکر اور ان کی پشت سے ان کی اولاد باہر نکالنے کا ذکر نہ فرمایا اس امر کے ظاہر ہونے کی بنا پر کہ آپ ابو البشر اور سب کی اصل ہیں۔ اور اس بنا پر بھی کہ مقصود آدم کی اولاد یہود وغیرہ پر ان کے روز میثاق کا عہد توڑنے کی بنا پر الزام و حجت قائم کرنا تھا پوری آیت یوں ہے۔ واشهدهم على انفسهم (اور اللہ نے ان کو ان پر گواہ بنایا) (قال) پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا الست بربکم (میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) (قالوا بلى شهدنا) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے ہم تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں۔ ان تقولوا یوم القیمۃ انا كنا عن هذا غافلين (انہیں خود ان پر اس لیے گواہ بنایا تاکہ وہ روز قیامت یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل و بے خبر تھے)۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو (قال

عنہا) حضرت عمر نے اس کے جواب میں فرمایا۔ (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسال عنہا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ (فقال) اس کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان اللہ خلق آدم) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا (ثم مسح ظھرہ بیمینہ) پھر اس نے آدم کی پشت پر اپنا دائیں ہاتھ پھیرا خدا تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیرنے کی نسبت مجازا ہے۔ ورنہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا۔ جیسے کہتے ہیں فلاں شہر فلاں بادشاہ نے تعمیر کیا ہے۔ حالانکہ تعمیر کرنے والے اس کے کارندے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ بادشاہ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں تو گویا بادشاہ خود اسے تعمیر کرتا ہے۔ اور دائیں ہاتھ کی تخصیص حضرت آدم اور ان کی اولاد کو عزت و بزرگی عطا کرنے کے اظہار کے لیے ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کا حقیقۃ علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے۔ (فاستخرج منہ ذریۃ) تو جیسا کہ مذکور ہوا آدم کی پشت سے ان کی کچھ اولاد کو باہر نکالا۔ (فقال خلقت ھولاء للجنۃ) ان کے بارے میں فرمایا میں نے اس جماعت کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (وبعمل اھل الجنۃ یعملون) یہ لوگ اہل جنت والے عمل کریں گے۔ (ثم مسح ظہرہ فاستخرج منہ ذریۃ) پھر اس کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس کی اولاد سے ایک اور جماعت کو باہر نکالا۔ (فقال خلقت ھؤلاء للنار وبعمل اھل النار یعملون) اور فرمایا میں نے اس جماعت کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل دوزخ والے عمل کریں گے۔ (فقال رجل ففیم العمل) تو صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا پھر عمل کس لیے ہے اور انسان کو عمل کا مکلف کس لیے کیا گیا ہے۔ اور عمل کا فائدہ کس چیز میں پہنچے گا۔ (یا رسول اللہ) اے اللہ کے رسول (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان اللہ اذا خلق العبد للجنۃ استعملہ بعمل اھل الجنۃ) بیشک جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اہل جنت کے کاموں کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (حتی یموت علی عمل من اعمال اھل الجنۃ) یہاں تک کہ اس کی موت اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر آتی ہے۔ (فیدخلہ بہ الجنۃ) تو وہ اس بندے کو اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل کرتا ہے۔ (واذا خلق العبد للنار استعملہ بعمل اھل النار حتی یموت علی عمل من اعمال اھل النار فیدخلہ بہ النار) اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل دوزخ کے کاموں میں لگا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت اہل دوزخ کے اعمال میں سے کسی عمل پر ہوتی ہے۔ تو اللہ اس عمل کی وجہ سے اسے دوزخ میں ڈالتا ہے۔

یعنی جسے بھی بہشت یا دوزخ میں ڈالتا ہے اس کے عمل کی وجہ سے ڈالتا ہے عمل اس کی علامت ہوتی ہے۔ اور عمل کرنے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور عمل بھی اس کی قضاو قدر ہی سے ہے۔ اس لیے یہ نہ کہہ کہ عمل کس لیے کریں اور عمل کا کیا فائدہ اور عمل کرنے کا کیا مقصد۔

۸۹۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِيْ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ عَنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ تو فرمایا جانتے ہو یہ دو کیا کتابیں ہیں ہم نے عرض کیا نہ یا رسول اللہ مگر یہ کہ آپ ہمیں بتائیں۔ تو آپ نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی یہ ایک کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہل جنت کے نام ہیں۔ اور ان کے باپوں اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ دے دیا گیا ہے۔ تو نہ ان میں کسی کا اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو سکتا ہے کبھی بھی پھر آپ نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا یہ ایک کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے۔ اس میں اہل دوزخ کے نام اور ان کے آباو اجداد اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ دے دیا گیا ہے کتاب۔ نہ تو ان میں کسی کا اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو سکتا ہے کبھی بھی۔ حضور کے صحابہ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ پھر عمل کس لیے ہے۔ اگر اس کام سے فراغت ہو چکی ہے آپ نے فرمایا اپنے عمل کو طریقہ حق کے مطابق کرو۔ اور رضا کا قرب تلاش کرو۔ کہ بیشک جنتی انسان کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہو گا وہ جیسے بھی عمل کرتا تھا۔ اور دوزخی انسان کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہو گا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ

(رواہ الترمذی)

چاہے وہ جو عمل بھی کرتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا پھر فرمایا تمہارا رب بندوں کے کام سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

شرح:- (وعن عبد اللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ (وفی یدیہ کتابان) اس حال میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ (فقال) تو آپ نے فرمایا (اتدرون ما ھذان الکتابان) جانتے ہو یہ دو کتابیں کیا ہیں اور ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔

اہل تاویل فرماتے ہیں۔ یہ معنی کی صورت کے ساتھ تمثیل و تصویر اور تعبیر ہے۔ اور اس کی تحقیق و تشریح میں مبالغہ ہے۔ اور اس کے یقین کا اظہار ہے۔ اور متکلم جب اپنے قول کی تحقیق کرنا چاہے۔ اور دوسرے کو بات سمجھانا چاہے اور دقیق و خفی معنی کو سامع کے مشاہدہ میں لانا چاہے تو وہ کسی صورت میں اسے بیان کرتا اور محسوس چیز کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کہ خارج اور عالم حس میں وہ چیز بظاہر موجود نہ ہو۔ اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس معاملے کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا۔ اور آپ اس حقیقت سے اس طرح واقف و مطلع ہو گئے کہ اس میں کوئی شبہ اور خفا نہ رہا تو جو معنی آپ کے قلب شریف میں موجود تھا اسے ایسی چیز کی تمثیل و تصویر کی صورت میں بیان فرمایا گویا کہ وہ آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔ اگرچہ خارج میں کوئی کتاب اور کوئی تحریر موجود نہیں تھی۔ اہل باطن اور ارباب مکاشفہ فرماتے ہیں کتاب کا وجود برحق ہے۔ اور یہ تشابہ مجاز و تاویل حقیقت پر محمول ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں فرمایا ہے۔ خواص کا عوام سے امتیاز دو چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جو علم عوام کو کسب اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ خواص کو پروردگار علیم و حکیم کی طرف سے بغیر کسب اور سیکھنے کے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسے علم لدنی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ عوام جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں خواص کو اس کا مشاہدہ بیداری میں کرا دیا جاتا ہے۔ اس باب میں مشائخ کی حکایات بے شمار ہیں۔ کتاب الرویا میں ان کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور جب کہ خواص اور اولیاء امت کو یہ حالت و مرتبہ حاصل ہے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حاصل نہ ہو گا، بلکہ حدیث کے ظاہر سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو بھی وہ کتابیں دکھائیں۔ لیکن انہیں ان کے مضمون کا پتہ نہ تھا۔ مشائخ فرماتے ہیں جس کا یہ اعتقاد نہیں در حقیقت وہ نبوت پر ایمان

نہیں رکھتا۔ (قلنا لا یا رسول اللہ۔) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نہیں جانتے کہ ان دو کتابوں میں کیا ہے۔ (الا ان تخبرنا) مگر یہ کہ آپ ہمیں آگاہ فرمائیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس ہے کہ آپ ہمیں واقف و آگاہ فرمائیں (فقال للذی فی یدہ الیمنٰی) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا (ھذا کتاب من رب العٰلمین) یہ رب العالمین کی جانب سے ایک کتاب ہے۔ (فیہ اسماء اھل الجنۃ و اسماء اباءھم وقبائلھم) اس میں اہل جنت کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبیلوں کے پوری تعیین و تمیز کے ساتھ نام درج ہیں۔ (ثم اجمل علی اٰخرھم) پھر آخر میں تفصیلی کیفیت کے بعد ان کا اجمالی خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اہل حساب کی عادت ہے کہ تفصیل درج کرنے کے بعد اس کا اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں کہ اتنا ہو گیا۔ (فلا یزاد فیھم) جب کہ ضبط و تعیین میں اس قدر مبالغہ اور اس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ تو اب اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا کہ مزید کسی کے نام کا اس میں اندراج ہو سکے۔ (ولا ینقص منھم) اور نہ کمی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے کسی کا نام خارج کیا جا سکے۔ (ثم قال للذی فی شمالہ) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی (ھذا کتاب من رب العٰلمین فیہ اسماء اباءھم وقبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا) یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے اس میں اہل دوزخ کے نام ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں۔ پھر آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ کہ نہ ان میں کسی نام کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ کبھی اس میں کمی ہو سکتی ہے۔

(فقال اصحابہ ففیم العمل یا رسول اللہ) اس پر حضور علیہ السلام کے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ پھر عمل کس لیے ہے۔ (ان کان قد فرغ عنہ) اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ ہر چیز لکھ کر اس سے فراغت ہو چکی ہے (فقال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا۔ (سددوا) اپنے اعمال طریقہ مستقیم اور حق کے مطابق کیے جاؤ۔ (وقاربوا) اور خدا تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اس کی طاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو۔ یہ ترجمہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ قاربوا سددوا کی تاکید ہے۔ یعنی اپنے نیک اعمال کے ذریعے سداد و استقامت طلب کرو۔ عمل میں میانہ روی اختیار کرو۔ افراط میں نہ پڑو۔ اور تنگی اور سختی نہ کرو۔ مجمع البحار میں فرمایا سداد تلاش کرو۔ یعنی افراط و تفریط چھوڑ کر صواب و اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم اس کے قریب تو رہو۔ بعض روایات میں قاربوا کے بجائے قربوا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی دوسروں کو عمل صالح کے ذریعے اپنے قریب کرو۔ خلاصہ یہ کہ عمل کرو اور قضاء و قدر کے ذکر میں نہ پڑو۔

(فان صاحب الجنۃ یختم لہ بعمل اھل الجنۃ) کہ بیشک جنتی بندے کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا۔ (وان عمل ای عمل) اگرچہ زندگی بھر وہ کوئی سا نیک یا برا عمل کرتا رہا ہو۔ آخر کار اس کا خاتمہ نیک عمل پر ہوگا۔ (وان صاحب النار یختم لہ بعمل اھل النار وان عمل ای عمل) اور دوزخی کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوگا۔ چاہے زندگی میں وہ کوئی سا عمل کرتا رہا۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدیہ) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔ قول کا لفظ اشارہ کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور احادیث میں یہ لفظ اشارہ کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے چنانچہ کہتے ہیں قال بیدہ قال براسہ وقال برجلہ یعنی اس نے اپنے ہاتھ یا سر یا پاؤں سے اشارہ کیا وغیرہ۔ (فنبذھما) پھر دونوں کتابوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے پس پشت پھینک دیا۔ نبذ کا معنی لغت میں کسی چیز کو ہاتھ سے اپنے آگے یا پیچھے پھینکنے کا آتا ہے۔ یہاں اس لفظ کی تفسیر پس پشت پھینک دینے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ لوگوں کے جملہ امورات ازل کے روز سے ہی فیصل ہو چکے ہیں اور ان سے فراغت ہو چکی ہے۔ (ثم قال) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فرغ ربکم من العباد) یعنی تمہارا پروردگار لوگوں کے کاموں سے فارغ ہو چکا ہے۔ اور ان سے متعلقہ جملہ احکام پہلے سے مکمل کر دیے ہیں۔ (فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر) ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔

۹۰۔ وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا وَ دَوَاءً نَتَدَاوٰی بِہٖ وَتُقَاۃً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ شَیْئًا قَالَ ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ۔

حضرت ابوخزامۃ رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بتائیں یہ دم جھاڑ جو ہم کرتے ہیں۔ یا دوا جس سے علاج کرتے ہیں۔ یا جو ہم پناہ ڈھونڈتے ہیں یہ کام اللہ کی تقدیر کو پھیر سکتے ہیں۔ فرمایا یہ کام بھی تقدیر میں داخل ہیں۔

شرح:۔ (وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ) بکسر خائے معجمہ زاء۔ تابعی ہیں۔ ان سے مروی حدیث دم جھاڑ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ایک ابوخزامۃ صحابی ہیں ان سے مروی حدیث دم جھاڑ کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ جامع الاصول میں مذکور ہے۔ یہ ابوخزامۃ تابعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ (قال قلت) وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی (یا رسول اللہ ارأیت رقی نسترقیھا) اے پیغمبر خدا ہمیں خبر دیں دم جھاڑ کے بارے میں جو ہم کرتے ہیں۔ رقی بضم راء و فتح قاف۔ رقیہ بضم راء سکون قاف کی جمع ہے یعنی دم جھاڑ جو پھونک سے کرتے ہیں۔ یا تعویذ جو گلے اور بازو میں

باندھتے ہیں۔ ان کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ قرآن مجید یا منقول و ماثور دعاؤں سے ہو تو درست ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ یہ مسئلہ کتاب الطب والرقی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو گا۔ (ودواءً نتداوی) اور ہمیں دوا کے بارے میں بتائیں جس سے ہم بیماریوں کا علاج کرتے ہیں (وتقاۃ نتقیھا) یا مختلف اوقات ضرورت میں ہم لوگ جو پناہ ڈھونڈتے اور احتیاط و پرہیز کرتے ہیں۔ اور ڈھال و زرہ وغیرہ کے ذریعے دشمن کے حملہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ھل ترد من قدر اللہ شیئًا) یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی قضا و قدر میں سے کسی چیز کو ٹال سکتی ہیں۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ھی من قدر اللہ) یہ چیزیں بھی قضا و قدر الٰہی میں سے ہیں۔ چنانچہ اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر میں طے ہو چکا ہے کہ ان کے ذریعے اللہ شفا بخشے گا اور اسباب سے پناہ حاصل ہو گی۔ تو ایسا ہی میسر آتا اور رونما ہوتا ہے۔ اور تقدیر کی اسباب و شرائط سے کوئی منافات نہیں۔ اسباب و شرائط سب تقدیر میں داخل ہیں تقدیر ان سب کو شامل و محیط ہے۔ اور کوئی چیز اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

۹۱ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِئَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ۔ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْكُمْ عَزَمْتُ عَلَیْكُمْ اَنْ لَّا تَتَنَازَعُوْا فِیْهِ۔

رواہ الترمذی، و روی ابن ماجۃ نحوہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسے وقت میں تشریف لائے کہ ہم لوگ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے۔ تو آپ غصہ میں آگئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ گویا آپ کے دونوں رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں (اسی غصے کی حالت میں) فرمایا کیا تمہیں ایسا کرنے کو کہا گیا ہے۔ کیا مجھے اس لیے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم سے پہلے لوگ اس وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس تقدیر میں جھگڑا شروع کیا۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں جھگڑا اور تنازع نہ کرو۔ ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور اس کی مانند ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت کیا۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتکدہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ (ونحن نتنازع فی القدر) اس وقت ہم لوگ آپس میں مسئلہ قضاء و قدر میں بحث و جھگڑا کر رہے تھے۔ کہ وہ کیا اور کس طرح ہے (فغضب حتی احمر وجھہ) تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ (حتی کانما فقئ علی وجنتیہ حب الرمان) اس حد تک کہ چہرہ انور سرخ ہو گیا کہ گویا آپ دونوں رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں۔ (فقال ابھذا امرتم) فرمایا تمہیں یہ تنازع اور جھگڑا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ام بھذا ارسلت الیکم) یا مجھے ایسے جھگڑوں کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ یعنی تمہیں فرمانبرداری اور عبادت کرنے کا حکم ہے اور مجھے طاعت و عبادت کی تبلیغ کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ قضاء و قدر میں بحث کرنا میرے پیغام میں شامل نہیں ہے۔ وہ ایک راز الٰہی ہے اسے اسی پر چھوڑ دو۔ اور عمل میں مشغول ہو جاؤ۔ اور اس کی قضا اور فیصلوں پر راضی رہو۔ (انما ھلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ھذا الامر) بیشک تم سے پہلے لوگ اس وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس (مسئلہ تقدیر) میں جھگڑا شروع کیا (عزمت علیکم عزمت علیکم) میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ یا میں تم پر واجب و لازم کرتا ہوں کہ (ان لا تتنازعوا فیہ) اس بارے میں جھگڑا اور تنازع نہ کرو۔ (رواہ الترمذی) روایت کیا اس حدیث کو ان الفاظ سے ترمذی نے۔ (وروی ابن ماجۃ نحوہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) اور روایت کی ابن ماجہ نے اس کی مانند حدیث عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے۔

محدثین کرام نحوہ کا لفظ وہاں لاتے ہیں جہاں دونوں حدیثیں معنیً متحد اور لفظاً متغائر ہوں اور جہاں دو حدیثیں معنیً و لفظاً دونوں طرح متحد ہوں وہاں بفظ مثلہ لاتے ہیں جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا۔

۹۲۔ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْأَرْضِ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيْثُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مشت خاک سے پیدا فرمایا جو اس نے ساری زمین سے لی تھی۔ تو آدم کی اولاد بھی زمین کے مطابق ہے کہ کوئی ان میں سے سرخ رنگ کا کوئی سفید رنگ کا کوئی کالے رنگ کا ہے۔ اور کوئی درمیانے رنگ کا۔ پھر ان

وَالطَّیِّبُ رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد۔ میں سے کوئی نرم طبیعت اور کوئی سخت طبیعت ہے۔ اور کوئی بدمزاج ہے اور کوئی طیب اور پاکیزہ مزاج ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی موسیٰ) رضی اللہ عنہ (قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا (ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مشتِ خاک سے پیدا فرمایا۔ صراح میں ہے قبضۃ بضم ہر چیز کی ایک مٹھی۔ اور قاف کے فتح سے بھی آیا ہے۔ یہاں ایک مشتِ خاک مراد ہے۔ یعنی وہ مشتِ خاک ساری زمین اور ہر جگہ سے لی یعنی فرشتے کو ساری زمین پر سے ایک مشت خاک اٹھانے کا حکم دیا۔ (فجاء بنو ادم علی قدر الارض) تو آدم کی اولاد اندازہ زمین کے مطابق عالم وجود میں آئی۔ اور صورت و سیرت میں مختلف اجزائے زمین کے مطابق پیدا ہوئی۔ (منھم الاحمر والابیض والاسود وبین ذلک) کہ ان میں سے کچھ سرخ رنگ کے کچھ سفید رنگ والے کچھ کالے اور کچھ سرخ و سفید اور سیاہ کے درمیان رنگ والے ہیں۔ (والسھل والحزن) اور بعض نرم طبیعت اور بعض سخت مزاج ہیں سُہُل بفتح سین وسکون ھاء وکسر ھاء ہر چیز جو نرمی کی طرف مائل ہو۔ اور نرم زمین۔ حَزْن کی ضد۔ حَزْن زاء کے فتح اور سکون کے ساتھ سخت زمین۔ (والخبیث والطیب) اور بعض پلید اور بعض پاک طینت ہیں۔ خبیث وہ زمین جو شور ہو اور اس میں کچھ نہ اگتا ہو طیب وہ زمین جو زرخیز ہو اور ہر چیز اس میں اگتی ہو۔ یعنی خبیث کی ضد یہ چار باطنی صفات ہیں اور پہلی چار ظاہری صفات ہیں۔

۹۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْھِمْ مِّنْ نُّوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَہٗ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ۔ (رواہ احمد والترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ روشنی ڈالی۔ پس جسے اس نور میں سے کچھ نصیب ہو گیا وہ ہدایت پا گیا۔ اور جسے اس نور میں سے کچھ نہ ملا وہ گمراہ ہو گیا۔ اس وجہ سے میں کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم تقدیر سب کچھ لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

شرح:۔ (وعن عبداللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ بیشک اللہ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ (فالقی علیھم من نورہ) پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ ڈالا۔ (فمن اصابہ من ذالک النور اھتدی) تو جسے اس نور میں سے کچھ حصہ مل گیا وہ ہدایت پا گیا اور اسے راہ راست نصیب ہو گیا۔ اور وہ ایمان و طاعت کے مقام کو پہنچ گیا۔ (ومن اخطاءہ ضل) اور جسے اس نور میں سے حصہ نہ ملا گمراہ ہو گیا اور ایمان و طاعت کے مقام سے محروم رہا۔ (فلذالک اقول جف القلم علی علم اللہ ـ) اسی وجہ سے میں کہتا ہوں۔ کہ قلم خشک ہو چکا ہے۔ اور اللہ کی تقدیر اس کے مطابق چل چکی ہے جو وہ مخلوق کے حالات ہدایت و گمراہی کو ازل میں جانتا تھا۔

شارحین فرماتے ہیں یہاں خلق سے جنات اور انسان مراد ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف انسان مراد ہوں۔ اور ظلمت سے نفس کی خواہشات اور طبیعت بشری کی شہوات مراد ہیں جن کے ساتھ انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ جو انسان کی گمراہی اور اس کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہیں۔ اور نور حق سے وہ نور مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کے اندر اور سارے جہاں میں عقلی و نقلی روشن نشانیوں اور واضح دلیلوں کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ اور اس نور کے پانے سے ان مذکورہ دلائل و براہین سے عبرت پکڑنے، ان سے نفع حاصل کرنے اور وجود باری تعالیٰ اور اس کی صفات اور حقیقت دین اسلام پر استدلال کرنا مراد ہے۔ تو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اسے ہدایت دے۔ اور ان انوار و دلائل سے ہدایت حاصل کرے اور نفع اٹھائے، اس نے راہ راست پالیا۔ اور جس کے لیے نہ چاہا کہ ہدایت پائے اور اس روشنی سے محروم کر دے تو وہ گمراہ ہو گیا جیسا کہ فرمایا:۔

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا۔　　کیا اور وہ شخص جو مردہ تھا تو ہم نے اسے زندگی بخشی اور اسے روشنی عطا کر دی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ　　کیا پس وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ روشنی سے مستفید ہے۔

تو معلوم ہو گیا کہ ہدایت و گمراہی حق تعالیٰ کی مشیت اور اس ذات جل و علا کی تقدیر سے ہے۔

سوال:۔ اگر کہا جائے کہ مخلوق کو تاریکی کے اندر کس وقت پیدا کیا۔ اگر اس سے وہ وقت مراد ہے جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا تو اس وقت سب ہدایت پر تھے۔ اور سب نے اس وقت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس وقت گمراہی کا اثر کوئی ظاہر نہ تھا۔ اور اگر ماؤں کے شکموں سے پیدا ہونے

کا وقت مراد ہے تو اس وقت بھی سب کے سب نورِ فطرت سے روشن و منور رہتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ الست کے دن بعض نے ربوبیت حق کا اقرار رضا و رغبت سے کیا تھا اور بعض نے یہ اقرار غلبہ ہیبت جلال حق کے تحت مجبوراً کیا تھا۔ تو جن خوش نصیب حضرات نے یہ اقرار رغبت و شوق سے کیا۔ ان پر نورِ ہدایت ڈالا۔ اور انہوں نے اس نور کو پا لیا۔ مگر جنہوں نے شوق و رغبت سے نہیں بلکہ جبر و اکراہ کے تحت اقرار کیا وہ اس سے محروم رہ گئے۔ اور فطرت سے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے، راہِ حق پا لینے کی استعداد و قوت مراد ہے۔ جب انسان صحیح غور و فکر سے کام لے۔ اور اس میں نفس و طبیعت کی ظلمت و تاریکی کے موجود ہونے سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کہ انسان روحانیت کی حیثیت سے رشد و ہدایت کے لیے تیار رہتا ہے اور نفسانیت کی حیثیت سے سرکشی و گمراہی کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ اور حد بلوغت کو پہنچنے پر خدا تعالیٰ کی توفیق سے نظر و فکر صحیح کے نصیب ہونے، نور کے القاء ہونے اور اس ذات پاک کی طرف سے روحانیت کی جانب ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ بصورتِ دیگر وہ نفس امارہ کے تابع اور تاریکی و گمراہی کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔ اور پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ انسان کے فطرت پر پیدا ہونے سے بھی پہلے قضا و قدر کے فیصلے ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث تقدیر ازلی اور علم و ارادہ الٰہی کے سب سے پہلے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیثِ فطرت کے ساتھ اس کا کوئی تعارض و تناقض نہیں خوب سمجھ لے۔ وباللہ التوفیق۔

۹۴۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِکَ وَبِمَا جِئْتَ بِہٖ فَھَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگتے تھے۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک اے دلوں کو پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر مضبوط کر دے۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم آپ پر ایمان لائے اور اس دین پر ایمان لائے جو آپ لے کر آئے ہیں کیا آپ کو ہمارے متعلق ڈر ہے۔ فرمایا ہاں بیشک تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔

شرح: (وعن انس رضی اللہ عنہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ یا

مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك (اے دلوں کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر ثابت اور مضبوط رکھ) بظاہر حضور علیہ السلام نے دل کی اضافت اپنی ذات شریف کی طرف کی مگر حقیقت میں یہ دعا امت کے لیے ہے۔ کہ آپ تو مامون العاقبۃ اور محفوظ القلب ہیں۔ اسی طرح تمام دعاؤں میں اشارہ و کنایہ کے طریقہ پر امت کو تعلیم و تلقین مقصود ہے۔ اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کی (فقلت یا نبی اللہ امنا بك وبما جئت بہ) یارسول اللہ ہم آپ پر اور جو دین آپ لے کر آئے ہیں ایمان لائے (فھل تخاف علینا) کیا آپ کو ہمارے دین و ایمان کے چھن جانے کا ڈر اور خطرہ ہے اور اس میں فتور و خلل اور نقصان واقع ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے آپ یہ دعا کرتے ہیں (قال نعم) آپ نے فرمایا ہاں مجھے تمہارے بارے میں اس کا اندیشہ ہے۔ (ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ) کیونکہ تمام دل اللہ کے تصرف اور اس کی قدرت کے تحت ہیں (یقلبھا کیف یشاء) انہیں پھیرتا جس طرح چاہتا ہے۔

۹۵۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ۔ رواہ احمد

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دل کا حال جنگل کی زمین میں پڑے ہوئے پر کی طرح ہے جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں۔

شرح: (وعن ابی موسی) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مثل القلب) الٹ پلٹ ہونے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنے میں دل کا حال اور اس کی مثال (کریشۃ بارض فلاۃ) جنگل کی زمین میں پڑے ہوئے ایک پر کی طرح ہے (یقلبھا الریاح ظھرا لبطن) کہ اسے مختلف ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں اور اس کے اوپر کے حصے کو نیچے اور نیچے والے کو اوپر کرتی رہتی ہیں۔ بالکل اسی طرح دلوں کو بھی خواطر و حوادث جو قضاء و قدر الٰہی کے تحت عارض ہوتے ہیں پھیرتے رہتے ہیں۔

۹۶۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں مجھے اس نے حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ اور موت پر ایمان لائے۔ اور موت

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ) کے بعد اٹھنے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

شرح:۔ (وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا یومن عبد حتی یومن باربع) کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ پہلی چیز دل سے ایمان لانا اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (بعثنی بالحق) اس نے مجھے تمام لوگوں کی طرف حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ (ویومن بالموت) دوسری بات یہ ہے کہ موت پر ایمان لائے۔ یعنی دنیا کے فنا ہو جانے اور اس کے تمام اجزاء کے ساتھ ہلاک ہو جانے پر ایمان لائے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ موت کا ورود پروردگار تعالی کے حکم سے ہوتا ہے۔ طبیعت اور فساد مزاج کے باعث نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دہریہ کا عقیدہ ہے)۔ یا موت پر ایمان رکھنے کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا مراد ہے۔

(والبعث بعد الموت) تیسری چیز اس پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی لوگوں کے مرنے کے بعد دوبارہ انہیں اٹھائے گا اور زندہ کرے گا۔ (ویومن بالقدر) چوتھی چیز تقدیر الہی پر ایمان لانا کہ ازل میں ہی تمام کائنات جواہر ہوں یا اعراض ذوات ہوں یا صفات ابد تک سب کی تقدیر و تعین ہو چکی ہے۔

۹۷۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ نَصِيْبٌ الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے دو قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ ایک مرجئہ اور دوسرے قدریہ۔

شرح:۔ (وعن ابن عباس) رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ والقدریۃ) کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں دو قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ ایک مرجئہ دوسرے قدریہ۔

مُرجِئہ ہمزہ کے ساتھ ارجاء بمعنی تاخیر سے مشتق ہے۔ ہمزہ کے بغیر بھی ایک لغت ہے۔ اور یہ وہ گروہ ہے جو عمل کو ضروری قرار نہیں دیتا صرف زبان سے ایمان لانے کو کافی جانتا ہے۔ انہیں مرجئہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ عمل کو موخر گردانتے اور اسے ساقط دیے وقعت تصور کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء اس پر ہیں کہ مرجئہ فرقہ جبریہ کا

نام ہے۔ جبر کہتے ہیں کہ بندہ کوئی فعل نہیں کر سکتا۔ اور اسے عمل میں کوئی دخل نہ اختیار نہیں اور اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا ایسے ہے جیسے جمادات کی طرف کسی فعل کی نسبت کرنا۔ جیسے کہتے ہیں چکی چل پڑی اور نہر جاری ہو گئی۔ اس فرقہ کو مجبرہ بھی کہتے ہیں۔ قدریہ قدر کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تقدیر کے منکر ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق اور اپنے کام کا خود کارساز ہے۔ پہلے سے کوئی قضاء و قدر متعین نہیں ہے۔ قَدَرِیَّۃ دال کے فتح کے ساتھ۔ جبریہ میں حرف با کو بھی قدریہ سے ہموزن کرنے کے لیے مفتوح پڑھتے ہیں۔ مگر اصل جَبْر کی طرف نسبت کی بنا پر سکون باء ہے۔ صاحب کشاف مذہب اعتزال و قدریں تعصب کی بنا پر اہل سنت کو مرجیہ اور جبریہ کہتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اہل سنت عمل کو حقیقت ایمان سے خارج مانتے ہیں۔ اور بندے کو اپنے افعال کا خالق نہیں جانتے مگر صاحب کشاف کا یہ بیان غلط ہے۔ کیونکہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان تصدیق و اقرار دونوں سے عبارت ہے۔ عمل کو کمال ایمان کا سبب قرار دیتے ہیں۔ اور محض قول بلا عمل کے قائل نہیں ہیں۔ ان اہل سنت کا مذہب جبر و قدر کے درمیان ہے۔ جیسا کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ولکن امر بین امرین۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس طرح کی احادیث مرجیہ اور قدریہ کی تکفیر میں صریح ہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ جو اہل بدعت و ہوا کسی تاویل کی بنیاد پر کسی عقیدے کو اختیار کرتے ہیں انہیں کافر قرار دینے میں جلدی نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے خیال میں کفر اختیار نہیں کرتے اور نہ کفر پر راضی ہیں۔ بلکہ تاویل کے ذریعے کفر سے دور بھاگتے اور کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور حق کے پانے میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود یہ لوگ خطا میں پڑ گئے۔ اور حق کو نہ پا سکے۔ اور لزوم کفر و التزام کفر میں فرق ہے۔ اس بارے میں علماء امت کا مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ اور ہمیں اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ ان کے بارے میں وارد ہے اور ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے زجر و ڈانٹ اور انہیں گمراہ قرار دینے میں مبالغے کے طور پر وارد ہے۔ پھر ان احادیث کی صحت میں بھی بعض علماء حدیث نے چون و چرا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِي اُمَّتِي خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ۔ رواہ ابو داؤد وروی الترمذی نحوہ

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ میری امت میں زمین میں دھنسا اور شکلوں کا بگڑنا واقع ہو گا۔ اور یہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہو گا۔

شرح:۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

انہوں نے کہا(سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ(یکون فی امتی خسف ومسخ) میری امت میں خسف اور مسخ واقع ہوگا۔خسف زمین میں دھنسا دینا۔ مسخ۔ایک شکل سے دوسری بدتر شکل میں تبدیل کر دینا۔(وذلک فی المکذبین بالقدر)اور یہ خسف ومسخ تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کرنے والوں میں ہوگا۔یہاں سے معلوم ہوا کہ قدریہ اس فرقے کا نام ہے جو تقدیر کا منکر ہے۔نہ کہ ان لوگوں کا نام ہے جو تقدیر کو ثابت مانتے ہیں۔جیسا کہ تعصب کی بنا پر قدریہ فرقہ کے لوگ ہم اہل سنت کے لیے کہتے ہیں یہ نام تمہارے لیے زیادہ مناسب و بہتر ہے۔ خذلهم اللہ تعالیٰ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں کی طرح اس امت میں بھی خسف ومسخ واقع ہوگا۔ایک حدیث میں واضح طور پر آچکا ہے کہ یہ خسف و مسخ آخر زمانہ میں واقع ہوگا۔جیسا کہ کتاب الفتن کے باب الملاحم میں آئے گا۔اور کچھ علماء نے یہ تاویل کی ہے۔کہ اگر اس امت میں خسف ومسخ واقع ہوتا ہوتا تو اس فرقہ قدریہ میں واقع ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۹۹ - وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَّرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَّاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ (رواہ احمد وابو داؤد)

انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ فرقہ کے لوگ اس امت کے مجوسی ہیں جب وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو۔اور جب مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔

شرح:- (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریہ مجوس ھذہ الامۃ) اور انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرقہ قدریہ کے لوگ جو تقدیر کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس امت کے مجوسی ہیں۔یعنی ملت اسلام میں ان کا حال اور اعتقاد مجوسیوں کے حال واعتقاد کے مشابہ ہے جو بہت سے خداؤں کے قائل ہیں۔اور دو قادر تسلیم کرتے ہیں۔ ایک کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں۔ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر ہے۔بعض علماء نے قدریہ کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قدریہ کا حال مجوسیوں سے بھی بدتر ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لاتعداد شریک ثابت کرتے ہیں۔

(ان مرضوا فلا تعودوھم) اگر یہ لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ (وان ماتوا فلا تشھدوھم) اور اگر مر جائیں تو ان کے پاس نہ جاؤ۔یعنی ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو۔یعنی ان کی زندگی اور

موت کی کسی حالت میں ان کے بارے میں حقوقِ اسلامی کی رعایت اور لحاظ نہ کرو۔

۱۰۰۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر کے ساتھ نہ تو مجلس کرو اور نہ ان کو اپنا حاکم بناؤ۔

شرح:۔ (وعن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجالسوا اھل القدر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر کی مجلس نہ کرو۔ (ولا تفاتحوھم) اور نہ انہیں اپنا حاکم بناؤ۔ تفاتحوا فتح بمعنی حکم سے مشتق ہے۔ جیساکہ آیہ کریمہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے) میں فتح بمعنی حکم آیا ہے۔

حاکم کو فاتح کہتے ہیں اسم فتاح کی تفسیر میں جو اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ علماء نے یوں کہا ہے لوگوں کے لیے رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والا۔ اور ان کے درمیان حکم و فیصلہ کرنے والا۔

بعض نے تفاتحوھم سے ان سے مجادلہ و مناظرہ اور ان کے اعتقاد میں بحث و نزاع میں پہل کرنا مراد لیا ہے یعنی تم ان سے بحث و مناظرہ کی ابتداء نہ کرو۔ کہ اس سے شکوک و شبہات کو انگیخت ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ و سلامتی متعصب اہل بدعت کے ساتھ جو انسان کے عقیدے کو نقصان پہنچاتے ہیں، مجادلہ و مباحثہ نہ کرنے میں ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ان سے گفتگو کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ اور نہ ان سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ یہ معنی حضور علیہ السلام کے قول مبارک لا تجالسوا کے زیادہ مناسب ہے۔ اور اس میں شدت و سختی سے ان کی مجلس اور ان سے دوستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ خصوصاً ان سے بحث و جدال اور قیل و قال کرنے سے۔

۱۰۱۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرُمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ اور اللہ نے اور ہر مقبول الدعا نبی نے لعنت کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ بڑھانے والا۔ اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ جبر کے ساتھ اقتدار پر قبضہ کرنے والا تاکہ جسے اللہ نے ذلیل کیا ہے وہ اسے عزت دے اور جسے اللہ نے عزت عطا کی ہے وہ اسے ذلیل کرے اور حرم شریف کو حلال جاننے والا۔ اور میری اولاد

وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ۔ رواہ البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ۔ کے بارے میں جو چیز اللہ نے حرام کی ہے اسے حلال جاننے والا۔ اور میری سنت کا تارک۔

شرح:۔ (وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ستۃ لَعَنْتُهُمْ) چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ (ولعنھم اللہ) اور اللہ بھی ان پر لعنت کرے۔ اس ترجمہ کے مطابق یہ جملہ دعائیہ ہوگا۔ یا جب حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے ان پر لعنت کی ہے تو گویا کسی نے سوال کیا آپ نے ان پہ کیوں لعنت کی ہے اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیونکہ اللہ نے بھی ان پر لعنت کی ہے۔ اہل عرب اس طرح کے کلام کو کلام استینافی کہتے ہیں۔ (وکل نبی یجاب) اور ہر مقبول الدعا نبی نے ان پر لعنت کی ہے یہ الگ جملہ ہے جو ان پہ لعنت کے مضمون کی تاکید و تقریر کے لیے لایا گیا ہے۔

(الزائد فی کتاب اللہ) ان چھ افراد میں سے ایک وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں کچھ بڑھانے والا ہو۔ یعنی اس میں ایسی چیز کا اضافہ کرنے والا جو اس میں نہ ہو۔ یا اس کے لفظ یا معنی میں تحریف کرنے والا۔ جیسا کہ اہل کتاب نے کیا۔ پس کتاب اللہ سے جنس کتاب مراد ہوگی قرآن ہو یا دوسری آسمانی کتاب۔ بعض علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کتاب اللہ سے اس کا حکم مراد ہو۔ اور کتاب سے حکم مراد لینا درست اور شائع و عام ہے۔ جس طرح کُتِبَ بمعنی فُرِضَ آتا ہے۔

(والمکذب بقدر اللہ) دوسرا وہ شخص ہے کہ تقدیر الٰہی کو جھٹلاتا۔ اور اس کا انکار کرتا ہے جیسا کہ فرقہ قدریہ۔

(والمتسلط بالجبروت) تیسرا وہ شخص جو از راہ عظمت و تکبر لوگوں پر تسلط اور قہر و غلبہ حاصل کرے۔ (لیعز من اذلہ اللہ) تاکہ جسے اللہ نے ذلیل و خوار کیا ہے اسے عزت و مرتبہ عطا کرے۔ (ویذل من اعزہ اللہ) اور جسے اللہ نے عزت و شان عطا کی ہے۔ اسے ذلیل و خوار کرے۔ اس سے ظالم سلاطین و امراء مراد ہیں جو خواہش نفس اور ظلم و جور کے تحت کفار و فساق اور جہلاء کو عزیز جانتے ہیں، اور اہل اسلام، صلحاء اور علماء کو ذلیل و خوار جانتے ہیں۔

(والمستحل لحرم اللہ) چوتھا شخص اللہ تعالیٰ کے حرم مکہ کو حلال جاننے والا۔ مکہ اور اس کے ارد گرد معین جگہ کو حرم اور اس سے باہر کے علاقے کو حل کہتے ہیں۔ حِل بکسر حاء۔ حدود حرم کاموں میں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شکار کرنا۔ درخت کاٹنا وغیرہ انہیں حلال جاننے والے کو مستحل کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں حُرُمِ اللہ کا لفظ آیا ہے۔ حُرُم حرمت کی جمع۔ یعنی ان چیزوں کو حلال جاننے والا جو حرام ہیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے حُرُم پڑھنا غلط و تصحیف ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی روایت ہے جنہیں علم روایت میں مہارت نہیں۔ یعنی ان کی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

بلکہ انہوں نے اپنے قیاس سے محرّمُ اللہ کو محرّمُ اللہ بنا دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(والمستحل من عترتی ما حرم اللہ) پانچواں وہ شخص جو میری اولاد میری قوم و قبیلہ اور میرے اہل و عیال کے ساتھ وہ کچھ حلال جانے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کرنا حرام قرار دیا ہے یعنی انہیں تکلیف دے۔ ان کی تعظیم نہ کرے۔ اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے۔ اگرچہ ہر قسم کے حرام کو حلال جاننا زجر و سزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔ چاہے خدا تعالیٰ و تقدس کے حرم شریف سے تعلق رکھتا ہو۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سے یا اور چیزوں سے لیکن حضور علیہ السلام کی عزت سے متعلق حرام شدہ امور کو حلال جاننا نہایت سخت اور برا ہے۔ اس لیے زیادہ اہتمام، حرام سمجھنے کی زیادہ تاکید اور زیادہ شرف اور حق و تعظیم اور حرمت کا بہت زیادہ خیال رکھنے کے لیے خصوصیت سے اس کی وصیت فرمائی۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا من عترتی میں "من" بیانیہ ہے۔ یعنی جو شخص میری اولاد اور میرے اہل قرابت میں سے کسی چیز کو حلال جانے گا وہ عتاب اور سزا کا زیادہ مستحق ہو گا۔ کہ جسے میرا اشرف فرزندی حاصل ہو اور میرے ساتھ تعلق قرابت ہونے کے باوجود حرام کاموں کا مرتکب ہو۔ تو وہ سخت گرفت اور سزا کا مستوجب ہو گا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں آیا ہے۔ کہ اے پیغمبر کی بیویو تم میں جو بھی فحش کام اور بدکاری کا ارتکاب کرے گی اسے دگنا عذاب ہو گا۔ اس میں شرفاء و سادات کرام کو تنبیہ ہے کہ محرمات کے قریب نہ جائیں اور نافرمانی اختیار نہ کریں۔ اور عزت سیادت کا پردہ چاک نہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے تعلق کے غیر مناسب کسی فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ اور حضور علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری سے مغرور اور دھوکے میں نہ آئیں۔ بیت

شرمے از روئے خوب خویش بدار   که بداں روئے کار زشت کنی

عجب جمیلی و جلیلی عجب ملیح و صبیحی   ولے چہ سود کہ قدر جمال خویش ندانی

تجھے اپنے خوبصورت چہرے سے شرم آنی چاہیئے۔ کہ ایسا چہرہ رکھتے ہوئے ایسے برے کام کرتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تو عجیب جمیل و جلیل اور عجیب خوبصورت و صاحب جمال ہے لیکن اس کا کیا فائدہ اگر تو اپنے جمال کی قدر نہ کرے۔

(والتارك لسنتی) چھٹا شخص وہ ہے۔ جو میری سنت کا تارک اور بدعت اختیار کرنے والا ہے۔ ترک سنت اگر اسے ہلکا جانتے اس کی اہانت اور اسے کچھ نہ سمجھنے کی بنا پر ہو تو کفر ہے اس مفہوم کے مطابق لعنت اپنے حقیقی معنی پہ محمول ہو گی۔ اور اگر اس میں سلسل کوتاہی اور سستی اور معصیت کے ارتکاب کی بنا پہ ہو تو لعنت زجر، شدت اور مقام

قرب و عزت سے دور ہونے پر محمول ہوگی۔ اور اگر کبھی کبھار سنت چھوٹ جائے تو معصیت میں شمار نہ ہوگی۔ اور محرمات وغیرہ کو حلال جاننے میں بھی یہی تفصیل ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اس حدیث کو بیہقی نے مدخل میں جو اس کی کتاب کا نام ہے اور امام رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

۱۰۲۔ وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً۔ (رواہ احمد والترمذی)

اور حضرت مطر بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے فلاں زمین میں موت آئے۔ تو اس کے لیے اس زمین کی طرف کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن مطر بن عکامس) رضی اللہ عنہ عکامس بضم عین و تخفیف کاف و کسر میم و سین مہملہ۔ آپ کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ آپ کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔ آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے آپ کے صحابی ہونے کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ ان مطر بن عکامس سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اذا قضی اللہ بعبد ان یموت بارض) جب اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں بندے کی موت فلاں زمین میں واقع ہو۔ (جعل لہ الیہا حاجۃ) تو اس بندے کا کام اس زمین کی طرف پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کام کے پیچھے وہ بندہ اس زمین میں جائے۔ اور وہیں اس کی موت آ جائے۔ بیت

زکویش میروم باصد ہزاراں محنت وزاری نمیدانم کہ رزقی میدواندیا اجل مارا

میں اس کی گلی سے ہزار محنت اور افسوس و زاری سے جا رہا ہوں۔ یہ علم نہیں کہ ہمیں رزق دوڑا رہا ہے یا موت

۱۰۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ۔ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔ (رواہ ابوداود)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہتی ہیں میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حال ہے۔ جنت میں ہیں یا دوزخ میں فرمایا ان کا حکم وہی ہے جو ان کے باپوں کا ہے۔ میں نے عرض کیا بغیر عمل کے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے۔ میں نے عرض کیا مشرکین کی نابالغ اولاد کا کیا حکم ہے۔ فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں میں نے عرض کیا بغیر عمل کے ہی فرمایا اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ) رضی اللہ عنہا۔ (قالت قلت) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں نے کہا۔ (یارسول اللہ ذراری المسلمین) مسلمانوں کے مردہ بچوں کا کیا حال ہے وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔ ذراری ذریت کی جمع ہے جس طرح براری بریت کی جمع ہے۔ (قال من ابائھم) فرمایا وہ اپنے باپوں میں سے ہیں۔ یعنی ان کا حکم وہی ہے جو ان کے باپوں کا حکم ہے۔ کہ جنت میں ان کے ساتھ ہونگے (فقلت) میں نے کہا۔ (یارسول اللہ بلا عمل) یارسول اللہ عمل کے بغیر ہی بہشت میں جائیں گے۔ یعنی انہوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا تو جنت میں کس طرح جائیں گے (قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین) فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے یہ قضاو قدر الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ جب حضرت عائشہ نے تعجب کیا کہ عمل کے بغیر ہی وہ جنت میں کیسے جائیں گے۔ فرمایا تعجب نہ کر کہ اگر چہ ان بچوں کا بالفعل کوئی عمل خیر نہیں ہے مگر ممکن ہے تقدیر الٰہی میں ان کا کوئی عمل ہو۔ اور اس کے مطابق تقدیر الٰہی جاری ہو چکی ہو۔ (قلت) میں نے کہا۔ (فذراری المشرکین) مشرکین کے بچوں کا کیا حکم ہے۔ (قال من ابائھم) فرمایا وہ بھی اپنے باپوں سے اور ان کے حکم میں ہیں۔ (قلت بلا عمل قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین) فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے اس جملے پر مفصل کلام گزشتہ ایک حدیث کی شرح میں گزر چکا ہے۔

۱۰۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَائِدَۃُ وَ الْمَوْءٗدَۃُ فِی النَّارِ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زندہ درگور کرنے والی عورت اور زندہ درگور کی گئی لڑکی دونوں دوزخ میں جائیں گی۔

شرح:۔ (وعن ابن مسعود) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوائدۃ و الموءدۃ فی النار) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے فرزند کو زندہ درگور کرنے والی عورت۔ اور یہ کام اکثر عورتیں کرتی تھیں۔ موءدۃ۔ زندہ درگور کی گئی لڑکی۔ اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ زندہ درگور کرنے والی عورت کا اس کے کفر کی وجہ سے دوزخی ہونا تو درست ہے۔ لیکن زندہ درگور کی گئی لڑکی جو نابالغ ہے اور اس نے کوئی گناہ نہیں کیا نہ کفر اختیار کیا۔ کیوں دوزخ میں جائے گی۔ اس اشکال کے جواب میں علماء متعدد توجیہات بیان کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ

زندہ درگور کی گئی لڑکی اطفال مشرکین میں سے ہونے کی بنا پر دوزخی ہے۔ اس کا دوزخ میں جانا قضاء و قدر کے حکم کے تحت ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون دوسری احادیث میں آچکا ہے۔ اسی اعتبار سے صاحب مصابیح نے یہ حدیث اس باب میں درج کی ہے۔ اور جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں نہ جائیں گے وہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وائدۃ سے دایہ اور موودۃ سے اس لڑکی کی ماں مراد ہے۔ اور موؤدۃ سے موؤدۃ لہا یعنی جس کی لڑکی کو زندہ درگور کیا گیا وہ مراد ہے۔ کیوں کہ ماں کے حکم سے دائی لڑکیوں کو زندہ درگور کرتی تھی۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے یہ حکم خاص دائدہ اور موؤدۃ سے متعلق ہے۔ اور یہ حکم عالم غیب میں سے ہے۔ دوسروں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اور یہ حضرت خضر کے غلام کی طرح ہے۔ اور ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے موؤدۃ سے ایسی لڑکی مراد ہو جو حد بلوغ کو پہنچ کر کفر اختیار کر چکی ہو۔ تاہم مختصر یہ ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی جس پر یقین و جزم کیا جا سکے۔ اور صحیح مذہب توقف ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۱۰۵۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَغَ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ مِّنْ خَلْقِہٖ مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَمَضْجَعِہٖ وَاَثَرِہٖ وَرِزْقِہٖ۔

(رواہ احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل اپنی مخلوقات کے ہر بندے کی پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس کی اجل سے اس کے عمل سے اس کی جائے۔ بائش سے۔ اس کی حرکات و سکنات سے اور اس کے رزق سے۔

شرح:۔ (عن ابی الدرداء) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل فرغ الی کل عبد من خلقہ من خمس) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل اپنی مخلوقات میں اپنے ہر بندے کی پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے اور اس کی تقدیر اس کے ہر بندے کی پانچ چیزوں کے متعلق مکمل ہو چکی ہے۔ اور جب کہ فراغت اللہ عزوجل کے لیے محال اور ناممکن ہے۔ اس لیے اس سے اس کی تقدیر میں کسی قسم کی تبدیلی کا نہ ہونا مراد ہے۔ صراح میں فراغ بمعنی کسی کام سے فارغ ہو جانا۔ اس کے بعد اپنے قول مبارک سے وہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔

(من اجلہ وعملہ ومضجعہ واثرہ ورزقہ) فارغ ہو چکا ہے اپنے ہر بندے کی اجل سے۔ اور مقرر کر چکا ہے کہ اس کی مدت عمر کتنی ہے۔ اور ہر بندے کے عمل سے فارغ ہو چکا ہے۔ کہ نیک اور بُرے کیا کیا کام کرے گا۔ اور ہر بندے کے مضجع سے فارغ ہو چکا ہے۔ مضجع بفتح جیم۔ لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس پر بندہ اپنا پہلو رکھتا ہے۔ یہاں سکونت اختیار کرنے کی جگہ مراد ہے۔ اثر سے حرکت مراد ہے یا ازل میں ہی تمام بندوں کی حرکات وسکنات مقرر ہو چکی ہیں۔ یا مضجع سے موت کی جگہ اور اثر سے حالت زندگی میں اس کی نقل وحرکت مراد ہے۔ یا مضجع سے اس کا مقیم ہونا اور اثر بمعنی نشان پا سے اس کا سفر اختیار کرنا مراد ہے۔ رزق سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن سے بندہ نفع اور فائدہ اٹھاتا ہے۔

۱۰۶۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْأَلْ عَنْهُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص مسئلہ تقدیر میں تھوڑی سی گفتگو بھی کرے گا قیامت کے دن اس سے اس کا سوال ہوگا اور جس نے اس کے بارے میں گفتگو نہ کی ہوگی اس سے سوال نہ ہوگا۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ) رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتی ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یقول) فرماتے تھے۔ (من تکلم فی شیء من القدر) جو شخص بھی مسائل واحکام قضاء وقدر میں کچھ بھی گفتگو اور بحث کرتا ہے۔ (سئل عنہ یوم القیمۃ) اس سے اس گفتگو اور بحث کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا۔ (ومن لم یتکلم فیہ لم یسأل عنہ) اور جو اس میں بحث وگفتگو نہ کرے گا اس سے سوال نہ ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے اس کلام مبارک سے مقصود مسئلہ قضاء وقدر سے غور وخوض کرنے اور اسے چھیڑنے سے ڈانٹنا اور منع کرنا ہے یعنی اس مسئلہ میں بحث وگفتگو کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اس گفتگو کا یہ نقصان ضرور ہے کہ قیامت کے روز باز پرس ہوگی اور عتاب نازل ہوگا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ بلا چون وچرا اس پر ایمان لائیں۔ اور بحث وگفتگو سے خاموشی اختیار کریں۔ اور عمل میں مشغول ہوں اور اسے نہ کریدیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

۱۰۷۔ وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ

ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ابی بن کعب کے پاس آیا۔ اور ان سے کہا میرے دل میں تقدیر کے

اَلْقَدَرِ فَحَدِّثْنِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُذْهِبَهٗ مِنْ قَلْبِیْ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَیْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَیْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰی تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُصِیْبَكَ وَلَوْ مِتَّ عَلٰی غَیْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ. قَالَ ثُمَّ اَتَیْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَیْتُ حُذَیْفَةَ بْنَ الْیَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَیْتُ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ

متعلق کچھ وسوسے آتے ہیں۔ آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں شاید (اس طرح) اللہ تعالیٰ میرے دل سے وہ وسوسے نکال دے تو حضرت ابی بن کعب نے فرمایا اگر اللہ عزوجل تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا کرتا تو وہ انہیں اس عذاب میں مبتلا کرتے ہیں ظالم نہ ہوتا۔ اور اگر وہ ان پر رحمت کرتا تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوتی۔ اور اگر تو احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں سونا بھی خرچ کر دے تو اللہ اسے قبول نہ کرے گا جب تک کہ تو تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ اور جب تک کہ تو یہ یقین نہ رکھے کہ جو مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ تجھ سے ٹلنے والی نہ تھی اور جو چیز تجھے نہیں ملی وہ تجھے مل ہی نہ سکتی تھی۔ اگر تو اس عقیدے کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔ ابن دیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا تو انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا ابن دیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت حذیفہ بن الیمان کے پاس آیا انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا پھر میں زید بن ثابت کے پاس آیا تو انہوں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حدیث بیان فرمائی۔

شرح:۔ (وعن ابن الدیلمی قال) ابن دیلمی سے روایت ہے جو تابعین میں سے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا (اتیت ابی بن کعب) میں ابی بن کعب کے پاس آیا۔ جو علماء اور اجلہ صحابہ کرام میں سے تھے۔ (فقلت لہ) اور ان سے کہا۔ (قد وقع فی نفسی شئ من القدر) کہ بیشک میرے دل میں قضاء و قدر کے متعلق شک و شبہ واقع ہوتا ہے۔ کہ اگر سب کچھ قضاء و قدر الٰہی سے ہے تو پھر امر و نہی کس لیے ہے اور ثواب و عذاب کا کیا معنی۔ اور آپ نے فی نفسی کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا کہ یہ شک و شبہ وسوسہ اور القاءِ نفس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (فحدثنی) تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیں یا اپنے پاس سے کوئی بات بیان کریں (لعل اللہ ان یذھبہ من قلبی) شاید اللہ تعالیٰ وہ شک و شبہ میرے دل سے دور کر دے۔ (فقال) تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایسی بات بیان

کی جس سے میرا شک و شبہہ دور ہو گیا اور یہ جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عذاب دینے اور ان کا مواخذہ کرنے کو بعید خیال کرتا تھا اس کا ازالہ بھی ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعب نے بیان کیا کہ اللہ جل و علا مالک الملک علی الاطلاق ہے سب اس کے مملوک ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور مالک اپنی ملکیت کی چیزوں میں جس قسم کا تصرف کرتا ہے وہ ظلم نہیں کہلا سکتا۔ اور انہوں نے کہا (لو ان اللہ عزوجل عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ) کہ اگر اللہ عزوجل اپنے تمام اہل سموات اور تمام اہل زمین کو عذاب دیتا (عذبھم وھو غیر ظالم لھم) تو انہیں عذاب دینے میں ظالم نہ ہوتا۔ اور اس کے لیے انہیں عذاب دینا روا اور جائز ہوتا۔ (ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم) اور اگر انہیں اپنی رحمت سے نوازتا تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہوتی۔ اس کے بعد اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ تمام کائنات کے متعلق عموماً اور انسان کے حالات نفس کے متعلق خصوصاً تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنا واجبات اور ضروریات دین میں سے ہے۔ اور اس ایمان و اعتقاد کے برابر کوئی عمل نہیں ہو سکتا اگرچہ قدرت بشر سے بڑھ کر کوئی عظیم عمل ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ایمان و عقیدہ جنتی ہونے کے لیے شرط ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا (لو انفقت مثل احد ذھبا فی سبیل اللہ) اور اگر تو راہ خدا میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (ما قبلہ اللہ منک) اللہ اسے تجھ سے قبول نہ کرے گا۔ (حتی تؤمن بالقدر) جب تک کہ تو قضاء و قدر پر ایمان نہ لائے۔ (وتعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک) اور یہ بھی یقین رکھے کہ جو کچھ تجھے پہنچا ہے۔ وہ بہر صورت تجھے پہنچ کر رہنا تھا۔ (وان ما اخطاک لم یکن لیصیبک) اور تجھے اس بات کا بھی علم و یقین ہو کہ جو کچھ تجھ سے چھوٹ گیا ہے اور جو تجھے نہیں پہنچا وہ تجھے پہنچنے والا ہی نہ تھا۔ پس اگر کوئی چیز تجھے ملے تو یہ نہ کہہ کہ میری سعی و کوشش سے مجھے ملی ہے اور جو کچھ تجھے نہیں ملا اس کے متعلق یہ نہ کہہ کہ اگر میں سعی و کوشش کرتا تو مجھے مل جاتا۔ بلکہ تیرا عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ کسی چیز کا ملنا نہ ملنا سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔

(ولومت علی غیر ذالک لدخلت النار) اور اگر بالفرض تو تقدیر پر اس ایمان عقیدے اور حال کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔ (قال ثم اتیت عبد اللہ بن مسعود) ابن الدیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقرب صحابہ میں سے تھے اور جن کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان کے لیے ہر چیز سے راضی ہوں جس سے ابن مسعود راضی ہے (فقال مثل ذالک) تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کی بات کی جو جیسی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (قال ثم اتیت حذیفۃ بن الیمان) ابن الدیلمی نے کہا پھر میں حضرت حذیفہ

بن الیمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے۔ (فقال مثل ذالک) تو انہوں نے بھی یہی عقیدہ بیان کیا (ثم اتیت زید بن ثابت) پھر میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو عقلاء اور علماء صحابہ میں سے تھے۔ (فحدثنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی جو اسی مضمون کے مطابق تھی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جس کی نسبت حضرت ابی بن کعب حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم نے حضور کی طرف نہ کی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا رفع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیا۔ اور حضور علیہ السلام سے اس کی روایت کر دی۔

۱۰۸۔ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَی ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُقْرِئُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اَوْ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّ مَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِیْ اَهْلِ الْقَدَرِ۔ رواه الترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے تو ابن عمر نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص نے (دین میں) نئی بات نکالی ہے اگر فی الواقع اس نے نئی بات نکالی ہے تو میرا اسے سلام نہ کہنا کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میری امت یا اس امت میں زمین میں دھنسنا یا صورتوں کا بگڑنا یا آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی تقدیر کا انکار کرنے والوں پر۔

شرح:۔ (وعن نافع ان رجلا اتی ابن عمر) حضرت نافع سے روایت ہے جو ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ثقہ، کثیر الحدیث اور قبیلہ دیلم سے ہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ وہ عرب سے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ (فقال) اور حضرت ابن عمر سے کہا۔ (ان فلانا یقرء علیك السلام) کہ فلاں نام کا آدمی جس نے قدری مذہب ایجاد کیا اور لوگوں میں اس بدعت کو رواج دیا، آپ کو سلام کہتا ہے۔ عربی زبان میں ایسا ہی استعمال ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں کو یا فلاں پر سلام پڑھایا ہے۔ مراد یہی ہوتی ہے کہ سلام کیا ہے۔ کیونکہ جب اس نے سلام کہا تو دوسرے نے جواب میں سلام کہا تو یہ کہنا درست ہوا کہ اس نے فلاں کو سلام پڑھایا ہے۔ (فقال) تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ (انہ قد بلغنی انہ قد احدث) بیشک بات یہ ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس آدمی نے دین میں

نئی بات نکالی ہے اور احداث فی الدین کا مرتکب ہوا ہے۔ یعنی تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کیا ہے۔ (فان کان قد احدث) اگر فی الواقع اس نے یہ احداث کیا ہے اور یہ بدعت نکالی ہے۔ (فلا تقرءہ منی السلام) تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا۔ (فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ۔ (یکون فی امتی) ہوگا میری امت میں (او فی ھذہ الامۃ) یا اس امت میں یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے فی امتی کہا یا فی ھذہ الامۃ کہا۔ (خسف ومسخ او قذف) زمین میں دھنسا، یا ان کی صورتوں کا بگڑنا یا آسمان سے پتھروں کی بارش۔ (فی اھل القدر) اہل تقدیر میں۔ یعنی ان لوگوں میں جو تقدیر کا انکار کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کا ظہور اور اس مذہب کا حدوث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آخری دور میں ہوا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اس عبارت کی تحقیق اور ایک ہی حدیث میں ان صفات کا جمع ہونا مقدمہ کتاب میں وضاحت سے بیان ہو گیا ہے۔

۱۰۹۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِیْجَۃُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَیْنِ مَاتَا لَھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُمَا فِی النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَی الْکَرَاھِیَۃَ فِیْ وَجْھِھَا قَالَ لَوْ رَأَیْتِ مَکَانَھُمَا لَأَبْغَضْتِھِمَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَوَلَدِیْ مِنْکَ قَالَ فِی الْجَنَّۃِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَأَوْلَادَھُمْ فِی الْجَنَّۃِ وَإِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ وَأَوْلَادَھُمْ فِی النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ۔ رواہ احمد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق دریافت کیا جو جاہلیت میں مر گئے تھے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ حضرت علی کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کا اثر محسوس کیا تو فرمایا اگر تو ان دونوں کی جگہ دیکھ لیتی تو ان سے نفرت کرتی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا ہے (کہاں ہے) فرمایا جنت میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے۔ اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم

شرح:۔ (وعن علی) رضی اللہ عنہ (قالت سالت خدیجۃ) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے (النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ولدین ماتا لھا

فی الجاہلیۃ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو بچوں کے بارے میں دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مر سے تھے۔ اور حضور کی اولاد سے نہ تھے۔ کہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما فی النار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (قال) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ (فلما رای الکراھیۃ فی وجھھا) جب حضور نے حضرت خدیجہ کے چہرہ میں ناخوشی کا اثر دیکھا تو فرمایا (لو رایت مکانھما لابغضتھما) اگر تو ان دونوں کی جگہ اور ٹھکانا دیکھ لے جہاں وہ حقارت و خواری میں اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر پڑے ہیں تو تو انہیں دشمن جانے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرے۔ اور لابغضتھما کا لفظ لابغضتیھما کسرہ کو لمبا کر کے تا کے بعد یا کے ساتھ بھی مروی ہے۔ یہ صیغہ اس شکل میں احادیث میں بہت جگہ آیا ہے۔

(قالت) حضرت خدیجہ نے کہا۔ (یارسول اللہ فولدی منک) یارسول اللہ میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا ہے اس کا کیا حال ہے۔ ان کا نام عبداللہ اور لقب طیب و طاہر تھا۔ یہ صاحبزادے ظہور اسلام کے ابتدائی ایام میں پیدا ہوئے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا وہ بچہ جو مجھ سے ہوا (فی الجنۃ) جنت میں ہے۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان المومنین واولادھم فی الجنۃ) مسلمان اور ان کے بچے جنت میں ہیں۔ (وان المشرکین واولادھم فی النار) اور مشرکین اور ان کے بچے دوزخ میں ہیں۔ (ثم قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بطور استشہاد و دلیل کہ اولاد ماں باپ کے تابع ہے۔ نیز حضرت خدیجہ کا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ جب میں مسلمان ہوں تو میرے بچے بھی میرے ساتھ جنت میں ہوں گے، یہ آیت پڑھی۔ (والذین آمنوا واتبعتھم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد جس نے ایمان میں ان کی پیروی کی۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ (الحقنا بھم ذریتھم) ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے۔

۱۱۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ مَسَحَ ظَھْرَہٗ فَسَقَطَ عَنْ ظَھْرِہٖ کُلُّ نَسَمَۃٍ ھُوَ خَالِقُھَا مِنْ ذُرِّیَّتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَجَعَلَ بَیْنَ عَیْنَیْ کُلِّ اِنْسَانٍ مِّنْھُمْ وَبِیْصًا مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلٰی اٰدَمَ فَقَالَ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو اس کی پشت پر دست قدرت پھیرا۔ تو گر پڑا آپ کی پشت سے ہر آدمی جسے اس نے قیامت تک اس کی اولاد میں پیدا کرنا تھا اور پیدا کر دی ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی ایک لاٹ۔ پھر انہیں آدم کے سامنے پیش کیا حضرت

اَیْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّیَّتُكَ فَرَأٰی رَجُلًا مِّنْهُمْ فَاَعْجَبَهٗ وَبِیْصُ مَا بَیْنَ عَیْنَیْهِ قَالَ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاؤُدُ فَقَالَ اَیْ رَبِّ کَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهٗ قَالَ سِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمُرِیْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰی عُمُرُ اٰدَمَ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ جَآءَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ اٰدَمُ اَوَلَمْ یَبْقَ مِنْ عُمُرِیْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاؤُدَ فَجَحَدَ اٰدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَنَسِیَ اٰدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَخَطَاَ اٰدَمُ وَخَطَاَتْ ذُرِّیَّتُهٗ۔ (رواہ الترمذی)

آدم نے کہا اے میرے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ تو آدم نے ان میں ایک آدمی دیکھا تو آپ کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی لاٹ اچھی لگی۔ کہا اے میرے رب یہ کون ہے۔ فرمایا داود۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب تو نے اس کی کتنی عمر مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ سال۔ کہا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس سال اس کی عمر اور زیادہ کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم کی عمر ختم ہوگئی صرف چالیس سال باقی رہ گئے تو آدم کے پاس ملک الموت آگیا آدم نے کہا کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔ ملک الموت نے کہا آپ وہ اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے چکے تو آدم نے انکار کیا تو اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ اور آدم بھول گئے اور درخت میں سے کھایا۔ تو اس کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اور آدم نے خطا کی اور اس کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما خلق الله آدم مسح ظهره) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو اپنا دست قدرت اس کی پشت پر پھیرا۔ یا اس فرشتے کو حکم دیا جو اس کام پر مقرر تھا کہ آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرے۔ (فسقط عن ظهره کل نسمة) تو گر پڑا آپ کی پشت سے ہر آدمی۔ (هو خالقها من ذریته الی یوم القیمة) تو آدم کی پشت سے باہر آپڑا ہر انسان جس کو اس نے اس کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنا تھا۔ نَسَم وَنَسَمة بفتح نون وسین بمعنی آدمی، لوگ۔ یعنی اس طریقہ توالد و تناسل کے مطابق جس قدر بھی آدم کی اولاد پیدا ہونی تھی۔ اور آپ کی اولاد کی اولاد بھی سب کی سب ان کی پشتوں سے باہر آگئی اور سب آدم کی ہی اولاد ہے۔ اسی لیے سب کی نسبت آدم کی طرف کر دی۔ (وجعل بین عینی کل انسان منهم) اور انسانوں میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان کر دی (وبیصا من نور) نور کی ایک لاٹ۔ وبیص بفتح واو و کسرہ باء موحدہ اور صاد مہملہ بمعنی چمک دمک۔ (ثم عرضهم علی آدم) پھر انہیں آدم پر پیش کیا۔ (فقال) تو آدم نے کہا (ای رب) اے میرے پروردگار

(من ھؤلاء) یہ کون لوگ ہیں (قال ذریتک) فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ (فرأی رجلا منھم) تو آدم نے ان میں ایک آدمی دیکھا۔ (فأعجبہ وبیص ما بین عینیہ) تو آدم کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک و درخشندگی بہت اچھی لگی (فقال أی رب) عرض کی اے میرے رب (من ھذا) یہ مرد کون ہے (قال داؤد) خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ داؤد پیغمبر ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت آدم کو حضرت داؤد کی دو آنکھوں کے ہی درمیان کی چمک و درخشندگی کے اچھا محسوس ہونے سے لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا نور اور اس کی چمک دمک بہت اکمل و اجمل، بہت زیادہ اور اتم ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہاں ایک آن اور ایک گھڑی ہو جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی نگاہ میں اس کی چمک دمک زیادہ محسوس ہوئی ہو۔ ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ حضرت سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نور و لمعان سب سے زیادہ، تمام تر اور کامل تر ہے۔ نیز فضیلت کلی فضیلت جزئی کے منافی نہیں ہے۔

(فقال أی رب کم جعلت عمرہ) آدم نے کہا اے میرے رب تو نے اس مرد کی عمر کتنی مقرر کی ہے۔ (قال ستین سنۃ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ سال۔ (قال) جب کہ حضرت آدم کو حضرت داؤد اچھے لگے اور ان سے دوستی و محبت کا رابطہ پیدا ہو گیا تو حضرت آدم نے کہا (رب زدہ من عمری أربعین سنۃ) اے میرے رب میری عمر سے چالیس سال لے کر اس کی عمر زیادہ کر دے تاکہ اس کی عمر پورے سو سال ہو جائے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فلما انقضی عمر آدم إلا أربعین سنۃ) جب آدم کی عمر پوری ہو گئی اور صرف چالیس سال باقی رہ گئے (مشہور یہ ہے کہ حضرت آدم کی عمر ایک ہزار سال تھی)۔ (جاءہ ملک الموت) تو آپ کے پاس ملک الموت آ گیا تاکہ آپ کی روح پاک قبض کرے۔ (فقال آدم أو لم یبق من عمری أربعون سنۃ) حضرت آدم نے کہا کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔ (فقال) ملک الموت نے کہا۔ (أو لم تعطھا ابنک داؤد) آپ یہ بقایا چالیس اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے چکے۔ (فجحد آدم فجحدت ذریتہ) تو آدم منکر ہو گئے اور ان کی اولاد میں بھی یہ صفت انکار پیدا ہو گئی۔ (ونسی آدم) اور جنتی درخت کا پھل چکھنے کی نہی کو بھول گئے۔ (فأکل من الشجرۃ) تو درخت سے کچھ کھا لیا (فنسیت ذریتہ) تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے اور ان میں بھی فراموشی کی عادت پائی جاتی ہے۔ (وخطأ آدم وخطأت ذریتہ) اور آدم سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی کہ انہوں نے درخت سے درخت معین سمجھ لیا تو ان کی اولاد بھی خطا کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور خطا نے ان میں بھی اپنا راستہ نکال لیا ہے۔ یعنی انکار، نسیان اور خطا یہ تین صفات اصل میں آدم کے اندر تھیں ان سے سرایت کر کے ان کی اولاد میں بھی

آگئیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں سوال کیا گیا ہے کہ جو بات حضرت آدم کر چکے تھے (چالیس سال عمر دینا) اس کا انکار کیوں کیا کہ یہ تو جھوٹ ہے (اور انبیاء کرام اس سے پاک و منزہ ہوتے ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انکار اصل خلقت و جبلت اور طبیعت بشری کے اقتضا کے تحت تھا جو اللہ تعالیٰ انسان کے بڑھاپے میں پہنچنے پر اس میں عمر کی حرص ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے یشیب ابن ادم یشب فیہ خصلتان الحدیث فرزند آدم بوڑھا ہوتا ہے تو دو چیزیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ لہذا یہ انکار قصد و اختیار کے طور پر نہ تھا۔ اور بعض جبلی و طبعی احکام انبیاء علیہم السلام میں بھی باقی رکھے جاتے ہیں اور وہ ان سے منزہ نہیں ہوتے۔ اس کی مزید تحقیق اپنی جگہ میں کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۔ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ حِيْنَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّتَهُ بَيْضَاءَ كَأَنَّهُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّتَهُ سَوْدَاءَ كَأَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهِ إِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِيْ وَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى إِلَى النَّارِ وَلَا أُبَالِيْ۔ (رواہ احمد)

اور حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا جس وقت بھی پیدا کیا تو آپ کے دائیں کاندھے پر اپنا دست قدرت مارا۔ تو آدم سے اس کی نورانی اولاد کو باہر نکالا جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ اور اس کے بائیں کاندھے پر اپنا دست قدرت مارا تو اس سے سیاہ رنگ کی اولاد باہر نکالی۔ جو کوئلوں کی طرح سیاہ تھی۔ پھر جو اولاد اس کی دائیں جانب تھی اسے فرمایا جنت میں جاؤ۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور جو اس کے بائیں جانب تھی اسے فرمایا دوزخ میں جاؤ۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

شرح:۔ (وعن ابی الدرداء) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خلق اللہ ادم حین خلقہ) اللہ نے آدم کو پیدا کیا جب پیدا کیا۔ (فضرب کتفہ الیمنی) تو آدم کے دائیں کندھے پر اپنا دست قدرت مارا یا فرشتے کو ان کے دائیں کندھے پر مارنے کا حکم دیا۔ (فاخرج ذریتہ بیضاء) تو سفید رنگ کی اولاد باہر نکالی۔ (کانھم الذر) گویا وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں ہیں۔ بعض نسخوں میں الذرّ کے بجائے الدّرّ کا لفظ آیا ہے۔ بضم دال بمعنی مروارید اس صورت میں یہ سفیدی کا بیان ہے۔ جس طرح اس کے مقابل کو حمم سے تشبیہ دی۔ پہلی روایت کے مطابق مقدار کا بیان ہوگا۔ (وضرب کتفہ

الیسریٰ) اور اس کے بائیں شانے پر مارا (فاخرج ذریتہ سودا) تو سیاہ رنگ کی اولاد نکالی۔ (کانھم الحمم) گویا وہ کوئلے ہیں (فقال للذی فی یمینہ) پس دائیں جانب والے گروہ کو فرمایا۔ (الی الجنۃ) اگر اولاد مخاطب تھی تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا تم سب بہشت کو جاؤ۔ اور اگر ملائکہ مخاطب ہوں جن سے اس گروہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے تو معنی یہ ہوگا یہ گروہ جنت میں چلا جائے یا اس گروہ کو جنت میں لے جاؤ۔ (ولا ابالی) اور مجھے اس کی پروا نہیں کہ ان سے صدور عمل کے بغیر ہی ان کے جنتی ہونے کا حکم دے رہا ہوں۔ کیونکہ میں مالک اور متصرف علی الاطلاق ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ (وقال للذی فی کتفہ الیسریٰ) بعض نسخوں میں فی کفہ کا لفظ آیا ہے۔ اور اس گروہ کو فرمایا جو بائیں شانے یا بائیں ہاتھ میں تھا، تم سب دوزخ کو جاؤ۔ (ولا ابالی) اور مجھے کچھ پروا نہیں میں جو چاہوں حکم دوں۔

۱۱۲۔ وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً وَّاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا۔ (رواہ احمد)

اور حضرت ابو نضرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص جسے ابو عبداللہ کہتے ہیں اس کے دوست اس کی بیمار پرسی کے لیے اس کے پاس آئے اس وقت وہ ابو عبداللہ رو رہے تھے دوستوں نے اس سے کہا تو کیوں روتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے نہ کہا تھا کہ اپنی لبیں پست رکھنا پھر اس عمل پر قائم رہنا یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے فرمایا ہاں۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بھری اور بائیں ہاتھ کی ایک مٹھی بھری۔ اور فرمایا یہ اس (جنت) کے لیے ہے اور یہ اس (دوزخ) کے لیے ہے۔ اور مجھے یہ علم نہیں کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔

شرح:۔ (وعن ابی نضرۃ) نضرہ بفتح نون وسکون ضاد معجمہ ان کا نام منذر بن مالک ہے۔ تابعی ثقہ ہیں۔ کثیر الحدیث ہیں۔ ۱۰۸ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ان ابو نضرۃ سے روایت ہے۔ (ان رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ ابو عبداللہ) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص جسے ابو عبداللہ کہتے ہیں۔ (دخل علیہ اصحابہ) اس کے

پاس اس کے دوست آئے۔ (یعودونہ) اس کی بیمار پرسی کے لیے (وھو یبکی) اس وقت وہ رو رہے تھے۔ (فقالوا لہ ما یبکیك) تو کیوں رو رہا ہے۔ (الم یقل لك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذ من شاربك) کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا اپنی لبیں پست اور کوتاہ رکھنا پھر انہیں اسی حالت پر برقرار رکھنا لمبی نہ ہونے دینا ہمیشہ اس عمل پہ قائم رہنا۔ یہاں تک کہ تو مجھ سے حوض کوثر پہ یا جنت میں یا عرصات قیامت میں سے کسی جگہ ملاقات کرے۔ یعنی تو کیوں روتا ہے حالانکہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملاقات کی بشارت دی ہے اور یہ بشارت اسلام پہ موت کے بغیر کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتی۔ (قال بلی) ابو عبداللہ نے کہا ہاں حضور نے فرمایا تھا اور بشارت دی تھی۔ (ولکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ (ان اللہ عزوجل قبض بیمینہ قبضۃ) بلیشک اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کے دست راست سے انسانوں کی جماعت کی مٹھی بھری۔ اور ایک دوسری جماعت کی اپنے بائیں دست قدرت سے مٹھی بھری۔ (قال) اور فرمایا (ھذہ لھذہ وھذہ لھذہ) یہ مٹھی اور یہ جماعت جو دائیں ہاتھ میں ہے، جنت کے لیے ہے۔ اور یہ دوسری جماعت جو بائیں ہاتھ میں ہے دوزخ کے لیے ہے۔ (ولا ابالی) اور مجھے کوئی باک اور پروا نہیں۔ (ولا ادری فی ای القبضتین انا) اور میں نہیں جانتا کہ دو مٹھیوں میں سے میں کونسی میں ہوں۔ یعنی اگرچہ حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے ایمان کی سلامتی اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت مل چکی ہے تاہم خدا تعالیٰ بے نیاز ذات اور قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس نے فرمایا ہے میں جسے چاہوں جنت میں داخل کروں اور جسے چاہوں دوزخ میں ڈالوں، مجھے کسی کی پروا نہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ یہ کہے تو نے ایسا کیوں کیا ہے۔ یہ خوف اور ڈر دل سے نہیں جاتا اور یہی گریہ کا سبب ہے۔

بعض عارفین نے کہا ہے اگرچہ بتقاضائے صدق وعدہ اور شارع علیہ السلام کی بشارت سے امن و اطمینان حاصل ہو جاتا ہے لیکن لا ابالی (مجھے پروا نہیں) کا خوف سینے سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ بشارت مل جانے کے باوجود صحابہ کرام کی آرزوئیں اسی حال پر مبنی تھیں اور وہ یا لیت کذا یا لیت کذا (کاش ایسا ہوتا کاش ایسا ہوتا) کہتے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کاش میں بکری ہوتا کہ لوگ اسے ذبح کر کے کھا جاتے۔ ایک دوسرے صحابی نے کہا کاش میں گھاس ہوتا اور خاک ہوتا۔ اس مضمون کی تحقیق و تفسیر ہے جسے رسالہ تسلیۃ القلب میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۱۳۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ

وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِيْ عَرَفَةَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّتِهٖ ذَرَاَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (رواہ احمد)

علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان یعنی عرفہ میں آدم کی پشت سے میثاق لیا تو اس نے آدم کی پشت سے اس کی ساری اولاد کو نکالا جسے اس نے پیدا کرنا تھا۔ تو انہیں آدم کے سامنے بکھیر دیا جیسے چھوٹی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ پھر انہیں اپنے روبرو کرکے ان سے کلام کیا کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ ہم نے تیرے رب ہونے کی گواہی دی۔ تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ یا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد نے کیا ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ تو ہم نے ان کی اقتدا و اتباع کی۔ تو کیا تو ہمیں اہل بطالت کے کردار کی پاداش میں ہلاک کرے گا۔

شرح: (عن ابن عباس) رضی اللہ عنہما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اخذ اللہ المیثاق من ظهر ادم) اللہ تعالیٰ نے اس اولاد سے عہد لیا جو اس نے آدم کی پشت سے نکالی۔ (بنعمان) بفتح نون نعمان میں یہ مکہ اور طائف کے درمیان عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ راوی کے قول سے یہی مراد ہے جو اس نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہی۔ (یعنی عرفۃ) اس وادی کے عرفات کے قرب و جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے۔ (فاخرج من صلبہ کل ذریتہ ذراھا) تو آدم کی ہڈیوں سے اس کی تمام اولاد باہر نکالی جو اس نے پیدا کرنی تھی۔ (فنثرھم) تو انہیں بکھیر دیا نثر بثاء مثلثہ۔ (بین یدیہ) آدم کے سامنے (کالذر) جیسے چھوٹی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ (ثم کلمھم قبلا) پھر ان سے روبرو کلام فرمایا۔ قُبُلًا۔ دو پیش کے ساتھ یعنی آمنے سامنے اور روبرو۔ (قال الست بربکم) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (قالوا بلیٰ) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (شھدنا) ہم نے تیری ربوبیت کی گواہی دی۔ اس حالت میں اولاد آدم کا گفتگو کرنا بالکل اس طرح تھا جس طرح حضرت سلیمان کی چیونٹیوں نے گفتگو کی تھی۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (ان تقولوا یوم القیمۃ انا کنا عن ھذا غافلین) تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس حال سے غافل و بے خبر تھے۔ (او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل) یا تاکہ یہ نہ کہو کہ شرک نہ کیا مگر ہمارے آباء و اجداد نے ہم سے پہلے (وکنا ذریۃ من بعدھم) ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ پس

ہم نے ان کی اقتداء و اتباع کی۔ (افتھلکنا بما فعل المبطلون) تو کیا تو ہمیں باطل و گمراہ لوگوں کے کردار کی پاداش میں ہلاک کرے گا۔ لیکن ان کی یہ بات ان کی طرف سے عذر شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ توحید الہٰی کا میثاق آدم کی اولاد کے ایک ایک فرد سے لیا گیا۔ پھر انبیاء علیہم السلام نے سچی خبروں کے ساتھ انہیں اس عہد و میثاق کی خبر دی اور اس عہد کی یاد دھانی کرائی۔

عارفین فرماتے ہیں عہد الست کی یہ یاد دھانی غافل و بے خبر لوگوں کے لیے تھی ورنہ ہوشمند اہل دل اس وقت بھی ہوش کے کانوں سے وہ سوال و جواب سن رہے ہیں۔ بیت

الست از ازل ہم چناں شان بگوش بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

الست کا عہد ازل سے اب تک ان کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ اور وہ قالو بلی کی فریاد کا شور برپا کیے ہوئے ہیں۔

حضرت علی بن سہل اصفہانی سے کہا گیا آپ کو قالو بلی کا دن یاد ہے۔ فرمایا مجھے اس طرح یاد ہے گویا کل ایسا ہوا ہے۔ پیر ہروی قدس سرہ فرماتے ہیں علی بن سہل کے قول میں نقص ہے۔ صوفی کے لیے کل اور فردا کیا ہوتا ہے۔ روز الست کی تو ابھی رات بھی نہیں آئی بلکہ وہی روز الست موجود ہے (ان کا کلام ختم ہوا)۔

محققین فرماتے ہیں عالم روحانیت میں ماضی و مستقبل نہیں ہے وہاں سب زمانہ حال ہے۔

اللہ کے ہاں صبح و شام نہیں ہے۔ بیت

آنکہ از حق نیست غافل یک نفس ماضی و مستقبلش حال است و بس

جو شخص خدا تعالیٰ سے ایک سانس کے لیے بھی غافل نہیں اس کا ماضی و مستقبل حال ہے اور بس۔

حضور سرور انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ فرماتے ہیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ بنی اسرائیل کے ستر ہزار افراد کے ساتھ حج کے لیے آ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنے افراد کے ساتھ حج کو آنا حضور اپنی زندگی میں دیکھتے تھے۔ یہ نہیں کہ ماضی کے واقعہ کی خبر دے رہے ہیں۔ اس کلام کی تحقیق اپنے مقام میں کر دی گئی ہے۔

۱۱۴۔ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَإِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيْثَاقَ

اور حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اللہ کے اس قول میں و اخذ ربک الخ جب اللہ نے اولاد آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔ ابن کعب نے کہا اللہ نے ان کو اکٹھا کیا اور انہیں جوڑا جوڑا بنایا پھر ان کو صورت عطا کی پھر انہیں قوت گویائی عطا کی تو وہ بول پڑے پھر ان سے عہد و میثاق لیا۔

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاِنِّىْ اُشْهِدُ عَلَيْكُمُ
السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ وَ
اُشْهِدُ عَلَيْكُمْ اَبَاكُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا اِعْلَمُوْا
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ غَيْرِىْ وَلَا رَبَّ غَيْرِىْ وَلَا
تُشْرِكُوْا بِىْ شَيْئًا اِنِّىْ سَاُرْسِلُ اِلَيْكُمْ
رُسُلِىْ يُذَكِّرُوْنَكُمْ عَهْدِىْ وَمِيْثَاقِىْ وَ
اُنْزِلُ عَلَيْكُمْ كُتُبِىْ قَالُوْا شَهِدْنَا بِاَنَّكَ
رَبُّنَا وَاِلٰهُنَا لَا رَبَّ غَيْرُكَ وَلَآ اِلٰهَ لَنَا غَيْرُكَ
فَاَقَرُّوْا بِذٰلِكَ وَرُفِعَ عَلَيْهِمْ اٰدَمُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ فَرَاَى الْغَنِىَّ وَالْفَقِيْرَ
وَحَسَنَ الصُّوْرَةِ وَدُوْنَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَبِّ
لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ قَالَ اِنِّىْ اَحْبَبْتُ اَنْ
اُشْكَرَ وَرَاَى الْاَنْبِيَآءَ فِيْهِمْ مِثْلَ السُّرُجِ
عَلَيْهِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِيْثَاقٍ اٰخَرَ فِى
الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَبَارَكَ
وَتَعَالٰى وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ
مِيْثَاقَهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ عِيْسَى ابْنَ
مَرْيَمَ كَانَ فِىْ تِلْكَ الْاَرْوَاحِ
فَاَرْسَلَهٗ اِلٰى مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ
فَحُدِّثَ عَنْ اُبَيٍّ اَنَّهٗ دَخَلَ مِنْ فِيْهَا

اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں
ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں تم پر گواہ بناتا ہوں
ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو۔ اور میں تم پر گواہ بناتا
ہوں تمہارے باپ آدم کو تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو ہمیں اس کا
علم نہ تھا جان لو بیشک میرے سوا کوئی الہ نہیں۔ اور میرے سوا
کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ بیشک
میں عنقریب تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و
میثاق یاد دلائیں گے۔ اور میں تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں
نے کہا ہم نے گواہی دی کہ بیشک تو ہی ہمارا رب اور الہ ہے تیرے
سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی الہ نہیں۔ تو ان
سب نے اس کا اقرار کیا۔ پھر انہیں آدم پر اٹھایا گیا (ان سے آگاہ
کیا گیا) کہ آدم ان کو دیکھتے تھے تو آدم نے دولتمند کو دیکھا، تنگ
دست کو دیکھا اچھی صورت والے کو دیکھا، غیر اچھی صورت والے کو
دیکھا۔ پس آدم نے عرض کی اے میرے رب تو نے ان سب کو ایک
جیسا کیوں نہیں بنایا۔ فرمایا میں نے چاہا کہ میرا شکر کیا جائے۔ اور آدم
نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا چراغوں کی طرح کہ ان پر نور تھا۔
انہیں ایک اور عہد و میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا یعنی نبوت و
رسالت کے متعلق۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ واذ
اخذنا الخ اور جب ہم نے انبیاء سے میثاق لیا۔ عیسیٰ بن مریم کے
قول تک عیسیٰ بن مریم ان ارواح میں موجود تھے تو عیسیٰ کو مریم علیہا
السلام کی طرف بھیجا حضرت ابی کی جانب سے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ
حضرت مریم میں منہ کی طرف سے داخل ہوئے۔

(رواہ احمد)

شرح:۔ (وعن ابی بن کعب) حضرت ابی بن کعب انصاری ہیں۔ عقبہ اولیٰ کی بیعت کے وقت موجود تھے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ کاتب وحی تھے۔ قراء صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا لقب سید القراء ہے۔ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ سورہ لم یکن الذین کفروا آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ بہت سے صحابہ و تابعین نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کے حالات بہت سی جگہوں میں مذکور ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

ان حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے خدا تعالیٰ کے قول مبارک (واذ اخذ ربك الخ) کی تفسیر مروی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اس تفسیر کا رفع اور براہِ راست اسناد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا۔ تاہم یہ تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کہ اس قسم کی خبریں حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں دی جا سکتیں جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔

(قال) حضرت ابی بن کعب نے کہا (جمعھم) اللہ نے اولاد آدم کو اکٹھا کیا (فجعلھم ازواجا) اور انہیں مختلف قسموں میں تقسیم کیا۔ (ثم صورھم) پھر انہیں صورتیں عطا کیں۔ (فاستنطقھم) اور انہیں قوتِ گویائی عطا کی۔ (فتکلموا) تو وہ بول پڑے (ثم اخذ علیھم العھد والمیثاق) پھر ان سے عہد و پیمان لیا۔ (واشھدھم علی انفسھم) اور انہیں ان کی اپنی ذوات پر گواہ بنایا (الست بربکم) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (قالوا بلی) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (قال فانی اشھد علیکم السموٰت السبع والارضین السبع) اللہ نے فرمایا پس میں گواہ بناتا ہوں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو۔ (واشھد علیکم اباکم اٰدم) اور میں تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں۔ تاکہ اگر تم اس استشہاد و اقرار کا انکار کرو تو یہ تمہارے خلاف گواہی دیں۔ اور تم پر اسے ثابت کریں۔ علماء نے فرمایا ہے آسمانوں و زمینوں کی گواہی سے عقلی دلائل قائم کرنا ہے اور آدم کی گواہی سے انبیاء کو مبعوث کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ سمعی اور شرعی احکام و خطابات کی یاد دہانی کریں۔

(ان تقولوا یوم القیمۃ لم نعلم بھذا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں اس ماجرے کا پتہ نہ تھا۔ (اعلموا انہ لا الہ غیری) جان لو بیشک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں (ولا رب غیری) اور میرے سوا کوئی رب نہیں۔ (ولا تشرکوا بی شیئا) اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔ (انی سارسل الیکم رسلی) بیشک میں عنقریب تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا (یذکرونکم عھدی ومیثاقی) جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے۔ (وانزل الیکم کتبی) اور میں تمہاری طرف اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ (قالوا شھدنا بانك ربنا والھنا) انہوں نے کہا ہم نے گواہی دی کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ (لا رب لنا غیرك) تیرے

سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ (فاقروا بذالك) تو انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ (ورفع عليهم آدم) اور آدم کو اٹھایا گیا، اور مطلع و آگاہ کیا گیا ان سے۔ (ينظر اليهم) کہ آپ انہیں دیکھتے تھے۔ (فرأى الغنی والفقير) تو آدم نے دولتمند بھی دیکھے اور تنگدست بھی۔ (وحسن الصورة ودون ذالك) اور آپ نے اچھی شکل والے، اس میں کم درجہ والے اور اس خوبصورتی میں بہت ہی کم درجہ والے دیکھے۔ یعنی سب کو ایک حالت پر نہ پایا بلکہ بعض کو دولتمند بعض کو تنگدست بعض کو خوبصورت اور بعض کو بدصورت وغیرہ مختلف صورتوں، مختلف صفات اور مختلف حالتوں میں دیکھا۔ (فقال رب لولا سويت بين عبادك) حضرت آدم نے کہا اے میرے رب تو نے سب کو برابر اور یکساں حالت پر کیوں پیدا نہ کیا باوجودیکہ سب تیرے بندے ہیں۔ مصرع

بندگانیم ایں یکے مقبول و آں مردود چیست

ہم سب تیرے بندے ہیں تو پھر ایک مقبول اور دوسرا مردود کیوں ہے۔

(قال انی احببت ان اشكر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اس لیے یکساں حالت پر پیدا نہ کیا کہ میں نے چاہا کہ میرا شکر کیا جائے۔ اگر میں سب کو ایک صفت اور ایک حالت پر پیدا کرتا تو شکر کی حقیقت وجود میں نہ آتی۔ میں نے ہر بندے میں ایک ایسی صفت رکھ دی ہے جو دوسرے میں نہیں ہے۔ کہ جب اسے ملاحظہ کرے تو شکر کرے مثلاً فقر و تنگدستی میں تقوی، وقت کی فراغت اور آفات سے سلامتی ہے جو آسودہ حال اور دولتمندی میں نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری چیزوں میں۔ (ورای الانبياء فيهم مثل السرج عليهم النور) اور آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا کہ چراغوں کی مانند ان پر روشنی چمک رہی تھی۔ (خصوا بميثاق اخر في الرسالة والنبوة) انبیاء علیہم السلام کو عہد الوہیت و ربوبیت کے علاوہ رسالت و نبوت کے عہد و پیمان کے ساتھ بھی مخصوص کیا گیا تھا۔ کہ وہ اس کا حق ادا کریں گے اور اس کی ذمہ داری کو پورا کریں گے۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام و شرائع لوگوں کو پہنچائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت و رسالت میں فرق ہے جیسا کہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور رسالت و نبوت کا عہد و پیمان اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم) میں مذکور ہے۔ جب ہم نے کہ پروردگار اہل جہاں ہیں انبیاء علیہم السلام سے رسالت و نبوت کا عہد و پیمان لیا۔ عیسیٰ بن مریم کے الفاظ تک۔ اور یہ پوری آیت اس طرح ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ بیٹے مریم سے (وكان في تلك الارواح) اور عیسیٰ بن مریم اس اولاد

کی ارواح میں تھے ان کے اجسام میں نہ تھے۔ جب کہ عیسیٰ پر روحانیت غالب تھی اور آپ کا نام روح اللہ تھا تو انہیں جسمانی صورت میں متشکل نہ فرمایا بلکہ اسی طرح ارواح میں رہنے دیا۔ (فارسلہ الی مریم) تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو جو ارواح میں سے ایک روح تھے مریم کی طرف بھیجا علیہا السلام۔ (فحدث عن ابی انہ دخل من فیہ) تو ابی صحابی کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ منہ کی طرف سے مریم کے اندر گئے۔

۱۱۵ - وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ يَصِيْرُ اِلٰى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ۔

(رواہ احمد)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس دوران کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ کائنات میں وقوع پذیر ہوتا ہے، کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔ تو اس کا اعتبار کر لو۔ اور جب تم لوگ کسی شخص کے بارے میں سنو کہ اس کی خو و خصلت تبدیل ہو گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو۔ کہ انسان اپنی اسی صفت و خو و عادت کے گرد گھومتا ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔

شرح:- (وعن ابی الدرداء) اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کہا اس اثنا میں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے) (نتذاکر ما یکون) جہاں میں وقوع پذیر ہونے والے امور میں آپس میں گفتگو کر رہے تھے یعنی ہم لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ سب کچھ سابقہ قضا و قدر کے تحت ہو رہا ہے۔ یا قضا و قدر کوئی شے نہیں بلکہ سب کچھ از خود اور از سر نو ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ قضا و قدر میں بحث و گفتگو اگر نزاع اور جدال کی نیت سے نہ ہو تو منع نہیں۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو منع نہ کیا۔ اور نہ انہیں ڈانٹا۔ بلکہ انہیں جواب دیا اور مسئلے کی تعلیم دی۔ (اذ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ قضا و قدر کے تحت ہو رہا ہے اور جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اس میں قطعاً تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور ایک مثال سے اس کی وضاحت فرمائی اور وہ انسان کی خو و خصلت ہے خُلق بضم خاء بمعنی باطنی سیرت و عادت جو ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ بخلاف خَلق بفتح خاء بمعنی ظاہری صورت جس میں بظاہر تبدیلی ہو سکتی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دیتے ہوئے فرمایا۔ (اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ) جب تم کسی پہاڑ کے متعلق سنو کہ وہ جنبش میں آگیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔ تو

اس کی تصدیق کر لو۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ (واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ) اور جب تم یہ سنو کہ کسی مرد میں تبدیلی آگئی ہے اور اس کی خو و خصلت اس سے جدا اور الگ ہو گئی ہے۔ (فلا تصدقوا بہ) تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ (فانہ یصیر الی ما جبل الیہ) کہ بیشک مرد اسی صفت و عادت کی طرف گھوم کر آجاتا ہے جس پہ اسے پیدا کیا ہے اور جو خو و عادت اس کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ وہ اسی پہ قائم رہتا ہے۔ تو وہ شخص جسے سمجھ دار، دانا اور زیرک پیدا کیا گیا ہے اور تقدیر الٰہی میں اس کے متعلق ایسا ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ہرگز حماقت، نادانی اور بے وقوفی کا مظاہرہ نہ کرے گا اور اس کے الٹ بھی نہ ہو گا کہ جتنا احمق پیدا ہوا ہے وہ دانا اور زیرک نہ بنے گا۔

لیکن جو شخص ظاہراً عادت کے مطابق اور رفاقت و میل جول کی وجہ سے دانا اور زیرک نظر آتا ہو۔ اور عوارض و حوادث کے باعث احمق اور بے وقوف بن گیا ہو۔ یا جو شخص بے وقوف و نادان ہو، مگر عوارض، ریاضت اور تجربہ کی بنا پہ دانا کی صفت اختیار کرے اس میں یہ گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص میں کلام ہے جو ایک خلق و عادت پہ پیدا کیا گیا ہو اور قضا و قدر میں اس کے بارے میں اس خلق و عادت پر قائم رہنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہو تو اس میں ہرگز کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہو گا۔ ریاضت و مجاہدہ اور سعی و طلب اس دوسری قسم میں مؤثر ہو سکتی نہ کہ پہلی قسم میں۔

۱۱۶۔ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَا تَزَالُ یُصِیْبُکَ فِیْ کُلِّ عَامٍ وَجْعٌ مِنَ الشَّاۃِ الْمَسْمُوْمَۃِ الَّتِیْ اَکَلْتَ قَالَ مَا اَصَابَنِیْ شَیْءٌ مِنْھَا اِلَّا وَھُوَ مَکْتُوْبٌ عَلَیَّ وَاٰدَمُ فِیْ طِیْنَتِہٖ رواہ ابن ماجۃ۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو ہر سال درد و تکلیف لاحق ہوتی ہے اس زہر آلود بکری کی وجہ سے جو آپ نے کھائی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس بکری سے اذیت نہیں پہنچی مگر وہی جو میرے لیے لکھ دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام مٹی کی شکل میں تھے۔

شرح: (وعن ام سلمۃ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (قالت) انہوں نے کہا (یا رسول اللہ لا تزال یصیبک فی کل عام وجع) آپ کو ہر سال درد کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ (من الشاۃ المسمومۃ التی اکلت) اس زہر آلود بکری سے جو آپ نے کھائی تھی یعنی خیبر میں (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما اصابنی شیء منھا) مجھے اس بکری سے اذیت نہیں پہنچی۔ (الا وھو مکتوب علی) مگر وہی جو میرے لیے لکھ دی گئی اور مقدر ہو چکی تھی۔ (وادم فی طینتہ) اور حضرت آدم ابھی مٹی کی شکل میں تھے۔ یہ تقدیر ازلی سے کنایہ ہے۔ طینت مٹی کا ٹکڑا اور خلقت و جبلت کے معنی میں آتا ہے۔ جب کہ حضرت ام سلمہ نے ظاہراً مجاز کو لیا۔ اور درد کی نسبت زہر آلود بکری کی طرف کی۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل حقیقت کی طرف نسبت کر دی اور فرمایا یہ سب تقدیر

الٰہی کے تحت ہے اور ازل میں ایسا ہی طے ہو چکا ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

عذاب قبر ثابت کرنے کا باب

جب کہ اہل بدعت و ہوا کے گروہ نے جو اکثر معتزلہ اور کچھ شیعہ پر مشتمل ہے، عذابِ قبر کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ مشہور احادیث جن کی قدرِ مشترک حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے ثبوت میں وارد ہو چکی ہیں۔ اور اہل بدعت اور ان کے انکار کے ظہور سے پہلے تمام سلف صالحین کا اس کے ثبوت و اعتقاد پر اتفاق و اجماع تھا، اس بنا پر مولف رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ عذابِ قبر کا اثبات کرے اور اس باب میں وارد شدہ احادیث ذکر کرے۔

عذاب عذب سے مشتق ہے۔ بمعنی روکنا اور منع کرنا۔ کہ عذاب انسان کو شرع کے امر و نہی کی مخالفت سے روکتا ہے یا عذاب بمعنی خس و خاشاک سے مشتق ہے جو پانی میں گرتا ہے۔ اور جیسا کہ پانی میں خس و خاشاک گرنے سے پانی میلا اور گدلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عذاب انسان کے آرام کو تلخ اور بدمزہ کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں عذاب عذب بمعنی میٹھے پانی سے مشتق ہے کہ عذاب میں مبتلا شدہ انسان کے دشمن اور بدخواہ کو اس کی یہ حالت میٹھے پانی کی طرح شیریں اور اچھی محسوس ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام عذاب رکھا گیا۔

قبر سے عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ اور پردہ ہے، اور دونوں سے تعلق رکھتا ہے قبر سے وہ مخصوص گڑھا مراد نہیں ہے جس میں مردہ کو رکھتے ہیں۔ کہ بہت سے مرنے والے پانی میں ڈوب جاتے ہیں بعض آگ میں جل جاتے ہیں اور بعض جانوروں کے نکموں میں گھل جاتے ہیں۔ مگر ان کا وہ جزوِ خاص جسے جزوِ اصل کہتے ہیں کہ وہ اول سے آخر عمر تک باقی رہتا ہے اور خدا تعالیٰ و تقدس اپنی قدرت کاملہ سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ اور کوئی چیز بھی اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ وہ اگر چاہے تو اس جزو کے ساتھ روح کا تعلق جوڑ دے اور زندگی عطا کر دے، اور عذاب دے۔ نعمت سے سرفراز فرمائے۔ کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور جو شخص بھی اس کے عجائب قدرت اور ملک و ملکوت میں نگاہ ڈالتا اور چشم بصیرت سے دیکھتا ہے، اس کے عجائب و غرائب کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بیت

کند ہرچہ خواہد بر و حکم نیست ۔۔۔ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یک نیست

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ ظاہر و پوشیدہ ہر چیز اس کے لیے یکساں ہے۔

اور عذاب قبر وغیرہ امور برزخ کی تصدیق میں زیادہ صحیح، زیادہ محفوظ اور زیادہ قوی اور مضبوط بات یہ ہے کہ اس حقیقت

پر ایمان لایا جائے کہ فرشتے، سانپ، بچھو، ان کا مردے کو کاٹنا، جیسا کہ احادیث میں واقع ہوا ہے سب اللہ کے حکم سے واقع اور حقیقۃً موجود ہے۔ محض مثالی وخیالی ہیں ان کا وجود نہیں ہے۔ اور ہمیں جو قبر میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ہم اس میں کچھ نہیں پاتے تو اس سے کوئی نقصان اور خلل واقع نہیں ہوتا کہ عالم ملکوت کی اشیاء کو سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا اس کے لیے دوسری نگاہ کی ضرورت ہے اس سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور اگر سر کی آنکھ سے دکھانا چاہیں تو اس آنکھ سے بھی انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ حضرت جبرئیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ بیٹھتے تھے۔ باتیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات آپ کو پہنچاتے تھے۔ اس وقت صحابہ کرام آپ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے اور انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مگر وہ سب باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اگر عذاب قبر کے ثبوت میں کسی شخص کو شک وتردد ہو تو اسے اس کے مشاہدہ کی طلب کے بجائے اپنے ایمان کی فکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جب دل میں نور ایمان آگیا اور اس نور سے سینہ کشادہ ہو گیا تو پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہتی اللہ تعالیٰ عقل کے اندھاپن اور فلسفے کی تاریکی سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مردے کو قبر میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے سامنے اور مقابل کر دیتے ہیں۔ یا کسی اور طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ عذاب کی کوئی بھی نوعیت ہو ٹھیک ہے۔ ہمارے لیے اس کی حقیقت وکنہ کا پتہ چلانے کا کوئی راستا اور ذریعہ نہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ مردے کو زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مردے کے سارے جسم میں زندگی ڈال دی جاتی ہے۔ جس طرح دنیا میں تھی۔ یا جسم کے اعضا میں سے کسی ایک جزو کے ساتھ روح کو متعلق کر دیا جاتا ہے علماء شافعیہ میں سے ایک حکیم ودانا نے کہا ہے: اگر یہ قول صحیح، بہتر اور زیادہ مناسب ہو تو پھر یہ جزو دل ہی ہو سکتا ہے۔ جو زندگی کا سرچشمہ اور علم وادراک کا محل ومرکز ہے۔ اور عذاب قبر کے بارے میں اگر صرف اسی قدر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ رنج وراحت کا احساس کرتا ہے تو صحت اعتقاد کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

الفصل الاوّل | پہلی فصل

۱۱۷۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِی الْقَبْرِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان

يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذَالِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ۔ وَ فِىْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِىْ عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّىَ اللّٰهُ وَنَبِيِّىْ مُحَمَّدٌ

متفق علیہ

سے قبر میں جب پوچھا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس کا قول ہے یثبت اللہ الذین الخ یعنی اللہ ثابت و قائم رکھتا ہے اہل ایمان کو قول ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں۔ اور ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شرح:۔ (عن البراء بن عازب) حضرت براء بن عازب صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ اس سے قبل آپ کو چھوٹی عمر کا شمار کیا جاتا تھا۔ آپ غزوہ احد میں بھی حاضر ہوئے آپ کو پندرہ غزوات میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا آپ کو فریں اترے اور اسے فتح کیا۔ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے۔

ان البراء بن عازب سے روایت ہے۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ) فرمایا جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (فذالک قولہ) یہی گواہی دینا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے کہ فرمایا (یثبت اللہ الذین امنوا الخ) ثابت و قائم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت کے ساتھ دنیا و آخرت میں۔ یعنی اہل ایمان کو اس قول ثابت پر قائم رکھتا جو اس آیت میں واقع ہوا ہے تو اس سے قبر میں پوچھے گئے سوال و جواب کے وقت ثابت و قائم رکھنا مراد ہے۔ کہ تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اللہ و رسول کی گواہی دینا تینوں سوالات کا مکمل جواب ہے۔ کہ دین اسلام یہی ہے۔

(و فی روایۃ) اور ایک دوسری روایت میں حدیث کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا کہ آیت (یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت نزلت فی

عذاب القبر) عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (یقال لہ من ربک) مردے سے پوچھا جاتا ہے تیرا رب کون ہے (فیقول ربی اللہ) تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (و نبی محمد) اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں متفق علیہ۔ مصابیح کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اذا قیل لہ من ربک وما دینک و من نبیک جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ الفاظ زیادہ مکمل اور زیادہ ظاہر ہیں۔

۱۱۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی اَصْحَابُہٗ عَنْہُ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ فَیُقَالُ لَہٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّۃِ فَیَرَاھُمَا جَمِیْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْکَافِرُ فَیُقَالُ لَہٗ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ کُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ فَیُقَالُ لَہٗ لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ وَیُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِیْدٍ ضَرْبَۃً فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَسْمَعُھَا مَنْ یَلِیْہِ غَیْرُ الثَّقَلَیْنِ۔

(متفق علیہ۔ ولفظہ للبخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پشت پھیر کر چل پڑتے ہیں۔ بیشک وہ ان کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ تو اسے بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس مرد کے متعلق یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کیا کہا کرتا تھا۔ پس مومن تو کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس سے کہا جاتا ہے اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لے جس کے بدلے اللہ نے تجھے جنت میں ٹھکانا عطا کیا ہے۔ تو وہ ان دونوں ٹھکانوں کو ایک وقت دیکھتا ہے۔ لیکن منافق اور کافر تو جب اس سے کہا جاتا ہے تو اس مرد کے متعلق کیا کہا کرتا تھا وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اسے کہا جاتا ہے خدا کرے تجھے معلوم نہ ہو سکے اور تو کچھ بھی نہ پڑھ سکے اور اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے تو وہ اس طرح زور سے چیختا ہے کہ جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے آس پاس کی ہر چیز سنتی ہے۔

شرح: (وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ (و تولی

عنہ اصحابہ) اور اس کے ساتھی پشت پھیر کر اس کے پاس سے چل پڑتے ہیں (انہ لیسمع قرع نعالھم) بیشک وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ زمین پر چلتے ہیں۔ (اتاہ ملکان) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ (فیقعدانہ) تو دونوں اسے بٹھا دیتے ہیں (فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔) پھر اس سے پوچھتے ہیں تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا تھا (لمحمد) یعنی ہٰذا الرجل سے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لفظ ہٰذا سے اشارہ کرنا آپ کے غائب ہونے کے باوجود آپ کے مشہور ہونے اور ہمارے ذہنوں میں آپ کی ذات مقدسہ کے حاضر و موجود ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔ یا آپ کی ذات مبارک کو قبر میں مثال کی صورت میں سامنے لایا جاتا ہے۔ تاکہ آپ کے جمالِ جانفزا کے مشاہدہ سے اس کی گھبراہٹ و دہشت کے مشکل عقدے کو کھولا جائے۔ اور فراق کی تاریکی آپ کی زیارت و ملاقات کے دلکشا نور سے دور کر دی جائے۔ اس مضمون میں آپکے غمزدہ مشتاقانِ دیدار کے لیے بشارت ہے تاکہ آپ کے دیدار کی امید کی خوشی میں جان دے دیں بلکہ یہ زندہ ہی قبر میں پہنچ جانے کا مقام ہے۔ شعر

در ظلمتِ فراق تو گر جاں دہم چہ غم　　غم نیست گر ز ماہِ رخت پرتوے فتد

شبِ عاشقانِ بیدل چہ شب دراز باشد　　تو بیا گر اولِ شب در صبح باز باشد

اگر تیرے فراق کی تاریکی میں جان دے دوں تو کیا غم ہے۔ کوئی غم نہیں اگر تیرے چہرے کے چاند کا پرتو پڑ جائے۔ بے دل عاشقوں کی رات کس قدر دراز ہوتی ہے۔ تاہم اگر تو رات کے پہلے حصے میں ہی تشریف لے آئے تو صبح کا دروازہ کھل جائے گا۔

(فاما المؤمن فیقول) لیکن مومن جو آپ کے فضل و کمال اور آپ کے حسن و جمال کا دلدادہ ہے (حضور کو دیکھ کر) کہہ اٹھتا ہے (اشھد انہ عبد اللہ ورسولہ) میں گواہی دیتا ہوں اور دل و جان سے کہتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں (فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار) تو مومن سے کہا جاتا ہے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے جو تیرے لیے تیار کیا گیا تھا (قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ) بیشک اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے اس ٹھکانے کے بجائے تجھے جنت میں ٹھکانا عطا کر دیا ہے۔ (فیراھما جمیعا) تو وہ بندۂ مومن جنت و دوزخ کے دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ دونوں جگہوں کے دکھانے میں حکمت یہ ہے کہ اس کی فرحت و سرور میں اضافہ ہو ایک تو دوزخ کی مصیبت سے نجات نصیب ہو کر دوسرے عطیہ بہشت کی خصوصیت سے مشرف ہو کر اور کافر کا حال مومن کے حالِ مذکورہ حال کے برعکس ہوتا ہے۔ (واما المنافق والکافر فیقال لہ ما کنت تقول فی

هذا الرجل) لیکن منافق اور کافر تو ان میں سے ہر ایک کو کہا جاتا ہے تو اس مرد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتا تھا۔ (فیقول ما ادری) منافق اور کافر جواب دیتے ہیں میں نہیں جانتا اور مجھے کوئی پتہ نہیں۔ (کنت اقول ما یقول الناس) میں ان کے بارے میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے ہیں اور مجھے حقیقتِ حال معلوم نہیں ہو سکی۔ (فیقال له لا دریت ولا تلیت) تو اسے کہا جاتا ہے تو نے عقل سے سمجھنے کی کوشش نہ کی اور نہ تو نے قرآن پڑھا یا تو نے اہل حق کی پیروی نہ کی تلیت اصل میں تلوت تھا۔ واو کو یا سے تبدیل کیا گیا۔ تلیت کی تحقیق میں بہت سی وجوہ ہیں جنہیں ہم نے عربی شرح میں بیان کیا ہے۔ (ویضرب بمطارق من حدید) اور اسے لوہے کی گرزوں سے مارا جاتا ہے مطارق مطرقہ بکسر میم وسکون طا کی جمع بمعنی لوہاروں کا وہ ان اور گرز۔ (ضربۃ) سخت مار۔ (فیصیح یسمعها من یلیه غیر الثقلین) تو وہ منافق و کافر ایسی چیخ و پکار اور ایسی آہ و فریاد کرتا ہے جسے جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے آس پاس کے سب سنتے ہیں۔ جنوں اور انسانوں کو اس کی چیخ و پکار کی آواز اس لیے نہیں سنائی جاتی تاکہ ابتلاء و تکلیف کا دستور اپنی جگہ قائم رہے۔ اور ایمان بالغیب موجود رہے۔ بدیہی اور عینی ایمان نہ ہو جائے (جو قابل قبول نہیں) اور تاکہ معیشت کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ ثقلین جن و انس کا نام ہے۔ ثقلین دو فتحوں کے ساتھ مسافر کے ساز و سامان کو کہتے ہیں اور ہر نفیس و محفوظ چیز کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله وعترتی) میں تم میں دو نفیس اور عمدہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت و اولاد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ (متفق علیه ولفظه للبخاری) اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا لیکن یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تنبیہ: احادیث صحیحہ میں جو کچھ مذکور ہوا وہ مومن کی نجات اور منافق و کافر کا عذاب ہے یہ فرمانبردار مومن کا حال ہوگا۔ مومن فاسق کا حال مذکور نہیں ہوا کہ کیا ہوگا اسے عذاب ہوگا یا نہ ہوگا۔ علماء نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن فاسق ملائکہ کے جواب میں فرمانبردار کے ساتھ شریک ہے مگر بشارت اور جنت کا دروازہ کھلنے وغیرہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ یا ان میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگا مگر کمتر درجہ میں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اسے قدرے عذاب دیا جائے۔ مگر وہ فاسق جس نے خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگ لی ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحمت فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے جب

اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (متفق علیہ)

کوئی مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو اسے جنت کی جگہ دکھائی جاتی ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو اسے اہل دوزخ کی نشستگاہ دکھائی جاتی ہے۔ تو کہا جاتا ہے یہ ہے تیری نشستگاہ اس میں آنے کا منتظر رہ یہاں تک کہ تجھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زندہ کر کے لے آئے اس نشستگاہ کی طرف یا اپنی طرف۔

۱۲۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَاَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ۔ (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ کے پاس آئی تو اس عورت نے حضرت عائشہ سے عذاب قبر کا ذکر کیا اور حضرت عائشہ سے کہا اللہ تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے (یہ سن کر) حضرت عائشہ نے عذاب قبر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے اس کے بعد حضور کو نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو مگر اس کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ ان یہودیۃ دخلت علیھا) اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت آپ کے پاس آئی۔ (فذکرت عذاب القبر) اور عذاب قبر کا ذکر کیا (فقالت لھا اعاذک اللہ من عذاب القبر) اور کہا اللہ تعالیٰ تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے۔ اور جب کہ حضرت عائشہ عذاب کو نہ جانتی تھیں اور اس سے پہلے کبھی اس کا نام نہ سنا تھا اس لیے آپ حیران ہوئیں اور اسے عجیب و غریب جانا۔ (فسالت عائشۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر) تو حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا کہ مردے کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ (فقال نعم عذاب القبر حق) آپ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق اور ثابت ہے۔ (قالت عائشۃ فما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر) حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے نہ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو مگر

اس کے بعد اللہ کے پاس عذاب قبر سے پناہ لیتے تھے۔

یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ یہودی عورت کے عذاب قبر کا ذکر کرنے سے پہلے حضور علیہ السلام بھی عذاب قبر سے واقف نہ ہوں اور اس کے متعلق ابھی وحی کا نزول نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد وحی نازل ہوئی کہ قبر میں عذاب ہوگا اور حضرت عائشہ کو بھی اس کی اطلاع دی کہ عذاب قبر حق ہے اور تعلیم امت کے لیے ہر نماز کے بعد اس سے پناہ لینا اپنا ورد بنا لیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا پہلے سے علم تھا اور یہودی عورت سے سننے کے بعد اس سے پناہ لینے کا اتفاق ہوا۔ یا پہلے ہی سے آپ اس سے پناہ لیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عائشہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ اور حضرت عائشہ کے دریافت کرنے کے بعد انہیں تنبیہ اور یاد دہانی کرنے کے لیے بلند آواز سے عذاب قبر سے پناہ لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ آخری احتمال باقی تمام احتمالات سے اَولیٰ اور اظہر ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۱- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَّهُ وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ أَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا أَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغ میں خچر پر سوار تھے اور ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک وہ خچر بھاگ نکلا۔ تو قریب تھا کہ آپ کو گرا دے اور اچانک وہاں چھ یا پانچ قبریں سامنے آگئیں۔ آپ نے فرمایا ان قبروں کو کون جانتا ہے ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا یہ لوگ کب مرے تھے اس نے عرض کیا شرک میں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو ان کی قبروں میں عذاب کے اندر مبتلا کیا جاتا ہے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں وہ عذاب قبر سنوا دے جو میں سنتا ہوں۔ پھر آپ اپنے چہرہ مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو، لوگوں نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو لوگوں نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس ظاہری و باطنی فتنوں سے پناہ لو۔ لوگوں نے کہا ہم اللہ کے

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ - رواہ مسلم

پاس ظاہر و باطنی فتنوں سے پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ لوگوں نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

شرح: ۔ (وعن زید بن ثابت) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری مدنی اور کاتب وحی ہیں جلیل القدر فقہاء صحابہ میں سے ہیں ـــــــــــ شرع کے حقوق و فرائض ادا کرنے میں مستعد اور کمربستہ رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت آپ کی عمر گیارہ برس تھی ۔غزوہ بدر کے وقت آپ کو چھوٹی عمر کا شمار کیا گیا۔ غزوہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے ۔آپ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پاک جمع کیا۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن پاک لکھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے مصحف میں نقل فرمایا۔

(قال) یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار) اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں (بنی نجار انصار کا ایک قبیلہ ہے) (علی بغلۃ لہ) اپنی ایک خچر پر سوار تھے ۔(ونحن معہ) اور ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے ۔(اذ حادت بہ) کہ اچانک وہ خچر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت سے نیچے جھکا دیا۔ حَیُدٌ بفتح حاء حطہ یعنی جھکانا اور ٹیڑھا کرنا۔ (فکادت تلقیہ) تو نزدیک تھا کہ وہ آپ کو زمین پر گرا دے۔ (اذا اقبر ستۃ او خمسۃ) اور اچانک وہاں چھ یا پانچ قبریں سامنے آئیں۔ (فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر) آپ نے فرمایا ان قبروں میں جو لوگ دفن ہیں انہیں کون جانتا ہے۔ (قال رجل انا) ایک شخص نے کہا ان کو میں پہچانتا ہوں۔ (قال فمتی ماتوا) فرمایا تو بتا یہ لوگ کب مرے اور کس زمانہ میں اس جہاں سے رخصت ہوئے (قال فی الشرک) اس نے کہا زمانہ شرک میں مرے ہیں اور یہ لوگ مشرک تھے۔ (فقال) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا) بیشک یہ امت یعنی انسانوں کی اس گروہ کو مبتلا کیا جاتا اور قبروں میں آزمائش کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ (فلولا ان لا تدافنوا) تو اگر اس کا ڈر نہ ہوتا اور یہ بات پیش نظر نہ ہوتی کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے اور دفن کرنے کی رسم جہاں سے اٹھ جائے گی (لدعوت اللہ ان یسمعکم) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں سنوا دے (من عذاب القبر الذی اسمع منہ) عذاب قبر سے وہ جو میں سنتا ہوں۔ یعنی اگر تم لوگ عذاب کی آواز سن لو تو مردوں کو قبر میں دفن کرنا ترک کر دو۔

یہاں ایک سوال وارد کیا جاتا ہے کہ عذاب قبر جیسا کہ شرح عنوان میں بیان ہوا، دفن کرنے پر موقوف نہیں ہے خدا تعالیٰ چاہے تو مردے کو عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے چاہے وہ کھلے صحرا میں یا مچھلی کے شکم میں یا کسی اور جگہ ہو۔ نیز جب کہ اہل ایمان کو مردوں کے دفن کا حکم ہے تو محض اس خوف کے باعث دفن ترک کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سوال کے جواب میں چند توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر تم لوگ عذاب قبر سن لو تو تم پر ایسا خوف اور ایسی دہشت طاری ہو جو تمہیں بے ہوش کر دے اور تمہاری عقل پھیر کر رکھ دے اور تم میں دفن کرنے کی نوبت و فرصت نہ رہے۔ جیسا کہ مردوں کی چیخ و پکار جنات اور انسانوں کے نہ سننے کے متعلق گزشتہ بیان ہوا کہ اگر لوگ سن لیں تو کاروبار معیشت و زندگی معطل اور منقطع ہو کر رہ جائے۔ پس دفن کرنے کا عمل خوف عذاب کی بنا پر نہیں بلکہ عقل کے فوت ہونے اور ہوش و حواس کے اڑ جانے کے سبب ہوگا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ مردوں کا عذاب سن لو تو تمہیں مشاہدہ اموات سے اس حد تک دہشت و وحشت لاحق ہو کہ تم ان کی تجہیز و تکفین کے لیے ان کے نزدیک نہ آسکو۔ اور انہیں دفن نہ کر سکو۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں اس صفت پر پیدا کی گئی ہیں کہ وہ اپنے مردوں کے عیب چھپاتے ہیں اور شریعت میں بھی مردوں کے عیب چھپانے کا حکم ہے چنانچہ فرمایا (اذکروا موتاکم بالخیر) اپنے مردوں کو نیکی سے یاد کرو اور قبرستان لوگوں کے ہجوم و اجتماع کی جگہ ہے۔ تو تم لوگ انہیں دور صحرا میں پھینک آتے تاکہ کوئی آدمی وہاں نہ پہنچ سکے اور ان کا عذاب نہ سن سکے اور ان کے عیوب پر مطلع ہو سکے۔ واللہ اعلم۔

(ثم اقبل علینا بوجہہ) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ (فقال) اور فرمایا (تعوذوا باللہ من عذاب النار) عذاب دوزخ سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من عذاب النار) ہم اللہ کے پاس عذاب دوزخ سے پناہ لیتے ہیں۔ (قال) آپ نے فرمایا (تعوذوا باللہ من عذاب القبر) عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من عذاب القبر) ہم اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں عذاب قبر سے۔ (قال) آپ نے فرمایا۔ (تعوذوا باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن) ظاہر اور چھپے فتنوں سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ ظاہر فتنے وہ جو انسان کے ظاہری جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پوشیدہ وہ جو دل سے تعلق رکھتے ہیں یا جو فتنے تمہارے سامنے ہیں اور جن کو تم لوگ جانتے ہو۔ اور پوشیدہ وہ جو تم نہیں جانتے۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن) ہم ظاہر اور چھپے فتنوں سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

(تعالیٰ فرمایا (تعوذوا باللہ من فتنۃ الدجال) دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لو (مانگو) صحابہ نے کہا۔ (نعوذ باللہ من فتنۃ الدجال) ہم لوگ فتنہ دجال سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۱۲۲- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّكِیْرُ فَیَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ یُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِیْنَ ثُمَّ یُنَوَّرُ لَهٗ فِیْهِ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ نَمْ فَیَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِیْ فَاُخْبِرُهُمْ فَیَقُوْلَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ حَتّٰى یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَیُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِیْ عَلَیْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَیْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا یَزَالُ فِیْهَا مُعَذَّبًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جن کے رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ اس سے پوچھتے ہیں تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ میت جواب دیتا ہے وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر اس کے لیے ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبائی میں کھلی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے سو جا میت کہتا ہے میں اپنے اہل و عیال کے پاس جاتا ہوں تاکہ ان کو خبر دوں تو وہ فرشتے کہتے ہیں نئی دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے اہل میں سے سب سے پیارا فرد ہی آ کر جگاتا ہے۔ تو وہ سویا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی جگہ (قبر) سے اٹھائے گا اور اگر وہ میت منافق ہوتا ہے تو فرشتوں کے جواب میں کہتا ہے میں لوگوں سے سنتا تھا کہ وہ ایک بات کہتے تھے میں نے بھی اسی طرح کہا میں نہیں جانتا۔ وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر مل جا تو وہ اس

حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

پر مل جاتی ہے۔ اور اس کی ہڈیاں ایک دوسری میں پھنس جاتی ہیں تو ہمیشہ وہ عذاب میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی جگہ (قبر) سے اٹھائے گا۔ (قیامت کے دن)۔

شرح: عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے ایسے آدمی کی صورت میں آتے ہیں جس کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ سیاہ رنگ سے یا تو حقیقۃ سیاہ رنگ ہی مراد ہے کہ سیاہ رنگ میں دوسرے رنگوں کی نسبت دہشت اور وحشت زیادہ ہوتی ہے یا سیاہ رنگ سے ان کا قبیح المنظر اور بدشکل ہونا مراد ہے۔ اور نیلی آنکھوں سے ان کا تیز آنکھوں سے دیکھنا اور نظر کو گھمانا مراد ہے جس طرح دشمن دشمن کو تیز نگاہوں سے دیکھتا اور اپنی نگاہ گھماتا ہے کہ اس کی سیاہی چھپ جاتی اور سفیدی نمایاں ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں عرب دشمن کو نیلی آنکھ سے موصوف کرتے ہیں کہ رومی لوگ عربوں کے دشمن ہیں اور ان کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں یقال لاحدھما المنکر وللاخر النکیر ان میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ منکر بفتح کاف دونوں کا معنی ناآشنا اور وحشت ناک ہے نکرۃ بمعنی ناآشنائی سے مشتق ہے اور معرفت بمعنی آشنائی کی ضد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ منکر نکیر دو اشخاص کا نام ہے جو ہر میت کے سر پر انسانی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ بعض علما نے کہا ہے یہ دو گروہ کا نام ہے۔ اور ان دونوں کے بے شمار افراد ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ منکر و نکیر نافرمان لوگوں کے فرشتوں کا نام ہے۔ اور فرمانبرداروں کے فرشتوں کا نام مبشر اور بشیر ہے۔ واللہ اعلم۔

فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل وہ دو فرشتے کہتے ہیں تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ فیقول میت اس سوال کے جواب میں کہتا ہے ھو عبداللہ ورسولہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فیقولون قد کنا نعلم انک تقول ھذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں یہ سن کر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا یعنی تیرے ایمان کا نشان تیرے حال کے چہرے کو دیکھ کر ہمیں معلوم ہو گیا تھا۔ ثم یفسح لہ فی قبرہ سبعون ذراعا فی سبعین پھر اس کے لیے اس قبر ستر در ستر گز وسیع کر دی جاتی ہے یہ اس کے کشادہ ہونے سے کنایہ ہے معین عدد مراد نہیں ہے۔ ثم ینور لہ فیہ پھر میت کے لیے اس کی قبر میں روشنی کی جاتی ہے ثم یقال لہ نم پھر اس سے کہا جاتا ہے آرام کی نیند سو جا۔ فیقول ارجع

الی اھلی فاخبرھم) میت کہتا ہے میں اپنے اہل خانہ کے پاس جاتا ہوں تاکہ انہیں اپنی راحت سے مطلع کروں، جیسے کوئی غریب الوطن مسافر کسی شہر میں وارد ہو۔ اور وہاں پر اسے آرام و راحت نصیب ہو تو کہتا ہے کاش اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس جاؤں انہیں اپنی خوشی و راحت کے حال سے آگاہ کر دوں اور انہیں دیکھوں۔ (فیقولان نم کنومۃ العروس) تو اس میت سے کہا جاتا ہے اب تو سو جا جیسے نئی دلہن یا دولہا سوتا ہے عروس کا لفظ مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ) جسے نہیں بیدار کرتا مگر اس کے اہل میں سے اس کے نزدیک سب سے محبوب اور پیارا فرد۔ ہر آدمی کا آگر بیدار کرنا انسان کو ناگوار گزرتا ہے۔ اور دحشت و کوفت کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ہر انسان سوئے ہوئے کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ہاں جب اس کے پاس اس کا محبوب آتا ہے تو اسے بیدار کرتا ہے (یہی حالت کچھ اس میت کی ہوتی ہے)۔ (حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک) یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اس کی خوابگاہ سے اٹھا کھڑا کرے گا۔

(وان کان منافقا قال) اور اگر میت منافق یا کافر ہوتا ہے تو کہتا ہے (سمعت الناس یقولون قولا) میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ وہ اس مرد کے بارے میں کچھ کہتے تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ (فقلت مثلہ) تو میں نے بھی ویسا ہی کہا اور میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کا انکار کیا۔ (لا ادری) میں ان کی حقیقت حال سے واقف نہیں ہوں۔ (فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ذالک) تو فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ یعنی ہم نے کفر کا نشان تیرے چہرے میں دیکھ لیا تھا۔ (فیقال للارض التئمی علیہ) پھر زمین کو حکم ہوتا ہے تو اسے بھینچ ڈال۔ (فتلتئم علیہ) تو زمین اس کی ہڈیوں اور اس کے جسم کو توڑ مروڑ دیتی ہے۔ (فتختلف اضلاعہ) تو اس کی ہڈیاں اور پسلیاں زمین کے دبانے سے ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ (فلا یزال فیھا معذبا) تو ہمیشہ وہ قبر اندر عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ (حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اس کی خوابگاہ سے اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱۲۳۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَأْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں پھر سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے میت جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ
مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ
فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا يُدْرِيْكَ
فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ
بِهٖ وَصَدَّقْتُ ۔ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
الْاٰيَةَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ
صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ
وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا
اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ
رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ
بَصَرِهٖ ۔ اَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ
رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ
فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ ۔ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ
لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ
فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ مَا
هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ ۔ فَيَقُوْلُ
هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ
السَّمَآءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ
وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى
النَّارِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا
وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ عَلَيْهِ

پھر اس سے دوسرا سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر دریافت کرتے ہیں یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے، کون ہے میت جواب دیتا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں فرشتے پوچھتے ہیں تجھے اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ تو یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول یثبت اللہ الی اخر الآیۃ تو آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو حضور علیہ السلام نے فرمایا تو اسے جنت کی راحت اور اس کی خوشبو پہنچتی ہے۔ اور اس کی حد نگاہ تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ لیکن کافر تو اس کی موت کا حضور نے ذکر فرمایا۔ کہا اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں پھر اس سے سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ہائے افسوس مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے ہائے افسوس میں نہیں جانتا پھر اس سے سوال کرتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کہتا ہے ہائے افسوس میں نہیں جانتا تو آسمان سے ایک ندا کرنیوالا ندا کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اس کیلئے آگ کا فرش بچھاؤ اور اسے دوزخ کا لباس پہناؤ اور اس کیلئے آتش دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو حضور علیہ السلام نے فرمایا تو اسے آگ کی تپش اور زہریلی اور گرم ہوا پہنچنا شروع ہو جاتی ہے اور اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی ایک طرف کی ہڈیاں دوسری طرف کی ہڈیوں میں پھنس جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس لوہے کا ڈنڈا

اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى وَّاَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (رواہ احمد وابوداود)

ہوتا ہے اگر اس سے پہاڑ کو مارا جائے تو ٹوٹ پھوٹ کر مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس ودان کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ کہ انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان والے اس کی چیخ و پکار سنتے ہیں وہ اس مار کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے)۔

شرح:۔ (وعن البراء بن عازب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (یاتیہ ملکان فیجلسانہ) مومن کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں۔ (فیقولان لہ من ربک) اور اسے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ (فیقول ربی اللہ) مومن کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (فیقولان لہ ما دینک) پھر اسے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ (فیقول دینی الاسلام) وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ (فیقولان ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم) پھر کہتے ہیں یہ مرد کون ہے جو تمہارے اندر مبعوث ہوا تھا۔ (فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مومن کہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (فیقولان لہ ما یدریک) پس کہتے ہیں تجھے اس بات کا علم کیسے ہوا۔ اور تجھے کس طرح علم ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں (فیقول قرأت کتاب اللہ فآمنت بہ وصدقت) مومن جواب دیتا ہے۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو ان پر ایمان لایا اور ان کے حق ہونے کی تصدیق کی۔ (فذالک قولہ) یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے قول سے۔ (یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت الآیۃ) یعنی اس قول میں ثابت رکھنے سے مراد یہی ہے کہ قبر میں مذکورہ طریق پر اسے جواب دینے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی) تو آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آواز دینے والا خود خدائے عزوجل ہوتا ہے کہ یہ الفاظ پیدا کر دیتا ہے جو مرادی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کو آواز دینے کا حکم ہوتا ہے۔ (فافرشوہ من الجنۃ) تو اس کے لیے بہشت کے فرشوں میں سے فرش بچھا دو۔ (افرشوا) بفتح ہمزہ افراش سے مشتق ہے۔ (والبسوہ من الجنۃ) اور اسے بہشتی لباسوں میں سے لباس پہنا دو۔ (وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ) اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ (فیفتح) تو اس کے لیے بہشت کی جانب ایک دروازہ کھول

دیا جاتا ہے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فیاتیہ من روحہا وطیبہا) تو مومن کو آنا شروع ہو جاتی ہے جنت کی راحت، اس کی رحمت اور بہشت کی بادِ نسیم اور وہاں کی خوبی اور خوشبو۔ (ویفسح لہ فیہا مد بصرہا) اور کشادہ کر دی جاتی ہے جانب بہشت جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ گزشتہ حدیث میں آیا کہ مومن کی قبر کی کشادگی ستر در ستر گز ہو جاتی ہے۔ اور وہاں بیان ہوا تھا کہ یہ کشادگی اور وسعت سے کنایہ ہے اور اس وسعت و کشادگی کو بطور مبالغہ بیان کرنا مقصود ہے۔ عددِ معین مراد نہیں ہے۔ مدِ بصر سے مبالغہ مراد ہے تحدید و تعیین مقصود نہیں ہے یا ستر در ستر کی کشادگی تو عام مومنین کی قبر کے لیے ہوتی ہے اور تا حدِ نگاہ کشادگی خاصانِ حق تعالیٰ کی قبر کے لیے ان کے درجات و مراتب اور خدا تعالیٰ فضل و کرم کے مطابق ہوتی ہے۔

(واما الکافر فذکر موتہ قال) باقی رہا کافر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کا قصہ بایں الفاظ ذکر فرمایا۔ (ویعاد روحہ فی جسدہ) اور کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اسے حقیقۃً زندہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھا۔ مگر اس طرح کی زندگی کافر کے ساتھ مخصوص ہوگی تاکہ اسے عذاب کا شدت سے احساس ہو۔ اور پوری سختی کے ساتھ عذاب کا مزہ چکھے۔ واللہ اعلم۔

(ویاتیہ ملکان فیجلسانہ) اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جو اسے بٹھا دیتے ہیں۔ (فیقولان من ربک) تو اس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے۔ (فیقول) کافر جواب دیتا ہے۔ (ھاہ ھاہ) ہائے افسوس۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے حیرت اور دہشت زدہ اور درد و اذیت میں مبتلا انسان زبان پر لاتا ہے۔ جیسے آہ آہ اور اِئی اِئی کا لفظ بھی ایسے وقت میں زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ (لا ادری) میں نہیں جانتا اور مجھے کچھ علم نہیں (فیقولان لہ ما دینک) پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ (فیقول) وہ جواب دیتا ہے ھاہ ھاہ لا ادری) ہائے افسوس میں تو کچھ نہیں جانتا (فیقولانِ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول ھَاہ ھَاہ لا ادری) یعنی پھر اس سے پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کہتا ہے۔ ہائے افسوس میں نہیں جانتا (فینادی منادٍ من السماء ان کذب) تو آسمان سے ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ اس کافر نے جھوٹ بولا ہے کہ میں نہیں جانتا کیونکہ دینِ اسلام کی آوازہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہرت اور حق کے انوار کی چمک مشرق و مغرب میں پھیل چکی تھی۔ اس کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا کیا حقیقت رکھتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مومن کے لیے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی بنا پر لفظ عبدی استعمال فرمایا اور اسے عزت دینے اور اس کے اعزاز و اکرام کی خاطر اپنی جانب اس کی نسبت کی۔ کافر کو اس اعزاز سے سرفراز نہ فرمایا۔ اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے کافر و مومن دونوں اس کے بندے ہیں لیکن بندگی و رضا اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے۔

(فافرشوہ من النار والبسوہ من النار وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ) اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ۔ اور اسے آگ کی پوشاک پہناؤ۔ اور اس کے لیے آگ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فیاتیہ من حرھا وسمومھا) تو اسے آگ کی تپش اور اس کی زہریلی اور گرم ہوا پہنچنا شروع ہو جاتی ہے۔ (قال) فرمایا۔ (ویضیق علیہ قبرہ) اور کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ (حتی تختلف فیہ اضلاعہ) یہاں تک کہ اس کے پہلوؤں کی پسلیاں ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں۔ (ثم یقیض لہ اعمی واصم) پھر مسلط کیا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ اندھا اور بہرا۔ یہ اس کی بے خبری بے شفقتی اور اس کی سنگدلی سے کنایہ ہے کہ وہ اس کی پریشانی حالی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اس کے نالہ و فریاد کو نہیں سنتا۔ اور اس پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ (معہ مرزبۃ من حدید) اس کے پاس پتھر توڑنے والا اوزار ہوتا ہے۔ مِرْزَبَّۃٌ بکسر میم، وسکون راء و فتح زاء معجمہ اور باکی تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ (لو ضرب بھا جبل لصار ترابا) یہ اوزار اتنا سخت اور بڑا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کسی پہاڑ کو مارا جائے تو وہ پس کر مٹی ہو جائے (فیضربہ بھا ضربۃ) تو وہ اس اوزار کے ساتھ اسے سخت مارتا ہے۔ وہ اس سے سخت چیخ و پکار کرتا ہے۔ (یسمعھا ما بین المشرق والمغرب) کہ اسے مشرق و مغرب کے درمیان کی ہر چیز حیوانات بلکہ نباتات اور جمادات تک سنتی ہے۔ (الا الثقلین) مگر جنات اور انسانوں کو اس کی آواز نہیں سنائی جاتی اس حکمت و مصلحت کی بنا پر جو حدیث انس کی فصل اول میں مذکور ہوئی۔ (فیصیر ترابا) تو وہ کافر پس کر خاک و نابود ہو جاتا ہے۔ (ثم یعاد فیہ الروح) پھر اس کے بدن میں اس کی روح واپس لوٹائی جاتی ہے۔ تو اعادہ روح اور اسے قبر میں زندہ کرنا بار بار ہوتا ہے۔ یہ اس کے لیے شدید اور زیادہ عذاب دینے کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعث بعد الموت اور اعادہ روح کے انکار کی جزا کے طور پر ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس تقدیر پر قبر میں دوبار زندہ کرنا اور دو بار مارنے کا عمل ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے آیۃ کریمہ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ (تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا) کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اور اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعض مفسرین پہلی بار مارنے سے یعنی دنیا میں متعارف مارنا اور قبر میں زندہ کرنے کو پہلی بار زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ اور دوسری بار مارنے سے فرشتوں کے سوال و جواب کے بعد مارنے اور دوبارہ زندہ کرنے سے بعث و نشور کے وقت زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ بہرصورت ان کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردے کو سوال و جواب کے بعد، اور اسے دوزخ میں نشست گاہ دکھانے اور اس کی طرف دروازہ کھولنے

کے بعد مار دیتے ہیں۔ پھر قیامت و بعث کے روز اسے زندہ کریں گے۔

اور ان مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے کو تا قیامت قبر میں عذاب و نعمت اور رنج و راحت پہنچتا رہتا ہے۔ اس پر موت طاری ہونے اور روح کے بدن سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود شاید یہ اس کی روح کی حالت ہوتی ہے۔ جیسے زیارت کو آنے والوں کا شعور و ادراک اور اس کا انہیں شناخت کرنا بھی روح سے ہوتا ہے۔ یہ مقام غور و تحقیق ہے واللہ اعلم۔

۱۲۴۔ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَّجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ وَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رو پڑتے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ آپ سے کہا گیا آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے مگر قبر دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ تو فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کا معاملہ آسان ہے۔ اور اگر اس منزل سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد کا مرحلہ اس سے سخت تر ہوگا۔ حضرت عثمان نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (بھی) کہا تھا کہ میں نے کوئی منظر نہیں دیکھا مگر قبر اس سے بھی زیادہ گھبرا دینے والا منظر ہے۔

وابن ماجہ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب۔

شرح:۔ (وعن عثمان) رضی اللہ عنہ (انہ کان اذا وقف علی قبر بکی) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رو پڑتے۔ (حتی یبل لحیتہ) یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ (فقیل لہ تذکر الجنۃ والنار فلا تبکی) حضرت عثمان سے کہا گیا آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں مگر نہیں روتے (وتبکی من ھذا) اور قبر پر کھڑے ہوتے اور قبر کو دیکھتے اور اس کا عذاب یاد کرتے بھی رو پڑتے ہیں۔ (فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال) آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (ان القبر اول منزل من منازل الاخرۃ۔) کہ بیشک قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے۔ (فان نجا منہ) تو اگر کوئی شخص اس کے عذاب اور اس کے رنج و غلب سے نجات پا گیا (فما بعدہ ایسر منہ)

تو جو منزلیں اور گھاٹیاں اس کے بعد ہیں وہ اس سے آسان تر ہیں۔ (و ان لم ینج منہ فی بعدہ اشد منہ) اور اگر عذاب قبر سے نجات نہ پائی تو جو کچھ اس کے بعد ہے وہ اس سے سخت تر ہے۔ جس طرح عالم ظاہر میں کسی مجرم کو بادشاہ وقت کے پاس لاتے ہیں اگر اس کے سامنے آتے ہی اس سے مہربانی اور آسانی کا سلوک کیا گیا تو اس کے بعد جو کچھ اس کے ساتھ ہوگا، آسان تر ہوگا۔ اور اگر سامنے آتے ہی اس سے سخت رویہ اختیار کیا گیا تو آخر تک اس کا معاملہ سخت تر ہوگا۔ (قال) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ (و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما رایت منظرا قط) میں نے کوئی بُرا اور ناخوش و ناپسندیدہ منظر نہیں دیکھا۔ (الا والقبر افظع منہ) مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے بھی بدتر اور سخت تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ اس سے تکلیف و عذاب سامنے آتا ہے۔ جس سے انسان کی زندگی تلخ اور بدمزہ ہو جاتی ہے۔

۱۲۵ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ ثُمَّ سَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ

(رواہ ابوداؤد)

اور انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو پھر اس کے لیے ایمان پر قائم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس سے اب سوال ہوگا۔

شرح: (و عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ) اور انہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس پر یعنی اس کی قبر پر کھڑے ہوتے۔ (فقال) اور فرماتے (استغفروا لاخیکم) اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو (ثم سلوا لہ بالتثبیت) پھر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اسے منکر نکیر کے جواب میں استقامت عطا کرے۔ (فانہ الان یسئل) کہ بیشک اس سے ابھی سوال ہوگا۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے لیے استغفار اور طلب بخشش رحمت کا سبب و ذریعہ ہے۔ مشائخ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد میں یہ بات تحریر شدہ ہے کہ وفی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتھم عنھم نفع لھم زندوں کے مردوں کے لیے دعا کرنے اور ان کی طرف سے صدقہ کرنے میں انہیں نفع اور فائدہ پہنچتا ہے۔ اور دعا و طلب استقامت اس تلقین کے علاوہ ہے جو دفن میت کے بعد کرتے ہیں، یہ تلقین بہت سے شافعیہ اور

بعض احناف کے نزدیک مستحب ہے۔
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے۔ اور تم اسے دفن کر دو اور مٹی ڈال دو۔ تو چاہیئے کہ تم میں ایک شخص اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے۔ اے فلاں فلانی عورت کے بیٹے۔ میت اس کی یہ آواز سنتا ہے مگر جواب نہیں دے سکتا۔ پھر کہے اے فلاں فلاں عورت کے بیٹے جب دوبارہ یہ آواز سنتا ہے تو قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر تیسری بار وہ کہے اے فلاں فلاں عورت کے بیٹے اس پر وہ میت کہتا ہے اللہ تجھ پر رحمت کرے بتا کیا کہنا چاہتا ہے۔ لیکن تم لوگ اس کی یہ بات نہیں سنتے۔ پھر کہے اے فلاں وہ کلمہ یاد کر جس پر دنیا میں تھا۔ یعنی کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ اور یہ کہ تو اس پر راضی تھا کہ خدا تعالیٰ تیرا رب ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رسول برحق ہیں۔ اور تیرا دین دین اسلام ہے۔ قرآن مجید تیرا امام و راہنما ہے جب میت یہ کہتا ہے تو منکر و نکیر فرشتے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں اس بندے کے پاس سے باہر نکل چلیں اب ہمیں یہاں سے کیا کام اللہ تعالیٰ نے خود اسے اس کی حجت اور دلیل سکھا دی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم لوگ اس کی ماں کا نام نہ جانتے ہوں۔ تو پھر کس طرح آواز دیں اور کس کی طرف نسبت کریں۔ فرمایا حوا کی طرف نسبت کر جو سب کی ماں ہے۔ انتہی۔

اور اول سورۃ بقرہ سے مفلحون تک اور اس کا آخر آمن الرسول سے ختم سورۃ تک پڑھنا بھی آیا ہے اور اگر اس وقت قرآن مجید ختم کریں تو یہ زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی سنا گیا ہے اس موقعہ پر مسائل فقہ میں سے کوئی مسئلہ بیان کریں تو اس کی بھی فضیلت ہے۔ اور باعث نزول رحمت ہے۔ اور اس موقعہ و محل کے مناسب یہ ہے کہ وراثت کا مسئلہ بیان کیا جائے۔ اور مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ قبر پر قرآن مجید کا ختم کرنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُسَلَّطُ عَلَی الْکَافِرِ فِیْ قَبْرِہٖ تِسْعَۃٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّیْنًا تَنْھَسُہٗ وَتَلْدَغُہٗ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ لَوْ اَنَّ تِنِّیْنًا مِّنْھَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ خَضِرًا

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ کافر پر اس کی قبر میں ایک کم سو بڑے جسم کے اور نہایت زہریلے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں جو اس کے بدن کو قیامت تک نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین میں پھونک مارے تو زمین سبزہ

رواہ الدارمی وروی الترمذی نحوہ وقال سبعون بدل تسعۃ وتسعون۔

اُگا نا ختم کر دے اسے دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی اسی کی مانند روایت کیا مگر اس میں تسعۃ وتسعون کے بجائے سبعون کا لفظ ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی سعید) اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لیسلط علی الکافر فی قبرہ) البتہ مسلط کیے جاتے ہیں کافر پر اس کی قبر میں (تسعۃ وتسعون تنینا) ننانوے اژدہے۔ (تنھسہ وتلدغہ حتی تقوم الساعۃ) جو قیامت تک اسے نوچتے اور ڈستے رہتے ہیں تنین بکسر تا و کسر نون مثلا بڑا سانپ جسے اژدہا کہتے ہیں۔ لدغ ڈسنا نہس بفتح نون وسکون ہا اور سین مہملہ یعنی اگلے دانتوں سے پکڑنا اس کا حاصل معنی بھی ڈسنا دونوں الفاظ کے ذکر کرنے سے مقصود تاکید ہے۔ (لو ان تنینا منھا نفخ فی الارض) اگر ان اژدہوں میں کوئی اژدہا زمین میں پھونک مارے۔ (ما انبتت خضرا) تو زمین سے سبزہ اگنا بند ہو جائے۔ یعنی اس کے سانس کی تپش اور گرمی سے سب کچھ جل جائے۔ خضرا بفتح خا و کسر ضاد اور بفتح خا و سکون ضاد اور الف ممدودہ دونوں طرح مروی ہے۔ (رواہ الدارمی) اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ دارمی نے روایت کیا۔ (وروی الترمذی نحوہ) اور ترمذی نے بھی اسی کی مانند روایت کیا یعنی دونوں کا معنی ایک اور الفاظ مختلف ہیں (وقال سبعون بدل تسعۃ وتسعون) اور ترمذی نے دارمی کے لفظ تسعۃ وتسعون کے بجائے سبعون روایت کیا ہے مراد دونوں سے مبالغہ ہے۔ اس عدد معین کا علم قطعی شارع کو ہے اور بعض علماء نے مناسبت ذکر کی ہے جیسا کہ علامہ طیبی نے نقل کیا۔ اور کہا خدا تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں۔ ان میں سے صرف ایک دنیا میں نازل فرمائی کہ یہاں جو شفقت و مہربانی پائی جاتی ہے اس ایک رحمت کا اثر ہے تو ننانوے رحمتیں عالم آخرت کے لیے رکھیں جس بندہ کافر نے جب احکام الٰہی کی تکذیب کی اور اس کا حق عبودیت ادا نہ کیا تو ہر رحمت کے بجائے اس کے لیے ایک اژدہا تیار کر دیا گیا۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر ایمان لانا ضروری ہے اور کافر نے جب ان کا انکار کیا تو ہر عدد کے مقابلے میں ایک اژدہا اس پر مسلط کر دیا گیا طیبی کا کلام ختم ہوا۔

اور قریب تر توجیہ یہ ہے کہ یہ سانپ بچھو اس کی صفات ذمیمہ اور برے اخلاق ہیں جو متشکل ہو کر اس کے سامنے آتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے علم شارع میں اصول اخلاق کی تعداد اس قدر ہو کہ ایک اعتبار سے انہیں ایک کم سو کہنا درست ہو اور دوسرے اعتبار سے ستر کی تعداد تک لوٹانا درست ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۱۲۶۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ۔ رواہ احمد۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا ہم لوگ سعد بن معاذ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے جبکہ وہ فوت ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھ لی اور اسے قبر میں رکھ دیا گیا اور مٹی برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی تو ہم نے بھی کافی وقت تسبیح پڑھی۔ پھر آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ آپ نے پہلے تسبیح پھر تکبیر کیوں کہی۔ فرمایا بیشک اس عبد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تنگی دور کر دی اور اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا گیا۔

شرح: (عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد بن معاذ حین توفی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے جبکہ ان کی وفات ہوئی۔ (فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ (ووضع فی قبرہ) اور انہیں ان کی قبر میں رکھ دیا گیا (وسوی علیہ) اور ان پر مٹی برابر کر دی گئی۔ (سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا۔ (فسبحنا طویلا) ہم نے بھی لمبی یا عرصہ دراز تک تسبیح پڑھی۔ (ثم کبر فکبرنا) پھر آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی اور آپ نے اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ (فقیل) آپ سے دریافت کیا گیا۔ (یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت) یا رسول اللہ آپ نے پہلے تسبیح پھر تکبیر کیوں پڑھی۔ (قال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ) میں نے تسبیح و تکبیر اس لیے کہی کہ اس بندہ صالح پر اس کی قبر تنگ ہوئی۔ (حتی فرجہ اللہ عنہ) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کشادگی عطا کی اور تنگی و دشواری سے انہیں نجات بخشی۔ تسبیح و تکبیر اسے اس شدت سے نجات دلانے کے لیے تھی یا اس حالت کے مشاہدہ پر اظہار

تعجب کے طور پر تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی تنگی اور اس کا دبانا ہر میت کو ہوتا ہے۔ اگرچہ میت انتہا درجے کا مرد صالح کیوں نہ ہو۔ اور یہ مرد صالح یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں کہ ان کی موت پر عرش الٰہی جنبش میں آیا۔ آپ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ ستر ہزار فرشتے نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ قبر کی یہ تنگی یا تو کسی تقصیر کے باعث تھی جو آپ سے قرب حق میں واقع ہوئی یا سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ہر شخص کو قبر دباتی ہے جیسے ہر شخص کے لیے دوزخ پر ورود ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۸- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِىْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (سعد بن معاذ) وہ شخص ہے جس کے لیے عرش حرکت میں آیا اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ستر ہزار فرشتے آپ کے (جنازے) میں حاضر ہوا۔ بیشک آپ کو سخت دبایا گیا اور آپ پر بعد قبر سخت تنگ ہوئی۔ پھر اس دشواری اور تکلیف سے آپ کو کشادگی عطا کی گئی۔

شرح: وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کے دفن کے بعد فرمایا: ھذا الذی تحرک له العرش (یہ وہ نیک شخصیت ہے جس کے لیے عرش جنبش میں آیا)۔ ایک روایت میں یوں ہے اھتز العرش لموت سعد بن معاذ کہ حضرت سعد بن معاذ کی موت پر عرش جھوم اٹھا۔ ایک روایت میں عرش الرحمٰن کا لفظ آیا ہے۔ اس کلام کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حرکت میں آنا اور جھومنا خوشی اور مسرت و نشاط سے کنایہ ہے۔ یعنی ان کی روح پاک کے عالم قدس کی طرف پرواز کرنے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی عظمت و بزرگی کی بنا پر اور ان کی تشریف آوری کی بشارت ملنے پر اہل عرش نے خوشی منائی اور فرحت و نشاط کا اظہار کیا۔

دوسرا یہ کہ یہ ان کی موت کے عظیم ہونے اور اس حادثہ کے شدید ہونے سے کنایہ ہے جس طرح لوگ کہتے ہیں فلاں شخص کی موت سے زمین تاریک ہو گئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دنیا سے ان کی روح مسعود کے نکلنے اور ان کے پاکیزہ اعمال کے آسمانوں کی طرف

بلند ہونے کا سلسلہ منقطع ہونے پر حسرت و غم کے طور پر ایسا ہوا جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ زمین و آسمان صالحین کی موت پر صدمے سے روتے ہیں یعنی زمین کی وہ جگہ جہاں انہوں نے نیک عمل کیے اور آسمان کی وہ جگہ جہاں سے ان کے اعمال صالحہ اوپر چڑھتے تھے۔ اور جن جگہوں کو وہ مشرف و برکت والا کیا کرتا تھا۔ اور فرحت و سرور کو علت قرار دینا جیسا کہ وجہ اول میں مذکور ہوا، اس دوسری حدیث کے مطابق ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ کی امت میں سے وہ کون شخص ہے جس کا آج رات وصال ہوا ہے۔ جس سے آسمانوں والے بہت مسرور اور خوش ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص سعد بن معاذ ہے۔ ان کی موت کا قصہ غزوہ خندق میں مذکور ہے۔ (وفتحت لہ ابواب السماء) اور اس پر نزول رحمت یا اس کی روح کے عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔

(وشہدہ سبعون الفا من الملائکۃ) اور ان کے پاس یعنی ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے۔ (لقد ضم ضمۃ ثم فرج عنہ) ان پر بھی قبر تنگ کی گئی اور معاملہ سخت کیا گیا پھر یہ حالت ان سے ہٹالی گئی۔ اور آسانی مہیا کردی گئی۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِىْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً رواہ البخاری وزاد النسائی حَالَتْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اَنْ اَفْهَمَ كَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيْبٍ مِّنِّىْ اَىْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ قَالَ قَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِى الْقُبُوْرِ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے جب آپ نے اس کا ذکر کیا تو مسلمانوں پر سخت گریہ طاری ہوا یہ الفاظ بخاری نے روایت کیے اور نسائی نے یہ الفاظ مزید روایت کیے کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سمجھنے کے درمیان گریے کی یہ حالت حائل ہو گئی۔ جب لوگوں کو گریے سے سکون ہوا تو میں نے ایک آدمی سے جو میرے قریب تھا دریافت کیا اللہ تجھے برکت عطا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری کلام میں کیا بیان فرمایا تھا۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم لوگوں کو قبروں میں ایسے فتنے کے

اندر مبتلا کیا جاتا ہے جو دجال کے فتنے کے قریب ہوتا ہے۔

شرح:۔ (وعن اسماء بنت ابی بکر) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا) فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ (فذکر فتنۃ القبر التی یفتن فیہ المرء) اور فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔ (فلما ذکر ذلک ضج المسلمون ضجۃ) جب آپ نے فتنہ قبر یاد دلایا تو لوگوں پر سخت گریہ طاری ہوا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور صرف اتنے الفاظ روایت کیے۔ (وزاد النسائی) اور نسائی نے یہ عبارت اور زیادہ کی۔ کہ حضرت اسماء نے کہا (حالت بینی وبین ان افهم کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک سمجھنے میں گریہ وزاری کی مذکورہ حالت حائل ہوگئی (اور میں آپ کا پورا کلام نہ سمجھ سکی)۔ یعنی لوگوں کا نالہ و فریاد اس قدر بلند ہوا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نہ سن سکی اور نہ سمجھ سکی۔ (فلما سکنت ضجتهم) جب لوگوں کا نالہ و فریاد ٹھہر گیا اور انہیں سکون ہو گیا تو میں نے ایک آدمی سے جو میرے قریب تھا، دریافت کیا (ای بارک اللہ فیک) اے مرد خدا اللہ تیرے کام میں برکت ڈالے۔ (ماذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر قولہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری کلام میں کیا فرمایا تھا۔ (قال قال) اس مرد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور) تحقیق میری طرف وحی نازل ہوئی ہے کہ قبروں میں تم لوگ ایسے فتنہ میں مبتلا کیے جاتے ہو۔ (قریبا من فتنۃ الدجال) جو غایت شدت اور نہایت اذیت میں فتنہ دجال کے قریب ہوتا ہے نیز دجال دعویٰ ربوبیت کرے گا اور لوگ عجز و مجبوری کے باعث اس کی ربوبیت کے اقرار کے فتنہ میں گریں گے۔ میت کے لیے بھی اس کا احتمال ہے کہ اضطرار و گھبراہٹ کے باعث فرشتوں کو دیکھ کر ان کی ہیبت معاملے کی شدت، اور ان کی دہشت سے فتنہ میں گر پڑے۔ اور جب اس سے دریافت کریں کہ تیرا رب کون ہے یا تیرا رسول کون ہے تو مارے دہشت کے وہ بات زبان سے کہہ ڈالے جو نہ کہنے والی ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۱۳۰۔ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔

رواہ ابن ماجۃ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میت کو جب قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہونے کا وقت محسوس ہوتا ہے وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز پڑھ لوں۔

شرح:۔ (وعن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل المیت القبر مُثلت لہ الشمس عند غروبہا)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت اسے سورج ڈوبنے کا وقت محسوس ہوتا ہے۔ یعنی غروب کے قریب جب اس کا رنگ زرد پڑ جاتا اور روشنی کم ہو جاتی ہے۔ (فیجلس یمسح عینیہ) تو وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ (ویقول دعونی اصلی) اور اپنے آپ سے کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز مغرب ادا کر لوں۔ یا فرشتوں سے کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز ادا کر لوں۔ اس کے بعد جو چاہو کر لینا۔ یا سوال و جواب سے فارغ ہونے کے بعد کہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔ یہ کیفیت اس کے آرام و آسائش پر دلالت کرتی ہے۔ کہ گویا وہ ابھی دنیا میں ہے اور اسے نیند آگئی تھی قبر میں اس کی یہ حالت و کیفیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ دنیا میں ادائے فرائض اور ان پر ہمیشگی و دوام میں بڑا پختہ تھا۔ وقت مغرب کی تخصیص اس لیے فرمائی یہ وقت غربت و تنہائی سے مناسبت رکھتا ہے۔ شام کا وقت غریبوں (مسافروں) سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں " شام غریباں" غریب الوطن آدمی شام کے وقت جب کسی بیگانے شہر میں پہنچتا ہے تو حیران و پریشان ہوتا ہے کہ کہاں بیٹھے اور کیا کرے۔ نظم

تو زلف راشکستی تاریک شد جہاں ۔۔۔ اکنوں فتاد شام غریباں کجا روند
نماز شام غریباں چو گریہ آغازم ۔۔۔ بہ ہائے ہائے غریبانہ قصہ پردازم

تو نے اپنی زلف کھولی تو جہاں تاریک ہو گیا۔ اب شام پڑ گئی غریب الوطن کہاں جائیں
غریبوں کی نماز شام کے وقت جب میں رونا شروع کرتا ہوں تو غریبانہ ہائے ہائے کے ساتھ اپنا قصہ مکمل کرتا ہوں۔

۱۳۱- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیَجْلِسُ الرَّجُلُ فِیْ قَبْرِهٖ غَیْرَ فَزِعٍ وَلَا مَشْعُوْبٍ ثُمَّ یُقَالُ فِیْمَ كُنْتَ فَیَقُوْلُ كُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَیِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میت قبر میں پہنچتا ہے تو مرد اپنی قبر میں بغیر کسی خوف کے بڑا خوش خوش بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین و ملت میں تھا۔ وہ جواب دیتا ہے دین اسلام میں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے ہمارے پاس روشن دلائل لے کر آئے تو ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے

رَأَيْتَ اللّٰهَ فَيَقُوْلُ مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرَى
اللّٰهَ فَيُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا
يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ
اِلٰى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ
فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ
هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِيْنِ كُنْتَ عَلَيْهِ مِتَّ وَ
عَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُجْلَسُ
الرَّجُلُ السُّوْءُ فِيْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَشْغُوْبًا فَيُقَالُ
لَهٗ فِيْمَ كُنْتَ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا
هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ
قَوْلًا فَقُلْتُهٗ فَيُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ
فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ
اِلٰى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ
اِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا
فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ
عَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ
تَعَالٰى۔

رواه ابن ماجة۔

کہا تو نے اللہ کو دیکھا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کسی کا یہ مقام نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھے۔ پھر اس کے لیے آگ کی جانب ایک سوراخ نکالا جاتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو توڑ رہی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھ اسے جس سے اللہ نے تجھے بچایا ہے۔ پھر اس کے لیے ایک سوراخ جنت کی طرف کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی تروتازگی اور جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانا تو یقین پر قائم رہا اور یقین پر ہی مرا اور اسی پر ان شاء اللہ تعالیٰ تیرا حشر ہوگا۔ اور برے مرد کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ اس وقت بڑی گھبراہٹ اور اذیت میں ہوتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین و ملت میں تھا وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے میں نے لوگوں کو سنا کہ ایک بات کہتے تھے وہ میں نے بھی کہی تو اس کے لیے ایک سوراخ جنت کی طرف کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی تروتازگی اور جو کچھ میں ہے، کو دیکھتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے دیکھ اس چیز کو جو اللہ نے تجھ سے پھیر دی ہے پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک سوراخ کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے۔ تو شک پر تھا شک پر ہی مرا اور شک ہی پر قیامت کے دن ان شاء اللہ اٹھے گا

شرح:۔ (وعن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت یصیر الی القبر) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت قبر کی طرف واپس جاتا ہے۔ (فیجلس الرجل فی قبرہ) تو مرد اپنی قبر میں بیٹھ جاتا ہے یا بٹھایا جاتا ہے۔ یعنی مرد صالح کو اس کی قبر میں۔ (غیر فزع ولا مشغوب) بغیر کسی گھبراہٹ اور فتنہ میں مبتلا کرنے کے۔ یعنی بے خوف، خوشحال اور فارغ البالی کی حالت میں۔ لغت میں شغب بفتح شین و غین معجمہ اور سکون غین بمعنی شر، فتنہ اور تباہی برپا کرنا۔ (ثم یقال فیم کنت) پھر اس سے کہا جاتا

ہے کہ تو دنیا میں کس دین و ملت کا پیروکار تھا۔ (فیقول دینی الاسلام) وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے اور میں اسلام کا پیروکار تھا۔ (فیقال ما ھذا الرجل) پھر اس سے دریافت کیا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ اور نیز اس کے بارے میں کیا اعتقاد ہے۔ (فیقول محمد رسول اللہ) وہ جواب دیتا ہے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (جاءنا بالبینت من عند اللہ) ہمارے پاس اللہ کی طرف سے روشن اور ظاہر معجزات لے کر تشریف لائے (فصدقناہ) تو ہم نے اس کی تصدیق کی اور اسے سچا جانا۔ (فیقال لہ ھل رایت اللہ) جب کہ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے دین اسلام لے کر آئے تو اس سے دریافت کیا گیا کیا تو نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس بنا پر کہتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے پاس سے معجزات لائے ہیں۔ تو کس دلیل سے کہتا ہے۔ دراصل اس میں اس کی اس تصدیق کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ (فیقول ماینبغی لاحد ان یری اللہ) وہ کہتا ہے کسی کو لائق نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ و تقدس کا دیدار کرے میں نے تو ان کے روشن معجزات دیکھ کر ان کے صدق کا یقین کیا ہے۔ (فیفرج لہ فرجۃ قبل النار) پھر اس کے لیے کھولا جاتا ہے ایک شگاف آتش دوزخ کی طرف۔ یُفَرَّجُ تخفیف و تشدید دونوں طرح آیا ہے۔ قِبَلَ بکسر قاف اور فتح با۔ بمعنی جانب اور جہت اسی طرح ہر جگہ جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے۔ (فینظر الیہ یحطم بعضھا بعضاً) تو وہ آتش دوزخ اور اس کے بڑے عذاب کو دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ آگ آگ کے ہی بعض دوسرے حصوں کو توڑتی اور پائمال کر رہی ہے۔ یہ اس کی کثرت، اس کی شدت اور اس کے آپس کو درہم برہم کرنے سے کنایہ ہے۔ (فیقال لہ انظر الی ما وقاک اللہ) پھر اسے کہا جاتا ہے۔ اس چیز کو دیکھ جس سے خدا تعالیٰ نے تجھے بچا لیا ہے۔ بعض نسخوں میں منہ کا لفظ بھی مذکور ہوا ہے۔ (ثم یفرج لہ فرجۃ قبل الجنۃ) پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ (فینظر الی زھرتھا وما فیھا) تو وہ اس کی تر و تازگی اور جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھتا ہے بغیر اس کے کہ اسے دیکھنے کا حکم ہو۔ (فیقال لہ ھذا مقعدک) اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیری نشست گاہ ہے۔ (علی الیقین کنت) کیونکہ تو دنیا کی زندگی میں یقین و ایمان پر تھا۔ (وعلیہ مت) اور اسی یقین و ایمان پر تو مرا۔ مُتَّ میم کے ضمہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ (وعلیہ تبعث) اور اسی یقین و ایمان پر تجھے قبر سے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اگر خدا تعالیٰ نے چاہا۔ یہ کلمہ تبرک و تاکید اور شوق و رغبت کے اظہار کے لیے ہے۔ جیسے کسی بیمار یا مبتلائے تکلیف کو کہتے ہیں حوصلہ کر ان شاء اللہ تعالیٰ تو صحت یاب اور اس مصیبت سے نجات پا جائے گا۔

(ویجلس الرجل السوء فی قبرہ) اور بدکردار انسان کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ سُوْءُ سین کا ضمہ

اور فتحہ دونوں اس کی لغات ہیں۔ (فزعا مشغوبا) درانحالیکہ وہ تباہ حال اور ڈر رہا ہوتا ہے۔ (فیقال له فیم کنت) اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حالت اور کس دین میں تھا۔ (فیقول) وہ جواب دیتا ہے۔ (لا ادری) میں نہیں جانتا اور مجھے کچھ پتہ نہیں۔ (فیقال له ما هذا الرجل) پھر اس سے پوچھا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ (فیقول سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ) وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو سنا کہ وہ کچھ کہتے تھے تو میں نے بھی وہی کیا۔ (فیفرج له فرجة قبل الجنة) پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے۔ (فینظر الی زهرتها وما فیها) تو وہ جنت کی تروتازگی اور جو کچھ اس میں ہے سب دیکھتا ہے۔ (فیقال له انظر الی ما صرف الله عنك) پھر اس سے کہا جاتا ہے اس چیز کی طرف دیکھ جو اللہ نے تجھ سے پھیر لی ہے اور تجھے اس سے محروم کر دیا ہے۔ (ثم یفرج له فرجة الی النار فینظر الیها یحطم بعضها بعضا) پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک شگاف کر دیا جاتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے کہ اس کا بعض بعض کو توڑ رہا ہے۔ (فیقال له هذا مقعدك) اور اسے کہا جاتا ہے یہ ہے تیری نشستگاہ (علی شك كنت) تو دنیا میں شک میں مبتلا رہا۔ (وعلیه مت) اور شک کی حالت میں ہی مرا۔ (وعلیه تبعث ان شاء الله تعالی) اور ان شاء اللہ تعالیٰ شک کی حالت میں ہی قیامت کے دن اٹھے گا۔
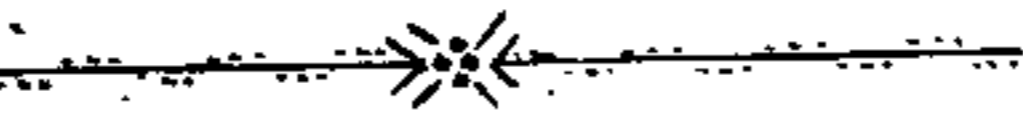
کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا باب

صراح میں ہے اعتصام بمعنی پنجہ گاڑھنا اور مضبوطی سے تھامنا۔ کتاب و سنت سے اعتصام کا معنی ہے کتاب و سنت کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ اور جو کچھ اس میں آیا ہے اس پر عمل کرنا۔ اور بدعت اور اہل ہوا کے مذاہب سے دور رہنا۔ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ سنت بمعنی سیرت اور وہ طریقہ جس پر دین میں لوگ چلتے ہیں۔ سنت سے وہ امور بھی مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیے بغیر اس کے کہ وہ واجب یا ضروری ہوں۔ یہاں سنت سے اوامر و نواہی مراد ہیں جو کتاب اللہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمائے۔ کتاب اللہ کے اوامر و نواہی مراد نہیں ہیں کہ ان کا کتاب کی صورت میں یہاں الگ ذکر موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ　　پہلی فصل

۱۳۲۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے نئی بات پیدا کی ہمارے دین میں جو اس میں سے نہ ہو تو وہ باطل و مردود ہے۔

شرح:۔ (عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من احدث فی امرنا ھذا) جس شخص نے نکالی ہمارے اس دین میں جو روشن و ظاہر ہے۔ (ما لیس منہ) ایسی چیز جو اس میں سے نہ ہو۔ یعنی ایسی نئی بات نکالی جو کتاب و سنت میں نہ تو صراحتہً مذکور ہو۔ اور نہ ہی قواعد استنباط سے اخذ کی گئی ہو۔ اور نہ ہی کتاب نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہو۔ ہمارے اس معنی کے مطابق فی امرنا ہذا میں اجماع اور قیاس بھی داخل ہو گیا۔ غرض یہ کہ ایسی چیز مراد ہے جو کتاب و سنت کے خلاف اور اسے تبدیل کرنے والی ہو۔ (فھو رد) تو وہ چیز یا ایسی بات نکالنے والا شخص باطل و مردود ہے۔

۱۳۳۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعد حمد و صلوٰۃ بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو اپنے پاس سے نئے نکال لیے گئے ہوں۔

(رواہ مسلم) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرح:۔ (وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی خطبہ میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔ (امابعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ) بہترین کلام اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ (وخیر الھدی ھدی محمد) اور تمام طریقوں اور سیرتوں میں سے بہترین سیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ (وشر الامور محدثاتھا) اور تمام چیزوں میں بدترین چیز وہ ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو جسے بدعت کہتے ہیں۔ (وکل بدعۃ ضلالۃ) اور ہر بدعت گمراہی کا سبب ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا بدعت کہلاتا ہے۔ پھر اس میں سے جو کچھ اصول کے موافق اور قواعد سنت کے مطابق ہو۔ اور کتاب وسنت پر قیاس کیا گیا ہو "بدعت حسنہ" کہلاتا ہے۔ اور جو ان اصول وقواعد کے خلاف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں۔ اور کل بدعۃ ضلالۃ کا کلیہ اس دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو بدعات حسنہ ہیں ان میں سے بعض کا اختیار کرنا واجب وضروری ہے۔ جیسے علم صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا کہ اسی کے ذریعے آیات واحادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کے غرائب اور مشکل مقامات کا حفظ اور ذہن نشین کرنا، اور دوسری بہت سی چیزیں اور علوم جن پر دین وملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات حسنہ مستحسن ومستحب ہیں۔ جیسے سرائیں اور دینی مدارس تعمیر کرنا۔ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے بعض علماء کے نزدیک مسجدوں اور قرآن مجید کی جلدوں اور غلافوں وغیرہ کی زیبائش وآرائش اور ان کا نقش ونگار۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کی فراوانی اور لباس فاخرہ زیب تن کرنا بشرطیکہ یہ چیزیں حلال وجائز ذرائع سے حاصل ہوتی ہوں۔ تکبر اور ایک دوسرے پر فخر کا باعث نہ بن رہی ہوں۔ اسی طرح بعض اور چیزیں بھی مباح ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں۔ جیسے آٹے کو چھلنی سے چھاننا وغیرہ۔ اور بعض بدعات حرام ہیں جیسے اہل بدعت وہوا کے مذاہب باطلہ جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔

اور جو جو نئی باتیں خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اختیار کیں وہ اگرچہ اس اعتبار سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں بدعت کہلائیں گی۔ تاہم وہ بدعت ضلالۃ نہیں ہیں بلکہ بدعت حسنہ ہوں گی۔ بدعت بھی نہیں درحقیقت سنت میں داخل ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت وطریقہ" کو مضبوطی سے پکڑے رہو رضی اللہ عنہم۔

۱۳۴۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهٗ۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں ایک حرم کعبہ میں الحاد پھیلانے والا۔ دوسرا اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کے خون ناحق کا طالب ہوتا کہ اس کا خون بہا دے۔

شرح: (وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل اسلام کے گروہ میں سے تین آدمی اللہ کے دشمن ہیں۔ (ملحد فی الحرم) پہلا وہ آدمی جو حرم کی زمین میں الحاد پھیلانے والا ہو۔ لغت میں الحاد کا معنی کسی جانب مڑنے اور پھرنے کا آتا ہے۔ اسی معنی کے مطابق قبر کے اس گڑھے کو لحد کہتے ہیں جو ایک جانب بنایا جاتا ہے۔ اور شرع میں حق سے باطل کی جانب مڑنے اور پھرنے کو الحاد کہتے ہیں۔ اور حرم میں الحاد یہ ہے کہ ان امور کا ارتکاب کیا جائے جو ممنوع اور حرام ہیں۔ جیسے کسی کو قتل کرنا کسی سے لڑائی کرنا۔ حدود حرم میں شکار کرنا۔ یا مطلقاً گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ کہ جس طرح اس زمین میں نیکی کا ثواب کئی گنا ہے معصیت و گناہ کا مرتکب ہونا بھی سخت ترین جرم ہے۔ کہ مقام قرب میں بے ادبی سخت شنیع اور سخت قبیح ہے۔ اسی بنا پر آپ نے مکہ معظمہ میں رہائش کو مکروہ و ناپسندیدہ جانتے ہوئے کہ اس مکان شریف کی حرمت و عظمت کی نگہداشت ایک مشکل امر ہے، طائف میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

(ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ) دوسرا وہ شخص جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا ہو اور شعار جاہلیت کو چاہنے والا ہو۔ جیسے نوحہ کرنا، منہ نوچنا، مردہ پر کپڑے پھاڑنا۔ اور پرندوں سے بدفالی لینا وغیرہ۔ (ومطلب دم امرء بغیر حق) تیسرا وہ شخص جو کسی کے خون ناحق کا طلبگار ہو۔ (لیھریق دمہ) اس کی صرف یہ غرض ہو کہ اس کا خون بہا دے۔ اور کوئی غرض و مقصد نہ ہو۔ اگرچہ قتل مطلقاً مذموم و ممنوع ہے۔ لیکن بغیر کسی وجہ کے کسی کے خون کے درپے ہونا نہایت مذموم اور سخت قبیح فعل ہے۔ گویا اس کا مقصد صرف اس معصیت و جرم کا ارتکاب ہونا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا چاہیئے کہ جب کسی کے قتل کا صرف ارادہ رکھنا اس قدر معصیت اور سخت مذموم امر ہے تو جو شخص قتل کا ارتکاب کرے اس کا حال اللہ کے ہاں کس قدر برا اور مذموم ہوگا۔

۱۲۵۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔

رواہ البخاری

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی مگر وہ شخص جس نے سرکشی اختیار کی لوگوں نے کہا کس نے سرکشی اختیار کی۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک اس نے سرکشی کی۔

شرح لمعات:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی (الا من ابی) مگر وہ جس نے سرکشی کی۔ (قیل و من ابی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کس نے سرکشی کی۔ یعنی سرکشی کرنے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں سرکشی کرنے اور نہ کرنے والے دونوں کا ذکر کیا تاکہ بات کی پوری وضاحت و تفسیر ہو جائے۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من اطاعنی دخل الجنۃ) جس نے میری فرمانبرداری کی یعنی کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑا جنت میں داخل ہوگا۔ (و من عصانی فقد ابی) اور جس نے میری نافرمانی کی اور بدعت کا راستہ اختیار کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی تو اس نے سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۱۲۶۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِکَۃٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِکُمْ ھٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَہٗ مَثَلًا قَالَ بَعْضُھُمْ اِنَّہٗ نَائِمٌ قَالَ بَعْضُھُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَۃٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ۔ فَقَالُوْا مَثَلُہٗ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا وَجَعَلَ فِیْھَا مَادُبَۃً وَبَعَثَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَکَلَ مِنَ الْمَادُبَۃِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَادُبَۃِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْھَا

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند فرشتے آئے آپ اس وقت سو رہے تھے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے بیشک تمہارے اس ساتھی (نبی کریم علیہ السلام) کا عجیب قصہ اور حال ہے۔ تو اس کا قصہ اور حال بیان کرو۔ بعض فرشتوں نے کہا وہ تو سو رہے ہیں۔ بعض نے کہا آنکھ سو رہی ہے مگر دل بیدار ہے تو انہوں نے کہا کہ ان کا قصہ اور حال اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک مکان تعمیر کیا پھر اس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا تو جس نے اس بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ اس مکان میں داخل ہوگا اور اس کھانے میں سے کھائے گا اور جس نے

لَهٗ يُفْقِهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَ الْقَلْبَ يَقْظَانَ فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَ الدَّاعِيُّ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ

(رواہ البخاری)

اس کی دعوت قبول نہ کی وہ نہ تو مکان میں داخل ہوگا اور نہ اس کھانے میں سے کچھ کھا سکے گا پھر فرشتوں نے آپس میں کہا اس قصے کی حقیقت بیان کرو تاکہ وہ (نبی علیہ السلام) اسے سمجھ جائیں۔ بعض نے کہا وہ تو سو رہے ہیں اور بعض نے کہا صرف آنکھ سوتی ہے دل بیدار ہے تو انہوں نے اس قصے اور مثل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والے ہیں۔

شرح:- (وعن جابر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال جاءت ملائكة النبي صلى الله عليه وسلم) کہ فرشتوں کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی (وهو نائم) درانحالیکہ آپ اس وقت سو رہے تھے۔ (فقالوا) فرشتوں نے آپس میں کہا (ان لصاحبكم مثلا) بیشک تمہارے دوست یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ذات کا عجیب قصہ اور عجیب حال ہے۔ فرشتوں کا حضور علیہ السلام کو اپنا صاحب کہنا اس بنا پر تھا کہ اس وقت ملائکہ آپ کے پاس تھے۔ (فاضربوا له) تو اس کے اس عجیب قصے کو ایک مثال کی صورت میں بیان کرو تاکہ وہ اسے جان لے اور امت کو اس سے آگاہ کرے۔ (قال بعضهم انه نائم) کچھ فرشتوں نے کہا وہ اس وقت سو رہے ہیں بیان کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا یعنی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس پر (قال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان) بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے دل جاگتا ہے۔ آپ کا یہ حال ہر وقت رہتا تھا۔ کہ نیند میں آپ کی آنکھیں بند ہوتی تھیں اور جو کچھ آنکھ سے دکھائی دیتا ہے وہ آپ نہ دیکھتے تھے۔ مگر آپ کا قلب شریف بیدار رہتا تھا۔ اور جو کچھ آپ کے متعلق ہوتا تھا اسے آپ سنتے تھے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آ چکا ہے۔ تنام عيناى ولا ينام قلبي میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (فقالوا) تو انہوں نے آپ کا عجیب قصہ اور عجیب حال بیان کرتے ہوئے کہا۔ (مثله كمثل رجل بنى دارا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ اور حال اس شخص کے حال و قصہ کی طرح ہے جس نے ایک مکان تعمیر کیا (وجعل فيها مادبة) اور اس میں کھانا

آراستہ کیا مَأْدُبَۃٍ بہمزہ و ضم دال مہملہ وہ جو لوگوں کو ________ کھلاتے ہیں یہ لفظ فتح دال سے بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک حدیث میں القرآن مادبۃ اللہ قرآن اللہ کا کھانا ہے۔ (و بعث داعیا) اور اس شخص نے ایک بلانے والا بھیجا جو لوگوں کو اس کھانے کی طرف بلا کر لائے۔ (فمن اجاب الداعی دخل الدار و اکل من المادبۃ) تو جس جس نے اس کی دعوت قبول کی وہ اس مکان میں داخل ہوا اور اس کھانے میں سے بھی کھایا۔ (ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المادبۃ) اور جس نے اس دعوت کو مسترد کر دیا وہ اس مکان میں داخل نہ ہوا اور نہ اس کھانے میں سے نصیب ہوا۔ (فقالوا اولوھا لہ یفقھھا) پھر ملائکہ نے کہا اس قصہ اور مثل کی حقیقت اور مقصد بیان کرو تاکہ یہ سونے والا شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی مراد سمجھ جائے۔ (قال بعضھم انہ نائم ...) اس مرتبہ بھی بعض نے کہا کہ آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ (وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان) اور بعض نے کہا آنکھ نیند میں ہے اور دل بیدار ہے۔ (فقالوا) تو انہوں نے اس کی تاویل اور مطلب بیان کرتے ہوئے کہا (الدار الجنۃ) تعمیر کردہ مکان سے مراد جنت ہے۔ (والداعی محمد) لوگوں کو اس کھانے کی طرف بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جو کھانا تیار کیا گیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی گئی وہ جنت کی نعمتیں ہیں۔ ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہ فرمایا۔ اور جس مرد نے وہ مکان تعمیر کیا بے ادبی کے خیال سے اس کا ذکر بھی نہ کیا کہ مرد کا اطلاق حق تعالیٰ و تقدس پر اگرچہ تشبیہ کے طور پر ہی ہو، مناسب نہیں۔ (فمن اطاع محمدا) چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو بلاتے ہیں اس لیے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ (فقد اطاع اللہ) تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ (ومن عصی محمدا فقد عصی اللہ) اور جو انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (ومحمد) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فرق بین الناس) کافر و مومن اور نافرمان و فرمانبردار لوگوں کے درمیان فرق تمیز کرنے والے ہیں کہ جس نے آپ کی تصدیق کی صاحب ایمان ہو گیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی کافر ہو گیا۔ اور جس نے آپ کے فرمودات کے مطابق عمل کیا فرمانبردار کہلایا۔ اور جس نے اس کے مطابق عمل نہ کیا نافرمان بن گیا۔ فَرْق بفتح فا و سکون را بمعنی فارق فرق و تمیز کرنے والا۔ اور بعض محدثین نے یہ لفظ فَرَّقَ بہ تشدید را تفریق مصدر سے ماضی کا صیغہ بھی نقل کیا ہے۔

اور تورات میں مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ میں سے ایک اسم مبارک فارقلیط ہے۔ یعنی

حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوفا و باخبار المصطفٰی میں ذکر کیا کہ ابن قتیبہ نے روایت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریین سے کہا میں جا رہا ہوں میرے بعد ایک فارقلیط تشریف لا رہا ہے۔ جو حق کی روح ہو گی وہ اپنے پاس سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ صرف وہی بات زبان سے نکالے گا جس کی اُسے وحی ہو گی۔ وہ میرے صادق ہونے کی گواہی دے گا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے اس سے تمہیں آگاہ کرے گا۔ اور یوحنا کی حکایت میں جو حواریین میں سے ایک تھا، آیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا فارقلیط تم میں اس وقت تک تشریف نہ لائے گا جب تک میں تم میں سے نہ جاؤں۔ اور جب وہ تشریف لائے گا تو لوگوں کو گناہوں پر ڈانٹ ڈپٹ کرے گا۔ اور اپنے پاس سے کچھ نہ کہے گا۔ اور تمہیں حقانی سنت کے مطابق چلائے گا اور تمہیں ان واقعات و حوادث اور غیب کی باتوں سے آگاہ کرے گا جو تمہیں پیش آنے والی ہوں گی اور تمہارے راز تم پر منکشف کرے گا۔ اور تمہارے سامنے ہر چیز بیان کرے گا۔ اور وہ میری صداقت کی گواہی دے گا۔ جس طرح میں اس کی صداقت کی گواہی دے رہا ہوں۔ اور میں تمہارے سامنے مثالیں بیان کرتا ہوں۔ وہ آکر ان کی تاویل و تفسیر بتائے گا۔ رواہ البخاری۔

۱۴۷۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰہِ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا تین آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آپ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے آئے جب انہیں اس کے متعلق بتایا گیا تو گویا انہوں نے اسے کم خیال کیا۔ پھر انہوں نے کہا حضور علیہ السلام کے سامنے ہم کیا چیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام فرو گذاشتوں کو معاف کر دیا ہوا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات کو نماز ہی پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا ان سے نکاح نہ کروں گا۔ پھر حضور علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں آگاہ رہو قسم بخدا میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر

اِنِّی لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاکُمْ لَهٗ وَلٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (متفق علیہ)

پرہیزگار ہوں مگر میں روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

شرح: ۔ (وعن انس قال جاء ثلاثة رهط الى ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تین شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے۔ (یسألون عن عبادة النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے کہ اس کی مقدار کیا تھی۔ (فلما اخبروا بها) جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق بتایا گیا اور ازواج مطہرات علیہن الرضوان نے اس کی مقدار بیان کی کہ یہ تھی (کانهم تقالوها) تو ان تین اشخاص نے حضور کی عبادت کو گویا کم خیال کیا۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کا مرتبہ بزرگ تر اور بلند تر ہے تو آپ کی عبادت و طاعت بھی بہت زیادہ ہو گی تاہم انہوں نے ادب کا راستہ اختیار کرتے ہوئے آپ کی طرف کسی قسم کی کوتاہی کی نسبت نہ کی۔ (فقالوا) بلکہ یوں کہا (این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت اگر آپ کی مقدارِ عبادت کم ہے تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے (وقد غفر اللہ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر) کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کی اگلی پچھلی تمام فروگذاشتیں معاف کر دی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ اگر کم عبادت بھی کریں تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ اس کے برعکس ہم لوگ اس امر کے محتاج ہیں کہ ہمارے گناہوں کی مغفرت ہو۔ لیکن ان بزرگ صحابہ نے یہ نہ جانا اور اس پہلو پر اچھی طرح غور نہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی عبادت ہر زیادہ سے زیادہ عبادت سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حضور کو کمالِ معرفت اور عبادت میں پوری طرح حضورِ قلب اور درجہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ نیز حضور کے کم عبادت بجالانے میں امت کے حق میں وفورِ رحمت اور اس پر کمالِ شفقت ہے۔ اور اس میں نفس اور اہل و عیال کے حقوق کی رعایت اور تعلیم موجود ہے۔ پھر اس میں مسلکِ اعتدال پر استقامت اور عمل پر مداومت پائی جاتی ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کی کثرت اور افراط اس عمل میں فتور اور سستی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور رقت و ملال کا موجب بن جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غفرانِ ذنوب کا ذکر جو آیا ہے۔ تو اس کی توجیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے بہترین قول یہ ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید عزت افزائی کے لیے وارد ہوا ہے بغیر اس کے کہ آپ سے

کوئی گناہ سرزد ہوا ہو۔ جیسے آقا اپنے غلام سے کہتا ہے میں نے تیرے تمام گناہ بخش دیئے تو فارغ البال اور خوش رہ۔ اور کسی قسم کا فکر نہ اندیشہ نہ کر اگرچہ اس غلام سے کوئی غلطی اور گناہ صادر نہ ہوا ہو۔ اور مشہور توجیہ یہ ہے کہ حَسَنَاتُ الابرار سیئاتُ المُقَرَّبِیْن (ابرار کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں) یعنی درجہ ابرار میں جو اعمال نیکی کہلاتے ہیں۔ درجہ مقربین میں ان کے بلند درجہ کے باعث گناہ اور برائی متصور ہوتے ہیں۔

(فقال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابدا) تو ان تین اشخاص میں سے ایک نے کہا میں نے عہد کرلیا ہے کہ ہمیشہ یا پوری رات عبادت میں گزارا کروں گا۔ (وقال الآخر انا اصوم الدهر ابدا) دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ (ولا افطر) اور کبھی افطار نہ کروں گا (وقال الآخر انا اعتزل النساء) تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔ (فلا اتزوج ابدا) کبھی ان سے نکاح نہ کروں گا۔ اگر یہ شخص اب تک مجرد تھا اور کسی عورت سے نکاح نہ کیا تھا تو عبارت کا مطلب ظاہر ہے۔ اور اگر اس کی عورت موجود تھی تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ (فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیهم فقال) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں حضرات کے پاس تشریف لائے اور فرمایا (انتم الذین قلتم کذا وکذا) تم وہ ہو جنھوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ (اما واللہ انی لاخشاکم للہ) آگاہ رہو بیشک میں تم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (واتقاکم لہ) اور تم سب سے بڑھ کر اس کے لیے تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔ (ولکنی اصوم وافطر) لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ یعنی کبھی روزے رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا۔ (واصلی وارقد) اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ (واتزوج النساء) اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور ان سے مجامعت بھی کرتا ہوں۔ (فمن رغب عن سنتی فلیس منی) تو جو شخص میری سنت اور میرے طریقے سے اعراض کرتا ہے وہ میرے پیروکاروں میں سے نہیں ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهٗ

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا پھر اس میں نرمی کردی تو کچھ لوگوں نے اس رخصت اور نرمی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ان لوگوں کی یہ بات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام سے کنارہ کشی کرتے ہیں جو میں نے کیا اور میں نے اس کا حکم

فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً۔ متفق علیہ۔

دیا۔ خدا کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں۔ اور مجھے ان سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا خوف و ڈر ہے۔

شرح :۔ (وعن عائشۃ قالت صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فرخص فیہ) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا پھر اس میں رخصت اور نرمی اور آسانی کر دی، یعنی رخصت پر عمل کیا یا امت کو رخصت پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ لغت میں رخصت کا معنی ہے کسی کام میں آسانی اور فراخی پیدا کرنا اور ترخیص کا معنی ہے رخصت دینا اور آسانی کرنا (فتنزہ عنہ قوم) تو کچھ لوگوں نے اس سے دوری اختیار کی۔ یعنی رخصت پر عمل کرنے کو پسند نہ کیا۔ (فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی۔ (فخطب و حمد اللہ ثم قال) تو آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا (ما بال اقوام یتنزھون عن الشیئ اصنعہ) ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام کو پسند نہیں کرتے جسے میں کرتا ہوں اور میں اس کا حکم دیتا ہوں۔ (فواللہ انی لاعلمھم باللہ) قسم بخدا میں ان سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتا ہوں۔ (واشدھم لہ خشیۃ) اور ان سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ یعنی کمال تقوی اور خوف و ڈر کے باوجود رخصت پر عمل کرتا ہوں یہ لوگ کیا اور کون ہیں جو اس پر عمل کرنے کو ناپسند جانتے ہیں۔

رخصت پر عمل کرنا درحقیقت بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے نفس کیلئے آسانی اپنے عاجز و بے بس ہونے کا اظہار اور تخفیف کے مشاہدے اور خدا تعالیٰ کے رخصت دینے کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے رخصت پر جو عمل ہوتا ہے وہ عزیمت کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے خدا تعالیٰ رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کھجوروں کو پیوند کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا تم لوگ یہ کیا کرتے ہو سو انہوں نے کہا ہم لوگ یہ کام عرصہ سے کرتے چلے آرہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم یہ کام نہ کرتے تو شاید بہتر ہوتا تو لوگوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا (اتفاق ایسا ہوا کہ) اس سال کھجوروں نے پھل کم دیا۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ۔

راوی کہتا ہے لوگوں نے اس کمی کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس پر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک بشر ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اسے لے لیا کرو۔ اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں (اس میں تم میرے حکم کی تعمیل کے پابند نہیں ہو)۔

(رواہ مسلم)

شرح :۔ (عن رافع بن خدیج) بہ وزن کریم صحابی ہیں۔ انصاری ہیں صغر سنی کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ غزوہ احد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ایک جنگ میں دشمن کے تیر سے زخمی ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا آپ کا یہ زخم ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں پھٹ گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

یہ رافع بن خدیج راوی ہیں کہ (قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (وھم یابرون النخل) ان دنوں اہل مدینہ کھجور کو پیوند اور اس کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ دراصل اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ لوگ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور کی شاخ سے لگاتے تھے۔ جس سے باذن خداوندی مادہ کھجور گویا حاملہ ہو جاتی تھی یابُرُوْن فتح یا و سکون ہمزہ اور کسرہ و ضمہ با بروایت دیگر یُاَبِّرُوْنَ بضم یا فتح ہمزہ و کسر باء مشددہ۔ (فقال) تو آپ نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا۔ (ما تصنعون) تم لوگ یہ عمل کس لیے کرتے ہو۔ (قالوا کنا نصنعہ) لوگوں نے کہا ہم زمانہ قدیم سے ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں ایسا کرنا ہماری عادت بن چکی ہے۔ اور یہ عمل درخت کو پھلدار کر دیتا ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا) اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو شاید زیادہ بہتر ہو جب کہ یہ زمانہ جاہلیت کا عمل ہے اور ظاہراً اس کی کوئی تاثیر بھی نہیں۔ تو اس کا نہ کرنا بہتر اور اَولیٰ ہے۔ (فترکوہ) لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ (فنقصت) اتفاق سے درخت خرمانے (اس سال) پھل کم دیا یا اس کا پھل کم ہو گیا۔ (قال) راوی کہتا ہے۔ (فذکروا ذالک) لوگوں نے یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ (فقال) آپ نے فرمایا (انما انا بشر) میں تو صرف ایک بشر ہوں۔ (اذا امرتکم بشیء من امر دینکم) جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں (فخذوہ)

تو اسے لے لو۔ اور اس پر کار بند ہو جاؤ۔ (واذا امرتکم بشئ من رائی) اور جب میں تمہیں اپنی رائے اور اجتہاد سے کوئی کام کہوں (فانما انا بشر) تو سوائے اس کے نہیں میں تو ایک بشر ہوں۔ شاید خطا کر جاؤں۔ احمد کی روایت میں صریحا ایسا آیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بغیر ہی محض اپنے اجتہاد سے لوگوں کو اس بنا پر اس عمل سے منع فرمایا کہ یہ امور جاہلیت اور اس کی عادات میں سے ایک عمل ہے اور گہرائی میں جانے کے بغیر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس عمل کی پھل زیادہ یا کم ہونے میں تاثیر کی کوئی معقول وجہ نہیں یا یہ امر ذہن مبارک میں لائے بغیر کہ یہ عمل عادت الٰہی کے مطابق پھل زیادہ ہونے میں اثر رکھتا ہے، آپ نے انہیں منع فرمایا مگر جزم و یقین سے ممانعت نہ فرمائی۔ بلکہ یوں فرمایا کہ اگر پیوند نہ کرو تو بہتر ہو۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کے دنیوی امور کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ اور نہ اس سے کوئی غرض متعلق تھی کہ اس عمل کے کرنے اور نہ کرنے سے دنیوی اور اُخروی سعادت وابستہ نہ تھی۔ آپ تو دینی امور کے بیان کا اہتمام فرمانے تشریف لائے تھے۔ تو جب آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق یہ عمل تاثیر رکھتا ہے۔ مگر اس بارے میں ممانعت بھی وارد نہیں ہے تو آپ نے سکوت فرمایا اور چشم پوشی اختیار کی یہی معنی ہے اس جملے کا جو اس واقعہ سے متعلق بعض روایات میں آیا ہے۔ (انتم اعلم بامور دنیاکم تم لوگ اپنے دنیا کے امور بہتر جانتے ہو۔) یعنی مجھے اس عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ اور اس طرف میری کوئی توجہ اور التفات نہیں۔ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف پیوند کرنے والے انصار مدینہ سے معاذ اللہ کم تھا۔) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے دنیوی و اخروی ہر کام کا زیادہ[1] علم رکھتے تھے۔

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی وسعت علم کے پیش نظر اس واقعہ سے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جلد اول صفحہ ۲۰۷ میں فرماتے ہیں:۔

ومن معجزاتہ الباھرۃ ای الاٰیاتہ الظاھرۃ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
ما جمعہ اللہ لہ من المعارف ای الجزئیۃ	آپ کے لیے معارف جزئیہ اور علوم کلیہ اور مدرکات ظنیہ اور یقینیہ اور
والعلوم ای الکلیۃ والمدرکات الظنیۃ	اسرار باطنہ وانوار ظاہرہ جمع کر دیے اور آپ کو بنیاد دین کی تمام مصلحتوں
والیقینیۃ والاسرار الباطنۃ والانوار	پر اطلاع دے کر خاص فرمایا اس پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ
الظاھرۃ وخصہ من الاطلاع علی جمیع مصالح الدنیا	حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ انصار تلقیح نخل کر رہے تھے یعنی نر کھجور کی کلی
[illegible]	

۱۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ

والدین ای ماینتم بہ اصلاح الامور الدنیویۃ والاخرویۃ واستشکل بانہ صلی اللہ علیہ وسلم وجد الانصار یلقحون النخل فقال لو ترکتموہ فترکوہ فلم یخرج شیئا او خرج شیصا فقال انتم اعلم بامور دنیاکم واجیب بانہ کان ظنا منہ لا وحیا وقال الشیخ سیدی محمد السنوسی اراد ان یحملھم علی خرق العوائد فی ذالک ای باب التوکل واما ھناک فلم یمتثلوا فقال انتم اعرف بدنیاکم ولو امتثلوا وتحملوا فی سنۃ او سنتین لکفوا امر ھذہ المحنۃ۔

مادہ کی کلی میں رکھتے تھے تاکہ وہ حاملہ ہو اور پھل زیادہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو شاید بہتر ہوتا لوگوں نے چھوڑ دیا تو پھل نہ آئے یا کم اور خراب آئے تو آپ نے فرمایا تم اپنے دنیوی کاموں کو خوب جانتے ہو۔ اس اشکال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گمان فرما لیا تھا اور کوئی وحی اس بارے میں نہ ہوئی تھی حضرت شیخ محمد السنوسی نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرق و خلاف عادت کام پر آمادہ کرنے اور باب توکل کی پہنچان کا ارادہ کیا تھا انہوں نے اطاعت نہ کی اور جلدی کی تو حضور نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خود ہی جانو۔ اگر یہ لوگ سال دو سال آپ کی بات مان لیتے اور تلقیح نہ کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے تو انہیں تلقیح کی محنت نہ اٹھانی پڑتی۔

یہی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا کی جلد ثانی ص ۳۲۸ میں فرماتے ہیں۔

وعندی انہ علیہ السلام صادق فی ذالک الظن ولو ثبتوا علی کلامہ لفاقوا فی الفن ولارتفع عنھم کلفۃ المعالجۃ فانما وقع التغیر بحسب جریان العادۃ الا تری ان من تعود بکل شیء اذا ترکہ یتفقدہ واذا لم یجدہ یتغیر من حالہ فلو صبروا علی نقصان سنۃ او سنتین لرجع النخیل الی حالہا الاول وربما کان یزید علی قدر الحول و فی القصۃ اشارۃ الی التوکل وعدم المبالغۃ فی الاسباب وغفل عنہ ارباب المعالجۃ

اور میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گمان میں درست اور صحیح تھے اور اگر یہ لوگ آپ کے ارشاد پر ثابت قدم رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے اس عمل کی مشقت رفع ہو جاتی۔ اور پھل میں کمی کا تغیر عادت جاریہ کے مطابق ہوا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص ایک چیز کھانے یا پینے کا عادی ہوتا ہے وہ اسی کی تلاش کرتا ہے۔ اور جب اسے وہ چیز میسر نہیں آتی تو اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اگر یہ لوگ صبر سے کام لیتے اور ایک دو سال نقصان برداشت کرتے تو کھجور کا پھل اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتا۔ بلکہ بہت ممکن ہے پہلے سے مقدار میں بڑھ جاتا۔ اس واقعہ میں توکل اختیار کرنے اور اسباب اختیار

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مہلہم فنجوا وکذبت طائفۃ منہم فاصبحوا مکانہم فصبحہم الجیش فاہلکہم واجتاحہم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق۔

(متفق علیہ)

میری اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی کیفیت و حالت اس شخص کی کیفیت و حالت کی طرح ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے اپنی دونوں آنکھوں کے ساتھ ایک لشکر دیکھا ہے (دشمن کا لوٹ مار کرنے والا لشکر) اور بیشک میں یقین سے اور واضح طور پر تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ تو جلدی کرو جلدی کرو اپنے بچاؤ کے لیے، اس سے یہ خبر سن کر قوم کے ایک گروہ نے تو اس کی اطاعت کی اور وہ اطمینان اور آرام کے ساتھ اسی وقت رات کو ہی چل پڑے۔ تو اس لشکر سے نجات پا گئے۔ اور دوسرے گروہ نے اس کی خبر کو جھوٹا قرار دیا اور اپنے گھروں میں ہی ٹکے رہے یہاں تک کہ اس لشکر نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کیا اور ہلاک کر دیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ بالکل یہی کیفیت و نوعیت اس شخص کی ہے جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس کی اتباع کی۔ اور ایسی ہی کیفیت اس کی ہے جس نے میری نافرمانی کی۔ اور جو حق لے کر میں آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

شرح:- (وعن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ) اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میرا قصہ اور حال اور اس کا قصہ و حال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے یعنی دین و شریعت اور ایمان و طاعت اختیار نہ کرنے کی صورت میں میں نے جو عذاب دنیوی و اخروی کے بارے میں خبریں دی ہیں۔ (کمثل رجل اتی قوما فقال)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

من الاصحاب واللہ اعلم بالصواب۔ میں مبالغہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ کرام میں سے اشیاء اختیار کرنے والے اسی نکتے سے غافل تھے۔

علماء کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف اس بارے میں کامل و مکمل تھا۔ بعض لوگ اس حدیث سے جو حضور علیہ السلام کے علم کی نفی کرتے ہیں ان کا یہ مقصد درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مترجم غفرلہ۔

اس آدمی کے حال اور قصے کی طرح ہے جو قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا۔ (یا قوم انی رایت الجیش بعینی) اے میری قوم میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے (وانا النذیر العریان) اور بیشک میں تمہیں برہنہ ڈرانے والا ہوں۔ اس کلمے کا معنی یہ ہے کہ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ لوٹ مار کے لیے کسی لشکر کو آتا دیکھتے تو برہنہ ہو جاتے۔ اور کپڑا ہاتھ میں پکڑ کر اسے بلند کرتے اور اپنے سر کے گرد گھماتے۔ اور اپنی قوم کے پاس آتے اور انہیں اس کی اطلاع دیتے کہ لوٹ مار کے لیے ایک لشکر آ رہا ہے۔ اور وہ شخص جسے دشمن کی اطلاع کے لیے کسی جگہ مقرر کرتے جب وہ دشمن کو دیکھتا اپنے کپڑے بدن سے اتار لیتا اور اسے بلند کرتا اس طرح اسے برہنہ ہونا پڑتا۔ اس کے بعد یہ لفظ ناگہانی کام کے لیے جو خوف و ڈر سے بھرپور ہو اور اس میں شک و شبہ نہ ہو کے لیے بطور مثل و محاورہ استعمال ہونے لگا۔ یہ دونوں معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے اور انذار میں علی وجہ الکمال والتمام ظاہر و نمایاں طور پہ پائے جاتے ہیں، کیونکہ آپ نے جملہ امور کے متعلق جس قدر خبریں دی ہیں اس میں سچے ہیں نیز عذاب سے متعلق آپ نے جو خبریں دی ہیں وہ بھی کمالِ خوف و ڈر پہ مشتمل ہیں۔

(فالنجاء النجاء) یہ لفظ مد اور قصر دونوں طرح آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں جلدی کرو جلدی کرو اور بھاگو تاکہ قتل و غارت سے نجات پاؤ۔ (فادلجوا) تو وہ رات کے وقت ہی چل پڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اَدْلَجُوْا کو بفتح ہمزہ و سکون دال اور بکسر ہمزہ و تشدید دال دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلے اعراب کے مطابق اس کا معنی ہو گا رات کے پہلے حصے سے کر آخری حصے تک چلتے رہنا۔ دوسرے اعراب کے مطابق اس کا معنی رات کے آخری حصے میں سفر کرنے کا آتا ہے۔ پہلی روایت میں زیادہ بلاغت اور زیادہ تالید پائی جاتی ہے۔ (فانطلقوا علی مهلهم) تو وہ آہستگی، نرمی اور آرام سے چل پڑے۔ مهلهم فتح میم و ھا اور سکونِ ھا دونوں طرح آیا ہے۔ علامہ طیبی نے نووی سے کتابِ مسلم میں علی مهلتهم بضم میم و سکون ھا اور لام کے بعد تا کی شکل میں بھی روایت کیا ہے۔ (فنجوا) تو وہ نجات پا گئے اور سلامتی اور حفاظت سے چلے گئے۔ (وکذبت طائفۃ منهم) اور اس کی قوم میں سے ایک گروہ نے مرد کی اس خبر کی تکذیب کی۔ اور اس کی خبر کا کوئی اعتبار نہ کیا۔ (فاصبحوا مکانهم) تو وہ صبح تک اپنی جگہ ہی ٹھہرے رہے۔ اور بھاگ کر کسی محفوظ جگہ نہ گئے۔ (فصبحهم الجیش) تو لوٹ مار کرنے والا لشکر صبح ہوتے ہی ان کے سروں پہ آ پہنچا۔ (فاهلکهم واجتاحهم) اور اس لشکر نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں لوٹ لیا اور بیخ و بن سے انہیں اکھیڑ کر رکھ دیا۔ (فذالك مثل من اطاعنی) بالکل یہی قصہ اور حال اس شخص کا ہے جس نے میری فرمانبرداری کی اور میری خبر کو سچا جانا۔ (فاتبع ما جئت به) تو جو دین و شریعت میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی اختیار کی (ومثل من عصانی وکذب

ما جئت بہ من الحق) اور اس شخص کا حال اور قصہ ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی اور جھوٹ جانا۔

۱۴۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ وَتَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا۔ (متفق علیہ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی جب اس آگ سے اردگرد روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ اڑنے والے جانور کیڑے مکوڑے کہ آگ میں گرنا ان کی عادت ہے۔ آگ میں گرنا شروع ہو گئے۔ اور اس شخص نے انہیں روکنا شروع کر دیا لیکن یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں گرنے سے باز نہ آئے۔ اور اس روکنے والے مرد سے قابو سے باہر نکل گئے تو ہجوم کی صورت میں اس کے اندر گرتے ہیں۔ تو میں جائے ازار بند سے پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں۔ مگر تم لوگ ہجوم کرتے ہو اور بے تحاشا اس میں گرتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ اور مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ مگر اس نے اس کے آخر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تمہیں تمہاری جائے ازار بند سے پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں۔ اور تمہیں بار بار کہتا ہوں کہ اے لوگو آگ کی طرف جانے کے بجائے میری طرف آؤ میری طرف آؤ لیکن تم لوگ مجھ پر غالب آتے اور اس آگ میں ہی گرتے ہو۔

شرح:۔ (وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی (فلما اضاءت ما حولها) جب آگ کی روشنی اردگرد پھیل گئی یا آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا۔ یا وہ جگہیں روشن ہو گئیں جو آگ کے آس پاس میں بخاری کی روایت میں حولها کے بجائے حولہ کا لفظ ہے۔ اس صورت میں ضمیر مذکر مرد کی طرف لوٹے گی۔ (جعل الفراش وهذه الدواب التی تقع فی النار) تو پروانوں اور ان جانوروں (کیڑوں و مکوڑوں) نے جن کی عادت آگ میں گرنا ہے۔ (یقعن

فیھا) اس میں گرنا شروع کر دیا جسے اس مرد نے روشن کیا تھا۔ (وجعل یحجزھن) اور وہ مرد کھڑا ہو کر انہیں روکتا اور آگ میں گرنے سے انہیں منع کرتا ہے۔ (ویغلبنہ) مگر وہ پروانے اور جانور اس پر غالب آتے اور اس میں گرنے سے باز نہیں آتے۔ (فیتقحمن فیھا) بفتح یا و تا و قاف اور حائے مشددہ بمعنی انبوہ در انبوہ اور ہجوم کر کے اس میں گرتے ہیں۔ (وانتم تقحمون فیھا) اور تم لوگ انبوہ در انبوہ اور ہجوم کی صورت میں اس آگ کے اندر ہلاکت سے بے خطر و اندیشہ گر کر پڑتے ہو۔ (فانا آخذ بحجزکم عن النار) تو میں تمہاری جائے ازار بند یعنی کمر سے پکڑ کر تمہیں آتش دوزخ سے روکتا ہوں (وانتم تقحمون فیھا) مگر تم لوگ اس میں انبوہ اور ہجوم کی صورت میں اس کے اندر گرتے ہو۔ حُجز بضم حا و فتح جیم و سکون جیم آخر میں زا۔ جمع حُجزۃ بضم حا و سکون جیم ازار بند باندھنے کی جگہ (کمر) یہ حجز سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ اور یہ پوری شدت کے ساتھ روکنے سے کنایہ ہے۔ کہ جو شخص کسی کو حرکت سے روکنا چاہتا ہے۔ تو وہ یہی جگہ پیچھے سے پکڑتا اور اس کے کپڑے کو ہاتھ ڈالتا ہے۔ خصوصاً جب ازار بند کی گرہ پکڑے تو حرکت کرنے اور اچھلنے کی طاقت ازار بند اور شرمگاہ کے برہنہ ہونے کے خطرہ کے تحت حرکت کرنے اور اچھلنے کی مجال نہیں رہتی۔ (ھذہ روایۃ البخاری) یہ بخاری کی روایت ہے۔ (ولمسلم نحوھا) اور مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے مگر بعض الفاظ میں اختلاف ہے۔ (وقال فی آخرھا) اور مسلم نے روایت کے آخر میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فذلک مثلی ومثلکم) یہ مذکورہ حال میرا اور تمہارا حال ہے کہ حدود الہی سے جو حرام اور ممنوع امور پر مشتمل ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا اور دور رہنا چاہیئے میں یہ حدود اور محارم و نواہی پوری وضاحت سے بیان کر چکا ہوں۔ جیسے کوئی شخص آگ جلائے اور تم اس میں گرنا شروع کر دو تو تمہیں اس میں گرنے سے روکتا ہوں۔ جیسا کہ فرمایا۔ (فانا آخذ بحجزکم عن النار) میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے روکتا ہوں۔ اور تمہیں بار بار کہتا ہوں۔ (ھلم عن النار ھلم عن النار) آگ میں گرنے کے بجائے میری طرف آؤ میری طرف آؤ اور آگ سے دور ہٹو۔ (فتغلبونی) تو تم لوگ میرے قابو سے باہر نکلتے ہو۔ (وتقحمون فیھا) اور بے تحاشا اس میں گرتے ہو۔ تغلبونی تشدید اور تخفیف نون دونوں طرح درست ہے جیسا کہ قاعدہ نحو میں مذکور ہے۔ لیکن یہاں حدیث میں تشدید نون کے ساتھ ہے۔

۱۴۲۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی سی ہے۔ جو زمین کو پہنچی اس میں سے ایک حصہ اچھا اور زرخیز تھا اس قطعہ زمین نے اپنے

طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ (متفق علیہ)

اندر بارش کا پانی جذب کر لیا اور خوب گھاس اگائی۔ اس زمین میں سے کچھ حصہ سخت تھا کہ اس نے اپنے اوپر پانی جمع کر لیا۔ تو اللہ نے اس زمین سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ انہوں نے اس سے پانی پیا۔ کھیتوں کو سیراب کیا اور زراعت کی۔ اور وہ بارش ایک ایسی زمین پر بھی برسی جو ہموار و فراخ تھی (ریگستانی صحرا تھی) جو نہ تو پانی کو روکتی ہے اور نہ ہی گھاس اگاتی ہے اسی طرح وہ شخص ہے جو اللہ کے دین کا فقیہ بنا اور اللہ نے اس سے نفع جو اس نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس نے خود علم حاصل کیا پھر دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کا حال ہے جس نے اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو میں لے کر آیا ہوں۔

شرح: (عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدیٰ والعلم) اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس کی مثال (کمثل الغیث الکثیر) موسلا دھار بارش کی ہے۔ (اصاب ارضا) جو زمین پر برسی۔ (فکانت منھا طائفۃ طیبۃ) اس زمین میں سے ایک قطعہ بڑا عمدہ پاک و طیب اور زرخیز تھا جو خوب فصل اگاتا ہے۔ طیب خبیث کی ضد ہے بمعنی بنجر۔ طائفۃ طیبۃ روایت میں مرفوع ہے۔ (کانت کا اسم ہونے کی بنا پر)۔ (قبلت الماء) اس قطعہ زمین نے پانی کو قبول کیا اور اپنے اندر جذب کر لیا۔ (فانبتت الکلاء والعشب الکثیر) تو اس نے بہت گھاس اور چارہ اگایا کلأ ہمزہ مقصورہ کے ساتھ بروزن ملاء تر یا خشک گھاس۔ بعض کلأ کو خشک گھاس سے مخصوص کرتے ہیں اور عُشب بضم عین اور سکونِ شین تر گھاس سے خاص کرتے ہیں (وکانت منھا اجادب) اور اس زمین میں سے کچھ قطعے سخت تھے جو پانی کو محفوظ کر سکتے ہیں جذب نہیں کر سکتے۔ اور نہ کچھ اگاتے ہیں اجادب جیم اور دال مہملہ کے ساتھ جمع جَدَبٌ روایت کے اعتبار سے بھی یہی صحیح ہے۔ اور اصول کے نسخوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم نے صحیحین میں بلا کسی خوف کے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ اور قاموس میں یہ لفظ مادۂ جیم اور دال مہملہ میں ذکر کیا۔ بعض محدثین نے یہ لفظ اجاذب بذال معجمہ اور اجازب حاءِ مہملہ اور زا کے

ساتھ اور اجارد باء کی جگہ دال سے روایت کیا ہے اور بعض نے اخاذات بکسر ہمزہ و خاء معجمہ مخففہ اور ذال معجمہ مخففہ آخر میں تاء نے جمع مؤنث کی صورت میں روایت کیا اور ان الفاظ کے معانی شرح عربی میں وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں تاہم صحیح روایت پہلی ہے۔ واللہ اعلم۔

(امسکت الماء) اس سخت زمین نے اپنے اوپر پانی روک لیا (ذخیرہ کر لیا)۔ (فنفعہم اللہ بہا الناس) تو خدا تعالیٰ نے اس زمین سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا اس پانی کے ذریعہ جو اس نے ذخیرہ کر لیا تھا۔ بعض نسخوں میں فنفع اللہ بہا کے بجائے بہ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے جو زمین پر ذخیرے کی شکل میں موجود تھا، لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ (فشربوا) لوگوں نے اس سے پیا۔ (وسقوا) دوسروں کو پلایا۔ (وزرعوا) اور اس پانی کے ساتھ کھیتی باڑی کی بعض روایات میں زرعوا کے بجائے رعوا رعی سے آیا ہے۔ یعنی مویشی چرانا۔ (واصاب منہا طائفۃ اخری) اور وہ بارش زمین کے ایک دوسرے قطعے پر برسی (انما ھی قیعان) زمین کا یہ قطعہ بنجر تھا۔ قیعان بکسر قاف و سکون یاء جمع قاع بمعنی ہموار اور فراخ قطعہ زمین بعض نے اس کا معنی ریتلی زمین کا کیا جس میں نہ تو فصل اگے اور نہ ہی پانی کا ذخیرہ محفوظ کرے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا (لا تمسک ماء و لا تنبت کلاء) جو نہ تو پانی روک کر رکھے اور نہ گھاس اگائے۔ (فذالک من فقہ دین اللہ) تو یہ مذکورہ مجموعہ اس شخص کے حال کا بیان ہے جو فقیہ، عالم، دانا اور دین خداوندی میں زیرک اور باریک بین ہو۔ (و نفعہ ما بعثنی اللہ بہ) اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس چیز سے نفع عطا کیا جو چیز اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ (فعلم و علم) تو اس نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا لغت میں فقہ کا معنی فہم اور سمجھ ہے۔ اس کی ماضی فَقِہَ بکسر قاف آتی ہے عرف شرع میں فقہ علم دین کے معنی میں آتا ہے۔ اس کی ماضی فَقُہَ بضم قاف بھی آتی ہے۔ اس حدیث میں یہ لفظ دونوں طرح مروی ہے۔ مگر بضم قاف اکثر اور زیادہ مشہور ہے۔ (و مثل من لم یرفع بذالک راسا) اور یہ اس شخص کا حال ہے جس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا اس چیز کی طرف جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ یہ تکبر اور عدم توجہ اور عدم التفات سے کنایہ ہے۔ (و لم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ) اور خدا تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں بندوں کی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک وہ جس سے دین میں فائدہ پہنچے۔ دوسری وہ جو نہ خود فائدہ حاصل کرے نہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔ زمین کی بھی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک وہ جو پانی سے نفع یاب ہوتی ہے۔ دوسری وہ جو پانی سے کچھ فائدہ حاصل نہ کرے۔ پھر فائدہ مند زمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو فصل اگائے

دوسری وہ جس میں کچھ نہ اُگے۔ اسی طرح دین سے فائدہ اٹھانے والے دو قسم ہیں۔ ایک عالم، عبادت گزار فقیہ، اور لوگوں کو دین سکھانے والا یہ اس زمین کی طرح ہے جو پاک اور عمدہ ہو پانی جذب کرتی ہو۔ اس طرح خود اسے بھی فائدہ پہنچے اور گھاس چارہ اگائے اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ دوسرا وہ جو عالم اور معلم ہو (دوسروں کو تعلیم دینے والا) مگر نوافل اور زائد اعمال کی عبادت میں مشغول نہ ہوتا ہو۔ اور فقہ کا جو علم حاصل کیا اس پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو یہ اس زمین کی طرح ہے جس میں پانی ٹھہر جاتا ہو۔ اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہوں۔ اور پر کچھ بھی نفع نہ اٹھانے والا وہ شخص ہے جس نے اپنا سر تک نہ اٹھایا اور علم دین کی طرف کوئی توجہ والتفات نہ کیا۔ اور بالکل سننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ یا سن کر اس پر نہ عمل کیا اور تعلیم حاصل نہ کی۔ اور دین میں آنے نہ آنے سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ اور منکر و کافر ہو گیا یہ اس شور زمین کی مانند ہے جو نہ پانی جذب کرے نہ پانی کا ذخیرہ کرے۔ اور نہ اس میں کوئی چیز اُگے۔ یہ اس کا حاصل و خلاصہ ہے جیسے صحیح بخاری کے بعض شارحین نے بیان کیا ہے، حدیث کے ان الفاظ کا مفہوم یوں بیان کرنا بھی ممکن ہے۔ کہ قسم اول اس شخص سے عبارت ہے جس نے علم دین سیکھا۔ درجہ اجتہاد پر فائز ہوا اور اس قوت اجتہاد کی بدولت دین کے باریک معانی، اسرار اور اس کی شرح کی جیسے فقہائے مجتہدین اور علماء کاملین و محققین کا حال تھا جس طرح وہ گھاس جو زمین سے اگتی ہے۔ اور لوگ اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اس شخص سے عبارت ہے جس نے علم حاصل کیا اسے اپنے سینے میں جمع کیا۔ پھر اس کی حفاظت کی اور اس امانت کو پورے اہتمام کے ساتھ آگے پہنچایا اور اس کے اہل کے حوالے کر دیا۔ جس طرح محدثین، حفاظ احادیث اور اس علم کی طرف دعوت دینے والے حضرات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَقَرَءَ اِلٰى وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی ھو الذی انزل علیک وما یذکر الا اولوا الالباب تک۔ حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو دیکھے اور مسلم کے ہاں اس طرح ہے جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات قرآنی میں سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے کجرو قرار دیا ہے۔ تو ایسے لوگوں سے بچ کر رہو۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ قالت تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ھو الذی انزل الیک الکتب منہ
ایات محکمات وتوء الخ) وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیات محکمات ہیں۔ آپ نے یہ آیت (وما
یذکر الا اولوا الالباب) (اور نہیں نصیحت پذیر ہوتے مگر ارباب عقل و دانش۔) تک تلاوت کی۔

اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے۔ اے نبی مکرم اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیات محکم ہیں۔ کہ ان کے
معانی واضح اور روشن ہیں۔ اور ان کے الفاظ اور معانی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ (ھن ام الکتاب) یہ آیات کتاب
کا اصل اور عمدہ حصہ ہیں۔ کہ اشتباہ اور احتمال کے وقت ان کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (واخر متشابہات)
اور کچھ دوسری آیات ہیں جو متشابہ کہلاتی ہیں یہ محکمات کے خلاف ہیں کہ ان کے الفاظ و معانی میں اشکال و اشتباہ ہوتا ہے۔
ان متشابہات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ایک اعتبار سے مشکل و مشتبہ ہیں۔ اور با ایک اعتبار سے واضح المعنی اور
محکم ہیں۔ دوسری وہ جو مطلقاً مشتبہ ہیں کہ کسی بھی اعتبار سے ان کے معنی کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ متشابہ کا اکثر و بیشتر
اطلاق اس دوسری قسم پر ہوتا ہے۔ (فاما الذین فی قلوبھم زیغ) تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ اور
جن کے دل باطل اور غیر حق کی طرف مائل اور جھکے ہوتے ہیں۔ (فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ) تو یہ لوگ کتاب میں سے
اس متشابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ اور پہلو کو اختیار کرتے ہیں جس میں اشکال و اشتباہ ہوتا ہے۔ (اِبْتِغَاءَ
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ) طلب فتنہ کے لیے تاکہ لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا کریں۔ اس کی تاویل اور حقیقتِ معنی
کی تلاش و جستجو کیلئے نہیں (وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ) حالانکہ اس کی حقیقتِ معنی کو جو اس کا مآل اور مرادی معنی ہے
اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ) اور وہ لوگ جو علم اور یقینِ ایمانی میں قوی اور
مضبوط ہیں یہ کہتے ہیں ہم متشابہ آیات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی جو مراد ہے حق ہے اگرچہ ہمارے فہم و
عقل کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ (كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے
کیا محکم اور کیا متشابہ اور محکمات کے سمجھنے کا راستہ تو ہمارے لیے کھول دیا گیا ہے۔ مگر متشابہات کے سمجھنے کا کوئی راستہ
نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی حکمتیں رکھی ہیں۔ ان میں سے بڑی اور عمدہ حکمت علماء کے عجز اور شکستگی کا اظہار ہے۔
جو تحصیل علم اور حقائق اشیاء کے سمجھنے کی زبردست حرص و چاہت رکھتے ہیں۔ (وما یذکر الا اولوا الالباب) اور نصیحت
کی بات نہیں سنتے مگر ارباب عقل و دانش۔ (قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فاذا رأیت) بعض روایات میں بکسر تا آیا ہے۔ حضرت عائشہ سے خطاب ہے۔ یعنی اے
عائشہ جب تو دیکھے لیکن اکثر روایات میں بفتح تا آیا ہے خطاب عام کے لفظ سے یعنی اے مخاطب جب تو دیکھے۔ اور اس

روایت فتح کا موید ہے یہ جو صاحب مشکوٰۃ نے کہا (عند مسلم رایتم) اور مسلم کے نزدیک رایتم کا لفظ بصیغہ جمع آیا ہے۔ یعنی اے مسلمانوں جب تم دیکھو الذین یتبعون ما تشابہ منہ ۔ ان لوگوں کو جو پیروی کرتے ہیں کتاب میں سے متشابہات کی فاولئک الذین سماہم اللہ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے کیا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ جیسا کہ آیت کی تفسیر میں مذکور ہوا (فاحذروھم) تو ان سے بچو اور ان کی مجلس میں نہ بیٹھو اور ان کے راہ ورسم سے بیزار رہو۔

۱۴۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ ھَجَّرْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَیْنِ اخْتَلَفَا فِیْ اٰیَۃٍ فَخَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَفُ فِیْ وَجْھِہِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِاخْتِلَافِھِمْ فِی الْکِتَابِ ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے چہرۂ انور پر غضب وغصہ محسوس ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو لوگ ہلاک و تباہ ہوئے وہ کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہی ہوئے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو قال ھجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما) اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک دن میں دوپہر کو سخت گرمی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا (قال) حضرت عبداللہ کہتے ہیں۔ (فسمع اصوات رجلین اختلفا فی آیۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو قرآن کی آیات میں سے ایک آیت میں اختلاف اور جدال و تنازع کر رہے تھے۔ (فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف فی وجہہ الغضب) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے چہرۂ انور سے غضب وغصہ محسوس ہو رہا تھا۔ (فقال) آپ نے فرمایا۔ (انما ھلک من کان قبلکم باختلافہم فی الکتاب) ہلاک و تباہ نہ ہوئے تم سے پہلے لوگ مگر کتاب میں اختلاف کرنے کے سبب۔ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو شک وشبہ میں مبتلا کرے اور فتنہ اور جھگڑے کا موجب بنے۔ اور کفر و بدعت تک لے جائے۔ جیسے نفس قرآن میں اختلاف (یہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں) یا ایسے معنی میں اختلاف جس میں اجتہاد جائز نہ ہو۔ وہ اختلاف مراد نہیں جو علماء کا استنباط احکام میں پایا جاتا ہے یا ان علوم میں اختلاف جو استنباط احکام کے مبادی اور مقدمات ہیں۔ کہ یہ اختلاف رحمت اور دین وملت کے دائرہ کی وسعت کا موجب ہے۔ سلف ہمیشہ اس

مسلک پر رہے ہیں۔ بلکہ اس قسم کے اختلاف رائے کی انہیں اجازت تھی۔

۱۴۵۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ سَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْئَلَتِهٖ۔ متفق علیہ

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مسلمانوں میں جرم کے لحاظ سے سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے جس نے ایک ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہ تھی اس کے سوال کرنے سے حرام ہو گئی۔

شرح:۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے کل حالات کتاب کے آخر میں اہل بدر کے اسماء میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔

ان حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما) بیشک مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے۔ (من سال عن شیء لم یحرم علی الناس) جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو لوگوں پر پہلے حرام نہ تھی۔ (فحرم من اجل مسئلتہ) اس کے سوال کرنے سے حرام کر دی گئی۔ اس بات کو اعظم جرم قرار دینا اظہار شدت و سختی کے لیے ہے کہ اس کا ضرر و نقصان عام اور تا قیامت باقی رہنے والا ہے۔ سوال سے مراد بلا ضرورت سوال ہے جو محض تکلف اور ضد و شرارت کی بنا پر ہو ورنہ اگر ضرورت کے تحت ہو۔ اور تعلم و استفادہ کے طور پر ہو تو وہ اس ڈانٹ و وعید سے خارج ہے۔

۱۴۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُكُمْ فَاِیَّاكُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں لائیں گے۔ جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ تو ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا اور انہیں اپنے سے دور رکھنا تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔

شرح:۔ (عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ یعنی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مکر و تلبیس کی نیت سے علماء و مشائخ

وصلحاء اور اہل نصیحت وصلاح کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ تاکہ اپنے جھوٹ کو رواج دیں اور باطل مذہب اور غلط آراء کی دعوت دیں۔ دجّال دجل سے مشتق ہے۔ یعنی خلط ملط کرنا اور شبہ ڈالنا۔ (یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءکم) تمہارے سامنے ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ یعنی بہتان و افتراء کے طور پر اور احادیث سے یا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مراد ہیں یا عام باتیں جو لوگوں کے حالات اخبار پر بھی مشتمل ہوں۔ (فایاکم وایاھم) تو اپنے آپ کو ان سے دور رکھنا اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھنا۔ (لا یضلونکم ولا یفتنونکم) تاکہ وہ تمہیں گمراہ اور فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔ مقصود یہ ہے کہ دین کو تھامے رکھنے میں پوری حفاظت واحتیاط سے کام لینا اور ارباب بدعت اور ان کے ساتھ میل جول سے کامل پرہیز کرنا خصوصاً ان سے جو ان کے مبلغ اور اپنے مذہب باطل کی نشرو اشاعت کے لیے مکر و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔

مثنوی شریف

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہر دستے نشاید داد دست

حرفِ درویشاں بدزد مردِ دون ۔۔۔ تا بخواند بر سلیمے آں فسوں

زانکہ صیاد آورد بانگِ صفیر ۔۔۔ تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر

کارِ مرداں روشنی و گرمی است ۔۔۔ کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

ترجمہ اشعار:۔ بہت سے ابلیس، آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں اس لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے۔

کمینہ انسان درویشوں کی باتیں چرا لیتا ہے تاکہ اس سے فتنے اور گمراہی سے محفوظ انسان پر اپنا منتر چلا سکے۔ شکاری شکار کی سی آواز نکالتا ہے تاکہ وہ مرغ گیر (شکاری) پرندے کو فریب دے سکے۔ مردوں کا کام روشنی اور گرمی ہوتا ہے۔ کمینوں کا شیوہ حیلہ اور بے شرمی ہوتا ہے۔

۱۴۷۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ

اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس

وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا الاٰیۃ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی ۔ رواہ البخاری

پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا الی آخر آیت ۔ اور وہ جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو۔

شرح : ۔ (وعنہ قال کان اھل الکتاب یقرءون التورٰیۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام) اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی تفسیر اہل اسلام کے لیے عربی میں کرتے تھے ۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا تصدقوا لاھل الکتب) ہر چیز میں اہل کتاب کی تصدیق نہ کیا کرو ۔ کہ انہوں نے اس میں تحریف و خیانت بھی کی ہوئی ہے ۔ (ولا تکذبوھم) اور نہ ہر چیز میں انہیں جھوٹا کہو ۔ کہ ممکن ہے انہوں نے سچ کہا ہو ۔ کیونکہ تورات دراصل حق اور سچی ہے ۔ تاہم انہوں نے بعض جگہوں میں تحریف اور تبدیلی کی ہے ۔ اس لیے وہ جو کچھ نقل کریں اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے ۔ (وقولوا امنا باللہ وما انزل الینا الآیۃ) اور کہو مجمل طور پر ہم ایمان لائے خدا پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا آخر آیت تک جس میں فرمایا (وما اوتی موسی و عیسی) اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ پہ اترا ۔

۱۴۸ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ۔ رواہ مسلم

اور انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے ۔ کہ جو کچھ اس نے سنا ہوا سے بیان کر دے ۔

شرح : ۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا) اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے ۔ (ان یحدث بکل ما سمع) کہ جو کچھ سنے اسے بیان کر دے ۔ یعنی اگرچہ وہ خود کوئی جھوٹی بات نہ کرے لیکن جو کچھ لوگوں سے سنے بلا تحقیق و تفتیش دوسروں سے بیان کر دے جھوٹا ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے ۔ کیونکہ جس کا حال یہ ہوتا ہے وہ لازماً جھوٹ میں مبتلا ہوتا ہے ۔ کہ غالب یہی ہے کہ انسان نے جو کچھ سنا ہوتا ہے سب کا سب سچ نہیں ہوتا ۔ اس کلام سے مقصود اس بات کے بیان کرنے سے روکنا اور منع کرنا ہے جس کا سچ ہونا معلوم نہ ہو ۔ واللہ اعلم ۔

۱۴۹ ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں ہوا مجھ سے پہلے جسے اللہ

فِیْ اُمَّتِہٖ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ مسلم)

نے اس کی امت کی طرف مبعوث کیا ہو مگر اس کے لیے اس کی امت میں حواری اور مخلص دوست و پیروکار ہوتے تھے۔ جو اس کی سنت اختیار کرتے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو نالائق ہوتے ہیں زبان سے جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اور وہ کام کرتے ہیں جن کے کرنے کا انہیں حکم نہیں ہوتا۔ تو جو شخص اپنے ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو اپنے دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ اور اس کے بعد ایک رائی بھر بھی ایمان نہیں۔

شرح: س ر (عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں ہوا جسے اللہ نے مجھ سے پہلے اپنی امت میں مبعوث کیا۔ بعض روایات میں فی امتہ تنوین کے ساتھ آیا ہے س ر (الا کان لہ من امتہ حواریون) مگر اس کے لیے اس کی امت میں حواری اور دوست ہوتے تھے س ر (یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ) جو اس کا طریقہ اختیار کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ حواری اس مرد محب مخلص مددگار اور معین کو کہتے ہیں جو کذب، خلاف اور نفاق سے پاک ہو۔ یہ حور سے مشتق ہے یعنی خالص سفیدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوستوں اور مخلصوں کو اسی معنی کے تحت حواری کہتے ہیں۔

اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار و مخلص اصحاب کو حواری کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا پیشہ کپڑے دھونا تھا۔ دھوبی کو حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑوں کو سفید اور پاک کرتا ہے۔ اور جب کہ یہ حضرات تمام لوگوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صدق عقیدت، اخلاص اور نصرت و اعانت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس بنا پر حواریین کے نام سے مشہور ہو گئے پھر اس تعلق کی نسبت سے ہر مخلص دوست کو حواری کہنے لگے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ انہیں حواری کہنے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے یا دوسرے لوگوں کے نفوس امارہ جہل و معصیت کے میل سے پاک کیے تھے۔ اور علم و طاعت کے نور سے منور ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایسی ہی صفت کے دوسرے لوگوں کو بھی حواری کہا جانے لگا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں مخلص و مددگار کو حواری کا نام دینے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین سے دوسرے کے لیے اس نام کے نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس اسم سے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کو اور اس صفت والے کسی اور شخص کو موسوم کرنا لفظ حور بمعنی خالص سفیدی کے اعتبار سے برابر ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ خوب سمجھ لے۔

(ثم انها تخلف من بعدهم خلوف) پھر قصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخلصین، محبین، اور ان کے انصار و اعوان کے وصال فرما جانے کے بعد ایسا گروہ پیدا ہوتا ہے۔ جو ان کے اصل طریقہ پر نہیں ہوتا خُلُوف خلف بسکون لام کی جمع ہے۔ اور خَلَف بفتح لام کی جمع اخلاف ہے۔ لغت کے اعتبار سے خلف اسے کہتے ہیں جو کسی کے بعد آئے اور اس کا جانشین بنے۔ لیکن خَلْف بسکون لام کا اکثر و بیشتر استعمال شر و فساد کے لیے ہوتا ہے۔ اور خَلَف بفتح لام خیر و نیکی کے لیے جس طرح کہتے ہیں فلاں شخص اپنے والد کا خلف الصدق ہے۔ اور فلاں فلاں کا خَلْف بمعنی بُرا جانشین ہے۔

تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہر نبی کے لیے اس کے مخلص، محب، مددگار اور معاون ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کے گزر جانے کے بعد ایسی جماعت آتی ہے جو ان کی صفات کی حامل نہیں ہوتی۔ بلکہ (یقولون ما لا یفعلون) وہ لوگوں کو ایسی باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ (ویفعلون ما لا یؤمرون) اور وہ کام کرتے ہیں جن کا کرنا ان کے لیے شرعاً روا نہیں ہوتا۔ جیسے علماء اور امراءِ سوء۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

(فمن جاهدهم بیده فهو مومن) تو جو شخص اپنے ہاتھ سے ان کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور ان کے کارخانہ ظلم و فساد کو درہم برہم کر دیتا اور بدل کر رکھ دیتا ہے وہ مومن کامل ہوتا ہے۔ (ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن) اور جو اپنی زبان کے ساتھ ان سے جنگ کرتا ہے کہ انہیں منع کرتا، بُرا بھلا کہتا اور زبان سے انہیں نصیحت کرتا ہے۔ وہ بھی مومن ہوتا ہے۔ کہ کمالِ ایمان سے اسے بھی حصہ ملتا ہے۔ (ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن) اور جو شخص اپنے دل سے ان کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ کہ دل سے انہیں بُرا جانتا ہے اور ان کے افعال و حالات کے مشاہدہ سے غم و الم اور دل میں اضطراب و بے چینی محسوس کرتا ہے وہ بھی مومن ہے اگرچہ بالکل نچلے درجے کا مومن ہے۔ (ولیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل) اور اس نچلے مرتبہ کے بعد ایمان کی مقدار رائی کا ایک دانہ بھی نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے (وذلك اضعف الایمان) یہ ایمان کے مراتب میں سب سے نچلا درجہ ہے۔

۵۰ ـ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہدایت کی طرف بلایا تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ جنھوں نے اس

يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَىٰ ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا۔

(رواہ مسلم)

ہدایت کی پیروی کی ہو گی۔ اور ان پیروی کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہو گا۔ اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ ہو گا جنہوں نے اس گمراہی کی پیروی کی ہو گی۔ اور خود ان کے عذاب اور بوجھ میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی۔

شرح:- (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دعا الی ھدی) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو راہِ راست کی طرف بلاتا ہے اور قول و فعل کے ساتھ نیک بات کی تلقین کرتا ہے۔ (کان لہ من الاجر مثل اجور ھم من تبعہ) ملتا ہے اسے اجر و ثواب ان تمام لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر جو اس کی پیروی کرتے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ (لا ینقص ذالک من اجورھم شیئا) اس کا اجر و ثواب ان کے اجر و ثواب میں کچھ کمی نہیں کرتا۔ یعنی اس کے باوجود کہ ان لوگوں کو بھی پورا پورا اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس دعوت دینے والے کو بھی ان کے برابر پورا ثواب عطا ہوتا ہے کیونکہ ان کا اجر و ثواب تو ان کے عمل اور کسب کی بدولت انہیں ملتا ہے۔ اور اس داعی الی الخیر کو اس کی دعوت و ارشاد کے سبب ملتا ہے جو اس کا عمل ہے۔

(ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ) اور جو شخص کسی کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے تو اس پر ان سب گناہوں کے برابر گناہ لازم آتا ہے جو اس کی گمراہی کے پیروکار بنتے ہیں۔ اور اس کی تبلیغ سے گمراہ ہوتے ہیں (لا ینقص ذالک من اثامھم شیئا) ان سب کے گناہوں کا اس کے ذمے آنا ان کے گناہوں میں سے کچھ کم نہیں کرتا۔

۱۵۱۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَءَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَءَ فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔

(رواہ مسلم)

اور انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابتداء میں اسلام کا ظہور تنہائی اور بے کسی کی حالت میں ہوا اور عنقریب وہ اپنی مذکورہ ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا تو غرباء کو خوشی اور مسرت نصیب ہو۔

شرح:- (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدء الاسلام غریبا) اور انہی حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آغاز کار میں اسلام کا ظہور غربت، تنہائی اور بے کسی کی حالت میں ہوا۔ (وسیعود کما بدء) اور عنقریب وہ اپنی ابتدائی حالت (غربت و تنہائی و بے کسی) کی طرف لوٹ جائے گا۔

اس کلام کی شرح میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام سے مراد اس کی حقیقت ہے جو دین و ملت سے عبارت ہے۔ اس وجہ کے مطابق اسلام کی تشبیہ ان مسافروں کے ساتھ ہوگی جو کسی اجنبی شہر میں اپنے اہل و عیال اور دوستوں سے دور ہوں۔ اسی طرح ابتدائے ظہور کے وقت اسلام کی حالت تھی کہ مسلمان کم تھے اسلام کے مددگاروں اور جانثاروں کی قلت تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام سے بطور مجاز مسلمان مراد ہوں اس صورت میں غربت سے ابتدائے اسلام کے وقت مسلمانوں کی قلت مراد ہوگی جنہیں اپنے وطن چھوڑنے پڑے اور ہجرت کرنا پڑی اس وقت گنتی کے صرف چند افراد تھے۔ پھر آخر زمانہ میں بھی مسلمان اسی غربت و قلت کی حالت کو پہنچ جائیں گے۔ جس طرح ابتداء میں تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فطوبیٰ للغرباء کا ظاہراً دوسری وجہ سے تعلق زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ان غرباء اور گنتی کے چند مسلمانوں کو خوشی و خرمی نصیب ہو جو آخر زمانہ میں استقامت کے قدموں پر مضبوط اور کتاب و سنت سے چمٹے رہیں گے جیسا کہ یہ بیان فصل ثانی کی حدیث عمرو بن عوف میں آرہا ہے۔

۱۵۲۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا متفق علیہ۔ وسنذکر حدیث ابی ھریرۃ ذرونی ما ترکتکم فی کتاب المناسک و حدیثی معاویۃ و جابر لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ وَالْاٰخَرُ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فی ثواب ھذہ الامۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ایمان مدینہ کی جانب لوٹ آئیگا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف لوٹتا ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور عنقریب ہم ابوہریرہ کی حدیث جس کے اول میں یہ الفاظ ہیں ذرونی ما ترکتکم کتاب المناسک میں ذکر کریں گے اور دو حدیثیں ایک حضرت معاویہ کی جو لا یزال من امتی کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور دوسری حضرت جابر کی جو ولا یزال طائفۃ من امتی کے لفظ سے شروع ہوتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ باب ثواب ہذہ الامۃ میں ذکر کریں گے۔

شرح: و عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الایمان لیارز اور حضرت ابوہریرہ

ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ایمان لوٹ آئے گا یَأْرِزُ میں ہمزہ پھر را پھر زا کے ساتھ (الی المدینۃ) یعنی بیشک ایمان مدینہ منورہ کے ارد گرد آجائے گا، اس کی طرف اٹھ آئے گا۔ اور اس کی طرف لوٹ آئے گا جو اس کا وطن اصل ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جو فصل ثانی میں آرہی ہے الی المدینہ کے بجائے الی الحجاز کا لفظ آیا ہے۔ جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں کو شامل ہے۔ اور ہم اس دوسری روایت کی توجیہ اسی حدیث کے تحت بیان کریں گے۔ (کما تأرز الحیۃ الی جحرھا) جس طرح لوٹ آتا ہے اور چلا جاتا ہے سانپ اپنے سوراخ کی طرف جحر بتقدیم جیم مضمومہ حائے ساکنہ مملہ پر بمعنی سانپ وغیرہ کا سوراخ۔ خصوصاً سانپ کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور واپس آنے اور اکٹھا ہونے میں دوسرے جانوروں سے تیز رفتار ہوتا ہے۔ نیز سانپ کے سوراخ میں گھس جانے کے بعد اس کا باہر نکلنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح دین اسلام مدینہ کی طرف ہجرت کر آنے کے بعد وہیں قرار پذیر ہو جائے گا کہ پھر اس کا وہاں سے پھیلنا اور باہر آنا ممکن نہ ہوگا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس لفظ میں دین اسلام اور مسلمانوں کی قلت تعداد کی طرف اشارہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے علاوہ اس کا وجود کہیں نادر ہی ہوگا۔ اور زیادہ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ خروج دجال کے زمانہ کی آپ نے خبر دی ہے جب کہ مدینہ مطہرہ کے سوا کہیں علم و دین موجود نہ ہوگا۔ جیسا کہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور ابوہریرہ کی حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں ذرونی ما ترکتکم کتاب المناسک میں بیان کریں گے۔ اور حضرت معاویہ و حضرت جابر کی دو حدیثیں جن میں سے ایک کا اول لا یزال من امتی اور دوسری کا اول لا یزال طائفۃ من امتی ہے۔ اس امت کے ثواب کے بیان میں جو آخر کتاب میں مذکور ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ اس باب میں مذکور ہے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہاں حدیث جابر مذکور نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۵۲ عَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ قَالَ أُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَيَّ وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ وَعَقَلَ

حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک (فرشتہ) کی آمد ہوئی اور آپ سے کہا گیا، آپ کی آنکھ سو جائے اور آپ کے کان سنتے رہیں۔ اور آپ کا دل بات سمجھتا رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری آنکھ

فَلْیَعْ قَالَ فَقِیْلَ لِیْ سَیِّدٌ بَنٰی دَارًا فَصَنَعَ مَادُبَۃً وَّاَرْسَلَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَکَلَ مِنَ الْمَادُبَۃِ وَرَضِیَ عَنْہُ السَّیِّدُ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَادُبَۃِ وَسَخِطَ عَلَیْہِ السَّیِّدُ قَالَ فَاللّٰہُ ھُوَ السَّیِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِیْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَادُبَۃُ الْجَنَّۃُ۔

(رواہ الدارمی)

سو گئی اور میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا۔ حضور فرماتے ہیں تو مجھ سے کہا گیا ایک سردار نے مکان بنایا اور کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا۔ تو جس نے بلانے والے کی بات مان لی وہ مکان میں داخل ہوا اور کھانا کھایا۔ اور سردار بھی اس سے راضی اور خوش ہوا۔ اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ مکان میں داخل ہوا نہ کھانا کھایا اور سردار بھی اس سے ناراض ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ سردار ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلانے والے ہیں مکان اسلام ہے، کھانا جنت ہے۔ یعنی اس کی نعمتیں۔

شرح:۔ ربیعۃ جُرَشی۔ بضم جیم و فتح راء و شین معجمہ۔ آپ دمشقی ہیں آپ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں فقیہہ اور عابد شخص تھے۔ حضرت عائشہ، حضرت سعد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کا بیٹا ابوہشام، اور عطیہ بن قیس وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

یہ حضرت ربیعہ جرشی روایت کرتے ہیں۔ (قال اتی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی (فرشتہ) کی آمد ہوئی۔ (فقیل لہ) اور فرشتہ کی زبان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ (لتنم عینک) آپ کی آنکھ سو جائے۔ (ولتسمع اذنک) اور آپ کا کان سنتا رہے۔ (ولیعقل قلبک) اور آپ کا دل باتیں سمجھتا رہے۔ اس حدیث کا مضمون وہی حضرت جابر والی حدیث کا مضمون ہے جو فصل اول میں گزر چکا ہے۔ حدیث کے الفاظ کا حاصل معنی یہ ہے کہ آپ کی چشم مبارک اگرچہ نیند میں ہے۔ مگر آپ کے کان شنوا اور دل بیدار ہے۔ لہذا بصورت مثل اس کا حال بیان کرو تاکہ یہ سنے اور سمجھے۔ (قال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فنامت عینی وسمعت اذنای وعقل قلبی) تو میری آنکھ سو گئی۔ مگر میرے دونوں کانوں نے سنا، اور دل نے سمجھا۔ (قال) حضور فرماتے ہیں (فقیل لی سید بنی دارا) حال بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا گیا ایک سردار نے مکان تعمیر کیا۔ (فصنع مادبۃ) پھر اس میں لوگوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ (وارسل داعیا) اور اس سردار نے لوگوں کو بلانے کے لیے ایک بلانے والا بھیجا۔ (فمن اجاب الداعی دخل الدار) تو جس نے بلانے والے کی بات مانی وہ مکان

میں داخل ہوا۔ (واکل من المادبۃ) اور اس تیار شدہ کھانے میں سے کھایا۔ (ورضی عنہ السید) اور دعوت قبول کرنے کی بنا پر سردار بھی خوش ہوا باوجودیکہ کھانے اور اس دعوت سے صرف کھانے والے کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا سردار کا اس میں کوئی نفع یا اس کی کوئی غرض متعلق نہ تھی۔ (ومن لم یجب الداعی) اور جس نے داعی کی بات نہ مانی۔ (لم یدخل الدار) وہ مکان میں داخل نہ ہوا۔ (ولم یاکل من المادبۃ) اور اس کھانے میں سے کچھ نہ کھایا۔ (وسخط علیہ السید) اور سردار بھی اس سے ناراض ہوا۔ (قال) اس فرشتے یا راوی نے کہا۔ (فاللہ ھو السید) پس اللہ سردار کی مانند ہے جس نے مکان تعمیر کیا۔ (ومحمد الداعی) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کی طرف بلانے والے شخص کی طرح ہیں۔ (والدار الاسلام) اور اسلام اس مکان کے مشابہ ہے۔ (المادبۃ الجنۃ) اور کھانا جو تیار کیا گیا بہشت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ گزشتہ حدیث میں مکان بہشت کو قرار دیا گیا۔ اور مادبۃ (کھانا) اس کی نعمتوں کو اور چونکہ اسلام بہشت میں آنے کا ذریعہ اور سبب ہے اس لیے یہاں اسے دار کے مشابہ قرار دیا گیا۔ اور مادبۃ سے دونوں جگہ بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔ خوب سمجھ لے۔

۱۵۴۔ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْنَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی و ابن ماجۃ والبیہقی فی دلائل النبوۃ۔

اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر گز نہ پاؤں میں تم سے کسی آدمی کو اپنے خوبصورت تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں کہ میرے احکام میں سے کوئی حکم اسے پہنچے جس کے کرنے کا یا اس سے روکنے کا میں نے حکم دیا ہو۔ اور وہ کہے میں نہیں جانتا۔ ہم نے جو کچھ کتاب اللہ میں پایا ہے اس کی اتباع کریں گے۔

شرح:۔ (وعن رافع) آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ حضرت عباس نے حضور علیہ السلام کو دے دیے۔ جب انہوں نے حضور علیہ السلام کو حضرت عباس کے اسلام لانے کی بشارت دی تو حضور نے ان کو آزاد کر دیا۔ آپ احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے اگرچہ اس سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مشہور قول کے مطابق آپ کا اسم مبارک ابراہیم ہے۔ ابو رافع کنیت نام پر غالب آگئی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔

یہ حضرت ابورافع راوی ہیں کہا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الفین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الفین بضم ہمزہ وسکون لام، وکسر فاء لا احدکم متکئا علی اریکتہ) ہرگز نہ پاؤں میں تم سے کسی شخص کو اپنے خوبصورت تخت پر تکیہ لگائے ہوئے۔ یہ دراصل تکبر، شان وشوکت آسائش وفراغت اور طلب علم وحدیث کے لیے گھر سے باہر نہ نکالنے سے کنایہ ہے۔ (یاتیہ الامر من امری) درآنحالیکہ اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم آئے (مما امرت بہ او نھیت عنہ) جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو یا اس سے روکا ہو۔ (فیقول لا ادری) تو وہ کہے میں قرآن کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ میں صرف قرآن کی ہی پیروی کروں گا۔ (ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ) ہم جو کچھ کتاب اللہ میں پاتے ہیں صرف اسی کی پیروی کریں گے۔

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے جہلاء کے حال کی خبر دی ہے جو آسودہ حال اور تکبر کے باعث سستی اور لاپرواہی کرتے ہوئے حدیث کے ایسے حکم پر عمل نہیں کرتے جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ شرع کے احکام صرف قرآن میں منحصر ہیں۔ یہ لوگ اس حقیقت سے جاہل و بے خبر ہیں کہ احادیث بہت سے ایسے احکام پر مشتمل ہیں جو قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ اور جس طرح قرآن مجید حجت ہے حدیث رسول بھی حجت ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس طرح حضور علیہ السلام کو قرآن عطا ہوا ہے احادیث بھی عطا ہوئی ہیں۔ اور دونوں وحی الٰہی ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۱۵۵۔ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ کَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمُ الْحِمَارُ الْاَھْلِیُّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقَطَۃُ مُعَاھَدٍ اِلَّا اَنْ

اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو بیشک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن کی مثل اس کے ساتھ اور بھی دیا گیا ہے سنو عنقریب ایسا ہوگا کہ اپنے خوبصورت تخت پر بیٹھا ہوا کھانے سے بھرے پیٹ والا ایک شخص کہے گا تم صرف قرآن کے احکام اپنے اوپر لازم قرار دو تو اس میں جو چیزیں حلال پاؤ ان کو حلال جانو۔ اور جو اس میں حرام پاؤ انہیں حرام جانو۔ اور بیشک جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ نے حرام قرار دیا ہے سنو تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے۔ اور نہ چیر پھاڑ کرنے والے درندے اور نہ ذمی کی گری ہوئی چیز مگر

یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ رواہ ابوداؤد وروی الدارمی نحوہ وکذا ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ۔

یہ کہ اس کے مالک کو اس کی حاجت نہ ہو۔ اور جو شخص کسی قوم میں بطور مہمان اترے ان کے ذمے ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں۔ پس اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں۔ تو اسے جائز ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار ان سے حاصل کرے۔

شرح: ۔ حضرت مقدام بن معدی کرب بکسر را صحابی ہیں۔ کندہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حمص میں سکونت اختیار کی۔ کندی وفد میں آئے تھے۔ آپ شامیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی احادیث بھی اہل شام میں مشہور ہیں۔ ۸۷ھ میں شام میں ۹۱ برس کی عمر میں وفات پائی۔

یہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو بیشک مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے۔ (ومثلہ معہ) اور قرآن کی طرح اس کے ساتھ کچھ اور بھی عطا کیا گیا ہے یعنی احادیث ۔ احادیث کی قرآن کے ساتھ مماثلت وحی ہونے میں ہے۔ کہ جس طرح قرآن پاک وحی ہے اور جناب قدس خداوندی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ احادیث نبویہ بھی وحی ہیں اور جناب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ ایک وحی جلی ہے اور ایک خفی ایک متلو دوسری غیر متلو ہے وہ وحی جس کے الفاظ و عبارت سے بھی احکام متعلق ہیں جیسے صحت نماز، بے وضو اور جنبی کا چھونا حرام ہو، اور اس کی نظم و عبارت بھی بے مثل ہو وہ قرآن ہے سو وحی غیر متلو وہ ہے جو اس طرح نہ ہو۔ اور وہ احادیث ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عدد و مقدار میں مماثلت مراد ہو جیسا کہ حدیث آئندہ سے معلوم ہو گا۔

(الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول) آگاہ رہو عنقریب فارغ البالی کی حالت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ایک سیر شکم آدمی کہے گا۔ (علیکم بھذا القرآن) تم صرف قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ (فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ) تو جو چیز تمہیں قرآن میں حلال ملے اسے حلال جانو۔ (وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ) اور جو چیز تمہیں اس میں حرام ملے اسے حرام سمجھو اور صرف اس سے باز رہو۔ سیر شکم اس کے غبی اور کند ذہن ہونے سے کنایہ ہے۔ کہ سیر شکم ہو کر کھانا اور اس کی حرص رکھنا غباوت و بلادت کا سبب ہے یا تکبر و حماقت سے کنایہ ہے کہ آسودہ حال اور ناز و نعمت میں رہنا بھی اس کا موجب ہے۔ (وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور بیشک جو جو چیزیں اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ انہی چیزوں کی طرح حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں ان ما کی جگہ انما

کا لفظ آیا ہے جو ما والا کا ہم معنی ہے۔ اس کے بعد چند ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جو صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کتاب اللہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ (الا لا یحل لکم الحمار الاھلی)
آگاہ رہو تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں۔ گھریلو کا لفظ کہہ کر خر وحشی کو حرمت سے خارج کیا جسے گورخر کہتے ہیں کہ اس کا کھانا حلال ہے۔ (ولا کل ذی ناب من السباع) اور نہ پھاڑ کر کھانے والا درندہ حلال ہے۔ جیسے شیر، بھیڑیا اور کتا وغیرہ۔ (ولا لقطة معاہد) اور نہ ذمی کافر کی گری ہوئی چیز حلال ہے۔ لقطہ بضم لام و فتح قاف۔ بمعنی زمین پر گری ہوئی چیز جو اٹھالی گئی ہو۔ یہ لفظ بسکون قاف بھی مستعمل ہے لیکن فتح زیادہ فصیح اور کثیر الاستعمال ہے۔ معاہد بکسر و فتح ھا دونوں طرح جائز ہے۔ بمعنی وہ جس شخص کہ اس کے اور تیرے درمیان کوئی عہد ہو۔ حدیث میں اس سے مراد ذمی ہے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ذمی کا وہ مال جو راستے میں گرا ہوا ملے حلال نہیں ہے۔ کہ عقد ذمہ کے باعث اس کا مال بھی محفوظ ہے جس طرح مسلمانوں کا مال محفوظ ہے۔ (الا ان یستغنی عنہا صاحبہا)
مگر یہ کہ اس گرے مال سے اس کا مالک جو معاہد ذمی ہے بے نیاز ہو۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ مالک خود اسے چھوڑ دے اور جسے ملا ہے اسے ہی بخش دے۔ دوسرا یہ کہ وہ چیز بالکل حقیر اور معمولی ہو کہ عادۃً اس کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور اس سے بے نیازی اختیار کی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے لقطہ اگر حقیر اور معمولی چیز ہو اور اٹھانے والے کو اس کی حاجت اور ضرورت ہو تو وہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔ اور لقطہ کے تفصیلی احکام ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے باب میں بیان کیے جائیں گے۔ (ومن نزل بقوم فعلیہم ان یقروہ) حدیث سے ثابت شدہ احکام میں جن کا قرآن میں ذکر نہیں ایک یہ ہے کہ جو شخص کسی قوم کے پاس مہمان کے طور پر اترے تو ان لوگوں پر اس کی مہمان نوازی لازم ہے۔ یہ حکم سنت و استحباب کے طور پر ہے فرضیت و وجوب کے طور پر نہیں ہے کہ کسی کی مہمان نوازی واجب نہیں۔ بلکہ ارباب مروت کی عادت اور اہل ایمان کی سیرت میں سے ہے اسی لیے اس حکم کو نہی کی صورت میں بیان نہ فرمایا۔ اور یوں نہ فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے حلال اور جائز نہیں کہ مہمان کی مہمان نوازی نہ کریں جیسا کہ دوسرے دو احکام میں انداز بیان اختیار فرمایا۔ (فان لم یقروہ فلہ ان یعقبہم) یا کے ضمہ عین کے سکون اور کسر قاف کے ساتھ۔ (بمثل قراہ) تو اگر وہ لوگ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار انہیں ان کے اس فعل کی جزا دے۔ اور اس کا جو حق ضائع ہوا ہے وہ ان سے وصول کرے۔ یعنی اسے اس کی اجازت ہے کہ ان سے اپنا حق مہمانی وصول کرے۔ اور وہ لوگ اس کے مستحق ہیں کہ ان سے یہ تقاضا کیا جائے۔ اگرچہ واجب و لازم نہیں۔ قرا بکسر قاف و را مقصورہ۔ بظاہر اس کلام سے ضیافت کا وجوب و لزوم ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض

علماء فرماتے ہیں یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو مجبور و مضطر ہو کہ اگر ان سے خوراک حاصل نہ کریگا تو اسے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک لشکر روانہ کیا وہاں اہل دیہات اور صحرا نشین لوگوں نے کوئی بازار نہ لگا رکھا تھا جہاں سے مجاہدین کھانے پینے کی چیزیں خرید سکتے۔ اس بنا پر انہیں خوراک کے معاملے میں بڑی دقت پیش آئی۔ تو ان کے لیے فرمایا کہ انہیں اس علاقہ کے لوگوں پر سختی کرنے کی اجازت ہے کہ نمازیوں کی مہمانی کریں۔ اور اگر وہ نہ کریں تو ان کی سزا یہ ہے کہ زجر اور ڈانٹ کے طور پر جبراً غازی حضرات اپنی خوراک کی مقدار اشیاءِ خورد و نوش لینے کا حق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ یہ حکم تھا کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرالے اس کا سامان جلادیا جائے۔ اور جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس کا نصف مال جبراً لے لیا جائے۔ بعض علما فرماتے ہیں ابتدائے اسلام میں مہمان نوازی فرض تھی بعد میں زکوٰۃ کی فرضیت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی واللہ اعلم یہاں تک اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

(وروی الدارمی نحوہ، وکذا ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ) اور امام دارمی نے اسی طرح روایت کیا اور یونہی ابن ماجہ نے کما حرم اللہ کے لفظ تک اسے روایت کیا اور انہوں نے یہ الفاظ الا لا یحل الی آخرہ ذکر نہ کیے۔

۱۵۶۔ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ أَلَا وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ أَمَرْتُ وَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ أَوْ أَكْثَرُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ وَلَا أَكْلَ ثِمَارِهِمْ إِذَا أَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ۔ رواہ ابوداؤد وفی اسنادہ اشعث بن شعبۃ المصیصی وقد تکلم فیہ۔

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے ایک شخص اپنے تخت پر تکیہ لگائے (فخر و تکبر سے بیٹھے ہوئے) یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہی چیز حرام کی ہے جو اس قرآن میں ہے سُن آگاہ رہو اور بیشک اللہ کی قسم میں نے کچھ باتوں کا حکم دیا ہے اور تمہیں وعظ و نصیحت کی ہے اور کچھ باتوں سے منع کیا ہے اور بے شک وہ تعداد میں قرآن جتنی بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جائز نہیں رکھتا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو مگر اجازت سے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنا جائز کیا ہے۔ اور نہ ان کے پھل کھا جانا تمہارے لیے حلال کیا ہے۔ جبکہ وہ لوگ تمہیں وہ چیز (جزیہ) ادا کریں جو ان کے ذمے لازم ہے۔

شرح: (وعن العرباض) بکسر عین مہملہ۔ وسکون راء و باء موحدہ مفتوحہ اور ضاد معجمہ۔ (بن ساریۃ)

بسین مھملہ وراء و یاء۔ آپ حضرت عرباض بن ساریہ صحابی ہیں۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ان گریہ وزاری کرنیوالے حضرات میں سے ہیں جن کی شان میں آیہ کریمہ۔ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ الآیۃ نازل ہوئی۔ (اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آتے ہیں سواری حاصل کرنے کے لیے) شام میں رہے اور حمص میں سکونت اختیار کی۔ اور ۷۵ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔

یہ حضرت عرباض بن ساریہ راوی ہیں کہ (قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی خطبہ ارشاد فرمایا۔ (فقال) فرمایا۔ (ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ) کیا گمان کرتا ہے تم میں سے ایک شخص اپنے آرام دہ اور آراستہ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے۔ (یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن) یہ گمان کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہ جو اس قرآن میں ہے۔ (الا وانی واللہ قد امرت) آگاہ رہو اور بیشک میں نے اللہ کی قسم کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ (ووعظت) اور تمہیں وعظ و نصیحت کی ہے (ونہیت عن اشیاء) اور تمہیں کچھ باتوں سے منع کیا ہے۔ (انھا لمثل القرآن) بیشک جو امر و نہی اور وعظ و نصیحت میں نے تمہیں کی ہے وہ مقدار میں قرآن جتنی ہے۔ (او اکثر) بلکہ اس سے زیادہ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک سے چند وہ احکام بیان فرمائے جن سے آپ نے روکا اور منع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ (وان اللہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن) بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال اور جائز نہیں کیا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو۔ (ولا ضرب نسائھم) اور نہ ہی جزیہ و خراج وغیرہ وصول کرنے کے لیے ان کی عورتوں کو مارنا حلال کیا ہے۔ (ولا اکل ثمارھم) اور ان کے پھل کھا جانا حلال نہیں کیا۔ (اذا اعطوکم الذی علیھم) جب کہ وہ تمہیں جزیہ اور خراج ادا کر دیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ (وفی اسنادہ) اور اس کے اسناد میں ایک شخص ہے جس کا نام اشعث بن شعبۃ المصیصی ہے۔ (وقد تکلم فیہ) اور اس میں گفتگو کی گئی ہے کہ ثقہ ہے یا نہیں۔ مصیصی بکسر میم۔ اور پہلے صاد مہملہ کی تشدید کے ساتھ اور صاد کی فتح اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ مصیصہ شہر کی طرف نسبت ہے۔ قاموس میں کہا مصیصہ بر وزن سیسہ شام میں ایک شہر کا نام ہے۔ اور صاد کو تشدید نہیں دی جاتی۔

۱۵۷۔ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ

اور انہی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کیا اور ہمیں بلیغ وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور

رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ رواہ احمد وابو داود والترمذی وابن ماجۃ الا انھما لم یذکرا الصلوۃ۔

دل لرز اٹھے۔ ایک شخص نے کہا یہ وعظ تو ہم سے وداع ہو جانے والے شخص کا وعظ تھا۔ اس لیے آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے تعمیل حکم اور فرمانبرداری اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ تو تم میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا۔ اسے مضبوطی سے تھامنا۔ اور پوری قوت کے ساتھ اس سے چمٹے رہنا۔ اور دین میں نئے ایجاد کردہ امور سے دور رہنا کہ دین میں ہر نئی پیدا کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرح: (وعنہ) اور انہی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) انہوں نے کہا (صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی یعنی امامت کرائی (ذات یوم) ایک دن۔ (ثم اقبل علینا بوجھہ) پھر ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔ (فوعظنا موعظۃ بلیغۃ) اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا۔ قول بلیغ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو اپنا مقصود پوری طرح واضح کر دے۔ بالغ بمعنی خوب اور عمدہ۔ بلیغ و فصیح وہ کلام جو عبارت کی عمدگی کی بنا پر دل کی تہ تک پہنچ جائے۔ (ذرفت منھا العیون) جس کے اثر سے آنکھیں بہ پڑیں۔ ذرفت بذال معجمہ بمعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا (وجلت منھا القلوب) اور دل کانپ اٹھے۔ (فقال رجل) پس ایک شخص نے کہا (یا رسول اللہ کان ھذہ موعظۃ مودع) یا رسول اللہ یہ تو گویا رخصت ہو جانے والے شخص کا وعظ تھا۔ دستور ہے کہ رخصت اور وداع ہونے والا انسان جو پند و نصیحت کر سکتا ہے۔ کرتا ہے اس میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑتا۔ اور کہنے والی سب باتیں کہہ دیتا ہے۔ یا رسول اللہ ہمارا دل تو آپ کے وداع ہونے اور رحلت کرنے کے تصور سے ہی بیٹھنے لگتا ہے۔ اور غم و صدمہ محسوس کرتا ہے۔ (فاوصنا) تو آپ ہمیں وصیت فرمائیں۔ یعنی نرم اور آسان نصیحت کی باتیں کر جائیں تاکہ دل کو سکون رہے اور غم و صدمہ سے نڈھال نہ ہو جائے۔ (فقال اوصیکم بتقوی اللہ) تو فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ پرہیزگاری اختیار کرنا اور خدا سے ڈرتے رہنا (والسمع والطاعۃ) اور میں تمہیں اس کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے حکام و امراء کا حکم قبول کرنا اور ان کی فرمانبرداری اختیار کرنا ان تمام باتوں میں جو حکم شرع اور تقوی کے مطابق ہوں (وان کان عبدا حبشیا) اگرچہ فرضا و تقدیرا وہ حاکم و امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ (اور یہ اطاعت امیر اختیار کرنے میں مبالغہ مقصود ہے۔ ورنہ غلام امیر و حاکم بننے کا اہل نہیں ہے کہ امامت کے شرائط میں سے ایک شرط

یہ ہے کہ حاکم و امیر آزاد ہو غلام نہ ہو۔ یہ کلام بالکل اس حدیث کی طرح ہے جس میں فرمایا جو شخص مسجد بناتا ہے اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ چڑیا کے گھونسلے جتنی مسجد بنائے۔ ظاہر ہے چڑیا کے گھونسلے جتنی مسجد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس بھی چھوٹی بڑی مسجد کا بطور مبالغہ شان بیان کرنا مقصود ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ حبشی غلام سلطان کبیر کا نائب ہو۔ اس صورت میں سلطان کے فرمانے کی بنا پر اس کی اطاعت بھی ضروری ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے حکام و امراء کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ (فانہ من یعش منکم بعدی) کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا (فسیری اختلافا کثیرا) تو وہ عنقریب لوگوں میں بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اور امراء کی بات کی ماننے اور اطاعت اختیار کرنے میں اس فتنے میں مبتلا ہونے سے امن ہے جو اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ اور تقویٰ کی حفاظت کرنے کی طرف اشارہ اپنے اس قول مبارک سے فرمایا۔ (فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین) اور اپنے اوپر لازم قرار دینا میری سنت کو اور میرے خلفا کی سنت کو جو رشد و ارشاد کے اہل اور ہدایت یافتہ ہیں۔ اور انسان نیکی اور عمدہ خصائل و عادات سے اسی وقت بہرہ ور اور ہدایت کی روشنی سے منور ہو سکتا ہے جبکہ گمراہی و ضلالت کے خلاف اور اس سے دور رہے۔

اور خلفائے راشدین سے خلفاءِ اربعہ مراد لیے گئے ہیں۔ جو ان کی سیرت و عادت پر چلتا اور سنت کے مطابق عمل کرتا ہے وہ انہیں میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ وہ شخص جو اپنی خواہش نفس سے کوئی بدعت پیدا کرے اور اس پر چلے۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وہ سنت ہے۔ جسے حضور اقدس کے زمانہ مبارک میں شہرت حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں رواج پذیر اور مشہور ہوئی اور اس بنا پر ان کی طرف منسوب ہونے لگی۔ چونکہ یہاں اس امر کا گمان تھا کہ کوئی شخص خلفائے راشدین کی طرف کسی سنت کے منسوب ہونے کی وجہ سے اسے بھی بدعت قرار دیدے اور رد کر دے اور اسے برا جانے اس لیے حضور علیہ السلام نے اپنے خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کی اتباع کا حکم دیا۔ اور اس کی بھی وصیت فرمائی۔ اور اگر چہ ان خلفائے راشدین نے اپنے قیاس و اجتہاد سے کوئی بات جاری کی تھی تو وہ بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہی سمجھی جائے گی اس پر بدعت کا اطلاق درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض گمراہ فرقے خلفاءِ راشدین کی اس قسم کی باتوں کو بھی معاذ اللہ بدعت کہہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد اتباع سنت کی وصیت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔ (تمسکوا بھا) میری اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت سے چمٹے رہنا۔ (وعضوا علیھا بالنواجذ) اور سنت پر اپنے دانت پوری قوت سے گاڑھ دینا۔ اور اسے مضبوطی سے پکڑنا۔ عض دانت گاڑھنا۔ نواجذ آخری چار ڈاڑھیں جنہیں حلم و عقل کی ڈاڑھیں کہتے ہیں۔ اور مطلق دانتوں اور ڈاڑھوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(وایاکم ومحدثات الامور) اور ان نو پیدا شدہ امور سے اپنے آپ کو دور رکھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہ تھے۔ (فان کل محدثۃ بدعۃ) بیشک دین میں ہر نئی پیدا شدہ بات بدعت ہے۔ (وکل بدعۃ ضلالۃ) اور ہر بدعت گمراہی یا گمراہی کا سبب ہے۔ اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ (الا انھم لم یذکروا الصلوۃ) مگر ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز ادا کرنے کا واقعہ ذکر نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے (صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...) ... کا آغاز ... موعظۃ سے کیا۔

۱۵۸۔وعن عبد اللہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان یدعوا الیہ وقرء وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الأیۃ۔ رواہ احمد والنسائی۔ والدارمی

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا پھر فرمایا۔ یہ اللہ کا راستہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَاِنَّ ھٰذا صراطی مُستَقِیماً الخ بیشک یہ ہے میرا راستہ جو سیدھا ہے تو اسی کی پیروی کرو۔ الی آخر الایتہ۔

شرح اشعۃ اللمعات

وعن عبد اللہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاً۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سمجھانے کے لئے ایک خط کھینچا تاکہ راہ راست کے بطور مثال بیان فرمائیں۔ ثم قال ھذا سبیل اللہ۔ پھر فرمایا۔ یہ سیدھا خط جو میں نے کھینچا ہے خدا تعالیٰ کا راستہ ہے۔ ثم خط خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ پھر آپ نے اس سیدھے خط کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے۔ وقال ھذہ سُبُلٌ اور فرمایا یہ راستے ہیں علی کل سبیل منہا شیطان یدعوا الیہ کہ ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتا اور بدراہ کرتا ہے۔ وقرء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ وَاِنَّ ھٰذَا صِراطِی مُستَقِیماً فَاتَّبِعُوہُ پروردگار عالم فرماتا ہے یہ ہے میرا سیدھا راستہ جو میں نے تمہیں دکھایا ہے تو اس پر چلو۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ اور ان راستوں پر نہ چلو جو دائیں بائیں کو جاتے

ہیں ۔ یعنی مختلف غلط ادیان اور ٹیڑھے راستوں کو اختیار نہ کرو تاکہ وہ تمہیں پریشانی میں مبتلا نہ کر دیں اور تم سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہی میں نہ پڑ جاؤ ۔ اسے احمد ، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس موضوع سے متعلق دُوسری احادیث جو کُتب حدیث میں آئی ہیں ان میں ان خطوط کی تعداد نظر سے نہ گزری ماسوا اس کے کہ تفسیر مدارک میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک حدیث روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ راہِ ہدایت اور خدا تعالیٰ کا راستہ ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو ۔ اس کے بعد اس خط کی ہر جانب چھ چھ خط کھینچے جو ٹیڑھے اور کج تھے ۔ اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان مقرر ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے ۔ تو ان ٹیڑھے راستوں سے بچو اور یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ اس کے بعد صاحب مدارک نے فرمایا پھر ان بارہ راستوں میں سے ہر ایک سے چھ چھ راستے نکلتے ہیں اس طرح کُل بہتر (۷۲) راستے بنتے ہیں ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس اُمت کا تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانا حدیث صحیح میں آچکا ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح مدارک میں مذکور ہوا ہے بلکہ کتاب **مواقف** میں فرمایا بڑے بڑے اسلامی فرقے تعداد میں آٹھ ہیں ۔ ۱ ۔ معتزلہ ۲ ۔ شیعہ ۳ ۔ خوارج ۴ ۔ مرجیہ ۵ ۔ نجاریہ ۶ ۔ جبریہ ۷ ۔ مُشبّہہ ۸ ۔ ناجیہ ۔ پھر معتزلہ کے بیس فرقے بیان فرمائے ۔ شیعہ کے بائیس اور خوارج کے بیس ، مرجیہ کے پانچ نجاریہ کے تین اور جبریہ اور مشبہہ کے مختلف فرقے بیان نہ کیئے ۔ اور فرقہ ناجیہ اہل سُنّت و جماعت ہیں ۔ اس طرح کل فرقوں کی تعداد تہتّر ہوگئی ۔ صاحب مواقف کا کلام ختم ہوا ۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ پتہ کیسے چلتا ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سُنّت و جماعت ہیں اور یہ سیدھا اور خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اس کے علاوہ باقی سب دوزخ کے راستے ہیں حالانکہ ہر فرقے کا دعویٰ ہے کہ وہ راہِ راست پر ہے اور اسکا مذہب حق ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جو صرف دعویٰ سے ثابت ہو جاتے بلکہ اس کیلئے دلائل و براہین کی ضرورت ہے ۔ اور اہل سُنّت و جماعت کی حقانیت کی دلیل و برہان یہ ہے کہ یہ دین نقل سے ہی تعلق رکھتا ہے صرف عقل کافی نہیں اور متواتر اخبار سے معلوم اور احادیث و آثار کی تلاش و تتبع سے متعین ہو چکا ہے کہ سلف صالح یعنی صحابہ کرام ، تابعین عظام اور ان کے بعد کے لوگ سب اسی عقیدہ اور اسی طریقہ پر تھے اور مذاہب و اقوال میں یہ بدعات و خواہشات صدرِ اوّل کے بعد پیدا ہوئیں ۔ صحابہ کرام اور اسلافِ متقدمین سے کوئی ان بدعات و خواہشات کا قائل نہ تھا ۔ بلکہ وہ حضرات ان سے پاک اور بری تھے اور جو لوگ ان بدعات و خواہشات کے قائل ہوتے اہلِ سُنّت و جماعت نے ان سے قطع تعلق اختیار کر لی اور ان کے خیالات و عقائد کا رد فرمایا ۔

احادیث کی چھ کُتب (صحاح ستّہ) اور دُوسری مشہور معتمد کتابیں کہ احکامِ اسلامی کا مدار و مبنیٰ ان پر ہے ، ان کے

مؤلفین اور مذاہب اربعہ کے آئمہ فقہا وغیرہم جو ان ائمہ کے طبقہ میں تھے، سب اسی مذہب اہل سُنّت و جماعت پر تھے اور اشاعرہ و ماتریدیہ جو اصول کلام کے ائمہ گذرے ہیں سب نے سلف کے مذہب کی ہی تائید کی ہے اور دلائل عقلیہ کے ساتھ اسی مذہب کا اثبات فرمایا ہے اور جو کچھ سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اُمّت میں آچکا ہے، ان حضرات نے اسی کی تاکید کی ہے۔ اس بنا پر ان کا نام اہلِ سُنّت و جماعت پڑ گیا ہے اگرچہ یہ نام بعد میں پڑا لیکن انکا مذہب و اعتقاد قدیم ہے۔ ان کا طریقہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، سلف کے آثار کی اقتدا اور اپنے عقول، آرا اور خواہشات پر اعتماد نہ کرنا اور نصوص کو ان کے ظاہر معنیٰ پر رکھنا ہے مگر بوقت بخلاف دوسرے فرقوں مثل معتزلہ و شیعہ کے اور ان لوگوں کے جو ان کے اعتقادات کے موافق ہیں کہ انہوں نے فلسفہ سے سہارا لیا اور ان کے اوہام و آرا کو اختیار کیا ہے اسی طرح متقدمین و محققین، مشائخ صوفیہ جو طریقت کے استاد، زاہد و عابد، مرتاض و متورع اور متقی اور جناب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتے ہیں اور اپنے نفس کی طرف نیکی کی طاقت اور بُرائی سے بچنے کی قوت کی نسبت کرنے سے بری اور پاک تھے، یہ سب حضرات بھی اسی مذہب اہل سُنّت و جماعت پر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کی کُتب معتبرہ و معتمدہ سے معلوم ہوتا ہے اور تعرف میں (جو اس گروہ کی کتابوں میں معتمد ترین کتاب ہے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی شان میں فرمایا ہے "لولا التعرف ما عرفنا التصوف" اگر تعرف نہ ہوتی ہم تصوف کو نہ پہچان سکتے) صوفیہ کے عقائد جن پر ان کا اجماع ہے بیان کئے ہیں وہ سب بلا کسی کمی و بیشی کے اہلِ سُنّت کے عقائد ہیں۔ جو دعویٰ ہم نے کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سُنّت و جماعت ہیں تو اسکی صداقت اس سے بھی ظاہر و واضح ہے کہ حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، تصوف، سیرت و تاریخ کی معتبر کتابیں جو مشرق و مغرب میں مذکور و مشہور ہیں سب جمع کی جائیں اور مخالفین بھی اپنی کتابیں لائیں تو حقیقت حال بالکل ظاہر ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ دین اسلام میں سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کا مذہب ہے۔ ہر منصف اور تعصب و ہٹ دھرمی سے کنارہ کش انسان اس حقیقت کا برملا اعتراف کرے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی راہِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

۱۵۹- وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔ رواہ فی شرح السنۃ۔ و قال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکی خواہش تابع نہ ہو جائے اس دین کے جو کہ میں لے کر آیا ہوں۔

اشعۃ اللمعات

وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کی خواہش نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے۔ یعنی دین و شریعت کے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ اگر متابعت سے اعتقاد، عمل، عبادات اور عادات میں کامل تسلیم و رضا اور حق کے ساتھ ٹکراؤ اور خواہش نفس کے دباؤ کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات کے آگے گردن جھکا دینا اور اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا مراد ہو تو اس صورت میں نفی ایمان سے کامل ایمان کی نفی مراد ہوگی۔ اور اگر متابعت سے دین اسلام قبول کرنا اور اس کی حقیقت کا معتقد ہونا مراد لیا جائے تو پھر نفی سے اصل ایمان ہی کی نفی مراد ہوگی۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ فرمایا کہ خواہش نفس دین کے تابع ہو جائے یہ نہ فرمایا کہ بالکل ختم اور معدوم ہو جائے کہ اس کا ختم اور معدوم ہو جانا ناممکن بھی ہے اور نامناسب بھی اور سرے سے معدوم ہو جانے کی صورت میں اجر و ثواب کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہتا۔ کمال یہ ہے کہ خواہش موجود ہو مگر حق کے تابع اور مطیع ہو۔

اس حدیث کو امام محی السنۃ نے شرح السنۃ میں روایت کیا اور امام نووی نے اپنی اربعین میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ ہم نے اسے اسنادِ صحیح کے ساتھ کتاب الحجۃ میں روایت کیا ہے۔

۱۶۰- وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیَا سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃً ضَلَالَۃً لَا یَرْضَاھَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئًا

رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن کثیر بن عبداللہ

اور حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری سنتوں میں سے کوئی ایسی سنت زندہ کی جو میرے بعد نیست و نابود کردی گئی تھی تو اس اکیلے آدمی کو ان تمام لوگوں جتنا اجر و ثواب ملے گا جو اس پر عمل پیرا ہونگے۔ بغیر اس کے کہ خود اُن کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع ہو اور جس نے کوئی بری بدعت جاری کی جو اللہ اور اسکے رسول کو پسند نہ ہو تو جسقدر لوگ اس بدعت ضلالت پر عمل کریں گے ان سب کے برابر اس جاری کرنیوالے

بن عمرو عن ابیہ عن جدہ۔ | کے ذمّہ گناہ لکھا جائے گا اور خود ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اشعۃ اللمعات، بلال بن الحارث المُزنی۔ مُزنی بضم میم و فتح زاء و کسر نون۔ آپ صحابی ہیں قبیلہ مزینہ کے وفد کے ساتھ ۵ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسّی ۸۰ سال کی عمر میں ۶۰ھ ہجری مقدسہ میں وصال فرمایا۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیا سُنّۃ من سُنّتی۔ جس نے میری سُنتوں میں سے کوئی سُنّت زندہ کی۔ قد امتیت جو میرے بعد ماردی گئی (ضائع اور نیست و نابود) کردی گئی تھی۔ فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھا۔ تو بے شک اس شخص کو ان تمام لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اس سُنّت پر کاربند ہونگے۔ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئاً اس کے بغیر انہیں ثواب ملنے سے خود اس کے ثواب میں کمی ہو۔ یعنی ان سب عمل کرنے والوں کو بھی ان کے عمل کا مکمل ثواب ملے گا۔ اور سُنّت کو زندہ کرنے اور رواج دینے والے کو ان سب کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔

ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ ورسولہ۔ اور جس نے کوئی بدعت ضلالت (بُری) جاری کی جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش نہ ہوں۔ بخلاف بدعت حسنہ کے جس میں دین کی بہتری اور اس کی تقویت اور ترویج ہو کہ یہ بدعت حسنہ ہے اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے۔ کان علیہ من الاثم مثل آثام من عمل بھا لا ینقص ذالک من اوزارھم شیئا۔ تو اس بدعت ضلالت پر کاربند ہونے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ خود اس بدعت ضلالت جاری کرنے والے کو ان سب کے برابر گناہ ہوگا۔ اس حدیث کی شرح اور اس میں گفتگو مسلم شریف کی حدیث ابوہریرہ کی فصل اوّل کے آخر میں گذر چکی ہے۔

۱۶۱۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْحِجَازِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا وَلَیَعْقِلَنَّ الدِّیْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاُرْوِیَّۃِ مِنْ رَّاْسِ الْجَبَلِ وَاِنَّ الدِّیْنَ بَدَءَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ

اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُنھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین سکڑ آئے گا حجاز کی طرف جس طرح سکڑ آتا ہے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔ اور بے شک دین اسلام پناہ لے گا سرزمین حجاز میں جس طرح پناہ لیتی ہے پہاڑی بکری پہاڑ

كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْۢ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ ۔

رواہ الترمذی

کی چوٹی پر۔ اور بے شک دین غربت و تنہائی میں ظاہر ہوا۔ اور عنقریب غربت و تنہائی کی طرف لوٹ جائیگا تو مبارک ہو غربا کو یعنی ان لوگوں کو جو میرے بعد میری ان سنتوں کو درست کریں گے (ان کی اشاعت کرینگے اور انہیں رواج دیں گے) جنہیں لوگ خراب کر چکے ہونگے۔

اَشِعَّۃُ اللَّمعَات: وعن عمرو بن عوف۔ آپ انصاری ہیں۔ غزوہ بدر میں موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔ رضی اللہ عنہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا۔ اس عبارت کا ترجمہ فصل اوّل کی آخری حدیث میں گذر چکا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں الی المدینہ کے الفاظ ہیں اور یہاں "الی الحجاز" کے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں کو شامل ہے جیسا کہ وہاں اس طرف اشارہ کر دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں مدینہ کا لفظ مدینہ پاک کی فضیلت کی بنا پر آیا ہو اور یہاں حجاز کا لفظ حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیما و تشریفا کی فضیلت کے لئے وارد ہوا ہو۔ واللہ اعلم

ولیعقلن الدین من الحجاز ۔ اور بے شک دین اسلام حجاز مقدس میں پناہ تلاش کرے گا اور اُسے اپنا مسکن و ماوئی بنائے گا اور فتنوں کے ظہور اور اہل کفر و فساد کے غلبے کے وقت حجاز کی طرف واپس لوٹ آئے گا۔ یا آخر زمانہ میں خروج دجال کے وقت ایسا ہو گا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذرا۔ معقل الاُرویّۃ من راس الجبل۔ جس طرح جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی اور اس پر چڑھ جاتی ہے۔ اُرویّہ بضم ہمزہ، وسکون را و کسر واو و تشدید یا بمعنی جنگلی بکری۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ مادہ بکری کے لئے مخصوص ہے۔

وان الدین بدء غریبا و سیعود کما بدء ۔ اور بے شک یہ دین اسلام غریب و تنہا نمودار ہوا (آیا) اور آخرکار غربت و تنہائی کی لوٹ جائے گا۔ فطوبی للغرباء ۔ تو غربا کو مبارک ہو اور وہ خوش ہوں۔ ان کے کلیجے ٹھنڈے ہوں۔ وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی غربا وہ لوگ ہیں جو میری ان سنتوں کو درست و قائم کرتے ہیں جنہیں میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہوتا ہے۔

۱۶۲ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذالک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی۔

رواہ الترمذی۔

وفی روایۃ احمد وابی داؤد

عن معاویہ ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ وانہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب بصاحبہ لایبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ

فرمایا۔ البتہ میری اُمت پر وہ کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا۔ میری اُمت اور بنی اسرائیل آپس میں بالکل مطابق اور موافق ہو جائیں گے۔ جسطرح ایک پاؤں کا جوتا دُوسرے پاؤں کے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری اُمت میں بھی ضرور ایسے لوگ ہونگے جو اس فعل کے مُرتکب ہونگے۔ اور بیشک بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تہتر ۷۳ فرقوں میں سے ایک فرقہ کے سوا باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا وہ ایک کونسا ہے۔ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور احمد اور ابوداؤد کی روایت حضرت معاویہ سے یوں مروی ہے کہ بہتر ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اس فرقے کا نام جماعت ہے اور بیشک میری اُمت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہونگے کہ نفسانی خواہشات و ارادے ان کے رگ و پے میں سرایت کر جائیں گے جسطرح باولے پن کی بیماری انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے کہ اسکی ہر ہر رگ اور ہر ہر جوڑ میں گھس جاتی ہے۔

اشعۃ اللمعات: وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میری اُمت بدعملی کے انہی حالات سے دوچار ہوجائیگی جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔ حذو النعل بالنعل بداعمالیوں میں ان سے پوری مطابقت اختیار کر لیں گے جس طرح ایک پاؤں کا جوتا

دوسرے پاؤں کے جوتے کے عین مطابق اور برابر ہوتا ہے۔ حذو النعل بالنعل کی ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ موچی جب جوتا سیتے ہیں تو ایک تلہ دوسرے تلے سے ملا کر پورا اندازہ کرکے اور برابر کرکے سیتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں حذوت النعل بالنعل میں نے دونوں پاؤں کے جوتے بالکل برابر تیار کئے۔ حذو بمعنی اندازہ کرنا اور برابر کاٹنا۔ طابق النعل بالنعل کا محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ پھر دو چیزوں کے آپس میں بالکل برابر اور مطابق ہونے پر یہ محاورہ استعمال ہونے لگا۔

حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ بدکاری کی ہوگی۔ لکان فی امتی من یصنع ذالک۔ تو میری اُمت میں بھی ضرور ایسے بدکردار لوگ پیدا ہونگے جو اپنی ماں کے ساتھ ایسی بُری حرکت کے مرتکب ہونگے۔ بعض علمآ نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہاں ماں سے باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) مُراد ہو۔ کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ماں کے ساتھ یہ فعل کرے کہ یہاں طبعی اور شرعی مانع موجود ہے البتہ سوتیلی ماں کے ساتھ ایسا ممکن ہے کہ وہاں طبعی مانع موجود نہیں ہے۔

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ۔ اور بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے تھے۔ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ۔ اور میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں اور مذاہب میں بٹ جائے گی۔ یعنی جو ایمان کے مُدعی اور اہلِ قبلہ ہیں، اصُولِ عقائد میں تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔

کلھم فی النار۔ یہ سب سوءِ عقیدہ کے باعث دوزخ میں جائیں گے۔ تاہم بدعملی کی بنا پر فرقہ ناجیہ اہلسُنّت میں سے بھی کچھ لوگ کچھ وقت کے لئے ممکن ہے دوزخ میں ڈالے جائیں۔ اور یہ قول کہ گناہوں کے باوجود فرقہ ناجیہ اہلسُنّت کے سب لوگ بخشے ہوئے ہیں، بالکل بے دلیل قول ہے۔

الاملۃ واحدۃ۔ ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہے۔ قالوا من ھی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسُول اللہ وہ کونسا گروہ ہے۔ قال ما انا علیہ واصحابی۔ فرمایا، وہ کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں قائم ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے احمد اور داؤد کی روایت میں اس طرح آیا ہے۔ ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔ بہتر فرقے دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے اور وہ جماعت ہے۔ یہ جماعت کے نام سے اس لئے موسوم ہیں کہ یہ حضرات جس سچائی اور راہِ راست پر سلف کا اتفاق ہے اس پر جمع ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

وانہ سیخرج فی امتی اقوام۔ اور بے شک میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہونگے کہ تتجاری بھم تلک الاھواء۔ کہ انکی رگ و پے میں یہ نفسانی خواہشات سرایت کرجائیں گی اور وہ آپس میں ان خواہشات

کے پیروکار بن کر بٹ جائیں گے اور ان میں آپس میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ اَھْوَاء ھویٰ کی جمع ہے یعنی ارادہ نفس اور اس کی خواہش۔ یہ خواہشات ان کیلئے مختلف مذاہب میں بٹ جانے کا موجب بنیں گی۔ کما یتجاری الکلب بصاحبہ جس طرح باؤلے پن کی بیماری مریض کے رگ و ریشے میں پھیل جاتی ہے کَلَب بفتح لام باؤلے پن کی بیماری جو کتا کاٹنے سے انسان کو لاحق ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مالیخولیا والے کی سی کیفیت ہو جاتی ہے اور لبسا اوقات اس سے دوسرے انسان کو بھی لگ جاتی ہے اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ یہ مریض پانی کی طرف نہیں دیکھ سکتا اور اگر پانی پر نگاہ پڑ جاتے تو چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے اور اس پر بے طاقتی اور کمزوری چھا جاتی ہے اور عموماً اس بیماری والا آدمی پیاسا مرتا ہے۔ پانی نہیں پی سکتا۔ یہ ایک ایسا موذی مرض ہے کہ اس کا اثر تمام بدن پر ہوتا ہے اور اس سے آگے اور کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ بیماری آدمی کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتی ہے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ آدمی کی کوئی رگ اور اس کا کوئی جوڑ ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ مرض گھس نہ جائے۔

خواہش نفس کے پیروکار انسان کو اس بیماری والے کے ساتھ اس بنا پر تشبیہہ دی کہ جس طرح یہ مرض انسان کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتا ہے اور اس سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں بالکل یہی حالت خواہش نفس کے پیروکار کی ہوتی ہے اور اس میں بھی اور کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں پھر یہ خرابیاں صرف اسی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ دوسروں میں بھی پھیلتی اور انہیں بھی خراب کرتی ہیں تو اہل ہوا ہیں بدعت اور خواہش نفس کا مرض بالکل باؤلے پن کی طرح ہے اور جس طرح باؤلے پن کا مریض پانی کے قریب نہیں آتا اسے پینے کی تاب نہیں رکھتا اور پیاسا مر جاتا ہے۔ اسی طرح خواہش نفس کا پیروکار بھی علم دین سے بھاگتا اور اس سے محرومی کی حالت میں ہی مر جاتا ہے اور جہالت کے جنگل اور بدعت کے بادیہ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ فنسال اللہ العافیۃ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۶۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (رواہ الترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو یا امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گمراہی پر اکٹھا نہ ہونے دے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہو گیا وہ اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اشعۃ اللمعات:۔ وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان اللہ لا یجمع امتی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو نہ جمع ہونے دیگا او قال امۃ محمد یا فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو۔ راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی کا لفظ استعمال فرمایا یا امت محمد کا لفظ (صلی اللہ علیہ وسلم) علی ضلالۃ گمراہی پر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خصوصیت اور فضیلت ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اس امت کو نوازا کہ آپ کی امت جس چیز پر اتفاق کرے گی وہ حق و ثواب ہی ہو گا ید اللہ علی الجماعۃ اور اللہ تعالیٰ کا دست قدرت اور احسان و مہربانی جماعت پر ہے۔ دراصل اس جملے میں ایذائے خلق اور اعدائے دین کے خوف سے خدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد فرمانے سے کنایہ ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو استنباط احکام اور حق پر اطلاع پانے کی

توفیق دی ہے اور جب امت آپس میں اختلاف کرے گی اور منتشر ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حفاظت، عصمت اور سکینت ان سے اٹھالے گا اور ان پر عذاب نازل کرے گا۔ اور ان کے حالات بگاڑ دے گا اور اس حق سے دور کر دے گا جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ومن شذ شذ فی النار اور جو شخص جماعت اور سواد اعظم سے الگ اور تنہا ہو جائے گا اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پہلا شذ صیغہ ماضی معلوم ہے اور دوسرا صیغہ ماضی مجہول۔ اور یہ دوسرا صیغہ معلوم بھی پڑھا گیا ہے اسی طرح آنے والی حدیث میں

۱۶۴۔ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

رواہ ابن ماجۃ من حدیث انس وابن عاصم فی کتاب السنۃ

اور انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواد اعظم (کثرت وجمہور) کی اتباع کرو کہ بیشک جو شخص جماعت سے الگ اور تنہا ہو گیا وہ دوزخ میں گیا

اشعۃ اللمعات وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتعوا السواد الاعظم۔ اور انہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ سواد بمعنی سیاہی اور بمعنی جمہور لوگوں کی کثیر جماعت چنانچہ سیاہی لشکر سے اس کی کثرت اور زیادتی مراد ہوتی ہے اس ارشاد سے درحقیقت اس مذہب کی اتباع کی ترغیب مقصود ہے جسے علماء امت کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔

یہاں مشکوۃ کے بعض نسخوں میں خالی جگہ ہے اور رواہ ابن ماجہ من حدیث انس کے الفاظ حاشیہ میں درج ہیں اور بعض نسخوں میں ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ کے الفاظ زیادہ آئے ہیں۔

۱۶۵۔ وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ

رواہ الترمذی

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے عزیز بیٹے اگر تو صبح وشام ایسے حال میں کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کھوٹ نہ ہو تو ضرور ایسا کر پھر فرمایا اے میرے عزیز بیٹے یہ کام میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت رکھے گا جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

اشعۃ اللمعات وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے اگر تو صبح وشام ایسے حال میں کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے لئے کھوٹ نہ ہو تو ایسا کر ثم قال یا بنی وذالک من سنتی پھر فرمایا اے پیارے بیٹے اور یہ چیز میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ میں سے ہے ومن احب سنتی فقد احبنی اور جس نے میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی کہ کسی کے طریقے اور سنت سے پیار کرنا اس کے ساتھ محبت

کی بنا پر ہوتا ہے اور اس کی محبت کا باعث بنتا ہے ومن احبنی کان معی فی الجنۃ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ جیساکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے المرء مع من احب کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت تھی۔ اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے پیار کرنا آپ کے ساتھ پیار اور آپ کی رفاقت نصیب ہونے کا باعث ہے۔ سنت کے ساتھ جب صرف محبت کا نتیجہ یہ ہے تو جو شخص سنت سے محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کرتا ہو اُس کا مرتبہ کس قدر ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سعادت عطا کرے۔

۱۶۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ۔

رواہ (   )

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت میں اعتقادی اور عملی فساد برپا ہونے کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اسے ایک سو شہید کا ثواب ملے گا۔

اشعۃ اللمعات۔ فساد امت سے سنت چھوڑ دینے اور اس میں کمی اور کوتاہی کرنا مراد ہے اور سو شہید کے لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں سنت پر عمل بڑی مشقت اور جد وجہد سے ہو سکے گا لیکن اس کی فضیلت اور اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوگا۔ حضرت عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رواہ کے بعد جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے اور حاشیہ میں یہ عبارت درج ہے رواہ البیہقی فی کتاب الزہد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی اسے بیہقی نے اپنی تالیف کتاب الزہد میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا

۱۶۷۔ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِیْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَهُوْدٍ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَکْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ اَمُتَهَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَهَوَّکَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی لَقَدْ جِئْتُکُمْ بِهَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ

رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا بیشک ہم لوگ یہود سے بہت سی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا آپ مناسب سمجھتے اور رائے دیتے ہیں کہ ہم لوگ ان میں سے کچھ لکھ لیا کریں آپ نے زجر و انکار کے طور پر فرمایا کیا تم لوگ دین اسلام کے بارے میں حیرت میں ہو اور اس کے کامل دین ہونے میں تمہیں شک ہے۔ اس لئے تم لوگ اہل کتاب سے کچھ لینا چاہتے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو جس طرح خود یہود و نصاریٰ حیرت و شبہات کی وادیوں میں بھٹکنا شروع ہو گئے تھے۔ بیشک میں ایک سفید و پاک اور صاف و روشن اور شک و شبہ سے خالص ملت و شریعت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا چہ جائیکہ اس کی قوم اور باقی تمام لوگ کیونکہ میری

شریعت کے آجانے کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں)

۱۶۸ - وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَّعَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ وَّاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ قَالَ وَسَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ

رواہ الترمذی

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال طیب رزق کھایا سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے امن میں رہے وہ جنت میں داخل ہوا۔ اس پر ایک شخص نے کہا یہ نیکیاں ہمارے زمانے میں لوگوں کے اندر کثرت کے ساتھ موجود ہیں آپ نے فرمایا ہاں اور مجھ سے بعد کے زمانوں میں بھی یہ نیکیاں موجود رہیں گی۔

اشعۃ اللمعات۔ وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا جو شخص حلال کھائے وعمل فی سنۃ اور سنت کے مطابق عمل کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ وامن الناس بوائقہ اور لوگ اس کے شر و فتنہ سے امن میں رہیں یعنی اس کی طرف سے کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے یعنی کسی کو گمراہی کے راستے پر نہ ڈالے اور کسی کو بدراہ نہ کرے ظاہر ہے کہ اس سے ہر چھوٹا بڑا شر و فتنہ مراد ہے یعنی لوگوں کو اس سے کسی قسم کی کوئی اذیت اور برائی نہ پہنچے۔

بوائق بائقہ کی جمع ہے بمعنی سختی اور رنج پہنچانا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہ جائے گا۔ جس سے اس کے ہمسائے تکلیف میں ہوں۔ بوائق کی تفسیر ظلم، بدنیتی، سختی اور شر و فساد سے کی گئی ہے۔ دخل الجنۃ وہ جنت میں داخل ہوگا فقال رجل اس پر ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ان ھذا الیوم لکثیر فی الناس یارسول اللہ بیشک یہ کام (یہ نیکیاں) آج ہمارے زمانے میں تو بہت ہیں ہمارے بعد آنے والے لوگوں کی حالت کیا ہوگی۔ قال وسیکون فی قرون بعدی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے زمانے میں یہ اچھائیاں بہت ہیں اور میرے بعد آنے والے لوگوں میں بھی کسی نہ کسی حد تک یہ اچھائیاں موجود رہیں گی یعنی میری امت میں نیکی اور خیر بالکل ہی ختم نہ ہو جائے گی۔ اگرچہ زیادہ اور کم کا فرق ضرور ہوگا۔ اور آخر زمانے تک ایک جماعت ایسی موجود ہوگی جو تقویٰ اور اقامت سنت کے راستے پر گامزن رہے گی۔

۱۶۹ - وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِہٖ ھَلَکَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْھُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِہٖ نَجَا۔

رواہ الترمذی

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دین کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا ہلاک ہو جائے گا پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جو اس کے دسویں حصے پر بھی عمل کریگا نجات پا جائے گا۔

اشعۃ اللمعات وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ھلک اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دیگا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ہلاک ہو جائے گا۔

ثم یاتی زمان من عمل منھم بعشر ما امر بہ نجا پھر ایک زمانہ آئے گا کہ جو شخص اس کے دسویں حصے پر عمل کریگا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نجات پا جائیگا اور عذاب سے چھوٹ جائیگا اور ثواب کا مستحق ہوگا۔ لیکن یہ گنجائش سنتوں اور نوافل وخیرات میں ہو سکتی ہے فرائض وواجبات میں اس گنجائش کی کوئی صورت نہیں کہ ان کے ترک کی کسی زمانے میں اجازت نہیں ہو سکتی۔ بعض نے کہا ہے اس سے امر معروف ونہی منکر مراد ہے کہ زمانہ نبوت اور اس کے بعد قریب زمانہ میں جب کہ حق ظاہر تھا حکومت اسلامی مضبوط تھی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد واعانت میں سرگرم تھے اور حق سننے اور قبول کرنے کی توقع ہوتی تھی ایسے اچھے حالات وزمانہ میں امر معروف اور نہی منکر ترک کرنے کے لئے کوئی عذر نہ تھا اس کے برعکس آخر زمانہ میں جو زمانہ نبوت کے بالکل الٹ اور خلاف ہوگا کہ اس میں تھوڑا سا امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا کر دینا بھی غنیمت اور اجر وثواب کا موجب ہے۔

۱۷۰ - وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ ھُدًی کَانُوْا عَلَیْہِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ. رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

اور حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم گمراہ نہیں ہوتی جو پہلے ہدایت پر تھی مگر جھگڑے کی وجہ سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایت پڑھی ماضربوہ الخ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں بحث کرتے مگر محض جھگڑے کے لئے۔ بلکہ یہ سخت جھگڑالو قوم ہے۔

اشعۃ اللمعات - وعن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ اور حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں گمراہ ہوئی قوم جو پہلے ہدایت پر تھی۔ الا اوتوا الجدل مگر اس بنا پر کہ انہیں جھگڑا دیا گیا۔ جَدَل جیم اور دال کے فتح کے ساتھ یعنی لڑائی جھگڑے اور تعصب وعناد میں سخت ہونا تاکہ اس تندی اور سختی کے ذریعے اپنے باطل مذہب کو رواج دیں اور حق کی بنیادیں اکھاڑ پھینکیں۔

ثم قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۃ پڑھی جو کفار کے جدل وخصومت کے بارے میں وارد ہے یعنی مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ اس ایت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ بیشک تم لوگ اور خدا تعالیٰ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تو مشرکین بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے شور مچایا کہ ہمارے بت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں اگر عیسیٰ جو نصاریٰ کے معبود ہیں اس ایت کے مطابق (معاذ اللہ) دوزخ میں جائیں گے۔ تو ہم بھی اپنے بتوں کیساتھ دوزخ میں جانے پر راضی ہیں۔ ان کی اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ نے ایت مَا ضَرَبُوْہُ الخ نازل فرمائی یعنی انہوں نے جو آپ کے ساتھ یہ بحث کی ہے طلب حق کے لئے نہیں کی بلکہ جھگڑے اور کج بحثی کے طور پر کی ہے کیونکہ ما تعبدون کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شامل ہی نہیں ہے کہ کلمہ ما یعنی چیز غیر عقلاء کے لئے آتا ہے۔ جس طرح لفظ مَنْ عقلاء کے لئے۔ یہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ لغت عرب میں ماکا استعمال یہی ہے اس کے باوجود محض جنگ وجدل اور تعصب وعناد کے تحت ایسی گفتگو کر رہے ہیں بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ ابن زبعریٰ (بکسر زاء وفتح باء وسکون عین وفتح راء اور آخر میں الف) جو مشرکوں میں سے ایک مشرک تھا اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بحث اور گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا تو اپنی قومی زبان سے ہی کس قدر ناواقف اور بے بہرہ ہے کہ ما اور من کا استعمال تک نہیں جانتا۔

۱۷۱ - وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

رواہ ابوداؤد

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اپنے آپ پر سختی اور شدت نہ کرو کہ اللہ بھی تم پر شدت اور سختی کرنے لگے. بیشک ایک قوم اپنے اوپر شدت اور سختی کی تھی تو اللہ نے وہ شدت اور سختی ان پر ڈال دی تو نصاریٰ کے عبادت خانوں اور ان کے کلیساؤں میں جو لوگ ہیں یہ انہی کے باقی ماندہ لوگ ہیں۔ انہوں نے ایک رہبانیت اپنے پاس سے گھڑ لی تھی ہم نے ان پر لازم نہ کی تھی۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فرمایا کرتے تھے. لاتشددوا علی انفسکم ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے ساتھ اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ نفس جن کاموں کی طاقت نہیں رکھتا وہ اس سے لینے لگو اور جو چیزیں اللہ نے تمہارے لئے مباح کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام ٹھہرالو اور اللہ نے تمہارے ذمے آسان کام لگائے ہیں مگر تم اپنے پاس سے سخت کام اپنے ذمہ لگالو. فیشدد اللہ علیکم یہاں تک کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے اور انہیں تم پر فرض کردے اور تم میں ان کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو، پھر تم عاجز آجاؤ اور ان کی ادائیگی سے پھر جاؤ. فان قوما شددوا علی انفسہم فشدد اللہ علیہم بیشک ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کردی فتلک بقایاہم فی الصوامع والدیار تو اپنے اوپر سختی کرنے والوں میں سے آج بھی نصاریٰ کے عبادت خانوں اور ان کے کلیساؤں میں موجود ہیں صوامع صومعہ کی جمع بمعنی نصاریٰ کا عبادتخانہ. دیار دیر کی جمع بمعنی عیسائی درویشوں کی عبادتگاہ. رہبانیۃ ابتدعوہا ماکتبناہا علیہم. رہبانیت جو انہوں نے پیدا کی ہم نے ان پر وہ فرض نہ کی تھی. رہبانیت سے عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے انقطاع، ٹاٹ کا لباس پہننا، گردن میں زنجیر ڈال لینا، اپنا آلہ تناسل کاٹ دینا اور پہاڑوں و صحراؤں میں بھاگ جانا وغیرہ مراد ہے جو اہل کتاب کے راہب اور زاہد کرتے تھے. تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ چیزیں انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر اختیار کرلی تھیں. ہم نے ان پر فرض نہ کی تھیں. اور اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا پھر وہ ان کی نگہداشت اس طرح نہ کرسکے جیسا اس کے کرنے کا حق تھا۔

منقول ہے کہ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ بنی اسرائیل نے تو اس قدر ریاضتیں اور مجاہدے کئے کہ وہ بوسیدہ مشکوں اور کمانوں کے پرانے چمڑوں کی طرح خشک ہوگئے اور ہم لوگ کھاتے ہیں پیتے ہیں پہنتے ہیں اور آرام و آرائش سے رہتے ہیں. اپنی آرام و آسائش کی اس زندگی کو دیکھ کر دل گھٹتا ہے کہ ہمارا طور طریقہ کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا. حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو اس بارے میں کوئی بات جاننا چاہتا ہے۔ اے احمد ہم سے صدق و اخلاص کا مطالبہ ہوگا. جلنے اور پگھلنے کا مطالبہ نہ ہوگا اگر تو نے دس دن عمل کیا اور اخلاص سے کیا تو وہ دس سال جلنے اور پگھلنے سے بہتر ہے اصل میں خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب و مقصود ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ومن لم یکن للوصال اہلا۔ فکل احسانہ ذنوب۔

جو شخص وصال وملاقات کا اہل قرار نہ پایا اس کی سب نیکیاں بھی گناہ ہیں۔

۱۷۲ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القرآن علی خمسۃ اوجہ. حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وَاَمْثَالٌ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَآمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وروی البیہقی فی شعب الایمان ونفطہ فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پانچ وجہوں پر نازل ہوا ہے۔ حلال، حرام محکم، متشابہ اور امثال تو حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام۔ محکم پر عمل کرو۔ متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال و واقعات سے عبرت ونصیحت پکڑو۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی۔ حلال پر عمل کرو۔ حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔

اشعۃ اللمعات: وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القران علی خمسۃ اوجہ قرآن پانچ قسم پر نازل ہوا ہے۔ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وامثال حلال وحرام کا معنی واضح ہے اور محکم ومتشابہ کا معنی حدیث عائشہ کی فصل اول میں معلوم ہو چکا ہے اور امثال سے قصے اور نصیحتیں کی باتیں مراد ہیں۔

فاحلوا الحلال وحرموا الحرام تو حلال کو حلال جانو یعنی اس پر عمل کرو اور اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھو اور حرام کو حرام جانو۔ واعملوا بالمحکم اور محکم پر کاربند رہو۔ وآمنوا بالمتشابہ اور متشابہ پر ایمان رکھو اور یہ یقین رکھو کہ اس سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے حق اور درست ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کی حقیقت کا علم نہیں واعتبروا بالامثال اور قصص اور نصائح سے نصیحت اور عبرت پکڑو۔ ھذا لفظ المصابیح یہ مصابیح کے الفاظ ہیں وروی البیہقی فی شعب الایمان اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے فاعملوا بالحلال واجتنبوا الحرام واتبعوا المحکم حلال پر عمل کرو حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو اور آمنوا بالمتشابہ واعتبروا بالامثال کے الفاظ مصابیح اور شعب الایمان دونوں میں ایک جیسے ہیں۔

۱۷۳ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَمْرُ ثَلَاثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَى اللّٰهِ

رواہ احمد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرع کے احکام تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کا نیک ہونا ظاہر وواضح ہے ان کی پیروی کر۔ دوسرے وہ جن کا گناہ اور ناجائز ہونا واضح ہے ان سے بچ اور دور رہ۔ تیسرے وہ جن کے جائز یا ناجائز ہونے میں شبہ ہے انہیں خدا کے سپرد کر اور ان میں توقف کر اور ان میں خدا سے رشد وہدایت طلب کر

الفصل الثالث ——— تیسری فصل

۱۷۴ - عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَاْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا جو تنہا ہونے والی اور دور چلی جانے والی اور ایک

وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ
رواہ احمد

طرف ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے اور دو پہاڑوں کے درمیان واقع راستوں سے دور رہو اور جماعت اور اکثریت کے طریقے کو پکڑے رہو

اشعۃ اللمعات ۔ وعن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان ذئب الانسان بیشک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے کہ اسے بہکاتا اور پھسلاتا ہے کہ جماعت سے الگ ہو تو اسے ہلاک کر دے۔ کذئب الغنم جیسے بکریوں کا بھیڑیا یاخذ الشاذۃ جو اس بکری کو پکڑ لے جاتا ہے جو گلے سے بھاگتی اور اس سے اُنسیت نہیں رکھتی۔ والقاصیۃ اور اس بکری کو بھی پکڑ لے جاتا ہے جو گلے سے دور چلی جائے اگرچہ نفرت کی وجہ سے دور نہ گئی ہو۔ والناحیۃ اور اس بکری کو بھی پکڑ لے جاتا ہے جو گلے سے ایک طرف ہو کر کھڑی ہو۔ اگرچہ اس سے بھاگی نہ ہو اور نہ ہی اس سے دور گئی ہو اور جو بکری گلہ کے درمیان ہو وہ امن اور سلامتی میں ہے وایاکم والشعاب اور اپنے آپ کو ان راستوں سے دور رکھو جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہوں۔ اس عبارت سے مقصد یہ ہے کہ جماعت سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں اور جس راستے پر جمہور اہل اسلام چلتے ہوں اس سے ہٹ جانا درست نہیں جیسا کہ فرمایا وعلیکم بالجماعہ والعامۃ اور جماعت واکثریت میں رہنا اپنے اوپر لازم وضروری جانو۔ اس جانب اشارہ ہے کہ اعتبار جمہور واکثر کی اتباع کا ہے کہ تمام لوگوں کا ہر معاملہ میں کامل اتفاق نہ صرف یہ کہ واقع نہیں بلکہ ممکن بھی نہیں۔

۱۷۵ ۔ وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهٖ: رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا جو شخص جماعت سے ایک ہاتھ کے فاصلے کے برابر دور ہوا فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار کر پھینک دی اور اس حالت کو پہنچ گیا کہ شاید اسلام کی قید اور احکام کی بندش سے باہر نکل جائے۔ ربقہ بکسر اور بفتح را بمعنی وہ رسی جس میں چند حلقے بنائیں اور ہر حلقہ بکری کے گلے میں ڈال دیں۔ اس ہر حلقے کو ربقہ کہتے ہیں۔

۱۷۶ ۔ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ
رواہ فی الموطا

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک انہیں پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے رسول کی سنت۔

اشعۃ اللمعات ۔ اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام ہے موطا الف مقصورہ اور ممدودہ دونوں سے پڑھنا جائز ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ مرسل حدیث مشہور اصطلاح کے مطابق وہ ہے جسے تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔ اسے منقطع بھی کہتے ہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہوا تو یہ نہ کہا جائے کہ امام مالک تابعی نہیں ہیں اس لئے ان کی حدیث مرسل یا منقطع نہیں ہو سکتی تاہم بہتر یہ ہے کہ مرسلا کی بجائے تعلیقا کہا جائے یعنی اسناد کا اول حصہ حذف کر دینا۔

۱۷۷ ۔ وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً

اور حضرت غضیف بن حارث الثمالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نکالتی

اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ : رواہ احمد

کوئی قوم بدعت مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے تو سنت کو تھامے رکھنا بدعت پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن غضیف بن الحارث الثمالی غضیف بضم غین وفتح ضاد معجمہ بن الحارث الثمالی۔ ثمالی بضم ثاء ثلاثہ وتخفیف میم شالی ہیں۔ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ ابن ابی حاتم اور ان کے باپ اور ابوزرعہ نے کہا کہ صحابی ہیں۔ عجلی نے کہا تابعی ثقہ ہیں اور ابن سعید نے انہیں تابعین کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب ثقات میں کیا ہے۔ حضرت غضیف کا اپنا قول ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ سے مصافحہ کیا۔ واللہ اعلم۔ بعض نے ضاد کی بجائے غضیف ظا کے ساتھ پڑھا ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم نہیں نکلتی بدعت الا رفع مثلها من السنۃ مگر اس کے برابر اس قوم سے سنت اٹھالی جاتی ہے اور جب کہ احداث بدعت سنت کو اٹھاتا ہے تو اسی قیاس کے مطابق سنت کو رواج دینا بدعت کا قلع قمع کرتا ہے۔ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ پس سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اگرچہ وہ چھوٹی سی ہو نئی بدعت پیدا کرنے سے اگرچہ حسنہ ہی ہو بہتر ہے کہ اتباع سنت سے نور پیدا ہوتا ہے اور بدعت میں گرفتار ہونے سے ظلمت اور تاریکی پھاتی ہے۔ مثلاً بول وبراز اور استنجاء کے آداب سنت کے مطابق بجالانا سرائے اور مدرسہ بنانے سے بہتر ہے کیونکہ سالک آداب سنت کی رعایت سے ترقی کرتا اور مقام قرب تک پہنچتا ہے اور ان آداب کے ترک سے ترقی کے بجائے تنزل میں پڑجاتا ہے پھر رفتہ رفتہ بدعت میں گرفتار انسان قساوت قلبی تک پہنچتا ہے جسے رین اور طبع اور دل پر مہر لگ جانے سے تعبیر کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک

۱۷۸۔ وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔ رواہ الدارمی

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے (جو شاعر اور مشہور صحابی ہیں اور ان کے حالات اشعۃ اللمعات میں دوسری جگہ ذکر ہوئے ہیں) روایت ہے انہوں نے کہا نہیں پیدا کرتی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت مگر اللہ تعالیٰ ان سے اس کی مثل سنت ان سے چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سنت انہیں واپس عطا نہیں کرتا۔

۱۷۹۔ وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان

اور حضرت ابراہیم بن میسرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بدعتی کی عزت و آبرو کی تو بیشک اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن ابراهیم بن میسرۃ آپ ثقہ تابعی اور صحیح الحدیث ہیں اپنے زمانے کی بے نظیر شخصیت تھے۔ آپ کی روایت کردہ احادیث نے اہل مکہ میں شہرت حاصل کی۔

فقد اعان علی هدم الاسلام۔ اس نے اسلام کے ویران کرنے میں مدد کی کیونکہ بدعتی کی تعظیم و توقیر میں سنت کی اہانت اور اس کا استخفاف ہے اور سنت کی اہانت وحقارت اسلام کے ویران کرنے کا موجب ہے اسی قیاس کے مطابق تبع سنت کی تعظیم وتوقیر اسلام کی آبادی اور اس کی عمارت و ترقی کا ذریعہ ہے کہ اس کے سبب سنت کی عظمت بڑھے گی اور اسے رواج حاصل ہوگا۔

۱۸۰۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے

ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ - وَفِي رِوَايَةٍ مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ فَلَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْآخِرَةِ. ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔

فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا علم حاصل کیا پھر اس میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچا کر ہدایت پر قائم رکھے گا اور قیامت کے روز اسے بُرے حساب سے بچائے گا اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے اللہ کی کتاب کی اقتداء کی وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بُرے انجام سے دوچار نہ ہوگا۔ پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت تلاوت کی فَمَنِ اتَّبَعَ الخ۔

اشعۃ اللمعات وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال من تعلم کتاب اللہ ثم اتبع ما فیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب سیکھی پھر ان احکام کی پیروی کی جو اس میں ہیں ھداہ اللہ من الضلالۃ فی الدنیا اللہ اسے صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائے گا اور اسے دنیا میں گمراہی سے نجات دیگا ووقاہ یوم القیامۃ سوء الحساب اور قیامت کے روز اسے ہر بدی اور سختی حساب سے بچائے گا۔ وفی روایۃ قال اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے من اقتدی بکتاب اللہ فلا یضل فی الدنیا ولا یشقی فی الآخرۃ جس نے اللہ کی کتاب کی اقتدا کی وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا۔ ثم تلا ھذہ الآیۃ پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی۔ پس جو شخص میری کتاب کی پیروی کریگا جو ذریعہ ہدایت ہے وہ گمراہ اور بدبخت نہ ہوگا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی دولت و سعادت دین و شریعت کی متابعت میں ہے جیت۔

زہے سعادت اگر خدمتت توانم کرد — کہ نیک بختی دنیا و دین ز خدمت تست

اگر میں تیری خدمت کر سکوں تو یہ میری سعادت ہوگی۔ کہ دین و دنیا کی نیک بختی تیری خدمت میں ہے۔

۱۸۱ - وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُّرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَّقُوْلُ اسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُّوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَّدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَّفْتَحَ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو ایک مثال کی صورت میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اس صراط مستقیم کے دونوں جانب دو دیواریں ہوں اور ان میں دروازے کھلے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹکے ہوں اور سر راہ لوگوں کو بلانے والا شخص موجود ہو جو کہہ رہا ہو راستے پر چلو۔ کجروی اختیار نہ کرو اور اس داعی کے اوپر ایک اور داعی (بلانے والا) ہو کہ جب بندوں میں سے کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنے اور پردہ اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ داعی (بلانے والا) کہتا ہے تجھ پر افسوس! یہ دروازہ نہ کھول کہ بیشک اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی وضاحت فرمائی کہ اس سے کیا مراد ہے تو آپ نے خبر دیتے

رَوَاہُ رزین وروا احمد والبیھقی فی شعب الایمان

یہ حدیث رزین نے ابن مسعود سے روایت کی اور احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اسے نواس بن سمعان سمعان بکسر سین اور بفتح سین دونوں طرح آیا ہے۔ آپ صحابی ہیں شام میں سکونت تھی۔ اسی طرح ترمذی نے بھی نواس بن سمعان سے بھی روایت کی مگر اتنا فرق ہے کہ امام ترمذی نے احمد و بیہقی کی نسبت مختصر الفاظ میں روایت کی

ہوتے فرمایا کہ صراط سے طریقہ اسلام مراد ہے [۳] اور بتایا کہ کھلے ہوتے دروازوں سے جن پر پردے لٹکے ہوتے ہیں وہ افعال مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے [۴]۔ اور بیان فرمایا کہ لٹکے ہوتے پردوں سے اللہ کی حدیں مراد ہیں اور بتایا کہ راستے پر کھڑے داعی سے قرآن مراد ہے [۵] اور اس داعی کے اوپر ایک اور داعی سے ہر مومن کے دل میں اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا [۶] مراد ہے۔

اشعۃ اللمعات [۱] یعنی دین کی کیفیت و حالت یا ان حدود و محارم اور احکام قرآن کی حالت و کیفیت بیان فرمائی۔ [۲] اور اس میں داخل ہو گیا تو دردناک عذاب میں جا پڑے گا۔ [۳] جس پر چل کر انسان بہشت جاوداں میں پہنچ سکتا ہے۔ [۴] کہ ان کے اور بندے کے درمیان بندش ڈال دی ہے کہ ان کی طرف گذر نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کو ان سے باز رکھتا ہے (باز رہنے کی تلقین کرتا ہے) یہ دراصل حق سبحانہ و تعالیٰ کے احکام ہیں جن کا انسان کو پابند کیا گیا ہے [۵] جو لوگوں کو راہِ راست پر چلنے کی دعوت دیتا ہے [۶] شارح طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے واعظ قلب کی تفسیر لَمَّۃ ملک (الہام فرشتہ سے کی ہے) جو بندہ کے دل میں نیک بات ڈالتا ہے جب تک فرشتہ کی طرف سے یہ الہام نہ ہو قرآن مجید سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ قرآن مجید کا کام صرف یہ ہے کہ وہ راستہ دکھاتا اور راستے کے نشان بتلاتا ہے مگر دل کا اسے قبول کر لینا اور نصیحت کو دل میں بٹھا لینا اور راستے پر چل پڑنا اور مقصود تک پہنچ جانا تو یہ توفیق و ہدایت الٰہی سے ہوتا ہے جس کا الہام اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈالتا اور پیدا کرتا ہے۔

۱۸۲ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ۔

رواہ رزین

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا جو شخص راہِ راست پر چلنا چاہے اسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے راستے پر چلے اور ان کی اقتدا اور پیروی کرے جو اس جہاں سے گذر گئے اور وفات پا چکے ہیں کہ زندوں کے بارے میں یہ اندیشہ موجود ہے کہ وہ دین میں کسی فتنہ اور ابتلاء میں مبتلا ہو جائیں [۱]۔ اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تھے یہ حضرات امت میں سب سے افضل تھے ان میں سب سے بڑھ کر نیک دلی پائی جاتی تھی ان کا علم سب سے گہرا تھا اور یہ حضرات سب سے کم تکلف و تصنع اختیار کرتے تھے [۲] اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اپنے نبی کی رفاقت و صحبت اور اقامت و خدمتِ دین کے لئے چنا [۳] تو ان کے لئے ان کا فضل و کمال پہچانو اور ان کے آثار و طریقوں کی پیروی کرو اور حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کی سیرت و روش اختیار کرو کہ بیشک یہ لوگ ہدایت مستقیم پر قائم تھے [۴]

اشعۃ اللمعات [۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے زمانے کے تابعین سے فرمائی اور انہیں نصیحت کی اور لوگوں سے صحابہ کرام اور زندوں سے صحابہ کرام کے علاوہ اپنے زمانے کے دوسرے لوگ مراد لئے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اولائک الخ [۲] کہ یہ حضرات سب سے کم تکلف و تصنع اور ریاء و نمائش اور لوگوں میں مروج و متعارف رسوم و عادات اختیار کرتے تھے اور بناوٹ کے ساتھ کسی کام کو کم ہی انجام دیتے تھے۔ تکلف کا معنی ہے فرمانے کے بغیر کسی کام کو خود اپنے ذمے لے لینا اور اپنے آپ کو رنج و مشقت میں ڈالنا اور تکلف اسے کہتے ہیں جو اپنی حاجت و ضروریات اور طاقت سے بڑھ کر کام کرے۔

[۳] یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت و اکملیت کی دلیل ہے یعنی جب کہ خدا تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انہیں چنا اور اپنے پیغمبر کا انہیں یار و رفیق اور ساتھی بنایا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہی حضرات بہترین خلق اور اخیار امت ہیں اور انہی کے نفوس قدسیہ انوار ہدایت و ایمان کے زیادہ لائق و قابل ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہی اس کے سب سے زیادہ لائق و مستحق تھے۔ آثار و روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی ان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو سب دلوں سے روشن تر اور پاک تر پایا تو اس میں نور نبوت رکھ دیا اور صحابہ کرام کے قلوب طاہرہ کو باقی تمام دلوں سے صاف تر اور لائق تر پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لئے انہیں چن لیا۔ اور فی الواقع ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ کیونکہ کوئی بھی عقلمند پسند نہ کریگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید جن سے اللہ راضی ہو گیا اور جنہوں نے عمر بھر آپ کے زیر سایہ تربیت پائی اور خدمت میں حاضر رہے وہ بشری آلائشوں سے پاک و صاف نہ ہوئے ہوں۔ اور درجہ کمال کو نہ پہنچے ہوں۔ مشائخ کرام کے مریدین کو دیکھئے کہ ان کی خدمت میں کن بلند مراتب کو پہنچتے ہیں۔ صحابہ کرام کا نقص و عیب معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں نقص و عیب کا موجب بنے گا اور یہ لازم آئے گا کہ صحابہ میں نفاق موجود تھا۔ حالانکہ سورہ توبہ کے نزول کے بعد منافقین و مخلصین کا امتیاز و تعین بھی ہو گیا تھا اور منافقین ذلیل و رسوا ہو چکے تھے لہٰذا کسی صحابی کے بارے میں نقص و عیب کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔ [۴] سبحان اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کی بزرگی اور دین میں بلندی شان اس قدر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا رضیت لامتی ما رضی به ابن ام عبد میں امت کے لئے راضی ہو گیا ہر اس چیز سے جس سے ابن ام عبد راضی ہوا۔ یعنی ابن مسعودؓ آپ کس قدر صحابہ کرام کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں کہ مجال گفتگو نہیں نسال اللہ العافیۃ۔

۱۸۲- وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَاُهٗ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے۔ آپ خاموش ہو گئے حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور غصے سے تبدیل ہو رہا تھا یہ حالت دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رونے والی عورتیں تجھے روئیں [۱] تو نہیں دیکھ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی حالت

فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْبَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْکَانَ حَیًّا وَّاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ۔

رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ

بدل رہی ہے اس پر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا کہ اس پر غصے کے آثار نمایاں ہیں تو عرض کی میں اللہ کے پاس پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے [۲] ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوتے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم کہ ذات محمد کی بقا جس کے ہاتھ میں ہے اگر موسیٰ پیغمبر تمہارے سامنے نمودار ہوا اور تم مجھے چھوڑ کر اس کی پیروی شروع کر دو تو راہِ راست سے بھٹک جاؤ گے اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا زمانہ پاتے تو ان کے لئے میری پیروی کرنا ضروری ہوتا۔

اشعۃ اللمعات [۱] یعنی تو مر جائے۔ اس لفظ کی تحقیق باب الایمان کی دوسری فصل میں ذکر ہو گئی ہے [۲] یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عذر خواہی اور معافی کی نیت سے عرض کیا میں خدا کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے غصے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ و ناراضگی سے۔

۱۸۴۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ کَلَامِیْ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ بَعْضُہٗ بَعْضًا

[۱] اور انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے نیز کلام اللہ کلام اللہ کو بھی منسوخ کر دیتا ہے۔

اشعۃ اللمعات (۲) دین و ملت کے کام کی صلاح و بہتری کی خاطر شرع کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دینے کا نام نسخ ہے۔ یہ تبدیلی درحقیقت پہلے حکم کی مدت کا اظہار و بیان ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ حکم اس مدت تک مشروع اور قابل عمل تھا۔ واقع میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ حکم اول بظاہر بیانِ وقت سے متعلق تھا تو منسوخ ہونے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس میں تبدیلی واقع ہو گئی۔

نسخ کی چار قسمیں ہیں قرآن کا نسخ قرآن سے، حدیث کا نسخ حدیث سے قرآن کا نسخ حدیث سے اور حدیث کا نسخ قرآن پاک سے لیکن اس حدیث کا ظاہری معنی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز نہیں (حالانکہ حدیث سے کلام اللہ کا نسخ جائز ہے) لہٰذا یہاں حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کلام مراد ہوگا جو آپ نے وحی سے بلکہ رائے اور اجتہاد کے طور پر فرمایا۔ یا یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸۵۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَادِیْثَنَا یَنْسَخُ بَعْضُہَا بَعْضًا کَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ہماری احادیث منسوخ کر دیتی ہیں بعض بعض کو یعنی ایک دوسری کو جس طرح قرآن قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے [۱]

اشعۃ اللمعات [۱] اور اگر نسخ القرآن سے احادیث کا قرآن کو منسوخ کرنا مراد ہو تو پھر نسخ کی چاروں مذکورہ قسمیں درست ہو گئیں اور یہ حدیث سابق حدیث کی ناسخ قرار پائے گی۔

۱۸۶۔ وَعَنْ اَبِی ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءٍ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا

روی الاحادیث الثلاثۃ الدار قطنی

اور حضرت ثعلبہ خشنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نے کچھ کام فرض کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام کی ہیں ان کی حرمت کو نہ توڑنا اور کچھ حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور بھولے[2] بغیر کچھ چیزوں کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے تم ان سے بحث نہ کرنا[3] یہ تینوں احادیث امام دار قطنی[4] نے روایت کیں۔

اشعۃ اللمعات۔ [1] خشنی بضم خا و فتح شین۔ اپنے کسی جد کی طرف منسوب ہیں۔ آپ صحابی ہیں آپ کا نام جرہم اور باپ کا نام ناشب ہے اپنی کنیت سے مشہور ہیں آپ کے باپ کے نام میں بہت اختلاف ہے مگر مشہور وہی ہے جس کا یہاں ذکر ہوا۔ اہل بیعتِ رضوان میں سے ہیں۔ شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

[2] کہ بھول اور نسیان سے وہ ذات پاک و منزہ ہے اس نے تو تم پر رحمت کرنے اور تمہارے لئے کارِ دین میں آسانی کے لئے ایسا کیا ہے

[3] تو ان کے بارے میں کاوش اور کھود کرید نہ کرو۔

[4] دار قطن بغداد شریف کا ایک محلہ ہے دار قطنی اس محلے کی طرف منسوب ہے ان الفاظ پر کتاب الایمان مکمل ہوئی والحمد للہ علی ذالک

الفصل الاول

فصل اول

۱۸۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ رَوَاہُ الْبُخَارِیْ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امت تک پہنچا دو میری طرف سے دین و شریعت کو اگرچہ ایک ہی آیت[1] ہو اور بنی اسرائیل سے سنی ہوئی باتوں کو بیان کرو اس میں گناہ اور حرج نہیں ہے[2] اور جو شخص میرے اوپر جھوٹ باندھے اور میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کی تو چاہیئے کہ ایسا شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے[3]

اشعۃ اللمعات۔ کتاب العلم۔ کتاب علم کے بیان میں۔

علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب و سنت سے متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں مبادی اور مقاصد۔ مبادی وہ علوم ہیں جن پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے جیسے علم لغت، نحو و صرف وغیرہ عربی علوم اور مقاصد وہ علوم ہیں جو اعمال، اخلاق اور عقائد سے متعلق ہیں ان علوم کو علوم معاملات بھی کہتے ہیں اور ایک علم مکاشفہ ہے جو ایک نور ہے کہ طریق مستقیم پر چلنے اور صدق معاملہ کے بعد دل میں القاء ہوتا ہے اس علم کے ساتھ حقائق اشیاء کی معرفت کما حقہ منکشف ہوتی ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس علم کو علم حقیقت اور علم وراثت بھی کہتے ہیں اس حدیث کے مطابق کہ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَالَمْ یَعْلَمْ

جس شخص نے حاصل کئے ہوئے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ اسے اس علم کا وارث بناتا ہے جو اس نے نہیں سیکھا ہوتا اور آیۂ کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (اور اللہ سے ڈرو اور اللہ علم عطا کرتا ہے) میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو کہتے ہیں علم ظاہری وعلم باطنی تو اس کا معنی بھی یہی ہے جو مذکور ہوا۔ اور ان دونوں علوم کی آپس میں اس طرح نسبت ہے جس طرح جسم اور جان اور مغز اور پوست کی۔ احادیث وآیات جس علم کی شان وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ علم ان تمام اقسام کو حسب درجات ومراتب شامل ہے۔

لے ظاہر یہ ہے کہ آیت سے قرآن کی آیت مراد ہے تاہم یہ لفظاً احادیث کی تبلیغ اور ان کی نشرواشاعت پر بھی دلالت کرتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے مشتہر اور ہر جگہ پہنچ جانے کے باوجود اور ہر زمانے میں اس کے لاتعداد حافظ عالم موجود ہونے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس کی حفاظت کا کفیل وضامن ہونے کے باوجود جب کہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں تو احادیث کی تبلیغ اور نشرواشاعت کا بطریق اولیٰ ہمیں حکم ہوگا۔

بعض شارحین آیت سے کلام مراد لیتے ہیں جو عمدہ فائدے پر مشتمل اور بلند معنی کا نشان ہو جیسے وہ احادیث مبارکہ جو جوامع الکلم کے قبیلہ سے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اسی قبیلہ سے ہیں اس تحقیق کے مطابق معنی یہ ہوگا پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک ہی حدیث ہو۔ حدیث شریف کی تبلیغ کی وجہ تخصیص یہ ہوگی کہ قرآن حکیم مذکورہ وجہ کی بنا پر تبلیغ کا محتاج نہیں ہے۔

ے یا یہ مراد ہے کہ حدیث روایت کرنے میں وجوب احتیاط، عادل ثقہ، مضبوط ذہن کے راویوں ورجال سے نقل کرنے میں اتصال سند ملحوظ رکھنے وغیرہ کی شرائط عائد کرکے جو دائرہ روایت تنگ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں ان شرائط کا پورا ہونا ضروری نہیں۔

چونکہ پہلے تورات کے پڑھنے اور اسے لکھنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ شاید تم لوگ اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارے میں تذبذب اور حیرت میں ہو اس لئے تورات کا دامن تھام رہے ہو، جیسا کہ گذشتہ باب کی تیسری فصل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذرا تو اس ممانعت کے بعد آپ اس امر کی اجازت دیدی کہ بنی اسرائیل سے قصے، مواعظ اور نصیحت آمیز کہاوتیں سن سکتے اور انہیں بیان کرسکتے ہو تاہم ان کے شرائع اور احکام جو منسوخ ہو چکے ہیں بیان نہ کرو۔ البتہ ان کی کتاب کے عجیب وغریب واقعات نقل کر سکتے ہو، اس سلسلے میں نقل وسند کی تصحیح میں احتیاط برتنے میں کچھ کمی بھی رہ جائے تو غم کی بات نہیں کہ مقصود عبرت دلانا اور بیدار کرنا ہے اور اس باب میں وسعت وگنجائش ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

ے اس کلام کا مقصد اپنے پاس سے حدیث گھڑنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بطور تاکید روکنا ہے کہ وضع حدیث اگرچہ ترغیب وترہیب کی نیت سے ہی ہو تب بھی حرام ہے اور بالاتفاق کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ امام الحرمین کے والد امام محمد جوینی رضی اللہ عنہ نے اسے کفر میں داخل کیا اور اس کے قائل کے لئے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ کچھ لوگوں نے ترغیب و ترہیب کی نیت سے حدیث وضع کرنے کو جائز کہا ہے مگر یہ غلط اور خطا ہے۔ حق یہی ہے کہ بیان وضع کے بغیر حدیث گھڑنا اور اسے روایت کرنا حرام ہے۔

۱۸۸ - وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ

حضرت سمرہ اور مغیرہ جو دونوں مشہور صحابی ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری طرف سے ایسی حدیث بیان کرے جس کے متعلق اس کا گمان ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا

رواہ مسلم

شخص جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔ ؎

اشعۃ اللمعات۔ ؎ کیونکہ جب اس نے جھوٹے کی اعانت کی اور کذب و جھوٹ کی اشاعت میں اس کا شریک بنا تو اس کے گناہ اور جرم میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا یری یہ لفظ ضمہ اور فتح یا دونوں طرح مروی ہے۔ ضم کی صورت میں بمعنی گمان اور فتح کی صورت میں بمعنی علم ہے لیکن یہاں علم بھی گمان کے معنی میں ہوگا۔ کیونکہ روایت کے عدم جواز کے لئے جھوٹ کا یقین ہونا شرط نہیں ہے۔ گمانِ کذب کافی ہے۔ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ کذب کے احتمال اور شک و شبہ کی صورت میں بھی حدیث کی روایت جائز نہیں ہے لیکن حق یہ ہے کہ صرف احتمال کی صورت میں حدیث کی روایت ترک نہیں کی جا سکتی اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ صدق کا گمان غالب ہو تو روایت کرنا جائز ہے اور اگر کذب کا گمان غالب ہو تو روایت جائز نہ ہوگی۔ اور شک کی صورت میں جواز اور عدم جواز دونوں برابر ہیں۔ بشیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر کلام سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ کاذبین جمع اور تثنیہ دونوں طرح مروی ہے۔ تثنیہ کی صورت میں راوی اور مروی عنہ مراد ہوگا

۱۸۹۔ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔

متفق علیہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے لئے نیکی چاہتا ہے اسے دین میں فقیہہ بنا دیتا ہے ؎ اور میں نہیں ہوں مگر تقسیم کرنے والا اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے یعنی دین کی سمجھ وغیرہ جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

؎ یعنی اسے دین کا فہم، زیرکی، دانائی عطا کرتا ہے اور اس کے دیدۂ بصیرت کو کھول دیتا ہے کہ اسے کتاب و سنت کے معانی کا درک حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حقیقی مراد تک پہنچ جاتا ہے۔ اصل میں فقہ کا لفظ فہم و ذکاوت کے معنی میں آتا ہے مگر عرف شرع میں احکام عملیہ کے علم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۹۰۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا

رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں ؎ ان میں سے جو جاہلیت میں نیک تھے وہ اسلام میں بھی نیک ہوں گے ؎ جب کہ وہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں فقاہت حاصل کریں۔

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی حمیدہ اخلاق اور محاسن صفات میں اپنی اپنی استعداد اور جوہر اور شرافت ذات کے مطابق ان میں فرق ہے۔ جیسے ایک کان وہ ہوتی ہے جو اپنے اندر لعل و یاقوت پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھتی ہے اور ایک کان سونا چاندی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور ایک کان وہ ہوتی ہے جو لوہا، تانبہ پیدا کرتی ہے اور ایک وہ ہوتی ہے جس میں سے سرمہ اور چونہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے ؎ یعنی جو شخص تقاضائے استعداد اور قابلیت ذات کے مطابق زمانہ جاہلیت میں نیک تھا اور قبائل میں برگزیدہ اور پسندیدہ تھا اور اپنے ہمعصر لوگوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اچھی صفات کا مالک تھا اور ان عادات و خصائل سے جو عقلاً بھی عرفاً بھی اچھی اور پسندیدہ

ہیں آراستہ تھا۔ دین اسلام میں آنے کے بعد بھی اس سے حمیدہ اوصاف اور برگزیدہ افعال وجود میں آتے ہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں ظلمت کفر وجہل میں چھپا ہوا اور ڈوبا ہوا تھا جس طرح سونا چاندی کان میں مٹی سے ملا ہوا ہوتا ہے اسلام میں آنے اور مجاہدہ و ریاضت کی بھٹی میں پگھلنے کے بعد اس سے مٹی کی آلائش ختم ہوگئی اور وہ ہر قسم کے کھوٹ سے پاک اوصاف اور خالص ہوگیا اور علم و معرفت کے نور سے روشن و منور ہوگیا اور اسی استعداد کی بدولت اس کی اچھی اور عمدہ عادات اپنے ہم عمروں پر نمایاں ہوگئیں اور وہ ان سے فوقیت اور برتری حاصل کرگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اذا فقھوا (جب کہ وہ فقیہہ ہوجائیں، علم دین سیکھ لیں اور صاحب بصیرت ہوجائیں) میں اسی جانب اشارہ ہے کہ دین میں دارومدار علم و معرفت حاصل کرنے پر ہے اور اگر اس علم و معرفت کے ساتھ اسکی شرافت اور ذاتی بزرگی بھی جمع ہوجائے تو اس کا بھی بڑا اعتبار ہوگا۔ دین کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ عالم جس میں کمینہ پن ہو شریف جاہل سے بہتر ہے ؎

حافظا علم و ادب ورز کہ در حضرت شاہ ہر کرا نیست ادب لائق خدمت نبود

(ترجمہ) اے حافظ علم و ادب حاصل کر کر شاہ کے حضور جس میں ادب نہیں وہ خدمت کے لائق نہیں

۱۹۱ ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا۔

متفق علیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے حسد مگر دو آدمیوں کے بارے میں [۱] ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا پھر اسے اپنے راستے میں [۲] اس مال کے خرچ کرنے اور لٹا دینے کی طاقت و توفیق عطا کردی دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت یعنی دین و شریعت کا علم عطا کیا وہ اس کے مطابق عمل بھی کرتا اور فیصلے بھی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے [۳]

اشعۃ اللمعات [۱] مطلب یہ ہے کہ اگر حسد کرنا جائز ہوتا اور یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان مذکورہ دو آدمیوں کے بارے میں جائز ہوتا بعض علماء فرماتے ہیں حسد سے یہاں غبطہ مراد ہے۔ غبطہ یہ ہے کہ انسان یہ آرزو کرے کہ جو چیز دوسرے کو ملی ہے مجھے بھی ملے غبطہ جائز ہے مگر حسد جس کا معنی ہے دوسرے سے نعمت چھن جانے کی آرزو کرنا ناجائز ہے تاہم فسادی اور ظالم لوگوں پر حسد کرنا درست ہے اور ان دو صفات کیساتھ غبطہ (رشک) کو خاص کرنا حالانکہ ہر اچھی صفت میں غبطہ جائز ہے، ان دو صفات کے اعلیٰ ہونے اور ان کی شرافت و عمدگی اور فضیلت کے پیش نظر ہے کیونکہ یہ دو صفات انبیاء و مرسلین کی صفات اور ان کے خصائل میں سے ہیں یہ دو آدمی کون ہیں؟ آگے ان کا ذکر فرمایا۔

[۲] نیکی اور اپنے راستے کا لفظ بولا کہ اس مال کو ناپسندیدہ قرار دیا جو اسراف اور ناجائز کاموں میں صرف ہو ھلکتہ دو معنوں کے ساتھ ہلاک کرنا اور فنا کر دینا اس لفظ سے کمال سخاوت وجود کی طرف اشارہ کیا یعنی راہ حق اور نیک کاموں میں اپنے پاس کچھ نہ رکھے بلکہ سب کچھ لٹا دے۔

[۳] اکثر روایات میں یہ لفظ اثنتین تاء تانیث کے ساتھ آیا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔ حسد صرف دو صفتوں میں ہوگا۔ ایک مال

خرچ کرنا۔ دوسرا علم حاصل کرنا پھر اسکے مطابق عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پہلی روایت زیادہ مضبوط ہے۔

۱۹۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ. صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَوْعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے[1] مگر تین عملوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ[2] یا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو[3] یا نیک کردار بیٹا[4] جو اس کے لئے دعا کرے۔

اشعۃ اللمعات۔ [1] یعنی اس کی عملی زندگی جیسے نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کا دور ختم ہوجاتا ہے اور اس کیلئے ثواب کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔

[2] جو اس کے مرنے کے بعد دائم اور باقی رہے مثلاً اس نے اپنی زندگی میں کوئی چیز فی سبیل اللہ وقف کردی یا خیر و نیکی کا کوئی اور کام کیا ہو جیسے کنواں کھدوایا یا حوض یا مسجد اور سرائے وغیرہ بنوائی جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت اس کا مزید ذکر آرہا ہے۔

[3] کہ لوگوں کو تعلیم دی کتابیں تصنیف کیں۔ بلکہ دینی کتابوں کی کتابت کرنا اور انہیں نقل کرنا بھی علم نافع میں شامل ہے۔

[4] چوں کہ بچہ اس سے پیدا ہوا اور اس سے وجود میں آیا اس لئے اسے بھی عمل میں شمار کیا اور فرمایا کہ اس کی دعا کا ثواب بھی اسے پہنچتا رہے گا۔

۱۹۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ. رواہ مسلم

اور انہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مومن کی دنیوی پریشانیوں میں ایک پریشانی بھی[1] دور کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی اخروی پریشانیوں میں ایک پریشانی دور کرے گا اور جس نے تنگی میں مبتلا[2] انسان کے لئے آسانی مہیا کی اللہ اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی مہیا کریگا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی[3] اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی امداد کرنے میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف رہتا ہے[4] اور جو شخص کسی راہ میں علم کی تلاش میں[5] چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے اور کوئی قوم و جماعت کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت[6] اور آپس میں اس کے درس[7] و تکرار میں مصروف نہیں ہوتی۔ مگر

مگر اللہ ان پر سکینہ[۱۰]
(اطمینان قلب) نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی
ہے اور فرشتے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں[۱۱] اور اللہ
تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ملائکہ[۱۲] مقربین میں کرتا ہے اور جس شخص کو
اس کے عمل نے پیچھے دھکیل دیا تو اس کا نسب اسے آگے
نہیں کر سکتا۔[۱۳]

اشعۃ اللمعات۔ ۱۔ یعنی جو شخص کسی مومن بھائی کے دنیا کے دکھوں اور پریشانیوں میں کسی ایک دکھ اور پریشانی کو دور کرتا ہے چہ جائیکہ دینی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کرے جیسے کسی کو کفر و معصیت پر مجبور کیا گیا ہو اسے اس سے نجات دلانا۔

۲۔ جیسے کسی کی گردن پر قرض کا بوجھ ہو اور اسے ادا کرنے سے عاجز ہو اس کی مدد کرے تاکہ اس کی گردن سے وہ بوجھ اتر جائے یا اس کا اپنا ہی قرض اس کے ذمہ تھا اس نے وہ معاف کر دیا یا آسانی سے ادا کرنے کے وقت تک اسے مہلت دیدی۔

۳۔ اسے رسوا اور خوار نہ کیا یا کوئی مسلمان ننگا اور برہنہ پڑا ہوا تھا اس نے کپڑے سے اس کی شرمگاہ ڈھانپ دی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیگا۔

۴۔ اس کی تکلیف دور کرکے یا اسے نفع پہنچا کر جیسے بھی ممکن ہو۔

۵۔ اگرچہ تھوڑا سا علم ہی کیوں نہ ہو یا تلاش علم سے تحصیل علم کے اسباب میں سے کسی سبب اور اس کی وجوہ میں سے کسی وجہ کا تلاش کرنا مراد ہے جیسے مال خرچ کرنا یا تعلم و تعلیم اختیار کرنا یا دینی کتب کی تصنیف۔

۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس علم کی جزا اور صلے میں اسے جنت میں لائے گا یا اسے عمل صالح کی توفیق عطا کرے گا جو جنت میں آنے کا سبب و ذریعہ ہے۔

۷۔ یعنی خدا تعالیٰ کے گھروں میں سے ایسے گھر میں جو اس مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہو۔

۸۔ بطور ورد و وظیفہ مسجد یا غیر مسجد میں قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

۹۔ ایک دوسرے کو تعلیم دیتے اور اس کے معانی کی تحقیق۔ الفاظ کی تصحیح اور اس کی تجوید و قرأت کے لئے آپس میں بحث و تکرار کرتے ہیں درس بمعنی پڑھنا تدارس کا معنی ایک دوسرے سے تکرار کرنا۔ دُرست بضم اور دِراست بکسر دراصل ریاضت و مشقت کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کوئی قوم و جماعت قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے لئے نہیں مجتمع ہوتی مگر اللہ کی طرف سے ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔

۱۰۔ سکینہ یعنی آرام باطن اور اطمینان قلب جس کی برکت و بدولت دنیوی شہوات کی طرف میلان اور ماسوا اللہ کا خوف و ڈر دل سے نکل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حضوری کی سعادت اور صفائی و نورانیت نصیب ہوتی ہے۔ صحیح مسلم شریف کی شرح میں آیا ہے کہ قول مختار یہ ہے کہ سکینہ مخلوق الہٰی میں سے ایسی چیز کا نام ہے جس میں طمانیت و رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں کبھی وہ سکینہ ابر کی شکل میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ کتاب فضائل القرآن میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

۱۱۔ اور فرشتے ان کا طواف کرتے ہیں۔

۱۲۔ یعنی ملاء اعلیٰ اور اپنی جناب قدس کے مقرب ملائکہ کے سامنے اپنے ان بندوں پر بطور فخر و مباہات اور ملائکہ کے طعن کا جواب دینے کے لیے کہ بشر معصیت کا مرتکب ہوگا۔ ان فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر کرتا ہے۔

بیت ؎ بہ بزم وصل خودم خواند یار در خلوت کنوں رقیب حسد پیشہ گو بسوز از رشک

ترجمہ۔ یار نے بزم وصل کے بہاں خانۂ خلوت میں خود مجھے بلا لیا ہے اب رقیب حسد پیشہ کو کہو کہ رشک سے جل جائے

۱۳۔ یعنی جس شخص نے عمل میں کوتاہی اختیار کی وہ چاہے کتنا ہی عالی نسب کیوں نہ ہو اس کے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی

بیت ؎ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ترجمہ۔ اے جامی جب تو بندۂ عشق بن گیا تو اب خاندانی نسب پر فخر کرنا چھوڑ دے کیونکہ اس راہ میں فلاں بن فلاں کوئی چیز نہیں

۱۹۴۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ

رواہ مسلم

اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عمل میں اخلاص نہ ہونے کی بنا پر سب سے پہلے جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ ایک تو وہ شخص ہوگا جو راہِ خدا میں شہید ہوا تھا اسے خدا تعالیٰ و تقدس کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے عطا کردہ نعمت جتلائے گا۔ وہ بندہ خدا تعالیٰ کی نعمت کو پہچانے گا اور اس کا اعتراف کریگا اس پر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا بتا اس نعمت کے شکر کے طور پر تو نے کیا عمل کیا۔ وہ جواب دے گا میں نے تیری راہ میں خالص تیرے لئے کفار سے جہاد کیا یہاں تک میں نے اپنی جان دیدی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ کام میری رضا کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ تو نے مخلوق کے دکھاوے کے لئے ایسا کیا تاکہ لوگ تجھے دلیر اور بہادر کہیں۔ یہ بات تیرے حق میں کہہ دی گئی پھر اس کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا۔ تو اسے چہرے کے بل گھسیٹا جائے گا یہاں تک کہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص جس نے علم حاصل کیا پھر دوسروں کو سکھایا اور قرآن پاک پڑھا اسے بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں جتلائے گا وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا اور اس کا اعتراف کریگا اس پر اللہ اس سے فرمائے گا ان کی شکرگذاری میں تو نے کیا عمل کیا وہ عرض کریگا

میں نے علم حاصل کیا دوسروں کو علم سکھایا اور خالص تیری رضا کے لئے قرآن پاک پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے علم اس لئے حاصل کیا تاکہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لئے پڑھا تاکہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ لوگوں نے تجھے عالم اور قاری کہہ دیا۔ پھر اس کے بارے میں ملائکہ کو حکم ہوگا تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ تیسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت میں فراخی اور کشادگی عطا کی تھی اور ہر قسم کے مال و متاع سے اسے نوازا تھا اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائیگا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں⁽¹⁾ یاد دلائیگا وہ انہیں پہچانے گا اور ان کا اعتراف کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیگا تو نے اس کی شکر گذاری کے طور پر کیا عمل کیا وہ بندہ عرض کریگا میں نے کوئی راستہ اور مصرف جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند تھا نہیں چھوڑا مگر تیری خوشنودی کے لئے اس میں مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے درحقیقت یہ کام⁽²⁾ تو نے اس لئے کیا تاکہ لوگ تجھے سخی اور فیاض کہیں۔ پھر اس کے بارے میں ملائکہ کو حکم ہوگا تو اسے زمین پر گھسیٹا جاتے گا پھر⁽⁴⁾ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔

اشعۃ اللمعات۔ (۱) بعض نسخوں میں بصیغہ جمع نِعَمَہ کا لفظ آیا ہے لیکن اوّل روایت کے مطابق نِعْمَتَہ بصیغہ مفرد زیادہ صحیح ہے۔
(۲) اور تو نے اپنی غرض و غایت پالی اور اپنے عمل کی جزا لوگوں سے حاصل کرلی اب مجھ سے کیا چاہتا ہے۔
(۳) یہاں اور اس کے بعد حدیث میں نِعَمَہ بصیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے۔
(۴) ثم القی میں لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے زمین پر گھسیٹنا اور ذلیل و رسوا کرنا عرصہ دراز تک ہوتا رہے گا۔ پھر دوزخ میں ڈالا جائیگا

۱۹۵ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس طرح علم نہ چھینے گا کسان کے ہاتھوں سے واپس لے لے اور چھین لے بلکہ علماء کو قبض کرلے گا انہیں موت دیدیگا۔ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے وہ جاہل علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو

بھی گمراہ کریں گے۔

اشعۃ اللمعات (۱۰) ایک روایت میں لم یبق آیا ہے یعنی کوئی عالم موجود نہ رہے گا۔

(۲) رُؤُسًا بضم ہمزہ و تنوین بروزن فعول رأس کی جمع بمعنی سر و سردار جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں رؤساء بفتح ہمزہ اور مد کے ساتھ بروزن فقہاء آیا ہے جمع رئیس بمعنی بزرگ اور سردار و امام

۱۹۶۔ وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذٰلِكَ إِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔

متفق علیہ

حضرت شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو ہفتے میں ایک دن جمعرات کو وعظ و نصیحت کرتے تھے ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن مجھے یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ کیا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا سن بات یہ ہے کہ مجھے ہر روز وعظ کہنے سے یہ امر روکتا ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں تمہیں پریشان کروں۔ اس لئے میں وقفہ وقفہ کے بعد تمہیں وعظ کہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقفہ کر کے ایسا کرتے تھے تاکہ ہم لوگ پریشان نہ ہوں۔ اور بوجھ محسوس نہ کریں۔

اشعۃ اللمعات (۱) حضرت شقیق رضی اللہ عنہ کبار تابعین سے ہیں ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور نہایت باعمل علماء میں سے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سعادت نشان پایا مگر شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ علماء نے فرمایا ہے کوئی بستی نہیں مگر اس میں ایک ایسا مرد خدا موجود ہوتا ہے جس کے طفیل وہاں کے لوگوں کی بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں حضرت شقیق ان مردان خدا میں سے ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی احباب اور کبار ساتھیوں میں سے تھے۔

(۲) یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

(۳) تخول خائے معجمہ اور لام کے ساتھ بمعنی خیال رکھنا۔ دیکھ بھال کرنا اور کسی غائب شخص کی خیریت دریافت کرنا اس کا حاصل اور خلاصہ ہے گاہ بگاہ کسی کے متعلق دریافت کرنا اور اس کی خبر گیری کرنا۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں نے فلاں کی خبر گیری کی۔ یہ لفظ ل کے بجائے تخون نون کے ساتھ بھی آیا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے بعض نے تحولنا حائے مہملہ اور لام کے ساتھ بھی روایت کیا ہے بمعنی کسی کی خوشحالی معلوم کرنا تاکہ وہ کسی پریشان حال میں نہ ہو۔ مگر مشہور و معتبر روایت وہی ہے جو صحاح میں خائے معجمہ اور لام کے ساتھ آئی ہے۔

۱۹۷۔ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔

رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکالتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے[1] اور جب آپ کسی قوم اور جماعت پر تشریف لاتے اور انہیں سلام کہتے تو تین[2] دفعہ انہیں سلام کہتے۔

اشعۃ اللمعات (۱) اور اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ آپ کی یہ عادت مبارک غالباً اکثر اوقات میں اس بات کے اہتمام اور سننے کے احتمال کی بنا پر تھی واللہ اعلم۔ اور کان کے لفظ میں محدثین نے گفتگو کی ہے۔ جمہور کے نزدیک مقرر و مشہور یہ ہے کہ یہ لفظ دوام و استمرار کا فائدہ دیتا ہے یعنی محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کیا کرتے تھے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ آپ ہمیشہ یہ کام کرتے تھے اور آپ کی عادت شریف یہی تھی تاہم بعض متاخرین نے اس میں قیل و قال کی ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں لفظ کان آیا ہے مگر ان میں دوام و استمرار مراد لینے کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ احادیث کی چھان بین کرنے والے سے پوشیدہ نہیں ہے اسے خوب سمجھو۔

(۲) اس مقام پر محدثین کرام فرماتے ہیں کہ صحیح احادیث اور صریح نقل سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہی تھی کہ جب آپ کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو ایک بار سلام کہتے۔ ایک سے زیادہ بار نہ فرماتے۔ اس حقیقت کی روشنی میں اس حدیث کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ ایک سلام تو اجازت حاصل کرنے کے لئے کہتے تاکہ قوم (اہل مجلس) کو اطلاع ہو جائے اور وہ اندر بلالیں۔ دوسرا سلام سلام تحیت ہوتا جو مسنون و متعارف سلام ہے جو ان کے پاس آکر آپ کہتے۔ تیسرا سلام ان کے پاس سے اٹھنے اور ان کی مجلس سے باہر نکلنے کے وقت کہتے لہٰذا قوم کے پاس آنے سے لمبا وقت مراد ہے یعنی تشریف لانے سے لے کر اٹھ کر چلے جانے تک کا وقت مراد ہے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ کسی گھر میں اندر آنے کے لئے آپ تین بار سلام کہتے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر ایک بار یا دو بار سلام کہنے پر بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ پھر سلام کہے۔ اگر اب بھی اندر آنے کی اجازت نہ دیں تو پھر سنت یہ ہے کہ انسان واپس لوٹ آئے۔

۱۹۸ - وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیْ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنَّہٗ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَا عِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَدُلُّہٗ عَلٰی مَنْ یَحْمِلُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی میری سواری چلنے سے تھک ہار گئی ہے مجھے کسی اونٹ پر سوار کرا دیں کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الوقت میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس پر میں تجھے سوار کروں اتنے میں ایک شخص نے عرض کیا میں آپ سے وہ شخص بتاتا ہوں جو اس کے لئے سواری کا انتظام کر دیگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو خیر اور بھلائی کی رہنمائی کرتا ہے اسے اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جتنا خود اسی نیکی کرنے والے کو۔ (۴)

اشعۃ اللمعات (۱) ابو مسعود حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ ایک شخص ہیں۔ دوسرے عبداللہ بن مسعود تو تفقہ میں اور مشہور و عظماء صحابہ کرام میں سے تھے۔ اور ابو مسعود کا نام عقبہ بن عمرو الانصاری ہے۔ یہ بھی مشہور اور بزرگ صحابی ہیں۔

(۲) اُبْدِعَ بصیغہ ماضی مجہول ابداع مصدر سے ہے۔ ابداع کا معنی ہے سواری کا سستی اور زیادہ بوجھ کے باعث چلنے اور سفر کرنے سے رہ جانا اور عاجز آجانا۔

(۳) یعنی کوئی اونٹ یا ایسی چیز جس سے اونٹ خرید کیا جا سکے یا سواری کا کرایہ۔

(۴) کہ خیر اور نیکی کا راستہ دکھانا عمل خیر میں شامل ہے۔ چونکہ خیر اور بھلائی کا راستہ دکھانے میں تعلیم کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اس حدیث کو کتاب العلم میں لایا۔

۱۹۹۔ وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ كُنَّا فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم. فَجَاءَهُ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ[۲] اَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِي السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اِلٰى آخِرِ الْاٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا وَالْاٰيَةَ الَّتِيْ فِي الْحَشْرِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِهٖ مِنْ دِرْهَمِهٖ مِنْ ثَوْبِهٖ مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ[۹] مِنْ طَعَامٍ وَّثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

اور حضرت جریر[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ دن کے درمیانی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ برہنہ جسم گودڑی پوش یا عبا[۲] پہنے ہوئے گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے اکثر قبیلہ مضر سے تھے بلکہ[۳] سارے ہی قبیلہ مضر سے تھے ان کے فقر و محتاجی کی حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر[۴] ہو گیا اور آپ اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر بعد باہر آ گئے۔ اور بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان کہی اور اقامت کہی اور حضور نے نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں آیتہ یاایھا الناس اتقوا اخر ایۃ تک پڑھی اور سورۂ حشر کی آیت اتقوا اللہ بھی پڑھی (مقصد یہ تھا کہ) بندہ مومن کو صدقہ کرنا چاہیئے۔ اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑوں میں سے اپنے پیمانہ گندم سے اور اپنے پیمانہ کھجور سے جو میسر آ سکے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا چاہے آدھی کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ جریر راوی فرماتے ہیں کہ اتنے میں انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی اٹھا کر لایا جو اتنی وزنی تھی کہ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اسے نہ اٹھا سکے بلکہ وہ اسے اٹھانے سے عاجز تھا۔ اس کے بعد صدقات و خیرات لانے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہاں تک کہ میرے سامنے اشیاء خوردنی اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور اس طرح چمک اٹھا ہے گویا آپ کے چہرہ انور پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱۱] جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا اسے اس کا اجر و ثواب ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی اسے ملے گا۔ جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے

رواہ مسلم (۱۳)

اور جس شخص نے مسلمانوں میں بری راہ و روش کی بنا رکھی تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس کے بعد اس روش کو اختیار کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اپنے گناہوں میں کچھ کمی واقع ہو۔ (مسلم شریف)

بغیر اس کے کہ ان کے اجر و ثواب میں کچھ کمی ہو

اشعۃ اللمعات (۱) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں آپ حسن صورت و سیرت اور عمدہ اوصاف و اخلاق سے موصوف تھے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تشبیہہ دیا کرتے تھے۔

(۲) نمار بکسر نون جمع نمرہ بفتح و نون و کسر میم معنی سیاہ و سفید دھاریوں والا کمبل جیسے دیہاتی لوگ پہنتے ہیں۔

(۳) یہ راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمار فرمایا یا عبا ۔ فرمایا۔ عَبا ء فتح عین کے ساتھ یہ بھی کمبل کی ایک قسم ہے

(۴) یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا۔

(۵) بیت من از بے نوائی نیم روے زرد غم بے نوایاں رُخم زرد کرد

ترجمہ:۔ مسکینی و محتاجی کی وجہ سے میرا چہرہ زرد نہیں ہے بلکہ مسکین و محتاج لوگوں کے غم نے میرا چہرہ زرد کر دیا ہے۔

(۶) آپ نے گھر کے اندر جا کر ان مساکین و فقراء کی امداد کے لئے کوئی چیز تلاش کی مگر اس وقت گھر میں ایسی کوئی چیز نہ ملی۔

(۷) آپ نے خطبہ میں ایک سورہ نساء کی یہ آیت پڑھی۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ○

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں زمین پر پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم مانگتے ہو۔ قطع رحمی سے بھی ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے واقف و آگاہ ہے۔

اور دوسری سورہ حشر کی یہ آیت

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔

اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور چاہیئے کہ ہر جان یہ دیکھے کہ اس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا ساماں تیار کر کے آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

(۸) تصدق رجل۔ اکثر نسخوں میں ق کے فتح کے ساتھ بلفظ ماضی پڑھا گیا ہے اور بعض نسخوں میں ق کی جزم کے ساتھ تاہم دونوں صورتوں میں بمعنی امر ہے جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد کو چاہیئے کہ صدقہ و خیرات کرے۔

(۹) کُومَیْن۔ کاف فتح اور ضم کاف بمعنی اشیاء خوردنی کا ڈھیر۔ زمین کا ٹیلہ ہر چیز کا اونچا و بلند حصہ

(۱۰) کَاَنَّہٗ مُذْھَبَۃٌ یہ لفظ دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے ایک مُدْھُنَۃٌ بضم میم و سکون دل و ضم ہا اس کے بعد نون اور اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک شگاف اور گڑھا جو پہاڑ میں ہوتا ہے اور اس میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ برتن جس میں گھی محفوظ رکھتے ہیں اس جملے کا مقصد دراصل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کو صفائی و روشنی میں پہاڑ کے گڑھے میں جمع شدہ پانی اور برتن میں پڑے ہوئے روغن کی صفائی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ حدیث کے بعض ائمہ نے اس لفظ کی صرف یہی ایک توجیہہ بیان کی ہے اس کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اسے مُذْھَبَۃٌ بضم میم و سکون ذال معجمہ و فتح ہا اس کے بعد باء موحدہ پڑھا جائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یقینی قرار دیا ہے اس صورت میں اس کے دو معنی بیان کئے ایک وہ چاندی جس پر سونا چڑھا ہوا ہو چہرے کے حسن اور اس کی چمک دمک کے اظہار کیلئے یہ تشبیہ بہت بلیغ اور عمدہ ہے دوسرا معنی وہ چہرہ جس پر سونا چڑھایا گیا ہو راوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور اور حسن و نورانیت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

(۱۱) اس شخص کی فضیلت بیان کرنے کے لئے جو روپوں کی بھاری تھیلی اٹھا لایا تھا اور اس کے بعد اسے دیکھتے ہوئے دوسرے لوگوں نے بھی اس کار خیر میں اس کی پیروی کی تھی۔

(۱۲) اس حدیث کی شرح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی فصل ثانی میں گزر چکی ہے۔

۲۰۰۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیہ وسلم لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

متفق علیہ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل نہیں کی جاتی مگر آدم کے پہلے بیٹے کے ذمے اس کے گناہ کا حصہ لکھا جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص (۱) ہے جس نے اولاد آدم میں قتل ناحق کی بنیاد رکھی (بخاری و مسلم) اور ہم عنقریب حضرت معاویہ کی حدیث لایزال من امتی الخ اس امت کے ثواب کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ جو اس کتاب کے ابواب کا آخری باب ہے

اشعۃ اللمعات۔ (۱) قابیل کے حضرت ہابیل کو قتل کرنے کے قصہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ مشہور و معروف قصہ ہے (جو تفاسیر میں مذکور ہے)

الفصل الثانی

دوسری فصل

۲۰۱۔ عَنْ کَثِیْرِ بْنِ قَیْسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَاءِ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَدِیْنَةِ الرَّسُوْلِ صلی اللّٰه علیہ وسلم لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ

حضرت کثیر بن قیس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد دمشق میں بیٹھا ہوا تھا تو ابوالدرداء کے پاس ایک شخص آیا اس نے آکر کہا اے ابوالدرداء میں آپ کی خدمت میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں ایک

اَتَیْتُکَ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُہٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا جِئْتُ لِحَاجَۃٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًی لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی وسمّاہ الترمذی قیس بن کثیر

حدیث کے لئے جس کے متعلق مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں میں صرف اسی کام کے لئے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص دینی علوم میں سے کسی علم کی تلاش کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت کے راستوں میں سے کسی راستے پر چلائے گا اور بیشک فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے بازو اس کے لئے بچھا دیتے ہیں[۳] اور بیشک عالم دین کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز بخشش طلب کرتی ہے اور مچھلیاں[۴] پانی میں اس کے لئے زبانِ حال سے مغفرت طلب کرتی ہیں اور بیشک عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودہویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر[۵] اور بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں[۶] اور بیشک انبیاء علیہم السلام نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا[۷] وہ تو اپنے پیچھے علم ہی کی وراثت چھوڑ کر جاتے ہیں تو جس نے یہ علم حاصل کر لیا اس نے دین[۸] و سعادت کا مکمل حصہ پا لیا[۹]

اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے راوی کا نام کثیر بن قیس کے بجائے قیس بن کثیر بیان کیا[۱۰]

اشعۃ اللمعات (۱) حضرت کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔

(۲) دِمشق بکسر دال و فتح و کسر میم ملک شام کا دار الحکومت کو مشاق بن کنعان نامی شخص نے اس کی بنیاد رکھی۔

(۳) بازو بچھانا کنایہ ہے پہلو نرم کرنے، اطاعت و فرمانبرداری اور رحمت و شفقت سے یہ بھی ممکن ہے کہ طالب علم کی تواضع کے لئے حقیقۃً اپنے پر بچھاتے ہوں کیونکہ وہ اس علم کی تلاش میں ہے جو قرب وحق تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ خصوصاً وہ طالب علم جس کے تمام حالات طریقہ طالب علم کے موافق اور رضائے حق کے مطابق ہوں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پر بچھانے سے مراد اُڑنے سے رک جانا اور علم کی باتیں سننے کے لئے نیچے اتر آنا ہے جس طرح تلاوت قرآن پاک کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول اور ان کا طواف کرنا اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے اور ملائکہ کا طالب علم کے لئے پر بچھانا یا دنیا میں ہوتا ہے یا آخرت میں یا دنیا و آخرت دونوں میں واللہ اعلم

(۴) جنات، انسان اور ملائکہ ارضی سب کو

(۵) شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے پانی کے تمام حیوانات مراد ہیں مچھلیوں کی تخصیص سے اس طرف اشارہ ہے کہ آسمان سے پانی جو مچھلیوں کی زندگی کا سبب ہے علماء حقانی کی برکت سے نازل ہوتا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے بِھِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ یعنی انہی کی بدولت ان پہ بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو روزی عطا کرتا ہے تمام اہل جہان کا عالم کے لئے دعا کرنے کا سبب یہ ہے کہ جہاں کی درستی و اصلاح علم سے وابستہ ہے اہل جہاں کی کوئی نوع اور جنس ایسی نہیں جس کی درستی اور جس کا وجود و بقاء علم سے وابستہ نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں میں موجود ہر صنف و نوع کے ذمہ لکھ دیا کہ طالب علم کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اس چیز کے صلے میں جو انہیں اس طالب علم کے طفیل پہنچتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے گناہ انشاء اللہ تعالیٰ بخشے ہوئے ہیں کیونکہ تمام زمین و آسمان والے اس کے لئے دعائے مغفرت میں مصروف رہتے ہیں وہو الغفور الرحیم (وہی بخشنے والا مہربان ہے)

(۶) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم دین کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہہ دی جس کے نور سے ساری زمین کو روشن کیا ہوتا ہے چونکہ علم کا فائدہ متعدی اور سارے جہاں کو پہنچتا ہے اس لئے چودھویں رات کے چاند کے ساتھ یہ تشبیہہ بالکل مناسب ہے۔ بخلاف محض ایک عبادتگذار کے کہ اس کا فائدہ اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے دوسروں کو نہیں پہنچتا جیسے ستاروں کی روشنی کہ وہ دوسروں کو مستفید نہیں نہیں کرتی۔ عالم کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے عالم دین کا نور علم حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے جو کہ دین کے عالم کے آفتاب ہیں لہذا اس اعتبار سے بھی یہ تشبیہہ بہت مناسب ہے۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ عالم کے لیے بھی عبادت ضروری ہے۔ کہ بے عمل عالم کی شان کچھ نہیں۔ نیز علم کے بغیر عبادت درست نہیں ہوسکتی لہذا عالم و عابد میں کوئی فرق نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ عالم سے ایسا عالم مراد ہے جو تحصیل علم کے بعد ضروری عبادات (فرائض و سنن مؤکدہ) کی بجاآوری پر اکتفا کرتا ہو اور اپنا زیادہ وقت علم سکھانے اور دینی کتابوں کے تصنیف کرنے وغیرہ میں صرف کرتا ہو۔ اس کا کام علم کی نشرواشاعت اور دین کی ترویج ہو اور عابد سے ایسا عابد مراد ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادت میں مشغول ہو گیا ہو۔ اور اپنے اوقات عبادتگذاری سے آباد رکھتا ہو اور جبکہ علم کی نشرواشاعت اور دین کے سیکھنے سکھانے اور درس و تدریس کا فائدہ زیادہ اور مخلوق کو اس کا نفع عام تر اور شامل تر ہے اس بنا پر علم کی فضیلت عبادت پر زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ دوسری احادیث سے بھی یہ چیز معلوم ہوتی ہے۔

(۷) کیا انہوں نے انبیاء کا وارث ہونے کی بنا پر علم حاصل کیا اور انبیاء کی وراثت علم کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

(۸) یعنی انبیاء کرام اپنے پیچھے وراثت کے طور پہ دینار و درہم چھوڑ کر نہیں جاتے۔

(۹) یعنی دین و سعادت کا حصہ پایہ مراد ہے کہ جو شخص علم سکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ کامل طور پہ اسے حاصل کرے تھوڑے سے علم پر کفایت نہ کرے۔

(۱۰) ترمذی علیہ الرحمۃ نے راوی حدیث کا نام قیس بن کثیر بیان کیا ہے مگر صحیح اور درست کثیر بن قیس ہے۔ جیسا کہ مؤلف (صاحب مشکوۃ) نے ذکر کیا ہے اور بخاری نے بھی اسے تاریخ میں کثیر کے باب میں بیان کیا ہے قیس کے باب میں بیان نہیں کیا معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حدیث مذکور جسے حضرت ابوالدرداء نے روایت کیا وہی حدیث ہے جس کی تلاش میں وہ شخص نکلا تھا یا یہ حدیث طلب علم کی مدح میں بطور تو طیہ و تمہید بیان فرمائی اور جو حدیث اس مرد کو مطلوب تھی وہ اور تھی جو یہاں مذکور نہیں ہے

محدثین نے یہ دونوں احتمال بیان کئے ہیں واللہ اعلم۔

۲۰۲ - وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِی قَالَ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِی عَلٰی اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ رواه الترمذی ورواه الدارمی عن مكحول مُرسلاً ولم يذكر رجلان وقال فضل العالم على العابد كفضلی علی ادناكم ثم تلا هذه الاٰية اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وسرد الحديث الی آخره

حضرت ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عبادت گزار کا دوسرے عالم دین کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم دین کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں پانی میں لوگوں کو خیر اور نیکی کی تعلیم دینے والے پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات۔ حدیث لہ آپ صحابی ہیں باہل بن اعصر نامی جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہیں۔

۲ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں زیادہ شان والا کون ہے۔

۳ اندازہ کرنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں کس قدر فضیلت وشان کا اظہار ہے اول تو آپ تمام انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں پھر خصوصاً صحابہ کرام سے۔ پھر امت میں ایک ادنیٰ شخص پر آپ کی فضیلت کس قدر زیادہ ہوگی۔

۴ یعنی لوگوں کو علم وحکمت کی تعلیم دینے والے پر اور اس میں اس وجہ کی طرف اشارہ ہے جس کے سبب عالم کو عابد پر فضیلت و درجہ حاصل ہے یعنی اس کے افضل ہونے کی وجہ اور علت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے تاکہ اسے عطا کردہ نعمت سے دوسرے بھی مستفید ہوں۔ البا علم عبادت سے افضل ہے کہ عبادت کا نفع اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔

۵ ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔

۶ اور دارمی نے اس حدیث کو مکحول شامی سے روایت کیا جو کبار تابعین میں سے ہوئے ہیں اور نہایت ثقہ اور اہل شام میں افقہ شخصیت ہیں چنانچہ کہا گیا ہے کہ علماء چار ہیں۔ المسیب مدینہ منورہ میں، شعبی کوفہ میں حسن بصری بصرہ میں اور مکحول شام میں مکحول نے بطریق ارسال اس حدیث کو روایت کیا اور دارمی نے یہ قصہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا بلکہ مکحول نے یہ حدیث اس عبارت میں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

نہیں ڈرتے خدا سے اس کے بندوں میں سے مگر علماء

اور امام دارمی نے یہ حدیث آخر تک بیان کی۔

۲۰۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک لوگ تمہارے تابع

رِجَالاً یَاتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ۔ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْرًا رواہ الترمذی

ہیں اور بیشک لوگ زمین کے اطراف واکناف سے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ فقہ اور علم دین حاصل کرنے کے لئے۔ توجب تمہارے پاس آئیں تو انہیں نیکی اور خیر کی بات سکھانا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات۔ ۱؎ آپ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں۔ سعد بن مالک بن سنان کے بیٹے ہیں کنیت کے ساتھ مشہور ہیں نہایت فقیہہ اوصاف کمال میں بلند مرتبہ، حدیث کی کثرت سے روایت کرنے والے اور علماء و فضلاء اور عقلاء میں سے ہیں۔ اصحاب شجرہ میں سے ہیں۔ سب سے پہلے جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

۲؎ یعنی اے میرے صحابہ اور میری صحبت کا فیض اٹھانے والو اور مجھ سے بلا واسطہ علم حاصل کرنے والو۔

۳؎ یعنی عرب و عجم سے اکثر تابعین عجم سے تعلق رکھتے ہیں اور صحابہ کرام خطہ عرب سے۔

۴؎ جیساکہ آیۂ مبارکہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ (ترجمہ، توکیوں نہیں نکلا (تحصیل علم کے لئے) ہر جماعت میں سے ایک گروہ جو دین کی سمجھ اور علم حاصل کرے) اس مطلب کو واضح کرتی ہے۔

۵؎ کہ انہیں دین کا علم سکھاؤ۔ لفظ استیصا کے معنیٰ کی تحقیق شرح عربی میں کردی گئی ہے۔

۲۴۲ وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا رواہ الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی ہذا حدیث غریب وابراہیم بن الفضل الراوی یضعف فی الحدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم وحکمت والی بات حکیم کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں بھی پائے اور جس سے بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

اشعۃ اللمعات۔ ۱؎ ایک روایت میں کلمۃ الحکمہ کے الفاظ ہیں۔

۲؎ ایک دوسری روایت میں ضالۃ المومن کے الفاظ ہیں یعنی علم وحکمت کی بات دانا انسان یا مسلمان کی گمشدہ چیز ہے۔

۳؎ توجس طرح جو شخص اپنی گمشدہ چیز جس کے ہاتھ میں پاتا ہے لے لیتا ہے۔ اسی طرح دانا انسان دین کی بات جہاں سے سنتا ہے قبول کرلیتا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ کہنے والا فقیر یا حقیر انسان ہے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ایک آدمی حق کی بات حضرت بایزید بسطامی سے سنے تو اسے قبول کرے مگر وہ وہی بات ایک ادنیٰ شخص سے سنے تو قبول نہ کرے تو ایسا شخص متکبر ہے۔

بیت۔ مرد باید کہ پند بر گیرد ۔ ور نوشت است پند بر دیوار

انسان کو نصیحت کی بات قبول کرنی چاہیئے اگرچہ وہ دیوار پر ہی کیوں نہ لکھی ہو۔

اس حدیث میں اس امر پر بھی دلالت ہے کہ جو شخص ایسی بات سنے جس کا معنی اسے سمجھ نہ آتا ہو تو چاہیئے کہ وہ بات اس آدمی تک پہنچ جائے جو اس کے سمجھنے کا اہل اور فقیہہ تر ہو جیسے اگر کسی کو کوئی گمشدہ چیز ملے تو اس کے لئے حکم اور طریقہ یہ ہے کہ اس کے مالک کی تلاش کرکے اس کے حوالے کردے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مستعد اور اہل انسان سے علم روک کر رکھنا منع ہے جس طرح گمشدہ چیز ملنے پر اس کے مالک کو نہ دینا منع ہے اور جس طرح اہل و مستعد انسان سے علم کی بات روکنا منع ہے اسی طرح نا اہل کو علم سکھانا روا نہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آچکا ہے

بیت : بے ادب را علم و فن آموختن دادنِ تیغے بدست راہزن

ترجمہ۔ بے ادب کو علم و ہنر سکھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینے کے مترادف ہے

اور جس طرح کہ یہ حکم طالب علموں کی استعداد کے اختلاف سے بدل جاتا ہے اسی طرح علم کے انواع میں بھی اشخاص کی تبدیلی سے یہ حکم بدلتا ہے۔ اس دستور کے مطابق شریعت کے وہ احکام جو ظاہری معاملات سے تعلق رکھتے ہیں ہر شخص کو سکھانے چاہئیں۔ لیکن حقائق پر مشتمل باتیں نا اہل افراد کے سامنے بیان نہیں کی جائیں گی اسی طرح مسائل و مذاہب میں علماء کے اختلافات بھی عوام کے سامنے بیان کرنے ٹھیک نہیں ہیں خصوصاً ہمارے اس زمانے میں (حضرت شیخ کے زمانہ میں) جب کہ لوگ انکار و تردد کے لئے بہانہ چاہتے ہیں۔ یہاں ایک اور بات بھی ہے کہ جواب دیتے وقت سائل کا حال پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ سے دو آدمی ایک ہی مسئلہ دریافت کرتے ہیں مگر آپ جواب الگ الگ دیتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ جب مسئلہ ایک ہی ہے تو جواب بھی ایک ہی ہو۔ فرمایا جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کلموا الناس علی قدر عقولہم کا مطلب یہی ہے۔

اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور ابراہیم بن الفضل جو اس حدیث کا راوی ہے، حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا۔

۲۰۵۔ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

اشعۃ اللمعات

فقیہہ سے مراد اگر ایسا شخص ہو جسے دین کا فہم اور اس کے مسائل سمجھنے کی قوت دی گئی ہو تو ایسا شخص شیطان کی چالوں اور گمراہی کے راستوں اور دل کے خطروں اور ان کے درمیان تمیز اور فرق سے واقف ہوگا اور اگر فقیہہ سے ایسا عالم مراد ہو جو دین و شریعت کے احکام اور جائز و ناجائز امور کی تفصیلات سے آگاہ ہو تو ایسا شخص بھی محرمات میں گرنے سے ضرور بچے گا۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ معصیت کو ہلکا اور جائز و حلال نہ جانے گا اور کفر میں مبتلا نہ ہوگا۔ بخلاف اس عبادت گذار کے جو علم بھی نہ رکھتا ہو کہ وہ ہر وقت خطرے میں رہے۔

۲۰۶۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَیْرِ اَھْلِہٖ کَمُقَلِّدِ الْخَنَازِیْرِ الْجَوْھَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّھَبَ

رواہ ابن ماجۃ وروی البیہقی فی شعب الایمان

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سپرد کرنے والا خنزیروں کو موتیوں اور جواہرات اور سونے کے ہار پہنانے والے کی طرح ہے۔

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں

الیٰ قولہ مسلم وقال ھٰذا حدیث مَتْنُہٗ مشہور واسنادہٗ ضعیف وقد روی من اوجہ کلّہا ضعیف

لفظ مسلم تک روایت کیا ہے اور کہا کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے مگر اسناد ضعیف ہے اور کئی سندوں سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے مگر وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔

اشعۃ اللمعات۔ لہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسند میں علیٰ کل مسلم ومسلمۃ کے لفظ سے مروی ہے اور علم سے وہ علم مراد ہے جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے وقت کے مطابق ضروری ہو۔ مثلاً جو شخص اسلام میں داخل ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت و پہچان اور نبی صلی اللہ علیہ کی نبوت وغیرہ کا علم حاصل کرے جن کے بغیر ایمان درست نہیں ہوتا اور جب نماز کا وقت آئے تو اس کے احکام سے آگاہ ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے اور جب رمضان شریف آیا تو اس کے احکام کا سیکھنا ضروری ہو جاتا ہے اور جب مالک نصاب ہوگیا تو زکوٰۃ کے احکام کا علم حاصل کرنا ضروری قرار پاگیا۔ ان امور کے واجب ہونے سے قبل اگر کسی نے ان کے احکام نہ سیکھے ہوں تو گناہ گار نہ ہوگا۔ اور جب مرد نے نکاح کیا تو حیض ونفاس وغیرہ کے مسائل اور حقوق زوجین سے متعلق جو احکام ہیں ان کا سیکھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

اور صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد اخلاص، نفس کی آفات کی معرفت اور خواطر و ذائل نفس کی تفصیلات کا علم ہے الغرض ہر گروہ نے علم سے علم مراد لیا ہے جس کے ساتھ وہ خاص ہے مگر درست وصواب وہ ہے جو پہلے عرض کیا گیا اور جب کہ اخلاص اور صدق نیت تمام ظاہری و باطنی اعمال کے لئے شرط ہے تو اس لحاظ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کا قول عام تر اور شامل تر ہے۔

لہ تاہم اس میں شک نہیں کہ جب کہ یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہوئی ہے تو ایک طریق کو دوسرے طریق سے قوت حاصل ہوتی ہے اور اس سے حدیث میں قوت آجاتی ہے اور اس کے متعدد طرق واحوال کا بیان شرح سفر السعادت میں ذکر کر دیا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۲۰۷۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْہٌ فِی الدِّیْنِ۔ رواہ الترمذی[3]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خوبیاں بیک وقت منافق میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ نیک[1] روش اور دین کی فہم و فراست[2]۔

اشعۃ اللمعات لہ حسن سمت یعنی اچھی راہ و روش لفظ سمت اصل میں درمیانے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں پھر اس سے نیک لوگوں کی ہیئت اور وہ روش جو دیکھنے میں اچھی لگے مراد لیتے ہیں۔

لہ فقہ فی الدین یعنی احکام دینی کی دریافت کے لئے فہم وفطانت اس کلام سے مقصود دراصل اہل اسلام کو ترغیب دینا اور اس امر پر آمادہ کرنا ہے کہ یہ دونوں صفات اپنے اندر پیدا کریں اور جو شخص ان دونوں صفات کے خلاف چلے اسے ڈانٹ اور زجر ہے۔

لہ بعض نسخوں میں والدارمی بھی مذکور ہے۔

۲۰۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طلب علم کے لئے نکلا وہ واپس لوٹنے تک

سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ ؎

اللہ کی راہ میں ہے۔

رواہ الترمذی والدارمی

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کی۔

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی وہ واپس گھر پہنچنے تک راہ خدا میں نکلنے کا ثواب پائے گا۔ جس طرح وہ شخص جو جہاد کفار کے لئے گھر سے نکلتا ہے راہ خدا میں شمار ہوتا ہے اسی طرح حج کے لئے بھی کہا گیا ہے اگر کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر واپس پہنچنے پر ثواب کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ راہ خدا میں نکلنے کا ثواب تو پورا ہو گیا اس کے بعد دوسروں کو تعلیم دینے اور ان کی تکمیل کرنے کا ثواب شروع ہو گیا۔

۲۰۹۔ وَعَنْ سَخْبَرَۃَ الْاَزْدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃً لِّمَا مَضٰی ؎

رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی ہذا حدیث ضعیف الاسناد وابوداؤد الراوی یضعف

اور حضرت سخبرۃ ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بندہ علم تلاش کرتا ہے اس کی یہ تلاش اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے ؎

سخبرۃ بفتح سین مہملہ وسکون خاء معجمہ وفتح باء موحدہ الازدی بفتح ہمزہ وسکون زا صحابی ہیں ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے

اشعۃ اللمعات ؎ اور اس کے گذشتہ گناہ چھپا دیئے جاتے ہیں اور جو سابقہ گناہ اس سے ہو چکے ہوتے ہیں۔ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع میں گناہوں سے اکثر صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں مگر حج میں کہ اس سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور امید ہے کہ طلب علم کی برکت سے بھی کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

؎ ترمذی نے اس حدیث میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوداؤد جس کا نام نفیع بن الحارث ہے اہل کوفہ سے تھا ہمدان کا قاضی تھا لہٰذا یہ حدیث میں ضعیف ہے ثقہ لوگوں میں سے نہیں ہے اور اس کی حدیث حجت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ ابوداؤد سنن والا ابوداؤد نہیں ہے کہ وہ تو ثقہ اور کبار محدثین میں سے ہے۔

۲۱۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَّسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَہَاہُ الْجَنَّۃَ ؎

رواہ الترمذی

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن نیک بات سننے سے سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک انجام کار وہ بہشت میں پہنچ جاتا ہے (اسے ترمذی نے روایت کیا)

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی آخر عمر تک۔ طلب علم کی دھن میں رہتا ہے اور اس کی برکت سے بہشت میں پہنچ جاتا ہے اس حدیث میں طالب علم کو بشارت ہے کہ وہ دنیا سے انشاء اللہ تعالیٰ با ایمان جائے گا۔ یہی بشارت حاصل کرنے کے لئے بعض اہل اللہ آخر عمر تک طلب اور تحصیل علم میں مشغول رہے۔ حالانکہ وہ اہل اللہ رضی اللہ عنہم علم میں مرتبۂ اعلیٰ حاصل کر چکے ہوتے تھے اور جب کہ علم کا دائرہ وسیع اور بے نہایت ہے تو جو شخص علم یعنی تعلیم دینے اور تصنیف کرنے میں مشغول ہے وہ حقیقتہً طالب علم اور اسے کامل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

۲۱۱۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ، الجم یوم القیامۃ بلجام من النار[1]

علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس سے علم کی وہ بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا تھا پھر اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ کو آتش دوزخ کی لگام دی جائے گی۔

رواہ ابوداؤد والترمذی ورواہ ابن ماجہ عن انس

اشعۃ اللمعات [1] یعنی جس علم کا جاننا ضروری ہو اور علماء میں سے کوئی اور اسے بیان کرنے والا بھی نہ ہو اور بیان کرنے سے کوئی صحیح عذر بھی مانع نہ ہو بلکہ بخل اور علم دین سے لاپروائی کی بنا پر چھپائے تو اس مذکورہ سزا کا مستوجب ہوگا۔

۲۱۲۔ وعن کعب بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب العلم یجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفھاء او لیصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار

رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عمر

اور حضرت کعب[1] بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص طلب علم کرے تاکہ بحث و گفتگو میں علماء سے برابری کرے[2] یا جاہلوں اور بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑا اور نزاع کرے[3] یا اس لئے کہ لوگوں کے منہ اپنی طرف پھیرے[4] اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں[5] ڈالے گا۔

اشعۃ اللمعات [1] آپ مشہور صحابی ہیں۔ شعراء اسلام میں سے ہیں اور ان تین افراد میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے۔

[2] یعنی تاکہ علمی بحث و گفتگو میں علماء کی ہمراہی اختیار کرے یعنی اپنے آپ کو علماء کے برابر کرے اور ان کے سامنے فخر و غرور کرے۔

[3] اور اس طرح انہیں شکوک و شبہات میں ڈالے۔

[4] اس طرح ان سے مال و دولت اور جاہ و مرتبہ حاصل کرکے دنیا کے کاموں اور نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے صرف کرے۔

[5] یعنی جس نے صرف ان مذکورہ فاسد اغراض کے لئے علم حاصل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ میں ڈالے گا۔ اور اگر بعض بتقاضائے بشریت و طبیعت۔ یا اور خواہش نفس کا معمولی دخل ہو جائے تو معذور ہے کہ اس سے بچنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور اتنی مقدار پر حکم عائد نہ ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے علماء نے کہا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کوئی عمدہ اور عزیز چیز جو حکمت و بہبود پر مشتمل ہوتی ہے، عدم سے وجود میں لانا چاہتا ہے تو بے اختیار نفس کا تقاضا انسان کے وجود میں پیدا کر دیتا ہے نتیجۃً وہ چیز بے تکلف و بے تردد معرض وجود میں آجاتی ہے جس طرح کہ بچے کی پیدائش کے لئے اللہ تعالیٰ مرد و زن میں ان کے اختیار کے بغیر جذبہ شہوت پیدا کرتا ہے جس سے ایک قوت باعثہ وجود میں آتی ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی توفیق و عنایت بندے کے حال کی ناصر و مددگار ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ریا اور داعیہ نفس کے اس معمولی اثر سے بھی اسے پاک کر دیتا ہے۔ بزرگوں نے جو فرمایا ہے کہ ہم نے علم رضاء الٰہی کے بجائے دوسری نفسانی اغراض کے لئے سیکھا مگر علم نے رضائے الٰہی کے خلاف چلنے سے انکار کر دیا" تو اس کا یہی معنیٰ ہے نسأل اللہ العافیۃ

۲۱۳۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے مگر وہ اسے رضائے الٰہی کے

لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيْحَهَا۔ رواه احمد وابوداؤد وابن ماجه

تے نہیں بلکہ ذلیل دنیا جمع کرنے کے لئے سیکھے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہ پائے گا۔

اشعۃ اللمعات　ؔلہ یعنی وہ علم ان علوم کی جنس میں سے ہو جس سے اس ذات مقدس کا علم اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کی جاتی ہو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ مبارک چیز جو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اسے حقیر دنیا کے حصول کا ذریعہ نہ بنانا چاہیئے۔

بیت: یارمفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد　آنکہ یوسف بزر ناسرہ بفروختہ بود

ترجمہ: یار کو دنیا کے عوض فروخت نہ کر کہ کچھ نفع نہ اٹھایا اس نے جس نے یوسف کو کھوٹے سکے کے عوض فروخت کر دیا تھا۔

یا مراد یہ ہے کہ جو علم علوم دین میں سے نہ ہو اسے دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا مذموم نہیں ہے جب کہ اس کا سیکھنا مباح ہو اور علوم بدعیہ محرمہ اور مکروہ میں سے نہ ہو۔

ایک طالب علم تھا جو معما، عروض، قافیہ اور اقسام شعر میں بڑی کاوش کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ ان علوم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناؤں نہ کہ دینی علوم کو۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بات بعض زاہدوں اور علماء سے بھی نقل کی ہے۔

ؔ۲ ان الفاظ میں اس امر پہ دلالت پائی جاتی ہے کہ ثواب الٰہی کی سعادت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم کو صرف دنیا کمانے کے لئے وقف کر دے۔ اور اگر دنیا کمانے کا ارادہ صرف شامل اور ملا ہوا ہو اور وہ علم پر عمل کرنے اور دین کو رواج دینے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو ایسی صورت میں اسے نیک ارادے کے اندازے کے مطابق ضرور ثواب ملے گا: ہاں ثواب کے مرتبہ کمال سے ایسا شخص محروم رہے گا۔ اس معنیٰ کی طرف حدیث انما الاعمال بالنیات میں جو ابتدائے کتاب میں آئی ہے اشارہ ہو چکا ہے۔ غور و فکر سے کام لو۔

ؔ۳ یہ عرف بفتح عین مہملہ و سکون را کی تفسیر ہے یعنی خوشبو۔ ظاہر حدیث مبالغہ پر مشتمل ہے کہ ایسا شخص بہشت میں آنے سے محروم رہے گا (حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ) یہ شخص مقربین مخلص لوگوں کے ساتھ جو عذاب سے بالکل محفوظ ہیں اور قبروں سے اٹھتے ہی بہشت میں آجائیں گے، بہشت میں داخل نہ ہو گا۔ جیسا کہ یہ تاویل دوسری احادیث میں آچکی ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے جب لوگوں کو محشر میں لائیں گے تو بہشت کی خوشبو ان کے مشام تک پہنچائیں گے تاکہ اس معظم و موقف کی وحشت و گھبراہٹ سے راحت میں رہیں اور ان کے دلوں کو قوت و طاقت حاصل ہو۔ یہ شخص اس خوشبو سے محروم رہے گا اور بخار معصیت اور محبت دنیا کے غلبے کے باعث زکام والے الشان کی طرح ہو گا۔

۲۱۴ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. ثَلَاثٌ لَا يُغَلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ. إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کا چہرہ روشن و تاباں کرے جس نے میری بات کو سنا اور یاد کیا اور خوب ذہن نشین کیا اور اسے لوگوں تک پہنچایا۔ پس بہت سے دین و فقہ کی بات اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے فقہ کی بات اٹھانے والے خود بھی فقیہ ہوتے ہیں مگر اپنے سے بڑھ کر فقیہ تک وہ بات پہنچاتے ہیں۔ مومن

رواہ الشافعی والبیہقی فی المدخل ورواہ الترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن زید بن ثابت الا ان الترمذی وابا داؤد لم یذکرا ثلث لا یغل علیھن الی آخرہ۔

کے دل میں تین باتوں کے متعلق کینہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل خالص کرنے میں، مسلمانوں کی خیر خواہی میں اور جماعت کے ساتھ رہنے میں بیشک ان کی دعا سب کو گھیر لیتی ہے [۱۰]

اشعۃ اللمعات

[۷] نضر ضاد کی شدّ اور بغیر شدّ دونوں روایتیں ہیں۔ نضر و نضارت اصل میں چہرے کی خوبصورتی اور روشنائی و تابانی کے لئے آتا ہے۔ یہاں اس سے شان اور مرتبے کی رفعت اور دنیا و آخرت میں سرور و رونق و تر و تازگی میں اضافہ مراد ہے

[۸] یعنی اسے تکرار و تذکار کے ذریعے یاد رکھا۔ فراموش نہ کر دیا۔

[۹] جیسا کہ اس نے سنا جس طرح امانت بعینہٖ اس کے مالک تک پہنچاتے ہیں۔

[۸] یعنی جس طرح وہ بات سنی ہوتی ہے بعینہٖ اسی طرح دوسرے تک پہنچا دیتے ہیں تاکہ جس تک وہ بات پہنچائی جا رہی ہے وہ اس سے وہ مطلب و معنیٰ اخذ کرے جو پہنچانے والا اخذ نہیں کر سکا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کی نقل باللفظ چاہیئے اور نقل بالمعنیٰ میں علماء کا اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ نقل بالمعنی اس کے لئے جائز ہے جو کلمات کے استعمال کے مقام، تراکیب و عبارات کے خواص سے واقف اور مقتضیات مقام اور اسرار و نکات اور اشارات کی پہچان میں ماہر اور حاذق ہو۔ اس کے باوجود نقل باللفظ اولیٰ، افضل اور احوط ہے۔ جیسا کہ نضر اللہ کے الفاظ اس طرف اشارہ کرتے ہیں اور نقل بالمعنی کے وقوع میں کوئی کلام اور شک نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث کی کتابیں جیسے صحاح ستہ وغیرہ ایک حدیث پر متفق ہوتی ہیں لیکن الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

[۹] یا مومن کا دل اس میں خیانت نہیں کرتا جب کہ تین خصلتیں اس میں موجود ہوں۔ لا یغل کا لفظ چند طریقوں سے پڑھا گیا ہے (۱) بہ فتح یا و کسر غین از غل بمعنی کینہ (۲) بضم یا و کسر غین اغلال سے بمعنی خیانت و (۳) فتح یا ضمہ غین کے ساتھ غلول سے بمعنی خیانت اور اس کلمے کی مزید تحقیق شرح عربی (لمعات) میں ذکر کر دی گئی ہے اور وہ تین خصلتیں یہ ہیں (۱) اللہ کے لئے عمل کو خالص کرنا کہ سمعہ اور ریا و نمائش پر نظر نہ ہو بلکہ غرض و عوض بھی قطعاً ملحوظ نہ ہو۔ (۲) مسلمانوں کی خیر خواہی ان کے لئے خیر اندیشی اور ان کی امداد و اعانت کرنا (۳) مسلمانوں کی جماعت میں رہنا ان کے دائرہ جماعت سے باہر نہ نکلنا۔

[۱۰] لفظ وراء مد اور بغیر مد دونوں طرح آتا ہے اور یہ جماعت کے ساتھ چپٹے رہنے کی علت و وجہ ہے من بفتح و کسرِ میم دونوں طرح درست ہے اور لا یغل کا کلام سابق یعنی نضر اللہ کے ساتھ ربط و تعلق یہ ہے کہ جب کہ حضور علیہ السلام نے اس بات کو دوسرے تک پہنچانے کی ترغیب دی جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی ہے تو اس کام کو تقویت دینے والی اور اس کی تاکید کرنے والی چیز کا ذکر اس کے متصل بعد کر دیا یعنی اخلاص عمل خدا کے لئے، مسلمانوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت میں رہنا جب تک یہ تین چیزیں موجود نہیں ہوتیں مذکورہ ادائیگی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلام سابق اس کلام کے لئے توطیہ و تمہید ہے اور مقصود اسی کلام کا بیان کرنا ہے کہ یہ کلام التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ کا جامع ہے۔ (بات کو خوب سمجھو)

اس حدیث کو امام شافعی اور بیہقی نے مدخل میں جو بیہقی کی کتاب ہے ابن مسعود سے اور امام احمد و ترمذی و ابوداؤد

وابن ماجہ اور دارمی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا مگر ان دونوں حضرات نے اس آخری کلام یعنی ثلاث لایغل الخ کا ذکر نہیں کیا۔

۲۱۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعٍ

رواہ الترمذی وابن ماجہ و رواہ الدارمی عن ابی الدرداء

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خوشی و تروتازگی عطا کرے[1] اللہ اس شخص کو جس نے ہماری کوئی بات سنی اور جیسے اسے سنا اسی حالت میں اسے آگے پہنچایا کہ بہت سے وہ لوگ جنہیں وہ بات پہنچائی جاتی ہے سننے والوں سے زیادہ سمجھنے والے ہوتے ہیں[2]

اشعۃ اللمعات [1] علماء نے کہا ہے طلب حدیث اور اس کے حفظ و تبلیغ میں بالفرض اور کچھ نہ ہوتا سوائے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت کے تو دنیا و آخرت میں یہی بس اور کافی تھا۔ اللھم ارزقنا۔

[2] اس حدیث کے معنی کا خلاصہ اور مطلب بھی وہی ہے جو حدیث سابق کے مضمون کا ہے صرف بعض الفاظ میں معمولی فرق ہے۔

۲۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجہ عن ابن مسعود وجابر ولم یذکر اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حدیث لینے میں پرہیز اور احتیاط کرو صرف وہی چیز لو جس کے بارے میں تمہیں یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ میری طرف سے ہے (تاکہ مجھ پر جھوٹ باندھنے کے بھنور میں نہ پڑو) اور جو شخص مجھ پر دیدہ دانستہ جھوٹ باندھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی نشست دوزخ میں بنائے۔ (اس کلام کی شرح حدیث اول کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے ابن مسعود اور جابر سے مگر ابن ماجہ نے اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

۲۱۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

اور انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کی تفسیر رائے اور عقل اور قیاس سے کی اس کے لئے کوئی نقلی دلیل و سند نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے اور ایک

رواہ الترمذی

روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جس نے قرآن کی تفسیر میں علم کے بغیر کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا

۲۱۸ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ بیان کیا اور وہ درست نکلا تو پھر بھی اس نے غلطی کی۔

اشعۃ اللمعات　　　ؔلہ یعنی اگرچہ واقع میں اتفاق سے وہ بیان کردہ مطلب حق وصواب ہی کا ہو مگر چونکہ قصد وطریقہ میں اس نے خطا کی لہٰذا درست وصحیح ہوتے کے باوجود وہ خطا کے حکم میں ہے لیکن یہ مجتہد کے حال کے برعکس ہے کہ وہ اگرچہ خطا بھی کرے اسے صواب اور درست سمجھا جائے گا۔ یعنی اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ یہ مقام تفصیلی کلام کا متقاضی ہے مختصراً یہ کہ ایک تفسیر ہے اور ایک تاویل۔ تفسیر یہ ہے کہ یقین سے یہ بات کہے کہ خدا تعالیٰ کی مراد یہی ہے یہ معنیٰ ائمہ تفسیر کی نقل کے بغیر جب کی سند حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو درست نہیں ہو سکتا اور تاویل یہ ہے کہ احتمال کے طور پر کہے کہ ہوسکتا ہے یہ مراد ہو۔ تاہم تاویل بھی وہ درست ہوگی جو قواعد عربیت اور قوانین شرع کے مطابق ہو واللہ اعلم۔

ؔلہ جُنْدُبٌ بضم جیم وضم دال۔ اور فتح دال کے ساتھ بھی آیا ہے۔ آپکا نام ابوذر غفاری ہے　اکثر غالب آپکا ذکر ان کی کنیت سے ہوتا ہے آپ کے فضائل ومناقب بہت ہیں اور بعض مواضع میں لکھا ہوا ہے وجندب بن عبداللہ بجلی یا یہ بھی صحابی ہیں حسن بصری اور محمد بن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں اور جندب قسری بھی کتاب میں مذکور ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ علقمی ہیں نہ کہ قسری۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قشیری بھی آیا ہے اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس حدیث میں ان تینوں سے کونسا جندب مراد ہے

۲۱۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ ۔ رواہ احمد وابوداؤد

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے ؔلہ

اشعۃ اللمعات　　　ؔلہ یعنی نزدیک ہے کہ کفر میں مبتلا کردے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مراء سے خود شک میں پڑنا اور دوسرے کو شک میں مبتلا کرنا مراد ہے۔ اس دوسری توجیہہ کے مطابق کفر اپنے معنیٰ میں ہی رہے گا۔

۲۲۰۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ؔلہ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَؤُنَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ إِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ ۔ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوا إِلَى عَالِمِهِ ۔

رواہ احمد وابن ماجہ

اور حضرت عمرو بن شعیب ؔلہ وہ اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑ رہی ہے تو فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئے۔ انہوں نے کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے کے ساتھ ٹکرایا (اس میں تناقض پیدا کیا) تو تم لوگ اللہ کی کتاب کے ایک حصے کی دوسرے حصے کے ساتھ تکذیب نہ کرو جس چیز کا تمہیں علم ہوا سے بیان کرو۔ جو نہیں جانتے اسکے عالم کے حوالے کرو۔

اشعۃ اللمعات لہ جدہ کی ضمیر یا تو عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہے یا ان کے باپ کی طرف اور یہ اسناد قدرے وضاحت چاہتا ہے۔ یہ وضاحت بعض دوسرے مقامات میں کر دی گئی ہے۔

لہ آیات میں تناقض اور تضاد پیدا کرکے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے خلاف ہے اور وہ اس کے خلاف ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مختلف آیات کو آپس میں ملا دیا اور محکم و متشابہ اور مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ میں تمیز کرنا چھوڑ دی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک انما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضاً کے مطابق پہلا معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔

۲۲۱ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ وَّلِكُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں[1] پر اتارا گیا ہے اور ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن[2] اور ہر حد کے لئے آگاہ ہونے کی جگہ ہے[3]۔

اشعۃ اللمعات لہ حرف کا معنیٰ لغت میں طرف کا آتا ہے یہاں سات قسمیں یا سات طریقے یا اس مقام کے مناسب جو معنیٰ ہو وہ مراد ہے۔ شارحین کا اختلاف ہے کہ یہ سات حروف جو فرمائے گئے اس سے کیا مراد ہے۔ اکثر اس بات پر ہیں کہ سات حروف سے عرب کی سات مشہور لغات مراد ہیں یہ سات لغات اس زمانے میں فصاحت اور بلاغت میں بھی شہرت رکھتی تھیں یعنی لغت قریش، لغت بنی طے، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہُذیل اور لغت بنی تمیم۔ مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن حکیم قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی لغت اور زبان تھی، باقی عرب لوگوں پر اس زبان کا تلفظ و تکلم مشکل تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں درخواست پیش کی کہ اس بارے میں وسعت اور گنجائش دی جائے۔ حکم ہوا کہ سب سے پہلے لغت قریش کے مطابق پڑھیں، چنانچہ مسلمان امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لغت قریش کے مطابق پڑھتے رہے اور جب آپ نے اپنی نگرانی میں، قرآن حکیم کے متعدد نسخے تحریر کروائے اور انہیں اسلامی شہروں میں بھیجا اور یہ سب کچھ آپ نے اُس مصحف کے مطابق کروایا جو حضرت زید بن ثابت کی لغت کے مطابق تھا جسے انہوں نے حضرت صدیق اکبر کے حکم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درست قرار دینے کے بعد جمع کیا تھا اس کے علاوہ باقی تمام نسخے آپ نے تلف کروا دیئے کیونکہ ان کی موجودگی میں لوگوں میں اختلاف پیدا ہو رہا تھا اور لوگوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا تھا۔ تو ان دوسری لغات سے کہیں کوئی تھوڑی سی چیز باقی رہ گئی۔ اور تمام صحابہ کرام نے حضرت زید بن ثابت والے مصحف پر اتفاق کر لیا پھر یہی مصحف چلتا رہا یہاں تک کہ متصل سندوں کے ساتھ مشہور قراء تک پہنچا اور اس لغت مقررہ میں کچھ اختلاف جیسے ادغام، امالہ، وقف وغیرہ جو قراء کی اپنی پسند اور ترجیح کے اعتبار سے واقع ہوا تھا باقی رہ گیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ سات حروف سے سات قراءتیں مراد ہیں جو تمام کی تمام متواتر اور بے شبہ ثابت ہیں اور سب پر قرآنیت کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے نماز کی درستی، قرآن کو بے وضو اور جنبی حالت وغیرہ میں چھونے کی حرمت اور بعض اس سے وہ سات معانی مراد لیتے ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے جیسے امر، نہی، قصے، امثال، وعظ وعدہ و وعید۔ بعض نے سات حرفوں کی تفسیر، عقائد، احکام، اخلاق، قصص، امثال اور وعد و وعید ... سات سے مخصوص عدد مراد نہیں ہے بلکہ وسعت و

کثرت مراد ہے ۔عرب یہ عدد وسعت وکثرت میں استعمال کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ وہ عدد ہے کہ زمان ومکان کی بنیاد اسی پر ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے واللہ اعلم۔

۲ اور ان سات حروف میں سے جن پر قرآن نازل ہوا ہے، ہر آیت کے لئے اور بعض نسخوں میں لکل آیۃ منہ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے ۔یعنی قرآن پاک کی ہر آیت کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے وہ مطالب مراد ہیں جنہیں تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور باطن سے وہ اسرار ورموز مراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آگاہ ہوتے ہیں یا ظاہر سے مراد وہ معانی ہیں جو تفسیر سے معلوم ہوتے ہیں اور باطن سے وہ جو تاویل سے منکشف ہوتے ہیں اور تفسیر وہ ہے جو روایت سے ہو اور تاویل وہ جو درایت سے تعلق رکھے بعض نے یہ کہا ہے ظاہر سے آیات قرآنی پر ایمان لانا اور باطن سے ان پر عمل کرنا مراد ہے ۔یا ظاہر سے اس کی قرأت وتلاوت اور باطن سے اس کا فہم وتدبر مراد ہے ۔یا ظاہر سے الفاظ اور باطن سے معنیٰ مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ قرآن کے قصے ظاہر میں اخبار ہیں مگر باطن میں عبرت ونصیحت ہیں۔

۳ مُطَّلَع " بضم میم وطائے مشددہ ۔بمعنیٰ بلند جگہ جس پر پہنچ کر اس جگہ کی آخری حدود سے آگاہ ہوتے ہیں۔ حد بمعنی طرف ونہایت یعنی ظاہر وباطن میں سے ہر ایک کے لئے ایک حد ونہایت ہے ۔اور ہر حد ونہایت کے لئے ایک مقام ہے جس پر چڑھنے اور صعود کرنے سے اس حد ونہایت کی پوری پوری حقیقت معلوم ہوجاتی ہے ۔پس ظاہر کا مُطَّلَع عربیت اور ان علوم کا سیکھنا ہے جن کے ساتھ قرآن کا ظاہر معنی تعلق رکھتا ہے ۔اور اسباب نزول کی معرفت اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ اور باطن کا مُطَّلَع ریاضت ومجاہدہ یا ظاہر شرع کی اتباع، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، روح کا تجلیہ اور سر کا تخلیہ ہے جس کے حصول کے بعد قرآن کے بطون سے آگاہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

بیت۔ جمال شاہد قرآن نقاب آنگاہ بکشاید ۔ کہ دار الملک ایمان را بیابد خالی از غوغا۔

ترجمہ۔ قرآن کا حسن وجمال اس وقت جلوہ گر ہوتا ہے جب کہ وہ دار الملکِ ایمان (دل) کو شور وغوغا سے خالی پائے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حد سے احکام شرع مراد ہیں جو متعین ہیں اور جن کی حدود مقرر ہیں پھر ان احکام میں سے ہر حکم کے لئے ایک جگہ ہے جہاں سے اس حکم کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ تمام حدود واحکام اور جہاں سے ان کا پتہ چلتا ہے ان سب کا مکمل علم صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے ۔علماء کے اس بارے میں مختلف طبقات، مختلف مرتبے اور درجے ہیں کہ بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے ۔اس حدیث پاک کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن جو کچھ یہاں مذکور ہوا ہے اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم

۲۲۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ. اٰيَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ. رواہ ابوداود وابن ماجہ

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم تین ہیں۔ ایت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ زائد اور لایعنی ہے

اشعۃ اللمعات

۱ یعنی دین وشریعت کے اصول کے علوم تین ہیں۔

۲ ایک آیت محکمہ۔ اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کو محکمہ کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محکم آیات ام الکتاب اور اصل ہیں اور احتمال واشتباہ سے محفوظ ہیں محکمات کے سوا جو کچھ ہے جیسے متشابہات وغیرہ تو وہ محکمات پر محمول

ہیں اور جو علوم اس کے مبادی و سائل ہیں وہ بھی اسی سے متعلق ہیں۔

؎ یعنی وہ سنت جو حفظ متون اور سندوں کے حفظ کی وجہ سے ثابت ہے۔

؎ فریضہ عادلہ یعنی وہ فریضہ جو قوت و ثبوت میں کتاب و سنت کی طرح ہو اس میں اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے جو مستند اور کتاب و سنت سے اخذ کیا گیا ہو۔ اس وجہ سے اسے کتاب و سنت کے مساوی و برابر کہہ دیا گیا ہے اور اسے لفظ فریضہ سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہہ ہو کہ اس پر عمل کرنا بھی ویسے ہی واجب و ضروری ہے جس طرح کتاب و سنت پر عمل کرنا ضروری ہے تو حدیث کا حاصل معنی یہ ہوا کہ دین کے اصول چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

؎ یعنی ان کے سوا جو علوم ہیں وہ زائد اور لایعنی ہیں۔ فَضْل کا معنیٰ لغت میں زیادہ ہونے کا ہے جو کہ نقص یعنی کم ہونے کی ضد ہے۔ اس کی جمع فضول آتی ہے اور فضول کا لفظ اکثر لایعنی امر اور اس کام کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں کوئی خیر و خوبی نہ ہو فضول اس انسان کو بھی کہتے ہیں جو لایعنی کاموں میں مشغول ہو۔

بیت: ہر چہ قال اللہ و نہ قال الرسول فُضْلہ باشد مفضل میخواں اسے فضول

ترجمہ: جو چیز قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ سے نہیں ہے وہ فضول چیز ہے اے فضول انسان اللہ کا فضل مانگ اور لایعنی کاموں میں مشغول نہ ہو۔

۲۲۳ وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم - لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ۔ رواہ ابوداؤد ورواہ الدارمی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفی روایتہ ومراءٍ

اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ و وعظ بیان نہیں کرتا مگر حاکم و بادشاہ وقت۔ یا وہ جسے بادشاہ وقت اجازت دے یا متکبر انسان۔

اشعۃ اللمعات - ؎ آپ صحابی ہیں سب سے پہلے غزوہ خیبر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شام میں سکونت اختیار کی اور ۷۳ھ میں وفات پائی۔

؎ لفظ قص کا اصل معنی بیان کرنے اور خبر دینے کا ہے۔ لفظ قصہ اسی سے مشتق ہے۔ قاص اس شخص کو کہتے ہیں جو واقعہ کو اپنی اصل شکل میں بیان کرے۔ پھر یہ لفظ وعظ کہنے اور پند و نصیحت کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ واعظ کو قاص کہتے ہیں۔ یہاں حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔ یعنی قصہ بیان نہیں کرتا اور وعظ نہیں کہتا۔

؎ مگر حاکم و امیر جو لوگوں کو پند و نصیحت کرتا اور گذشتہ حالات ان کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت قبول کریں

؎ یا وہ جسے حاکم وقت نے اذن و اجازت دی ہو اور اس کی طرف سے مجاز ہو۔ لہٰذا اس کا کہنا امیر کا کہنا ہوگا۔

؎ مختال یعنی خود پسند متکبر آدمی جو حصول مرتبہ و سرداری کے لئے ایسا کرتا ہے اور خواہش نفس کے تحت ریا اور نمائش کرتا اور مجلس میں صدارت اور بلند نشینی کا خواہاں ہوتا ہے۔ مختال خائے معجمہ کے ساتھ۔

بعض روایات میں محتال حائے مہملہ کے ساتھ بھی آیا ہے اس صورت میں یہ حیلہ سے مشتق ہوگا اور بعض علماء نے اس دوسری روایت کو اصح اور اولیٰ قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں بلا اجازتِ امام قصہ اور وعظ سے ممانعت و زجر کی گئی ہے کیونکہ امام و حاکمِ وقت رعیت کے مصالح کو

بہتر جانتا اور بہت مہربان ہوتا ہے۔ اگر وہ خود وعظ و نصیحت نہیں کرتا تو علماء میں سے کسی ایسے شخص کو اس کام پر لگائے گا جو علم و تقویٰ دیانت و صیانت، ترک طمع، حسن عقیدت وغیرہ صفات سے آراستہ ہوگا۔ اور جہل و فسق اور خیانت و بدعت سے دور ہوگا۔

یہاں سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مشائخ کے اذن و اجازت اور خلافت دینے کے بغیر مشیخت کے سجادہ صدارت پر وعظ و ارشاد و ہدایت کیلئے بیٹھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض اسمی مشائخ جہالت و خواہش سے ایسا کرتے ہیں۔

بعض شارحین حدیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث خطبہ سے متعلق ہے جو حاکم یا اس کے نائب کے سپرد ہوتا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور دارمی نے اسے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کیا اور اس کی روایت میں لفظ مختال جو ابوداؤد کی روایت میں واقع ہوا ہے کے بجائے او مراءٍ کا لفظ آیا ہے بمعنی ریا و نمائش کرنے والا۔

۲۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ۔ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ

رواہ ابوداؤد

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے اس سے فتویٰ طلب کیا۔ اور جس نے اپنے بھائی کو ایک کام کرنے کے متعلق کہا حالانکہ اسے پتہ ہو کہ بہتری دوسرے کام میں ہے تو اس نے اس سے خیانت کی

اشعۃ اللمعات — سلہ کیونکہ اس بے علم آدمی کے فتویٰ دینے کا باعث ہوکر گناہ ہے۔ وہ پوچھنے والا آدمی بنا ہے اور اگر عمداً صاحب علم کے ہوتے ہوئے بے علم سے فتویٰ دریافت کرنا مراد ہو تو پھر افتا بمعنیٰ استفتا ہوگا۔ اور یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ افتی بصیغۂ معلوم ہو۔ مگر یہ لفظ مجہول بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ جس نے فتویٰ دیا یہ معنیٰ زیادہ ظاہر و واضح ہے سلہ جس نے اس سے مشورہ طلب کیا تھا اور اچھی بات پوچھی تھی سلہ ایک دوسری حدیث میں جو المستشار موتمن آیا ہے تو اس کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

۲۲۵ وَعَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰه علیه وسلم نَهٰی عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ۔

رواہ ابوداؤد

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط فہمیوں میں ڈالنے والی باتوں سے منع فرمایا۔

اشعۃ اللمعات — سلہ اغلوطات، اُغْلُوطہ بضم ہمزہ و سکون غین کی جمع ہے اور غلوطہ بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے وہ کلام جس سے کسی کو غلطی میں ڈالا جائے۔ اسے مغالطات بھی کہتے ہیں۔ مغالطہ دہی کا یہ عمل اپنے نفس کی برتری کے اظہار، دوسرے کو ناقص ظاہر کرنے اور اسے شرمندہ اور رسوا کرنے کے لئے ہے نیز یہ مغالطہ دہی شر و فتنہ کھڑا ہونے اور عداوت و اذیت رسانی کا موجب ہو تو حرام ہے بعض نے کہا ہے اگر مغالطہ دہی جزا اور بدلے کے طور پر ہو کہ اس نے اسے مغالطہ دیا اس نے اسے دیدیا تو جَزَآؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ کے مطابق جائز ہے جس طرح ہارون رشید کی مجلس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کیا واللہ اعلم

۲۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو

وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّیْ مَقْبُوْضٌ : رواہ الترمذی

سکھاؤ کہ میں تم سے اٹھا لیا جاؤں گا۔

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ فرائض سے وہ احکام مراد ہیں جن پہ دین میں عمل کرنا لازم و واجب ہے اور جیب کہ یہاں یہ لفظ قرآن کے مقابل استعمال ہوا ہے تو فرائض سے وہ احکام مراد ہوں گے جو سنت میں واقع ہیں بعض نے فرائض سے علم وراثت مراد لیا ہے

۲۲۷ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانٌ يُخْتَلَسُ فِيْهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ

رواہ الترمذی

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی آنکھ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی پھر فرمایا یہ وقت ہے کہ اس میں علم و وحی لوگوں سے لے لیے جائیں گے تو انہیں کسی علم پر قدرت و دسترس نہ رہے گی۔

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ اور تیز نگاہ سے آسمان کی طرف دیکھا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ وحی کی انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ اس مضمون کی وحی نازل ہوئی کہ آپ ان کو چھوڑ کر عنقریب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۲۲۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رِوَايَةً سلہ يُوْشِكُ اَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ ۔ رواہ الترمذی وفی جامعہ قال ابن عُیَینۃ انہ مالک بن انس ومثلہ عن عبد الرزاق ۔ قال اسحاق بن موسیٰ وسمعت ابن عُیَینۃ انہ قال ھو العُمَری الزَّاھِدُ واسمہ عبد العزیز بن عبد اللہ۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب لوگ علم کی تلاش میں اونٹوں کے جگر ماریں گے تو وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ پائیں گے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ان کی جامع میں ہے کہ ابن عیینہ نے کہا کہ وہ عالم مدینہ حضرت مالک بن انس ہیں اور عبد الرزاق سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اسحاق بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے ابن عُیَینہ سے سنا کہ وہ عالم مدینہ عمری الزاہد ہے اور اس کا نام عبد العزیز بن عبد اللہ ہے

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ روایۃً یہ مرفوع حدیث سے عبارت ہے اور بالکل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے لیکن چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی کو یقین نہیں کہ انہوں نے کونسا لفظ کہا اس لیے روایۃً [illegible] مقصود یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا قریب ہے الی آخرہ

سلہ یعنی سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے جو امام مالک کے اصحاب ، اور امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں کہا ہے کہ عالم مدینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد امام مالک ہیں۔

سلہ حضرت ابن عیینہ کے قول کی طرح عبد الرزاق سے بھی منقول ہے یہ عبد الرزاق بڑے مشہور ائمہ حدیث میں سے ہیں یعنی عبد الرزاق نے بھی یہی کہا ہے کہ عالم مدینہ سے مراد امام مالک ہیں۔

سلہ یہ اسحاق بن موسیٰ سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

شہ یہ عمری الزاہد بھی مدینہ منورہ میں تھے علماء اور زہاد وقت میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

اولاد میں سے ہوتے ہیں۔

لے تو ابن عینیہ سے اس بارے میں مختلف اقوال مذکور ہیں۔ تو ری اور عبدالرزاق سے یہ منقول ہے کہ عالم مدینہ امام مالک ہیں اور اسحاق بن موسیٰ نے نقل کیا ہے کہ ابن عینیہ عمری الزاہد کو عالم مدینہ کہتے تھے۔ اور عمری الزاہد مشہور نام ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب کا اس مقام پر عربی شرح میں ہم نے خوب تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ عالم مدینہ کی تعیین و تشخیص میں یقین کا دائرہ تنگ ہے۔ ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے مطابق ظن و گمان سے کہا ہے۔

چونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں حدیث، فقہ، اجتہاد اور امامت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ نیز مدینہ طیبہ کے ساتھ خصوصی ارتباط اور گہرا تعلق تھا۔ لہٰذا یہ سب باتیں مل کر اس امر کا منشا بن گئیں کہ لفظ عالم مدینہ کا مصداق آپ کی ذات کو قرار دیا جائے۔ ورنہ آپ کے زمانے میں اور آپ سے پہلے اور بعد اس مبارک شہر اور دیگر اسلامی بلاد اور اطراف و اکناف میں اور بھی علماء مجتہدین اور ائمہ دین موجود تھے جو حصر و شمار میں نہیں آسکتے۔ حدیث کا ظاہر مطلب واللہ اعلم یہ ذہن میں آتا ہے کہ حضور کے اس کلام معجز نظام کا مصداق دراصل آخر زمانہ کے حال سے مطلع کرنا ہے جب کہ علم دین مدینہ منورہ کے اندر ہی بند اور منحصر ہو کر رہ جائے گا اور بعض احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اور یہ قول صواب و درستی کے زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔

۲۲۹ عَنْهُ فِيمَا اَعْلَمُ . عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ اِنَّ اللهَ عزوجل يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا.

رواہ ابوداود

اور انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو میں جانتا ہوں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل پیدا کرتا ہے اس امت کے لئے ہر سو سال کے پورا ہونے پر ایسا شخص جو دین کو تازگی بخشتا ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ لے اعلم متکلم کا صیغہ ہے اور یہ ابوہریرہ کے الفاظ ہیں اور اُعْلِمَ بلفظ ماضی اعلام سے بھی پڑھا گیا ہے

لے اس امت کے نفع اور اس کے دین کی تقویت اور تائید کے لئے۔

لے معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ اس سے ایسا شخص مراد ہوتا ہے جو اپنے اہل زمانہ میں تجدید و نصرت دین، ترویج و تقویت سنت، بدعت کی بیخ کنی، علم کی نشر و اشاعت اور کلمہ اسلام کی بلندی کے لئے ممتاز ہوتا ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہر صدی کے لئے ایک ایک مجدد متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ پہلی صدی کے لئے فلاں مجدد تھے اور دوسری کے لئے فلاں بعض کہتے ہیں کہ شخص معین کے بجائے عموم پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ خواہ ایک شخص ہو خواہ جماعت۔ کہ کلمہ من واحد و جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز تجدید دین کا یہ کام صرف علماء اور فقہاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سلاطین، امراء، قراء، اصحاب حدیث زاہدوں، عابدوں، علماء نحو، ارباب سیر و تواریخ نیز اغنیاء، اسخیاء جو علماء و صلحاء پر اور مصارف خیر میں مال صرف کرتے اور دین کی ترویج و تقویت کا سبب بنتے ہیں بلکہ ان تمام گروہوں کو بھی شامل ہے جن کے وجود کو قوت اور کمال و رواج حاصل ہوتا ہے اور اگر شہروں اور علاقوں کا عموم بھی اعتبار کریں کہ ایک زمانہ میں ایک شہر میں ایک ایسی جماعت سامنے آئے جو اس صفت سے موصوف ہو تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

٢٣٠ - وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كتاب المدخل مرسلا بمن حديث بقية بن الوليد عن معان بن رفاعة عن ابراهيم بن عبدالرحمن العذرى وسنذكر حديث جابر فانما شفاء العى السوال فى باب التيمم ان شاء الله تعالى۔

اور حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھائیں اور حاصل کریں گے یہ علم (علم کتاب وسنت) ہر بعد میں آنے والی جماعت میں سے ایسے لوگ جو عادل اور شائستہ ہوں گے۔ یہ عادل اور شائستہ لوگ اس علم کتاب وسنت سے دین میں حد سے بڑھنے والوں کی تحریف کو دور کریں گے اور اہل باطل کے جھوٹ کا ازالہ کریں گے۔ اور جاہلوں کی تاویلات کارد کریں گے۔ بیہقی نے اسے کتاب المدخل میں بطریق ارسال روایت کیا اور حضرت جابر کی حدیث فانما شفاء العی السوال عنقریب ہم باب التیمم میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

اشعۃ اللمعات۔ ۱؎ عذری بضم عین وسکون ذال معجمہ عذرہ بن سعد کی طرف منسوب ہے جو خزاعہ کے ایک قبیلے کا باپ تھا۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ تحریف الغالین یعنی دین میں رد و بدل کرنے میں حد سے گزر جانے والے تحریف یعنی حق کو باطل سے لفظاً یا معنیً میں تبدیل کرنا

۳؎ انتحال دوسرے کی مملوکہ چیز پر شعر یا قول میں اپنی ملکیت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔ یہاں جھوٹ سے کنایہ ہے۔

۴؎ جو علم ودانش کے بغیر آیات واحادیث میں تاویلات کرتے اور ظاہری معنیٰ سے انہیں بدلتے پھرتے ہیں۔

۵؎ بیہقی نے اس حدیث کو اپنی کتاب مدخل میں بقیہ بن الولید کی حدیث سے بطریق ارسال روایت کیا یہ بقیہ بن الولید مجہول راویوں سے زیادہ روایت کرتا ہے اور اس میں بہت غرابت پایا جاتا ہے۔ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ثقہ و مامون ہے لیکن تدلیس کرتا تھا ۱۹۷ھ میں فوت ہوا یہ معاذ بن رفاعہ سے روایت کرتا ہے مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں ایسے ہی واقع ہوا ہے۔ مگر صحیح معان بن رفاعہ یعنی ذال کی جگہ نون کے ساتھ آیا ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے بعض اسے ثقہ کہتے ہیں اور بعض ضعیف اور کاشف ذہبی میں معاذ بن رفاعہ اور معان بن رفاعہ دونوں مذکور ہیں تاہم جس سے بقیہ بن الولید روایت کرتا ہے وہ معان بن رفاعہ ہے۔

۶؎ اصل کتاب میں یہاں رواہ البیہقی تا العذری تک جگہ خالی ہے۔

۷؎ یعنی جہل و درماندگی کا علاج علماء دین سے دریافت کرنا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

٢٣١ - عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ

اور حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام کو قوی اور مضبوط کرنے کی نیت سے علم کی طلب میں مصروف تھا اور اسی طلب میں اسے موت آگئی تو

وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ
رواہ الدارمی

جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا

اشعۃ اللمعات ۔ ؎ یعنی اس نیت سے نہیں کہ دنیا کا مال وجاہ حاصل کرے اور لذات و خواہشات نفسانی کی تکمیل کرے
؎ یہ دراصل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرب میں مبالغہ ہے اس لئے لفظ درجہ کی تاکید واحدہ کے ساتھ کی۔

۲۲۲ وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضْلُ الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ۔
رواہ الدارمی

اور انہی حضرت حسن سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا دو آدمیوں کے بارے میں جو بنی اسرائیل میں سے تھے ان میں سے ایک عالم دین تھا کہ فرض نماز ادا کرتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو خیر و نیکی کی تعلیم میں مصروف ہوجاتا اور دوسرا وہ جو دن کو روزہ رکھتا اور رات عبادت میں جاگ کر گذارتا کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عالم کی فضیلت جو فرض نماز ادا کرکے لوگوں کو تعلیم دینے بیٹھ جاتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات عبادت میں گذارے ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔

۲۲۳۔ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ اَغْنٰى نَفْسَهُ۔
رواہ رزین

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عالم دین وہ اچھا ہے جس کے علم کی ضرورت پڑے تو نفع دے اور اگر اس سے بے نیازی کی کیا جائے تو وہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ ؎ حاصل معنیٰ یہ ہے کہ عالم دین کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج نہ کرے۔ اور لوگوں سے میل جول کا خواہشمند نہ ہو اور ان سے کسی قسم کے نفع کی امید نہ رکھے تاہم لوگوں سے بالکل علیحدگی بھی اختیار نہ کرے اور اس طرح اپنے علم سے لوگوں کو محروم نہ رکھے بلکہ اگر لوگ اس وجہ سے اس کے علم کے محتاج ہوں کہ دوسرا عالم وہاں موجود نہیں ہے تو لوگوں کو اپنے علم سے مستفید کرتا رہے اور اگر لوگوں کو اس کی ضرورت و حاجت نہ ہو تو اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور تصنیف و تالیف اور علم دین کی تبلیغ اور نشرواشاعت میں معروف رہے۔

۲۲۴ وَعَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ اَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَاِنْ اَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ وَلَا اُلْفِيَنَّكَ تَاْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ

اور حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کو ہفتہ میں صرف ایک بار وعظ کیا کرو اگر تو نہ مانے تو پھر ہفتے میں صرف دو بار اور اگر اس سے بھی زیادہ چاہے تو پھر ہفتے میں تین بار اور لوگوں کو قرآن سے بے شوق نہ

فِیْ حَدِیْثٍ مِنْ حَدِیْثِهِمْ فَتَقُصَّ عَلَیْهِمْ فَتَقْطَعَ عَلَیْهِمْ حَدِیْثَهُمْ فَتُمِلَّهُمْ وَلٰکِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْکَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ یَشْتَهُوْنَهٗ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَاِنِّیْ عَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلم وَاَصْحَابَهٗ لَا یَفْعَلُوْنَ ذٰالِکَ۔

رواہ البخاری

کر۔ اور میں تجھے ہرگز ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تو لوگوں کے پاس آئے اور وہ اپنی باتوں میں معروف ہوں اور تو انہیں وعظ کہنا شروع کر دے اور ان کی گفتگو کاٹ دے اور انہیں پریشان کرے۔ بلکہ تو خاموش رہ جب وہ تجھے کہیں تو ان سے حدیث بیان کر۔ اور ابھی ان کا شوق و ذوق باقی ہو تو سلسلۂ وعظ بند کر دیا کر اور دعا میں سجع نہ کر اس سے دور رہ کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو پایا ہے وہ ایسا نہ کرتے تھے

اشعۃ اللمعات۔ سلہ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہائے مکہ میں سے ہیں۔ اصل میں اہلِ مغرب کے علاقہ بربر سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام شعبی نے کہا ہے میں نے عکرمہ سے بڑھ کر اللہ کی کتاب کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ آپ تابعی اور ثقہ ہیں۔ بعض لوگ ان میں اختلاف کرتے ہیں۔ بخاری نے کہا ہے میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو آپ سے حجت اور دلیل نہ پکڑتا ہو۔ ۱۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

سلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت عکرمہ یا کسی دوسرے مخاطب کو فرمائی۔

سلہ خواہ دنیا کی باتوں میں مصروف ہوں خواہ دین کی باتوں میں۔ اگر دینی باتیں مراد ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کا سلسلہ منقطع کرنا مناسب نہیں اور اگر دنیا کی باتیں مراد ہوں تو شاید بشریت کے تقاضا کے مطابق انہیں چھوڑنے پر خوش نہ ہوں اور وعظ و نصیحت سننے کے لئے تیار نہ ہوں اور گناہ کے فتنہ میں گر پڑیں۔ اور دین کی ہیبت و عظمت ان کے دلوں سے جاتی رہے۔ ہاں اگر ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنے میں کوئی ضروری مصلحت ہو تو پھر ان کی گفتگو کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ بہرحال مصلحت وقت کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے غالب اور ظاہر حالت کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے۔ آپ کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر دینی باتوں میں ہی مصروف رہتے تھے۔

سلہ سجع عبارت میں ہم وزن الفاظ لانا یہ اگر تکلف سے اختیار کی جائے تو منع ہے کہ اس سے دعا میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوسکتا۔

شہ یعنی ان کی دعاؤں میں سجع یعنی تکلف دینا رطب نہ ہوتی تھی۔ ماثورہ دعاؤں میں جو سجع پائی جاتی ہے اس میں تصنع اور تکلف کا شائبہ تک نہیں ہے جس طرح بعض مواضع میں بے قصد و ارادہ نہایت موزوں کلمات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ آپ شعر گوئی سے پاک تھے۔

۲۳۵ وَعَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَکَهٗ کَانَ لَهٗ کِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَمْ یُدْرِکْهُ کَانَ لَهٗ کِفْلٌ مِنَ الْاَجْرِ: رواہ الدارمی

اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم دین تلاش کیا اور اسے پالیا تو اسے ثواب کے دو حصے ملیں گے اور جس نے تلاش کیا اور نہ پایا تو اسے ثواب کا ایک حصہ ملے گا

اشعۃ اللمعات ۔ ۱؎ الاسقع بسین مہملہ وقاف ۔ آپ صحابی ہیں اور اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لشکر میں تیاری میں مصروف تھے۔ آپ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ پہلے بصرے میں اقامت اختیار کی۔ پھر شام میں بیت المقدس چلے گئے۔ سو سال عمر پائی بعض کے نزدیک اٹھانوے سال۔ رضی اللہ عنہ۔

۲؎ ایک طلب و مشقت کا حصہ جو اس نے علم کے سیکھنے اور اس کے حاصل کرنے میں اٹھائی۔ دوسرا حصول علم اور آگے دوسروں کو اس کی تعلیم و تدریس کا ثواب یا اس عمل کا ثواب جو وہ اس علم کے مطابق کریگا۔

۳؎ لہٰذا ہر حالت میں علم دین کی جستجو میں رہنا چاہیئے اگر نصیب ہو گیا تو نور علی نور ورنہ طلب علم میں جان دیدینا بھی سعادت ہے

بیت ؛ گرچہ نتوان بدوست رہ بردن — شرط یاری ست در طلب مُردن

ترجمہ : اگرچہ دوست تک پہنچنے کا راستہ طے کرنا مشکل ہے۔ کم از کم یہ تو ہونا چاہیئے کہ دوستی کی طلب میں ہی موت آجائے۔

بیت دیگر ؛ مقصود جامی از طلبم گفت کہ چیست — مقصود او ہمیں کہ دہد جان دریں طلب

ترجمہ ؛ اس نے پوچھا کہ جامی جو مجھے تلاش کرتا ہے اس سے اس کا کیا مقصد ہے اس کا (جامی کا) مقصود یہی ہے کہ اس کی طلب میں جان دیدے۔

۲۳۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِہٖ وَحَسَنَاتِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ عِلْمًا عَلَّمَہٗ وَنَشَرَہٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَکَہٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَہٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاہُ اَوْ بَیْتًا لِاِبْنِ السَّبِیْلِ بَنَاہُ اَوْ نَھْرًا اَجْرَاہُ اَوْ صَدَقَۃً اَخْرَجَھَا مِنْ مَالِہٖ فِیْ صِحَّتِہٖ وَحَیٰوتِہٖ تَلْحَقُہٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِہٖ

رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں سے جو کچھ پہنچتا ہے ان میں سے ایک علم ہے جو اس نے حاصل کیا ہوتا ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی ہوتی ہے دوسرا نیک بیٹا جسے وہ چھوڑ جاتا ہے۔ تیسرا قرآن پاک جسے وراثت کے طور پر اپنے عزیزوں کے حوالے کر جاتا ہے چوتھی چیز مسجد ہے جو اس نے تعمیر کی ہوتی ہے یا مسافر کے لئے کوئی سرائے وغیرہ یا صدقہ جو اس نے اپنے مال سے اپنی صحت اور زندگی میں ادا کیا ہوتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی بندے کو پہنچتا رہتا ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ ۱؎ بعض نسخوں میں عَلَّمَہٗ شد کے ساتھ آیا ہے اس صورت میں نشرہ کا لفظ اس کی تفسیر و بیان کے طور پر ہوگا یا علم کی کثرت تعلیم و اشاعت مراد ہے۔

۲؎ وَرَّثَہٗ را کی شد کے ساتھ یعنی یا وہ قرآن شریف جسے بطور وراثت اپنے پیچھے چھوڑا یا اپنی زندگی میں جسے وقف کر گیا۔

۳؎ یعنی اپنی زندگی میں اگرچہ تندرست نہ ہو بلکہ بیمار ہو تاہم صحت کی امید رکھتا ہو۔

۴؎ یہ الفاظ تاکید کی غرض سے مکرر بیان فرمائے یا یہ صرف صدقے سے متعلق ہیں اس کی اہمیت اور عظمت شان کے اظہار کے لئے۔ بعض شارحین نے اس کا یہ معنیٰ لیا ہے کہ یہ الفاظ صدقہ سے ہی متعلق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اس بندے کا صدقہ باقی رہتا ہے

یہانتک کہ اس کی موت کے بعد اس کے صدقہ جاریہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ گذشتہ ایک حدیث میں گذرا ہے کہ جن نیکیوں کا ثواب بعد موت باقی رہتا ہے وہ صرف تین ہیں، علم نیک اولاد اور صدقہ جاریہ۔ اس حدیث میں سات چیزیں ذکر کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں بھی علم اور نیک اولاد کے بعد جو کچھ بیان کیا ہے سب صدقہ جاریہ میں داخل و شامل ہے۔

۲۴۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَىَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِىْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلٍ فِىْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ

رواہ البیھقی فی شعب الایمان

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ عزوجل نے میری طرف وحی نازل کی کہ جو شخص تلاش علم میں کسی راستے پر چلے گا میں اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دونگا اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں تو ان دونوں پر میں اسے جنت جزا کے طور پر عطا کروں گا۔ اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی قوت و استحکام کا سبب ورع ہے

اشعۃ اللمعات - سلہ انسان کے ہر عضو شریف کو کریمہ کہتے ہیں یہاں آنکھ مراد ہے۔

سلہ ملاک یعنی قوام یعنی دین و شریعت کے کاروبار کا صحیح انتظام اور اس کے استحکام و قوت کا سبب ورع و تقویٰ ہے بعض کے نزدیک ورع تقویٰ سے بلند تر ہے کہ تقویٰ حرام سے پرہیز کا نام ہے اور شبہ سے بچنے کا نام ورع ہے، اور بعض کی اصطلاح میں تقویٰ ورع سے کامل تر ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

۲۴۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا

رواہ الدارمی

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا صرف ایک گھڑی کے لئے علم کا درس دینا اور اس کا باہم تکرار کرنا ساری رات بیدار رہنے سے بہتر ہے

اشعۃ اللمعات - سلہ احیاء لیل کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں ایک رات کو زندہ کرنا کہ گویا وہ رات جس میں نہ اٹھیں اور نہ نماز پڑھیں، مردہ ہے طاعت و عبادت کرنے سے زندہ ہوگی۔ دوسرا معنیٰ ہے رات کے وقت نفس کو (اپنے آپ کو بیدار کرنا) کہ سویا ہوا اور بیکار نفس مردہ طرح ہے۔

۲۴۹- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِىْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ - اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ - وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مجلسوں کے پاس سے گذرے جو آپ کی مسجد میں تھیں۔ فرمایا دونوں کار خیر اور نیکی میں مصروف ہیں لیکن ان میں سے ایک اہل مجلس دوسرے اہل مجلس سے افضل و بہتر ہیں یہ جماعت جو دعا میں مشغول ہے تو یہ خدا تعالیٰ کو پکارتے اور اس کی جانب اظہار رغبت کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ فِيْهِمْ
رواہ الدارمی

اگر چاہے ان کی دعا کے عوض ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو روک دے اور کچھ نہ دے مگر یہ دوسرا گروہ جو مذاکرۂ علم میں مصروف ہے تو یہ لوگ فقہ یا علم سیکھتے ہیں یہ راوی کو شک ہے۔ اور آگے جاہلوں کو سکھاتے ہیں۔ ان کا فائدہ زیادہ اور دوسروں کو پہنچتا ہے تو یہ گروہ جماعت اول سے افضل و بہتر ہے اور بیشک مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے پھر آپ علم کا درس و تکرار کرنے والی جماعت میں بیٹھ گئے۔[3]

اشعۃ اللمعات ۔ [1] یعنی صحابہ کرام مسجد نبوی شریف میں دو مجلسیں بنا کر بیٹھے ہوئے تھے ایک جماعت ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری مذاکرۂ علم میں۔

[2] اور اس سے اپنے مدعا و مقصود کے حصول کے امیدوار ہیں مگر ان کے مدعا کا حصول مشیت الٰہی کے تحت ہے۔

[3] اس گروہ کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹھے اور خود کو ان میں شمار کیا

بیت :۔ گدایاں را ازیں معنی خبر نیست ۔۔۔ کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

ترجمہ :۔ گداؤں کو اس بات کی خبر نہیں کہ سلطان جہان آج ہمارے ساتھ ہے

۲۴۰ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَا حَدُّ الْعِلْمِ الَّذِيْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيْدًا ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کی نہایت اور مرتبہ کونسا ہے جس پر پہنچ کر مرد فقیہہ کہلاتا اور فقہا کے زمرے میں شامل ہوتا اور ان کا ثواب پاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جو دین سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے اور لوگوں تک پہنچاتے [1] اللہ قیامت کے دن اسے گروہِ فقہاء میں اٹھائیگا اور میں قیامت کے دن اس کے گناہوں کی شفاعت کروں گا اور اس کے ایمان و طاعت کی گواہی دونگا [2]

اشعۃ اللمعات :۔ [1] علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے مراد و مقصود لوگوں تک چالیس احادیث کا پہنچانا ہے۔ چاہے وہ اسے یاد نہ بھی ہوں اور ان کا معنی بھی اسے معلوم نہ ہو۔

ؔ اسی حدیث کی بنا پر سلف و خلف اکابر علماء کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار بننے اور آپ کو گواہ بنانے کے لئے اربعینات (چالیس احادیث) جمع کیں۔ ہر ایک نے دین کے کسی ایک پہلو سے متعلق چہل احادیث جمع کیں اور اس فقیر حقیر (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مولف اشعۃ اللمعات) نے بھی دین کے ہر باب میں سے ایک ایک حدیث لے کر چہل احادیث کا ایک مجموعہ تالیف کیا ہے۔ علم حدیث کی خدمت و تدریس کے بعد سب سے پہلے جس تالیف کی مجھے توفیق عطا ہوئی وہ اربعین ہے۔

۲۴۱۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا نَشَرَهٗ يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةً وَاحِدَةً۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو سب سے بڑھ کر نیک لوگوں کا خیر خواہ اور جود و کرم میں سب سے بڑھ کر کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ جود و کرم کے لحاظ سے کامل اور بزرگ تر ہے پھر اس کے بعد تمام انسانوں سے بڑھ کر میں جود و کرم کرنے والا ہوں اور میرے بعد نوع انسانی میں سخی ترین اور بعض نسخوں میں اجودہم یعنی اولاد آدم میں سخی ترین وہ شخص ہے جس نے علم حاصل کیا اور اس کی نشر و اشاعت کی۔ یہ شخص قیامت کے روز اکیلا سردار و امیر کی حیثیت سے آئیگا یا اکیلا ایک امت و جماعت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی تعلیم و تصنیف بلکہ دینی کتابوں کی کتابت کے ذریعے۔

ؔ او قال الخ۔ یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ حضور نے امیراً وحدہٗ یا امۃً واحدۃً فرمایا یعنی وہ اکیلا ہی ایک امت و جماعت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شان میں فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا بیشک ابراہیم اکیلا ہی ایک امت تھا اور خدا کا فرمانبردار۔ مقصود یہ ہے کہ قیامت کے روز یہ شخص تمام معزز و مکرم اور مخلوق کے اندر بڑی شان و شوکت اور جاہ و حشمت کے ساتھ آئیگا۔

۲۴۲۔ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ۔ مَنْهُوْمٌ فِی الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِی الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔

روی البیہقی الاحادیث الثلاثۃ فی شعب الایمان۔

اور انہی انس بن مالک سے مروی ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص کہ وہ اس کی تحصیل سے سیر نہیں ہوتا۔ دوسرا دنیا کا حریص کہ وہ بھی کتنی ہی دنیا اکٹھی کرلے اس سے سیر نہیں ہوتا۔ مذکورہ تینوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امام احمد نے ابوالدرداء کی حدیث

وقال قال الامام احمد فی حدیث ابی الدرداء هذا متن مشهور فیما بین الناس ولیس له اسناد صحیح

کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں اس حدیث کا متن مشہور ہے تاہم اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔

اشعۃ اللمعات : لے کہ جس قدر زیادہ علم حاصل کرتا ہے اس کی پیاس اور طلب میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

ٹہ ایک حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اور ایک دو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے۔

سہ جو چہل حدیث کے حفظ کی فضیلت میں روایت کی ہے۔

ٹہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اربعین کے ابتدا میں فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر متعدد طرق سے مروی ہے اس طرح کہ بعض کو بعض سے قوت حاصل ہوتی ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے خصوصاً جب کہ اکابر ائمہ دین نے اسے قبول کیا اور اس پر عمل کیا ہو۔

۲۴۳ وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضَى الرَّحْمٰنِ أَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادَى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى قَالَ وَقَالَ الْآخَرُ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

رواہ الدارمی

حضرت لہ عون سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے ایک صاحب علم دوسرا طالب دنیا مگر دونوں برابر نہیں ہیں کہ صاحب دنیا تو سرکشی میں بڑھتا رہتا ہے پھر حضرت عبد اللہ نے یہ ہدایت پڑھی ان الانسان الخ۔ یعنی بیشک انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز محسوس کرتا ہے حضرت عون نے کہا کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا دوسرا (صاحب علم) انما یخشی اللہ الخ (علما کے سینوں میں خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے) میں سے ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات لہ حضرت عون رضی اللہ عنہ تابعی، زاہد، ثقہ، عابد و فقیہہ ہیں آپ عبد اللہ بن مسعود، ابو موسیٰ، ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری اور ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں۔ سہ یعنی قدر و مرتبہ میں یہ دونوں برابر نہیں ہیں سہ یعنی دولت مند ہونے کی صورت میں صاحب دنیا کے سرکشی میں بڑھنے والے کے مناسب حال یہ آیت پڑھی۔ سہ یعنی دوسری جانب علم کی زیادہ حرص کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی دلیل یہ آیۂ کریمہ ہے شہ جو علماء کی فضیلت ان کے خوف و خشیت اور خدا تعالیٰ کے ان سے راضی ہونے کے بارے میں آئی ہے۔

۲۴۴ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میری امت میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پاک پڑھیں گے

فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّا نَاْتِی الْاُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاھُمْ وَنَعْتَزِلُھُمْ بِدِیْنِنَا وَلَا یَکُوْنُ ذٰلِکَ کَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْکُ کَذٰلِکَ لَا یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِھِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَاحِ کَاَنَّہٗ یَعْنِی الْخَطَایَا۔ رواہ ابن ماجہ

وہ کہیں گے ہم امراء کے پاس آتے ہیں تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں مگر اپنے دین کے بارے میں ہم ان سے الگ رہیں گے۔ مگر ان دونوں باتوں کا اکٹھا ہونا دشوار ہے[۱] جس طرح خاردار درخت سے سوائے کانٹوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح دنیاداروں کے قرب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر[۲]... محمد بن صباح[۳] نے فرمایا یہاں مستثنیٰ محذوف ہے ذنوب و خطایا مراد ہیں

اشعۃ اللمعات[۱] یعنی تفقہ فی الدین اور امراء و سلاطین کا قرب دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور ان کے قرب سے سوائے نقصان کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا[۲] قتاد اس درخت کو کہتے ہیں جو خاردار ہو اور پھلدار نہ ہو[۳] یعنی امراء و سلاطین سے نہیں حاصل ہوتا مگر نقصان و وبال اور خسارہ جس کے بیان سے زبانیں قاصر ہیں یہ حذف مستثنیٰ سے قرینہ مقام کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے[۴] محمد بن صبّاح تشدید با کے ساتھ، آپ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور احمد کے شیوخ میں سے ہیں ثقہ اور مامون ہیں اور سنن کے مصنف ہیں۔ یہ محمد بن صباح فرماتے ہیں کہ حدیث میں مستثنیٰ محذوف ہے ذنوب و خطائیں مراد ہیں یعنی امراء و سلاطین سے قرب پیدا کرنے والا نہ حاصل کریگا مگر گناہ اور خطائیں اور حذف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی صحبت و مجلس اختیار کرنے کا نقصان و زیاں اس قدر زیادہ ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

۲۴۵ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ لَوْ اَنَّ اَھْلَ الْعِلْمِ صَانُوْا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْہُ عِنْدَ اَھْلِہٖ لَسَادُوْا بِہٖ اَھْلَ زَمَانِھِمْ وَلٰکِنَّھُمْ بَذَلُوْہُ لِاَھْلِ الدُّنْیَا لِیَنَالُوْا بِہٖ مِنْ دُنْیَاھُمْ فَھَانُوْا عَلَیْھِمْ۔ سَمِعْتُ نَبِیَّکُمْ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْھُمُوْمَ ھَمًّا وَاحِدًا ھَمَّ اٰخِرَتِہٖ کَفَاہُ اللہُ تَعَالٰی ھَمَّ دُنْیَاہُ وَمَنْ تَشَعَّبَ بِہِ الْھُمُوْمُ اَحْوَالَ الدُّنْیَا لَمْ یُبَالِ اللہُ فِیْ اَیِّ اَوْدِیَتِھَا ھَلَکَ۔

رواہ ابن ماجہ[۱] ورویٰ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمر من قولہ مَنْ جَعَلَ الْھُمُوْمَ الی آخرہٖ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اگر اہل علم، علم کی حفاظت کرتے اور اس کی قدر و منزلت پہچانتے ... اور علم کو اس کے اہل و قابل کے سپرد کرتے تو وہ اہل زمانہ کی نگاہوں میں معزز و بزرگ ہو جاتے مگر (افسوس) اہل علم نے اپنا علم دنیا کے لئے استعمال کیا تاکہ علم کے عوض ان سے دنیا حاصل کریں۔ تو اہل دنیا کے سامنے ذلیل و خوار ہو گئے۔ میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے جس نے تمام ارادوں کو ایک ارادہ بنایا یا ارادۂ آخرت اور آخرت کے سوا کسی چیز کو مقصود نہ بنایا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی مقصد کے لئے کافی ہو جائیگا اور جو اپنے ارادوں اور مقاصد کو منتشر اور پراگندہ کریگا کہ دنیا کی پریشانیوں اور حالات کو دل میں جگہ دیگا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ ان پریشانیوں کی وادیوں میں سے جس وادی میں بھی ہلاک و تباہ ہو جائے۔

اشعۃ اللمعات: سلہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے لو ان اہل العلم تا آخر روایت کیا اور بیہقی نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضور کے قول من جعل الھموم سے آخر تک یعنی انہوں نے روایت نہیں کئے۔

۲۴۶ وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اٰفَۃُ الْعِلْمِ النِّسْیَانُ وَاِضَاعَتُہٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِہٖ غَیْرَ اَھْلِہٖ رواہ الدارمی مرسلا

حضرت اعمش سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کی آفت اسے بھول جانا ہے اور علم کو برباد اور ضائع کرنا یہ ہے کہ تو اسے نااہل اور نالائق کو سکھائے۔

دارمی نے اسے مرسل روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات سلہ اعمش یعنی ابو محمد سلیمان اسدی کوفی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا مگر ان سے حدیث سننے میں اختلاف ہے۔ آپ نے بے شمار تابعین سے احادیث سنیں۔ سفیان ثوری، ابن عیینہ وغیرہم نے ان سے روایت کی ہے۔ علم حدیث و قرأت کے مشہور ائمہ اعلام میں سے ہوئے ہیں۔ آپ نے تیرہ سو احادیث روایت کی ہیں۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ جریر جب اعمش کی حدیث ذکر کرتے تو فرماتے ہذا الدیباج الخسروانی (یہ شاہی ریشم ہے) ستر سال امام اعمش کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن آپ پیدا ہوئے ۱۴۸ ہجری میں وفات پائی۔ ان میں قدرے تشیع پایا جاتا تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ بعض محدثین نے انہیں سید المحدثین کہا ہے سلہ یہ دراصل اس امر پر تنبیہ ہے کہ وہ اسباب اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ جو علم کے بھول جانے کا موجب بنتے ہیں یعنی ارتکاب معاصی، نفس و دنیا کے مشاغل اور کمینی دنیا کیلئے تھکا دینے والی تگ و دو۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شعر

شکوتُ الی وکیعٍ سوءَ حفظی فاوصانی الی ترکِ المعاصی

فانّ العلمَ فضلٌ من الٰہٖ وفضلُ اللہِ لا یعطی لعاصی

(۱) میں نے حضرت وکیع سے اپنے کمزور حافظے کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کر دینے کی وصیت کی۔

(۲) کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ کا فضل عاصی اور گناہ گار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

۲۴۷ وَعَنْ سُفْیَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِکَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ قَالَ کَعْبٌ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ بِمَا یَعْلَمُوْنَ۔ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الطَّمْعُ رواہ الدارمی

حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ بیشک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے پوچھا ارباب علم کون لوگ ہوتے ہیں؟ حضرت کعب نے کہا وہ لوگ جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو علماء کے قلوب سے علم کو کس چیز نے نکالا ہے فرمایا طمع اور لالچ نے۔

اشعۃ اللمعات سلہ یعنی علم کے مالک اور جن میں علم راسخ ہو چکا ہو اور جو اس بات کے مستحق ہو چکے ہوں کہ انہیں

ارباب علم کہا جاتا ہے کون ہیں؟ رب چیز کے مالک و مستحق کو کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی کس چیز نے علم کا نور، اس کی ہیبت و برکت علماء کے دلوں سے نکال باہر کیا ہے۔

۳؎ حضرت کعب احبار نے فرمایا علماء کے دلوں سے علم کو نکالنے والی چیز مال و جاہ کا طمع و لالچ اور دنیا کا مال و متاع ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ الطمع یصیر الاسد ذبابا طمع شیر کو مکھی بنا دیتا ہے اور طمع کی موجودگی میں کلمہ حق کہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثنوی

طمع بندد دفتر حکمت بشوے
طمع بگسل و ہر چہ مے دانی بگوئی

طمع را سہ حرف است وہر سہ تہی
ازاں نیست مر مطمعاں را بہی

(۱) لالچ ختم کر اور حکمت و دانائی کا دفتر دھو ڈال۔ طمع توڑ دے اور جو کچھ تو جانتا ہے کہہ۔

(۲) طمع کے تین حرف ہیں اور تینوں ہی خالی ہیں۔ اس وجہ سے لالچی لوگ خیر و برکت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی قدس سرہٗ سے منقول ہے جب میں اپنے کام کے ابتدائی مراحل میں اسکندریہ پہنچا تو ایک شخص سے جس سے میری جان پہچان تھی میں نے نصف درہم سے ایک چیز خریدی چونکہ نصف درہم ایک معمولی چیز تھی اس لئے میرے دل میں آیا شاید نصف درہم مجھ سے وصول نہ کرے۔ غیبی آواز آئی السلامة فی الدین بترک الطمع فی المخلوقین یعنی دین کی سلامتی مخلوق سے طمع و لالچ ترک کر دینے میں ہے۔

۲۴۸- وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ

رواہ الدارمی

حضرت احوص[۱] بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر[۲] کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا مجھ سے شر کے متعلق نہ پوچھو بلکہ خیر کے متعلق پوچھو۔ یہ بات آپ نے تین بار دہرائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ آگاہ رہو سب بروں سے برے علماء ہیں اور سب نیکوں سے نیک علماء ہیں۔[۳]

اشعۃ اللمعات ۱؎ احوص بن حکیم رضی اللہ عنہ تابعی ہیں حضرت انس اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور حضرت انس سے ان کی روایت ضعیف ہے۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ احوص کوئی بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ ابن معین نے فرمایا احوص کچھ نہیں۔ ابن عدی نے کہا احوص کی حدیث لکھنے کے قابل ہے۔ ان کا باپ حکیم بن عمیر رضی اللہ عنہ صحابی ہے۔

۲؎ شر بمعنی برائی یا برے لوگ یا سب سے بدترین لوگ کون ہیں۔ یہ معنی جواب کے بہت موافق ہے مراج میں ہے کہ شر بمعنی بدی اور بد اور بدتر آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں شر الناس فلاں شخص سب سے بدترین ہے اشر الناس نہیں کہتے مگر یہ لغتہً کمزور ہے اور لفظ خیر بھی تین معنوں میں آتا ہے نیکی، نیک اور بہت ہی نیک۔ یہاں سیاق حدیث کے مطابق آخری معنیٰ مناسب ہے۔

۳؎ اور اس وقت برے لوگوں کا ذکر اور برائی سے مخصوص گروہ کا نشان ظاہر کرنا خاطر اقدس کو پسند نہ آیا اور اس گروہ سے اظہار نفرت و کراہت کے بعد جب نیک لوگوں کا ذکر کیا تو اس نفرت و کراہت کی تلافی کے لئے برے لوگوں

کا ذکر بھی کر دیا۔

۳؎ کیونکہ علماء متبوع و پیشوا ہوتے ہیں اور لوگ ان کے تابع و پیروکار۔ لہٰذا علماء کی بدی اور نیکی دوسروں کی نسبت لوگوں میں زیادہ پھیلتی اور سرایت کرتی ہے۔

۲۴۹ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ

رواہ الدارمی

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا خدا تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے بدترین لوگوں میں سے وہ عالم ہے جو اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا ۱؎

اشعۃ اللمعات ۱؎ اور اس پر عمل نہیں کرتا اور بعض نسخوں میں لا یُنْتَفَعُ بصیغہ مجہول کی تصحیح آئی ہے یعنی وہ عالم جس کے علم سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اور وہ یوں کہ وہ عالم تعلیم و سلسلہ تدریس کرنا، تصنیف و تالیف کرنا ترک کر دے یا امر معروف اور نہی منکر کرنا چھوڑ دے۔ اور اس مطلب کی موید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اس فصل کے آخر میں آئیگی کہ اس میں بھی صیغہ مجہول کی شکل میں مذکور ہے۔

۲۵۰ وَعَنْ زِيَادٍ قَالَ قَالَ لِیْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔

حضرت زیاد ۱؎ سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھے پتہ ہے کہ اسلام کو کونسی چیز گراتی ہے ۲؎۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا عالم دین کی لغزش ۳؎، کتاب اللہ ۴؎ کے ساتھ منافق کا جھگڑا، گمراہ کرنے والے امراء اور حکام کے اپنی خواہشات کے مطابق احکام اور فیصلے ۵؎

اشعۃ اللمعات ۱؎ یعنی زیاد بن حُدَیر آپ قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے ہیں کوفہ میں سکونت تھی اور تابعین میں سے ہیں آپ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے حدیث سنی اور آپ سے شعبی وغیرہ نے ۲؎ یعنی کونسی چیز اسلامی بنیادوں کو توڑتی اور اسے ویران کرتی ہے۔ ہدم کا معنی پشت توڑنے کا بھی آتا ہے یہ معنی بھی یہاں مناسب ہے۔ ۳؎ عالم کا لغزش کھانا اور گناہوں کا مرتکب ہونا۔ ۴؎ کتاب اللہ کے ذریعے منافق کا جدال و نزاع دین اسلام میں فساد برپا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے اور منافقین کے جدال میں ہی شامل ہے اہل بدعت اور بدعقیدہ لوگوں کا جدال و نزاع جو باطل شبہات اور غلط تاویلات کی صورت میں ہوتا ہے یہ لوگ بھی دین میں شک ڈالتے اور شک میں مبتلا کرتے ہیں ۵؎ جو وہ ہوئی اور خواہش نفس کے مطابق جاری کرتے اور لوگوں کو جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنے اور اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

۲۵۱ وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى ابْنِ آدَمَ۔

رواہ الدارمی

حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ نے فرمایا علم دو ہیں ایک دل میں علم ہے یہ نفع مند علم ۱؎ ہے دوسرا وہ علم جو زبان پر ۲؎ ہوتا ہے یہ اللہ عزوجل کی طرف سے آدم کے بیٹے پر حجت ۳؎ ہے۔

اشعۃ اللمعات ۱؎ ماثورہ دعاؤں میں خدا تعالیٰ سے اسی علم کے حصول کے لئے دعائیں مانگی گئی ہیں۔

۲؎ یعنی دوسرا وہ علم جو صرف نوک زبان پر ہوتا ہے دل میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ دل کو روشن و منور کرتا ہے

بیت
علم چوں بر تن زند مارے شود علم چوں بر دل زند یارے شود

دل کو متاثر کرنے والا علم بندے کا یار و معاون ہوتا ہے اور تن بدن کے لئے استعمال ہونے والا علم سانپ کی طرح نقصان پہنچاتا ہے۔

۳؎ کہ اس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کو الزام دیگا اور ان سے فرمائے گا میں نے تمہیں علم عطا کیا تم نے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے جاہل پر ایک بار افسوس اور عالم پر ستر بار جو دیدہ و دانستہ گمراہ ہوتا اور ذلت و خواری کے کنویں میں گرتا ہے۔

شیخ محقق عارف باللہ حضرت احمد بن عطا اللہ الاسکندری کتاب حِکَم میں فرماتے ہیں۔

اَلْعِلْمُ النَّافِعُ هُوَ الَّذِي يَنْبَسِطُ فِي الصَّدْرِ شُعَاعُهُ وَيَكْشِفُ عَنِ الْقَلْبِ قِنَاعَهُ۔

نفع پہنچانے والا علم وہ ہوتا ہے جس کی نورانی شعاعیں سینے میں پھیلتی ہیں اور جو دل سے جہل و غفلت کے پردے اٹھا دیتا ہے۔

شعاع سے اس کے پھیلنے والے انوار اور حال و باطن کو متاثر کرنے والے آثار مراد ہیں جو زمین پر پڑنے والی اور پھیلنے والی سورج کی شعاعوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ علم نافع اور حقائق اشیاء کے فہم و ادراک کے رستے میں رکاوٹ بننے والے قلبی حجابات کو اٹھا دیتا ہے۔

شیخ امام ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم نافع وہ علم ہے جو سینے میں ثابت و مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کا ملکہ اس میں پورے رسوخ کے ساتھ جاگزیں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نور جب چمکتا ہے تو اس کی صورت دل پر نقش بنا لیتی ہے اور اس کی روشنی میں ہر نیک بد میں صاف فرق و امتیاز محسوس ہونے لگتا ہے اس روشنی اور نور کا سایہ سینے میں پڑتا ہے جس کی بدولت انسان اچھی باتوں پر عمل پیرا ہوتا اور بری باتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ یہی علم در اصل نور قلب ہے جس سے ہدایت کی علامات سینے میں ابھرتی ہیں اور وہ علم جسے تو سیکھتا اور کسب سے حاصل کرتا ہے محض زبانی علم ہے جس پر شہوت کی تاریکی نے غلبہ پاکر اس کی نورانیت کو تباہ کر دیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے علم نافع وہ علم ہے جو دل کی صفائی اور رقت کا ذریعہ بنتا ہے جس کے طفیل بندے کو دنیا میں زہد و تقویٰ، آخرت میں جنت کا قرب اور دوزخ سے نجات اور دوری نصیب ہوتی ہے دل میں خوف اور رجا پیدا ہوتا ہے، نفس کی آفات و عیوب کی شناخت اور ان آفات سے بچنے اور پاک ہونے کا راستہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ معقول و منقول کا زبانی علم، علم نافع نہیں ہے مختصر یہ کہ علم نافع دو قسم ہے۔ ایک علم معاملہ جو اعمال صالحہ کے اختیار کرنے کا باعث بنتا اور دل کے ساتھ رہتا ہے دوسرا علم مکاشفہ ہے جو اعمال صالحہ کا اثر اور نتیجہ ہوتا ہے۔ پہلے علم کو علم دراست اور دوسرے کو علم وراثت کہتے ہیں۔

۲۵۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْبَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ رواه البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن [1] محفوظ کئے ان میں سے علم کا ایک برتن میں نے تمہیں بکھیر دیا ہے مگر دوسرا برتن اگر تمہارے سامنے بکھیروں اور ظاہر کروں تو میرے گلے کی گذرگاہِ طعام کاٹ دی جائے۔

اشعۃ اللمعات [1] یعنی علم کے دو برتن اور بعض روایات میں من العلم کا لفظ صریحاً مذکور ہے علم کے برتن سے وہ محل و جگہ مراد ہے جس میں علم جمع کیا جائے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی دو اقسام کو دو برتنوں سے تشبیہ دی۔ اس لحاظ سے کہ دونوں علم کی ایک ایک قسم پر مشتمل ہیں اور جو علم ایک میں ہے دوسرے میں نہیں ہے [2] بلعوم مِنہ با کے ساتھ یعنی گلے کی گذرگاہ طعام جیساکہ انہوں نے اپنے قول کی خود تفسیر کی یعنی مجری الطعام علماء کرام نے کہا ہے کہ اول سے اخلاق و احکام کا علم مراد ہے اور خواص و عوام میں مشترک ہے اور دوسرے سے علم اسرار مراد ہے جو اغیار سے محفوظ و مصون ہے کیونکہ وہ اپنی باریکی در پوشیدگی اور فہم عوام کے اس تک رسائی نہ ہونے کے باعث اہلِ عرفان علماء با اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

بعض شارحینِ حدیث نے کہا ہے اس سے بنی امیہ کی طرف سے دین میں فتنہ و فساد برپا ہونے کی خبریں مراد ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں خبر دی تھی کہ امت کی بربادی قریش کے بعض بچوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے اگر میں چاہوں تو ہر ایک کا نام لے کر بتا سکتا ہوں یا اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں ظالم حکام کے نام، ان کے حالات اور ان کی مذمت مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بعض کے حالات رمز و کنایہ سے بیان کئے مگر صریحاً بیان کرنے سے اس بنا پر ڈر گئے کہ ظالم امراء و حکام انہیں کہیں قتل ہی نہ کردیں۔ چنانچہ آپ نے اشارۃً فرمایا اعوذ باللہ من اِمارة ستین و امارة العبیان یعنی میں ساٹھویں صدی ہجری کی بادشاہی اور لونڈوں کی حکومت سے خدا سے پناہ لیتا ہوں۔ اس سے آپ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و حکومت مراد لی ہے جو ساٹھویں سن ہجری کے اختتام پر قائم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ آپ یزید کی حکومت قائم ہونے سے پہلے اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے واللہ اعلم۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اگر اس قائل (بعض شارحین) کی مراد علم باطن اور حقائق و اسرار کے وجود کی نفی ہے جس تک عوام کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی اور جس کا افشاء مصلحتِ وقت کے خلاف ہوتا ہے اور بعض مخاطب اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ اس کے باوجود اس قسم کے علوم دائرہ علم و دین میں ضرور داخل ہیں، تو یہ نفی مکابرہ اور ضد ہے کیونکہ علم باطن اور حقائق و معارف کے وجود کی طرف اشارہ کلام نبوت اور ارباب ولایت کے ہاں کثرت سے موجود ہے۔ اور کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم (لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرو) میں بھی اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ ایک واضح بات ہے کہ ہر ظاہر کے لئے باطن اور ہر شریعت کے لئے حقیقت ہوتی ہے تاہم اس کے بیان کرنے میں دشواری اور مشکل ہوتی ہے کہ جب وہ

باطن درحقیقت عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے تو وہ اس کے قائل کو متہم کرتے اور ایسی چیز کی ان کی طرف نسبت کرتے ہیں جسے خود اہل باطن ایک بری اور مذموم چیز جانتے ہیں اور یہ اہل باطن بظاہر اس انکار و مذمت میں معذور بھی ہیں۔ غرض باطنی اسرار و رموز کے اظہار و افشار سے مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے (یعنی عوام کا انہیں نہ سمجھ سکنا) مخالفت کی وجہ یہ نہیں کہ باطنی علوم اور حقائق و معارف دین و شریعت کے خلاف ہیں۔

اور اگر یہ قائل یہ کہتا ہے کہ علم حقائق و اسرار فی نفسہ ثابت و واقع تو ضرور ہے مگر حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں حقائق و اسرار کا علم مراد نہیں بلکہ دوسری طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کیا گیا کیونکہ قرائن سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے نیز دوسرے علماء صحابہ کرام کی موجودگی کے باوجود حضرت ابوہریرہ کی تخصیص اور صحابہ کا حضرت ابوہریرہ کی مخصوص معلومات کو نہ سمجھنا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو قتل کئے جانے کے حکم کا اندیشہ یہ قرائن قائل کی توجیہہ سے قدرے بعید ہیں بااین ہمہ قائل کا یہ موقف مکابرے سے الگ بات ہے جس سے باطنی علوم و معارف کا انکار لازم نہیں آتا واللہ اعلم۔

۲۵۳ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ وَمَنْ لَّا یَعْلَمُهٗ فَلْیَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِنَبِیِّهٖ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا لوگو جو شخص علم کی کوئی بات جانتا ہو تو وہ اسے بیان کرے اور جو نہ جانتا ہو تو وہ یوں کہے "اللہ بہتر جانتا ہے" کیوں کہ یہ بات بھی علم کا حصہ ہے کہ جو چیز تو نہیں جانتا اس کے متعلق کہے کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ میں تم سے اس پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں[1]

اشعۃ اللمعات [1] کیونکہ معلوم کو مجہول سے الگ کرنا اور یہ سمجھنا کہ میں یہ بات نہیں جانتا یہ بھی علم کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور یہی اس مشہور مقولے کا معنی ہے کہ لَا اَدْرِیْ نِصْفُ الْعِلْمِ یعنی "میں نہیں جانتا" نصف علم ہے۔

[2] یعنی جو اپنے ذمے ایسی چیزیں لیتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے یعنی مجھے جو پڑھ سکھایا جاتا ہے اور جس چیز کی تبلیغ و اشاعت کا مجھے حکم دیا جاتا ہے میں وہی کہتا اور لوگوں کو بتاتا ہوں۔ میں کسی چیز کا اپنی طرف سے دعوی نہیں کرتا اور زور و تکلف سے اپنے سر کوئی چیز نہیں لیتا۔

ایسے مشکل امور میں بحث و تفتیش کرنا جن تک فہم کی رسائی نہ ہو اور ان کے جاننے کا دعوی کرنا اور ان تک فہم کی رسائی کے لئے سعی و کوشش کرنا تکلف میں داخل ہے۔

منقول ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا میں لفظ اَبًّا کا معنی دریافت کیا گیا آپ نے اس میں غور و فکر کیا جب آپ کے ذہن میں اس لفظ کا مخصوص معنیٰ نہ آیا تو آپ نے فرمایا هَلْ هٰذَا اِلَّا تَكَلُّفٌ یہ تو محض تکلف ہے یعنی یہ تو معلوم ہے کہ اَبًّا پھلوں اور کھانے کی چیزوں میں سے کوئی چیز ہے اگر مخصوص معنی معلوم نہ بھی ہو تو اس کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کا خصوصی معنی جاننے کے لئے فہم و فکر کو کاوش و دقت میں مبتلا کرنا تکلف محض

اور لایعنی چیز ہے۔

۲۵۴ وَعَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ رواہ مسلم

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا یہ علم کتاب و سنت دین ہے تو اس بات کو نگاہ میں رکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

اشعۃ اللمعات [۱] آپ کا نام محمد ہے کبار تابعین سے ہیں آپ کے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکاتب تھے۔ علم تعبیر رؤیا میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اس باب میں ان سے عجیب و غریب باتیں منقول ہیں۔

[۲] یعنی دین کا وجود و قیام اسی سے ہے۔

[۳] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ راوی کے حالات کی چھان بین میں پورے اہتمام و احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ وہ وثوق، دیانت، حفظ، ورع اور اتباع سنت میں کیا مقام رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ بلا تحقیق ہر آدمی سے روایت کرنا ٹھیک نہیں۔ خصوصاً غرض پرستوں اور اہل ہویٰ اور بدعت سے جو دیانت سے تہی دامن ہوتے ہیں اور اپنے مذہب کو رواج دینے کے لیے من گھڑت باتیں بنانے اور افترا سے ذرا دریغ نہیں کرتے۔

۲۵۵ وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ یَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِیْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِیْدًا وَاِنْ اَخَذْتُمْ یَمِیْنًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِیْدًا۔ رواہ البخاری

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اے حرف نوک زبان سے قرآن پڑھنے والو۔ راہ راست پر چلو۔ بیشک تمہیں بڑا سابق اور اسلام کا ابتدائی زمانہ نصیب ہوا ہے اور اگر تم لوگ دائیں بائیں ہو گے اور راہِ راست کو چھوڑ دو گے تو سخت گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

اشعۃ اللمعات [۱] حضرت حذیفہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ ابو عبد اللہ کنیت ہے والد کا نام یمان ہے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دان کہتے ہیں۔ آپ کو منافقین کا علم تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات اور فتنے بیان کر دیئے تھے۔

[۲] یعنی اے قرآن پڑھنے والے گروہ جو قرآن کو نوک زبان پر رکھتے ہو۔ یا قراء کے لفظ سے بے عمل علماء مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال پر ثابت قدمی دکھاؤ۔ راہِ راست پر قائم رہو۔ صراطِ مستقیم پر چلو۔

[۳] یعنی تمہیں بہت ساری سبقت و فضیلت حاصل ہے۔ سَبَقْتُمْ صیغہ جمع مخاطب ماضی معلوم۔ آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہیں اوائلِ اسلام اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نصیب ہوا کہ جب یہ حضرات کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامیں گے تو ہر چیز میں سبقت لے جائیں گے اور سب کچھ پالیں گے اور جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ اگر ان جیسے ہی عمل کریں، اس درجہ کو نہیں پا سکتے جو ان کا نصیب ہوا کیونکہ ان حضرات نے پہلے اسلام قبول کیا یہ لفظ ماضی مجہول سُبِقْتُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی دوسرے لوگ جو استقامت کی صفت میں موصوف ہیں اور طریق مستقیم پر چلے ہیں تم سے سبقت لے گئے اور انہیں تم پر پیش رفت حاصل ہو گئی۔

۲۵۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ۔

رواه الترمذی وکذا ابن ماجة وزاد فیه وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّاءِ اِلَی اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِیُّ یَعْنِی الْجَوَرَةَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو جُبّ حزن سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جُبّ حزن کیا ہے۔ فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے فرمایا قرآن پڑھنے والے اپنے اعمال میں ریا کرنے والے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اور ابن ماجہ نے اس حدیث میں یہ لفظ زیادہ بیان کئے۔ وَاِنَّ مِنْ الی آخرہ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین قاری وہ ہیں جو حکام وامراء کی زیارت اور ان سے ملاقات ومجلس کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ امام محاربی نے کہا حکام سے ظالم اور بدکردار حکام وامراء مراد ہیں۔

اشعۃ اللمعات ۱؎ جُبّ الحُزن غم کا کنواں جُبّ بضم جیم وتشدید با وہ کنواں جو اوپر سے بند ہو۔ اس حدیث میں جب حزن کا لفظ وادی کے لئے اس بنا پر استعمال ہوا ہے کہ وہ بھی کنوئیں کی طرح بہت گہری ہوگی۔

۲؎ یعنی وہ وادی اس قدر قبیح اور وحشت ناک ہے کہ خود دوزخ بھی اس سے پناہ مانگتی ہے چہ جائے اس میں گرنے والے دوزخی دوزخ کے پناہ لینے میں اس جانب اشارہ مطلوب ہے کہ اس میں شدید ترین عذاب اور تکلیف ہوگی۔ یا دوزخ کا حقیقۃً پناہ مانگنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ دوزخ کو زبان عطا کرے جس کے ساتھ وہ پناہ مانگے۔ جیسا کہ ظاہر آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳؎ قُرّاء کا لفظ علماء اور عبادت گذاروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ علم قرآن سے حاصل ہوتا ہے اور عبادت علم کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

۴؎ حکام کو امر معروف اور نہی منکر کے لئے نہیں۔ جبر واکراہ کی بنا پر بھی نہیں اور نہ ان کے شر کی ایذا سے بچنے کیلئے اور بچانے کیلئے بلکہ محض دنیا کے طمع ولالچ کی خاطر ان سے ملتے ہیں۔

۵؎ امام محاربی حدیث کے راویوں میں سے ہیں ان کا نام عبدالرحمٰن بن محمد ہے۔ اعمش اور یحیی بن سعید سے روایت کرتے ہیں ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ یعنی جورہ سے مراد ظالم اور خلاف شرع چلنے والے امراء وحکام ہیں۔ اعاذنا اللہ (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

۲۵۷ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِكُ اَنْ یَاْتِیَ عَلَی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ

النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ۔ رواه البيهقي في شعب الايمان

آئیگا کہ نہ باقی رہے گا۔ دین اسلام سے مگر اس کا نام[1] اور نہ باقی رہے گا قرآن سے مگر اس کا خوبصورتی سے پڑھنا[2]۔ ان کی مسجدیں آباد[3] نظر آئیں گی مگر حقیقت میں ہدایت، علم اور عبادت کے اعتبار سے ویران و بے آباد ہوں گی۔ ان کے علماء اور دانش مند آسمان[4] کے نیچے بدترین[5] لوگ ہوں گے انہی کے اندر سے شر و فتنہ اٹھے[6] گا اور انہی میں لوٹ جائیگا۔

اشعۃ اللمعات لے علم و عمل کا نشان تک باقی نہ ہوگا۔

[2] رسم سے اس کا تجوید حروف اور الفاظ کی عمدگی سے پڑھنا مراد ہے بغیر اس کے کہ اس کے معانی میں تفکر و تدبر کیا جائے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔

[3] کہ لوگوں کا ان میں ہجوم تو نظر آئیگا مگر ان میں عبادت، ذکر حق اور علم کے درس و تدریس کا ذوق نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا وہی خراب من الہدیٰ کہ درحقیقت وہ مساجد علم ہدایت اور عبادت کے لحاظ سے ویران و بے آباد ہوں گی۔

[4] ادیم معنی روئے زمین اور اس کی ظاہری سطح۔

[5] کہ وہ ظالم و بدکردار لوگوں کے معاون و مددگار، اور ان سے ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہوں گے۔

[6] کہ اللہ تعالیٰ انہیں ظالموں کو ان پر مسلط کر دیگا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مخلوق خدا کو ستاتا ہے تاکہ کسی انسان کے دل کو خوش کرے تو اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کرتا ہے تاکہ اس کا سانس کھینچ لے اور اس کی جان نکال لے۔

۲۵۸ وَعَنْ زِيَادٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَالِكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهٗ اَبْنَاءَنَا وَيُقْرِئُهٗ اَبْنَاءُنَا اَبْنَاءَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيْهِمَا۔ رواه احمد وابن ماجة وروى الترمذي عنه نحوه وكذا

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کا ذکر فرمایا اور فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب جہان سے علم ختم ہو چکا ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے ختم ہوگا۔ حالانکہ ہم لوگ قرآن پاک پڑھتے اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور جاری اولاد آگے اپنی اولاد کو پڑھائے گی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ نے فرمایا اے زیاد تیری ماں تجھے روئے میں تو تجھے مدینے کا بہت دانا اور بہت سمجھدار انسان سمجھتا تھا کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل پڑھتے ہیں مگر جو تعلیمات ان میں ہیں اس پر ان کا کچھ عمل نہیں۔ اسے احمد اور ابن ماجہ نے زیاد سے روایت کیا اس طرح ترمذی نے بھی زیاد بن لبید سے روایت کی یوں ہی دارمی نے بھی اسے

الدارمی عن ابی امامۃ۔

روایت کیا مگر زیاد سے نہیں بلکہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے۔

اشعۃ اللمعات لے زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے ہی مدینہ سے مکہ آگئے اور ہجرت تک مکہ میں ہی رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضر موت کا حاکم وعامل مقرر کیا۔ ان سے حضرت عوف بن مالک اور ابو الدرداء روایت کرتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں وفات پائی ےے یعنی ابتلا وفتنہ کی باتوں کا ذکر فرمایا سے اور اس کے احکام کا علم حاصل کرتے ہیں کے اور انہیں احکام وتعلیمات قرآنی سے روشناس کرتے کراتے ہیں۔ ھے تعجب ہے کہ تو میرے کلام کا مطلب نہ سمجھا اور تو نے یہ گمان کر لیا کہ قرآن اور علم صرف عبارت اور اس کا معنیٰ جان لینے کا نام ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا اور معنی سمجھ لیا تو اس نے اس پر عمل بھی کر لیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ لے یعنی ترمذی نے جو روایت کی ہے وہ اس حدیث سے معنیٰ اور الفاظ میں مختلف ہے۔

۲۵۹ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ وَتَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّیْ امْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيُنْتَقَصُ وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ اَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔

رواہ الدارمی والدارقطنی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لوگو علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض احکام یا علم فرائض (میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن پاک سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ کہ موت مجھے تم سے لے جائیگی اور جلد ہی علم بھی تم سے اٹھا لیا جائیگا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک دو آدمی ایک ضروری مسئلے میں اختلاف کریں گے۔ انہیں صاحب علم میسر نہ آسکے گا جو ان میں مدد فیصلہ کر سکے۔

اشعۃ اللمعات لے یعنی کار دین کی تکمیل اور تبلیغ احکام کے بعد میری روح قبض کر لی جائے گی۔ ےے بعض نسخوں میں سَيُنْقَصُ نقصان مصدر سے آیا ہے یعنی علم کم ہو جائیگا سے یعنی علم کے اٹھ جانے یا کم ہو جانے کے باعث طرح طرح کے فتنے اور خرابیاں رونما ہوں گی کے جب ضروری احکام بتانے والا میسر نہ آئیگا سنن اور نوافل کی وضاحت کرنے والا کہاں سے میسر آئیگا ھے اور حق کو باطل سے جدا کرے۔

۲۶۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ عِلْمٍ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

رواہ احمد والدارمی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس علم کی مثال جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اس خزانے کی سی ہے جس سے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا جائے لے

اشعۃ اللمعات لے اس حدیث پر کتاب العلم تمام ہوئی والحمد للہ اس کے متصل بعد کتاب الطہارت کا ذکر ہوتا ہے۔

کِتَابُ الطَّهَارَةِ

طہارت لغت میں نظافت و پاکیزگی کے معنی میں آتا ہے۔ طہارت، نجاست کی ضد ہے۔ طہور بضم طاء مصدر ہے اور فتح طاء کے ساتھ بھی مصدر کے معنی میں آتا ہے اور جس چیز کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتے جیسے پانی اور خاک کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور پاک کرنے والی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مگر اس توجیہہ میں خفا اور پوشیدگی ہے۔ (عیز واضح ہے) عربی شرح میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اور فقہائے کرام کی اصطلاح میں طہارت، نجاست حکمی جسے حدث کہتے ہیں اور نجاست حقیقی جسے خبث کہتے ہیں، سے پاک ہونے سے عبارت ہے اور وضو بضم واو بمعنی مصدر ہے اور بفتح واو وضو کا پانی جس سے وضو کیا جاتا ہے۔ مشہور تو یہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ بفتح واو بھی بمعنی مصدر آتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

۲۶۱ الفصل الاول ـ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأٰنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا رواہ مسلم وفی روایۃ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تَمْلَأٰنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لم اجد ھذہ الروایۃ فی الصحیحین ولا فی کتاب الحمیدی ولا فی الجامع ولکن ذکرھا الدارمی بدل سبحان اللہ والحمد للہ۔

فصل اوّل۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طہارت نصف ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ کا ثواب میزان (ترازو) کو بھر دیگا اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ کا ثواب آسمانوں اور زمین کے درمیان واقع فاصلہ اور خلا کو بھر دیتا ہے۔ اور نماز نور و روشنی ہے اور صدقہ برہان و دلیل ہے اور صبر کی تیسیے پانچ پر سب لوگ صبح کرتے اور اپنی ذات کو بیچتے ہیں۔ پھر کچھ تو اسے آزاد کرا لیتے ہیں اور کچھ ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور مسلم سے ایک روایت یوں ہے کہ ولا الہ الا اللہ آخری آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے کو بھر دیتے ہیں (مولف مشکوۃ کہتے ہیں) میں نے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں پائی اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں اور نہ ہی جامع میں لیکن اس روایت کو

دارمی نے ذکر کیا ہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ کے الفاظ کے بجائے
واللہ اکبر الی آخرہ کے الفاظ سے۔

اشعۃ اللمعات سلہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔

سلہ طہارت نصف ایمان ہے اس جملے میں بطور مبالغہ اجر طہارت کے عظیم ہونے کا بیان ہے کہ طہارت اتنی عظیم المرتبہ عبادت اور نیکی ہے کہ اس کا ثواب نصف ایمان کے برابر ہے یا اس مناسبت سے نصف ایمان کہا گیا ہے کہ جس طرح ایمان گذشتہ تمام گناہوں کو چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح وضو بھی گناہوں کو چھپاتا ہے۔ البتہ ایمان تو صغیرہ و کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور وضو صرف صغیرہ گناہوں کو۔ لہٰذا وضو مرتبہ و درجہ میں نصف ایمان ہوا یا اس بنا پر وضو کو نصف ایمان کہا گیا۔ کہ ایمان باطن کو پاک کرتا ہے اور وضو ظاہر کو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے یہاں ایمان سے نماز مراد ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔ (اللہ تمہارے ایمان (نمازیں) ضائع نہ کریگا) میں ایمان سے نماز مراد لی گئی ہے اور جبکہ نماز وضو کے بغیر درست اور جائز نہیں لہٰذا وضو گویا جزءِ نماز ہے اور اگر زیادہ مبالغہ اور بڑھ کر دعویٰ کریں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ باقی تمام ارکان و شرائط گویا ایک نصف ہے اور اکیلا وضو دوسرا نصف ہے۔

بعض محققین نے اس کی تاویل میں یوں بھی کہا ہے کہ ایمان رذائل (بُری عادات) سے تخلیہ اور فضائل عمدہ اخلاق سے آراستہ ہونے کا نام ہے اور یہاں طہارت سے تخلیہ مراد ہے یہ تمام توجیہات اس صورت میں ہیں جبکہ شطر کا معنی نصف کیا جائے۔ جیسا کہ یہی اس کا اکثر و اشہر استعمال ہے۔ اور اگر شطر بمعنی جزء ہو یعنی ایمان کا ایک حصہ۔ تو اس صورت میں مذکورہ توجیہات کی ضرورت نہ ہوگی تاہم یہ گفتگو بھی مبالغے کے طور پر ہے گویا کہ وضو ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔

سلہ الحمد للہ کا ثواب اعمال کے ترازو کو بھر دے گا یعنی جو شخص ایک بار الحمد للہ کہتا ہے اسے اتنا ثواب ملتا ہے کہ میزان کو پُر کر دے گا۔

سلہ یعنی یہ دونوں کلمے (ان کا ثواب) آسمانوں اور زمین کے درمیانی فاصلے اور مسافت کو پُر کر دیتا ہے۔ اَوْ تَمْلَأُ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تَمْلَآنِ تثنیہ کا صیغہ فرمایا یا تَمْلَأُ مفرد کا صیغہ۔ پھر تثنیہ و مفرد دونوں صورتوں میں تاء فوقانیہ اور یاء تحتانیہ کے ساتھ مروی ہے۔ لفظ تثنیہ تو ظاہر ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ دو کلمے ہیں اور مفرد صیغہ مجموعہ کے اعتبار سے ہے یا ہر واحد کے لحاظ سے اور اس قدر ثواب کی وجہ یہ ہے کہ سبحان اللہ خدا تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس کا اعتراف ہے اور یہ تنزیہہ و تقدیس آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو شامل ہے کیونکہ ہر ذرہ ربّ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی پاکی، اس کے تقدس اور اس بزرگ ذات کے ہر عیب و نقص کے نشان سے منزہ ہونے کی گواہی اور شہادت دے رہا ہے اور کلمہ الحمد للہ اس کے کمالات اور اس کی بے شمار نعمتوں کا اقرار ہے کہ سارا عالم اس کی نعمتوں سے پُر اور ان پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کلمات اگر اپنے حقائق کے ساتھ قائل سے صادر ہوں تو یہ چیز ذات و صفات اور اسماء الٰہی کے مشہود کا موجب اور ذریعہ بنتی ہے کہ افراد عالم اسی کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا اس

حقیقت عقلی پر دلالت کرنے والے الفاظ کا ثواب بھی سارے عالم کو پُر کردیگا۔ تاہم صرف الفاظ و حروف اور ان الفاظ کے ساتھ موہنوں سے نکلنے والی آوازیں یہ مرتبہ نہیں رکھتیں۔ اس کے باوجود خدا تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔ وہ تھوڑے سے نیک عمل کو قبول کرنے والا اور اس بہت زیادہ اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔ اس بیان و تشریح سے ظاہر ہوا کہ اگر یوں بھی کہہ دیں کہ ان کلمات طیبات کا ثواب آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو پُر کردیتا ہے یا سارے جہاں کو پُر کردیتا ہے تو درست ہوگا مگر چونکہ آسمان و زمین کے درمیان خلا اور فاصلہ ظاہر ہے اور آنکھیں اسے دیکھتی ہیں اس لئے علی الخصوص اس کا ذکر کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ سے کل عالم مراد ہو واللہ عالم۔

؁ یعنی نماز شہودِ حق اور ظہورِ معارف کی بنا پر دل کو روشن و منور کرتی ہے یا چہرے کو نیکی کے نشان اور نورِ عبادت سے روشن اور تاباں کرتی ہے یا نماز حق و ثواب کا راستہ دکھاتی اور باطل و خطا کی تاریکی سے بچاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) یا قیامت کے روز اپنے نور کے ظہور کا موجب و ذریعہ بنے گی۔ کہ ایمان والوں کے آگے اور دائیں نماز کا نور پھیل رہا ہوگا۔ قرآن حکیم میں فرمایا نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ (ان کا نور ان کے آگے اور دائیں رواں دواں ہوگا)

؁ یعنی ریا و نمائش کے لئے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے درویش و مسکین کو مال دینا۔ اس کی مالی مدد کرنا اس شخص کے ایمان میں سچا ہونے اور خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے کی بڑی مضبوط اور قوی دلیل ہے یا طالب ثواب کے لئے حجت و دلیل ہوگی کیونکہ یہ گویا ایک قسم کا قرض ہے جو اس نے خدا تعالیٰ کو دیا تھا۔

؁ یعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رکے رہنا اور صبر کرنا یا خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی راہ پر جمے رہنا یا مصائب و آلام کے وقت صبر و برداشت کا دامن تھامے رکھنا عظیم روشنائی کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ ضیا نور سے زیادہ مقدار کی روشنی کو کہتے ہیں اسی لئے قرآن حکیم میں آفتاب کے نور کو ضیا اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا ہے چنانچہ فرمایا جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا) اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی چاند کے نور سے بہت بڑھ کر اور اتم و اکمل ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دین کے کاروبار کا سارا دار و مدار صبر و استقامت پر ہے اور تمام عبادات اور طاعتیں صبر ہی کی قسمیں ہیں۔ یہاں صبر سے ایک دوسرا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں صبر سے روزہ مراد ہو۔ ذکر نماز اور صدقہ کے قرینے کی مناسبت سے۔ جیسا کہ علما اور مفسرین نے آیہ کریمہ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ میں مراد لیا ہے۔

؁ یعنی اگر تو نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا تو اللہ کی یہ کتاب تیرے حق میں دلیل و حجت اور تیری معاون و مددگار ہوگی۔ اور اگر تو نے اس کے حقوق کی نگہداشت نہ کی اور اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل نہ کیا تو یہی قرآن تیرے خلاف گواہی دیگا اور اللہ کے حضور تجھ سے جھگڑے گا اور تیرے نقصان و خسارے کا موجب بنے گا۔

؁ غَدْوٌ کا لفظ صبح کے معنیٰ میں آتا ہے یا طلوع آفتاب سے سورج بلند ہونے کے وقت تک کے لئے استعمال ہوتا ہے

۹؎ یعنی جس کام کی جانب رخ کرتا ہے اس میں اپنی ذات کو صرف کرتا ہے۔

۱۰؎ یعنی جب دن چڑھتا ہے تو آدمی کسی نہ کسی کام کا رخ کرتا ہے اگر اس کام میں اس نے دنیا کے بجائے آخرت خریدی اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذاب سے نجات دیدی۔ اور اگر خدانخواستہ آخرت بیچ کر دنیا خریدی اور دنیا کو ترجیح دی اور اسے افضل جانا تو ہلاک و برباد ہوگیا اور اپنے آپ کو عذاب کے بھنور میں پھنسا دیا۔ بیت

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری بخر جانِ من ورنہ حسرت بری

تو دنیا کے عوض آخرت خرید سکتا ہے اے جانِ من یہ سودا ضرور کرلے ورنہ بڑی حسرت اور صدمے سے دوچار ہوگا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

۱۱؎ جو بخاری و مسلم کی احادیث کی جامع ہے

۱۳؎ نہ جامع میں یعنی جامع الاصول میں جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔

۱۴؎ یعنی مسلم نے تو سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السموات والارض کے الفاظ روایت کئے ہیں اور دارمی نے ان کے بجائے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تملآنِ ما بین السماء والارض کے الفاظ روایت کیے لہذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا درست نہیں ہے۔

۲۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَا یَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطٰی اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَ مَرَّتَیْنِ۔

رواہ مسلم وفی روایۃ الترمذی ثلاثا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ اعمال جن کے سبب اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دیتا اور تمہارے درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیں فرمایا۔ مشقت[۱] و ناپسندیدگی کے باوجود صحیح اور کامل طریقے سے وضو کرنا۔ مسجد کی طرف کثرت[۲] سے آنا جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار[۳] میں رہنا۔ یہ ہے حقیقی رباط[۴] (اسلام کے لیے پہرہ دینے کی جگہ) اور مالک بن انس کی روایت میں فذلکم الرباط کا لفظ مکرر بیان کیا۔ تاکید اور تقریر کی غرض سے۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت کے مطابق آپ نے یہ لفظ تین بار دہرایا۔

اشعۃ اللمعات ۱؎ محو کا معنی لغت میں کسی چیز کو اس طرح مٹا دینے کا ہے کہ اس کا نام ونشان باقی رہے۔ گناہوں کو محو کر دینے سے مراد انہیں اعمال نامہ سے مٹا دینا اور بخش دینا ہے۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں گناہوں سے صغیرہ

گناہ مراد ہیں۔

؁ اسباغ کا معنی ہے وضو کرتے وقت پانی ان تمام مقامات تک پورے طریقے سے پہنچانا جن تک پہنچانا چاہیئے۔ مَکَارِہُ یعنی مشقت و تکلیف کے وقت جب کہ طبیعت پانی کے استعمال پر آمادہ نہ ہو۔ جیسے بیماری اور شدید سردی کی حالت۔

؁ جیسے مسجد گھر سے کافی فاصلے پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ مراد وقار و آہستگی سے چلنا ہو کہ اس میں بھی کثرت سے آنے جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

؁ یعنی ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں مسجد میں ہی بیٹھا رہے اگر مسجد سے باہر بھی آئے تو اس کا دل مسجد سے ہی لٹکا رہے۔

؁ رِبَاط اصل میں دشمنانِ دین سے اسلامی سرحد کی حفاظت و نگہداشت کو کہتے ہیں تاکہ وہ سرحد کے اندر داخل نہ ہو سکیں۔ یونہی مسلمانوں کا اسلامی سرحدات پر پہرہ دینے کی غرض سے بیٹھنا۔ اپنے گھوڑوں اور اپنے دلوں کو چوکس رکھنا بھی رباط کہلاتا ہے۔ تو نماز کی انتظار میں مسجد میں بیٹھا سرحد شیطان پر اور اس کے لشکر کے مقابل بیٹھنے کے مشابہ ہے تاکہ وہ دخل نہ دے سکیں اور ہو سکتا ہے کہ صرف نماز کے بجائے تینوں اعمال کی طرف اشارہ ہو کیونکہ یہ اعمال نفس تک شیطان کے پہنچنے کے راستے بند کرتا اور خواہشات نفسانی کو مغلوب کر دیتے ہیں۔

؁ یہ دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ اسے فصل اول میں لائے اور تین بار تکرار کا ذکر کیا۔ صحیح یہ ہے کہ امام مسلم یہ حدیث حضرت مالک بن انس کی روایت سے جو لاتے اس میں دو بار تکرار کا ذکر کیا ہے سوائے مالک کے کسی بھی روایت میں تکرار کا ذکر نہیں ہے۔

۲۶۳ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ (متفق علیہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا اس کے جسم سے تمام خطائیں جھڑ گئیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔

اشعۃ اللمعات ؁ یعنی سنتوں اور مستحبات کے مطابق۔

؁ یہ ارشاد حصول طہارت میں مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے۔

۲۶۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مسلم یا مومن وضو کرتا ہے تو اس کے منہ سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو

غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔

(رواہ مسلم)

پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس نے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوتے ہیں۔ اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا اس کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس کے پاؤں چل کر گئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو کر نکلتا ہے۔

اشعۃ اللمعات لے اگرچہ چہرے میں آنکھ کے علاوہ دوسرے اعضاء کان، زبان وغیرہ سے بھی گناہ صادر ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ آنکھ کا گناہ بڑا اور کثرت سے وقوع پذیر ہوتا ہے اس بنا پر خصوصیت سے آنکھ کے گناہ کا ذکر کیا۔

۲۶۵ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوبَةٌ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔

(رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد مسلم نہیں کہ اسے فرض نماز کا وقت نصیب ہو تو وہ سنن و مستحبات کے ساتھ وضو کرے خشوع لے خضوع سے نماز ادا کرے۔ اور درست طریقے سے رکوع کرے۔ کوئی بھی مرد مسلم اس طرح وضو و نماز ادا نہ کرے گا۔ مگر ایسی نماز و وضو اس کے گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جب تک کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے۔ نماز کی بدولت گناہوں کا یہ کفارہ ہمیشہ کے لئے ہے کسی ایک زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اشعۃ اللمعات لے خشوع کا لفظ ظاہری و باطنی آداب کی رعایت کو شامل ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ نماز کے دوران دل میں خوف و خشیت ہو۔ نظر سجدہ کے مقام پر ہو۔ ہمت و توجہ پوری طرح نماز کی جانب مبذول ہو۔ نماز کے سوا کسی اور طرف مشغول نہ ہو، بدن، کپڑوں اور ڈاڑھی کے ساتھ نہ کھیلے۔ منہ دائیں بائیں نہ پھیرے۔ آنکھ بند نہ کرے۔ بعض علماء نے حضور قلب کی خاطر آنکھ بند کرنے کی اجازت دی ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ فرض نماز میں آنکھ بند کرلے سے گریز کرے۔ علماء کرام نے خدا تعالیٰ کے قول مبارک اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ کہ وہ نماز میں خائف اور متذلل ہوتے ہیں۔ نگاہ سجدہ کے مقام پر گاڑے رکھتے ہیں۔

روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران انتظار وحی کے لئے نگاہ مبارک آسمان کی جانب اٹھاتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نگاہ مبارک سجدہ گاہ کی جانب نیچے جھکالی۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے دوران اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے۔ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہیئے کہ قیام کی حالت میں نگاہ سجدہ گاہ میں رکھے۔

رکوع میں پاؤں کی پشت پر۔ سجدہ میں ناک کی طرف اور قعدہ میں گود کے اندر

؎ یہاں رکوع کا ذکر کیا سجدہ کا ذکر نہ کیا اس کی وجہ یہ ہے رکوع سجدہ کا مقدمہ ہے۔ نیز رکوع سجدہ سے زیادہ مشقت طلب ہے کہ نمازی کو رکوع میں اپنے جسم کو تھام کر کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ سجدہ میں تو بدن زمین پر پڑتا ہے۔ پھر رکوع میں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ رکوع مسلمانوں کی نماز کا خاصہ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی نمازیں رکوع سے خالی ہیں۔

؎ بعض نسخوں میں مالم یات کا لفظ آیا ہے یعنی جب کہ گناہ کبیرہ سے بچا رہے۔ یہ روایت معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے اور اوّل روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وضو اور نماز صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

۲۶۲ وَعَنْهُ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِىْ ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ متفق علیه ولفظه البخاری

اور انہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی پانی ڈالا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین بار اپنا چہرہ مبارک دھویا۔ پھر کہنی تک اپنا دائیں ہاتھ دھویا۔ پھر اپنا بائیں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنا دائیں پاؤں تین بار دھویا پھر بائیں پاؤں۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت اس طرح ادا کیں کہ اس کے نفس نے وسوسے میں مبتلا نہ کیا تو اس کے گذشتہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

اشعۃ اللمعات ؎ استنثار تا مثلثہ کے ساتھ یعنی پانی چڑھانے کے بعد ناک صاف کرنا جسے استنشاق کہتے ہیں لہذا استنثار کا مفہوم استنشاق کو متضمن ہے۔

؎ ان افعال کی تحقیق باب سنن الوضوء میں آئیگی (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

؎ یہ کم سے کم مقدار ہے۔ اگر زیادہ پڑھے تو بہت بہتر ہے

؎ کہ اس میں اپنے نفس کے ساتھ دنیا کی باتوں میں سے کوئی بات نہ کرے اگر وسوسے لاحق ہوں تو انہیں دفع کرے کردہ قرار نہ پکڑیں۔ اس طرح اس کے حضور قلبی میں کوئی فرق نہ پڑے اور کوئی خلل لاحق نہ ہو بعض علماء نے اپنے نفس سے بات نہ کرنے سے اخلاص اور خود بینی سے بچنا مراد لیا ہے (واللہ اعلم)

؎ یہ حدیث وضو کے بعد نماز (تحیۃ الوضو) ادا کرنے کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی اور وضو کر کے صرف فرض نماز اور سنت مؤکدہ پر کفایت کرے تو یہ بھی درست ہے۔ اور اس نماز تحیۃ الوضو کی نیت میں تحیۃ الوضو یا شکر وضو کا

تصور کوئی چیز نہیں مطلق نماز کی نیت کرے۔ ہاں مسجد میں آنے کیلئے تحیۃ المسجد کی نیت کرلے کہ تحیت کا معنی تعظیم بجالانے اور سلام دینے کا ہے لہٰذا تحیۃ الوضوء (وضو کی تعظیم اور اسے سلام دینا) کا کچھ معنیٰ نہیں البتہ مسجد کی عظمت اور اس کی روحانیت کے مشاہدے کے پیش نظر اگر اس کی تعظیم کا ارادہ کرے اور اسے سلام دے تو یہ درست ہے۔ اور نماز اصل اور مقصود لذاتہ ہے اور وضو فرع اور اس کا طفیلی ہے۔ وضو نماز کے لئے ہوتا ہے نہ کہ نماز وضو کے لئے ہوتی ہے پس نماز کے ساتھ وضو کا شکر کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ امام غزالی نے کہا ہے۔

۲۶۷ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ رواہ مسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں ہے کوئی مسلمان جو وضو کرتا ہے پس اچھا اور ٹھیک وضو کرتا ہے پھر اٹھ کر دو رکعت دل اور چہرے کو متوجہ کرکے ادا کرتا ہے مگر اس کے لئے اللہ کے فضل سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اشعۃ اللمعات [1] عُقْبَہ بضم عین وسکون قاف صحابی ہیں اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے کچھ عرصہ بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کردیا۔ آپ نے مصر میں ہی ۵۸ھ میں رحلت فرمائی۔ ان سے حضرت جابر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اور تابعین میں سے بے شمار لوگوں نے روایت کی ہے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور کاشف میں ہے کہ آپ عظیم المرتبت صحابی، امیر شریف، فصیح، بہت اعلیٰ قاری اور شاعر تھے۔ بحری جہاد کے لئے آپ کو امیر اور والی مقرر کیا گیا۔ مصر میں رحلت فرمائی۔

[2] یعنی اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ۔ ایک روایت میں نصب کے ساتھ مُقْبِلًا آیا ہے اور یہ اعراب کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے۔

۲۶۸ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ رواہ مسلم فی صحیحہ والحمیدی فی افراد مسلم وابن الاثیر فی جامع الاصول وذکر الشیخ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم میں سے کوئی آدمی کہ وضو کرتا ہے بہت اچھا اور کامل وضو۔ پھر کہتا ہے اشہد ان الی آخرہ اور ایک روایت میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ الی آخرہ مگر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس سے چاہے گا داخل ہو جائیگا۔ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور حمیدی نے افراد مسلم میں اور ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اور شیخ محی الدین نووی نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جیسا

محی الدین النووی فی آخر حدیث مسلم علی ما رویناوزاد الترمذی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ من المُتَطَھِّرِیْنَ والحدیث الذی رواہ محی السنۃ فی الصحاح مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الوُضُوْءَ الی آخرہٖ ثم قال اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ من التَّوَابِیْنَ واجْعَلْنِیْ مِنَ المتطھرین۔ رواہ الترمذی فی جامعہٖ بعینہٖ الا کلمۃ اشھد قبل ان محمداً۔

کہ ہم نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے اللّٰھم اجعلنی الی آخرہٖ کے الفاظ زیادہ کئے اور وہ حدیث جسے محی السنۃ نے صحاح میں روایت کیا یعنی من توضا الی آخرہٖ پھر کہا اشھد ان الی آخرہٖ اسے ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہٖ روایت کیا مگر کلمہ اشھد ان محمداً سے پہلے روایت نہ کیا۔

اشعۃ اللمعات لہ یہاں سارے بہشت کو ایک بہشت اعتبار کیا پھر ہر ایک کو ایک دروازہ قرار دیا اور کبھی ہر ایک کو الگ قرار دیکر آٹھ بہشت کہہ دیتے ہیں۔

۲ یعنی اسی طرح حمیدی نے کتاب جمع بین الصحیحین میں ان احادیث میں روایت کیا جنہیں امام مسلم نے اپنی صحیح میں اکیلے روایت کیا۔

۳ یعنی امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں مسلم کی حدیث کے آخر میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا جن الفاظ سے ہم نے روایت کیا ہے۔

۴ یعنی امام ترمذی نے شہادتین پر اس دعا اللّٰھم اجعلنی من المتطھرین کو بھی زیادہ کہا۔

۵ یعنی اسے ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہٖ ہی ذکر کیا مگر اشھد کو جو ان محمداً سے پہلے ہے کہ اسے صاحب مصابیح نے تو ذکر کیا مگر ترمذی نے ذکر نہیں کیا۔ یہ مولف کی طرف سے دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ یہ حدیث جسے وہ صحیحین میں لایا ہے صحیحین میں نہیں ہے بلکہ جامع ترمذی میں ہے لہذا اسے حسن احادیث میں لانا چاہیئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جزری نے حصن حصین میں ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ اور ابن السنی کے اشارہ سے شہادتین میں تین بار ذکر کیا اور نسائی اور حاکم سے مستدرک میں دعا کے یہ کلمات بھی مذکور ہیں۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ اے میرے اللہ تو پاک ہے اور حمد و ثنا کے لائق ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

۲۶۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَہٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میری امت قیامت کے روز اس حال میں بلائی جائے گی کہ ان کے چہرے و دیگر اعضائے وضو، وضو کے آثار سے چمکتے

فَلْيَفْعَلْ۔

متفق علیہ

ہوں گے۔ تو تم میں سے جو شخص استطاعت رکھتا ہے کہ اس کی چمک و نورانیت زیادہ ہو تو وہ ضرور زیادہ کرے۔

اشعۃ اللمعات ۱؎ یعنی میری امت کو قیامت کے روز محشر کی طرف یا جنت کی طرف بلایا جائیگا یا غر محجل کے نام سے انہیں بلایا جائیگا غر بضم غین و تشدید را جمع اغر بمعنی ہر چیز کا روشن و سفید حصہ۔ غرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے۔ محجل بضم میم و فتح جیم مشدد بمعنی وہ گھوڑا جس کے چار ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ قیامت کے روز اس امت کے ہاتھ پاؤں اور چہرے سفید، روشن، نورانی اور تاباں ہوں گے اس لئے آپ نے غر محجل کے ساتھ اسے تشبیہ دی۔

۲؎ کیونکہ یہ چیز زیادہ فضیلت و کرامت کا باعث ہوگی۔ اس جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحجیل کا ذکر اس بنا پر نہیں کیا کہ یہ دونوں (غر اور محجل) چیزیں ایک دوسری کو لازم ملزوم ہیں نیز اس بنا پر بھی ذکر نہ فرمایا کہ لوگ چہرہ دھونے میں اکثر و بیشتر درستی اور کمال کو نظر انداز کرتے اور کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بخلاف پاؤں دھونے میں کہ اس میں زیادہ پانی بہانے کی عادت ہوتی ہے واللہ اعلم۔ چہرے کی سفیدی زیادہ اور دراز اس طرح ہوگی کہ پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک پورے احتیاط اور دھیان سے دھویا جائے۔ اور تحجیل کی درازی اس طرح کہ پاؤں ٹخنے سے اوپر تک کامل احتیاط سے دھوئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنے والے کی سفیدی اور نورانیت صرف پیشانی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ تمام چہرہ روشن و تابان ہوگا۔ اسی لئے علامہ طیبی نے اغر کی تفسیر ابیض الوجہ (سفید و روشن چہرہ والے) کے ساتھ کی ہے واللہ اعلم۔

۲۷۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔

رواہ مسلم

انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں مومن کو زیور وہاں تک پہنایا جائیگا جہاں تک وضو پہنچتا ۱؎ یعنی وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

اشعۃ اللمعات ۱؎ یعنی وضو کرنے والے کے ہاتھ اور پاؤں کی چمک و نورانیت کا نشان وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ بعض شارحین نے حلیہ سے زیور مراد لیا ہے۔ جو جنتیوں کے ہاتھ پاؤں کو پہنایا جائیگا۔ مگر اس توجیہ کو اس بنا پر رد کر دیا گیا ہے کہ لفظ حلیہ بکسر حا و سکون لام بمعنی نشان و ہیئت آتا ہے اور جو زیور کے معنیٰ میں آتا ہے وہ حَلْی بفتح حا و سکون لام اور بضم حا و سکون لام اور تشدید یا کے ساتھ آتا ہے تاہم اس کی تردید کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے حلیہ سے حُلِیّ مراد لی گئی ہو اگرچہ ایسا مراد لینا مجازاً ہو۔

۲۷۱ الفصل الثانی۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال صالحہ پر استقامت کرو مگر تم استقامت نہ کر سکو گے اور جان لو کہ تمہارے اعمال سے بہتر اور خدا تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب کرنے والا عمل نماز ہے

رواہ مالک واحمد وابن ماجہ والدارمی

اور وضو میں احتیاط نہ کریگا اور اس میں ہر سنت اور مستحب کا خیال نہ رکھے گا مگر مومن کامل۔

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی راہِ راست اختیار کرو۔ دائیں بائیں نہ پھرو بلکہ ہمیشہ صراطِ مستقیم سے چمٹے رہو اور چونکہ صراطِ مستقیم پر جمے رہنا انتہائی مشکل کام ہے اس لیئے فرمایا لن تحصوا

؎ لَنْ تُحْصُوْا۔ یعنی استقامت اختیار کرنے کی تم میں ہرگز ہمت وطاقت نہیں اور اس کا حصول سید انبیاء خلاصۂ اصفیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواکسی اور کے لئے علی وجہ التمام والکمال ایک ناممکن امر ہے اور بعض کاملین اولیاء کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے اندازے کے مطابق اس استقامت سے حصہ ملتا ہے تاہم ایسے حضرات نہایت ہی نادر اور کمیاب ہوتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ کبریت احمر سے بھی بڑھ کر نایاب ہوتے ہیں۔

تنبیہ یہاں لوگوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول مبارک مشہور ہے یعنی شَیَّبَتْنِیْ سُوْرَۃُ ھُوْدٍ۔ (مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے) علماء کرام فرماتے ہیں اس میں ارشاد ربانی فَاسْتَقِمْ (استقامت اختیار کر) کی طرف اشارہ ہے۔ کہ استقامت پر عمل پیرا ہونے کے حکم کی شدت وعظمت نے آپ کو غم وحزن میں ڈال دیا اور جلد بڑھاپا طاری کردیا۔ کاتب حروف (شیخ عبد الحق) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم وحزن امت کی وجہ سے تھا کہ فرمایا وَمَنْ تَابَ مَعَکَ (اور وہ لوگ بھی استقامت اختیار کریں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ہود کی تخصیص فرمائی ورنہ سورہ شوریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا گیا مگر وہاں امت کا ذکر نہیں ہے۔ حق بات یہی ہے وگرنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو عین استقامت اور خالص سلامتی کے مقام پر ہیں کہ استقامت سے انحراف اور راہِ راست سے اِدھر اُدھر ہونے کا آپ کے لئے کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ علیہ اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم لوگ کما حقہ استقامت نہیں دکھاتے اور نہ تمام افعال وحالات میں اللہ تعالیٰ کے حقوق پورے کر سکتے ہو۔ تو ایسا نیک عمل یعنی خلاصۂ عبادت اختیار کرنے پر تنبیہ فرمائی کہ اگر اسی میں استقامت اختیار کرلیں اور ٹھیک طریقے سے قائم ہوجائیں تو اپنی تمام تقصیرات کی تلافی اور تدارک کرلیں گے۔ اور وہ عمل نماز ہے چنانچہ فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ جان لو کہ تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے۔

؎ لہٰذا اس کے شرائط کو نگاہ میں رکھو، اس کے آداب کی رعایت کرو اور اس کے حقوق ادا کرو۔ پھر آپ نے نماز کے ایک مقدمہ (ضروری شرط) کی طرف اشارہ فرمایا جسے نصف ایمان قرار دیا یعنی وضو اور طہارت اور فرمایا کہ نماز کی حفاظت نہ کریگا اور اس میں احتیاط ملحوظ نہ رکھے گا اور اس کے آداب وسنن کی رعایت نہ کریگا مگر مومن کامل کیونکہ ایسا ہی مومن کامل طور سے نماز ادا کرسکتا ہے۔

۲۴۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُھْرٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طہارت

كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ . رواه الترمذی

لکھوتے ہوئے پھر وضو کرتا ہے اس کے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں

اشعۃ اللمعات ؎ ظاہر یہ ہے کہ وضو پر جو جزا اور ثواب متعین ہے اس سے زیادہ اور دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ اس کے عمل نامہ میں دس وضو لکھے جاتے ہیں اور ہر وضو پر دس نیکیاں یا یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمائی کہ کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ وضو پر وضو کرنا ایک عبث اور ضائع فعل ہے بلکہ بتایا کہ اس پر بھی نیکیاں ملنے کا ثواب مرتب ہوتا ہے۔ تاہم علماء کرام نے یہاں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ثواب اس صورت میں ہے جبکہ پہلے وضو سے کوئی فرض یا نفل نماز ادا کر چکا ہو۔ اور بعض علما نے دوسرے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی نماز ادا نہ کی ہو۔

الفصل الثالث

۲۷۳۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ. رواه احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو و طہارت ہے۔

اشعۃ اللمعات ؎ کہ جس طرح دروازہ چابی کے بغیر نہیں کھل سکتا اسی طرح بہشت کا دروازہ بھی نماز کے بغیر نہ کھلے گا اسی لئے نماز کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ گذرا۔

؎ اور نماز کی چابی اور مقدمہ طہارت ہے لہٰذا اس مناسبت سے طہارت و وضو جنت کی چابی قرار پاتے ہیں۔

۲۷۴۔ وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ان رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَءَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ. رواه النسائی

حضرت شبیب؎ بن ابی روح سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اس میں سورہ روم کی تلاوت کی تو قرأت میں اشتباہ؎ ہو گیا (گڑ بڑ ہو گئی) جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں مگر صحیح طریقہ سے طہارت نہیں کرتے۔ سوائے اس کے نہیں کہ یہی لوگ ہم پر قرآن میں اشتباہ؎ پیدا کرتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات ؎ شبیب شین معجمہ کے فتح اور باموحدہ کے کسرہ کے ساتھ ابن ابی روح بفتح را و سکون واو مشکوۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے یعنی شبیب اور ابی روح کے درمیان لفظ ابن کے ساتھ۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی ایسا ہی ہے تاہم اسماء الرجال کی اکثر کتابوں میں ابی روح کو شبیب کی کنیت قرار دیا ہے ان کے باپ کا نام نعیم بضم نون بتایا گیا ہے بہر صورت شبیب بروزن حبیب ہی آیا ہے۔

؎ التباس کا معنی ہے کسی چیز کا کسی آدمی پر پوشیدہ ہو جانا۔

سلے یعنی سنن، آداب اور مستحبات کا خیال نہیں رکھتے،

سلے مجلس و صحبت کے بارے میں عقلمند کے لیے یہ عبرت و نصیحت کا مقام ہے کہ سید رسل صلوات اللہ و سلامہ علیہ اس قدر جلیل الشان مرتبہ کے ہوتے ہوئے نماز میں (جو آپ کے حالات میں سے اعظم ترین حال اور رب العالمین کے حضور راز و مناجات قرب میں اقرب ترین وقت ہے) امت کے ایک فرد کے سنتوں اور وضو کے بعض آداب و مستحبات (جو مقصود لذاتہ عبادت بھی نہیں) کے ترک سے متاثر ہوتے ہیں تو دوسرے لوگوں کا کیا مقام جو اہل فسق و بدعت کی صحبت و مجلس ہمنشینی میں گرفتار اور دن رات ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

۲۷۵ - وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِيْ اَوْ فِيْ يَدِهٖ قَالَ التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُهٗ وَالتَّكْبِيْرُ يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ

بنی سلیم کے ایک شخص سے روایت ہے۔ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں یا اپنے ہاتھ میں انہیں شمار کیا فرمایا تسبیح نصف میزان ہے۔ اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گا اور تکبیر (اللہ اکبر) آسمان و زمین کے درمیان خلا کو پُر کر دیتا ہے روزہ نصف صبر۔ اور طہارت نصف ایمان ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بنی سُلیم کے ایک شخص سے روایت ہے (سُلیم بضم سین و فتح لام ایک قبیلہ کا نام ہے) اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو گنا جو آئندہ جملے میں مذکور ہیں فِيْ يَدِيْ اَوْ يَدِهٖ میرے ہاتھ میں یا خود حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں۔ یہ راوی کا شک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری انگلیاں پکڑیں یا اپنی انگلیاں اور ہتھیلی پر ان کی گرہ لگائی یعنی پانچ کلمے شمار کیے۔ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ۔ سبحان کہنا نصف میزان ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُهٗ اور الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے یعنی جب کہ کلمہ سبحان اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے یا یہ کلمہ اکیلا ہی میزان (ترازو) کو بھر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ سے نقائص کی نفی اور کمالات کے اثبات کو شامل ہے اور کلمۂ سبحان اللہ صرف نقائص و عیوب کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی اس حدیث کے زیادہ موافق ہے جو اس باب کے ابتداء میں گزری ہے یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَالتَّكْبِيْرُ يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور اللہ اکبر کہنے کا ثواب آسمان و زمین کے درمیان فاصلے کو پُر کر دیتا ہے

وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ اور روزہ نصف صبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایمان، طاعات بجا لانے اور گناہوں سے بچنے سے عبارت ہے جو کامل صبر ہے اور روزہ نفس کی شہوتوں کو جو گناہوں پر ابھارنے کا باعث ہیں جڑ سے اکھیڑنے میں بڑا موثر ہے۔ لہٰذا روزہ نصف ایمان ہوا۔ اور بعض حواشی میں یوں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے روزہ کو دن رات کے اعتبار سے نصف صبر فرمایا کہ روزہ صرف دن کو ہوتا ہے تو یہ نصف صبر ہوا۔

وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ اور طہارت و وضو نصف ایمان ہے۔ اس جملے کی توجیہ اس باب کی پہلی حدیث میں گذر چکی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

۲۷۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ فَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَّجْهِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَّدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلٰوتُهُ نَافِلَةً لَّهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مومن وضو کرتا ہے تو کلی کرنے سے منہ کے اندر کے سارے گناہ نکل جاتے ہیں۔ اور جب وہ ناک صاف کرتا ہے تو اس کے چہرے کے سارے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کے لیے نماز ثواب ہوتا ہے۔ (مالک و نسائی)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ اور حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے صُنابحی بضم صاد و تخفیف نون۔ با مکسور اور حائے مہملہ کے ساتھ صُنابح بن زاہر کی طرف منسوب ہے جو بنی مُراد کا ایک خاندان ہے۔ بعض نے عبداللہ کے بجائے ابوعبداللہ کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ صنابحی صحابی اور ابوعبداللہ صنابحی تابعی ہیں۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندۂ مومن وضو کرتا ہے جب کلی کرتا ہے خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ ۔ تو اس کے منہ کے سب

گناہ نکل جاتے ہیں وَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ اور جب ناک میں پانی چڑھا کر ناک صاف کرتا ہے تو اس سے تمام گناہ باہر نکل جاتے ہیں۔ وَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَّجْهِهٖ اور جب منہ دھوتا ہے تو منہ کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ حتیٰ کہ پلکوں کی جڑوں تک سے گناہ نکل آتے اور جھڑ جاتے ہیں۔ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ اور جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ سے گناہ باہر آجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ فَاِذَا مَسَحَ بِرَاْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَاْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے تمام گناہ باہر آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کان سر میں شامل ہیں۔ جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔ اسی وجہ سے احناف سر کے مسح کے لیے الگ پانی نہیں لیتے بلکہ سر کے مسح کے لیے جو پانی ہاتھوں کو لگا ہوتا ہے اسی سے کانوں کا مسح بھی کرتے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ۔ جب پاؤں دھوتا ہے تو دونوں پاؤں سے گناہ باہر آجاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ تو وضو کرنے سے ہی بندۂ مومن تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلٰوتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز ادا کرنا اس کے لیے زائد ثواب کا باعث بلندی درجات کا موجب ہوتا ہے۔ نافلہ کا لفظ زائد کے معنی میں ہے جیسا کہ فرض نماز کے علاوہ دوسری نمازوں کو نفل کہتے ہیں۔ اولاد کی اولاد کو بھی نافلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح نمازِ تہجد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نافلہ کہا گیا ہے کہ فرض نماز کے علاوہ یہ بھی آپ پر فرض تھی اسے مالک اور نسائی نے روایت کیا۔

۲۸۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى الْمَقْبُرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُّ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَّمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے تو فرمایا اے مومن قوم کے گھر والو السلام علیکم ۔ اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ نے عرض کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا تم تو میرے ساتھی اور اصحاب ہو۔ ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک (دنیا میں) نہیں آئے صحابہ نے عرض کیا آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانتے ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے

يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ اَرَءَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَأْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

فرمایا تم یہ بتلاؤ اگر کسی شخص کے گھوڑے جو سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں، ایسے گھوڑوں کے درمیان ہوں جو نہایت ہی سیاہ ہوں کیا وہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ ضرور پہچان لے گا۔ یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ یس بے شک میری امت (حشر میں) آئیں گی کہ انکے ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں وضو سے چمکتی ہونگی۔ اور میں حوض پر ان کا میر سامان ہونگا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ اَتَى الْمَقْبَرَةَ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ اس قبرستان کا نام بقیع ہے تاکہ اس کی زیارت کریں اور اس کے مدفونین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ مَقْبَرَة میم کے فتح اور قاف کے بعد با کے ساتھ اور میم کے کسرہ و ضمہ اور با کے فتح کے ساتھ بھی آیا ہے۔ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اور اہل بقیع سے مخاطب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ مومنین کے گھر والو تم پر سلامتی کا نزول ہو۔ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اور بیشک ہم بھی خدا نے چاہا تو تمہارے پاس آنے والے اور تمہیں ملنے والے ہیں یہاں اِن شاء اللہ کا کلمہ اظہار رغبت، خدا عزوجل کے نام پاک سے برکت حاصل کرنے کیلیے کیونکہ اموات سے جا ملنا یقینی امر ہے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقین صحابہ کا ذکر اور تصور کیا تو اس کی مناسبت سے شرف و کرامت اور محبت کی بنا پر ان لوگوں کا ذکر بھی کر دیا جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا میں پسند کرتا ہوں اور اس امر کی آرزو رکھتا ہوں کہ میں اور یہ جو لوگ اس وقت میرے ساتھ ہیں۔ اپنے بھائیوں کو دیکھتے رلیعنی ان لوگوں کو جو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوں گے قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللهِ۔ جو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انھوں نے عرض کیا آپ آئندہ پیدا ہونے والوں کو بھائی کہہ رہے ہیں اے اللہ کے رسول ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ فرمایا تم لوگ تو میرے ساتھی، میرے یار اور وقت بے وقت میری رفاقت کا حق ادا کرنے والے اور میری درگاہ کے خصوصی افراد میں سے ہو یعنی تمہارا مقام و مرتبہ اخوتِ اسلامی سے بڑھ کر ہے اور اخوتِ اسلامی تو تمام اہل اسلام کو شامل ہے۔ وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَأْتُوْا بَعْدُ ہمارے بھائی تو وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے (بعد میں پیدا ہوں گے اور اسلام قبول کریں گے)۔

اس کے بعد صحابہ کرام نے ایک اور سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ کو اپنی امت کی شناخت کرنا ہو گی اور ان سے ملنا ہو گا۔ تب ہی آپ ان کی شفاعت اور ان کی مدد و اعانت کر سکیں گے۔ فَقَالُوْا چنانچہ صحابہ کرام نے عرض کیا

كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ آپ کی امت سے جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے اور آپ نے ان کو دیکھا بھی نہیں یا رسول اللہ آپ انہیں کیسے پہچانیں گے۔ فَقَالَ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَرَأَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَّهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ ۔ تم لوگ مجھے بتاؤ ایک شخص کے گھوڑے ہوں سفید چہروں اور سفید ہاتھ پاؤں والے بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ ۔ یہ گھوڑے دوسرے لوگوں کے ایسے گھوڑوں کے درمیان ہوں جن کا رنگ خالص سیاہ ہو اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ کیا وہ شخص اپنے سفید رنگ چہروں اور ہاتھ پاؤں والے گھوڑوں کو ان خالص سیاہ رنگ والے گھوڑوں کے درمیان نہ پہچانے گا۔ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ضرور پہچانے گا۔ قَالَ آپ نے فرمایا فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ ۔ میری اُمت آئے گی یعنی میدان قیامت میں وضو کے آثار کی برکت سے چمکتے ہوئے چہروں اور چمکتے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اور میں اُن کو اس علامت و نشانی سے پہچان لوں گا۔ وَضُوء واو کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح روایت میں آیا ہے۔ پھر آپ نے اپنی امت مرحومہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ اور میں حوض پر ان سے پہلے پہنچوں گا تاکہ ان کے گناہوں کی مغفرت اور بارگاہ رب العزۃ میں ان کے لیے بلندی درجات کا بندوبست کروں۔ فَرَطٌ فا و را کے فتح کے ساتھ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے پہلے جائے تاکہ منزل پر پہنچ کر گھوڑوں کی خوراک، ڈول، رسی اور کنوئیں کو پاک و صاف وغیرہ کام انجام دیتا ہے اسی مناسبت سے علی الحوض فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت بارگاہ رب العزۃ میں پہلے پہنچ کر امت کی بخشش کا ساز و سامان تیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

۲۸ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاَنْظُرُ اِلٰى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ شِمَالِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ فِيْمَا بَيْنَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہی پہلا شخص ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدہ کی اجازت ملے گی۔ اور میں ہی پہلا شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت مرحمت ہوگی۔ میں اپنے سامنے دیکھوں گا تو امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا میرے پیچھے بھی ایسا ہی ہوگا۔ میرے دائیں بھی ایسا ہی ہوگا، اور میرے بائیں بھی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اپنی امت تک کی مخلوق میں سے اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے

. نُوْحٍ اِلٰى اُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذَالِكَ غَيْرُهُمْ وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ ۔

فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں چمکتی ہوں گی میری امت کے سوا ایسا کوئی نہ ہوگا۔ اور میں اس سے بھی انہیں پہچانوں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کو دیے جائیں گے۔ اور میں انہیں پہچانوں گا کہ ان کی اولاد ان کے سامنے دوڑتی ہوگی۔ (احمد)

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدے کا اذن ملے گا۔ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ اور میں پہلا شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ اس حقیقت حال کی تشریح حدیث شفاعت سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراشے عزت اور بارگاہ صمدیت میں حاضر ہوں گے اور سجدہ میں سر مبارک رکھیں گے تو ایک ہفتہ سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر حکم الٰہی ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر سجدے سے اُٹھا اے میرے محبوب مانگ جو مانگنا ہے تاکہ تجھے عطا کیا جائے اور کہہ جو کہنا چاہتا ہے تاکہ تیری بات سنی جائے۔ اس پر حضور سجدے سے سر اٹھائیں گے۔ اور زبان شفاعت اور دروازہ شفاعت کھولیں گے۔ جیسا کہ فرمایا فَاَنْظُرُ اِلٰى مَا بَيْنَ يَدَيَّ تو میں اپنے سامنے کھڑی مخلوق کو دیکھوں گا۔ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ ۔ تو میں دوسری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلُ ذَالِكَ اور میں سامنے کی مخلوق کی طرح اپنے پیچھے بھی مخلوق دیکھوں گا۔ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ اسی طرح اپنے دائیں بھی وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلُ ذَالِكَ اور اپنے بائیں بھی مخلوق کا ہجوم دیکھوں گا۔ فَقَالَ تو ایک شخص نے کہا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ یا رسول اللہ آپ گزشتہ امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے شناخت کریں گے۔ فِيْمَا بَيْنَ نُوْحٍ اِلٰى اُمَّتِكَ حضرت نوح سے اپنی امت تک کے درمیان میں بڑی لمبی مدت اور بڑا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح کی تخصیص اس لیے کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبروں میں زیادہ شہرت حاصل ہے ورنہ نوح علیہ السلام سے پہلے بھی کئی امتیں گزر چکی ہیں۔ فَقَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ و پاؤں وضو کے اثر و نشان سے چمکتے ہوں گے۔ لَيْسَ اَحَدٌ كَذَالِكَ غَيْرُهُمْ دوسری امتوں میں سے کوئی بھی اس صفت اور اس ہیئت و شکل پر نہ ہوگا۔ اگرچہ انہوں نے بھی وضو کیا ہوگا، لیکن وضو کے اثر کے ظاہر ہونے کی فضیلت و بزرگی صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ للہذا اس سے

یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی عبادت کے لیے وضو نہ تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ اور اس علامت سے بھی ان کو یعنی اپنی امت کو پہچانوں گا کہ ان کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ اور میں اس علامت و نشانی سے بھی ان کو یعنی اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ کہ ان کی نابالغ اولاد ان کے آگے آگے چل رہی ہوگی۔ اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو علامتیں یعنی اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا اور ان کی نابالغ اولاد کا ان کے آگے آگے چلنا بھی اس امت کا خاصہ ہے۔ تاہم علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ دو صفات محض مدح کے لیے بیان فرمائیں فرق و امتیاز بیان کرنے کے لیے نہیں سو اللہ اعلم۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا۔

بَابُ مَا يُوْجِبُ الْوُضُوْءَ

یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جن سے وضو لازم ہوتا ہے

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے وضو لازم و واجب ہوتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو سابقہ وضو کو توڑ دیتی ہیں اور نیا وضو لازم کر دیتی ہیں۔ وضو کا موجب و سبب اگرچہ فی الحقیقت نماز کا ارادہ ہے جو نماز کے قیام سے ملا ہوتا ہے۔ لیکن وضو توڑنے والی چیزوں کو بھی وضو لازم کرنے والی اشیاء قرار دینا درست ہے اس وجہ کے اعتبار سے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

فَصْلٌ اَوَّلٌ

۲۷۹ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے وضو آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو اس کی نماز قبول اور درست نہیں ہوتی، حَتّٰى يَتَوَضَّاَ جب تک کہ نیا وضو نہ کرے۔ یہ مسئلہ اس کے لیے ہے جس کے

پاس پانی موجود ہو اور اگر پانی میسر نہ ہو تو مٹی کے ساتھ تیمم کرے۔ اور اگر پانی نہ ہو اور مٹی بھی میسر نہ آئے اور ان کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو فاقد الطہورین (دونوں قسم کی طہارت سے محروم انسان) کہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ایسی صورت میں وضو و تیمم کے بغیر ہی نماز ادا کرے تاکہ وقت نماز کی عزت و حرمت برقرار رکھ سکے اور اگر پانی یا خاک میسر آنے سے پیشتر اس کی موت واقع ہو جائے اور نماز ادا نہ کر سکا ہو تو گناہ گار نہ ہوگا۔ اور اگر وقت مل گیا تو نماز قضا کرے یہی مختار و پسندیدہ قول ہے اور بعض کے نزدیک ایسے وقت میں نماز کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک نماز ادا کرنے کے بعد پانی یا مٹی میسر آنے پر قضا کرے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔

۲۸۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی۔ اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول ہوتا ہے۔ (مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے طہارت نماز قبول نہیں ہوتی۔ وَلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول ہوتا ہے غلول کا استعمال زیادہ تر غنیمت میں خیانت کے لیے ہوتا ہے اور مطلق خیانت کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّاُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں بہت مذی والا مرد تھا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں کیونکہ آپ کی بیٹی (فاطمہ) میرے نکاح میں تھی۔ میں نے مقداد کو حکم دیا انہوں نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا (صرف مذی خارج ہونے کی صورت میں) اپنا آلہ تناسل دھوئے اور وضو کرے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں وہ شخص تھا جسے مذی بہت زیادہ خارج ہوتی۔ یہ مذی میم کی فتح ذال کے سکون اور یا کی تشدید کے ساتھ۔ ساس

رطوبت کو کہتے ہیں جو مرد کے عورت کے ساتھ بوس و کنار کے وقت جوش شہوت کی بنا پر آلہ تناسل سے خارج ہوتی ہے
فَکُنْتُ اَسْتَحْیِیْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے میں شرم آتی
تھی کہ آپ سے یہ دریافت کروں کہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضو لِمَکَانِ ابْنَتِہٖ آپ کی دختر حضرت فاطمہ زہراء
کے میرے پاس موجود ہونے کی وجہ سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال حیا و ادب ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ داماد کا اپنے
سسر سے شہوت اور عورتوں سے متعلق مباشرت وغیرہ کا ذکر مناسب نہیں فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ تو میں نے مقداد بن اسود
رضی اللہ عنہ کو جو مخلصان درگاہ سے تھے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص معین کا نام لیے بغیر یہ مسئلہ دریافت کر کے
آئے فَسَاَلَہٗ تو مقداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا فَقَالَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَغْسِلُ ذَکَرَہٗ
وَیَتَوَضَّاُ جس شخص کی بھی یہ کیفیت ہو وہ اپنا آلہ تناسل دھوئے اور وضو کرے۔ مطلب یہ کہ مذی سے غسل لازم نہیں ہوتا
وَدِی واو اور دال مہملہ کے ساتھ بروزن مذی وہ گاڑھا پانی ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے اس سے بھی غسل واجب
نہیں ہوتا اسی طرح منی بھی اگر دفق (کود کر) اور شہوت کے بغیر خارج ہو تو اس سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا اس حدیث
کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔

۲۸۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَوَضَّاُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ مُحْیِ السُّنَّةِ رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ وضو کرو اس چیز سے جسے آگ نے چھوا ہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ شیخ امام اجل محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث ابن عباس کی حدیث کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن عباس نے کہا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا ایک بازو تناول فرمایا۔ پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

(متفق علیہ)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ۔ حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ اس
چیز کے کھانے سے جسے آگ پہنچی ہو اور جس سے آگ نے مس کیا ہو یعنی جو آگ سے پکی ہو، وضو کرو۔ اسے مسلم نے روایت کیا
اس حدیث کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں وضو سے کھانے کی چکناہٹ دور کرنے کے لیے صرف ہاتھ منہ

دھونا مراد ہے۔ اور یہ سنت ہے اور اسے کھانے کا وضو کہتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ نماز والا وضو ہی مراد ہے اس صورت میں یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ مُحْیُ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ شیخ امام اجل محی السنۃ صاحب مصابیح نے شرح سنت میں فرمایا کہ یہ حدیث جو آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جیسا کہ اس باب کی فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاۃٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے بازو کا گوشت تناول فرمایا ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ پھر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی منسوخ ہے جو فصل مذکور کے آخر میں آرہی ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں میں نے بھنی ہوئی ایک پسلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ نے اسے تناول فرمایا اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

اور اس حدیث کا منسوخ ہونا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا ترک کر دیا تھا بہت صریح اور مفید ہے کہ اس میں بعد میں وضو ترک کر دینا صاف مذکور ہے۔ اور حدیث ابن عباس و ام سلمہ رضی اللہ عنہما میں واضح طور پر معلوم و متیقن نہیں ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لَا۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا ہم بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد ہم وضو کیا کریں۔ فرمایا چاہے تو کر چاہے نہ کر اس شخص نے کہا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر۔ اس شخص نے کہا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں فرمایا ہاں پڑھ لے۔ اس شخص نے کہا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں فرمایا نہ۔ (مسلم)

وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَۃَ رضی اللہ عنہ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں ان کے والد صحابی ہیں کوفہ میں رہائش اختیار کی ۷۴ھ میں وفات پائی اور کہا گیا ہے ۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اَنَّ رَجُلًا

سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ کہ ہم لوگ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ چاہے تو وضو کر لیا کو چاہے تو نہ کیا کر قَالَ اس شخص نے دریافت کیا اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ کیا ہم لوگ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ قَالَ نَعَمْ فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر لیا کرو اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس حدیث کی بنا پر اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر باقی تین ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک رضی اللہ عنہم) کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے یا وضو سے اس کا لغوی معنی (ہاتھ منہ دھونا) مراد ہے۔ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

سوال:۔ لغوی معنیٰ کی صورت میں اونٹ کے گوشت اور بکری کے گوشت میں کیا فرق ہے جبکہ چکناہٹ جو وضو کا سبب ہے دونوں میں موجود ہے لہٰذا اونٹ کے گوشت سے تو وضو لازم ہو جائے مگر بکری کا گوشت کھانے سے وضو لازم نہ ہو حالانکہ علت دونوں میں مشترک ہے اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب:۔ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا حکم اس لیے ہو کہ اونٹ کے گوشت میں قدرے بدبو پائی جاتی ہے مگر بکری کے گوشت میں بدبو نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

قَالَ اس شخص نے پھر سوال کیا اُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ[1] الْغَنَمِ کیا بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ لیا کروں۔ قَالَ آپ نے فرمایا ہاں پڑھ لیا کر قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَبَارِکِ[2] الْاِبِلِ اس شخص نے عرض کیا اونٹوں کی نشست گاہ میں نماز پڑھ لیا کروں فرمایا اس میں نماز نہ پڑھو۔ علماء نے کہا ہے کہ اونٹ کی نشست گاہ میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہ دینا کراہت تنزیہی پر مبنی ہے۔ کراہت کی علت و وجہ اس وقت تشویش اور عدم سکون کا اندیشہ اور حضور قلب کا فقدان ہے کہ اونٹ اِدھر اُدھر بھاگتے اور اچھلتے کودتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس بکریاں سکون و آرام سے کھڑی رہتی ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے اونٹوں کی نشست گاہ میں نماز ادا نہ کرو کہ اونٹ شیاطین میں سے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے یہ بھی ایک روایت میں وارد ہے کہ سیاہ کتا کتوں کا شیطان ہے اور اونٹ چارپاؤں کا شیطان ہے۔ اور بکریوں کی نشست گاہ میں نماز پڑھ لیا کرو کہ بکریاں برکت ہی برکت ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی آیا

[1] مَرَابِضْ جمع مَرْبِضْ بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ (مرقاۃ)۔

[2] مَبَارِکْ مَبْرَکْ کی جمع اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ (مرقاۃ)۔

ہے کہ بکریاں جنت کے چارپاؤں میں سے ہیں۔

۲۸۴۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ اَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور شک میں پڑ جائے کہ پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو مسجد سے نہ نکلے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بو محسوس نہ کرے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَيْئًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص جب پیٹ میں کوئی چیز (ہوا کی گردش اور اس کا دباؤ) محسوس کرے فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ اَمْ لَا اور اسے اس بات کا شبہ پڑ گیا کہ پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ تو مسجد سے ہرگز باہر نہ نکلے۔ یہ وضو نہ ٹوٹنے سے کنایہ ہے کہ مسجد سے باہر آنا وضو لازم ہونے کے باعث ہوتا ہے۔ اس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مومن کی نماز اور اس کی جائے آرام مسجد ہی ہونی چاہیئے۔ یعنی اس کا زیادہ وقت مسجد میں ہی گزرنا چاہیئے۔ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا جب تک کہ آواز نہ سنے یا ہوا کا خارج ہونا اسے محسوس نہ ہو یہ غالب اور اکثر اوقات کے لحاظ سے ہے۔ اصل مقصد ہوا کے خارج ہونے کا یقین ہے۔ ہوا کی آواز سنے یا نہ سنے اور بو آئے یا نہ آئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے وضو کیا ہو اور اس کے ٹوٹنے میں شبہ واقع ہو گیا ہو تو نئے وضو کی ضرورت نہ ہوگی کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا تاہم یہ رعایت اصل جواز کے اعتبار سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نیا وضو کر لینے کی احتیاط کرنا بہتر ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا پھر کلی کی اور فرمایا اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا تو اس کے بعد کلی کی وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا اور فرمایا اس میں چکناہٹ ہوتی ہے جس سے منہ کو صاف کرنا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز

منہ میں چکناہٹ پیدا کرے یا اس کا کچھ حصّہ منہ میں باقی ہو اور اس امر کا اندیشہ ہو کہ یہ پیچھے پیٹ میں اتر جائے گا۔ اگرچہ وہ اتنا قلیل ہو کہ اس سے قرأت میں رکاوٹ پیدا نہ ہو تو بھی اس سے منہ صاف کر لینا مستحب ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۶ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَّمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے چند نمازیں ادا فرمائیں۔ اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے آج وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہ کرتے تھے فرمایا۔ اے عمر میں نے یہ کام دانستہ کیا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ بضم با و فتح را و سکون یا آپ اسلمی ہیں۔ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ کو بیعت رضوان کی سعادت حاصل ہوئی۔ غزوہ خیبر میں شامل تھے مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف سفر ہجرت کے دوران راستے میں آپ اسلام لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتگاری کے سلسلے میں آپ نے بہت سی مساعی جمیلہ بروئے کار لائیں۔ آپ کے باقی حالات دوسری جگہ میں تحریر ہو چکے ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ ۔ یہ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے چند نمازیں ادا کیں۔ ایک روایت میں پانچ نمازوں کی تصریح آئی ہے۔ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بیشک آج آپ نے وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ فرمایا اے عمر میں نے یہ کام دانستہ کیا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے۔ صرف فتح مکہ کے دن تعلیم امت کے لیے آپ نے چند نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔ بعض نے یوں فرمایا ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا آپ پر فرض تھا مگر یہ چیز مشقت کا باعث تھی اس کے بجائے آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور ہر نماز کے لیے تازہ وضو کا حکم واپس لے لیا گیا، سوائے بے وضو ہونے کی حالت کے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیتہ کریمہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلٰى آخرہٖ کے مطابق اولاً تمام مسلمانوں پر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کا حکم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا مگر سورہ مائدہ کے احکام میں نسخ تسلیم کرنا قابل بحث بات ہے۔ واللہ اعلم

۲۸۷ وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک یہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام موضع صہبا میں جو خیبر کے نزدیک ہے پہنچ گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا فرمائی پھر آپ نے کھانے کی چیزیں طلب فرمائیں تو آپ کی خدمت میں صرف ستو پیش کیے گئے۔ آپ نے ان کے گھونٹے کا حکم دیا وہ گھوسے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے پھر آپ مغرب کی نماز کے لیے اٹھے۔ آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی پھر آپ نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔ (بخاری)

وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ نُعْمَانَ سُوَید بضمہ سین مہملہ و فتح واؤ نعمان بضمہ نون۔ آپ انصاری صحابی ہیں۔ بیعت الرضوان اور غزوہ احد میں موجود تھے اور بعد کے تمام غزوات میں بھی شامل تھے۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی روایت کردہ احادیث بھی اہل مدینہ میں مشہور و معروف ہیں۔ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ عَامَ خَيْبَرَ غزوہ خیبر کے سال حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ یہاں تک کہ جب مقام صہبا میں پہنچے صہبا بالفتح بالمد و سکون ہاو مد۔ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صہبا خیبر کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ صَلَّى الْعَصْرَ وہاں آپ نے نماز عصر ادا کی ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ۔ پھر آپ نے کھانے پینے کی چیز طلب کی فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ۔ تو آپ کی خدمت میں ستو کے سوا کوئی چیز پیش نہ کی گئی۔ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ آپ نے ان کے بھگونے کا حکم دیا تو انہیں بھگویا گیا۔ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا۔ تو حضور نے بھی کھایا اور ہم نے بھی ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ پھر آپ مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ پھر آپ نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا اور آپ کی پیروی کرتے ہوئے ہم نے بھی وضو نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم و واجب نہیں ہوتا اسے بخاری نے روایت کیا۔

الفصل الثانی
دوسری فصل

۲۸۸ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْرِيْحٍ . رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو فرض نہیں ہوتا مگر آواز نے یا بو محسوس کرنے سے۔ (احمد و ترمذی)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِيْحٍ
حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو لازم نہیں ہوتا مگر آواز یا ہوا سے۔ یعنی پیٹ میں محض مروڑ پھرنے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ حاشیہ میں مذکور ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیٹ میں مروڑ پھرنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر یہ قول کتاب خرقی اور اس کی شرح میں جو امام احمد علیہ الرحمۃ کے مذہب کی سب سے جامع اور کامل کتاب ہے، موجود نہیں ہے۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔

۲۸۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا مذی سے وضو اور منی سے غسل لازم آتا ہے۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا عَنِ الْمَذِيِّ مذی کا حکم فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مذی سے وضو واجب ہوتا ہے اور منی سے غسل۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منی کا حکم دریافت نہیں کیا تھا مگر حضور علیہ السلام نے مذی کے حکم کی مناسبت اور اس بنا پر کہ اس سے منی کے حکم میں اشتباہ لاحق نہ ہو، منی کا حکم بھی بیان فرمادیا۔
پوشیدہ نہ رہے کہ فصل اول میں گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرم کے باعث خود یہ مسئلہ حضور سے دریافت نہ کیا تھا بلکہ اس کے لیے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ حضور علیہ السلام سے دریافت کریں پس اس حدیث میں سوال کی نسبت اپنی طرف کرنا مجاز ہے یا آپ نے خود یہ سوال کسی دوسرے وقت میں کیا۔ واللہ اعلم۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۲۹۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ

انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز کی چابی وضو، اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام ہے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی، دارمی،

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ۔ نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اسے حضرت علی اور ابوسعید سے روایت کیا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ انہی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی چابی طہارت ہے یعنی جس چیز سے نماز کا دروازہ کھلتا اور اس میں داخل ہونا میسر آتا ہے وہ طہارت اور وضو ہے۔ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ۔ اور وہ چیز جس سے نماز کے علاوہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے تکبیر ہے اسے تکبیر تحریمہ بھی اسی معنی میں کہتے ہیں جیسے حج کے لیے احرام باندھتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت سی وہ چیزیں جو حلال ہوتی ہیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ اور جس سے نماز سے باہر آتے ہیں اور حرام شدہ کام حلال ہو جاتے ہیں سلام ہے جس طرح محرم کے لیے کہ جب احرام کھولتا ہے تو حرام شدہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

اس حدیث کی بنا پر امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہ سلام کو نماز کے فرائض میں شامل کرتے ہیں کہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے باہر آنا سلام کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر احناف کے نزدیک السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب کا حکم یہ ہے کہ اگر عمداً اسے ترک کر دیا جائے تو نماز ہو تو جاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے اور بھول کر ترک کر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور فرض وہ ہوتا ہے جس کے ترک سے نماز بالکل ہوتی ہی نہیں۔ احناف کی دلیل اعرابی کی وہ حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی مگر اس میں سلام کا ذکر نہ کیا۔ اگر سلام فرض ہوتا تو حضور ضرور اس کا بھی ذکر فرماتے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، اور دارمی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی ان سے اور حضرت ابوسعید سے اسے روایت کیا۔

۲۹۱ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وضو کرے اور نہ آؤ عورتوں کے پاس (ان سے جماع نہ کرو) ان کے پیچھے سے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ طلق بفتح طاء وسکون لام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں سے ہیں سے روایت ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ بعض نسخوں میں طلق بن علی آیا ہے اور ان سے خود ایک دوسری حدیث بھی ... کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا فَسَا

اَحَدُکُمْ جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے فَلْیَتَوَضَّأْ تو وضو کرے وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِیْ اَعْجَازِهِنَّ اور عورتوں کے پاس نہ آؤ اور ان سے جماع نہ کرو ان کے دُبُر (پاخانہ کی جگہ سے) اَعْجَاز بفتح عین و ضم جیم ہر چیز کا پچھلا حصہ یہاں دبر مراد ہے جب آپ نے دبر سے ہوا خارج ہونے کا ذکر فرمایا جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ساتھ اس چیز کا بھی ذکر کر دیا جو اعمال بد میں غلیظ تر اور شدید تر ہے اس امر پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ جب ہوا خارج ہونے کی پلیدی قرب الٰہی کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے تو غلیظ اور شدید تر نجاست و پلیدی اس راستے میں کس قدر رکاوٹ بنے گی۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

۲۹۲ وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَیْنَانِ وِکَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَیْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِکَاءُ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ۔

حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سرین کو بند رکھنے والی چیز دونوں آنکھیں ہیں جب آدمی سو گیا تو یہ بند کھل گیا۔ (وضو ٹوٹ گیا) (دارمی)

وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ سُفْیَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَیْنَانِ وِکَاءُ السَّهِ۔ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہیں دونوں آنکھیں مگر دُبُر (جائے پاخانہ) کے منہ کے لیے ڈھکنا وِکاء بکسر واؤ وہ چیز جس چیز سے مشک وغیرہ کا منہ بند کرتے ہیں۔ سَہ سین کے فتح اور ضمہ اور تخفیف ہا کے ساتھ جائے پاخانہ کا حلقہ۔ مطلب اور مقصود یہ ہے کہ جب تک انسان جاگتا رہتا ہے گویا اس کی جائے پاخانہ کا منہ مضبوطی سے بند رہتا ہے اور اس سے ہوا خارج نہیں ہوتی اور جب سو گیا تو بندش ختم ہو گئی اور ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا فَاِذَا نَامَتِ الْعَیْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِکَاءُ جب آنکھ سو گئی تو ڈھکنا کھل گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ یہ حالت جائے پاخانہ کے ڈھیلا ہونے اور اس کے ضبط نہ کرنے کا سبب ہے بخلاف نیند کی دوسری حالتوں کے جیسے بیٹھے ہوئے یا رکوع یا سجدہ مسنون کی حالت میں سونا کہ ان حالتوں میں مقعد (سرین) اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رہتی ہے اسے دارمی نے روایت کیا۔

۲۹۳ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِکَاءُ السَّهِ الْعَیْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْیَتَوَضَّأْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرین کو بند رکھنے والی دو آنکھیں ہیں جب آدمی سو گیا تو وضو کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حکم اس کے لیے ہے جو بیٹھے بیٹھے

فِیْ غَیْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ ثُمَّ یُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّؤُنَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ ذَکَرَ فِیْہِ یَنَامُوْنَ بَدَلَ یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ

نہ سو جائے، کیونکہ حضرت انس سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کی انتظار میں بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کے سر نیند سے جھک جھک جاتے تھے پھر وہ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ مگر ترمذی نے یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ کی جگہ یَنَامُوْنَ کا لفظ ذکر کیا۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِکَاءُ السَّہِ الْعَیْنَانِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جائے پاخانہ کا ڈھکنا آنکھیں ہیں فَمَنْ نَامَ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ تو جو سو گیا وہ وضو کرے اسے ابوداؤد نے روایت کیا قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا فِیْ غَیْرِ الْقَاعِدِ شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم نہ بیٹھے ہوئے آدمی کے لیے ہے۔ یعنی یہ اس سونے والے شخص کا حکم ہے جو بیٹھنے کی حالت میں نیند میں نہ چلا جائے لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ مروی ہے قَالَ کَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ نماز عشاء کی انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور نماز ادا کی جائے۔ اس حالت انتظار میں نیند ان پر غالب آجاتی تھی حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ یہاں تک کہ ان کے سر ان کے سینوں پر گر سے پڑتے تھے۔ ثُمَّ یُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّؤُنَ۔ پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس حدیث میں بیٹھے میں سو جانے والے کی تخصیص اور اس کی نیند کی استثناء کی وجہ بھی معلوم ہوتی اس کے سوا نیند کی وہ تمام حالتیں جن میں سرین اپنی جگہ پر ٹھیک رہتے ہیں بھی اسی پر قیاس کی گئی ہیں یا ان میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم دوسری احادیث سے ثابت ہے اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اِلَّا اَنَّہٗ ذَکَرَ فِیْہِ یَنَامُوْنَ بَدَلَ مگر اتنا فرق ہے کہ ترمذی نے اس حدیث میں اس اگلی عبارت یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ کے بجائے لفظ یَنَامُوْنَ روایت کیا ہے۔ تاہم اس عبارت اور لفظ یَنَامُوْنَ کا معنی ایک ہی ہے یعنی سو جاتے تھے۔

۲۹۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اس شخص پر لازم آتا ہے جو لیٹ کر سو جائے کیونکہ جب وہ اس حالت میں سو جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں (ترمذی، ابوداؤد)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اس شخص پر وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے جو پہلو کے بل سوئے فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ کہ انسان جب پہلو کے بل سو جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے اور سست پڑ جاتے ہیں اور جب جوڑ ڈھیلے اور سست ہو گئے تو اس کے پیٹ کے اندر کی چیز (ہوا) باہر نکل آتی ہے۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

۲۹۵ وَعَنْ بُسْرَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُکُمْ ذَکَرَهٗ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگادے تو وضو کرے۔ مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی۔

وَعَنْ بُسْرَةَ بسرہ بضم با و سکون سین مہملہ بنت صفوان آپ صحابیہ ہیں قریش میں قبیلہ بنی اسد سے ہیں اور ورقہ بن نوفل کے بھائی کی لڑکی ہیں یہ روایت کرتی ہیں کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُکُمْ ذَکَرَهٗ فَلْیَتَوَضَّأْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آلہ تناسل کو چھوئے تو وضو کرے۔ اسے مالک، احمد، ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۲۹۶ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَکَرَهٗ بَعْدَ مَا یَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِّنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ وَقَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوٰی اَبُوْهُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰی اَحَدُکُمْ بِیَدِهٖ اِلٰی ذَکَرِهٖ لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهَا شَیْءٌ فَلْیَتَوَضَّأْ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَالدَّارَقُطْنِیُّ

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرد کے اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگانے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اور نہیں وہ (آلہ) گر مرد کے جسم کا ایک ٹکڑا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اس کی طرح روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ منسوخ ہے۔ کہ کیونکہ حضرت ابوہریرہ حضرت طلق کے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اسلام لائے اور ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جب تم سے کسی کا ہاتھ اس کے آلہ تناسل تک اس طرح پہنچ جائے کہ اس کے اور آلہ مخصوص کے درمیان کوئی

وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ۔

چیز حائل نہ ہو تو وہ وضو کرے۔ اسے شافعی اور دارقطنی نے روایت کیا۔ نسائی نے اُسے بُسرہ سے روایت کیا۔ مگر اس نے لیس بینہ وبینھا شیء کا ذکر نہیں کیا

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهٗ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ

روایت ہے حضرت طلق بن علی سے جو علی بن طلق کے بیٹے ہیں جن کا ایک گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ ان دونوں ناموں کے درمیان جو اشتباہ پایا جاتا ہے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔ ان حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد آدمی اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِنْهُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آلہ تناسل بھی بندے کے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ ایک روایت میں منہ کے بجائے منک آیا ہے اور ترمذی کی روایت میں اِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ اَوْ بِضْعَةٌ بطریق شک راوی آیا ہے۔ مُضغہ بروزن لقمہ گوشت کا اتنا ٹکڑا جو چبایا جائے۔ بضعہ بفتح با و کسرہ با بھی گوشت کے ٹکڑے کے معنی میں آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں بضعہ مُضغہ سے کچھ بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں غرض ارشاد نبوی کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس طرح دوسرے اعضا کو چھونے سے نہیں ٹوٹتا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اسی کی مانند روایت کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا علمائے مذہب کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ صحابہ کرام سے بھی اختلاف منقول ہے اور اس بارے میں احادیث بھی مختلف آئی ہیں۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد اس صورت میں وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں بلکہ امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مطلق شرمگاہ، آلہ تناسل ہو یا جائے پاخانہ یا عورت کی شرمگاہ ہو ان سب کے مس کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک کے مذہب میں عورت کی شرمگاہ مس کرنے سے وضو ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہاتھ کی ہتھیلی آلہ تناسل کو لگ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور امام احمد سے ایک روایت میں مس ذکر سے وضو کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس جماعت آئمہ کی دلیل حضرت بسرہ کی یہ حدیث اور بہت سے صحابہ کرام کا عمل ہے جسے موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے۔ احناف کی دلیل قیس بن طلق بن علی کی حدیث ہے جسے مسند ابوحنیفہ میں ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ سے اس نے قیس بن علی سے اس نے اپنے باپ سے (جس کا ذکر متن میں گزرا) سے اور شمنی نے شرح معانی الآثار طحاوی سے نقل کی کہ قیس بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے علم میں کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے مس ذکر سے وضو ٹوٹنے کا فتویٰ دیا ہو سوائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے۔ انہوں نے اس فتویٰ میں اکثر صحابہ کی مخالفت کی ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنے موطا میں سلف سے اس بارے میں آثار کثیرہ روایت کیے ہیں اور مسند حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں حضرت علی حضرت عمار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ روایت موجود ہے کہ ان حضرات صحابہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اس میں کوئی فرق نہیں سمجھتے کہ اپنی ناک کو ہاتھ لگائیں یا اپنے آلہ تناسل کو یعنی دونوں عضو گوشت کے ٹکڑے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ اے مخاطب اگر تو اپنے آلہ تناسل کو نجس جانتا ہے تو اسے کاٹ دے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی روایت آئی ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود، حذیفہ بن السلیمان، عمار بن یاسر، سعد بن ابی وقاص، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح وغیرہم تابعین رضوان اللہ علیہم سب مذکورہ حضرات کا یہی مذہب ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس اس بارے میں احادیث کا آپس میں مختلف ہونا نسخ کی بنا پر ہے۔ احناف کے مخالفین کہتے ہیں کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حنفیہ کی دلیل ہے منسوخ ہے جیسا کہ مولف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیُ السُّنَّۃِ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ یعنی شیخ امام محی السنۃ نے کہا کہ طلق بن علی کی یہ حدیث منسوخ ہے لِاَنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے کے بعد اسلام لائے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ۷ھ میں غزوہ بدر کے موقعہ پر اسلام قبول کیا اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ ابتدائے ہجرت کے وقت تعمیر مسجد نبوی کے دوران حاضر خدمت ہوئے تھے اس بنا پر حضرت ابوہریرہ کا سماع لازماً طلق کے سماع کے بعد ہوا ہے وَقَدْ رَوٰی اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور بیشک حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے قَالَ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اَفْضٰی اَحَدُکُمْ بِیَدِہٖ اِلٰی ذَکَرِہٖ جب تم سے کوئی شخص اپنا ہاتھ آلہ تناسل تک لے جائے لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا۔ اس حال میں کہ اس کے ہاتھ اور آلہ تناسل کے درمیان کوئی چیز (کپڑا وغیرہ) حائل نہ ہو فَلْیَتَوَضَّأْ تو چاہیے کہ وضو کرے اسے شافعی اور دارقطنی نے روایت کیا۔ اور نسائی نے اس روایت کو بسرہ بنت صفوان سے روایت کیا۔ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ مگر نسائی نے لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا کی عبارت ذکر نہیں کی۔ یہ شافعی حضرات کے مذہب کا بیان ہے۔ احناف رحمہم اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ محض اتنی سی بات سے کہ طلق بن علی حضرت ابوہریرہ سے پہلے اسلام لائے۔ اس امر کا یقین نہیں ہوتا کہ طلق کا سماع بھی ابوہریرہ کے سماع سے مقدم ہے۔ الا یہ کہ طلق کی وفات بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی وفات سے پہلے ثابت ہو جائے۔ یا یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت طلق اپنے وطن واپس جانے کے بعد پھر حضور کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ طلق کا سماع

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سماع کے بعد ہوا اس صورت میں طلق کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی ناسخ ہوگی نہ اس کا عکس۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ بلکہ یوں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضور کا یہ قول مبارک آپ نے کسی دوسرے صحابی سے سنا ہو۔ جس نے طلق کی حدیث سے یہ قول مبارک پہلے سنا ہو۔ اس قسم کی صورتِ حال بہت سی احادیث میں پائی جاتی ہے۔ ایسی روایات کو مراسیل صحابہ کہتے ہیں۔ اصول حدیث کی کتابوں میں بعض لوگوں نے راوی کے تاخر اسلام کو نسخ کا قرینہ قرار دیا ہے۔ ان کے اس قول کو ہماری مذکورہ تحقیق رد کرتی ہے۔

۲۹۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالِ إِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَأَيْضًا إِسْنَادُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ أَبُودَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کو بوسہ دیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا۔ اس حدیث عروۃ از عائشہ کی حالت سند کے اعتبار سے ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح نہیں نیز ابراہیم التیمی کا اسناد حضرت عائشہ سے صحیح نہیں اور ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مرسل ہے۔ اور ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے نہیں سنا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی بعض بیویوں کو چوم لیتے تھے۔ ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ازواج کے لفظ سے حضرت عائشہ اپنی ذات مراد لیتی تھیں۔ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ پھر آپ نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی احناف اور دوسرے آئمہ دین میں مختلف فیہ ہے۔ کہ ہاتھ سے عورت کے جسم کو چھونا وضو کو توڑتا ہے یا نہیں آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے شہوت کے ساتھ مس کرے یا بلا شہوت، اپنی عورت کو چھوئے یا اجنبی کو۔ اس تفصیل کے مطابق جو ان آئمہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اجنبی عورت کو چھونے میں وضو ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ دونوں مرد و عورت بالغ ہوں نابالغ نہ ہوں۔ اور حنفیہ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان آئمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے أَوْ لَامَسْتُمُ

النِّسَاءَ (یا تم عورتوں کو چھولو) لیکن ہمارے نزدیک لمس سے مراد جماع ہے جیسا کہ کتب تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے۔ نیز ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ رات کی نماز (تہجد) کے وقت جب آپ بستر سے بیدار ہوتے میں اس وقت سوئی ہوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ پر ہوتے تھے جب آپ سجدہ میں جانے تھے تو میرے پاؤں ہٹاتے تھے اور میں بھی اپنے پاؤں کھینچ لیتی تھی۔ اور جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو میں پھر اپنے پاؤں آپ کے سجدہ کی جگہ میں پھیلا لیتی تھی۔ آپ پھر ہٹاتے تھے۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ پاؤں پیچھے ہٹانے میں ان سے ہاتھ چھوتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عورت کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو یہاں مذکور ہے اسے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ شافعی حضرات کو اس حدیث میں کلام (اعتراض) ہے۔ جیسا کہ مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے کہا ہے وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالِ إِسْنَادِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ۔ یعنی اس حدیث کا اسناد جسے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں جبیب بن ثابت کی روایت ہے اور حبیب بن ثابت کا سماع حضرت عروہ سے ثابت نہیں ۔ مؤلف کی عبارت سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور و ثابت اور محقق ہے۔ اور یہ معنی ترمذی کی جامع میں نظر کرنے سے بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے شرح میں نقل کیا ہے۔

اور اس حدیث کو ابراہیم تیمی نے جو زاہد عالم اور تابعین میں ثقہ لوگوں سے ہوئے ہیں، نے بھی حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ مگر ترمذی نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا أَيْضًا إِسْنَادُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا یعنی یونہی ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ سے روایت کرنا بھی درست اور صحیح نہیں وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ یعنی ابو داؤد نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس بنا پر کہ اسے ابراہیم التیمی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس کا حضرت عائشہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس کلام و اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مرسل حدیث بھی ہمارے ہاں مقبول و معتبر ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض ٹھیک نہیں۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

۲۹۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَوَاهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا ایک بازو تناول فرمایا۔ پھر ایک ٹاٹ سے جو آپ کے نیچے تھا، دست مبارک صاف کیا پھر آپ کھڑے

اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔ ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتِفًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانے کا گوشت کھایا ثُمَّ مَسَحَ یَدَہٗ بِمِسْحٍ کَانَ تَحْتَہٗ، مسح بکسر میم وسکون سین یعنی پھر آپ نے اپنے دست مبارک ملے اور صاف کیے ایک ٹاٹ سے جو آپ کے پاؤں مبارک کے نیچے تھا۔ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے کی اس چیز میں چکناہٹ نہ ہو جس سے ہاتھ اور منہ کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ہاتھ منہ دھونا بھی ضروری نہیں ہے۔ مسح بکسر میم بمعنی پلاس اور فارسی میں پلاس گلیم (گودڑی) کو بھی کہتے ہیں اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۲۹۹ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ میں نے بکری کا بھنا ہوا ایک پہلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا۔ آپ نے اس میں سے کھایا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور وضو نہ کیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بھنا ہوا پہلو پیش کیا آپ نے اس سے کھایا پھر اٹھ کر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اسے احمد نے روایت کیا۔

تیسری فصل

۳۰۰ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اَشْھَدُ لَقَدْ کُنْتُ اَشْوِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاۃِ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کے پیٹ کا گوشت بھونتا تھا پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا (مسلم)

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ حضرت ابورافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ قول مشہور کے مطابق ان کا

نام اسلم ہے۔ ابورافع کنیت نام پر غالب آچکی ہے۔ آپ قبطی ہیں۔ پہلے آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے پھر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ اور جب ابورافع نے حضرت عباس کے اسلام کی حضور کو خبر دی تو آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ ابورافع غزوہ اُحد اور اس کے بعد ہونے والے غزوات میں شریک ہوئے۔

قَالَ اَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ اَشْوِي لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ ابورافع سے روایت ہے انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کا شکم بھونا کرتا تھا۔ شکم سے مراد دل جگر وغیرہ ہیں۔ پھر آپ نے کھایا اور نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۰۱ وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اَبَا رَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي عُبَيْدٍ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ انہیں ایک بکری بطور ہدیہ دی گئی۔ آپ نے اسے ہنڈیا میں ڈالا۔ (اتنے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا اے ابورافع یہ کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایک بکری ہے جو تحفہ کے طور پر ہمیں دی گئی ہے۔ میں نے اسے ہانڈی میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابورافع مجھے (کھانے کو اس کا) بازو دے۔ میں نے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دوسرا بازو بھی دے۔ میں نے دوسرا بھی پیش کر دیا۔ پھر فرمایا مجھے اور بازو بھی دے ابورافع نے کہا۔ یا رسول اللہ بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو اگر تو خاموش رہتا تو مجھے بازو کے بعد بازو دیتا رہتا جب تک کہ خاموش رہتا۔ پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور کلی کی اور اپنی انگلیوں کے کنارے دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاں ٹھنڈا گوشت پایا اس سے بھی تناول فرمایا پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی اور پانی کو نہ چھوا اسے احمد نے روایت کیا اور دارمی نے اسے ابوعبید سے روایت کیا مگر اس نے ثم دعا بماء الی آخرہ کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ۔ ابورافع سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ایک بکری بطور ہدیہ بھیجی گئی۔ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ تو ابورافع نے اسے ہانڈی میں ڈالا تاکہ پک جائے۔ فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تھوڑی دیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اَبَا رَافِعٍ اور فرمایا اے ابورافع یہ ہانڈی میں کیا چیز ہے۔ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا ابورافع نے کہا یارسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں ہدیے کے طور پر دی گئی ہے۔ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ تو میں نے اسے ہانڈی میں پکالیا ہے۔ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فرمایا اے ابورافع اس کے بازو کی ہڈی مجھے دے تاکہ میں کھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بازو کا گوشت اس بنا پر پسند تھا کہ یہ جلدی پک جاتا اور نرم ہوتا ہے۔ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ تو میں نے آپ کو بکری کا بازو پیش کر دیا۔ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ۔ پھر آپ نے فرمایا دوسرا بازو بھی مجھے دے فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ تو میں نے آپ کو دوسرا بازو بھی دے دیا۔ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ پھر فرمایا مجھے اس کا اور بازو بھی دے۔ فَقَالَ ابورافع نے عرض کیا يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے تو دو ہی بازو ہوتے ہیں، اور وہ دونوں آپ کو دے چکا ہوں۔ مزید کہاں سے دوں۔ فَقَالَ لَهٗ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہ کہ اگر تو خاموش رہتا اور یہ نہ کہتا کہ بکری کے صرف دو ہی بازو ہوتے ہیں تو جب تک تو خاموش رہتا مجھے بازو دیتا ہی رہتا۔ یعنی جتنی دفعہ بھی میں تجھ سے بازو طلب کرتا تو مجھے دے دیتا اور یہ بطور معجزہ ہوتا گویا عالم غیب سے خرق عادت کے طور پر کسی شے کا ظہور اس کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کا انکار نہ کیا جائے اور اس میں شک و تردد نہ آنے دیا جائے تاکہ اذہان یقین میں خلل واقع نہ ہو واللہ اعلم

ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا فَمَضْمَضَ فَاهُ اور منہ مبارک میں کلی کی۔ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ اور ہاتھوں کی انگلیاں دھوئیں ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد سارا ہاتھ دھونا ضروری نہیں بلکہ جتنے حصے کو چکناہٹ لگی ہو صرف اسے ہی دھو لینا کافی ہو جاتا ہے ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا نماز سے فراغت کے بعد پھر آپ حضرت ابورافع کے اہل و عیال کے پاس تشریف لے گئے تو ان کے پاس ٹھنڈا گوشت پڑا ہوا دیکھا۔ فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً آپ نے اس ٹھنڈے گوشت میں سے کھایا پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور پانی کو ہاتھ نہ لگایا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ اس حدیث کو احمد نے ابورافع سے روایت کیا۔ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي عُبَيْدٍ اور دارمی نے ابو عبید سے روایت کیا اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا

بِمَا إِلَى آخِرِہٖ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ دارمی نے یہ عبارت ذکر نہیں کی۔ یعنی ثُمَّ دَعَا سے آخر تک۔

۳۰۲ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأُبَيٌّ وَأَبُوْ طَلْحَةَ جُلُوْسًا فَأَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِيْ أَكَلْنَا فَقَالَا أَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں اور اُبَی اور ابو طلحہ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت اور روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگوا لیا تو ان دونوں نے کہا کس لیے وضو کرتے ہو میں نے کہا اس کھانے کے لیے جو ہم نے کھایا اس پر ان دونوں حضرات نے کہا کیا تو پاک چیزیں کھانے سے وضو کرتا ہے۔ جو تجھ سے بہتر ہستی تھی اس نے اس سے وضو نہ کیا۔ (احمد)

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأُبَيٌّ وَأَبُوْ طَلْحَةَ جُلُوْسًا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اور اُبَی بن کعب اور ابو طلحہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جلوس جالس کی جمع ہے فَأَكَلْنَا لَحْمًا وَّخُبْزًا پھر ہم نے گوشت اور روٹی کھائی۔ ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ پھر میں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ تو دونوں یعنی ابی بن کعب اور ابو طلحہ نے مجھ سے کہا تو کس لیے وضو کرتا ہے۔ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِيْ أَكَلْنَا۔ میں نے کہا میں اس لیے وضو کرتا ہوں کہ ہم نے یہ کھانا کھایا ہے۔ فَقَالَا أَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ انہوں نے کہا کیا تو پاک حلال چیز کھانے کے بعد وضو کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ حالانکہ ایسے موقع پر اس ہستی نے وضو نہیں کیا جو تجھ سے بہتر و خیر ہے یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جن بعض احادیث میں ایسے مواقع میں مخصوص طور کے وضو کرنے کا ذکر آیا ہے اس سے منہ دھونا مراد ہے۔ یا یہ احادیث ان احادیث کی ناسخ ہیں۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ اسے احمد نے روایت کیا۔

۳۰۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهٗ وَجَسُّهَا مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَأَتَهٗ أَوْ جَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مرد کا اپنی عورت کو چومنا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست میں سے ہے اور جس نے بھی اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اسے ہاتھ سے چھوا اس پر وضو ہے۔ (مالک و شافعی)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے كَانَ يَقُوْلُ وہ فرماتے تھے قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهٗ مرد کا اپنی عورت کو بوسہ دینا وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ اور مرد کا عورت کو ہاتھ لگانا

مِنَ الْمُلَامَسَۃِ۔ ملامست میں داخل ہے یعنی اس ملامست میں شامل ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت اَوْلَامَسْتُمُ النِّسَاءَ میں کیا ہے۔ اور اس ملامست کی بنا پر وضو کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کے بعد خود ہی حضرت ابن عمر نے یہ بات بیان کر دی۔ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَاتَہٗ اَوْجَسَّہَا بِیَدِہٖ فَعَلَیْہِ الْوُضُوْءُ جس نے اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اپنے ہاتھ سے اس کے جسم کو چھوا تو اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ رَوَاہُ مَالِکٌ شَافِعِیُّ اسے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے روایت کیا۔

۳۰۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کَانَ یَقُوْلُ مِنْ قُبْلَۃِ الرَّجُلِ امْرَاَتَہُ الْوُضُوْءُ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے۔ مرد کے اپنی عورت کو بوسہ دینے سے وضو ہے۔ (مالک)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کَانَ یَقُوْلُ مِنْ قُبْلَۃِ الرَّجُلِ امْرَاتَہُ الْوُضُوْءُ۔ کہ مرد کے اپنی عورت کو بوسہ دینے سے وضو لازم ہو جاتا ہے۔

۳۰۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ۔ اِنَّ الْقُبْلَۃَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْہَا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت کو چومنا لمس میں سے ہے۔ اس سے وضو کرو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَۃَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْہَا۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عورت کو بوسہ دینا بھی اس لمس میں داخل ہے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے۔ تاہم انہوں نے اسے اجنبی عورت سے مخصوص کیا ہے۔ مگر یہ آثار و روایات اجنبی و غیر اجنبی عورت کی تخصیص کے بغیر لمس کی صورت میں وضو ٹوٹنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک یہ مذکورہ آثار صحت کو نہیں پہنچے چنانچہ مسند ابی حنیفہ میں عطا بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیْسَ فِی الْقُبْلَۃِ وُضُوْءٌ عورت کو بوسہ دینے سے وضو لازم نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے لیے ناسخ ہو جو اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ اور جو کچھ اس بارے میں مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے بیان کیا ہے وہ نسخ سے قبل کے دور کی بات ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۰۶ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ رَوَاہُمَا

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے وہ تمیم داری سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے۔ ان دونوں احادیث کو

الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَآهُ وَيَزِيدُ ابْنُ خَالِدٍ وَّيَزِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَّجْهُوْلَانِ۔

دارقطنی نے روایت کیا۔ اور کہا عمر بن عبد العزیز نے تمیم داری سے نہیں سنا اور نہ اسے دیکھا اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں راوی مجہول ہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے۔ اس حدیث میں بیان شدہ یہ حکم بھی حنفی مذہب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے نزدیک صرف اس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے جو بول یا پاخانے کے راستے خارج ہو۔ چاہے وہ عادۃً نکلنے والی چیز ہو یا غیر عادۃً نکلنے والی۔ اور ہمارے مذہب کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں بھی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس میں قیل و قال کی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے کیا۔ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَآهُ اس حدیث اور حدیث سابق کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا عمر بن عبد العزیز جو مشہور اموی خلیفہ ہیں، نے یہ حدیث تمیم داری سے جو صحابی ہیں، نہیں سنی اور نہ ہی تمیم داری رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات پا گئے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۶۲ھ ہجری میں ہوئی۔ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ وَّيَزِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَّجْهُوْلَانِ۔ یزید بن خالد اور یزید بن محمد جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں دونوں مجہول ہیں۔ ہماری طرف سے اس جرح کا جواب یہ ہے کہ ہم احناف کے نزدیک مرسل حدیث مقبول و معتبر ہے۔ اور ان دونوں راویوں کی جہالت میں بھی اختلاف ہے۔

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَاءِ

آدابِ خلاء کا باب

آداب ادب کی جمع ہے ادب بمعنی ہر چیز کی حدِ نگاہداشت وحفاظت۔ بعض نے کہا ادب گفتار و کردار کی ہر اچھائی کو ملحوظ رکھنے کا نام ہے۔ اس لفظ کے معانی کی تفصیل ان شاء اللہ نسائی کتاب الآداب میں آئے گی۔ خلاء بفتح وہ استنجے کی جگہ اور اس کے لغوی معنی خالی جگہ کے ہیں۔

پہلی فصل

۳۰۷ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَآءِ وَاَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَاْسَ لِمَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ارْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَۃَ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پشت بلکہ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف۔ بخاری و مسلم۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث صحرا کے بارے میں ہے عمارتوں کے اندر کوئی حرج نہیں اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں اپنے کسی کام سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کیے قضائے حاجت کر رہے تھے۔

(بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ ... صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ حضرت

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ غائط قضائے حاجت کے لیے آؤ۔ غائط لغت میں نشیبی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ لوگوں سے خارج ہونے والی پلیدی پر بولا جانے لگا کہ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ قضائے حاجت کے لیے ایسی ہی جگہ میں آکر بیٹھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم لوگ غائط (پاخانے) کے لیے کسی جگہ کی طرف آؤ بول بھی اسی میں شامل ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح آگے آرہی ہے۔ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پشت۔ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْغَرِّبُوْا بلکہ بحالت قضائے حاجت اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف۔ مگر یہ حکم مدینہ مطہرہ علی ساکنہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے قبلہ جانب جنوب ہے۔ اور مدینہ شریف قبلہ سے جانب شمال واقع ہے۔ اور جب اس حدیث کے مطابق بحالت قضائے حاجت قبلہ شریف کی طرف منہ اور پشت کرنا منع ہے تو مشرق و مغرب کی طرف ہی رخ کرنا ہو گا۔

ہمارے علاقوں میں چونکہ قبلہ شریف جانب مغرب ہے۔ لہٰذا یہاں اگر منہ اور پشت مشرق یا مغرب کی طرف کریں گے تو منہ اور پشت قبلہ شریف کی طرف ہو گی جو کہ منع ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ شیخ امام محی السنہ یعنی صاحب مصابیح نے فرمایا ہے۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ فِي الصَّحْرَاءِ کہ قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے ممانعت کا حکم صحراء اور کشادہ جگہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ وَاَمَّا فِي الْبُنْيَانِ فَلَا بَاْسَ دیواروں مکانوں اور عمارتوں کے اندر قضائے حاجت کے وقت منہ یا پشت قبلہ شریف کی طرف کرنے میں کوئی حرج نہیں لِمَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِيْ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو امہات المومنین میں سے ہیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں کے مکان پر اپنے کسی کام کے لیے چڑھا۔ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا يَقْضِيْ حَاجَتَهٗ کہ آپ قضائے حاجت کر رہے تھے۔ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ اس وقت آپ کی پشت جانب قبلہ اور منہ شام کی طرف تھا۔ اور مکہ معظمہ شام کے بالمقابل جانب جنوب واقع ہے۔ اس طرح کہ اگر رخ قبلہ کی طرف ہو تو پشت شام کی طرف ہو گی۔ اور اگر پشت قبلہ کی طرف ہو گی تو منہ شام کی طرف ہو گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے وقت گھروں اور مکانات میں قبلہ کی طرف پشت کرنا درست ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ قبلہ شریف

کی طرف رخ و پشت کرنا مطلق منع ہے پیشاب کے وقت بھی اور پاخانے کے وقت بھی۔ صحرا میں بھی اور گھروں اور عمارتوں میں بھی۔ اور امام شافعی کے نزدیک صحرا میں منع ہے اور گھروں میں اجازت ہے۔ صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء ہر جانب گئے ہیں۔

امام احمد کی ایک روایت کے مطابق پشت کر لینے کی اجازت ہے۔ منہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اور شمنی نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ پشت کر لینے میں کراہت نہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر اچانک غفلت میں قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تو چاہیئے کہ فوراً بقدر امکان قبلے کی طرف سے پھر جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث نہی ہے جو ابھی گزری سو اس حدیث میں صحرا اور گھر و عمارت کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ بلکہ مطلق فرمایا۔ ممانعت کی اس حدیث کو صحابہ کرام کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔ نیز ممانعت و نہی کی علت قبلہ کی تعظیم اور اس جانب کا احترام ہے۔ اور گھر و صحراء میں اس بات کے اندر کوئی فرق نہیں جس طرح جانب قبلہ تھوکنا اور اس طرف پاؤں دراز کرنا ہر حالت میں بے ادبی ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کا یہ فعل نہی سے پہلے کا ہو۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ فعل نہی کے بعد کا ہے۔ تو شاید آپ جانب قبلہ سے تھوڑے سے مڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ابن عمر اسے محسوس نہ کر سکے۔ اور اس میں تعمق نظر سے کام نہ لیا۔ اور ایسے مقام کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ تعمق و تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور اس مقام کی شرح میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

۳۰۸ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں منع فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم لوگ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم لوگ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جو اکابر صحابہ میں سے ہیں (آپ کے حالات دوسرے مقام پر لکھ دیے گئے ہیں) روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں منع فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم لوگ پاخانے اور پیشاب کے وقت قبلہ شریف کی طرف منہ کریں۔ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اور ہمیں دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا۔ بعض روایات میں

و نستنجی کے بجائے اَوْ نَسْتَنْجِیْ کا لفظ آیا ہے۔ اور بول سے استنجاء کرنے کی صورت میں اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اگر استنجا مٹی کے ڈھیلے سے کرے گا تو آلہ تناسل دائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔ اور یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ڈھیلا دائیں میں لے اور عضو کو بائیں سے پکڑ کر حرکت دے اور عضو مخصوص کو ڈھیلے تک لے جائے نہ کہ ڈھیلے کو عضو تک۔ اور بعض علماء نے کہا ہے۔ دائیں ہاتھ سے ممانعت پاخانے سے ہے۔ بول سے نہیں مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اور بعض شارحین نے استنجا کے طریقہ کے بیان میں اور بہت سے تکلفات کیے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ بائیں ہاتھ میں ڈھیلہ پکڑنا اور بائیں سے ہی استنجا بھی ممکن ہے۔ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس مقام سے متعلق پوری گفتگو شرح میں کردی گئی ہے۔

استنجا نجو، فتح نون و سکون جیم سے مشتق ہے۔ یعنی وہ چیز جو پیٹ سے نکلے۔ اس پر سین طلب کے لیے ہے یعنی ازالۂ نجاست کے لیے اس کا اخراج چاہنا اور نجو درخت کاٹنے اور بکری کا چمڑہ اتارنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چونکہ استنجا نجاست کو ختم کرتا اور اسے لے جاتا ہے اس لیے اس عمل کو استنجا کہا گیا۔ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَۃِ اَحْجَارٍ اور ہمیں تین عدد سے کم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں استنجاء کے لیے تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور احناف کے نزدیک نظافت و پاکیزگی شرط ہے اگر یہ مقصد تین سے کم سے بھی حاصل ہو جائے تو تین کا عدد پورا کرنا کوئی ضروری نہیں۔ اس حدیث کی بنا پر جو بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لائے۔ اور مجھے فرمایا تین پتھر اٹھا کر لاؤ مجھے صرف دو پتھر ملے۔ اور میں ساتھ کچھ گوبر بھی اٹھا لایا۔ آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر واپس کر دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ دو پتھر بھی کفایت کر سکتے ہیں۔ تین کا ہونا ضروری نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل حضرت سلمان کی یہ حدیث اور حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو چاہیئے کہ تین عدد پتھروں سے استنجا کرے۔ مگر یہ دلیل اس وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ نہی حرمت کے لیے اور امر وجوب کے لیے ہو۔ مگر یہ ممکن ہے نہی کراہت کے لیے اور امر استحباب کے لیے ہو۔ اس بارے میں مختلف احادیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہی توجیہ کرنی چاہیئے۔ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔ اور ہمیں گوبر اور آدمی کے پاخانے یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اس نہی کی علت بعض تو یہ بیان کرتے ہیں کہ گوبر اور آدمی کا پاخانہ

نجس ہیں، اور ہڈی ایسی ملائم اور صاف چیز ہے کہ نجاست کو دور نہیں کر سکتی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ نہی کی علت یہ ہے کہ یہ چیز جنات کی خوراک ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث سے جو آگے آرہی ہے، معلوم ہوگا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۰۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ۔ جب قضائے حاجت کی جگہ میں پہنچتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ (اے میرے اللہ میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں خبث سے اور خبائث سے) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ خُبُث بضم خ و با خبیث کی جمع بلفظ مذکر۔ اور خبائث خبیثہ کی جمع بلفظ مؤنث۔ اور یہاں مذکر و مؤنث سے شیاطین کے ذکور و اناث مراد ہیں۔ کہ ان سے انسان پناہ لیتا ہے۔ اور خُبْث بضم خا و سکون با بھی ایک روایت ہے بمعنی پلیدی۔ اور ہو سکتا ہے خُبُث بضم با کا مخفف ہو۔ اور اس وزن میں ضمہ اور سکون دونوں آتے ہیں۔ جس طرح لفظ کتب، رسل اور سبل ہیں۔ اور اس سے پناہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ بیت الخلاء اور گندی جگہیں شیاطین کے اجتماع کی جگہیں ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں صریحاً یہ بات مذکور ہوئی ہے۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ جمہور علماء جو ان جگہوں میں ذکر خدا سے منع کرتے ہیں۔ وہ اس میں یہ تفصیل کرتے ہیں کہ وہ جگہیں جو بول و براز کے لیے متعین ہیں جیسے بیت الخلاء تو یہ دعا ان میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے۔ اور اگر صحرا یا کھلی جگہ میں ہو تو پھر کپڑا اٹھانے سے پیشتر پڑھے۔ علماء نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی شخص ابتداء میں یہ دعا پڑھنا بھول جائے تو دوران قضائے حاجت دل میں پڑھے زبان سے نہ پڑھے۔ اور جو حضرات منع نہیں کرتے بلکہ ذکر خدا کو ہر جگہ جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے تو اس صورت میں مذکورہ تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِیْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ اور کسی مشکل اور بھاری کام (گناہ)

مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَۃً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

کی پاداش میں ان کو عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو بول سے نہ بچتا تھا۔ مسلم کی ایک روایت میں لا یستنزہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی بول سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ اور دوسرا چغلخوری کا عادی تھا۔ پھر آپ نے ایک تر شاخ لی اور اسے توڑ کر دو ٹکڑے کیا پھر ہر ایک کی قبر میں ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا امید ہے کہ جب تک دونوں ٹکڑے خشک نہ ہونگے اس وقت تک ان دونوں سے عذاب ہلکا کر دیا جائیگا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا بِقَبْرَیْنِ دو قبروں کے پاس سے۔ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آپ نے فرمایا اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ بیشک ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ۔ اور انہیں کسی بڑے گناہ کے بدلے عذاب نہیں ہو رہا۔ یعنی جو ان کے گمان کے مطابق کوئی بڑا گناہ نہ تھا۔ یا ایسا گناہ نہ تھا جس سے بچنا اور پرہیز کرنا مشکل اور دشوار تھا۔ ورنہ اس عبارت وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ کا یہ مطلب نہیں کہ دین اسلام میں یہ گناہ معمولی نوعیت کا ہے اور اس میں چنداں برائی نہیں ہے۔ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ جسم کو بول سے آلودہ کرنا اور چغل خوری کی عادت دین میں نہایت شنیع اور قبیح امور میں سے ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ۔ ان دو قبروں والوں میں سے ایک کا حال تو یہ تھا کہ بول کے وقت پردہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ شرمگاہ ننگی کر کے بیٹھ جاتا تھا۔ یا اپنے اور بول کے درمیان پردہ نہ کرتا تھا یعنی اپنے آپ کو بول کے چھینٹوں سے محفوظ نہ رکھتا تھا۔ اور اس میں احتیاط نہ کرتا تھا۔ اور یہ معنی زیادہ مناسب مقام ہے مسلم شریف کی حدیث کی بنا پر۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ اور مسلم کی روایت میں ہے لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ کہ یہ شخص بول سے پاکیزگی اور صفائی کی چاہت نہ رکھتا تھا اور بول و استنجا میں بے احتیاطی سے کام لیتا تھا۔ ایک اور روایت میں لَا یَسْتَبْرِءُ آیا ہے جو براءت سے مشتق ہے براءت و نزاہت دونوں قریب المعنی ہیں۔ اور ایک روایت میں لَا یَنْتَتِرُ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی دو تا کے درمیان نون کے ساتھ اور استنثار جھاڑنے اور آلہ تناسل کو زور سے دبانے کے معنی میں آتا ہے۔ تاکہ بول کا کوئی قطرہ اندر نہ رہے بلکہ سب کا سب باہر آ جائے۔

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ۔ اور دوسری قبر والا شخص لوگوں کی عیب چینی اور چغلخوری کیا کرتا تھا۔ نَمَّ نَمِیْمَۃً۔ یعنی فساد پھیلانے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ایک بات دوسرے تک پہنچانا اور نقل کرنا یہ چغلخوری

اور عیب چینی نہایت ہی قبیح اور شنیع عادت ہے اور بعض کے نزدیک کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور قرآن حکیم میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ۔ عیب چینی کرنے والا چغلخوری کا ارتکاب کرنے والا۔ حدیث میں وارد ہے اللہ تعالیٰ دوغلے انسان پر اپنی نظر رحمت نہیں ڈالتا۔ اور بخاری اور مسلم شریف میں ایک جگہ آیا ہے کہ عیب چین انسان بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار سے دریافت کیا کہ تو نے تورات میں سب سے بڑا گناہ کونسا دیکھا ہے۔ عرض کیا لوگوں کی عیب چینی کرنا فرمایا کیا یہ قتل سے بھی بدتر ہے۔ عرض کیا دوسرے کا عیب بیان کرنے سے قتل تک نوبت بھی پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں رونما ہوتی ہیں۔ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً پھر آپ نے درخت کھجور کی ایک تر شاخ ہاتھ میں لی۔ فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً۔ اور پھر ہر ایک قبر میں ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ قَالُوْا صحابہ کرام نے عرض کی يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ یعنی ہر قبر میں شاخ کا ایک ٹکڑا گاڑھنا کس لیے ہے۔ فَقَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ فرمایا میں نے یہ کام اس امید پر کیا ہے کہ جب تک یہ ٹکڑے تر رہیں اُس وقت تک عذاب قبر ان پر ہلکا کر دیا جائے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔

اس حدیث کی توجیہہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ ان ٹکڑوں کے تر رہنے کی مدت کے ساتھ تخفیف عذاب کی امید کیوں وابستہ کی۔ بعض لوگ اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ اس امید کی وجہ یہ ہے کہ نباتات جب تک تر رہتے ہیں حق تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ اور آیہ کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ میں لفظ شئے سے زندہ شئے مراد ہے اور لکڑی خشک ہونے تک زندہ رہتی ہے۔ اور پتھر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح تو زندہ اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عام تسبیح یعنی صانع کے وجود، اس کی وحدت اور اس کی صفات کمال پر دلالت کرنا ہے اور یہ جماعت اس حدیث کی رُو سے سبزہ اور گل و ریحان قبور پر ڈالنے کو جائز قرار دیتی ہے اور امام خطابی نے جو اہل علم کے آئمہ میں سے اور شارحین حدیث کے پیشواؤں میں سے ہیں، اس قول کو رد کیا ہے اور اس حدیث کی رُو سے قبور پر پھول وغیرہ تمام اشیاء ڈالنے کی دلیل کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس بات (قبور پہ پھول ڈالنے) کی کوئی اصل اور سند نہیں ہے۔ اور صدر اول میں یعنی دور صحابہ میں ایسی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس مدت اور وقت معین کی بنا اس امر پہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو افراد کے عذاب ہلکا ہونے کے لیے شفاعت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اس شاخ کے خشک ہونے تک حضور کی شفاعت قبول کرلی۔

کلمۂ اول اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ایک لکڑی کے اندر عذاب دور کرنے کی خاصیت نہیں ہو سکتی۔ اور عذاب میں یہ تخفیف جو انہیں نصیب ہوئی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے ہوئی۔ بیت

اگر تو دست بسائی بگورِ مردہ دلاں
روانِ مردہ درآید بعیش در بدنش

"اے محبوب اگر تو مردہ دلوں کی قبر کو ہاتھ لگا دے۔ تو ان کے مردہ جسموں میں دوبارہ زندگی کی لہر لوٹ آئے گی"

بعض علماء فرماتے ہیں قبر پر تر شاخ گاڑھنے میں کیا اسرار اور راز مضمر تھا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی بہتر جانتی ہے۔

اور کتاب جامع الاصول میں حضرت بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ روایت درج ہے کہ انہوں نے اپنی قبر پر دو شاخیں گاڑھنے کی وصیت کی تھی کہ شاید اس میں کوئی راز ہو اور یہ حیلہ ہی ذریعہ نجات بن جائے۔ ع

دلِ عشاق حیلہ گر باشد
عاشقوں کا دل حیلے گر ہوتا ہے

۳۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لعنت ڈالنے والے دو کاموں سے بچو لوگوں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ۔ لعنت والے وہ دو کام کونسے ہیں۔ فرمایا ایک تو وہ جو لوگوں کے راستے میں بول یا پاخانہ کرے دوسرا وہ جو ان کے سایہ میں ایسا کرے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزوں سے بچو جو لعنت اور نفرت کا سبب بنتی ہیں۔ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہ دو چیزیں کیا ہیں قَالَ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ۔ وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایے میں قضائے حاجت کرتا ہے۔ یعنی اس درخت کے نیچے جس کے سایے میں لوگ بیٹھتے اور مجلس لگاتے ہوں۔ اور اس کے

نیچے سوتے ہوں۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ہر قسم کے سایہ میں قضائے حاجت کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے۔ ظِلِّھِمْ کی وضاحت بھی اس معنی کے مناسب ہے۔ علماء نے یہاں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ راستے سے بھی چالو اور جاری راستہ مراد ہے۔ جس راستے کو چھوڑ دیا گیا ہو اور شاذ و نادر ہی کوئی اس پر سے گزرتا ہو تو ایسے راستے میں قضائے حاجت میں حرج و ممانعت نہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ راستے سے مسلمانوں کا راستہ مراد ہے نہ کہ کفار کا۔ جیسا کہ مجمع البحار میں ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۱۲ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسَّ ذَكَرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب قضائے حاجت کے لیے آئے تو اپنے آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ نہ لگائے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ ابو قتادہ بن نعمان انصاری ظفری اہل عقبہ و بدر میں سے ہیں۔ انہیں تمام غزوات میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بدر یا احد کے روز زخم کی وجہ سے آپ کی ایک آنکھ باہر نکل آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پکڑ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا تو وہ دوسری تندرست آنکھ سے بھی زیادہ بہتر ہو گئی۔ آپ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی ہیں آپ نے ۲۳ھ میں وفات پائی۔ ابو قتادہ انصاری سلمی دوسرے شخص ہیں اور یہ دوسرے بھی صحابہ میں سے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑ سوار مجاہدوں میں سے ہیں۔ آپ کے غزوہ بدر اور احد میں شرکت میں اختلاف ہے۔ باقی تمام غزوات میں بالاتفاق آپ شریک ہوئے ہیں۔ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔ اور آپ کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ یہاں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ اس حدیث میں ان دونوں حضرات میں سے کونسے ابو قتادہ مراد ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہ مقامِ غور و تامل ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ ۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ بلکہ سانس کے لیے منہ برتن سے الگ کرے۔ تاکہ منہ یا ناک سے کوئی خلافِ طبیعت چیز پانی میں نہ گر پڑے۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین بار سانس لیتے تھے تو اس کا مطلب

یہ ہے کہ آپ کوزہ کو منہ مبارک سے الگ کر کے سانس لیتے تھے۔ اور پانی پیتے وقت تین سانس لیتے تھے۔ اس کی مکمل بحث باب الاشربۃ میں آئے گی۔ وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے آئے تو دائیں ہاتھ سے اپنا آلہ تناسل نہ پکڑے۔ کہ اس موقعہ پر ہاتھ آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور دائیں ہاتھ آلودگی کے لیے نہیں بلکہ پاک اور طیب کاموں کے لیے بنا ہے۔ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ اور دائیں ہاتھ سے استنجا بھی نہ کرے۔ سبول سے استنجا کرنے کا طریقہ تو بیان ہو چکا کہ جس میں نہ تو دائیں ہاتھ آلہ تناسل کو لگانا پڑتا ہے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا پڑتا ہے۔ اور بڑے پیشاب کے استنجا کا معاملہ تو بلا اشکال زیادہ ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ بالکل نہ چاہیئے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۳۱۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اسے چاہیے کہ ناک صاف کرے اور جو استنجا کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا تو چاہیئے کہ ناک صاف کرے۔ استنثار بثائے ثلاثہ بمعنی ناک صاف کرنا۔ گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے استنثار کا معنی ناک صاف کرنے کے معنی کو شامل ہے۔ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ۔ اور جس نے استنجا کیا پتھر یا ڈھیلے کے ساتھ تو چاہیئے کہ تین سے کم نہ ہوں۔ اس عدد کے بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو چکی ہے۔ استجمار یعنی جمار (پتھر) استعمال کرنا یعنی اس کے ساتھ استنجاء کرنا۔ اور خوشبو سونگھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں استجمار جمرہ بمعنی انگارہ سے مشتق ہوگا۔ بعض علماء نے اس حدیث کو اسی دوسرے معنی پر محمول کیا ہے۔ اس دوسرے معنی سے متعلق پوری گفتگو کتاب اللباس کے باب الترجل کی فصل اول میں آئے گی۔ یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے۔

۳۱۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلا میں داخل ہوتے تو میں اور ایک بچہ پانی کا برتن اور ایک چھڑی اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ پانی کے ساتھ استنجا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً

مِنْ مَآءٍ وَ عَنَزَۃً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے اور میں نے اور ایک بچے نے پانی کا برتن اور آپ کی چھڑی مبارک اٹھائی ہوئی تھی۔ شارحین نے کہا ہے کہ بچے سے حضرت ابن مسعود مراد ہیں کہ پانی کا برتن، اور آپ کی مسواک اور نعلین شریف ان کے سپرد ہوتی تھیں۔ اور وہ غلام کے لقب سے ملقب تھے۔ اِداوہ بکسر ہمزہ چمڑے کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جس سے وضو اور طہارت کی جاتی ہے۔ عَنَزَۃً بعین مہملہ و نون و زا مفتوحہ بمعنی وہ چھڑی جس کے آگے نیزے کی مانند نصف نیزہ کی مقدار میں یا اس سے قدرے چھوٹا لوہا لگا ہوا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ آپ کے خدام آپ کے ساتھ آپ کی چھڑی مبارک اٹھا کر چلتے تھے تاکہ بول پیشاب کے لیے سخت زمین کو نرم کر سکیں۔ یا استنجاء کے لیے ڈھیلہ وغیرہ زمین سے الگ کر سکیں۔ یا اس لیے بھی چھڑی اٹھا کر ساتھ چلتے تھے تاکہ نماز میں اس کا سُترہ بنایا جائے اور اسی قسم کی دوسری اغراض کے لیے۔ یَسْتَنْجِیْ بِالْمَآءِ اور ڈھیلہ پتھر وغیرہ کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے تاکہ امت کو اس کی تعلیم دیں کہ ڈھیلے وغیرہ کے ساتھ استنجاء کے بعد پانی سے دھونا بھی افضل اور پسندیدہ عمل ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

دوسری فصل

۳۱۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ہٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ ہٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے۔ اسے ابوداؤد نسائی اور ترمذی نے روایت کیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے اور اس کی روایت میں نزع کے بجائے وضع کا لفظ آیا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَآءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو انگوٹھی مبارک اتار لیتے تھے۔ کہ اس پر لفظ محمد رسول اللہ کا نقش کندہ تھا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ جس چیز پر خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن ہو اسے اپنے ساتھ لے کر نہ جائے۔ بعض شرحوں میں مذکور ہے یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کے لیے بھی ہے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے جزو اسم کا حکم ہے۔

واللہ اعلم۔ اسے ابو داؤد اور نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابو داؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔ اور نسائی نے دونوں سے سکوت کیا ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں نزع کی بجائے لفظ وضع آیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت انگوٹھی مبارک رکھ دیتے تھے اور رکھنا اتارنے کو لازم ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اتار کر رکھ لیتے تھے۔

۳۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو اتنی دور چلے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے صحراء کی طرف تشریف لے جاتے تو اتنا دور جاتے کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ سکتا۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جاتے۔ اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ اتنا دور چلے جاتے کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جانے کے وقت کوئی آپ کو دیکھ نہ سکتا تاہم جیسا کہ مخفی نہیں۔ اول معنی زیادہ ظاہر و بہتر ہے۔

براز بفتح باء اصل میں اس لفظ کا معنی ہے فضاءِ واسع۔ اس سے قضائے حاجت انسانی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ صریح نام کے ساتھ اس خاص ہیئت کا ذکر مکروہ و ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ جس طرح آنکھ سے اس خاص ہیئت کو دیکھ نہیں رہے کان سے بھی اسے نہ سنیں۔ حیا کا یہ انداز شرع، عرف و عادت میں اہل مروت و احتیاط و ادب کی عادت مستمرہ ہے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

۳۱۷۔ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ فَأَتَى دَمِثًا فِي أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے بول کا ارادہ فرمایا تو ایک دیوار کی بنیاد پر نرم جگہ میں تشریف لائے اور بول فرمایا پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی بول کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ اس کے لیے (مناسب) جگہ تلاش کرے۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کرنے کا

ارادہ کیا۔ فَاَتیٰ دَمِثًا فِیْ اَصْلِ جِدَارٍ تو آپ ایک نرم اور ہموار زمین پر پہنچے جو ایک دیوار کی بنیاد میں موجود تھی۔ فَبَالَ تو آپ نے بول کیا۔ ثُمَّ قَالَ پھر فرمایا اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّبُوْلَ۔ جب تم میں کوئی بول کرنے کا ارادہ کرے فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ تو چاہیئے کہ اپنے بول کے لیے تلاش کرے یعنی مناسب جگہ۔ یعنی ہموار و نرم زمین تاکہ پیشاب بہہ کر نیچے نہ آئے اور نہ ہی چھینٹے کپڑوں پر پڑیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۱۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ یَرْفَعْ ثَوْبَهٗ حَتّٰی یَدْنُوَا مِنَ الْاَرْضِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین سے قریب ہونے سے پہلے اپنا کپڑا اوپر نہ اٹھاتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت رسانی کا ارادہ کرتے تو لَمْ یَرْفَعْ ثَوْبَهٗ اپنا کپڑا اوپر نہ اٹھاتے حَتّٰی یَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ جب تک کہ زمین کے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

۳۱۹۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اسکے نہیں میں تمہارے لیے اس طرح شفیق ہوں جس طرح باپ اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں جب تم لوگ قضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو۔ اور آپ نے حکم دیا کہ تین ڈھیلے استعمال کیے جائیں۔ اور آپ نے لید اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ انسان دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔ (ابن ماجہ و دارمی)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت و خیر خواہی کے لحاظ سے میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جیسے باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں کہ جب تم لوگ پاخانے کے لیے آؤ اور بول کا بھی یہی حکم ہے۔

فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا۔ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت وَاَمَرَ بِثَلٰثَۃِ اَحْجَارٍ اور آپ نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم دیا۔ وَنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ رمّتہ۔ بکسر راو تشدید میم۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ اور آپ نے گوبر اور بوسیدہ ہڈیوں کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔ بوسیدہ کا ذکر عرف و عادت کے طور پر کیا کہ صحراء میں عموماً بوسیدہ ہڈیاں ہی پڑی ہوتی ہیں ورنہ غیر بوسیدہ سے بھی استنجاء کرنا منع ہے۔ بلکہ بطریق اَولیٰ منع ہے۔ وَنَهٰى اَنْ يَّسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ اور آپ نے اس سے بھی منع کیا کہ مرد دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور عورت کے لیے بھی یہی حکم و مسئلہ ہے۔ استطابہ بمعنی استنجاء ہے۔ کہ استنجاء بدن سے نجاست دور کر کے اسے پاک کرنے کا نام ہے۔ اور یہی معنی لفظِ استطابہ کا ہے۔ اسے ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۳۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ وضو اور کھانے کے لیے اور بایاں ہاتھ استنجے اور اس سے متعلق کاموں کے لیے تھا۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں دست مبارک صفائی اور کھانے کے لیے تھا۔ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى۔ اور آپ کا بایاں ہاتھ استنجے اور اس سے متعلقہ امور کے لیے اور بدن سے پلیدی اور مکروہات دور کرنے کے لیے ہوتا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۲۱ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَّسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو تین پتھر ساتھ لے کر جائے۔ کہ ان کے ساتھ استنجاء کرے کہ یہ تین پتھر اس کے لیے کافی ہوں گے۔

اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ

مَعَهُ بِثَلَاثَةِ اِحْجَارٍ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو چاہیئے کہ اپنے ساتھ تین پتھر بھی لے جائے يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ کہ ان کے ساتھ استنجاء کرے اور جائے مخصوص پاک کرے۔ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ کہ تین پتھر پانی کی جگہ کفایت کر جاتے ہیں۔ یعنی جب اس نے جائے مخصوص کو تین پتھروں کے ساتھ پاک کیا بدن سے نجاست پوری الگ ہو گئی تو صرف اس سے اصل طہارت حاصل ہو گئی۔ اور نماز بھی جائز و روا ہو گئی کہ پانی کے استعمال کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں اس کے باوجود پانی سے بھی طہارت کر لینا مستحب ہے جیسا کہ تیسری فصل میں حدیث ابی ایوب میں آئے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں پتھر ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجا کرنا سنت ہے جیسا کہ بیہقی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم سے پہلے لوگ اونٹ کی مینگن کی طرح پاخانہ کرتے تھے۔ انہیں پانی کے استعمال کی ضرورت نہ تھی۔ اور تم لوگ دستوں کی شکل میں قضائے حاجت کرتے ہو۔ (لہٰذا تمہارے لیے پانی کا استعمال ضروری ہے) ۔ اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

۳۲۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوبر اور ہڈیوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو۔ کہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر نسائی نے زاد اخوانکم من الجن کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوبر اور ہڈیوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو۔ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ کہ گوبر اور ہڈیاں تمہارے جن بھائیوں کا توشہ اور ان کی خوراک ہے۔ بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ ہڈیاں خود جنات کی خوراک ہے اور گوبر ان کے مویشیوں کی۔ مگر دونوں چیزوں کی اضافت جنات کی طرف کر دینا درست ہے۔ کیونکہ مویشی ان کے تابع ہیں۔

علامہ طیبی نے حاکم سے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جنات جس ہڈی پر سے گزرتے ہیں اس پر اللہ پہلے سے گوشت چڑھا دیتا ہے۔ اور ان کے مویشی گوبر کے پاس سے نہیں گزرتے مگر اس میں اس چیز کے دانے موجود ہو جاتے ہیں جس چارے سے وہ گوبر بنا ہوتا ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر نسائی نے

زاد انحوا الحکم من الجن کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

۳۲۲ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيٰوةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِي فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيْءٌ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے رویفع شاید تو میرے بعد لمبی زندگی پائے گا تو لوگوں کو آگاہ کر دینا کہ جو شخص ڈاڑھی کو گرہ لگائے گا یا گردن میں چڑے کا دھاگہ لٹکائے گا۔ یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرے گا تو بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بیزار ہیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت رُوَیفع بضم راء فتح واو اور کسر فا آپ صحابی ہیں مصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں طرابلس کا حاکم مقرر کیا تھا انہوں نے ۴۷ھ میں ملک افریقہ پر جہاد کے لیے فوج کشی کی۔ ملک شام میں ۵۶ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت رویفع فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيٰوةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِي اے رویفع میرے بعد شاید تو تادیر زندہ رہے گا۔ اور تجھے ایسے لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوگا جو دور جاہلیت کے رسوم و عادات کو اختیار کرلیں گے۔ اور بہت سے مسنون اعمال کو ترک کر دیں گے۔ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ تو لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی کو گرہ لگائے گا۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ عقد لحیتہ سے تکلف اور کوشش سے ڈاڑھی کے بال اوپر چڑھانا مراد ہیں تاکہ وہ خوبصورت اور چھوٹی نظر آئے۔ اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ان لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ جو مسلمان نہیں ہیں بلکہ اہل کتاب وغیرہ جاہل لوگ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ جنگوں میں عجب و تکبر کی نیت سے ایسا کرتے تھے۔ اور اہل عجم بھی۔ لہذا اس فعل سے روک دیا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عقد لحیتہ سے چہرے کو چھپانا مراد ہے۔ تاکہ ڈاکہ زنی کر سکیں اور لوگ انہیں پہچان نہ سکیں۔

اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا یا جس نے گردن میں چمڑے کی ڈوری ڈالی۔ شارحین نے کہا کہ اہل جاہلیت گھوڑوں کی گردنوں میں یہ چیز لٹکاتے تھے۔ اور اعتقاد رکھتے تھے کہ اس کے طفیل وہ کسی نقصان پہنچنے اور نظر بد لگنے سے محفوظ رہیں گے۔ تو اسلام میں ایسا کرنے سے ممانعت کر دی گئی اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ تدبیر سے تقدیر الٰہی میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ بعض علماء نے اس سے گلے میں گھنٹی یا کوڑی یا زرِ صنم مراد لیا ہے نظر بد سے بچنے کے لیے۔ اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ

دَآبَّۃٍ اَوْ حُمَمَۃٍ یا جس نے مویشی کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کیا۔ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْہُ بَرِیْئٌ "تو بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دورِ جاہلیت کے امور و مکروہات کا ارتکاب اگرچہ گناہ کبیرہ نہ بھی ہو پھر بھی جناب نبوت میں بیزاری اور بے رضائی کا سبب ہے۔ تو دورِ جاہلیت کے کبائر و فواحش کا ارتکاب کس قدر بُرا ہوگا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۲۴ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اکْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَکَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْیَلْفِظْ وَمَا لَاکَ بِلِسَانِہٖ فَلْیَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَی الْغَائِطَ فَلْیَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اِلَّا اَنْ یَّجْمَعَ کَثِیْبًا مِّنْ رَّمْلٍ فَلْیَسْتَدْبِرْہُ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِیْ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ۔

رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آنکھ میں سرمہ ڈالے تو چاہیئے کہ طاق عدد[1] میں ڈالے جو ایسا کرے گا اچھا کرے گا۔ اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں۔ اور جس نے استنجے کے لیے ڈھیلے[2] استعمال کیے تو چاہیئے کہ طاق عدد میں استعمال کرے جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج اور گناہ[3] نہیں۔ اور جس نے کھانا کھایا اور دانتوں کا خلال کیا تو جو کچھ خلال سے باہر نکلے اسے تھوک دے[4] اور خوراک کے جو ذرات زبان سے نکرائیں انہیں نگل جائے۔ جس نے ایسا کیا اچھا کام کیا اور نہ کیا تو کچھ گناہ اور حرج نہیں۔ اور جو شخص قضائے حاجت کے لیے گیا تو چاہیئے کہ پردہ کرے[5]۔ اور اگر پردہ کرنے کو کوئی چیز نہ ملے۔ مگر یہ کہ ریت کی ڈھیری بنالے تو ایسا ہی کرے پھر اس کی طرف پشت[6] کرکے قضائے حاجت کرے۔ کیونکہ شیطان لوگوں کی نشستگاہ کے ساتھ کھیلتا ہے[7]۔ جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کام کیا اور جس نے نہ کیا تو کچھ کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ اسے ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

[1] اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہر آنکھ میں تین بار سلائی ڈالے یہ صورت زیادہ صحیح اور ظاہر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو سلائیاں دائیں آنکھ میں اور دو بائیں میں ڈالے پھر ایک دائیں آنکھ میں ڈالے تاکہ مجموعی طور پہ طاق کا عدد بن جائے۔ اور ابتداء اور اختتام دائیں آنکھ سے کرے۔ یعنی علماء نے دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے اس دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ صحیح ہے۔ تاہم ان میں سے کوئی صورت بھی ضروری اور واجب نہیں۔ بلکہ احسن اور اولیٰ ہے۔ اور ہر ایک کو اختیار حاصل ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ نَخَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ ۔ الخ

؎۲ بعض علماء استجمار سے خوشبو کا استعمال بھی مراد لیتے ہیں۔

؎۳ حدیث کے یہ الفاظ مذہب حنفی کی تائید کرتے ہیں کہ تین ڈھیلے ہونا ضروری نہیں۔

؎۴ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلال کرنے سے جو ریزے دانتوں کے درمیان سے نکلیں گے وہ اکثر و بیشتر خون سے مخلوط ہوتے ہیں۔ بخلاف ان ذرات کے جو زبان سے ٹکرا کر باہر نکلتے ہیں۔ پہلی صورت میں بھی بالیقین پتہ چل جائے کہ خون آلودہ نہیں ہیں تو ان کے کھا لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح دوسری صورت میں اگر خون آلودہ ہوں تو ان کا کھانا حرام ہے۔ اور اس حدیث میں جو فرمایا مَنْ فَعَلَ الخ تو یہ یقین نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے۔ بعض علماء دونوں صورتوں کی وجہ نفرت و کراہت کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں کراہت گلے سے نیچے اتارنے میں ہے۔ اور دوسری صورت میں تھوک دینے میں کراہت ہے۔ تاہم بندے کو اختیار ہے کہ اگر حدیث میں بیان شدہ صورت پر عمل کرے گا تو اچھا ہے اور اگر عمل نہ کرے تو بھی حرج اور گناہ نہیں۔

؎۵ تاکہ اس پردہ میں چھپ جائے اور شرمگاہ ننگی نہ ہو۔

؎۶ ریت کے ڈھیر کی جانب پشت اس لیے کرے کہ اگلے حصے کو تو کپڑے کے دامن سے بھی چھپا سکتا ہے اور یہ آسان بات ہے۔

؎۷ شیطان کے کھیلنے سے یہ مراد ہے کہ وہ آگے سے پردہ اٹھا دینے اور شرمگاہ کو ننگا کرنے کی کوشش کرتا اور بدن اور کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے ڈالنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان قضائے حاجت کے وقت ننگا ہو کر بیٹھتا ہے تو شیطان لوگوں کو اس کی شرمگاہ کی جانب دیکھنے کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس لیے پردہ کرنا چاہیے تاکہ ابلیس کے وسوسے کا راستہ بند ہو جائے۔ مگر ریت کا ٹیلا بنا کر پردہ کرنا اور یہ سب تکلف و مبالغہ واجب و ضروری نہیں۔ بلکہ جو کرے تو اچھا ہے۔ نہ کرے تو گناہ بھی نہیں۔

۳۲۵۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب نہ کرے اور پھر وہیں نہانا یا وضو کرنا شروع کر دے۔ کہ زیادہ تر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں

يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ ۔

۱؎ استحمام کا معنیٰ اصل میں گرم پانی سے غسل کرنے کا آتا ہے۔ پھر مطلق پانی سے غسل کرنے پر بھی استعمال کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ پانی ٹھنڈا ہو۔

۲؎ مُغَفَّل بضم میم، و فتح غین و فتح فائے مشددہ۔ شجرہ بیعت الرضوان کے صحابہ میں سے ہیں۔ پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی پھر بصرہ چلے گئے۔ وہاں مکان بنایا اور وہیں وفات پائی۔ ان سے امام حسن بصری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث روایت کی ہیں ۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔

۳؎ یعنی عقلمند انسان سے یہ بعید ہے کہ پہلے غسل کی جگہ پیشاب کرے اور پھر وہیں بیٹھ کر نہانا یا وضو کرنا شروع کر دے۔ الغرض یہ حرکت نہ کرنی چاہیے۔

۴؎ کیونکہ پیشاب کی وجہ سے جب وہ جگہ ناپاک ہو گئی تو وہاں سے چھینٹے اڑ اڑ کر اس کے جسم پر پڑیں گے۔ اور یہ عمل اسے وسوسے میں مبتلا کرے گا۔ پھر رفتہ رفتہ وسوسے کی بیماری اس میں جڑ پکڑ جائے گی۔ مگر یہ ممانعت اس جگہ ہے جہاں پانی کے نکلنے کا راستہ نہ ہو اور جگہ بھی سخت ہو۔ اور ایسی جگہ ہو جہاں سے پانی فوراً بہ جاتا ہو یا ریگستان ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ مگر بہر صورت نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہہ ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ مگر ترمذی اور نسائی نے ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ ۔ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ مگر ان کی روایت کا مطلب بھی یہی ہے کہ بول پیشاب کرنے کے بعد اسی جگہ غسل یا وضو کرنا وساوس پیدا ہونے کا باعث ہے۔ تاہم انہوں نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳۲۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ جُحْرٍ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

۱؎ جُحر جیم مضمومہ کی تقدیم اور حائے ساکن کے ساتھ یعنی کاٹنے والے جانوروں کا سوراخ اس میں پیشاب کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوراخ میں سانپ یا بچھو ہو جو اسے کاٹ لے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے سوراخ جنات کے مسکن ہوتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اسے تکلیف دیں۔

حکایات میں آیا ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو انصار میں سے ہوئے ہیں، ایک سوراخ میں

پیشاب کر دیا۔ جنات نے آپ کو قتل کر دیا سا اور انہوں نے آوازیں دیں اور شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہے اور ہم نے دو تیر پھینکے جو ان کے دل سے آر پار ہو گئے۔

۳۲۷ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کاموں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں۔ ایک لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ[1] پر پاخانہ کرنا۔ دوسرے راستے میں[2] اور تیسرے سایہ کے نیچے[3]۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] موارد یعنی لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں اور ان کی مجالس یا موارد سے چشموں اور دریاؤں اور نہروں کے گھاٹ مراد ہیں جہاں سے لوگ پانی پیتے ہیں۔

[2] قارعۃ الطریق یعنی راستہ اور لوگوں کی گزرگاہ۔

[3] کیونکہ لوگ سایے میں سوتے اور آرام کرتے ہیں۔

۳۲۸ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجِ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو افراد اس طرح قضائے حاجت کو نہ جائیں کہ ایک دوسرے کے سامنے اپنی شرمگاہیں ننگی کر کے بیٹھیں اور باتیں کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس فعل شنیع کو بہت برا جانتا ہے کہ یہ فعل شرم و مروت کے خلاف ہے۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۳۲۹ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت الخلاء[1] جنات و شیاطین کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں اس لیے جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو کہے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث[2] (میں مذکر و مؤنث جنات سے خدا کے پاس پناہ لیتا ہوں) اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] حشوش۔ حش بفتح یا بضم حا کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی باغ اور نخلستان ہے۔ چونکہ گھروں میں بیت الخلا بننے سے پہلے لوگوں کی عادت باغ و نخلستان وغیرہ میں قضائے حاجت پھرنے کی تھی۔ تو اس مناسبت سے ہر بیت الخلاء کے لیے یہ لفظ بولا جانے لگا۔

۵۲ ان الفاظ کے معنی کی تحقیق فصل اول کی تیسری حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳۳۰ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات کی آنکھوں اور انسانوں کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو یہ ہے کہ بسم اللہ شریف پڑھ لی جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کا اسناد قوی نہیں[1]۔

[1] کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی محمد بن حمید رازی ہے۔ اور آئمہ نقد و جرح کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے یا نہیں۔

۳۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو کہتے غُفْرَانَکَ[1] یعنی اے اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] شارحین حدیث نے اس لفظ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ قضائے حاجت کے وقت زبان سے ذکر الٰہی نہیں ہوتا آپ اس کی معافی طلب کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ خوراک کے طبیعت کے لیے موزوں، خوراک کا نفع بخش حصہ جسم کا جزو بنالے اور مضر و نقصان دہ حصہ کو فضلہ کی صورت میں جسم سے خارج کرنے کی نعمت کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی پر آپ [illegible] معافی طلب کرتے تھے۔ جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے اس حالت کے مناسب ذکر یہ ہے کہ انسان اپنے محتاج اور میلا کچیلا ہونے اور خدا تعالیٰ کے ہر عیب و نقص سے منزہ و مقدس ہونے کا تصور ذہن میں رکھے۔

۳۳۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهٗ بِمَاءٍ فِيْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّاَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں جاتے تو میں تانبے یا پتھر کے برتن یا چمڑے کی چھاگل میں پانی لے کر آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اس پانی سے استنجاء فرماتے پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملتے[1] پھر میں دوسرے برتن میں پانی لاتا تو آپ وضو فرماتے[2]۔

وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاہُ۔ اسے ابوداؤد، دارمی اور نسائی نے روایت کیا۔

لے تور بفتح تا وسکون واو تانبے یا پتھر کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں، جس میں پانی پیا اور رکھا جاتا ہے۔ اور کبھی اس سے وضو بھی کر لیتے ہیں۔

ملے رکوہ۔ بفتح یا کسرہ یا ضمہ را اور سکون کاف چمڑے کا برتن جس میں پانی رکھا جاتا اور وضو کیا جاتا ہے۔ شرح جامع الاصول میں مذکور ہے کہ رکوہ چمڑے کے چھوٹے ڈول کو کہتے ہیں جسے صوفیا حضرات اپنے ساتھ رکھتے ہیں تور اور رکوۃ میں لفظ او راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ ما او سے مراد یہ ہے کہ آپ کبھی تور اور کبھی رکوۃ میں وضو کرتے تھے۔

ملے تاکہ دست مبارک اچھی طرح پاک وصاف ہو جائے۔

ملے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف کے اس جملے کا معنی یہ نہیں کہ استنجاء سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا درست نہیں۔ اس کا معنی یہ بھی نہیں ہے کہ جس برتن سے استنجاء کیا تھا اس سے وضو نہ کیا جائے کیونکہ اتفاق سے اس برتن میں نہ رہا تھا یا وضو کی مقدار سے کم ہو چکا تھا اس لیے دوسرے میں اور پانی لایا گیا۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مطلب لیا ہے کہ استنجاء کے لیے الگ اور وضو کے لیے الگ برتن استعمال کرنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور دارمی اور نسائی نے اس حدیث کا معنی دوسرے الفاظ میں روایت کیا۔

۳۴۳۔ وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور شرمگاہ پر پانی چھڑکتے۔

اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

ملے آپ ثقفی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کا نام سفیان بن حکم ہے۔ ان کی حدیث وضو کے باب میں آئی ہے۔ اور آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع میں اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا میرے نزدیک ان کا سماع صحیح ہے۔ کاشف میں کہا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہ ہوئی۔ اور ان کی حدیث مضطرب ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ حکم بن سفیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ملے کہا گیا ہے کہ شرمگاہ سے مراد شرمگاہ کی جگہ کا کپڑا ہے۔ بعض نے کہا ہے شرمگاہ پر پانی چھڑکنے سے استنجاء کے طور پر شرمگاہ کا دھونا مراد ہے۔ یعنی جب ... کہ پہلے استنجاء کرتے پھر وضو کرتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ چھڑکنے سے

وضو کے بعد کپڑے پر چھڑکنا مراد ہے تاکہ وسوسہ راہ نہ پائے کیونکہ جب کپڑے پر تری موجود رہے گی تو وسوسے میں مبتلا نہ ہوگا۔ اور تری کو چھڑکے ہوئے پانی کی تری تصور کرے گا یہ طریقہ وسوسے بند کرنے کا طریقہ ہے اور یہ طریقہ درحقیقت تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر قسم کے وساوس سے معصوم و پاک تھی۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ طریقہ نزول بول کے ازالہ کے لیے ہے کہ پیشاب کے قطرے نہ گریں کیونکہ پانی بول کو روکتا ہے خصوصاً ٹھنڈا پانی۔ دوسری روایات میں صراحتاً آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر لیتے اور اس سے فارغ ہو جاتے تو شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔

۳۲۴- وَعَنْ اُمَیْمَةَ بِنْتِ رُقَیْقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت اُمیمہ[۱] بنت رُقیقہ[۲] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا جاتا آپ اس میں رات[۳] کو بول فرماتے تھے۔

[۱] اُمیمہ بضم ہمزہ و فتح میم و سکون یا۔

[۲] رُقیقہ بضم را و فتح قاف و سکون یا۔ دونوں صحابیہ ہیں اور دونوں اہل مدینہ میں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت رقیقہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ کاشف نے کہا حضرت رقیقہ ہاشمیہ ہیں۔

[۳] عِیدان بکسر عین عُود کی جمع بمعنی لکڑی جمع یا تو اجزاء کے اعتبار سے ہے یا اس بنا پر کہ وہ پیالہ مختلف لکڑیوں سے بنا ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

قاموس میں کہا ہے لفظ عَیدان بفتح عین کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد عَیدانہ ہے اور یہ پیالہ کھجور کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

[۴] شدید سردی یا کسی اور عذر کی بنا پر۔ اور یہ وہ پیالہ ہے جس کے بارے میں مذکور ہے کہ ایک پیاسے شخص نے پانی خیال کرتے ہوئے اس میں آپ کا پڑا ہوا بول شریف پی لیا۔ جب تک وہ شخص زندہ رہا اس سے یا چند پشت بعد تک اس کی اولاد کے جسم سے نہایت اعلیٰ خوشبو آتی رہی۔

۳۲۵- وَعَنْ عُمَرَ قَالَ رَاٰنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے کبھی

وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ قِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ

کھڑے ہو کر پیشاب[1] نہ کیا۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ[2] رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی کُرُوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر بول فرمایا۔ متفق علیہ کہا گیا ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے تھا۔

[1] ساری امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمہ یا مکروہ تنزیہہ ہے۔ کیونکہ اس میں شرمگاہ کے برہنہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ نیز کپڑوں اور جسم کے ناپاک ہونے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ پھر یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

[2] اور یہ جو مؤلف مشکوٰۃ حضرت امام ولی الدین محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ المتوفی ۷۴۳ھ نے فرمایا ہے کہ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے الخ تو اس کی توجیہہ میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر بول کرنا کسی عذر کے باعث تھا۔ عہد جاہلیت میں لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے عادی تھے۔ دعوت سید رسل و خیر انام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری سے اسلامی تعلیمات کی برکات اچھے اخلاق کی تکمیل اور عمدہ افعال سے آراستگی کی بدولت لوگوں سے یہ بُری عادت روز بروز چھوٹتی چلی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر جو پیشاب کیا تو یہ جاہلیت کے پیچھے کچھے نشانات کی وجہ سے تھا یا پھر آپ کو بھی اس وقت کوئی عذر لاحق تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عذر لاحق تھا اس کی وضاحت میں علماءِ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

بعض فرماتے ہیں آپ کو پشت کی ہڈی میں درد تھا کہ آپ کے لیے بیٹھنا دشوار تھا۔ بلکہ بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔

بعض فرماتے ہیں عرب کے لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو درد پشت کا علاج تصور کرتے اور اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور محدث حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہ آپ کے دونوں زانوؤں کے درمیان درد تھا۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

بعض علما نے فرمایا ہے کہ عذر یہ تھا کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے مجبوراً کھڑے ہوکر بول فرمایا کیونکہ وہ جگہ ایک جانب سے اونچی اور دوسری جانب سے نیچی تھی وہاں بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ الا یہ کہ اونچی جانب کو آپ اپنی پشت مبارک کے پیچھے کرتے اس صورت میں شرمگاہ کے کھلنے کا اندیشہ تھا کیونکہ لوگ وہاں سے گزرتے تھے۔ اور اگر آپ اونچے حصے کو اپنے سامنے کرتے تو گرنے کا خطرہ تھا۔ اور کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ عموماً نرم اور بلند ہوتی ہے۔ بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتی۔

بعض علماء فرماتے ہیں آپ کا کھڑے ہوکر بول کرنا بیان جواز اور تعلیم امت اور آسانی پیدا کرنے کے لیے تھا۔ کیونکہ جب آپ نے پہلے نہی فرمائی اور بظاہر نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے۔ تو آپ نے چاہا کہ اس امر کی وضاحت فرما دیں کہ یہاں نہی تنزیہی ہے۔ اور کھڑے ہوکر پیشاب کر لینے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عذر کی وضاحت میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے جائے پاخانہ کی بہتر طور پر نگہداشت ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس وقت جائے پاخانہ میں کوئی تکلیف تھی اور آپ کو اندیشہ تھا کہ اس طرف سے بھی کوئی چیز باہر نہ نکل آئے۔ مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے عارضے کے وہم سے دور تھے۔ اور آپ کے متعلق اس قسم کی کوئی بات زبان پر نہیں لائی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

تیسری فصل

۳۴۶۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تم اس کے بیان کو سچا نہ جانو کیونکہ آپ کھڑے ہوکر کبھی پیشاب نہ کرتے تھے۔[1]

اسے احمد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

[1] اس حدیث کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے مطابق یہ اطلاع دی ہے جو وہ گھر میں حضور کے عمل کو دیکھتی تھیں۔ گھر میں آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہو۔ اور حضرت حذیفہ نے گھر سے باہر کی خبر دی۔ اور یہ بھی اکا دکا واقعہ کی خبر دی پھر وہ بھی عذر پر مبنی تھا جس کی وضاحت گزشتہ حدیث میں کی گئی ہے اور نادر

واقعہ نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور وہ چیز جو عذر اور مجبوری پر مبنی ہو وہ دائرہ اعتبار و قیاس سے باہر ہوتی ہے۔

۳۳۷۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنَ الْمَاءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهٗ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ ۔

حضرت زید[1] بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ بیشک حضرت جبرئیل علیہ السلام اول وحی کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو وضو اور نماز کی تعلیم[2] دی۔ جب آپ[3] وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلو لے کر اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑکا۔ اسے احمد اور دارقطنی نے روایت کیا۔

[1] حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) اور حضرت زینب کے پہلے خاوند ہیں۔ ان کا نام مبارک قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ ان کا ذکر اس کتاب مشکوٰۃ کے آخر میں مناقب اہل بیت میں آئے گا۔

[2] حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ فعل کی شکل میں تعلیم تھی کہ آپ نے وضو کیا اور نماز ادا کی اور یہ دونوں باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائیں۔ اور اس طرح آپ کو تعلیم دی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ اور فعل کی صورت میں تعلیم زبانی تعلیم سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔

[3] ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرغ اور اخذ اور نضح کی ضمیریں حضرت جبرئیل کی طرف لوٹتی ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ جب حضرت جبریل وضو سے فارغ ہوئے تو آپ نے پانی کا ایک چلو لیا اور اسے شرمگاہ یعنی شرمگاہ کی جگہ کے کپڑے پر چھڑکا۔ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے لیے کیا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تبلیغ وحی اور تعلیم احکام کے لیے انسانی صورت میں متمثل ہو کر حاضر ہوتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیروں کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے حضور علیہ السلام کے سامنے بطور تعلیم وضو کرنے پھر پانی کا چلو لینے اور شرمگاہ پر چھڑکنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا جب وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اپنی شرمگاہ پر چھڑکا۔

غَرْفَۃ بفتح غین یعنی ایک بار چلو میں پانی لینا۔ غُرفہ بضم غین یعنی چلو میں لیا ہوا پانی یہ دوسرا معنی بیان زیادہ ظاہر ہے لیکن زیادہ مشہور فتح کی روایت ہے۔

۳۳۸۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ یَقُوْلُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ الْھَاشِمِیُّ الرَّاوِیْ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ وضو کیا کریں تو شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کریں اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور میں نے محمد یعنی محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ کہتے تھے حسن[۵] بن علی ہاشمی راوی منکر حدیث ہے۔

۵ یعنی حسن بن علی بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب جو اس حدیث کا راوی ہے۔ منکر الحدیث ہے۔ منکر کا معنیٰ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ اور احمد، نسائی، ابوحاتم اور دارقطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۳۹۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَہٗ بِکُوْزٍ مِّنْ مَّاءٍ فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عُمَرُ فَقَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِہٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ کُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَکَانَ سُنَّۃً۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا کوزہ لے کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے عمر یہ کیا ہے؟ عرض کیا! پانی ہے جس سے آپ وضو کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ حکم نہیں[۱] دیا گیا کہ میں جب بھی پیشاب کروں ساتھ ہی وضو بھی کر لیا کروں۔ اگر میں ہمیشہ ایسا کرتا تو یہ فعل سنت[۲] بن جاتا۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱ یعنی درگاہ ایزدی سے وجوب و لزوم کے طور پر مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا۔

۲ یعنی اگر یہ کام بطور لزوم ہمیشہ کرتا تو یہ سنت موکدہ بن جاتا۔ جس سے لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار امت کی آسانی اور تخفیف کے لیے اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے۔

۳۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَجَابِرٍ وَّاَنَسٍ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ لَمَّا نَزَلَتْ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَثْنٰی عَلَیْکُمْ فِی الطُّھُوْرِ فَمَا طُھُوْرُکُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوۃِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَۃِ وَ

حضرت ابوایوب[۱]، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جب یہ آیت فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار بے شک اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی اور طہارت میں تمہاری مدح و ستائش کی ہے۔ بتاؤ تو سہی تم کس قسم کی طہارت[۲] کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم لوگ نماز کے لیے وضو کرتے ہیں جنبی ہونے پر غسل کرتے[۳] ہیں۔ اور پانی کے ساتھ استنجا کرتے[۴] ہیں۔

نَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ قَالَ ذٰلِكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسی طہارت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدح و ستائش کی ہے۔ لہٰذا تم لوگ اسے نہ چھوڑنا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لے یعنی ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب آیہ مبارکہ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ اس مسجد یعنی مسجد قبا میں ایسے مردانِ خدا ہیں جو طہارت پاکیزگی کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ طہارت کا خوب اہتمام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس آیت سے انصار کا ایک گروہ مراد ہے۔

٢ تمہاری طہارت و پاکیزگی کی کیا خصوصیت ہے اور تم اس میں کس قسم کا اہتمام کرتے ہو۔

٣ جس طرح دوسرے مسلمان غسل جنابت کرتے ہیں۔

٤ یعنی پتھروں اور ڈھیلوں کے ساتھ استنجا کرنے کے بعد اور یہ طہارت کا خاص اہتمام ہے۔ اس قسم کی خصوصی طہارت کا اہتمام انہیں گروہ انصار میں پایا جاتا تھا۔

۳۴۱۔ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّيْ لَاَرٰى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَّلَا عَظْمٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاللَّفْظُ لَهٗ۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک مشرک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے یار اور ساتھی کو دیکھتا ہوں کہ وہ تمہیں ہر خسیس اور حقیر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ بیٹھنے کی ہیئت و شکل بھی۔ میں نے کہا ہاں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف منہ نہ کریں اور دائیں ہاتھوں کے ساتھ استنجاء نہ کریں اور یہ کہ ہم تین سے کم ڈھیلوں پر کفایت نہ کریں اور ان میں گوبر اور ہڈی نہ ہو۔ اسے مسلم اور احمد نے روایت کیا۔ یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے ہیں۔ مسلم کے الفاظ اس سے مختلف ہیں۔

لے خِراۃ یعنی پاخانہ بیٹھنے کا طریقہ۔ اس کی کیفیت اور اس کے آداب۔ خِراۃ بکسر خاء معجمہ الف کی مد کے ساتھ بمعنی تقاضائے حاجت کے لیے بیٹھنا اور اس کی ہیئت اور شکل۔ اکثر راوی فتح خاء اور قصر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور خُرْء بضم خاء و ہمزہ انسان کے پاخانہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔

٢ میں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پاخانے کا طریقہ اور اس کے آداب بھی سکھلاتے ہیں۔ اور یہ

ہنسنے اور تمسخر اڑانے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو آپ کی امت پر کمال رحمت و شفقت ہے اور حق و ہدایت اور طریق مستقیم کا بیان ہے۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خلاء کے آداب اور استنجاء کے احکام بیان فرماتے ہوئے کہا۔ اَمَرَنَا اَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ ا لخ۔

۳۴۲ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ اِبْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى۔

حضرت عبدالرحمٰن[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ آپ کے دست مبارک میں چمڑے کی ڈھال[ع] تھی۔ آپ اسے زمین پر رکھ کر بیٹھ گئے اور اس کی طرف منہ[عہ] کرکے بول فرمایا اس پر بعض (منافقین) نے جو وہاں موجود تھے کہا اس شخص کی طرف دیکھو کہ اس طرح بول کر رہا ہے جس طرح عورت بول کرتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سن لی۔ اور فرمایا اے بے حیا انسان تجھ پر افسوس[۳] تجھے معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص کس مصیبت (عذاب) میں گرفتار ہوا بنی اسرائیل کا دستور ان کی شریعت و دین کے مطابق یہ تھا کہ جب ان کے بدن یا کپڑے کو بول لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیتے تھے۔ اس شخص نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا تو اسے قبر[ف] میں عذاب دیا گیا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن حسنہ سے روایت کیا اور نسائی نے اسے عبدالرحمٰن مذکور انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا

[۱] یعنی عبدالرحمٰن بن حسنہ تین فتحوں کے ساتھ حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ والد کا نام عبداللہ مطاع ہے۔ والدہ کی نسبت سے مشہور رہیں۔ صحابی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے احادیث سنیں۔

[۲] یعنی اپنی شرم گاہ کے آگے اس طرح پردہ کرکے بول کر رہا ہے جس طرح عورت کرتی ہے۔

[۳] وَیْحَکَ۔ یہ لفظ کسی کے ایسی ہلاکت میں پڑنے (جس کے لائق نہ ہو) کے وقت اس کی دردناک حالت کو دیکھ اس پر رحمت و شفقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ بخلاف لفظ ویل کے کہ یہ اس ہلاکت کے لیے آتا ہے جس کے وہ لائق بھی

[ع] ۔ دَرَقَہ دال وراء وقاف تینوں پر فتح کے ساتھ۔ چمڑے کی وہ ڈھال جس میں لکڑی اور دستہ نہ ہو۔

[عہ] اسے اپنے اور لوگوں کے درمیان پردہ بنالیا۔

ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ مقام وہیک کے بجائے دیلک کا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت حلم اور خوش اخلاقی کی بنا پر دیک فرمایا۔

۵ اس کے لوگوں کو اس فعل سے روکنے کی بنا پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے وقت پردہ کرنے کو جو ایک مستحسن اور اچھا فعل ہے لہٰذا اس منافق کے اس فعل کے برا جاننے کو اس بنی اسرائیلی کی مقام نجاست کاٹ دینے سے اور انکار کے ساتھ تشبیہ دی۔ حالانکہ جائے نجاست کا کاٹنا ان کے دین میں مشروع اور اچھا فعل تھا۔ اور اسے انکار و نہی پر عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ یہاں اس منافق کی قباحت و مذمت بیان کرنے میں ایک اور مبالغہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس بنی اسرائیلی کا بنی اسرائیلیوں کو روکنا اور منع کرنا اس بنا پر بُرا اور قبیح کام تھا۔ کیونکہ جائے نجاست کا کاٹنا ان کی شریعت میں ضروری تھا۔ حالانکہ طبعًا بھی جائے نجاست کا کاٹنا جان و مال کے لیے ایک نقصان دہ فعل ہے۔ اس کے باوجود اس بنی اسرائیلی کے منع و انکار کو قبیح و موجب عذاب قرار دیا گیا اُسے اس منع و انکار میں معذور قرار دیا جا سکتا تھا اور اسکے بتلائے عذاب نہ ہونے کی گنجائش بھی تھی اسکے منع و انکار کے مقابلے میں بول و براز کے وقت محض پردہ کر لینا شرعًا اور عقلًا ایک اچھا اور مستحسن امر ہے لہٰذا اس منافق کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ کرنے کا مذاق اڑانا نہایت ہی قبیح اور سخت بے حیائی کی بات اور سخت ترین عذاب کا موجب ہے۔

۳۴۳۔ وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَاْسَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ۔

مروان اصفر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے باربردار اونٹ کو قبلے کی جانب بٹھایا پھر بیٹھ کر اونٹ کی طرف منہ کر کے بول کیا۔ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن کیا قبلہ کی طرف منہ کر کے بول کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ کھلے میدان میں بول کیا جائے جب تیرے اور قبلے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے بول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

لہ تاریخ بخاری میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ یعنی نسبت کے بغیر۔ تابعی ثقہ ہیں۔ بصرہ کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلم اور بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ آپ تابعین کے طبقہ رابعہ میں ہیں۔

لہ ابو عبدالرحمن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

۳۴۴ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ ۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے تکلیف دہ اشیاء آزردہ کرنے والی اور مکروہ[1] و ناپسندیدہ چیز مجھ سے دور کردی ۔ اور مجھے عافیت[2] عطا کی ۔

[1] یعنی فضلات ردّیہ جن کا معدے میں رہ جانا بیماری یا ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔

[2] اور مجھے فضلات کے پیٹ کے اندر ہی رُک جانے سے بچایا یا فضلات کے خارج ہونے وقت انتڑیوں کے بھی ساتھ ہی باہر نکل آنے سے محفوظ رکھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۳۴۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ انْهَ اُمَّتَكَ اَنْ یَّسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِیْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب جنات کے ایلچی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ آپ اپنی امت کو ہڈی یا لید یا کوئلے[1] کے ساتھ استنجاء کرنے سے روک دیں۔ کیونکہ ان تین چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق[2] رکھا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع کردیا۔

[1] ۔ حُمَمَۃ حائے مہملہ کے ضمہ اور دو مفتوح میم کے ساتھ۔

[2] اور وہ اس طرح کہ ہڈی تو خود جنات کی خوراک ہے۔ اور لید و گوبر ان کے مویشیوں کی ۔ اور کوئلے میں دونوں باتوں کا احتمال ہے مگر مجھے اس احتمال کی تصریح کہیں نہیں ملی ۔ واللہ اعلم ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

بَابُ السِّوَاكِ

مسواک کا باب

لغت میں سواک ملنے کے معنی میں آتا ہے۔ سواک بکسر سین یعنی لکڑی سے دانتوں کو ملنا۔ اور جس لکڑی سے دانتوں کو ملتے ہیں اس پر بھی اس کا اطلاق و استعمال ہوتا ہے جس طرح لفظ مسواک کا استعمال ہوتا ہے۔

مسواک بالاتفاق سنت ہے۔ خصوصاً وضو کے وقت اور امام شافعی کے نزدیک نماز کے وقت بھی پھر نماز ظہر و فجر سے پہلے مسواک کی زیادہ تاکید ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ چالیس حدیث مسواک کی فضیلت میں آئی ہیں۔ بدن و منہ کے لیے مسواک کے بے شمار فائدے ہیں۔ اور محافل میں لوگوں کے سامنے مسواک کرنا اور گلے اور منہ سے پانی لکالنا مکروہ ہے۔ خصوصاً علما اور بڑے مرتبے کے لوگوں کے سامنے اور مسواک ہر حال میں مستحب و مستحسن ہے اور وضو، قرآن پاک کی تلاوت، دانتوں کے زرد پڑ جانے اور نیند یا بیداری یا خاموش رہنے یا بھوک یا کھانا کھانے سے بدبو پیدا ہونے کی صورت میں زیادہ مستحب ہے۔ مسواک کڑوے درخت کی ہونی چاہیے۔ درخت پیلو کی مسواک بہتر ہے۔ چھنگلیا جتنی موٹی اور ایک بالشت لمبی ہونی چاہیے۔ مسواک چوڑائی میں کرنا چاہیے۔ لمبائی میں نہ کرنی چاہیے کیونکہ لمبائی میں کرنے کی صورت میں مسوڑوں کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں طولاً و عرضاً دونوں طرح کرنے کی اجازت آئی ہے۔ اور مسواک کلی کرنے کے وقت کرنی چاہیے۔ اگر کسی وقت مسواک میسر نہ ہو یا کسی کے دانت ہی نہ ہوں تو اس صورت میں دائیں ہاتھ کی انگلی کا منہ میں پھیر لینا کفایت کر جاتا ہے۔ اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بھی ایک روایت بیان کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی۔ اور سخت کپڑے کے ساتھ بھی مسواک درست ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۳۴۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَآءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں نماز عشاء[1] دیر کر کے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت[2] مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

[1] ایک دوسری حدیث میں تیسرے حصے رات تک تاخیر کرنے کا ذکر آیا ہے۔

[2] سیاق عبارت اس پر دلالت کرتا ہے کہ وجوب کی نفی سے استحباب کی تاکید مقصود ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے۔ ان کے نزدیک ہر نماز کے وقت مسواک مستحب ہے۔ ہمارے نزدیک ہر نماز سے ہر وضو کا وقت مراد ہے۔ بنظر انصاف یہ معنی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر تکبیر تحریمہ کے وقت مسواک کرنا جس طرح شافعیہ کہتے ہیں مشکل ہے خصوصاً مسنون طریقہ کے مطابق۔ واللہ اعلم!

۳۴۷ وَعَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیٍٔ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ كَانَ یَبْدَاُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت شریح بن[1] ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر سب سے پہلے کون سا کام کرتے تھے فرمایا[2] مسواک۔

[1] آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ کی شخصیت ثقہ ہے۔ آپ کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہوئی۔ جب ان کے والد اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی کنیت ابو شریح مقرر کی سان کی قوم کے لوگ پہلے انہیں ابو الحکم کی کنیت سے پکارتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ابو الحکم کنیت سنی تو فرمایا تیرے بیٹے ہیں عرض کی ہاں شریح۔ عبداللہ اور مسلم۔ فرمایا ان میں بڑا کون ہے عرض کی شریح تو فرمایا فانت ابو شریح تو ابو الحکم نہیں ابو شریح ہے۔ حضرت شریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں

واقعہ جمل و صفین میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ ثقہ ہیں۔ لمبی عمر پائی، نہایت عبادت گذار تھے۔ ۳۰ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۲؎ یعنی گھر میں تشریف لا کر سب سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔ آپ کا یہ عمل شریف طبع مبارک کے کمال نظافت اور اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت کی بنا پر ہوتا تھا۔ یہ عمل اس امکان کے تحت ہوتا تھا کہ شاید صحابہ کی مجلس میں زیادہ دیر بیٹھنے، اور لوگوں سے مصروف گفتگو رہنے سے منہ میں ناخوشگوار بو پیدا ہو چکی ہو۔ اس لیے مسواک کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری اور مقدم تصور کرتے تھے۔ اور یہ در حقیقت امت کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم ہے کہ اپنے گھر کے ماحول میں بھی نہایت پاکیزگی و طہارت میں رہیں۔ اور فرزندوزن کے اختلاط کے دوران بھی نظافت و صفائی کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ لوگوں کی مجلس سے گھر تک کے راستے میں چونکہ آپ خاموشی اختیار کرتے تھے اور منہ بند رکھتے تھے۔ اس لیے منہ کی خوشبو میں قدرے تبدیلی کا احتمال ہوتا تھا، اجنبیت سے خالی نہیں۔ کیونکہ مجلس سے (جو غالب اوقات میں مسجد یا اس کے گردو نواح میں ہوتی تھی) گھر تک کا راستہ اتنا زیادہ نہ تھا کہ صرف اتنے وقفے میں منہ کی خوشبو میں تغیر واقع ہو جائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسواک سے ابتدا کرنے سے نمازِ نفل ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے نفل نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرتے اور اس میں مسواک فرماتے واللہ اعلم

۴۲۸ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب نماز تہجد[1] کے لیے اٹھتے تو اپنے دہن مبارک کو مسواک سے صاف ستھرا کرتے۔

۱؎ نیند نہ کرنے کو تہجد کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہجود بمعنی نیند سے مشتق ہے۔ چونکہ رات کی نماز ادا کرنے کے لیے نیند کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے نماز تہجد کہتے ہیں۔ تہجد کا معنی نیند کا بھی آتا ہے جیسا کہ قاموس میں آیا ہے۔ اس معنی کے مطابق بھی نماز تہجد کہنا درست ہے کہ یہ نماز سونے کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔

۴۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دس کام[1] "فطرت" سے ہیں۔ لبیں پست کرنا[2] داڑھی[3] بڑھانا[4] مسواک کرنا۔ ناک میں پانی[5] چڑھانا۔ ناخن[6] کاٹنا۔ انگلیوں[7]

اَلسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِي وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ الْخِتَانُ بَدَلَ اِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِي مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِي دَاوٗدَ بِرِوَايَةِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ

کے جوڑ دھونا۔ بغل کے بال اکھیڑنا۔ زیر ناف بال [۵] مونڈنا پانی کم [۶] استعمال کرنا یعنی استنجا میں۔ راوی کہتا ہے کہ دسواں کام مجھے بھول گیا ہے۔ مگر میرا گمان یہ ہے کہ وہ کلی کرنا ہے اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور ایک روایت میں ڈاڑھی بڑھانے کی جگہ ختنہ کرنا آیا ہے۔ مولف مشکوٰۃ فرماتے ہیں۔ میں نے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں پائی۔ اور نہ کتاب حمیدی میں (جو بخاری و مسلم کی جامع ہے) لیکن اسے صاحب جامع الاصول نے اپنی کتاب جامع میں ذکر کیا ہے۔ یوں ہی خطابی نے اپنی کتاب معالم السنن میں۔ ابو داؤد سے بروایت عمار بن یاسر ذکر کیا ہے۔

[۱] یعنی دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں۔ فِطْرَۃ بکسرۂ فا بمعنی پیدائش۔ فَطْر بفتح بمعنی پھاڑنا اور بمعنی خلقت (پیدا کرنا) بھی آتا ہے۔ فاطر بمعنی خالق اور بمعنی جبلّت (وہ فطری حالت جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے) بھی آتا ہے۔ یعنی دین اسلام قبول کرنے کی صلاحیت استعداد۔ جیسا کہ گزرا۔ یہاں فطرت کا معنی سنت انبیاء ہے کہ یہ سنت قدیم انبیاء علیہم السلام کے زمانہ سے چلی آرہی ہے اور انبیاء متقدمین نے اس سنت کو اختیار کیا ہے تمام انبیاء علیہم السلام کے اس سنت پر اتفاق کرنے کی بنا پر اسے پیدائشی صفت و حالت کا نام دے دیا گیا ہے۔ جس پر سلیم الفطرۃ انسان پیدا ہوتا ہے۔ فطرت کا معنی دین بھی آتا ہے۔ چنانچہ آیہ مبارکہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ اللہ کی فطرت (دین) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا) میں فطرت بمعنی دین ہے۔ علماء کرام نے اس آیت کی تفسیر میں فطرت کے معنی دین کے لیے ہیں۔ اس حدیث میں بھی فطرت کا معنی دین کرنا درست ہے۔ ان دس چیزوں کو ابراہیم علیہ السلام کی سنتیں بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے یہ حضرت ابراہیم پر نازل ہوئیں۔ پھر بعد کے انبیاء نے ان کی اقتداء کی۔

[۲] قَصُّ الشَّارِبِ۔ یعنی ان دس خصلتوں میں سے ایک لبیں پست کرنا ہے۔ شارب ان بالوں کو کہتے ہیں جو اوپر کے لب پر آگتے ہیں۔ مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ ان بالوں کو کاٹ کر اس حد تک پست کر دیا جائے کہ لب کا کنارہ ظاہر ہو جائے پست کرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ ان کا کچھ نشان باقی ... تاہم بعض علماء کے نزدیک مونڈتے

میں بھی حرج نہیں۔ اس باب میں اصل دلیل یہ حدیث ہے أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحَىٰ لبیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ) احفا کا معنی ہے لبوں کے بال پست کرنا۔ پھر پست کرنے کی حد میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ ابرو کے بالوں کے برابر لبیں ہونی چاہیں۔ مگر غازی اور مجاہد کے لیے لبیں بڑھانا جائز ہے۔ تاکہ دشمنوں کی نگاہ میں پُر ہیبت نظر آئیں۔ اسی طرح لبوں کے داڑھی سے ملے ہوئے کناروں کے بال بڑھانے بھی جائز ہیں۔ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

۳؎ اعفاء اللحیۃ یعنی دوسری چیز داڑھی بڑھانا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک مشت ہو۔ اس سے کم نہ ہونی چاہیے پھر ایک مشت سے بڑھانا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ حدِ اعتدال سے لمبی نہ ہو۔ اور اگر ایک مشت سے لمبی ہو جائے تو پھر بعض کے نزدیک کم کرنا مکروہ ہے۔ امام حسن بصری اور قتادہ کا یہی مذہب ہے۔ اور بعض کے نزدیک ایک مشت سے زیادہ کا کاٹ دینا مستحسن ہے۔ امام شافعی اور امام ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ داڑھی مونڈانا حرام اور فرنگیوں ہندوؤں اور قلندروں کا طریقہ ہے اور ایک مشت رکھنا واجب و ضروری ہے اور یہ جو ایک مشت داڑھی کے لیے سنت کا لفظ مشہور ہے تو اس سنت سے دین کا طریقہ مراد ہے یعنی ایک مشت داڑھی رکھنا دینِ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ یا اس بنا پر اسے سنت کہا گیا ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسے نمازِ عید کو سنت کہا گیا ہے۔

۴؎۔ مسواک۔ یعنی تیسری چیز مسواک کرنا ہے۔ اس کی شرح گذر چکی ہے۔

۵؎۔ ناک میں پانی چڑھانا۔ یعنی وضو کرتے وقت ناک صاف کرنے کے لیے اس میں پانی چڑھانا۔

۶؎ چھٹی چیز ہاتھوں و پاؤں کے ناخن کاٹنا ہیں۔ ہاتھوں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے پر ختم کرے اور وہ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی انگشت سے شروع کر کے اس کی چھنگلیا پر پہنچے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے تک پہنچے پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر اختتام کرے۔ اور پاؤں کے ناخن اس ترتیب سے تراشے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے اس کے انگوٹھے تک پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے اس کی چھنگلیا تک پہنچے۔ جس طرح کہ پاؤں کے خلال کرنے کا طریقہ ہے۔

علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن ناخن تراشنا مستحب ہے اور بعض نے اس کا ثواب بھی بیان کیا ہے

کہ جو شخص جمعہ کے روز ناخن اتارتا ہے۔ وہ اگلے جمعہ تک ہر بلا و مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔ بعض علماء کرام نے اس بارے میں ایک شعر بھی کہا ہے۔

تَقْلِمُوا الاظفار بِالسُّنَّۃِ وَالْاَدَبِ
یَوْمَ الْخَمِیْسِ خَوَابِسَ اَوْ خَسِبِ

سنت اور اسلامی آداب کے مطابق ناخن ترشوائیں۔ جمعرات کا دن ہونا چاہیے۔ حسب ترتیب سابق۔

بعض علماء کے نزدیک اترے ہوئے ناخن دفن کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پھینک بھی دیں تو حرج نہیں۔ مگر وضو یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے اور بیماری و بلا و مصیبت کا باعث ہے۔ اسی طرح دانتوں سے ناخن کاٹنا تنگ دستی اور مرض برص۔ کا موجب ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

شیخ امام عارف عالم حضرت عبد الوھاب متقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ایک تھیلی رکھی ہوئی تھی جس میں اپنے ناخن اور جو کچھ جسم سے الگ کرتے تھے اس میں ڈال دیتے تھے اور آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں بھی میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ شاید ایسا کرنے کی ان کے پاس کوئی سند ہوگی اور انہوں نے کہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۷۔ غسل البراجم۔ یعنی ساتویں چیز انگلیوں کے جوڑ دھونا اور انہیں پاک کرنا خصوصاً ان کی سلوٹیں جن میں میل کچیل جم جاتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے خصوصاً یہ حکم ہے کہ کام کاج کرنے سے جن کی انگلیاں کھردری ہو جاتی ہیں۔ نیز بدن کے وہ حصے اور جوڑ جن میں میل کچیل جمع ہو جانے کا گمان ہوتا ہے (جیسے ناف، کان اور بغل وغیرہ) ان کا بھی یہی حکم ہے (کہ ان کے دھونے میں خاص احتیاط کی جائے)

۸۔ نَتْفُ الْاِبِطِ۔ بغل کے بال اکھیڑنا۔ یعنی آٹھویں خصلت بغل کے بال اکھیڑنا ہے۔ انہیں مونڈنا اور مخصوص پاؤڈر سے دور کرنا بھی جائز ہے اور جن لوگوں نے اکھیڑنے کی عادت بنا رکھی ہو ان کے لیے اکھیڑنا ہی زیادہ بہتر و مناسب ہے۔ خصوصیت سے بغل کے بال اکھیڑنے کا حکم اس بنا پر ہے کہ اس جگہ بالوں کے مسام بند رہنے سے بخارات جمع رہتے ہیں جس سے یہاں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اکھیڑنے سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہے جس سے مسام کھل جاتے ہیں۔ اور بدبو جاتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس مونڈنے سے بالوں کی جڑیں اور مضبوط ہوتی ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں مبارک میں بال نہ تھے۔ مگر یہ تحقیق طلب بات ہے مگر حاشا و کلا (خدا کی پناہ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] کے کسی بھی حصے پر میل کچیل ہو۔ آپ

ذات اقدس تو سر سے قدم تک پاک اور طیب و طاہر اور صاف و ستھری تھی۔ بیت۔

از فرق تا قدم ہمہ جانست آن نہال — گویا ہمہ ز آب حیاتش سرشتہ اند۔

وہ نازک اندام محبوب سرتا پا جان ہے — گویا اسے آب حیات سے پیدا کیا گیا ہے۔

اس سے بھی بلند و ارفع یہ بات ہے کہ قضائے حاجت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ سے خوشبو مہکتی تھی اور آپ کے فضلات طیبہ کو زمین نگل جاتی تھی۔ بلکہ تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین کے فضلات مبارکہ کی یہی کیفیت تھی۔ رباعی۔

خوبان گل گلشن حیات اند ہمہ — شکر لب و شیریں حرکات اند ہمہ

از آدمیاں غرض ہمیں ایشانند — وآن باقی دیگر حشرات اند ہمہ

• سارے معشوق گلشن زندگی کے پھول ہیں — اور شکر لب اور شیریں حرکات ہیں!

انسانوں میں سے مطلوب و مقصود صرف یہی ہیں — باقی سب کیڑے مکوڑے ہیں!!

۹ حلق العانۃ۔ نویں خصلت موئے زیر ناف صاف کرنا۔ عانہ بمعنی شرمگاہ کے بال یا وہ جگہ جہاں بال اُگتے ہیں۔ اگلی اور پچھلی شرمگاہ نیز اس کے اردگرد کے سب بال صاف کرنا مستحب ہے۔ اور اکھیڑنے اور پوڈر سے صاف کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرمگاہ کے بال نورہ یعنی خاص قسم کی مٹی سے صاف کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ عورتوں کے لیے بال اکھیڑنا بہتر ہے۔

۱۰ دسویں خصلت و سنت پانی کم کرنا۔ پانی کم کرنے کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک استنجا کہ اس میں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر کم استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا یعنی الاستنجاء یہ راوی کا کلام ہے۔ دوسرا معنی یہ کہ شرمگاہ پہ پانی ڈال کر بول کو کم کیا جائے کہ پانی کے استعمال سے بول واپس لوٹ جاتا اور رک جاتا ہے۔ اور اگر پانی استعمال نہ کیا جائے تو بول نیچے اتر آتا اور قطرہ قطرہ گرتا رہتا ہے۔ اس توجیہہ کے مطابق لفظ انتقاص حرف قاف سے ہوگا اور ایک روایت میں حرف فا کے ساتھ انتفاص آیا ہے۔ اس کے معنی شرمگاہ پر پانی چھڑکنے کے ہیں۔ جیسا کہ باب آداب خلا کی تیسری فصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔

۱۱ ختنہ کرنا حضرت امام ابوحنیفہ۔ حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور بہت سے دوسرے علماء اور بعض شوافع کے نزدیک سنت اور شعائر اسلام سے ہے۔ چنانچہ کسی شہر یا قصبہ کے لوگ اگر اس سنت کے ترک پر اتفاق کرلیں تو حاکم وقت کو حکم ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرے جیسا کہ اذان وغیرہ کے ترک کا حکم ہے۔ اور امام شافعیؒ

کچھ مالکیہ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مردوں عورتوں دونوں پر ختنہ کرنا واجب وضروری ہے۔ ختنے کا وقت بعض کے نزدیک پیدائش سے ساتویں دن ہے جس طرح عقیقہ بعض کے نزدیک سات سال تک بعض کے نزدیک نو سال تک بعض کے نزدیک دس سال تک۔ اور بعض کے نزدیک جب انسان چاہے۔ تاہم بلوغ سے پہلے پہلے ہونا چاہیے خصوصًا احناف کے نزدیک جو اس کی سنیت کے قائل ہیں۔ کیونکہ سنت قائم کرنے کے لیے واجب کا ترک یعنی ستر عورت جائز نہیں۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ صحابہ کرام اپنے بچوں کا ختنہ بلوغت کے بعد کرتے تھے تو اس بلوغت سے شرعی بلوغت نہیں بلکہ لغوی بلوغت مراد ہے۔ یعنی قوت وتمیز کی عمر کو پہنچ جانا۔ اور یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو ختنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۵۰ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاکُ مَطْھَرَۃٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاۃٌ لِّلرَّبِّ۔ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ بِلَا اِسْنَادٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اسے امام شافعی امام احمد، دارمی اور نسائی نے روایت کیا اور امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں بلا اسناد روایت کیا۔

لہ۔ مطہرہ بفتح میم وسکون طا۔ یعنی پاک وصاف کرنے والی۔ بعض بکسر میم صیغۂ اسم آلہ کی صورت میں درست قرار دیتے ہیں۔

لہ مرضاۃ۔ رب تعالیٰ کو راضی کرنے والی۔ یا رب تعالیٰ کی پسندیدہ چیز۔ کیونکہ مسواک وضو اور منہ کی پاکیزگی کی تکمیل کا موجب ہے۔ اور منہ مناجات، تلاوت قرآن پاک اور ذکر الٰہی کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ بیت

ہزار بار بشستم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید

ہزار بار اپنا منہ مشک وگلاب سے دھو چکا ہوں مگر ابھی تیرا نام لینے کے لائق نہ ہو سکا۔

۳۵۱ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ وَیُرْوٰی اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ابو ایوب[۱] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں[۲] انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں۔ حیا[۳] اور ایک روایت میں حیا کے بجائے ختنہ[۴] آیا ہے۔ خوشبو لگانا۔ مسواک کرنا اور نکاح[۵]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱ۡ آپ مشہور صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے موقع پر مدینہ شریف پہنچ کر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے گھر نزول اجلال فرمایا۔

۲ۡ یعنی چار خصلتیں انبیاء سابقین کی سنتوں میں سے ہیں اور چار کا عدد چار سے زیادہ کی نفی نہیں کرتا۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں دس سنتیں مذکور ہوئیں۔ یہ مقام صرف ان چار سنتوں کے ذکر کا متقاضی تھا۔ اس لیے یہاں انہیں پر کفایت کی۔ یا اس وقت تک صرف ان چار ہی کی وحی ہوئی تھی۔ بعد میں ان چار سے زیادہ کی وحی نازل ہوئی۔

۳ۡ یہاں حیا سے نفس کا قبائح اور برائیوں سے شرم کرنا اور بچنا ہے۔ نیز فحش باتوں کے ذکر اور کسی کی شرافت کو پامال کرنے سے گریز کرنا مراد ہے۔ ورنہ حیاء در اصل انسان کی جبلی اور فطری صفت کا نام ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں۔

۴ۡ اور ایک روایت میں حیا کے بجائے ختنہ کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ اس مقام کے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ عشرہ فطرت میں مذکور ہوا۔ اور بعض روایات میں وَالْحِنَّا بکسر حائے مہملہ و تشدید نون آیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں۔ یہ روایت غلط اور نادرست ہے۔ کیونکہ حِنَّا (مہندی) کے استعمال سے اگر ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگانا مراد ہو تو اس سے عورتوں کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے۔ اور اس چیز کا انبیاء کی سنت قرار پانا بالکل درست نہیں اور اگر اس سے بالوں کو مہندی لگانا مراد ہو تو پھر یہ صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ امم سابقہ میں یہ چیز نہ تھی۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۵ۡ یعنی انبیاء علیہم السلام کی چوتھی سنت عورتوں سے نکاح کرنا ہے۔ یہ سنت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت مسنون و مشروع ہے۔

۳۵۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَّلَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں سونے کے

نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)

بعد جب بھی بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک[۲] کرتے۔ اسے احمد و ابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یہ لفظ رفع اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے مسواک کرنا سنت موکدہ ہے۔

۳۵۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ فَابْدَأُ بِهِ فَاسْتَاكُ ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے تو دھونے کے لیے مجھے عطا فرماتے ہے۔ دھونے سے پہلے خود اپنے منہ[۱] میں اس سے مسواک کرتی پھر اسے دھو کر حضور علیہ السلام کو دیتی[۲]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا

[۱] حضور علیہ السلام سے دہن مبارک سے برکت حاصل کرنے کے لیے اور غایت محبت کی وجہ سے اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا صرف دھونا مقصود نہ ہوتا تھا۔ ع

میانِ عاشق و معشوق رمزیست

[۲] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اس وقت بھی آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مسواک دی تاکہ مائی صاحبہ اسے اپنے دانتوں میں چبا کر اور نرم کر کے حضور کو دیں۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک بار مسواک کر کے پھر منہ سے نکال کر آپ اسے دھوتے تھے۔ اور پھر منہ میں ڈالتے تھے۔

تنبیہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار و تبرکات سے برکت اور لذت حاصل کرنا جائز بلکہ مستحسن امر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۵۴ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِيْ فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں اپنے آپ کو مسواک کرتے

بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا	ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس دوران دو آدمی میرے پاس آئے
اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ	ایک بڑا دوسرے چھوٹا۔ میں نے وہ مسواک چھوٹے کو دے دی
الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ	مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو[1]۔ میں نے وہ بڑے کو دے دی
اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ	(متفق علیہ)

[1] اس سے مسواک کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ عمر میں بڑے آدمی کو اس کے دینے کا حکم دیا گیا۔ نیز اس میں اس امر پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسے مواقع (کھانے پینے خوشبو وغیرہ) میں عمر میں بڑے انسان کو فوقیت دینی چاہیے۔ امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی حدیث نیند کی حالت کے بجائے عالم بیداری کے وقت بیان کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قوم کے بزرگ ترین کو مسواک مبارک عطا کی۔ اور فرمایا جبریل نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث جو آئندہ آرہی ہے وہ بھی بیداری کے واقعہ کی تائید کرتی ہے۔ الّا یہ کہ امر و نہی وغیرہ سب حالت نیند میں ہوا ہو۔

۳۵۵ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ	حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِيْ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ آئے جبریل میرے پاس کبھی مگر انہوں نے مجھے
جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِيْ	مسواک کا حکم دیا ہے بے شک مجھے خوف لاحق ہوا کہ میں اپنے
بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ	منہ کے اگلے حصے کو زخمی[1] ہی کر دوں گا۔ اسے احمد نے
فِيَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ	روایت کیا۔

[1] ۔ کہ بار بار اور کثرت سے مسواک کرنے کی وجہ سے میرے منہ کا اگلا حصہ پست ہو جائے گا اور میں منہ کے اگلے کو اکھیڑ ہی دوں گا۔ احفی بضم ہمزہ و سکون حائے مہملہ اور کسرہ بلفظ مضارع احفاء سے مشتق ہے۔ یعنی کسی چیز کو پست کرنا اور اکھیڑنا۔

۳۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَكْثَرْتُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے مسواک کے
عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	بارے میں تمہیں بہت کچھ کہہ دیا[1] ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] اور میں نے اس بارے میں کافی لمبی گفتگو کی ہے۔ اور یہ یا تو مسواک کے حکم کی بجا آوری کی رعایت میں مزید تاکید اور اس کی مکمل فضیلت حاصل کرنے کے لیے فرمایا۔ اور یا اس بارے میں امت پر شدت کرنے پر عذر کے طور

پر فرمایا۔ جیسا کہ اہل کرم کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور اس عذر میں بھی دراصل اس سنت کی ادائیگی میں شفقت برداشت کرنے کی تلقین و تاکید ہے۔

۳۵۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَاُوْحِيَ اِلَيْهِ فِيْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَهُمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس دو آدمی تھے۔ ایک بڑی عمر کا دوسرا چھوٹی عمر کا۔ آپ مسواک کی فضیلت میں وحی نازل ہوئی۔ کہ اپنی مسواک بڑی عمر والے کو عطا فرمائیں۔

(رواہ ابوداؤد)

۳۵۸ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسواک والی نماز کا غیر مسواک والی نماز سے ستر گنا[1] زیادہ ثواب ہے۔

(رواہ البیہقی)

[1] ستر کے عدد سے یا تو کثرت مراد ہے۔ یا یہی مخصوص عدد۔ واللہ اعلم۔

۳۵۹ وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّلَاَخَّرْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلَوٰتِ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهٗ عَلٰى اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهٗ

حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے وہ زید بن خالد جہنی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ فرماتے تھے۔ اگر مجھے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ اور نماز عشا کو رات کے تیسرے حصے تک موخر کر دیتا۔ حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ زید بن خالد مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آتے تو مسواک ان کے کان پر اس طرح رکھی ہوتی تھی جس طرح کاتب اپنا قلم کان پر رکھ لیتا ہے۔ آپ نماز کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے

اِلٰی مَوْضِعِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَاَخَّرْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ	مگر پہلے مسواک کرتے پھر اسے کان پر رکھ لیتے اور نماز شروع کرتے۔ ہر نماز کے لیے ایسا ہی کرتے تھے۔ اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا۔ مگر ابو داؤد نے لاخرت العشاء الی ثلث اللیل کے الفاظ ذکر نہیں کیے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ سُنَنِ الْوُضُوْءِ

وضو کی سنتوں کا باب

سنن سنت کی جمع ہے۔ لغت میں سنت کا معنیٰ طریقہ، راہ اور روش کا آتا ہے۔ شرع میں وہ امور سنت کہلاتے ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق اپنی گفتار و کردار سے لوگوں کو امر و نہی فرمائی ہے۔ کبھی مستحب و مستحسن) کو بھی سنت کہہ دیتے ہیں جس کا استحباب و استحسان کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع امت یا قیاس سے ثابت ہو۔ اور کبھی اس کام کو بھی سُنّت کہتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو صرف کبھی کبھار چھوڑا ہو۔ لفظ سنت ان تین اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے تاہم علماء اصول کے نزدیک تیسرا معنیٰ زیادہ مشہور ہے۔ اور سنن وضو سے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے متعلق افعال و اقوال مراد ہیں چاہے وہ فرائض سے ہوں یا سنن و آداب میں سے ہوں جو حضور ان وضو آپ بجالاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۶۰ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهٗ فِى الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلٰثًا فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے[۱] جب تک اسے تین بار نہ دھو لے[۲]۔ کیونکہ بندے کو نیند کی حالت میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔

متفق علیہ

۵۱ فلا یغمس بمعنی نہ ڈبوئے اور ایک روایت میں فلا یغمسن نون تاکید کے ساتھ آیا ہے یعنی ہرگز نہ ڈبوئے۔

۵۲ وضو سے پہلے ہاتھ دھونا سنت ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔ بیدار ہو کر اٹھنے کے وقت کی قید اس لیے لگائی کہ بلادِ عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے اس وجہ سے لوگ غالب اوقات میں سنگ و کلوخ (ڈھیلوں) سے استنجا کرتے ہیں اور نیند میں گرم آب و ہوا کے باعث جائے استنجا میں بھی پسینہ آ جاتا ہے۔ اور عین ممکن ہوتا ہے کہ ہاتھ شرمگاہ کو لگ کر ناپاک ہو جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا۔ اور کہاں کہاں لگتا رہا ہے۔ اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ نیند سے بیدار ہوتے ہی پہلے ہاتھ دھو ڈالو اور تین بار دھو تاکہ اچھی طرح پاک و صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کرو۔ یہ امر مسنون و مستحب ہے جس کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے فرض یا واجب نہیں۔ اگر نہ بھی دھوئے تو ہاتھ بہرحال پاک ہیں اور جس پانی کو ہاتھ لگیں گے وہ بھی پاک ہی رہے گا۔ کیونکہ نیند کی حالت میں ہاتھ کا ناپاک ہو جانا یقینی نہیں بلکہ ناپاک ہونے کا محض وہم و احتمال ہے۔

ہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ دھونا واجب و ضروری ہے۔ اگر بغیر دھوئے پانی میں ڈال دیے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اصل میں تو وضو سے پہلے ہاتھ دھونے کی سنت مذکورہ علت کی بنا پر صرف بیدار ہوتے کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد ہر دفعہ وضو کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے سنت قرار دے دیے گئے۔ اگرچہ نیند سے بیدار ہونے کی حالت نہ ہو۔ بعض علماء کے نزدیک نظر بظاہر حدیث یہ سنت صرف اسی وقت کے ساتھ خاص ہے مطلقاً سنت نہیں ہے۔

۳۶۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو اور وضو کرے تو چاہیے کہ تین بار ناک میں پانی

فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چڑھائے۔ کیونکہ شیطان رات کو اس کے نتھنوں[1] میں رہتا ہے اسے مسلم و بخاری نے روایت کیا۔

[1] یہ حقیقت ہے کہ شیطان انسان کے نتھنوں کو رات کے وقت اپنی خوابگاہ بنالیتا ہے۔ باقی رہی اس کی کیفیت تو اس کا صحیح علم شارع علیہ السلام کو ہے۔ ہمارے افہام وعقول اس قسم کے اسرار و معارف کے احاطہ و ادراک سے قاصر ہیں۔ اس قسم کے امور کے بارے میں سلامتی اسی بات میں ہے کہ شارع علیہ السلام نے ایسی جو خبریں بھی دی ہیں، ان کی تصدیق کی جائے اور ان پر ایمان لایا جائے۔ اور ان کی کیفیت بیان کرنے سے سکوت اختیار کیا جائے۔ تاہم کچھ علماء اس کی تاویل کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ نیند کی حالت میں مختلف اخلاط بلغم، گرد وغبار اور میل کچیل ناک میں جمع ہو جاتی ہے۔ ناک دماغ کی ہمسایہ ہے دماغ ہی ادراکی قوتوں کا محل وقوع ہوتا ہے۔ ناک کی اس حالت کے باعث دماغ متاثر ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے تلاوت قرآن حکیم اور فہم معانی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور خشوع وخضوع کے حصول میں سستی اور ضعف لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ سب باتیں شیطان کو بہت پسند ہیں۔ تو گویا شیطان ہی ناک کو اپنی خوابگاہ بناتا اور اس کے نتھنوں میں رات بسر کرتا ہے۔ جس طرح فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ شریف پڑھے بغیر کھانا کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے اور رات کو سوتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے سے بندے کے ساتھ سو جاتا ہے۔

۳۶۲ وَقِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے۔ اس پر آپ نے وضو کا پانی منگوایا۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں پر بہایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر آپ نے تین بار کلی کی اور تین بار ہی ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین بار چہرہ مبارک دھویا پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر دونوں ہاتھوں سے سر مبارک کا مسح فرمایا۔ اور دونوں ہاتھ پیشانی سے پیچھے کی طرف لے گئے۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ اگلے حصے سے مسح کی ابتدا کی اور پیچھے گردن کی طرف لے گئے۔ پھر انہیں واپس لائے۔ یہاں تک کہ اس جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا پھر آپ نے دونوں پاؤں دھوئے۔ اسے مالک اور نسائی

وَالنِّسَآئِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ نَحْوَهٗ ذَکَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْهِ قِیْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَیْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فَاَکْفَأَ مِنْهُ عَلٰی یَدَیْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ کَفٍّ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ یَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ فَاَقْبَلَ بِیَدَیْهِ وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا کَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰی قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰی رَجَعَ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا بِثَلٰثِ غُرُفَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ وَفِیْ اُخْرٰی فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ

نے روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت بھی ایسی ہی ہے اسے صاحب الجامع نے ذکر کیا۔

اور متفق علیہ روایت میں آیا ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا آپ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھائیں۔ آپ نے ایک پانی کا برتن منگوایا اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور انہیں تین بار دھویا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور باہر نکالے تو ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ آپ نے اس طرح تین بار کیا پھر آپ نے برتن میں دونوں ہاتھ ڈالے پھر انہیں نکال کر اپنا چہرہ مبارک تین بار دھویا پھر آپ نے برتن میں دونوں ہاتھ ڈالے اور نکالے اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور باہر نکالے اور سر کا مسح کیا پہلے آگے سے پیچھے لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے لائے پھر آپ نے ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو مبارک ایسا ہوتا تھا۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مسح کے وقت دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے۔ پھر پیچھے سے آگے لائے یعنی آپ نے مسح کی ابتداء اس طرح کی کہ دونوں ہاتھ پہلے سر کے اگلے حصے سے پیچھے لے گئے پھر انہیں واپس لائے یہاں تک کہ اسی جگہ واپس لے آئے۔ جہاں سے شروع کیا تھا پھر آپ نے دونوں پاؤں دھوئے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور ناک صاف کی یہ تینوں کام آپ نے تین

كَفَّةٍ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِيْ أُخْرٰى لَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

چلوؤں سے تین تین بار کیے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا ایک چلو سے آپ نے اس طرح تین بار کیا اور بخاری کی روایت میں ہے۔ آپ نے سر کا مسح کیا پہلے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے پھر پیچھے سے آگے لائے۔ ایک بار پھر اپنے ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے اور ایک روایت میں ہے آپ نے ایک ہی چلو سے تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں ڈالا

لے حضرت عبداللہ بن زید اکابر انصار میں سے ہیں آپ کی حدیث باب وضو میں حجت اور دلیل ہے۔ اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کا ناقل اور راوی کہتے ہیں۔ آپ نے ہی وحشی بن حرب کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا آپ کو ۶۳ھ میں حرہ کے دن قتل کیا گیا۔ اور عبداللہ بن زید بن عبدربہ اور شخص اور انہیں صاحب الاذان کہتے ہیں اور انہیں یعنی عبداللہ بن زید عاصم کو صاحب وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

سے اتنا پانی منگوایا جس سے وضو ہو سکتا تھا تاکہ آپ وضو کریں اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت اور طریقہ بتلائیں۔

سے یعنی پہنچے تک۔

کے مسح تر ہاتھ کو عضو یا جسم پر پھیرنے کا نام ہے۔

ھ۔ مسح سر کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں اپنے سر کے اگلے حصے پر رکھے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو الگ رکھے دونوں ہتھیلیوں کو بھی سر سے جدا رکھے اور اپنا ہاتھ سر کے پیچھے لے جائے پھر دونوں ہتھیلیاں سر پر رکھ کر دونوں ہاتھ آگے کی طرف لائے۔ پھر دونوں انگوٹھوں کے ساتھ دونوں کانوں کے باہر کے حصے کا مسح کرے اور دونوں انگشتان شہادت سے کانوں کے اندر کے حصے کا مسح کرے۔ علامہ شمنی علیہ الرحمۃ نے محیط سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور شرح کنز سے اس کا طریقہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اور ہتھیلیاں سر پر رکھ کر پیچھے کی طرف لے جائے۔ اس طرح کہ سارے سر کو گھیر لے پھر دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کا مسح کرے اس طرح پانی بھی مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ سارے سر کا مسح بدون اس کے متصور نہیں۔ نیز کانوں کا مسح بھی اسی پانی سے ہوتا ہے جس سے سر کا مسح کیا ہوتا ہے۔

لے اس حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ نے کتنی مرتبہ سر کا مسح کیا لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے آپ نے

پاؤں دھوئے اور اچھی طرح دھوئے۔ اور دوسری احادیث میں تعداد کا ذکر بھی آیا ہے۔

ﮯ۵ اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں اور نسائی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے جو معنی میں متحد اور الفاظ میں مختلف ہے اسے صاحب جامع نے جامع الاصول میں ذکر کیا اور کتاب جامع صحاح ستہ کی جامع ہے۔ مولف کا اس سے صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا مقصود ہے جو مذکورہ حدیث کو صحاح کے الفاظ سے لائے ہیں حالانکہ یہ بخاری و مسلم کی حدیث نہیں ہے اور صحاح میں جو کچھ ہے وہ ہے جسے مولف نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وفی المتفق علیہ۔

ﮯ۸ یہ الفاظ متفق علیہ حدیث کے ، ہیں کہ مصابیح میں اس کے علاوہ دوسرے الفاظ ذکر کیے جن کے بارے میں مولف نے کہا کہ یہ مالک اور نسائی کی روایت ہے۔ اور مولف کا یہ قول کہ وفی روایۃ الخ۔ تو یہ متفق علیہ روایت کے الفاظ ہیں۔

ﮯ۹ یہ صاحب مصابیح کی روایت کے موافق ہے نیز اس کے بارے میں مولف نے کہا ہے کہ اسے مالک اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ اور دوسری روایات جو مولف علیہ الرحمہ یہاں ذکر کر رہے ہیں صحیحین کی روایات ہیں اور مصابیح میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وفی روایۃ فمضمض الخ۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں واستنثر کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

ﮯ۱۰ فی روایۃ اُخری یعنی اور ایک متفق علیہ روایت میں اس طرح بھی آیا ہے۔ فمضمض الخ

ﮯ۱۱ فی روایۃ للبخاری یعنی ایک روایت میں جو بخاری کے ساتھ خاص ہے۔ یوں آیا ہے۔ مَسَحَ رَاْسَہٗ الخ۔

ﮯ۱۲ وفی اُخری یعنی امام بخاری کی ہی ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ فمضمض واستنثر ثلاث مرات من غرفۃ واحدۃ

ﮯ۱۳ غَرفۃ۔ بفتح غین یعنی ہاتھ سے ایک بار پانی اٹھانا۔ غُرفۃ بضم غین۔ یعنی پانی سے بھرا ہوا پانی کا ایک چلو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ احادیث و روایات کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے بارے میں مختلف آئی ہیں۔ بعض میں تین چلو اور بعض میں ایک چلو آیا ہے۔ پھر بعض میں کلی اور ناک کے لیے الگ الگ چلو کا ذکر ہے اور بعض میں دونوں کے لیے ایک ہی چلو کا بیان ہے۔ اس طرح بہت سی صورتیں بن جاتی ہیں۔ ہم نے شرح عربی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ قول صحیح کے مطابق امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ تین چلوؤں سے پہلے کلی کرے۔ پھر انہیں سے ناک صاف کرے۔ اس کے برعکس حنفی مذہب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ تین چلو پانی لے۔ اس طرح کل چھ چلو بنیں گے۔ تاہم احادیث میں دونوں طریق آئے ہیں۔ اس بارے میں مختلف احادیث کے درمیان مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک طریقہ اختیار کیا کبھی دوسرا۔ اور ان دونوں قسم کی احادیث و روایات میں سے ترجیح ان روایات کو دی جائے گی جو قیاس کے موافق ہوں۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ناک اور منہ دو الگ الگ عضو ہیں لہذا ایک ہی چلو میں دونوں کو جمع کرنا درست نہ ہوگا۔ جس طرح دوسرے اعضا میں الگ الگ پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو جو حدیث قیاس کے موافق ہوگی وہ راجح ہوگی جس طرح کہ علم اصول فقہ میں طے شدہ ہے۔

اور علامہ شمنی رحمۃ اللہ نے فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی ایک چلو ہی سے کلی اور ناک صاف کرنا درست ہے یعنی نصف سے کلی اور نصف سے ناک صاف کی جائے۔ اسے وصل کہتے ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک وصل بھی جائز ہے۔

یوں ہی امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فصل بھی جائز ہے۔

چنانچہ ترمذی نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کلی کرنا اور ناک صاف کرنا ایک چلو سے بھی جائز ہے۔ مگر ہر ایک کے لیے تازہ اور جدا پانی لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ اس روایت کے مطابق اس مسئلے میں دونوں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۳۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ہر عضو کو صرف ایک ایک بار دھویا۔ ایک سے زیادہ بار کوئی عضو نہ دھویا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

۳۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ہر عضو کو دو دو بار دھویا۔ (بخاری شریف)

۳۶۵ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِيْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے مقام مقاعد[1] میں وضو کیا اور فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں۔ تو آپ نے تین تین بار[2] وضو کیا مسلم شریف

[2] ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعضائے وضو کبھی ایک ایک بار کبھی دو دو بار اور کبھی تین تین بار دھوئے

جلتے تھے۔ مگر غالب واکثر تین تین بار دھونے کا ذکر آیا ہے۔ ایک بار دھونے میں صرف فرض پہ کفایت کی گئی ہے جس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں۔ دو بار دھونے میں طہارت و پاکیزگی کے زیادہ اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ اسے نور علی نور کہتے ہیں۔ اور یہ مزید اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اور تین تین بار دھونا مرتبہ تطہیر کی انتہا اور طہارت میں مبالغہ و تاکید کا اظہار ہے۔ تین بار سے زیادہ دھونا حد سے تجاوز، اسراف اور ظلم و ممنوع ہے۔ تین سے زیادہ بار دھونا بظاہر زیادتی ہے مگر حقیقت میں نقصان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ تاہم اس سے وضو باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ قائم و باقی رہتا ہے۔

بعض احادیث میں اعضائے وضو تین بار بعض میں دو بار اور بعض میں ایک بار دھونے کا ذکر آیا ہے۔ یہ متعدد صورتیں ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب صورتیں بیان جواز اور دائرہ وضو کی توسیع کے لیے ہیں بعض علماء کے نزدیک صرف ایک ایک بار دھونا گناہ ہے۔ کیونکہ اس مشہور سنت کا ترک لازم آتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے، گناہ نہیں، کیونکہ صرف ایک بار دھونے کا ذکر بھی صحیح احادیث میں آیا ہے۔ اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے موطا میں کہا ہے کہ تین تین بار دھونا افضل، دو دو بار دھونا کفایت اور صرف ایک بار دھونا اگر صحیح و کامل طریقہ سے ہو تو کافی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ تین سے زیادہ بار دھونے کو میں پسند کرتا ہوں۔ اور ہم اسے حرام قرار نہ دیں گے۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے تین سے زیادہ بار دھونا مکروہ تنزیہی ہے۔

[1] - مقاعد ایک جگہ کا نام ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد سے باہر لوگوں کے بیٹھنے کے لیے ایک چبوترا بنایا ہوا تھا۔ تاکہ لوگ مسجد کے بجائے وہاں بیٹھ کر باتیں کیا کریں اور شعر پڑھا کریں۔ اس چبوترے کو زوراء بھی کہتے تھے مقاعد مقعد کی جمع ہے یعنی بیٹھنے کی جگہ۔

۳۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّئُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہے تھے۔ دوران سفر ہم ایک چشمہ پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لیے وضو کرنے میں جلدی کی اور بہت ہی عجلت سے کام لیا۔ اتنے میں ہم لوگ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں۔ یعنی انہیں وضو کا پانی نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں جلنے کی وجہ سے ان ایڑیوں پر افسوس! اے لوگو

مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ ۔ رَوَاہُ کامل ہے اور ٹھیک وضو کیا کرو۔
مُسْلِمٌ ۔
(مسلم شریف)

لے یعنی انہوں نے نمازِ عصر کے وضو کرنے میں بڑی شتابی کی اور افراتفری سے کام لیا۔ گویا کہ نمازِ عصر کا وقت تنگ ہو رہا ہے بلکہ گزر چکا ہے۔

سے عجال بکسر عین وخفت جیم اور بضم عین وتشدید جیم دونوں روایتیں آئی ہیں۔ یہ عاجل کی جمع ہے۔ بمعنی جلدی و شتابی کرنے والے۔

سے جب کہ ایڑیوں کا خشک رہنا عذاب و وعید کا موجب بنا اس وجہ سے ویل (عذاب) کی نسبت ایڑیوں کی طرف کردی۔ ورنہ حقیقۃً عذاب تو ایڑیوں والوں کو ہوگا۔ جو اس کوتاہی کے مرتکب ہوئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب صرف ایڑیوں کو ہی ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ویل بمعنی سختی، عذاب، ہلاکت اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

سے کہ اعضائے وضو کا کوئی جزو خشک نہ رہ جائے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر ناخن کے کنارے جتنا حصہ بھی خشک رہا تو وضو نہ ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ اسی لیے اس کے نہ دھونے پر وعید فرمائی۔ اور مسح کافی نہ ہوگا۔ یہی اعصار وامصار کے جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔ اس کی مخالفت کسی ایسے شخص سے ثابت نہیں جس کی اجماع کے خلاف کوئی اہمیت یا حیثیت ہو۔ اور صحابہ کرام میں سے جن حضرات نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کی حدیث روایت کی ہے اور لوگوں کو آپ کے وضو کی تعلیم دی ہے جیسے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زید جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ناقل اور خاص راوی قرار دیا گیا ہے اور حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سب اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب موزے نہیں پہنے ہوتے تھے تو پاؤں مبارک دھوتے تھے۔ اور لاتعداد احادیث پاؤں دھونے کے ثبوت میں وارد ہیں اور متواتر معنوی اور درجہ صحت کو پہنچ چکی ہیں۔ اور پاؤں نہ دھونے پر یہ مذکورہ وعید بے شمار احادیث میں وارد ہو چکی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل وضو کرنے کی تاکید کی اور اس کے ترک پر وعید فرمائی تو صحابہ کرام نے مسح کرنا ترک کر دیا اور مسح کی رعایت منسوخ ہو گئی۔ اور طحاوی نے عبدالملک بن سلیمان سے روایت کی ہے انہوں نے کہا میں نے عطا خراسانی سے جو اکابر تابعین سے ہیں، کہا کسی صحابی نے بھی دھونے کے بجائے پاؤں پر مسح کر لینا جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا واللہ یہ بات کسی صحابی سے منقول نہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ پاؤں کے دھونے کے وجوب کا اجماع و اتفاق ہے۔ ابتداء

اس میں قدرے اختلاف تھا اور یہ قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے۔

سوال :۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجماع تو وہ ہوتا ہے کہ ایک حکم پر سب کا اتفاق ہوا ہو اور یہاں تو اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مسح کے قائل ہیں۔ بعض مسح اور دھونے دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور بعض بیک وقت دونوں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

جواب :۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کو کچھ اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ بہت کم لوگوں کی طرف سے مخالفت واقع ہوئی ہے۔ ایسے نادر خلاف کا کچھ اعتبار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر ہے کہ اس اجماع کا منکر کافر نہ ہوگا۔ اور ہمارے بعض علماء نے اس کے مخالف کو کافر قرار دیا ہے۔ تاہم ہمارا طریقہ احتیاط کا ہے۔ خلاف اور شبہ کے باعث منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اس باب میں خلاصہ سخن یہ ہے کہ کتاب اللہ اس بارے میں مُحتَمَل اور مشتبہ ہے۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں حد شہرت و تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی مراد کو بالکل واضح اور روشن کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۶۷ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مغیرہ[1] بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو اپنی پیشانی اور دستار مبارک اور موزوں[2] پر مسح کیا۔ (مسلم شریف)

[1] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جنگ خندق کے سال اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخصوص حکام اور ان کے خاص مشیروں میں سے ہیں۔

[2] واضح رہے کہ سر کی مقدارِ مسح میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سارے سر کا مسح فرض ہے کیونکہ قرآن حکیم میں سر کے مسح کا حکم ہے اور سر چونکہ سارے سر کا نام ہے تو مسح بھی سارے سر کا واجب ہوگا۔ اس کے برعکس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے مطلق سر کے مسح کا حکم ہے سارا ہو یا بعض اگرچہ سر کے صرف دو بال ہی ہوں کہ تر ہاتھ سر سے لگانے کا نام مسح ہے۔ اور یہ معنی سر کے کچھ حصے کے مسح سے متحقق ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے۔ آپ کی دلیل یہ حدیث ناصیہ ہے۔ ناصیہ (پیشانی) سر کے اگلے چوتھائی

حصے کا نام ہے۔ اگر سارے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ صرف مقدارِ ناصیہ پر کفایت نہ کرتے۔ اور اگر اس سے کم پر مسح جائز ہوتا تو بیان جواز کے لیے کبھی چوتھائی حصہ سے کم پر بھی مسح کرتے۔ امام احمد کے مذہب کے بیان میں روایات مختلف ہیں جو تینوں ائمہ مذکورہ کے مذاہب کے موافق ہیں۔ مگر زیادہ تر روایات امام مالک کے مذہب کے مطابق ہیں۔ ایک روایت میں اکثر سر کے مسح کا بھی ذکر آیا ہے۔ میں (شیخ محدث) نے بعض متاخرین مشائخ سے سُنا ہے وہ اپنے مشائخ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے کہا الانصاف فی مسئلہ مسح الراس مع مالک۔ یعنی مسح سر کے مسئلہ میں حق وانصاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسح کے بارے میں قرآن حکیم کی آیت مجمل ہے۔ حدیث نے اس اجمال کی تفصیل کر دی۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کر دی گئی ہے۔

۳ہ۔ وعلی العمامۃ۔ یعنی اور آپ نے عمامہ شریف پر مسح کیا۔ یہ اس پر محمول ہے کہ جب آپ نے فریضہ مسح ادا کیا اور مقدار پیشانی پر کفایت کی تو اس کی تکمیل اور ادائے سنت کی خاطر جو تمام سر کا مسح ہے، بقیہ سر پر مسح کرنے کے بجائے عمامہ شریف پر مسح کیا یہ آپ نے فی الجملہ تطہیر و تنظیف کے لیے کیا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق چونکہ تمام سر کا مسح فرض ہے۔ اس لیے اس فریضہ کی تکمیل کے لیے کچھ سر پر مسح کیا اور کچھ عمامہ شریف پر امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ راوی کا وہم ہو۔ شاید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت دست مبارک عمامہ شریف پر پھیرا ہو اور راوی نے یہ وہم کر لیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ شریف پر مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن سر پہ مسح نہ کرنا بلکہ مستقلاً عمامہ پر مسح کرنا جس طرح موزوں میں ہوتا ہے۔ تو تینوں ائمہ کے نزدیک جائز نہیں سوائے امام احمد کے کہ ان کے نزدیک صرف عمامے پر مسح کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ عمامہ باوضو پہنا ہو اور اس نے سارے سر کو چھپایا ہوا ہو۔ جس طرح موزوں میں ہے۔

اور راوی نے یہ جو کہا وعلی الخفین (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح کیا) تو اس سے بھی بظاہر اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فقہاء حدیث کی ایک جماعت نے عمامے پر مسح کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر دیار اسلام کے اکثر لوگوں میں اس کے خلاف پر عمل ہے۔ انتہیٰ۔ اور حق یہ ہے کہ صرف اس محتمل خبر پر انحصار کرتے ہوئے عمامہ پر مسح کا حکم (فتویٰ) نہیں دیا جا سکتا۔ الا یہ کہ ظہور و شہرت میں موزوں کی حدیث کے درجے کی حدیث ہو جو آفتاب کی روشنی کی طرح روشن و واضح ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۶۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جہاں تک ممکن ہوتا ہر کام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب کو پسند

مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کرتے تھے۔ طہارت میں بھی، بالوں کو کنگھی کرنے میں بھی اور جوتا پہننے میں بھی۔ (بخاری و مسلم)

لے یعنی آپ اپنا ہر کام جانب راست سے شروع کرتے تھے۔ اور جانب راست اختیار فرماتے تھے اس کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان فرمائی۔ چنانچہ فرمایا فی طہورہ۔ چنانچہ آپ پہلے دائیں ہاتھ دھوتے سا سی طرح پہلے دائیں پاؤں مبارک دھوتے۔ تاہم دونوں رخسارے اور دونوں کان تو ایک ساتھ ہی دھوئے جائیں گے۔

لے وترجلہ۔ یعنی سر مبارک اور ریش مبارک میں کنگھی کرنے میں جانب راست سے شروع کرتے۔

لے۔ یہ تین چیزیں بطور مثال بیان فرمائیں۔ ورنہ ہر چیز جو عزت و تکریم اور جائز زینت و آرائش سے تعلق رکھتی ہے سب کا یہی حکم ہے۔ جیسے کپڑے پہننا، پاؤں میں موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، جائے وضو سے باہر قدم رکھنا، سرمہ ڈالنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھیڑنا، لبیں پست کرنا وغیرہ۔ سر منڈانے میں بعض علماء منڈانے والے کی دائیں جانب مراد لیتے ہیں اور بعض مونڈنے والی کی دائیں جانب یعنی وہ پہلے اس جانب کو مونڈے جو اس کی دائیں جانب واقع ہو۔ جیسا کہ بعض علماء نے مناسک حج میں ذکر کیا ہے۔ تاہم قول اول اصح اور اظہر ہے۔ اور وہ کام جو مذکورہ امور جیسے نہیں ہیں جیسے مسجد سے باہر آنا، جائے وضو میں جانا، طہارت خانہ میں داخل ہونا۔ ناک صاف کرنا، کپڑے اتارنا اور اس جیسے اور کام تو ان میں بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے اور یہ سب دائیں جانب کے شرف و عزت کی بنا پر ہے۔ جس طرح دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور دائیں جانب کا ہمسایہ بائیں جانب والے ہمسایہ سے افضل اور اس کا حق مقدم ہے۔

راستی در ہمہ جا معتبر است

راستی کو ہر جگہ فوقیت و افضلیت حاصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۶۹ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ لباس لے

وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوا بِأَيَامِنِكُمْ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُد)

پہنو اور جب وضو کرو تو دائیں[۲] جانب سے شروع کیا کرو۔ احمد و ابو داؤد۔

[۱] اور جوتا و موزہ وغیرہ۔

[۲] بعض روایات میں میامن کے بجائے لفظ ایامن آیا ہے۔ تاہم معنیٰ دونوں کا ایک ہی ہے۔ البتہ میامن میمن کی جمع اور ایامن ایمن کی جمع ہے۔

۳۷۰ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَزَادُوا فِي أَوَّلِهِ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا وضو کامل نہیں جو تاجو اللہ کا نام[۱] (بسم اللہ شریف) نہ لے۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ نے اور احمد اور ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور محدث دارمی نے حضرت ابو سعید خدری سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ اور احمد و ابو داؤد اور دارمی نے اس حدیث کے اول میں یہ الفاظ بھی زیادہ کیے۔ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ یعنی جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔[۲]

[۱] یعنی جس نے وضو شروع کرتے وقت خدا تعالیٰ کا نام نہ لیا یہاں سلف سے منقول لفظ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مراد ہے۔ اور مشہور یہ لفظ ہے۔ بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام۔

[۲] اس صورت میں حدیث کا معنیٰ یہ ہوگا۔ اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو اور اس شخص کا وضو نہیں جس نے خدا کا نام نہ لیا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جس نے وضو شروع کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا اس کی نماز ہی نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے یا مستحب۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق صحابہ کرام کی ایک جماعت کے اختیار کرنے کی بنا پر بسم اللہ شریف کا پڑھنا سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب اور وضو کے لیے شرط ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ شریف نہ پڑھنے کی صورت میں وضو کے وجود کی نفی کی گئی ہے۔ تاہم جمہور کے نزدیک یہ نفی کمال کی نفی پر محمول ہے۔ لیکن امام احمد، ابو داؤد اور دارمی کی روایت جو مذکور ہوئی ہے اس احتمال کو جیسا کہ پوشیدہ نہیں دور تر پھینک دیتی ہے۔

جمہور کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ الآیۃ۔ یعنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔ اس آیۃ مبارکہ میں بسم اللہ شریف کا ذکر نہیں ہے اور اصحاب سنن اربعہ (سنن نسائی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ) نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کی تعلیم دے دیتے ہوئے فرمایا اس طرح وضو کرو جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ نے جس آیت میں یعنی مذکورہ آیت میں وضو کا حکم دیا ہے اس میں بسم اللہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ اور تیسری فصل کے آخر میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایک روایت آرہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو شروع کرتے وقت خدا تعالیٰ کا نام لے اس کا سارا جسم پاک ہو جاتا ہے اور جو خدا کا نام نہ لے اس کے صرف وضو کے اعضا پاک ہوتے ہیں۔ اس کلام کا اسلوب بیان اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ بسم اللہ سے وضو میں کمال پیدا ہوتا ہے اور یہ سنیت یا استحباب کی علامت ہے۔ امام طحاوی و امام قدوری نے تو اسے سنت قرار دیا ہے۔ مگر صاحب ہدایہ نے کہا صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

۳۷۱۔ وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ بَيْنَ الْاَصَابِعِ۔

حضرت لقیط[۱] بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے وضو کے بارے میں بتائیں (کہ اس کا حسن و کمال کس چیز میں ہے) آپ نے فرمایا کامل اور عمدہ وضو کر۔ انگلیوں میں[۲] خلال کر اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھا[۳] الا یہ کہ تو روزے دار ہو۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ، دارمی نے اسے بین الاصابع[۴] کے لفظ تک روایت کیا۔

[۱] لقیط بروزن کریم۔ صبرہ بفتح صاد کسر با مشہور صحابی ہیں۔ آپ اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔

[۲] یعنی ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔ لغت میں تخلیل کا معنیٰ ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک انگلیوں کا خلال سنت۔ اور امام احمد کے نزدیک پاؤں کی انگلیوں کا خلال تو بلا اختلاف سنت ہے۔ تاہم اگر خلال نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ انگلیوں کا خلال بہت پسندیدہ چیز ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں کے خلال میں ان سے دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سنت ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ سنت نہیں۔ کیونکہ ان کا کھلا کھلا اور جدا جدا ہونا خلال سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک انگلیوں کا خلال صرف پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ خاص ہے ۔کیونکہ ہاتھ کی انگلیاں پیدائشی طور پر کشادہ اور جدا جدا ہیں۔ہاں اگر ایک دوسری کے ساتھ چپکی ہوئی اور متصل ہوں۔اور تکلف کے بغیر ان کے درمیان پانی نہ گزرے تو واجب و ضروری ہے ۔اور خلال نہ کرنے پر جو وعید دار قطنی کی حدیث میں آئی ہے جیسا کہ ہدایہ میں آیا ہے وہ اسی مذکورہ صورت محمول ہے ۔بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ۔جیسا کہ الشیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ۔پاؤں کی انگلیوں کے خلال کی کیفیت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے ۔اور بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرے۔

۳؎ وَبَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ۔یعنی ناک میں اچھے طریقے سے پانی چڑھا ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں بالغ فی المضمضۃ والاستنشاق۔یعنی اچھے طریقہ سے کلی کر اور ناک صاف کر۔کلی کرنے کی حد یہ ہے کہ پانی سے منہ بھر کرے اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی حلق تک پہنچائے ۔اور بعض کے نزدیک مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ سارے منہ میں پانی پھیرے استنشاق کی حد یہ ہے کہ ناک کے نرمے تک پانی پہنچائے اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ اس سے بھی آگے لے جائے بعض کے نزدیک مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ سانس سے پانی کھینچ کر ناک کے سوراخ کے آخر تک پانی لے جائے ۔

۴؎ کیونکہ روزہ کی حالت میں مبالغہ سنت نہیں بلکہ مکروہ ہے ۔کہ اس سے روزہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول مشہور میں غسل اور وضو میں کلی اور ناک میں پانی چڑھانا فرض ہے ۔اور امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غسل اور وضو دونوں میں سنت ہے ۔اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں دونوں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔

۵؎ یعنی یہ عبارت بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما کے الفاظ ابن ماجہ اور دارمی کی حدیث میں نہیں ہیں۔

۳۴۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو وضو کرے تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۳۴۳ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ ابْنِ شَدَّادٍ قَالَ

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ وضو کرتے وقت اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو اپنی چھنگلیا سے ملتے تھے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لہ مُسْتَوْرِدُ بْنُ شَدَّادٍ یعنی بضم میم و سکونِ سین اور فتح تاء و سکونِ واو و کسرِ را آخر میں دال۔ شداد سین کی فتح اور دال کی شد کے ساتھ۔ آپ اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت بچے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت ہے۔

۲ اور چھنگلیا سے ملنا خلال کو مستلزم ہے۔ بعض نے کہا یہاں دلک (ملنا) خلال کے معنیٰ میں ہے۔ خلال کے لیے چھنگلیا کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس انگلی کا انگلیوں کے درمیان داخل کرنا زیادہ آسان ہے۔ نیز خدمت لی بھی چھوٹوں سے جاتی ہے۔

۳۴۴ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِّنْ مَّاءٍ فَأَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ہاتھ مبارک میں پانی کا ایک چلو لیتے اور اسے حلق کی طرف سے ریش مبارک کے نیچے لائے پھر اس کے ساتھ اپنی ریش مبارک کا خلال کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

لہ حَنَکٌ دو فتحوں کے ساتھ یعنی منہ کا اندر کا حصہ۔ تحت حنک کا معنیٰ ہے ٹھوڑی کے نیچے آپ منہ دھونے کے وقت ایسا کرتے تھے جو اس کا تتمہ ہے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے۔

۳۴۵۔ وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کا خلال کیا کرتے تھے۔ (ترمذی اور دارمی شریف)

لہ معلوم ہونا چاہیے کہ ڈاڑھی کے خلال میں احادیث متعدد طرق سے آئی ہیں۔ ان میں سے بعض طرق میں قیل و قال کی گئی ہے۔ ترمذی نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس باب میں صحیح ترین حدیث عامر بن شقیق کی حدیث ہے جو انہوں نے وائل سے انہوں نے حضرت عثمان سے روایت کی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈاڑھی کا خلال سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک افضل ہے۔ مگر جیسا کہ شمنی نے کہا ہے صحیح تر قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی ڈاڑھی کا خلال سنت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاتھ پھیر دینا اور ڈاڑھی کو ہلا دینا کافی ہے۔ جیسا کہ شمنی نے کہا۔ امام احمد کے نزدیک ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ اور کہا اگر بھول کر ڈاڑھی کا خلال نہ کیا تو حرج نہیں اور اگر دانستہ چھوڑ دیا تو اس کا اعادہ کرے۔ اور ڈاڑھی کے خلال کا طریقہ اور کیفیت یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں داڑھی کے نیچے لاکر اوپر کی طرف لائے۔ خلال تین بار دھو لینے کے بعد کرے۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۷۶۔ وَعَنْ اَبِیْ حَیَّۃَ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْہِ حَتّٰی اَنْقَاھُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا وَغَسَلَ ذِرَاعَیْہِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِہٖ مَرَّۃً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طُھُوْرِہٖ فَشَرِبَہٗ وَھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طُھُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت ابو حیّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے دونوں ہاتھ دھوئے اور انہیں خوب صاف کیا۔ پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا۔ تین بار چہرہ مبارک دھویا اور کہنیوں تک تین بار ہاتھ دھوئے۔ پھر ایک بار سر کا مسح کیا پھر آپ نے ٹخنوں تک پاؤں دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے[1] ہو کر پیا۔ آپ نے فرمایا! میں نے پسند کیا کہ تم لوگوں کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت (وضو) کیسی ہوتی تھی۔ (ترمذی و نسائی)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے۔ بعض اسے وضو کے پانی کے ساتھ خاص رکھتے ہیں اس مسئلہ میں تفصیلی گفتگو اور اختلاف مذاہب باب الاشربہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۷۷۔ وَعَنْ عَبْدِ خَیْرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوْسٌ نَّنْظُرُ اِلٰی عَلِیٍّ حِیْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ یَدَہُ الْیُمْنٰی فَمَلَاَ فَمَہٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِیَدِہِ الْیُسْرٰی فَعَلَ ھٰذَا ثَلٰثَ

حضرت عبد خیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہم لوگ بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے تھے جب کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دایاں ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا اور اپنے

مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

منہ کو پانی سے پر کیا اور کلی کی۔ اور ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کی۔ آپ نے تین بار اس طرح کیا۔ پھر آپ نے فرمایا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے تو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو مبارک۔ دارمی شریف۔

لے خیر بفتح خا و سکون یا یہ لفظ شر کی ضد ہے۔ بن یزید الہمدانی انہوں نے (عبد خیر بن یزید نے) جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پایا مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ ان کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں میں ہوتا ہے۔

۵۲ کیونکہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کا طریقہ یہ تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث میں صرف کلی اور استنشاق (ناک میں پانی چڑھانا) کا ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس مقام راوی کا مقصد صرف کلی اور استنشاق، ناک صاف کرنا اور تین بار ایسا کرنا ہی ہو اور یہ بیان کرنا مطلوب ہو کہ آپ نے ایک ہی چلو سے دونوں کام کیے۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ باقی وضو کی کیفیت بھی معلوم تھی اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہ تھا واللہ اعلم۔

۳۷۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ آپ نے تین بار ایسا کیا۔ لے ابوداود و ترمذی۔

لے اس حدیث سے بھی مقصود وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تھا۔

۳۷۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ وَ اُذُنَيْهِ بَاطِنِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَ ظَاهِرِهِمَا بِاِبْهَامَيْهِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں کانوں کا مسح کیا یعنی کانوں کے اندر کے حصے کا دونوں انگشتان شہادت لے سے اور دونوں کے باہر کے حصوں کا دونوں انگوٹھوں سے مسح فرمایا۔ بیہقی۔

لـه انہیں مسبحتین بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ تسبیح یا خدا تعالیٰ سبحانہ کی بات کرتے وقت ان انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں۔ اور یہ انگوٹھے کے ساتھ کی انگلیاں ہیں۔ انہیں انگشتانِ شہادت بھی کہتے ہیں۔ یہ ان کا اسلامی نام ہے۔ دورِ جاہلیت میں انہیں سبابہ کہتے تھے۔ سَبّ کا معنی گالی ہے۔ عرب اس سے لوگوں کو گالی دیتے تھے۔ اور گالی دیتے وقت اس سے اشارہ کرتے تھے۔ اسی بنا پر اس نام کا ذکر مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ کبھی بعض مواقع میں اس لفظ (سبابہ) کا اطلاق و استعمال کر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں بھی بعض نسخوں میں سباحتین کے بجائے سبابتین واقع ہوا ہے۔

۳۸۰۔ وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَاَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَةَ۔

حضرت رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ وہ فرماتی ہیں آپ نے سر کا مسح کیا۔ سر کے اگلے اور پچھلے حصے کا اور کانوں اور آنکھوں کے درمیان کے حصے کا۔ اور دونوں کانوں کا ایک ایک بار[له]۔ اور ایک روایت میں ہے آپ نے وضو کیا پھر دونوں انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخ میں ڈالیں۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے پہلی روایت کی روایت کی یعنی مرۃ واحدۃ کے لفظ تک۔ اور احمد و ابن ماجہ نے دوسری روایت کی روایت کی یعنی توضا سے لفظ اُذنیہ تک۔

لـه معلوم ہونا چاہیئے کہ مسح سر کے بارے میں احادیث یا تو مطلق وارد ہوئی ہیں یا ایک بار کے ساتھ مقید ہیں اور یہ سب صحیح احادیث ہیں۔ بعض احادیث میں مرتین (دو بار) کا لفظ بھی آیا ہے۔ اسے دوگنا کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں۔ مگر تین دفعہ مسح کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ کیونکہ جو کچھ احادیث میں آیا ہے وہ اسی قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار یا دو دو بار یا تین تین بار وضو کیا۔ اور وضو غسل اور مسح دونوں کو شامل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا تین بار مسح کا قول اس حدیث اور مسح کو دھونے پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تین بار کا محض احتمال ہے اور دوسری احادیث اس بیان میں صریح ہیں کہ آپ نے صرف ایک بار مسح کیا۔ اور حسب قواعد محتمل کا حمل متعین پر کرنا ضروری ہے پھر مسح کی بنا تخفیف و آسانی پر ہے۔ اسے دھونے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ فتح الباری میں کہا کہ بخاری و مسلم کے کسی بھی طریق میں مسح کے عدد کا ذکر نہیں آیا۔ اور اکثر اسی پر ہیں مگر امام شافعی فرماتے ہیں تین تین بار مسح کرنا مستحب ہے۔ ابو داؤد نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث جو صحیح ہیں صرف

ایک ایک بار مسح پر دلالت کرتی ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا مسح کا تکرار غریب اسناد میں آیا ہے۔ لیکن احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کے باعث وہ اہلِ علم کے نزدیک حجت نہیں بن سکتا انتہیٰ۔ پھر جہاں جہاں تکرار مسح کا ذکر ہے اس سے ایک ہی پانی سے تکرار مراد ہے۔ نئے پانی سے تکرار مراد نہیں۔ علامہ شمنی نے کہا آب جدید کے ساتھ تین تین بار مسح کرنا بدعت ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک غریب روایت میں آیا ہے۔ ہاں ایک ہی پانی سے تین بار مسح کرنا ہدایہ میں اسے مشروع اور جائز۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی قرار دیا۔ ہدایہ کی بعض شروح میں کہا کہ حسن نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک ہی پانی سے اگر تین بار مسح کرے تو یہ مسنون ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۳۸۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَاَنَّهٗ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِمَآءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور اس پانی سے مسح کیا جو ہاتھوں سے بچا ہوا نہ تھا۔[۱] اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور مسلم نے اسے کچھ زوائد[۲] کے ساتھ روایت کیا۔

[۱] یعنی مسح سر کے لیے نیا پانی لیا۔ اور اس سے مسح کیا اور اس تری پر جو ہاتھوں کو لگی ہوئی تھی۔ کفایت نہ کی۔ کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے اس تری کے ساتھ مسح کر لیا جو دھوئے جانے والے عضو سے ہاتھ میں لگی رہتی ہے تو یہ کافی ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے برتن سے نیا پانی لیا۔ مگر اس تری سے مسح کرنا جائز نہیں جو کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد باقی رہے اور اس بارے میں ایک حدیث بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس مذکورہ حدیث میں بھی بروایت ابن لہیعہ غیر کے بجائے غُبَّر کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اس تری سے مسح کیا جو ہاتھ دھونے کی وجہ سے ہاتھوں میں لگی ہوئی تھی۔ یعنی نیا پانی نہ لیا۔ تاہم صحیح روایت وہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔ کیونکہ دوسری روایت میں صراحۃً آیا ہے کہ آپ نے مسح سر کے لیے نیا پانی لیا۔ پس اول اور افضل وہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔ اور ہاتھ میں لگی ہوئی باقی ماندہ تری سے مسح کرنا بھی جائز ہے۔

[۲] یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، چہرہ اور باقی اعضائے وضو دھونا۔ اور چونکہ مصنف رحمہ اللہ نے ان زوائد کا ذکر دوسری احادیث میں کر دیا ہے۔ اس لیے یہاں ترمذی کی اس حدیث پر کفایت کی جس میں مسح کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر ہے۔ یہ غور و فکر کا مقام ہے۔

۳۸۲ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا أَدْرِيْ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ أَبِيْ أُمَامَةَ أَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشمانِ مبارک کے دونوں کونے چہرۂ انور دھوتے وقت ملتے تھے۔ اور ابو اُمامہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کان سر میں شامل ہیں۔ اسے ابن ماجہ اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت اور ان دونوں (ابوداؤد و ترمذی) نے ذکر کیا کہ حماد نے کہا میں نہیں جانتا کہ قول اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک۔

لہ یہاں سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سر کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا چاہیے۔ اور ہاتھوں سے باقی ماندہ پانی سے کرنا چاہیے۔ آب جدید سے نہ کرنا چاہیے۔ مسئلہ اول میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ بعض کے نزدیک کان چہرے میں شامل ہیں لہٰذا چہرہ دھوتے وقت کانوں کا مسح کرنا چاہیے۔ بعض یہ کہتے ہیں۔ کانوں کا ظاہری حصہ سر میں اور اندر کا حصہ منہ میں شامل ہے۔ یہ حضرات الاذنان من الرأس کے الفاظ کو ضعیف قرار دیتے ہیں یا اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیتے ہیں اور دوسرا مسئلہ کہ کانوں کا مسح سر کی تری سے کیا جائے ہمارا اور امام احمد کا مذہب ہے ان کے اکثر مشائخ کے بیان کے مطابق یہی صحیح ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کو زیادہ تر ذکر کیا ہے کہ آپ سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کرتے تھے۔ بہت سی احادیث میں یہ بیان آیا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت میں اور امام مالک کے نزدیک کانوں کا مسح نئے پانی سے کیا جائے گا اس باب میں بھی ایک حدیث مروی ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے) کہ غالبًا اور اکثر اوقات میں کانوں کا مسح آپ سر سے ہی کرتے تھے۔ ہاں کسی وقت تری ہاتھوں میں باقی نہ رہتی تھی تو کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لہ۔ حدیث کی عبارت جسے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ دونوں معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ اور حماد کو تردد بھی یہیں سے لاحق ہوا ہے۔

۳۸۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَأَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ مَعْنَاهُ

حضرت عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بادیہ نشین حاضر ہوا وہ آپ سے وضو کی کیفیت اور اس کا کمال دریافت کر رہا تھا آپ نے اسے تین تین بار عضو دھو نا دکھایا پھر فرمایا کامل وضو کی شکل یہی ہے جس نے تین سے زیادہ بار دھویا اس نے بُرا کیا، اور حد سے بڑھا اور ظلم کا مرتکب ہوا اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

۳۸۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَهُ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ قَالَ أَيْ بُنَيَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے لڑکے کو یہ دعا کرتے سنا اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنۃ اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کی درخواست کرتا ہوں۔ فرمایا اے میرے لخت جگر! اللہ سے جنت کا سوال کر[2] اور خدا تعالیٰ کے پاس آتش دوزخ سے پناہ مانگ۔ کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا بیشک یہ امر واقعہ ہے کہ میری اس امت میں عنقریب ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو وضو اور دُعا میں ادب و اعتدال کی حد سے بڑھ[3] جائے گا اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] بضم میم و فتح غین و فائے مشددہ آپ مشہور صحابی ہیں۔
[2] یعنی اس تکلف اور بے فائدہ گفتگو کی کیا ضرورت ہے کہ جنت کی معین جگہ اور مخصوص مقام اور وہ بھی خاص کیفیت و صفت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مانگ رہا ہے۔ تو یہ طلب کر کہ خدا تعالیٰ تجھے آتش دوزخ سے بچائے اور جنت عطا فرمائے۔
[3] طہارت میں حد سے تجاوز کرنا تو یوں ہے کہ تین بار سے زیادہ بار دھوئے۔ پانی میں اسراف کرے۔ اور وسوسے کی حد تک پانی کے استعمال میں مبالغہ کرے۔ اور دُعا میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ کسی معین مقصد کی درخواست کرے اور امکان و عادت سے خارج چیز کے حصول کی دعا کرے اور اپنے پاؤں بساط ادب سے باہر نکالے۔

۳۸۵ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت ابی بن کعب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا	صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وضو کے لیے
يُّقَالُ لَهُ الْوَلَهَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ	ایک شیطان ہوتا ہے جسے وُلہان[۲] کہتے ہیں سو پانی کے وسوسوں
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ	سے بچو[۳] اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے
التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ	کہا یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کا اسناد
اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ	قوی نہیں کیونکہ ہم خارجہ بن[۴] مصعب ابوالحجاج سرخی کے علاوہ
لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ غَيْرَ خَارِجَةَ	کسی کو نہیں جانتے جس نے اسے مسند بیان کیا ہو اور وہ ہمارے
وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔	اصحاب کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

۱ آپ عظیم الشان صحابی ہیں۔ سید القراء، سید الانصار اور کاتب وحی ہیں۔ آپ کے مناقب دوسرے مقام میں مذکور ہو گئے ہیں۔

۲ وُلہان وَلَہ سے مشتق ہے۔ بمعنی اندوہ وصدمہ اور صدمے کے باعث عقل کا زائل ہو جانا اور بمعنی حیرت بھی آتا ہے۔ اس شیطان کا نام ولہان اس لیے رکھا گیا کہ وہ طلب وسوسہ کی شدت حرص اور لوگوں کی وسوسہ اندازی کی فکر میں گویا ہر وقت حیرت اور غم واندوہ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ولہان انسان کی صفت کا نام ہو۔ کہ اس کی طرف سے وسوسہ اندازی کے باعث انسان حیرت واندوہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس بنا پر مجازاً اس انسان کو شیطان کہہ دیا گیا ہے۔

۳ یعنی ان وسوسوں سے بچو جو وضو کے وقت آتے اور اسراف میں مبتلا کرتے اور حد سنت سے باہر نکال دیتے ہیں۔

۴ کہ علماء حدیث اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور انہوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۸۶ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَيْتُ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا	ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو
تَوَضَّاَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ۔	کر چکے تو کپڑے کے ایک کنارے[۱] سے اپنا چہرہ مبارک صاف کیا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	ترمذی شریف۔

۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو کپڑا پہنا ہوا تھا اسی سے عضو (چہرہ مبارک) صاف کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے کوئی الگ رومال تیار نہ رکھا ہوا تھا۔ اور اگر ثوب کے لفظ میں الگ رومال بھی شامل کر لیا جائے۔ تو بھی بعید نہیں۔

۳۸۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ — حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِرْقَۃٌ یُنَشِّفُ بِھَا اَعْضَائَہٗ بَعْدَ الْوُضُوْءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْمُعَاذٍ الرَّاوِیْ ضَعِیْفٌ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کپڑے کی ایک ٹاکی[۱] ہوتی تھی جس کے ساتھ وضو کے بعد آپ اعضاء مبارک پونچھتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث قوی نہیں۔ اور ابو معاذ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف[۲] ہے۔

۱ کہ آپ کپڑے کے اس ٹکڑے کے ساتھ اعضاء سے لگا ہوا پانی صاف کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء مبارک صاف کرنے کے لیے علیحدہ کپڑا بھی ہوتا تھا۔

۲ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اپنی جامع میں ان دونوں احادیث کو روایت کیا اور دونوں کو ضعیف کہا۔ پہلی حدیث کا ضعف بیان کرتے ہوئے کہا کہ رشدین بن سعد اور عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی حدیث میں ضعیف ہیں۔ اور کہا اس باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح روایت میں کوئی چیز مروی نہیں۔ اور ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رومال استعمال کرنے کی اجازت ثابت کرتا ہے۔ جو حضرات رومال کا استعمال مکروہ قرار دیتے ہیں وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وضو کا پانی بھی قیامت کے روز تولا جائے گا انتہی۔ لہٰذا وہ اعضاء وضو کے ساتھ رہنا چاہیئے۔
کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ رومال کا استعمال اگر بطور تکبر ہو تو مکروہ ہے۔ ورنہ مکروہ نہیں۔ بعض کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ استعمال نہ کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔ اور اگر کر لیا جائے تو مکروہ بھی نہیں۔ اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے کہ اس میں اثر عبادت کا ازالہ ہے۔ کیونکہ وضو کا عضو جب تک تر رہے وضو کا پانی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۸ عَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِیْ صَفِیَّۃَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ ھُوَمُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَکَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّۃً مَرَّۃً وَمَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا قَالَ نَعَمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ثابت[۱] بن صفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو جعفر محمد باقر[۲] رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار، دو دو بار اور تین تین بار وضو کیا؟ فرمایا ہاں۔

وَابْنُ مَاجَۃَ۔ ترمذی و ابن ماجہ۔

؎ حضرت ثابت بن صفیہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت انس اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما سے احادیث سنیں اور سفیان ثوری و ابن عیینہ نے ان سے احادیث سنیں۔ دوسرے آئمہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اخبار میں کثیر الوہم تھا اور اس کی احادیث کمزور ہیں۔ ابن معین نے کہا لیس بشیٔ (یہ شخص کچھ نہیں)۔

؎ ابو جعفر محمد باقر بن علی زین العابدین سلام اللہ علیہما و علی آبائہم الکرام۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ مدینہ مطہرہ کے اعاظم فقہائے میں سے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت زین العابدین، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بہت آنا جانا تھا۔ اور ان سے آپ بہت حدیثیں سنتے تھے۔ علماء کرام نے کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص تجھ سے علم حاصل کرے گا۔ آپ کو باقر کا لقب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا۔ بقر کا معنی لغت میں پھاڑنے اور کشادہ کرنے کا ہے۔ وسمی محمد بن علی زین العابدین لتبقرہ فی العلم یعنی حضرت ابو جعفر محمد کا نام باقر اس لیے رکھا گیا کہ آپ وسیع اور کشادہ علم رکھنے والے تھے۔ تذکروں میں آیا ہے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے (حضرت جابر اس وقت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے) تو آپ پوچھتے تم کون ہو۔ آپ جواب دیتے ہیں محمد بن علی ہوں۔ یہ سن کر حضرت جابر فرماتے مرحبا مرحبا یا ابن رسول اللہ وولد سطبیہ وریحانیہ مرحبا مرحبا اے رسول اللہ کے بیٹے اور رسول اللہ کے دو نواسوں اور پھولوں (امام حسن و حسین) کے صاحبزادے۔ پھر حضرت جابر ان کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے اور ان کی گردن اور سینہ اور بغل میں ہاتھ پھیرتے اور اخلاص و عقیدت کی خوشبوئے انس و محبت سونگھتے۔ بیت

اے گل بتو خورسندم کہ تو بوئے کسی داری
اے سرو زتو نازم قدرت بکسے ماند

"اے گل میں تجھ سے بہت ہی خوش ہوں کیونکہ تجھ سے کسی کی خوشبو آتی ہے۔ اے سرو ناز مجھے تجھ پر ناز ہے کہ تیرا قد کسی کی مانند ہے"

اور حضرت جابر ان سے فرماتے اے ابن اخی مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر احادیث حاصل کرنا چاہتا ہے کر لے کیونکہ مجھے ہر بات سے متعلق بے شمار احادیث یاد ہیں۔ اور حضرت جابر سے بہت سی طویل احادیث مذکور ہیں جو راویوں کے حالات کی خصوصیات کی تفصیلات کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے رضی اللہ عنہ۔

۳۸۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هُوَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیا اور فرمایا یہ نور علی نور ہے۔

رزین۔

سلہ طہارت پر طہارت اور فرض پر سنّت کا اضافہ مزید نورانیت کا موجب و سبب ہے۔ اس لفظ میں مذکورہ قصہ تجیل کی طرف اشارہ ہے۔ (کہ وضو کے اعضاء روز قیامت چمکتے ہوں گے)۔

۳۹۰ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَالنَّوَوِيُّ ضَعَّفَ الثَّانِيَ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ

حضرت عثمان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو فرمایا اور کہا یہ میرا اور پہلے انبیاء علیہم و علیہم السلام اور حضرت ابراہیم[2] علیہ السلام کا وضو ہے۔ ان دونوں احادیث کو رزین نے روایت کیا اور نووی نے شرح صحیح مسلم میں اسے ضعیف کہا[3]۔

سلہ یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

سلہ یعنی میرا یہ وضو کامل وضو ہے۔ اور مجھ سے پہلے انبیاء بالخصوص حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہم السلام کا وضو ہے جو خاص نوعیت کی طہارت و نظافت کا حامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کا وضو مبارک بھی ہمارے اسلامی طریقے اور خصوصیات کے مطابق تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دلالت مقام کے پیش نظر خاص تین تین بار دھونے کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ عبارت کا انداز بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

سلہ یعنی شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے دوسری حدیث جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کو شرح صحیح مسلم میں ضعیف کہا ہے۔

۳۹۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَكَانَ اَحَدُنَا يَكْفِيْهِ الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز[1] کے لیے وضو کرتے تھے۔ مگر ہمارے لیے بے وضو ہونے تک ایک ہی وضو کافی ہوتا تھا۔ دارمی۔

سلہ اسی بنا پر بعض کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ آنے والی

حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا عزیمت پر عمل اور ظاہر کتاب اللہ یعنی آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الی اخرہ کے پیش نظر تھا واجب و ضروری نہ تھا۔

۳۹۲ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ اَرَاَيْتَ وُضُوْءَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْغَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ حَنْظَلَةَ ابْنِ اَبِىْ عَامِرِ الْغَسِيْلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْغَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَوُضِعَ عَنْهُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهُ حَتّٰى مَاتَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت محمد بن یحیٰی بن حبان [۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عبید اللہ [۲] بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ بات تو بتاؤ کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ با وضو ہوں یا بے وضو ہر حالت میں ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے ہیں یہ بات آپ نے کس سے حاصل کی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا حضرت اسماء [۳] بنت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے ان سے حدیث بیان کی کہ بیشک حضرت عبد اللہ [۴] بن حنظلہ بن ابی عامر الغسیل نے ان سے حدیث بیان کی کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے کہ باوضو ہوں یا بے وضو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کریں جب یہ حکم آپ کو دشوار محسوس ہوا تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا گیا۔ اور ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا منسوخ ہو گیا مگر وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں۔ حضرت عبد اللہ [۵] اپنے اندر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کی قوت پاتے تھے۔ اس لیے وفات تک وہ ایسا ہی کرتے رہے۔ احمد۔

[۱] حبان بفتح حا و بائے مشددہ آپ ابو عبد اللہ انصاری مازنی ہیں۔ فقہائے تابعین میں سے ہیں۔ محدث ابن حبان نے انہیں صاحب طبقہ اور ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ آپ ابن عمر و انس اور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ اور عبادت الٰہی، فقہ اور علم میں ان کا خاص الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ ۱۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

[۲] عبید اللہ تابعی ثقہ ہیں۔ قلیل الحدیث ہیں۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر کے بھائی ہیں۔ ۱۰۶ھ کے بعد اپنے بھائی سالم سے پہلے فوت ہوئے۔

۵۳ حضرت اسماء بنت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ - آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن ہیں۔ حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے بڑے بھائی ہیں آپ حضرت زید مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔ جنگ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا بھی صحابیات میں سے ہیں۔

۵۴ حضرت عبداللہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ اور حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ سادات صحابہ میں سے ہیں۔ غزوہ احد کے دن جام شہادت نوش فرمایا۔ جس قصے کی بنا پر آپ غسیل کے لقب سے مشہور ہیں وہ مشہور قصہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سات سال کے بچے تھے۔ حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نہایت اچھے اور فاضل شخصیت اور امیر انصار تھے۔ واقعہ حرہ کے دن شہید ہوئے۔ باقی رہا ابو عامر راہب حضرت حنظلہ کا باپ تو وہ کافر تھا اور کفر کی حالت میں ہی بدبختی اور شقاوت کے ہاویہ میں جاگرا۔

۵۵ یعنی یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا کہ صرف وجوب منسوخ ہوا ہے۔ جو شخص قوت وطاقت رکھتا ہو اس کے لیے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنے کی اولویت اور افضلیت باقی ہے۔ فہم اور سمجھ سے کام لو۔

۳۹۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَّهُوَ یَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ یَا سَعْدُ قَالَ اَفِی الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ کُنْتَ عَلٰی نَهْرٍ جَارٍ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جب کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد یہ اسراف اور پانی کی فضول خرچی کس لیے۔ عرض کیا کیا وضو میں اسراف ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں اگرچہ تو جاری نہر کے کنارے ہی وضو کر رہا ہو۔ احمد و ابن ماجہ۔

۵۶ یعنی پانی جو نادر الوجود اور کمیاب کبھی نہیں اور عادۃً اسے خرچ و استعمال ہی کیا جاتا ہے۔ اس میں کیا اسراف ہوگا۔ فرمایا اس میں اسراف ہوتا ہے۔

۵۲ اس جملے میں مبالغے کے طور پر پانی کے اسراف سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسراف متصور نہیں بعض علماء فرماتے ہیں نہر سے وضو کرنے ... میں اسراف ... یہ ہے کہ اپنی عمر اور وقت ضائع کرنے کا

اسراف پایا جاتا ہے۔ اور اس باب کے نزدیک ہے وہ جو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں اسراف سے مراد گناہ کا ارتکاب ہے۔ یعنی اگرچہ جاری نہر سے وضو کرنے میں ضرورت سے زیادہ پانی بہاتے اور اسے ضائع کرنے کی صورت متحقق نہیں ہے مگر مقدار شرعی سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی بنا پر گناہ ضرور لازم آتا ہے۔

۳۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وضو کرے اور اللہ کا ذکر کرے (ابتداء وضو میں بسم اللہ شریف پڑھے) اس کا سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو وضو کرے مگر خدا تعالیٰ کا نام نہ لے تو اس کے صرف وضو والے اعضاء ہی پاک[1] ہوتے ہیں ہی۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت و مستحب ہے، واجب و ضروری نہیں۔ جیسا کہ گذرا۔

۳۹۵ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِیْ اِصْبَعِهٖ رَوَاهُمَا الدَّارُقُطْنِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ الْاَخِیْرَ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز والا وضو کرتے تو اپنی انگشت مبارک میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو ہلا لیتے۔ ان دونوں احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے صرف دوسری کو روایت کیا۔

بَابُ الْغُسْلِ

غسل کا بیان

غسل بضم غین اور بفتح غین بمعنی دھونا۔ غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی تمام جسم دھونا۔ غُسل وہ پانی جس سے بدن دھوتے ہیں۔ اور غِسل کسرہ غین کے ساتھ ایسی چیز جس کے ساتھ سر دھوتے ہیں۔ جیسے مٹی اور اشنان اور خطمی وغیرہ۔ غسول بمعنی پانی اور سر دھونا دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ غسالہ وہ میل کچیل جو کسی چیز کو دھونے سے باہر نکلتی ہے۔ تغسیل اعضاء دھونے میں مبالغہ کرنا۔ اور دوسرے کو غسل پر آمادہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۹۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَّمْ یُنْزِلْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر عورت کو مشقت میں ڈال دے (جماع کرے) تو غسل واجب ہو جاتا ہے[۲]۔ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔[۳] (بخاری و مسلم)

[۱] شعب شعبہ کی جمع ہے۔ شعبہ کا معنی کسی چیز کا ٹکڑا اور شاخ کا آتا ہے۔ یہاں اس سے عورت کے دونوں ہاتھ اور پاؤں یا دونوں رانیں اور دو پنڈلیاں یا دونوں رانیں اور اس کی شرم گاہ کے دو کنارے یا اس کی شرمگاہ کے چاروں کنارے مراد ہیں۔

[۲] یعنی مرد و عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔

[۳] یہی ائمہ اربعہ اکثر صحابہ خلفاء اربعہ اور حضرت عائشہ اور تابعین و غیر تابعین رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

۳۹۷ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِی الْاِحْتِلَامِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ۔

حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانی کا استعمال (غسل) پانی (منی) نکلنے سے لازم آتا ہے[۱]۔ اسے مسلم نے روایت کیا شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے[۲] اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ الفاظ احتلام کے لیے ہیں۔ مگر میں نے اسے بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔ (ترمذی شریف[۳])

[۱] اس حدیث کے مطابق بے انزال غسل فرض نہ ہوگا پس ان دو احادیث کے درمیان تعارض پایا جاتا ہے مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) اس کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے قول میں فرماتے ہیں۔ قال الشیخ الی آخرہ۔

[۲] یعنی حدیث انما الماء من الماء منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رخصت و

سہولت ابتدائے اسلام میں تھی بعد میں اس سے منع کر دیا گیا۔ ترمذی نے کہا اسی طرح کی روایت بہت سے صحابہ سے مروی ہے کہ یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں منسوخ ہو گئی۔ اور یہ حکم ہوا کہ جب مرد کا آلہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے سا اور التقاء ختانین ہو جانے تو غسل فرض ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔

۳؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کی حالت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ اس میں تری دیکھے بغیر غسل فرض نہیں ہوتا۔ اگرچہ اسے دیکھا ہوا خواب اور اس میں حاصل شدہ لذت یاد ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تاویل کے مطابق حدیث کو منسوخ قرار دینے کی حاجت نہ رہے گی۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے۔ احتلام کی حالت ہو یا غیر احتلام کی کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔

۴؎ یعنی اس حدیث کو کہ حضرت ابن عباس نے کہا انما الماء من الماء فی الاحتلام، ترمذی نے روایت کیا اور میں اسے بخاری و مسلم میں نہیں پاتا۔ دراصل یہ مولف کی طرف سے صاحب مصابیح پر اعتراض ہے۔ کہ وہ اس حدیث کو صحاح میں لائے ہیں۔ حالانکہ صحیحین میں یہ حدیث نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مصنف (صاحب مصابیح) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دونوں حدیثوں میں تعارض اٹھانے کے لیے لائے ہیں۔ اس طریق پر نہیں لائے کہ حدیث بھی صحیحین کی ہے

۳۹۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَآءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ مَآءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَآءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا عَلَا اَوْسَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ ام سلیم[۱] نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ حق[۲] بیان کرنے سے نہیں شرماتا کیا۔ جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل[۳] فرض ہوتا ہے آپ نے فرمایا ہاں جب کہ وہ پانی (منی) دیکھے[۴]۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرم سے اپنا چہرہ مبارک چھپا لیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں تیرا ہاتھ خاک[۵] آلود ہو۔ بچہ کسی وجہ سے عورت کی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔ حدیث کی اتنی مقدار بخاری و مسلم میں مذکور ہے اور مسلم نے بروایت ام سلیم یہ عبارت زیادہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی منی گاڑھی اور سفید اور عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے تو دونوں میں سے جو منی غالب آجائے یا رحم میں پہلے داخل ہو جائے بچہ اسی[۶] کے مشابہ ہوتا ہے۔

۵۱۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

۵۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے اور حق سننے سے نہیں شرماتا یعنی حق بات دریافت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا اور یہ آئندہ مسئلہ دریافت کرنے کی تمہید اور عذر خواہی کے لیے عرض کیا۔

۵۳۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حق بات دریافت میں حیا کرنے سے نہیں روکا۔ تو پھر میں آپ سے دریافت کرتی ہوں کہ جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل فرض ہوگا؟

۵۴۔ مرد کے لیے بھی یہی مسئلہ ہے۔

۵۵۔ اصل لغت میں تو اس لفظ کا معنیٰ کسی کے لیے ذلت و محتاجی کی بددعا کرنا ہوتا ہے۔ پھر بعد میں یہ لفظ عربوں کی زبان زد ہو گیا جسے تعجب اور مذمت کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ اس کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیتے۔ یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ اسے ام سلمہ تجھ پر تعجب کہ تو اس طرح کی بات کر رہی ہے اور تو اپنی سمجھ اور فراست سے کام نہیں لے رہی کہ عورت سے بھی منی خارج ہوتی ہے جس طرح مرد سے خارج ہوتی ہے۔ اگر عورت سے منی خارج نہیں ہوتی تو پھر بچہ کس وجہ سے عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

۵۶۔ چنانچہ اگر مرد کی منی پہلے رحم میں چلی گئی یا وہ غالب آگئی تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور اگر عورت کی منی پہلے رحم میں گئی یا وہ غالب آگئی تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

۳۹۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ غُرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهُمَا الْاِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کرتے تو اس طرح شروع کرتے کہ دونوں ہاتھ دھوتے پھر اس طرح وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔ پھر سر پر تین چلو پانی ڈالتے۔ پھر سارے جسم مبارک پر پانی بہاتے یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ غسل کا آغاز کرتے تو برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ مبارک دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ کو دھوتے۔ پھر

ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔ وضو کرتے۔

لے۔ اس کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ سارے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے آپ پاؤں بھی دھو لیتے تھے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی آئندہ حدیث اس امر پر صریح دلالت کرتی ہے کہ پاؤں مبارک بعد میں دھوتے تھے دونوں احادیث کی روشنی میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ غالباً دونوں طرح کرتے تھے کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح۔ احناف کا مذہب حضرت میمونہ کی حدیث کے مطابق یہ ہے کہ پاؤں غسل کرنے کے بعد دھوئے جائیں۔ ہدایہ شریف میں مذکور ہے کہ پاؤں آخر میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ پاؤں پانی مٹی اور میل کچیل کی جگہ میں ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے دھو لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر اونچے پتھر یا تختے پر ہو تو پھر پہلے ہی دھوئے تاخیر نہ کرے۔ ہو سکتا ہے دونوں احادیث کا یہی مصداق و محمل ہو۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سر کا مسح بھی وضو کے اندر کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایات یہی ہے۔ اور آپ سے ایک روایت میں مسح نہیں ہے کہ غسل کی صورت میں مسح کا کچھ فائدہ نہیں۔ بعد میں پانی بہانا مسح کو معدوم کر دے گا۔ مگر صحیح پہلا قول ہے۔ مختصر یہ کہ وضو کے بعد آپ نے سر مبارک دھویا۔ اس کیفیت کے ساتھ جو ثم یدخل اصابعہ فی الماء میں مذکور ہے۔

۴۰۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور آپ کو کپڑے سے چھپایا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انہیں دھویا۔ پھر دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انہیں دھویا پھر آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اور شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اسے زمین سے ملا پھر اسے دھویا پھر کلی کی۔ اور ناک میں پانی ڈالا اور صاف کیا اور اپنا چہرہ اور بازو مبارک دھوئے پھر آپ نے اپنے سر مبارک پر پانی بہایا اور باقی سارے جسم پر بھی بہایا۔ پھر جائے غسل سے ہٹے اور دونوں قدم مبارک دھوئے پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا دیا مگر آپ نے نہ لیا اور اپنے دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ بخاری و مسلم اور الفاظ بخاری کے ہیں مسلم نے اس معنی کو دوسرے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

۵۱۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔

۵۲۔ غسلا اور غُسلا بسکون غین و ضمہ سین دونوں طرح مروی ہے۔

۵۳۔ یعنی دو بار تو دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا۔ اور تیسری بار دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔

۵۴۔ زیادہ طہارت اور صفائی کے لیے۔

۵۵۔ یہ حدیث سر کا مسح نہ کرنے اور پاؤں بعد میں دھونے میں صریح ہے۔ بخلاف گذشتہ حدیث کے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسح سر میں گذشتہ حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ اور قدم دھونے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور پہلی حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

۵۶۔ یعنی حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل شریف سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو ایک کپڑا دیا کہ اس سے بدن مبارک صاف کریں اور بدن سے مل لیں اور جسم سے پانی خشک کر لیں۔

۵۷۔ اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے میں (میمونہ) نے رومال پیش کیا مگر آپ نے اس سے بدن مبارک صاف نہ کیا۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وضو کے بعد کپڑے سے اعضاء وضو کو صاف کرنا مکروہ ہے یا مستحب یا مباح بعض کہتے ہیں۔ آپ نے اس لیے کپڑا نہ لیا اور اس سے جسم مبارک صاف نہ کیا کیونکہ وہ میلا کچیلا تھا۔ واللہ اعلم۔

۵۸۔ حدیث کے ان الفاظ سے ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہاتھوں سے پانی جھاڑنے کے لیے ایسا کیا مگر دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا وضو کر و اور ہاتھ نہ جھاڑو۔ بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہاں جھاڑنے سے چلتے ہوئے انہیں ہلانا مراد ہے جس طرح اہل قوت راستے میں چلتے ہوئے کرتے ہیں۔ کیونکہ وضو کے پانی کو جھاڑنا مکروہ ہے۔ کہ وہ عبادت کا اثر ہے۔ تو یہ معنی آپ کے مقام ارفع سے بعید ہے۔

۴۰۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِیْضِ فَاَمَرَهَا کَیْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِیْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ کَیْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ کَیْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِیْ بِهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غسل حیض کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اسے حکم دیا کہ کس طرح غسل کرے پھر آپ نے فرمایا تھوڑی سی خوشبو یا چھوٹا سا خوشبودار کپڑا لے۔ اور اس سے طہارت حاصل کر۔ اس عورت نے عرض کی میں کس طرح پاک ہوں۔ آپ نے فرمایا اس سے طہارت حاصل کر عورت نے عرض کیا کیسے طہارت حاصل کروں۔ پھر آپ نے بطور تعجب ۵۹ فرمایا۔ سبحان اللہ اس خوشبو یا خوشبودار کپڑے کے ساتھ

فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَیَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِیْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پاک ہو جا حضرت عائشہ فرماتی ہیں اس پر میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور کہا اس خوشبو یا خوشبودار ٹاکی سے شرمگاہ پر لگے ہوئے خون کے نشانات صاف کر۔ (بخاری و مسلم)

لے۔ فِرْصَۃ بکسر فا و ضم اور فا مفتوح بھی آئی ہے۔ اور سکون را اور صاد مہملہ یعنی قطعہ ٹکڑا۔ اور قاف مفتوحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی قرصہ بمعنی تھوڑی سی چیز۔ اور قاف مفتوحہ اور ضاد معجمہ کے ساتھ بھی روایت آئی ہے۔ یعنی قرضہ بمعنی قطعہ۔

لے۔ مسک خوشبو یا کپڑے کا خوشبودار ٹکڑا۔ ایک روایت میں مُمَسَّک بفتح سین مشددہ اسی معنیٰ میں یا بمعنیٰ ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا ہوا بھی آیا ہے۔ اور شرمگاہ میں رکھا جانے والا ٹکڑا۔ اور ایک روایت میں مسک بفتح میم بمعنی چمڑہ بھی آیا ہے۔ بعض نے اس آخری روایت کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ مشک تو ایک قیمتی چیز ہے۔ اور وہ (عرب) قوم شدت فقر (تنگ دستی) کی وجہ سے مشک استعمال کرنے کی طاقت کہاں رکھتی تھی۔ مگر روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی پہلی روایت ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ عورت کے لیے مستحب ہے کہ تھوڑی سی خوشبو یا کپڑے کا ایک خوشبودار ٹکڑا لے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم انہیں کے لیے ہوگا جو مشک حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر خوب صفائی کر۔

لے۔ یعنی اس کے نہ سمجھنے اور بار بار دریافت کرنے کی وجہ سے۔

لے۔ بعض نسخوں میں فاجتبذتہا یائی ذال پر تقدیم کے ساتھ آیا ہے۔ اور جذب و جبذ دونوں ہم معنیٰ ہیں۔

لے۔ یعنی میں نے اس عورت کو سمجھانے کے لیے کہا تَطَهَّر (پاک ہو جا) کا مطلب ہے، طلب کر اور دور کر اپنی فرج اثر شرمگاہ سے خون کا نشان۔ یعنی تطہر کا معنیٰ ظاہر ہے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

۴۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ امْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَاْسِیْ اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا یَكْفِیْكِ اَنْ تَحْثِیْ عَلٰی رَاْسِكِ ثَلٰثَ حَثَیَاتٍ ثُمَّ تُفِیْضِیْنَ عَلَیْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِیْنَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسی عورت ہوں کہ بڑے سخت طریقے سے اپنے بال گوندتی ہوں۔ کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھول لیا کروں فرمایا نہیں تیرے لیے بس اتنا کافی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین لپ پانی بہا لیا کر پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کر۔ اور پاک ہو جایا کر۔ (مسلم)

سلہ ضفر بفتح ضاد وسکون فا بال گوندھنا اور انہیں بل دینا جیسا کہ عربی عورتوں کی عادت ہے۔

سلہ تحثی بسکون حا و کسر ثا مثلثہ۔

سلہ حثیات۔ حثیہ کی جمع معنی اور وزن میں غرفہ کی طرح ہے۔ یعنی پانی سے بھری ہوئی لپ۔

۴۰۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدلہ پانی کے ساتھ وضو اور ایک صاع سے پانچ مدلہ تک پانی کی مقدار سے غسل کیا کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ مُد بضم میم۔ ایک پورے رطل اور ایک تہائی رطل وزن کو مد کہتے ہیں۔

سلہ یعنی آپ کبھی ایک صاع سے اور کبھی صاع سے زیادہ پانچ مد پانی سے غسل کرتے تھے۔ مد اور صاع کا حساب ہمارے علاقوں میں مبہم اور غیر واضح ہے۔ ہم (شیخ محدث علیہ الرحمۃ) نے شرح سفر السعادۃ میں اپنے علاقوں کے لوگوں کے مطابق اس کا بیان اور اس کی تحقیق کی ہے۔ ایک صاع اکبر شاہی وزن کے مطابق جس کا ایک سیر تیس سیر شاہی جتنا ہوتا ہے پانچ سیر اور سواں حصہ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ اور موجودہ مروج وزن جہانگیری ایدہ اللہ ملکہ وسلطانہ (اللہ تعالیٰ اس کے ملک وسلطنت کی تائید فرمائے) کے مطابق جس کا ایک سیر ۳۶ سیر شاہی جتنا ہوتا ہے۔ چار سیر اور ایک پاؤ صاع کا وزن ہے یعنی شاہی سیر سے ایک سیر کم۔

پس جب غسل کے لیے ایک صاع اور وضو کے لیے ایک مد مقرر ہے اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے تو وزن غسل اور وضو میں مذکورہ وزن کا حساب پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ایک روایت میں ایک مد اور تیسرا حصہ مد کے ساتھ وضو اور تین مد کے ساتھ غسل کرنا بھی آیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس سے مقصود تعیین و تحدید نہیں کہ اس میں کمی بیشی درست نہ ہو۔ فضیلت اس میں ہے کہ بے اسراف خوب اور پوری طرح اعضاء دھل جائیں۔ اس کے لیے پانی کی جو مقدار استعمال میں آئے درست اور جائز ہے۔ اور اگر بقدر کفایت پر اکتفاء کرے یعنی اتنی مقدار پر جس سے اعضاء پر سے پانی بہہ جائے تو بھی ٹھیک ہے۔

۴۰۴ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ

حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن لہ سے غسل کیا کرتے تھے۔ جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا تھا۔ آپ مجھ سے

فَيُبَادِرُنِي حَتّٰى أَقُوْلَ دَعْ لِي دَعْ لِي قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جلدی پانی اٹھاتے تھے یہاں تک کہ میں کہتی تھی میرے لیے بھی پانی رہنے دیں[3] میرے لیے بھی رہنے دیں حضرت مُعاذہ کہتی ہیں۔ حضور اور حضرت عائشہ دونوں جنبی تھے[4]۔ (بخاری و مسلم)

[1] معاذہ بضم میم عورت کا نام ہے جو ثقہ اور عابدہ تابعیات میں سے ہے۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کرتی ہیں۔

[2] یہ ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں تین صاع (کوئی پونے تیرہ کلو) پانی آتا تھا۔ ہم دونوں میں سے ہر ایک اس میں ہاتھ ڈالتا اور پانی لیتا تھا۔

[3] یعنی مجھے بھی موقعہ دیں کہ پانی لے سکوں۔

[4] اور غسل جنابت کر رہے ہوتے تھے۔

[5] اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر جنبی نے دھونے کی نیت سے ہاتھ پانی میں نہ ڈالا ہو تو اس سے پانی کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس میں خلل نہیں آتا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھرنے کے سوا اور کوئی صورت برتن سے پانی لینے کی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس ضرورت کے تحت اس صورت میں اسے مستعمل پانی قرار نہیں دیا جاتا۔ ہاں اگر جنابت سے پاک کرنے کی نیت سے ہاتھ پانی میں ڈالا تو وہ پانی قابل استعمال و طہارت نہ رہے گا۔ کہ پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلا ضرورت ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ یوں ہی اگر کوئی اور عضو پانی میں ڈالا تو وہ پانی استعمال کے قابل نہ رہا۔ کیونکہ اس عضو کو بھی پانی میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ شمنی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مرد و عورتیں (خاوند بیوی) اکٹھے غسل کرتے تھے اور ایسا کرنا درست ہے۔ چاہے مرد زیادہ پانی استعمال کرے چاہے عورت۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ انتہیٰ۔

مشکل یہ ہے کہ باب مخالطۃ الجنب میں ایک حدیث آ رہی ہے۔ جس میں آتا ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے اور مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برتن سے پہلے پانی لے لیتے تھے۔ اور اگر اکٹھے چلو بھریں تب بھی دوبارہ لینے میں وہ خرابی لازم آ جاتی ہے۔ اس مشکل کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ باب مخالطۃ الجنب میں جو حدیث مذکور ہے اس میں عزیمت کا ذکر ہے۔ اور جو کچھ یہاں مذکور ہے وہ رخصت پر محمول ہے

آنے والی حدیث کے تحت اس بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ مزید گفتگو ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۴۰۵ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِيْ يَرٰى اَنَّهٗ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ تَرٰى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو اپنے جسم پر تری پائے مگر اسے احتلام یاد نہ ہو۔ کیا وہ غسل کرے فرمایا ہاں۔ اور اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا۔ جسے احتلام یاد ہو مگر اپنے جسم پر تری نہ پائے۔ فرمایا اس پر غسل لازم نہیں۔ ام سلیم[۱] نے کہا جو عورت یہ تری دیکھے مگر احتلام یاد نہ ہو۔ اس پر بھی[۲] غسل لازم آتا ہے فرمایا ہاں۔ کیونکہ عورتیں، مردوں کی طرح[۳] ہیں۔

اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور دارمی و ابن ماجہ نے اسے لاغسل علیہ کے قول تک روایت کیا۔

[۱] مسئلہ اگر مرد و عورت اکٹھے سوئے ہوئے ہوں اور کپڑے پر تری دیکھیں مگر انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ تری (منی) کس کی ہے اس صورت میں کسی پر غسل فرض نہ ہوگا؟

جواب۔ اگر تری (منی) سفید رنگ کی ہے تو وہ مرد کی ہے لہٰذا اس پر غسل فرض ہے۔ اور اگر زرد رنگ کی ہے تو عورت کی ہے اور اس پر غسل لازم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں اگر کپڑے پر لمبائی میں لگی ہوئی ہو تو وہ مرد کی ہے۔ اور اگر چوڑائی میں ہو تو عورت کی ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ مرد و عورت دونوں غسل کریں۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

[۲] ام سلیم نے کہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ جو اس وقت مجلس میں موجود تھیں اور انہوں نے بھی مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا، کہ مذکورہ صورت اگر عورت کو پیش آئے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہوگا۔

[۳] یعنی عورتیں پیدائش و طبیعت میں مردوں کی مانند ہیں۔ جو طبعی احکام مردوں کے ہیں وہی عورتوں کے بھی ہیں۔

گروہ جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اور منی کا پایا جانا قسم اول سے ہے۔ شقائق شقیقہ کی جمع ہے یعنی ہر وہ چیز جو دو ٹکڑے کردی گئی ہو۔ ہر ٹکڑے کو شقیق کہتے ہیں۔ اسی لیے بھائی کو شقیق کہتے ہیں۔ کیونکہ دو بھائی ایک اصل کے دو ٹکڑے ہیں۔ پس مرد و عورت بھی ایک اصل کے دو ٹکڑے ہیں۔ یہ اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

سکے۔ یعنی ترمذی اور ابو داؤد نے تو اس حدیث کو آخر تک روایت کیا ہے مگر دارمی اور ابن ماجہ کی روایت لاغسل علیہ کے قول تک ہے اور ام سلیم کی حکایت اور اس کا سوال جواب ان کی روایت میں نہیں ہے۔

۴۰۶ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔	انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد کا ختانہ (آلہ) عورت کے ختان (شرمگاہ) میں گھس جائے تو غسل فرض ہو گیا۔ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

سلہ۔ مراد یہ ہے کہ جب دونوں ختان ایک دوسرے سے مل جائیں ایک دوسرے کے ساتھ مس کر جائیں ختان اس جگہ کا نام ہے جسے ختنہ کے وقت کاٹ دیتے ہیں۔ اور وہ مرد کا تو وہ چمڑہ ہے جو عضو مخصوص کے اوپر ہوتا ہے اور عورت کا وہ گوشت جو اس کی شرمگاہ کے اوپر کے حصے میں مرغ کے تاج کی طرح اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ جب یہ دونوں جگہیں مرد کے آلہ کے عورت کے اندام نہانی میں چلے جانے سے آپس میں مل جائیں۔ تو غسل فرض ہو گیا۔

سلہ۔ تو معلوم ہوا کہ وجوب غسل کے لیے منی کا نکلنا ضروری نہیں۔ بلکہ صرف دخول حشفہ ہی سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ مسلم کی روایت میں جو حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے، یوں ہے کہ انہوں (ابو موسیٰ) نے کہا اس میں مہاجرین و انصار صحابہ کا اختلاف رونما ہوا۔ انصار صحابہ نے کہا کہ منی باہر آنے کے بغیر غسل واجب نہیں ہوگا۔ مہاجرین صحابہ نے کہا صرف دخول سے ہی غسل فرض ہو گیا۔ میں نے مہاجر و انصار صحابہ سے کہا میں تمہیں اس اختلاف سے نجات دیتا ہوں۔ میں اٹھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور عرض کیا میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مگر شرم آتی ہے۔ فرمایا مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے اور کوئی شرم نہ کر کہ میں تیری ماں ہوں۔ میں نے دریافت کیا کس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے یہ سوال ایسے شخص سے کیا ہے جو اس کا جواب پوری طرح جانتا ہے۔ یعنی میں اس مسئلہ کو خوب جانتی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا تھا کہ جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا اور مرد کا ختان عورت کے ختان سے مس کر گیا تو غسل فرض ہو گیا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ختانین کے تجاوز کرنے سے مراد ان کا ایک دوسرے کو مس کرنا ہے۔

۴۰۷۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْتَسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَالْحَارِثُ ابْنُ وَجِیْهٍ الرَّاوِیْ وَهُوَ شَیْخٌ لَیْسَ بِذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے تو بالوں کو دھو اور بالوں کے نیچے چمڑے[۱] کو خوب پاک اور صاف کرو۔ اسے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث[۲] غریب ہے اور حارث بن وجیہ راوی بڑھاپے کی وجہ سے حفظ و ضبط میں قوی نہ تھا۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ تاکہ یقینی طور پر غسل کی ذمہ داری پوری کر سکو۔ شعر شعرۃ کی جمع ہے۔ سکون عین و فتح اور بَشَرَۃ تینوں فتحوں کے ساتھ۔

۲؎ یعنی ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حارث بن وجیہ جو اس حدیث کا راوی ہے پر بڑھاپے کے باعث غفلت اور نسیان طاری ہو جاتا تھا۔ اس بنا پر وہ حفظ و ضبط میں چنداں قوی اور مضبوط نہیں۔ اور لفظ وجیہ جیسا کہ مشہور ہے بر وزن ہے عظیم ہے۔ اور وجبہ بفتح واو و سکون جیم و باء موحدہ آخر میں تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

۴۰۸۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِّنْ جَنَابَةٍ لَمْ یَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِیٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاْسِیْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاْسِیْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاْسِیْ ثَلٰثًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ یُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاْسِیْ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک بال برابر بھی جگہ چھوڑ دے گا اور اسے نہ دھوئے گا تو اس کے ساتھ دوزخ میں اس طرح اس طرح کیا جائے گا۔ حضرت علی نے فرمایا اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی اختیار کر لی ہے[۱] اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی اختیار کر لی ہے۔ اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی ہے۔ آپ نے تین دفعہ ان الفاظ کا تکرار کیا۔ اسے ابوداؤد احمد اور دارمی نے روایت کیا مگر احمد اور دارمی[۲] نے فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاْسِیْ کے الفاظ صرف ایک بار روایت کیے۔ تین بار تکرار سے روایت نہ کیے۔

لہ یعنی اسی لیے میں بالوں کو جڑوں سے منڈا تا ہوں جس طرح دشمن اپنے دشمن کی جڑیں اکھیڑتا ہے۔ یعنی میں ہمیشہ انہیں منڈا دیتا ہوں۔

۴۰۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں[1] کرتے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

لہ یعنی اسی وضو پر جو غسل کے لیے پہلے کر لیتے تھے، اکتفایت کرتے تھے، غسل سے فراغت کے بعد دوبارہ وضو نہ کرتے تھے۔

۴۱۰۔ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذٰلِكَ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطمی[1] کے ساتھ اپنا سر دھوتے تھے۔ درآنحالیکہ آپ جنبی ہوتے تھے اور سر دھوتے ہیں اسی پر کفایت[2] کرتے تھے دوبارہ سر پر پانی نہ بہاتے[3] تھے۔ (ابوداؤد)

لہ ۔ خطمی بکسر خا اور فتح بھی جائز ہے۔ وہ چیز جس سے سر دھویا جائے۔ جس طرح ہمارے (ہند و پاک) کے علاقوں میں سر دھونے والی مٹی۔

۲ہ یعنی جس پانی سے خطمی کے ساتھ سر دھویا ہوتا تھا اسی پانی پر کفایت کرتے تھے۔

۳ہ جس طرح لوگ حماموں میں کرتے ہیں کہ پہلے سر دھوتے ہیں اس کے بعد غسل کرتے ہیں اس کے بعد پھر سر پر پانی بہاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ایسا نہ کرتے تھے۔ آپ پانی میں خطمی غالباً بہت کم ملاتے تھے تاکہ پانی میں تغیر واقع نہ ہو اور اس کے سیلان طبع میں فرق نہ آئے۔

۴۱۱۔ وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھلے میدان میں برہنہ غسل کرتے دیکھا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ حیا والا ہے پردہ پوش ہے حیا اور پردے کو پسند فرماتا ہے تو جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ کرے

اَحَدُکُمْ فَلْیَسْتَتِرْ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ سِتِّیْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَغْتَسِلَ فَلْیَتَوَارَ بِشَیْءٍ۔

یوں کرے۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ بہت پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی شخص غسل کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ کسی چیز سے اپنے آپ کو چھپالے۔

۵۱۔ یعنی یعلی بن امیہ یا یعلی بن مُرّہ دونوں حضرات صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

۵۲۔ تاکہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں۔ کہ وہ اس قسم کی بُری اور بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ احکام شریعت میں سے کسی اہم اور ضروری حکم کی تعلیم دینا ہوتی تھی۔ تو خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۵۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بندوں کی رسوائی اور ان کی قبیح اور شنیع باتوں کے ظاہر کرنے سے بہت ہی شرم آتی ہے۔

۵۴۔ "سِتّیر" بروزن صدیق یعنی گناہ گار بندوں کے گناہوں اور عیوب کی بہت ہی پردہ پوشی کرنے والا۔

۵۵۔ یعنی حیا اور پردہ پوشی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے بھی ممکن حد تک اس کی صفات سے موصوف ہوں۔

۵۶۔ کہ یہ بھی پردہ پوشی کی ایک قسم ہے۔ اور اس میں بھی تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۱۲ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا کَانَ اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ رُخْصَۃً فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُھِیَ عَنْھَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا حدیث اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ (غسل منی خارج ہونے سے واجب ہوتا ہے) ابتدائے اسلام میں یہ اجازت تھی بعد میں اس رخصت و اجازت سے منع کر دیا گیا۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

۵۱۔ آپ جلیل القدر اور عظیم الشان صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالمنذر اور ابوالطفیل بھی آئی ہے۔ آپ انصاری ہیں سید القرا اور سید الانصار آپ کا لقب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آپ کو سید المسلمین کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو قرآن پڑھ کر سناتے۔ آپ سے بے شمار صحابہ و تابعین رضوان اللہ

علیہم اجمعین نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کاتب وحی بھی تھے۔

ےہ۔ یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے۔

۳ہ۔ کہ جماع کریں اور اگر انزال نہ ہو تو اسی طرح نماز ادا کرلیں۔

۴ہ۔ فصل اول میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔

۴۱۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَاكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور عرض کی میں نے غسل جنابت کیا ہے اور فجر کی نماز پڑھی ہے پھر میں نے ایک انگوٹھے کی مقدار جگہ دیکھی ہے جس پہ پانی نہیں پھرا وہ خشک رہ گئی۔ فرمایا تو نے اگر اس پر تر ہاتھ ہی پھیر لیا ہوتا تو وہ کفایت کر جاتا۔ (ابن ماجہ)

لہ یعنی اگر تو غسل کے دوران یا اس کے بعد اگرچہ کچھ دیر کے بعد اس جگہ پر اپنا ہاتھ پھیر لیتا تیرے لیے کافی ہوجاتا اور تیرا غسل مکمل ہوجاتا۔ مگر تو نے ایسا نہیں کیا تو وہ نماز قضا کرنا پڑے گی۔ باقی رہا یہاں یہ سوال کہ غسل کی جگہ مسح اور ہاتھ پھیر دینا کیسے کافی ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مسح سے ہلکا سا دھو لینا مراد ہے اور غالب یہی ہے کہ جب تیرا ہاتھ اس جگہ پر سے گذرے گا تو کفایت کر جائے گا۔ خصوصًا غسل کے وقت۔ اور بعض نے کہا ہے یہ حکم پہلے تھا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

۴۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغَسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج نمازیں پچاس فرض ہوئیں[لہ] غسل جنابت سات بار اور کپڑے پر بول لگ جائے تو اسے سات دفعہ دھونا فرض ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزۃ میں تخفیف اور کمی کا مسلسل سوال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں اور غسل جنابت ایک مرتبہ اور بول سے ناپاک ہونے والے کپڑے کو بھی سات بار دھونے کے بجائے صرف ایک بار دھونا فرض رہ گیا۔

ابوداؤد۔

(ابوداؤد)

لے۔ظاہر یہی ہے کہ یہ واقعۂ معراج ہے اور حدیث معراج مشہور حدیث ہے۔ البتہ بخاری ومسلم میں صرف نماز کا ذکر ہے۔ غسل جنابت اور کپڑا دھونے کا ذکر وہاں نہیں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث ابوداؤد سے لائے ہیں۔ اور اس حدیث کے اسناد میں ایوب جابر راوی ہے۔ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف اور مختلف فیہ ہے۔ ایک بار کپڑا دھونا امام شافعی کا مذہب ہے اور تین بار دھونا ان کے نزدیک مستحب ہے۔ احناف کے مذہب میں غیر مرئی (نہ دکھائی دینے والی) نجاست دور کرنے کے لیے تین بار دھونا واجب ہے۔ اس کی اصل طہارت تو یہ ہے کہ دھونے والے کو پاک ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے۔ تین بار دھونے سے یہ ظن غالب ہو جاتا ہے جس طرح کہ نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے تین بار ہاتھ دھونے کا ذکر گزرا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ شریف میں مذکور ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهٗ

جنبی سے میل جول اور جو کچھ اس کے لیے مباح ہے اس کا بیان

جنبی انسان سے میل جول کرنا نیز اس کے وضو کر لینے کے بعد اس کے لیے ذکر و نیند وغیرہ امور جائز ہیں۔ لغت میں جنابت کا معنیٰ ہے دور ہونا یکسو ہونا۔ جنابت شرعی میں بھی بمانع نماز سے دور رہنا اور لوگوں کی صحبت و مجلس سے یکسو ہونا پایا جاتا ہے۔ جُنُب صاحب جنابت کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث سب کے لیے جائز ہے۔ مخالطت کا معنیٰ ہے ایک دوسرے سے ملنا جلنا۔ یہاں اس سے لوگوں سے گفتگو کرنا ان کے ساتھ بیٹھنا، ان کے ساتھ معانقہ کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ مراد ہے۔ جنبی کے ساتھ یہ سب امور جائز ہیں۔ احادیث میں ان کا جواز آ چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۱۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے جب کہ میں جنبی تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ آپ ایک جگہ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے

فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هِرٍّ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهُ لَقَدْ لَقِيتَنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ حَتّٰى أَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ أُخْرٰى

اٹھ کر گھر آیا۔ اور غسل کیا پھر آپ کی خدمت میں واپس آیا آپ اسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر فرمایا ابو ہریرہ تو کہاں تھا میں نے صورت حال عرض کی فرمایا سبحان اللہ مومن ناپاک نہیں ہوتا یہ الفاظ بخاری کے ہیں مسلم نے یہ مضمون دوسرے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور فقلت کے بعد یہ الفاظ زیادہ ذکر کیے لقیتنی وانا جنب فکرھت ان اجالسک حتی اغتسل یعنی مجلس سے اٹھ آنے کی معذرت یہ تھی کہ جب آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی اس وقت میں جنبی تھا میں نے نہانے سے پہلے آپ کی مجلس میں بیٹھنا ناپسند جانا۔ بخاری کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی آیا ہے

لہ۔ انسلال کا معنی ہے کسی چیز کے درمیان سے نکل آنا۔ سَلّ کا معنیٰ ہے تلوار کو میان سے نکالنا۔

۲ہ۔ رَحل بفتح را و سکونِ حا محلہ یعنی سامان اور مرد کے رہنے کی جگہ۔

۳ہ۔ ہِر بکسر ھا و تشدید را بمعنی بلی ھِرّۃ تائے تانیث کے ساتھ ہِرّ کا مونث۔ ھُرَیْرَۃ ھِرَّۃ کی تصغیر ہے۔

۴ہ۔ یعنی جنابت حکمی نجاست ہے جس کا شرع شریف میں حکم آیا ہے۔ اور اس پر شریعت میں غسل فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے انسان کا جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی لیے جنبی کا پسینہ اور جوٹھا پاک اور اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا جائز ہے۔

۴۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں رات کو جنبی ہو جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وضو کرکے اور آلہ تناسل دھو کر سو جایا کرو۔ لہ (بخاری و مسلم)

لہ۔ تو ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے وضو کرکے سو جانا جائز ہے۔ اس قدر طہارت جنبی کے سونے کی طہارت ہے جب اس نے وضو کر لیا تو وہ پاک ہو کر سو گیا۔

۴۱۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَأْكُلَ اَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز والا وضو کرتے[۱]۔ (بخاری و مسلم)

[۱]۔ یہ وضو مستحب ہے واجب نہیں۔

۴۱۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ اَهْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يَّعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءً رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس آیا (اس سے جماع کیا) پھر دوبارہ جماع کا ارادہ کیا تو چاہیے کہ دونوں کے درمیان وضو کرے[۱]۔ (مسلم)

[۱]۔ اور بلا وضو جماع پر جماع نہ کرے۔

۴۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَآئِهٖ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک[۱] ہی غسل کے ساتھ تمام[۲] ازواج مطہرات پر گشت کرتے تھے۔ (مسلم)

[۱]۔ یعنی آپ ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ جماع کرتے تھے۔ یعنی ہر جماع کے لیے علیحدہ غسل نہ کرتے تھے۔

[۲]۔ اس حدیث کا ظاہر مفہوم دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم (عدل) اور ان کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری نہ تھا۔ ورنہ آپ ایک ہی باری میں ایک کے حجرہ سے دوسری بیوی کے حجرہ میں تشریف کیسے لے جاتے۔ اور حنفیہ کا مذہب بھی آپ کے لیے عدم وجوب کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض مہربانی کریم النفس کر نفسی کے طور پر ان کے درمیان عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایسا اس زوجہ مطہرہ کی اجازت سے کیا ہو جس کی اس رات کو باری تھی۔ واللہ اعلم۔

۴۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَذْكُرُهٗ فِيْ كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اسے مسلم نے روایت کیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو جو یہاں مصابیح میں مذکور ہے کتاب الاطعمۃ میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۲۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَفْنَةٍ فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّاَ مِنْهُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ لَا يُجْنِبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے ایک بڑے لگن[۱] میں غسل کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لگن میں سے وضو کرنا[۲] چاہا۔ تو اس زوجہ مطہرہ نے عرض کیا میں جنبی تھی۔[۳] (میں نے اس برتن کے پانی سے غسل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پانی جنبی نہیں ہوتا۔[۴]

(الترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، الدارمی)

۱۔ یعنی اس پانی سے جو اس تغاری میں تھا۔ جَفْنَةٍ بفتح جیم و سکون فا بہت بڑا پیالہ جسے تغاری بھی کہتے ہیں۔

۲۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے وضو کرنا چاہا جو بعض ازواج کے غسل سے بچ رہا تھا۔

۳۔ یعنی میں جنبی تھی اور یہ وہ پانی ہے جو میرے غسل جنابت سے بچا ہے۔

۴۔ یُجْنِبُ بضم یا و کسر نون فتح و ضم نون کے ساتھ۔ یعنی جنبی کے غسل کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور جنبی کے ہاتھ اور بدن لگنے سے اس پانی کی طہارت میں فرق نہیں آتا۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور دارمی نے بھی اس کی مثل روایت کیا۔ شرح السنۃ میں حضرت ابن عباس اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے مصابیح کے الفاظ میں مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی تھے۔ میں نے تغاری میں پڑے ہوئے پانی سے غسل کیا۔ اس میں باقی ماندہ پانی میرے استعمال کردہ پانی سے زیادہ تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سو اس پانی سے غسل کرنا چاہا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس پانی سے میں نے غسل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے غسل کیا اور فرمایا جنابت پانی میں نہیں گھس آتی۔ ایک روایت میں ہے پانی جنبی نہیں ہوتا مصابیح اور کتاب (مشکوٰۃ) کے لفظ میں فرق یہ ہے کہ مصابیح کی حدیث میں مرد کا غسل بقیہ آب زن سے لازم آتا ہے اور کتاب مصابیح کی حدیث میں مرد کا وضو بقیہ آب غسل

نان سے لازم آتا ہے۔ اور فصل ثالث کے آخر میں آ رہا ہے کہ دونوں ممنوع ہیں۔ اور اس کا جواب وہی ہے جو فصل اوّل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا۔

۴۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل کرنے کے بعد میرے جسم[۱] سے گرمی حاصل کرتے تھے، حالانکہ میں نے ابھی غسل نہیں کیا ہوتا تھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور شرح السنۃ میں لفظ مصابیح کے ساتھ[۲]۔

۱؎ یعنی اپنے اعضاء شریفہ کو میرے جسم سے چپکاتے تھے تاکہ آپ کا بدن مبارک گرم ہو جائے۔ اور مجھے گویا اپنا کپڑا بنا لیتے جس سے انسان گرم ہوتا ہے۔

۲؎ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آیا ہوتا تھا اور آپ پانی پیتی تھیں پھر وہ برتن حضور علیہ السلام کو دیتی تھیں تو آپ اس جگہ منہ رکھ کر پانی پیتے تھے، جس جگہ سے حضرت عائشہ نے منہ رکھ کر پانی پیا ہوتا تھا۔ اور حیض و جنابت کا ایک ہی حکم ہے۔

۴۲۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَيَاْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهٗ اَوْ يَحْجُزُهٗ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو ہمیں قرآن پاک پڑھاتے۔ اور ہمارے ساتھ گوشت تناول فرماتے۔ اور قرآن پاک پڑھنے سے سوائے جنابت کے اور کوئی چیز آپ کو نہ روکتی تھی[۱]۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا۔

۱؎ لَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهٗ اَوْ يَحْجُزُهٗ۔ راوی کو اس میں شک ہے کہ یحجبہ ہے یا یحجزہ۔ تاہم معنٰی دونوں کا ایک ہے۔

۴۲۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَاُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں[۱]۔ (ترمذی)

ے۔ لہٰذا بعض کے نزدیک پوری آیت پڑھنا حرام ہے۔ آیت سے کم پڑھ سکتے ہیں۔ بعض کے نزدیک آیت سے کم مقدار میں پڑھنا بھی حرام ہے۔ مگر ایک کلمہ۔ حدیث کا ظاہر لفظ عام ہے۔ اگر کسی نے شکرِ نعمت کے طور پر الحمد للہ رب العالمین کے الفاظ پڑھے تلاوت قرآن کی نیت سے نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض کے نزدیک دعا قنوت پڑھنا بھی حرام ہے باقی دعاؤں و اذکار میں کوئی حرج نہیں۔

۴۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّيْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان گھروں کے رخ مسجد سے پھیر لو[۱] بے شک میں جائز قرار نہیں دیتا۔ مسجد کو حائضہ عورت اور جنبی کے لیے[۲]۔ (ابوداؤد)

ے۔ کہ کسی کے مکان کا راستہ مسجد کو نہ جائے تاکہ جنبی اور حائضہ عورت مسجد میں سے نہ گزریں۔

۲ے۔ جنبی اور حائضہ عورت کا مسجد میں آنا خواہ گذرنے کے لیے ہو خواہ مسجد میں ٹھہرنے کے لیے دونوں طرح حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے لیے گذرنا جائز ہے اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ امام احمد کے نزدیک ان دونوں کے لیے مسجد میں ٹھہرنا بھی جائز ہے۔ تاہم حدیث پاک کا ظاہری مفہوم اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔

۴۲۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَّلَا كَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر[۱] یا کتا ہو اور نہ اس گھر میں جس میں جنبی[۲] ہو۔ (ابوداؤد و نسائی)

ے۔ یعنی جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو۔ یا کتا ہو۔ باب التصاویر میں اس پر مفصل گفتگو ہوگی۔

۲ے۔ یہاں جنبی سے ایسا جنبی مراد ہے جس نے جنبی حالت میں رہنا عادت بنالی ہو۔ اور سستی و غفلت کے باعث نماز کا وقت بھی گذار دے اور غسل نہ کرے۔ تاہم یہاں صورت میں ہے کہ وضو بھی نہ کرے۔

۴۲۷ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کے قریب

تَقْرَبُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جِيْفَةُ الْكَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ اِلَّا اَنْ يَتَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

فرشتے نہیں آتے۔ کافر کی لاش، خلوق (ایک طرح کی خوشبو) سے تھڑا ہوا اور جنبی مگر یہ کہ وضو کرے۔

(ابوداؤد)

لے۔ حضرت یاسر قبیلہ بنی مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈی سمیہ بضم سین و فتح میم و تشدید یا تحتانیہ نکاح میں دے دی۔ ان سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ آپ کے دونوں ماں باپ قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ مستضعفین میں سے ہیں جنہیں راہ حق میں تکالیف اور سزائیں برداشت کرنا پڑیں۔ ایک دفعہ مشرکین آپ کو جلا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس سے گزر ہوا۔ فرمایا۔ یَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا عمار پر جس طرح تو ابراہیم کے لیے ہوئی تھی۔ آپ مہاجرین اولین و سابقین میں سے ہیں۔ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقانیت کے دلائل میں سے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ تقتلك الفئة الباغية۔ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا الحدیث۔ آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ آپ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ ابوجہل لعین نے آپ کی والدہ مکرمہ کے اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے آپ شہید ہو گئیں۔

ے۲۔ یعنی مردہ کافر۔ اور بعض ذات کافر مراد لیتے ہیں۔ مردہ ہو یا زندہ۔ تاہم جیفہ کا استعمال مردہ کے لیے بیشتر آتا ہے۔

ے۳۔ خلوق بفتح خاء معجمہ مشہور خوشبو کا نام ہے جس میں زیادہ تر زعفران پڑا ہوتا ہے۔ اس جملے میں خلوق کے استعمال سے ممانعت کے لیے زجر و تشدید کی گئی ہے۔

۴۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ قرآن پاک کو نہ چھوئے مگر پاک اور باوضو انسان۔

(مالک و دارقطنی)

لے۔ حضرت عبداللہ اور ان کا باپ ابوبکر و محمد سب تابعین سے ہیں ان کے جد کلاں حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ ان کی طرف آپ نے ایک خط لکھا تھا۔

سے۔ حزم بفتح حاء و سکون زا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کے علاقے کا عامل مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک خط بھی دیا، جس میں فرائض و سنن، صدقات اور دیتوں وغیرہ کا ذکر تھا۔ وہ خط سنتوں کے بیان میں مشہور ہے۔ اس کتاب میں درج تھا کہ قرآن کو پاک اور باوضو انسان ہاتھ لگائے۔

۴۲۹ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وَكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِي سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ فَلَقِيَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارٰى فِي السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک کام کے لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کام پورا کیا۔ آپ کی اس دن کی باتوں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ نے فرمایا ایک شخص گلیوں میں سے ایک گلی سے گزرا[2] تو اس کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ یا پیشاب کر کے باہر نکلے تھے تو اس شخص نے آپ کو السلام علیکم کہا۔ مگر آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ شخص ایک گلی میں چھپنے کے قریب ہو گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک دیوار پر مارے پھر اپنے منہ مبارک کا مسح کیا پھر دوسری ضرب دیوار پر لگائی اور کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا[3] پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا مجھے تیرے سلام کا جواب دینے سے نہ روکا۔ مگر اس بات نے کہ میں طہارت پر نہ تھا[4]۔ (ابوداؤد)

لہ۔ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ تابعی ثقہ ہیں کثیر الحدیث ہیں۔ آپ اصل میں دیلمی ہیں بعض نے کہا آپ مغربی ہیں۔ آپ اکابر تابعین اور ان کے آئمہ میں سے ہیں۔ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔

لہ۔ یہ راوی کا شک ہے۔

لہ۔ سکہ بکسر سین و کاف مشدد یعنی ہموار اور سیدھا راستہ۔

لہ۔ یعنی تیمم فرمایا۔

لہ۔ آئندہ آنے والی حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا جواب دینے سے مانع یہ امر تھا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضو سلام کا جواب دینے کو مکروہ جانا۔ کیونکہ السلام علیکم کے الفاظ میں لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ سلام سلامتی کے معنیٰ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز میں خدا تعالیٰ کے ذکر و نام کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے۔ مگر یہاں ایک اشکال لازم آتا ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر حالت میں خدا تعالیٰ کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے۔ اگر اس اشکال کا یہ جواب دیا جائے کہ اس سے ذکر قلبی مراد ہے۔ تو یہ جواب درست نہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت آپ ذکر لسانی کرتے تھے اور یہ کہتے تھے۔ الحمد للہ الذی اخرج عنی ما یؤذینی۔ الحدیث۔ پھر وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے اور یہ بیان بھی گزر چکا ہے کہ حالت جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے۔ اور یہ کہ جب آپ بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو وضو کرنے سے پہلے صحابہ کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ کچھ لوگ اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عزیمت یہ ہے کہ بے وضو خدا تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ اور جو کچھ تم نے بیان کیا ہے سب رخصت پر مبنی ہے کہ آپ نے تعلیم جواز اور امت کی آسانی کے لیے ایسا کیا۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے توفیق طلب کرتا ہوں۔ کہ یہ جواب وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں کام نہیں دیتا۔ کہ وہ بلاشبہ عزیمت میں سے ہے بلکہ جو کچھ ذکر و اذکار خاص خاص جگہ وارد ہوا ہے اس کا وہاں پڑھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے (واللہ اعلم) کہ خدا تعالیٰ کا ذکر بے طہارت بھی جائز ہے۔ لیکن طہارت کے ساتھ افضل و اکمل و اولیٰ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت عظمت و جلال الٰہی کا وارد تھا۔ اس لیے آپ نے نہ چاہا کہ اللہ تعالیٰ کا بے طہارت ذکر کریں۔ خصوصاً سلام کے جواب کے تحت کلام میں توقف و تاخیر کی گنجائش ہوتی ہے۔ فوراً اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا تاہم آپ نے وضو کرنے تک تاخیر اس لیے نہ کی کہ شاید وہ شخص چلا جائے۔ اور سلام کا جواب دینا رہ جائے۔ اور وقت زیادہ گزر جائے اس لیے آپ نے تیمم کر لیا اور سلام کا جواب دیا اور یہ تعلیم دی کہ ایسے مواقع میں پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کرنا جائز ہے (خوب سمجھو)

۴۴ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰی تَوَضَّاَ ثُمَّ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ قَالَ اِنِّیْ كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰی طُهْرٍ. رَوَاهُ

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ بول کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے اس کے سلام کا اس وقت تک جواب نہ دیا جب تک کہ آپ نے وضو نہ کر لیا پھر آپ نے اس سے معذرت کی اور فرمایا میں نے بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ جانا اسے

اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی النَّسَائِیُّ اِلٰی قَوْلِہٖ حَتّٰی تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَیْہِ ۔	ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور نسائی نے حَتّٰی تَوَضَّأَ تک روایت کیا اور نسائی نے معذرت کا ذکر نہ کیا اور یہ عبارت روایت کی۔ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَیْہِ آپ نے جب وضو کر لیا تو سلام کا جواب دیا۔

لہ ۔ قُنْفُذ بضم قاف وسکون نون وضم فا وذال معجمہ۔ ان کا اسم مبارک خلف بن عمیر ہے۔ مہاجر لقب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا۔ ھٰذَا الْمُھَاجِرُ حَقًّا۔ آپ قرشی تیمی صحابی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ امام حسن بصری وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

ٹہ ۔ یہاں چونکہ وضو کرنے تک اس شخص کے غائب ہونے اور سلام کے جواب کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لیے آپ نے وضو کر کے اس کے سلام کا جواب دیا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ اگر کسی سے سلام کا جواب دینے میں کسی عذر کی بنا پر کوتاہی سرزد ہو جائے تو چاہیے کہ اس سے معذرت کرے تاکہ تکبر نہ سمجھا جائے بعض شروح میں مذکور ہے کہ حاشا وکلا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ادائے عبادت میں کوتاہی کرنے والا کہا جا سکے۔ بلکہ آپ کی تاخیر چند جائز وجوہ کی بنا پر تھی۔ اور معذرت محض کرم اور تبرع کے طور پر تھی۔ اور مقصود اس امر پر ڈانٹنا تھا کہ بول کرنے والے شخص کو سلام نہ کرنا چاہیے۔ اور قضائے حاجت کرنے والے شخص سے ہم کلام نہ ہونا چاہیے۔ اور چونکہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس لیے ذاتِ وصفات حق تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی عزت و عظمت کے پیش نظر بھی سلام کے الفاظ زبان پر لانے سے گریز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۴۲ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْنُبُ ثُمَّ یَنَامُ ثُمَّ یَنْتَبِہُ ثُمَّ یَنَامُ رَوَاہُ اَحْمَدُ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سو جاتے۔ پھر بیدار ہوتے پھر سو جاتے۔ (احمد)

لہ ۔ یَجْنُبُ بضم یا کسرو نون اور بفتح یا وضم نون۔

ٹہ ۔ یعنی حالت جنابت میں کئی بار آپ بیدار ہوتے اور غسل کیے بغیر سو جاتے اور غسل کرنے میں جلدی نہ کرتے تاہم وضو کر کے سوتے جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہ تھی۔ لہٰذا آپ اسی وضو کے ساتھ ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگ [illegible] ہے۔ مگر ظاہر یہی ہے کہ جو وضو جنابت کے

بعد کیا تھا وہ دوبارہ طہارت کے ساتھ سونے کے لیے کفایت کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۳۲ وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى سَبْعَ مِرَارًا ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهٗ فَنَسِيَ مَرَّةً لَمْ اَفْرَغَ فَسَاَلَنِيْ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ لَا اُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَآءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے بیشک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب غسل جنابت کرتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے۔ پھر آپ اپنی شرمگاہ دھوتے۔ ایک دفعہ آپ بھول گئے کہ کتنی مرتبہ پانی ڈالا ہے۔ آپ نے مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا مجھے یاد نہیں رہا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیری ماں نہ رہے۔ تجھے یاد رکھنے سے کس چیز نے روکا۔ پھر آپ نماز والا وضو کرتے تھے۔ پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔ پھر فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح خوب طہارت کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

۵ لہ۔ لَا اُمَّ لَکَ عرب لوگ یہ کلمہ مذمت اور گالی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر لَا اَبَا لَکَ (تیرا باپ نہ رہے) بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کو چاہیے کہ استاد کے سامنے حاضر دماغ اور ہشیار رہے۔ غافل نہ رہے۔ تاکہ استاد کا عمل یاد رکھے۔ اور اس پر کاربند ہو اور اس کا عمل دوسروں تک پہنچائے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ استاد کو یہ حق حاصل ہے کہ ترک ادب پر شاگرد پر سختی کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شرمگاہ دھونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دست مبارک دھونا احادیث میں آیا ہے۔ پھر یہ دھونا یا تو بلا تعداد وارد ہوا ہے یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔ اور باب الغسل کی فصل اول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست راست سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ دھوتے۔ اس روایت میں عدد معین کا کوئی ذکر نہیں۔ پس ابن عباس سے شعبہ نے جو روایت کی ہے کہ آپ نے سات مرتبہ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا تو یہ تطہیر و تنظیف کے لیے مخصوص صورت میں ہوگا۔ جس طرح بعض احادیث میں برتنوں کے صاف کرنے کے لیے آیا ہے۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہو سکتا ہے سات مرتبہ دھونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کے بائیں ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہو۔ مگر یہ وجہ بھی سات کے عدد کی ضرورت ثابت نہیں کر سکتی۔ الا یہ کہ نجاست سخت ہو۔ اور بار بار دھونے کے بغیر صاف نہ ہوتی ہو۔ اور سات کا عدد کامل طور پر دھونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہ کا سات مرتبہ دھونا۔ اتفاقی اقتصار تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ کا حضرت شعبہ کے بھول جانے پر سختی کرنا اس کے منافی ہے کہ اس طرح کی سختی وہاں کی جاتی ہے جہاں کوئی واجب اور ضروری کام ہو۔

۴۳۳ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَائِہٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ ھٰذِہٖ وَعِنْدَ ھٰذِہٖ قَالَ فَقُلْتُ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَجْعَلُہٗ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا قَالَ ھٰذَا اَزْکٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْھَرُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن[1] اپنی تمام ازواج کے ساتھ ہم بستر ہوئے پھر ہر ایک سے جماع کے بعد ہر بار غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اس طرح کرنے سے زیادہ طہارت و صفائی حاصل ہوتی ہے اور یہ عمل نفس کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ[2] پاکیزگی کا موجب ہے۔ (احمد، ابو داؤد)

[1] ۔ اَلَا اور اَلاَّ مخفف و مشدد دونوں روایتیں ہیں۔

[2] ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ یا قریب المعنی ہیں۔ تاکید و مبالغہ کے لیے ان کو مکرر لایا گیا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ظاہر یہ ہے کہ تطہیر ظاہر بدن کے لیے اور تزکیہ و تطییب باطن کے لیے ہے۔ یا اول یعنی تزکیہ اخلاق ذمیمہ کے لیے ازالہ کے لیے اور ثانی یعنی تطییب اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہونے کے لیے ہے۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جہاں آپ نے جملہ ازواج مطہرات سے ہم بستر ہونے کے بعد ایک غسل کیا جیسا کہ فصل اول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا تو وہ تعلیم رخصت اور امت کی آسانی کے لیے کیا۔

[3] ۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض نے کہا حضرت عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں جنہیں حضرت عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ کا نام اسلم ہے۔ آپ قبطی ہیں غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہوئے۔ البتہ غزوہ احد اور اس کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضرت ابو رافع حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشی میں ان کو آزاد کر دیا۔

۴۳۴ وَعَنِ الْحَكَمِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْاَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اَوْقَالَ بِسُؤْرِهَا وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت حکم بن عمرو[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے بوجہ شک راوی اس لفظ کو زیادہ کیا اَوْ قَالَ بِسُؤْرِهَا[2] یعنی یا عورت کے جوٹھے سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

لہ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرہ میں بود و باش اختیار کی۔ آپ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔ زیاد نے آپ کو بصرہ کا والی مقرر کیا پھر معزول کر کے خراسان کا والی مقرر کیا۔ آپ نے مرو میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

لہ۲ سُؤر بضم سین و سکون ہمزہ بمعنی شے کا باقی ماندہ حصہ۔ اس کا زیادہ تر اطلاق و استعمال کھانے یا پینے کے بعد بچے ہوئے کھانے اور پانی پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں عورت کا بچا ہوا پاک پانی مراد ہے۔ راوی کا شک محض لفظ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے کیا لفظ ادا کیا۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۴۳۵ وَعَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهٗ اَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَحْمَدُ فِيْ اَوَّلِهٖ نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلِهٖ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

حضرت حمید الحمیری[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ایک ایسے شخص کو ملا جسے چار سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی تھی جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت[2] حاصل رہی۔ اس شخص نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مرد و عورت سے مرد کے بچے ہوئے یا عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ اور مسدد[3] نے یہ الفاظ زیادہ کیے وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا چاہیے کہ وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں[4]۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور احمد نے روایت کیا۔ اور امام احمد نے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ زیادہ[5] کیے۔ نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ یعنی آپ نے ہمیں ہر روز کنگھی کرنے سے بھی منع فرمایا۔

عن عبد اللہ بن سرجس | غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے بھی روکا۔ اسے ابن ماجہ نے عبد اللہ بن سرجس سے روایت کیا۔

۱؎ حُمَیْدِ الْحِمْیَرِیِّ۔ حُمَیْد بضم حا و فتح میم حِمْیَری بمعنی منسوب بجانب حِمْیَر بن سبا بکسر حا و سکون میم آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور ثقہ و علماء تابعین بصریین اور ان کے ائمہ میں سے ہیں۔ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے کہا ہے حمید سب اہل بصرہ سے بڑے عالم اور فقیہہ ہیں۔

۲؎ یہ سن سات ہجری میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر ایمان لائے۔

۳؎ مُسَدَّد بروزن مُعَظَّم، آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مرتبہ اور اکابر تبع تابعین میں سے ہیں

۴؎ یعنی دونوں اکٹھے برتن سے چلو بھریں۔ باری باری نہ بھریں۔ اگرچہ اکٹھے چلو بھرنے کی صورت میں دوبارہ پانی لینے کے وقت دوسرے کے بچے پانی سے غسل لازم آئے گا جیساکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو باب الغسل کی فصل اول میں گذری ہیں اس کی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں، مگر اتنی مقدار معاف ہے۔ ممنوع صورت یہ ہے کہ برتن میں بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔

۵؎ یعنی امام احمد نے حمید حمیری سے اس حدیث کے اول میں یہ کلام زیادہ روایت کیا ہے۔

۶؎ معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین کے نزدیک ان دونوں احادیث کی سندوں میں کلام ہے۔ اور اگرچہ ترمذی نے حدیث اول کو حسن صحیح کہا ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابہری نے کہا خطابی نے کہا ہے کہ محدثین اس حدیث (مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے اور عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے) کے اسناد سے خوش نہیں ہیں۔ اور اگر یہ حدیث سند کے لحاظ سے ثابت بھی ہو جائے تو نسخ پر محمول ہوگی۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ساری امت سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ اور یہ بات محال ہے کہ حدیث صحیح ہو مگر کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا ہو اور اس پر عمل کی راہ پر نہ چلا ہو۔ تاہم شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں نظر و اعتراض ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے مذہب کے بعض ائمہ نے بطور عبادت اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں۔ جیساکہ شرح میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بَابُ اَحْکَامِ الْمِیَاہِ

پانیوں کے احکام کا باب

یعنی پانی کی مختلف انواع کے احکام کا بیان جیسے بارش کا پانی، زمین کا پانی چشمہ اور غیر چشمہ کا پانی۔ کھڑا اور جاری پانی تھوڑا اور زیادہ پانی مستعمل اور غیر مستعمل پانی۔ حیوانات کا جوٹھا پانی سان حوضوں کا پانی جو صحراؤں اور بیابانوں میں ہوتے ہیں اور دھوپ سے گرم شدہ وغیرہ پانی جن کا ذکر اس باب میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۳۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا كَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ یَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں جو جاری نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے۔ اور پھر اس میں غسل کرنا شروع کر دے بخاری و مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جو جنبی ہو کھڑے پانی[1] میں غسل نہ کرے۔ لوگوں نے کہا۔ اے ابو ہریرۃ پھر کس طرح غسل کرے فرمایا ہاتھوں سے نکال کر جسم پر ڈالے اور غسل کرلے[2]

[1] ۔ یہ گویا پانی میں بول کرنے سے نہی کی علت ہے یعنی عقل انسان سے دور ہے کہ پانی میں بول کرے پھر اس میں گھس کر نہانا شروع کر دے۔

[2] ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے قلیل پانی مراد ہے کہ کثیر پانی چاہے کھڑا ہو جاری پانی کی طرح ہے وہ ناپاک نہیں ہوتا اور اس میں غسل کرنا جائز ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے پانی اگر کثیر بھی ہو اور ناپاک بھی نہ ہو پھر بھی اس میں پیشاب نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ دوسرے بھی اسے دیکھ کر اس میں بول کریں اور عادت بنالیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ پانی میں تبدیلی آجائے۔ تبدیلی سے اس کی صفات رنگ بو اور مزہ کی تبدیلی مراد ہے پہلی صورت قلیل

پانی) میں نہی حرمت کے لیے ہے۔ اور دوسری صورت (ماء کثیر) میں نہی کراہت پر محمول ہے۔ اور لا یجری کی قید اس لیے ہے کہ جاری پانی نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ بعض شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک پانی اگر قلیل ہو مگر جاری ہو تو بھی اس کا استعمال مکروہ ہے غسل کا ذکر اتفاقی ہے وضو کا بھی یہی حکم ہے کہ جس پانی سے غسل جائز ہے اس سے وضو بھی جائز ہے اور جس سے غسل جائز نہیں اس سے وضو بھی جائز نہیں۔ پاخانہ ناپاک ہونے میں بول کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نجس اور بدتر ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے یہ سب تفصیل دن کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ رات کے وقت پانی تھوڑا یا زیادہ جاری ہو یا غیر جاری اس میں قضائے حاجت کرنا مکروہ و ممنوع ہے کیونکہ رات کو ایسا کرنے سے جنات کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جنات رات کو پانی کی جگہ پر رہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

۳ے اس سے بھی قلیل پانی مراد ہے کہ ماء کثیر تو جاری پانی کا حکم رکھتا ہے۔ اور قلیل و کثیر کا معنیٰ فصل ثانی میں مذکور ہوگا۔

۴ے یعنی پانی کو برتن سے ہاتھ میں لے اور باہر کھڑے ہو کر اس سے نہائے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنبی انسان پانی حاصل کرنے کے لیے اس میں ہاتھ ڈالے اور غسل کرے تو اس طرح پانی مستعمل نہ ہوگا۔ ہاں اگر ہاتھ دھونے کی نیت سے جنبی انسان نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو جیسا کہ شمنی نے کہا، وہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔

۴۳۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ کھڑے پانی میں بول کیا جائے۔ (مسلم)

۴۳۸ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میری خالہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں۔ اور عرض کیا میری ہمشیرہ کا (یہ) بیٹا بیمار ہے تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو کیا۔ تو میں نے آپ کے وضو کے پانی سے پی لیا[۵] پھر میں آپ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہوا۔ تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جس طرح حجلۂ عروسی کا

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . ثبت ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

۵۱۔ آپ بنی امیہ یا بنی شمس کے حلیف تھے۔ آپ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ آپ خوردسال صحابی ہیں۔ آپ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کے بازار کا عامل مقرر کیا تھا۔

۵۲۔ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے جو برتن میں باقی رہ گیا تھا۔ یا وہ پانی مراد ہے جو آپ کے اعضاء شریفہ سے الگ ہوا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ ماءِ مستعمل نجس ہے اس لیے ان کے مذہب کے مطابق اس حدیث کے مفہوم ومعنی میں مشکل درپیش آتی ہے۔ اس مشکل کا حل اس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت سائب کو آپ نے علاج کی غرض سے یہ پانی پینے کی اجازت دی۔ یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی آپ کے استعمال کرنے کے باوجود پاک ہی رہتا ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ کا استعمال کردہ پانی کیوں پاک وطاہر نہ ہوگا۔ حالانکہ نہ آپ کے بدن مبارک سے لگا اور اس پانی کے ساتھ جو نجاست حکمی زائل ہوئی جو کہ درحقیقت میں ہے اس نے بدن شریف سے لگنے کے باوجود اس میں کوئی تاثیر نہ کی۔ پھر بعض علماء کرام تو اس طرف گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ طیب وطاہر ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر و باطن اور سراپا بالکل پاک ومنزکی ہے۔

۵۳۔ زِرِّ الْحَجَلَة بتقدیم زاء مکسورہ بر راء یعنی بٹن حجلہ بتقدیم حائے مہملہ بر جیم۔ دونوں کے فتح کے ساتھ خانۂ عروسی (ڈولا) کو کہتے ہیں۔ اور یہ خیمہ کی طرح ہوتا ہے جس کو بڑے بڑے بٹن لگے ہوتے ہیں۔ مہر نبوت کو مقدار میں اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ بعض روایات میں اسے کبوتر کے انڈے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اس کی شکل پر نہایت نورانی ودرخشاں گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے اندر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اور اس کے ظاہر پر یہ الفاظ مرقوم تھے۔ تَوَجَّهْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُوْرٌ (توجدھر رخ کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت تیرے ساتھ رہے گی) اسے مہر نبوت اس لیے کہتے ہیں کہ کتب سابقہ تورات انجیل وغیرہ میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور نعت وصفت بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ مہر نبوت آپ کے نبی موعود ہونے کی علامت ونشان تھی یا اس امر کی علامت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ علماء کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت یہ مہر نبوت آپ کے کندھوں کے درمیان سے اٹھا لی گئی اور صحابہ کرام کو اس سے پتہ چلا کہ آپ اس دنیا سے انتقال فرما گئے ہیں۔ اس کی مزید تحقیق حضور علیہ السلام کے باب الشمائل میں کتاب کے آخر میں

ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۳۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ یَکُوْنُ فِی الْفَلَاۃِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنُوْبُہٗ مِنَ الدَّوَابِ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنِّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ اُخْرٰی لِاَبِیْ دَاؤدَ فَاِنَّہٗ لَا یَنْجُسُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اس پانی کے بارے میں جو وارد ہونے اور اس میں سے بیابان میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس پانی پر مویشی اور جنگلی درندے پیتے ہیں (کہ کیا یہ پانی پاک ہوتا ہے؟) آپ نے فرمایا جب پانی دو قُلّہ[۱] کی مقدار ہو تو پلیدی کو قبول نہیں کرتا۔ اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں لَا یَنْجُسُ[۲] کا لفظ آیا ہے۔

[۱] حالانکہ اس پانی پر باری باری مویشی اور جنگلی درندے آتے اور اس سے پیتے اور اس میں بول و گوبر کرتے ہیں۔

[۲] یعنی اس پانی میں نجاست پڑ جانے سے یہ ناپاک نہیں ہوتا۔ قُلّہ بضم قاف بمعنیٰ بڑا مٹکا۔ جس میں لوگ پانی ڈالتے ہیں۔ دراصل قلہ اونچی چیز کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ، اونٹ کی کوہان۔ سر کی چوٹی۔ مٹکے کو بھی اس لیے قلہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اونچا ہوتا ہے۔ اوسطاً قد آور آدمی ہی اسے اٹھاتا ہے۔ قلہ کی مقدار چھوٹی اڑھائی مشک ہے۔ اس مشک کو عربی میں قربہ بھی کہتے ہیں۔ اس حساب سے دو قلہ پانچ مشک پانی ہوگا۔ اور یہ چھوٹی مشک ہمارے علاقوں کے مطابق ایک بڑے گھڑے کی مقدار ہوتی ہے۔ اور شرع شریف کے حساب سے یہ پچاس سیر پانی ہوگا۔ تو دو قلہ پانی دو سو سیر ہوگا۔ بعض علماء نے کہا ہے۔ ایک چھوٹی مشک ایک سو رطل عراقی کے برابر ہوتی ہے۔ اور ایک عراقی رطل ایک سو اٹھائیس درہم وزن کا ہوتا ہے۔ اور ایک سیر شرعی چالیس تیر شاہی پیسے کے وزن کا ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں جو مذکور ہے امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ جب پانی دو قلہ ہو تو اس میں نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کے رنگ، بو اور ذائقہ میں تبدیلی نہ آ جائے یہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اتنا فرق ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بول یا پاخانہ پڑے والا ہو تو پانی کو ناپاک کر دے گا۔ مگر یہ کہ بڑے بڑے

تالابوں کی شکل میں ہو جیسے مکہ معظمہ کے راستے میں ہیں۔ ایک نہایت عجیب و غریب بات وہ ہے جو کتب شافعیہ رحمہم اللہ میں مذکور ہے کہ اگر سارا پانی ناپاک ہو اور وہ اسی ناپاک حالت میں رفتہ رفتہ دو قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ خود بخود پاک ہو جائے گا۔ اور جس وقت بھی وہ دو قلہ سے کم ہو گا تو ناپاک ہو جائے گا۔ گویا قُلَّتَیْن کی مقدار ان کے ہاں پانی کے پاک ہونے میں خاص تاثیر رکھتی ہے۔

ف ۳: اس حدیث کی صحت میں محدثین کا اختلاف ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ ایک گروہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ایک دوسرے گروہ کے نزدیک صحیح ہے کہ اکابر علماء حدیث نے اس حدیث کا اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔ علی بن مدینی نے جو آئمہ حدیث اور شیوخ بخاری میں سے نیز امام احمد بن حنبل کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں، کہا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوئی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے کیونکہ ایک حبشی چاہِ زمزم میں گر گیا تو حضرت ابن عباس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے سارا پانی نکالنے کا حکم دیا۔ ان کا یہ حکم صحابہ کرام کی جماعت کے روبرو تھا اور کسی نے ان کے اس حکم پر اعتراض نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

علماء کرام نے کہا ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ پانی کے نجس ہونے یا نہ ہونے کی کیا مقدار اور حد ہے۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو آئمہ حنفیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ قُلَّتَیْن کی حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ قلہ کے کئی معنی آتے ہیں۔ جیسے مٹکا، مشکیزہ، پہاڑ کی چوٹی وغیرہ اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں اس سے کیا مراد ہے۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ پانی کسی چیز سے اور کسی حالت میں ناپاک ہی نہیں ہوتا۔ جاری ہو یا جاری نہ ہو۔ کم ہو یا زیادہ۔ اس کا رنگ، بو اور مزہ بدل چکا ہو یا نہ بدلا ہو۔ اور فقہاء و محدثین کے جمہور علماء اس پر ہیں کہ اگر پانی کثیر ہو تو ناپاک نہ ہو گا۔ قلیل ہو تو ناپاک ہو جائے گا اور وہ جو بیر بضاعۃ والی حدیث میں آیا ہے کہ اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (پانی پاک چیز ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی) اور اصحاب ظاہر اسے اپنے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، تو ان کا استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں الماء سے کثیر پانی مراد ہے۔ اور مدار قلیل و کثیر کی مقدار میں آئمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجاست گرنے سے جس پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ بدل جائے وہ قلیل ہے۔ اور جس کا نہ بدلے کثیر ہے۔ ان کے ہاں تبدیلی اور عدم تبدیلی ہی کثیر و قلیل کا معیار ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما کے نزدیک [illegible] قُلَّتَیْن [illegible] اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اگر پانی اتنا ہو کہ ہلانے سے اس کے اجزا الگ الگ نہ ہو جائیں بعض کے نزدیک غسل کے وقت بعض کے نزدیک وضو کے وقت اور بعض کے نزدیک زور سے ہاتھ ڈالنے کے وقت اس کے اجزا الگ الگ نہ ہو جائیں تو وہ کثیر ہے۔ ورنہ قلیل ہے۔ متاخرین مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک قلت وکثرت کا معیار پیمائش کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے بعض کے نزدیک دہ در دہ[1] بعض کے نزدیک پندرہ در پندرہ۔ بعض کے نزدیک بیس در بیس۔ اور بعض ظن غالب کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر ظن غالب یہ ہو ایک جانب نجاست پڑنے والی دوسری جانب پہنچ گئی ہے تو وہ پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔ اور اس سے وضو کرنا روا ہوگا۔ ورنہ ناپاک مقصود ہوگا۔ اور اس سے وضو جائز نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کے دلائل کی تحقیق وتفصیل شرح سفر السعادۃ میں بھی کر دی گئی ہے۔ وہاں انہیں دیکھ لیا جائے۔

۴۴۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَتَوَضَّاُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَھِیَ بِئْرٌ تُلْقٰی فِیْہِ الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ لَّا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کیا ہم لوگ بضاعہ[1] کنویں سے وضو کر لیا کریں، حالانکہ یہ وہ کنواں ہے جس میں حیض کی[2] تاکیاں، کتوں کے گوشت اور بدبو[3] دار چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا اس کنویں کا پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں[4] کر سکتی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

[1] بُضَاعَة بضم باء موحدہ وضاد معجمہ۔ یہ مدینہ منورہ میں مشہور کنواں ہے۔ (مگر آج ۱۴۰۱ھ میں مدینہ منورہ کی عمارات کی توسیع کے باعث آبادی میں آچکا ہے۔ اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں)

[2] حِیَض بکسر حاء فتح یا حیضۃ کی جمع ہے۔ یعنی کپڑے کا ٹکڑا (تاکی) جو خونِ حیض سے آلودہ ہو۔

[3] نتن۔ بفتح نون وسکون تا بمعنی بدبو۔ یہاں بدبو دار چیزیں مراد ہیں۔

[4] کیونکہ اس کا پانی بہت اور چشمہ دار ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ کنواں اس وقت جاری تھا اور نہر کی طرح اس کا پانی باغات کو سیراب کرتا تھا۔ اگرچہ دہ در دہ نہ تھا۔ اور اتنی مقدار میں بھی نہ تھا کہ حرکت دینے سے اس کے اجزا الگ الگ نہ ہوں اس میں غور کرو۔ مشائخ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ احناف کے مذہب میں چشمہ دار کنواں جاری پانی کی طرح ہے۔

۴۴۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

[1] یعنی دس گز ضرب دس گز رقبے میں پھیلا ہوا پانی کثیر متصور ہوگا۔ اس مقدار سے کم پانی قلیل ہوگا۔ مترجم غفرلہ۔

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّا نَرْکَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِیْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِہٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الطَّھُوْرُ مَآءُہٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُہٗ رَوَاہُ مَالِکٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں۔ اور اپنے ہمراہ تھوڑا پانی لے کر چلتے ہیں اگر اس پانی کے ساتھ ہم وضو کرلیں تو پیاسے ہیں ستائے گی کیا ہم لوگ سمندر کے پانی سے[۱] وضو کر لیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار[۲] (مچھلی) حلال ہے۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ (دارمی)

۱؎۔ گویا صحابہ کرام نے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کو بعید (ممنوع) خیال کیا۔ اور یہ خیال انہیں اس آیت کی تخصیص سے پیدا ہوا۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا ۔ اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اور سمندر کا پانی بارش کے پانی سے اوصاف میں مختلف ہوتا ہے۔

۲؎۔ مراد مچھلی ہے۔ کہ اسے ذبح نہیں کیا جاتا۔ مَیْتَۃ بفتح میم دراصل اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو بے ذبح مر جائے مچھلی کا ذبح یہی ہے کہ اسے شکار کر لیا جائے اور پانی سے نکال لیا جائے۔ اور جو مچھلی شکار کرنے سے پہلے پانی میں ہی مر چکی ہو۔ مذہب حنفی میں اس کا کھانا حلال نہیں۔ اس مسئلے کی مزید تحقیق کتاب الصید والذبائح میں انشاء اللہ العزیز آئے گی۔

۴۴۲ وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَا فِیْ اِدَاوَتِکَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ مَآءٌ طَھُوْرٌ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ فَتَوَضَّأَ مِنْہُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْ زَیْدٍ مَجْھُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

حضرت ابوزید[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ[۲] الجن کے موقعہ پر انہیں فرمایا تیرے برتن میں کیا ہے۔ میں نے عرض کیا نبیذ (کھجور کا پانی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو طیب کھجور اور پاک پانی[۳] ہے یہاں تک مقدار تک اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور احمد و ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ کیے فَتَوَضَّأَ مِنْہُ تو اس سے آپ نے وضو کیا اور ترمذی نے کہا ابوزید[۴] مجہول ہے۔ اور علقمہ سے صحیح روایت ہے

قَالَ لَمْ اَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں لیلۃ الجن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

ف ۱۔ ابو زید مخزومی جو تابعین سے ہے اور عمرو بن حُریث کا آزاد کردہ غلام بخاری نے جس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتا ہے۔

ف ۲۔ یہ وہ رات ہے جس میں جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن پڑھا۔ یہ جنات اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کے سامنے حال بیان کیا۔ جیسا کہ قرآن میں یہ قصہ صراحتہً مذکور ہے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود خدمت اقدس میں حاضر تھے اور چھاگل بھی ان کے پاس تھی۔

ف ۳۔ لہٰذا اس کے ساتھ وضو کرنا بلاشبہ درست ہے۔

ف ۴۔ ترمذی نے اس حدیث پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے کہ ابو زید جس کی روایت عبداللہ بن مسعود سے ہے مجہول شخص ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ابو زید جو ابن حریث کا آزاد کردہ غلام ہے کہ اس نے نبیذ سے وضو کرنے کی حدیث عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ اور اس سے ابو فزارہ نے روایت کی، اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور بخاری نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اور حاکم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں۔ اور بعض نے ابو فزارہ کو بھی ضعیف کہا ہے۔ اور مصابیح میں آیا ہے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا۔ حضرت علقمہ بن قیس کہ مشہور تابعی اور بڑی اونچی شان والے فقیہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام بھی ان سے علم کی باتیں پوچھا کرتے تھے۔ اور یہ علقمہ طور طریقے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت مشابہت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۰۲ھ میں فوت ہو گئے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ف ۵۔ اور جب کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے تو حدیث مذکور جو ان کے ہمراہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح نہ ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نبیذ تمر یہ ہے کہ کھجور کو چند روز کے لیے پانی میں ڈال دیں۔ تاکہ اس کا مٹھاس نکل آئے اور اس میں تیزی پیدا ہو جائے۔ یہ شیرہ جب تک خوب تیز و تند نہ ہو حلال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ نبیذ بنایا جاتا تھا اس نبیذ کے تمام مسائل و احکام باب الاشربہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔

کھجور کے اس شیرے کے ساتھ وضو کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر خالص پانی میسر نہ آئے تو پھر اس نبیذ کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ حنفیہ اس حدیث کو جو ابو زید نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اپنے مذہب کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور شافعی حضرات گذشتہ معلوم شدہ وجہ کی بنا پر اس حدیث میں طعن اور اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حق سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ اور راویانِ حدیث کی جہالت اس وجہ سے مندفع اور غیر موثر ہے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لیلۃ الجن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو دعوتِ حق دینے میں مصروف ہوئے تھے اس وقت آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ بٹھا کر ان کے ارد گرد ایک دائرہ لگا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا۔ اور یہ جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس رات کو حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنات کے ساتھ گفتگو کے وقت میں آپ کے ساتھ نہ تھا۔ یا جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ سے ان جنات کی جانب روانہ ہوئے اس وقت میں آپ کے ساتھ نہ تھا بلکہ رات کے آخری حصہ میں آپ کے ساتھ جا کر ملا۔ یہاں کافی طویل گفتگو ہے۔ شرح عربی میں پوری بسط و تفصیل سے درج کی ہے، وہاں دیکھنی چاہیے۔

۴۴۳ وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءً فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ

حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا سے جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں روایت ہے فرماتی ہیں حضرت قتادہ میرے پاس تشریف لائے تو کبشہ نے ان کے وضو کے لیے برتن میں پانی ڈالا، استنے میں ایک بلی پانی پینے کیلئے آ گئی۔ حضرت قتادہ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا، یہاں تک کہ بلی نے اس برتن سے پانی پیا۔ حضرت کبشہ کہتی ہیں حضرت قتادہ نے میری طرف دیکھا کہ میں (تعجب سے) ان کی طرف دیکھ رہی ہوں فرمایا اے میرے بھائی کی بیٹی کیا تو تعجب کر رہی ہے میں نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت قتادہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلی نجس نہیں ہے بے شک وہ اگر ہے تو ان جانداروں میں سے ہے جو تمہارے پاس کثرت سے آتے

ماجۃ والدارمی۔

جاتے ہیں اور مادہ ہے تو ان مادہ اشیاء میں سے ہے جن کا تمہارے پاس آنا جانا کثرت سے ہے۔ اسے امام مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

ف۱۔ یعنی کبشہ انصاریہ کبشہ بفتح کاف وسکون بامُوحدہ آپ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ جو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، کی صاحبزادی ہیں۔ غزوہ تبوک میں آپ کے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی مشہور ہے۔ حضرت کعب کی یہ لڑکی حضرت ابوقتادہ جو مشہور صحابی ہیں کے بیٹے کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ابوقتادہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجہ کے سواروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت کبشہ کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ کذا فی التقریب۔

ف۲۔ بعض روایات میں فَسَکَبْتُ بصیغہ متکلم بھی آیا ہے۔

ف۳۔ تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے۔

ف۴۔ یعنی میں نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا کہ آپ اس برتن سے بلی کو پانی پلا رہے ہیں جو وضو کے لیے رکھا گیا تھا۔

ف۵۔ حضرت ابوقتادہ نے یہ الفاظ عربوں کی عادت کے مطابق فرمایا۔ اہل عرب کی عادت ہے کہ مخاطب کو برادر زادہ یا ابن عم کہتے ہیں۔ اگرچہ واقع میں اس طرح نہ ہو اور اخوت اسلامی تو ہر حال میں موجود ہے۔

ف۶۔ یعنی بلی ایسی نجس چیز نہیں کہ برتن میں اس کے منہ ڈالنے سے پانی ناپاک ہو جائے۔ نَجِسٌ بکسر جیم بمعنی پلیدی اور بفتح جیم بھی پڑھا گیا ہے بمعنی پلیدی۔

ف۷۔ لہٰذا لفظ او راوی کے شک کی بنا پر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من الطوافین فرمایا یا من الطوافات فرمایا۔ طوافین اور طوافات صیغہ مبالغہ ہے جو غلبہ اور کثرت کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ کثرت سے تمہارے اردگرد گھومتی رہتی ہے اگر اس کے جوٹھے کو ناپاک قرار دے دیں تو اس سے تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ اس وجہ سے سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یا من الطوافین علیکم او الطوافات سے یہ مراد ہے کہ بلی ہر وقت محتاجوں اور سائلوں کی طرح تمہارے اردگرد رہتی ہے اسلئے اس کے ساتھ شفقت و مہربانی ضرور ہونی چاہیے بہرحال دونوں مذکورہ معنوں کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور چشم پوشی چاہیے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلی کا جوٹھا مکروہ ہے اگر اور پانی نہ ہو تو پھر بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کرے تیمم کرنا جائز نہیں۔ اور اگر دوسرے پاک پانی کے ہوتے ہوئے بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور امام ابویوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک بلی کا جوٹھا پاک ہے۔ پھر حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک

اس لیے مکروہ ہے کہ حدیث میں بلی کو درندوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور درندوں کا جوٹھا نجس ہے۔ لیکن حدیث انها من الطوافین اس کو نجاست سے کراہت کے درجے پر اتار لائی ہے۔

۴۴۴ وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ ابْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّي فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا أَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَإِنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

حضرت داؤد بن صالح[1] بن دینار سے وہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ماں کو آزاد کرنے والی عورت نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہریسہ[2] دے کر بھیجا۔ اس ماں نے کہا میں نے حضرت عائشہ کو نماز پڑھتے پایا۔ نماز کی حالت میں ہی مجھے اشارہ[3] کیا کہ اسے رکھ دے۔ پھر ایک بلی آئی اور اس میں سے اس نے کھانا شروع کر دیا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز سے فارغ ہوئیں تو وہیں سے ہریسہ کھانا شروع کر دیا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ اور فرمایا[4]۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلا پلید نہیں ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کیا۔ (ابوداؤد)

[1] ۔ داؤد بن صالح مدنی ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں۔ انصار کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بعض نے کہا آپ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] ۔ ہریسہ ایک مشہور کھانا ہے۔ یہ ہرس بمعنی کوٹنے سے مشتق ہے اور رغبت چبا کر کھانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

[3] ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا اشارہ کرنا نماز کے اندر بھی جائز ہے۔ اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ بعض فقہی روایات میں آیا ہے مطلب ظاہر کرنے والا اشارہ مفسد نماز ہے۔ یہ حدیث اس فقہی روایت کے خلاف ہے۔ دراصل مفسد نماز یا تو کلام ہے یا عمل کثیر۔

[4] ۔ گویا اس عورت کو حضرت عائشہ کے اس فعل سے تعجب ہوا۔ اور اس نے حضرت عائشہ سے سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے۔

۴۴۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ کُلُّھَا - رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

سے دریافت کیا گیا کیا ہم لوگ گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر سکتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ بلکہ تمام درندوں کے جوٹھے پانی سے بھی وضو کرنا جائز[1] ہے۔ اسے شرح سنہ میں روایت کیا۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔ امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔ احناف کے نزدیک درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ درندوں کا لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کا گوشت نجس ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی ان کے اصحاب کی مختلف روایات کے مطابق یہی ہے اور جو احادیث درندوں کے جوٹھے کی طہارت میں وارد ہوئی ہیں ان کی صحت میں کلام ہے اور اگر ان احادیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر جواب یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے حوضوں اور تالابوں کے بارے میں ہیں۔ جو بیابانوں اور صحراؤں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور اگر اس حدیث سے علی العموم تمام درندے مراد لیے جائیں تو پھر کتے کا جوٹھا بھی پاک ہوگا۔ حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں۔

فائدہ۔ محیط میں ہے کہ کتا اگر انسان کے عضو یا اس کے کپڑے کو پکڑے اگر غصے کی حالت میں پکڑے تو ناپاک نہ ہوگا۔ اور اگر مزاح اور لاڈ پیار کے طور پر پکڑے تو ناپاک ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں وہ صرف دانتوں سے چیز کو پکڑتا ہے اور اس کے دانتوں میں رطوبت نہیں ہوتی۔ اور مزاح کی حالت میں لبوں سے پکڑتا ہے اور لب تری سے آلودہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ قہستانی نے کہا۔

۴۴۴ وَعَنْ اُمِّ ھَانِیٍٔ قَالَتْ اغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ وَمَیْمُوْنَۃُ فِیْ قَصْعَۃٍ فِیْھَا اَثَرُ الْعَجِیْنِ - رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں نے ایک ہی ٹب میں سے غسل کیا جس میں آٹے کا نشان موجود[2] تھا۔

(نسائی، ابن ماجہ)

[1] ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا۔ آپ کا نام فاختہ تھا۔ بعض نے عاتکہ بتایا ہے۔ فتح مکہ کے سال ایمان لائیں۔ ان سے حضرت علی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت کثیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ ۵۰ھ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہیں۔

[2] یعنی اس ٹب میں باقی ماندہ آٹے کا نشان موجود تھا۔ بعض نے کہا ہے یہ نشان زیادہ نہ تھا۔ جس سے پانی میں تغیر آجائے۔ جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے اور ہمارے ہاں اگر کسی پاک شے کے پڑنے سے کوئی ایک وصف بدل گئی

تو بھی جائز ہے مگر جب کہ اس کا سیلان طبعی جاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۴۷ عَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِیْ رَکْبٍ فِیْھِمْ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتّٰی وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرٌو یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ ھَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَی السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَیْنَا رَوَاہُ مَالِكٌ وَ زَادَ رَزِیْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرُّوَاۃِ فِیْ قَوْلِ عُمَرَ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَھَا مَا اَخَذَتْ فِیْ بُطُوْنِھَا وَمَا بَقِیَ فَھُوَ لَنَا طَھُوْرٌ وَّشَرَابٌ۔

حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں بے شک عمر رضی اللہ عنہ سواروں کی ایک جماعت میں جن میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے، شہر سے باہر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر پہنچے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے بھی (پانی پینے) آتے ہیں اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے صاحب حوض ہمیں اس بارے میں کوئی خبر نہ دے کہ ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں اسے مالک نے روایت کیا رزین نے کچھ الفاظ زیادہ روایت کیے اور کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں یہ الفاظ کہے۔ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے درندوں کے لیے ہے وہ جو انہوں نے اپنے شکموں میں ڈال لیا اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے لیے پاک ہے اور پینے کے لیے بھی جائز ہے۔

لہ۔ حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن تابعی ہیں۔ مدنی ہیں ثقہ ہیں بلند مرتبہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے ہیں۔

۲ہ۔ یعنی تیرا ہمیں خبر دینا نہ دینا برابر ہے۔

۳ہ۔ یعنی ان حوضوں میں بہت پانی ہوتا ہے۔ اس لیے کبھی ہم پینے آ جاتے ہیں اور کبھی جنگلی درندے آ جاتے ہیں اس کے پی جانے سے کوئی ضرر و نقصان نہیں۔

۴۴۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت

عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِيْ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

کیا گیا جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہیں کہ ان سے درندے اور کتے اور گدھے پانی پیتے رہتے ہیں کہ ان سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ان کے لیے ہے وہ جو انہوں نے اپنے شکموں میں ڈال لیا جو باقی رہا وہ ہمارے لیے ہے۔ اور وہ پاک کرنے والا ہے۔ یعنی اس سے غسل وضو جائز ہے۔

۴۴۹ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَإِنَّهُ يُوْرِثُ الْبَرَصَ.
(رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[1] آپ نے فرمایا دھوپ سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔
(دارقطنی)

[1] یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مرفوع ہونا درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ تنزیہ الشریعۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دھوپ میں پانی گرم کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمیرا ایسا نہ کرو کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اسے ابو نعیم نے طب میں اور دارقطنی نے افراد میں اور سنن میں روایت کیا۔ حضرت ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا دھوپ سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے اور کہا کہ ان احادیث کی سندوں میں جھوٹے اور اپنے پاس سے حدیثیں گھڑنے والے راوی ہیں۔ ان لوگوں کی حدیث قابل قبول نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں۔ تاہم اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ قول ثابت شدہ ہے۔ اور امام شافعی نے اسے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے رجال ثقہ ہیں۔ مگر ابراہیم راوی کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور اس کا شیخ صدقہ ضعیف ہے۔ اور دارقطنی ایک اور طریقہ سے لایا ہے اور منذری نے اس کی تحسین کی ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری بات یہ ہے کہ مؤلف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول جو نقل کیا ہے غسل کے ساتھ خاص ہے۔ اور سفر السعادۃ میں فرمایا دھوپ سے گرم شدہ پانی کے استعمال کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں یہ بات غسل وضو وغیرہ سب کو شامل ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ مذکورہ قول کے ثابت ہونے کی صورت میں بھی اس بیماری کا لاحق ہونا اس وقت ہے جب کہ اس کی عادت بنا لے یا اس بیماری کے معارض و مانع کے نہ ہونے کے وقت ہے۔ جیسا کہ

بعض کھانے جن سے اطباء نے منع کیا اور رد کا ہے۔

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ

نجاستوں کو پاک کرنے کا باب

نجاست بمعنی پلیدی طہارت و پاکی کی ضد ہے۔ نَجَسٌ بفتح جیم و کسرہ بمعنی پلید چیز فقہاء کی اصطلاح فتح کے ساتھ پلیدی کے معنی میں آتا ہے۔ اور نجس بکسرہ کے ساتھ بمعنی پلید نجس، سَمِعَ يَسْمَعُ وكَرُمَ يَكْرُمُ۔ دونوں باب سے آتا ہے۔ نجاسات جمع لانا اس کی مختلف انواع و احکام کے ارادہ کی بنا پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۵۰ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِىْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن سے کتا منہ ڈال جائے تو چاہیے کہ اسے سات مرتبہ دھوئے (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے۔ فرمایا تمہارے برتن کی طہارت جب کہ اس میں کتا منہ[1] لگا جائے یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔ ان میں سے پہلی بار مٹی[2] سے دھوئے۔

[1] ولوغ بمعنی کتے کا اپنی زبان کے کناروں سے کسی برتن میں کوئی چیز کھانا (چاٹنا) یہ لفظ درندوں کے ساتھ خاص ہے۔

[2] معلوم ہونا چاہیے کہ کتے کے برتن کو منہ لگانے سے اسے سات مرتبہ دھونا اکثر محدثین کا مذہب ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہی ہے اس حدیث میں سات مرتبہ کا ذکر احتیاطاً آیا ہے۔ سات مرتبہ دھونا لازم و ضروری نہیں ہے۔ یا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا

بعد میں منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ جو فرمایا کہ پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے یہ مسلم کی روایت ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں اُخراھن کا لفظ آیا ہے یعنی آخری بار۔ اور ترمذی میں اُولٰھُنّ او اخراھن آیا ہے یعنی پہلی بار یا آخری بار مٹی سے دھوئے اور بزار کی ایک روایت میں احداھن کا لفظ آیا یعنی سات میں سے ایک بار۔ اور ساحمد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اول آٹھ بار پانی سے دھوئیں پھر مٹی کے ساتھ۔

۴۵۱ وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّآءٍ اَوْذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

انہیں سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اس کے درپے ہو گئے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو کہ بول کے پھر اس کے بول پر ایک ڈول پانی کا بہادو۔ کیونکہ تمہیں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تمہیں تنگی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

ف۱۔ اعراب، عرب کے بادیہ نشینوں کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں عجم کے بادیہ نشینوں کو بھی اعراب کہتے ہیں۔

ف۲۔ سجلا من ماء او ذنوبا من ماء۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے سجلاً فرمایا یا ذنوباً۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ سجل و ذنوب مترادف الفاظ ہوں۔ بعض کہتے ہیں سجل بفتح سین وسکون جیم، بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ اور ذنوب اس ڈول کو کہتے ہیں جو پوری طرح بھرا ہوا نہ ہو۔ اس صورت میں لفظ او تخییر کے لیے ہوگا۔ درست یہی ہے کہ دونوں ہم معنیٰ ہیں یعنی پانی سے بھرا ہوا بڑا ڈول۔ اور او شک کے لیے ہے۔

ف۳۔ یعنی تم دین میں آسانی و مہربانی کے لیے پیدا ہوئے ہو۔

ف۴۔ تم دشواری پیدا کرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ دراصل یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے کہ آپ دین و شریعت میں غایت رفق و مہربانی اور سہولت و سماحت کی صفت سے موصوف ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو بھی جو آپ کے متبع تھے اس صفت سے موصوف فرمایا۔ ان کلمات سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام مسجد میں بول کرنے والے اس اعرابی سے نرمی اور مہربانی کا سلوک کریں۔

ف۵۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پانی بہانے سے ناپاک زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہایا ہوا پانی نجاست پر غالب آجاتا ہے۔ اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نجاست کا غسالہ اور چھینٹے وغیرہ جو کپڑوں یا بدن پر پڑتے ہیں۔ ان سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ یوں ہی چٹائی دھوتے وقت جو قطرے

زمین پر گرتے ہیں وہ بھی پاک ہیں۔

یہاں علماء کا اختلاف ہے۔ قول مختار یہ ہے کہ جو قطرے اور چھینٹے محل کے پاک ہونے کے بعد الگ ہو کر گریں وہ پاک ہیں اور جو قطرات محل کے طہارت سے پہلے اس سے جدا ہوں۔ وہ ناپاک ہوں گے۔ اور اگر محل سے جدا ہونے کے بعد ان کا رنگ اور بو تبدیل ہو جائے تو وہ بالاتفاق ناپاک متصور ہوں گے۔ کذا فی مجمع البحار۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین جب ناپاک ہو جائے تو خشک ہو جانے سے پاک نہ ہو گی۔ مگر زمین اکھیڑنا اور مٹی اٹھا کر پھینکنا ضروری نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خشک ہو جانے کے بعد زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر زمین کو خشک ہونے تک نہ چھوڑیں بلکہ گیلی ہی استعمال کرنا چاہیں تو پھر اتنی جگہ اکھیڑ کر خاک اٹھا کر پھینک دینی چاہیے کہ پاک ہو جائے۔ انتہیٰ۔ معلوم نہیں ہمارے اصحاب نے اس کے جواب میں کیا کہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ قوم (صحابہ) نے اس جگہ کے خشک ہونے سے پہلے اس پر نماز پڑھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ فوراً پانی بہانے سے مقصد یہ تھا کہ نجاست کا اثر ہلکا ہو جائے۔ اور بول کی بو اور اس کا رنگ پانی کے غلبہ سے جاتا رہے اور پاک خشک ہونے سے ہی ہوئی ہو۔ یہ حدیث اس سے خاموش ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَ الْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک اعرابی آیا اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے کہا نہ کر نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بول کرنے سے نہ روکو اسے چھوڑ دو (اس پر) صحابہ نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے بول کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اس سے کہا کہ یہ مساجد بول اور گندگی کے لیے نہیں ہیں یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں یا جو لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ راوی کہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم میں سے ایک آدمی کو حکم دیا وہ آدمی پانی کا ایک ڈول بھر کر لایا اور اس

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بول پر بہا دیا۔

(بخاری و مسلم)

لہ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اسے پکڑنا اور اس کے درپے ہونا جس کا گزشتہ حدیث میں ذکر آیا ہے محض زبان سے تھا۔ ہاتھوں سے نہ تھا۔ بشرطیکہ دونوں حدیثوں میں مذکور قصہ ایک ہی ہو۔

لہ ۔ ازرام زا کی را پر تقدیم کے ساتھ بمعنی کسی کا بول بند کر دینا۔ زرم بمعنی بول یا آنسو وغیرہ کا بند ہو جانا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجنبی اور نادان لوگوں پر غایت شفقت و مہربانی اور حلم و کرم کا اظہار ہے اسی لیے آپ نے اس سے تعرض کرنے والوں کو منع فرمایا اور اس شخص کو نہایت نرمی و شفقت سے نصیحت فرمائی۔ اور صحابہ کرام کو منع کرنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ مسجد تو آلودہ ہو گئی اب اسے بول کے درمیان بول کرنے سے روکنے میں اس کے لیے مزید تکلیف کا باعث ہے اور اس کے ساتھ اس کے کپڑوں اور مسجد کی دوسری جگہوں کے ناپاک ہونے کا خدشہ ہے۔

لہ ۔ او کما قال۔ یہ لفظ دراصل وہاں لاتے ہیں جہاں راوی کو یاد نہ رہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کونسا لفظ بولا تھا۔ یہ لفظ جو میں نے کہا یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ تھا۔

لہ ۔ سَنٌّ بمعنی پانی بہانا۔ اور پانی بہانے اور اسے بکھیرنے کا معنی مطلوب ہو تو اس کے لیے لفظ شَنٌّ استعمال ہوتا ہے یعنی شین معجمہ کے ساتھ اس حدیث میں متعدد معتبر نسخوں کے مطابق سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں شَنَّہُ آیا ہے یعنی شین معجمہ کے ساتھ۔

۴۵۳ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَاَةٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ اِحْدٰنَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدٰكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمیں آپ بتائیں جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے اور کپڑے کو اس سے کس طرح پاک کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو چاہیے کہ خون اور انگلیوں کے سروں سے اس جگہ کو ملے۔ پھر اس جگہ کو پانی سے دھو لے۔ پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

ف ۱۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابیہ ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ آپ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

ف ۲۔ حیضۃ بکسر حا اور بفتح حا دونوں طرح آیا ہے۔

ف ۳۔ لفظ نضح کا معنیٰ لغت میں پانی چھڑکنے کا آتا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک احادیث میں یہ لفظ دھونے کے معنیٰ پر محمول ہوتا ہے۔

ف ۴۔ پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ اگرچہ وہ ابھی خشک نہ ہوا ہو بلکہ گیلا ہی ہو جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۴۵۴ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلیمان بن یسار[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی۔ پھر آپ اسی کپڑے کو پہن کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ دھونے کا اثر ابھی تک کپڑے پر موجود ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

ف ۱۔ حضرت سلیمان بن یسار ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کے بھائی اور اہل مدینہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ آپ بلند مرتبہ فقیہ عظیم فاضل ثقہ عابد اور نہایت پرہیزگار شخصیت تھے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ ۱۰۷ھ میں وصال فرمایا۔

۴۵۵ وَعَنِ الْاَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ وَفِيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ۔

حضرت اسود[۱] اور ہمام رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچا[۲] کرتی تھی اسے مسلم نے روایت کیا اور ایک روایت میں علقمہ اور اسود سے مروی ہے۔ اور اس علقمہ والی روایت میں یہ الفاظ ثم یصلی فیہ (پھر آپ اس میں نماز پڑھتے) زیادہ آئے ہیں[۳]۔

۵۱۔ یعنی اسود بن یزید بن قیس نخعی برادر زادہ حضرت علقمہ بن قیس۔ آپ اپنے چچا سے عمر میں بڑے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ آپ کے ماموں ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نصیب ہوا۔ آپ نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا آپ اکابر صحابہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ان کے خواہر زادہ حضرت ابراہیم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ آپ نے اسّی حج اور عمرے کیے آپ زندگی کی آخری گھڑی تک روزہ دار رہے۔ دو رات میں قرآن پاک ختم کرتے تھے ۵۴ھ یا ۷۴ھ میں وصال فرمایا۔

ہمام نخعی بھی تابعی ہیں۔ کوفی ثقہ ہیں سال کو زمانہ کے عبادت گذار اور علماء میں سے ہیں آپ حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہما صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور آپ سے ابراہیم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ ۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔

۵۲۔ یعنی میں خشک شدہ منی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ کر صاف کرتی تھی۔

۵۳۔ یہ احادیث منی کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ہمارا اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک منی پاک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ منی خدا کے دوستوں کی پیدائش و خلقت کا اصل اور مادہ ہے۔ خدا کے دوستوں کے بارے میں کیسے کہا جائے کہ وہ ناپاک ہیں اور دار قطنی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منی کے متعلق دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ناک اور حلق کے پانی کی طرح ہے۔ اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی ٹاکی یا کھردری چیز سے اسے کھرچ دے اس کے برعکس ہمارے مذہب کی دلیل وہ احادیث ہیں جو منی کو دھونے کے بارے میں آئی ہیں۔ اسے کھرچنا شدت مجبوری کے تحت آسانی مہیا کرنے کے لیے تھا۔ اس بنا پر نہ تھا کہ وہ پاک ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ کھرچنا اور دھونا کمال نظافت و صفائی کیلیے ہوتا تھا طہارت کے لیے نہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات خلافِ ظاہر ہے۔ اس کے ناپاک ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے ناپاک چیزوں کے ساتھ جمع کرکے لایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ شریف میں حدیث بیان کی یغسل الثوب من الخمس البول والغائط والدم والمنی والقئ۔ یعنی کپڑے کو پانچ چیزوں سے دھونا ضروری ہے۔ بول، پاخانے، خون، منی، اور قے سے اور شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے کہ وہ خدا کے دوستوں کا مادہ اور اصل ہے تو یہ دلیل کمزور ہے۔ کیونکہ منی جو ایک عرصہ بعد رحم میں علقہ (خون بستہ) کی شکل اختیار کرتی ہے۔ وہ بھی دوستانِ خدا کا مادہ آفرینش ہے اور خون بالاتفاق ناپاک ہے۔ اور کبھی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہوتی ہے جس طرح دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ اور منی جس طرح اولیاءِ خدا کا اصل و مادہ ہے۔ خدا کے دشمنوں کا اصل و مادہ بھی یہی منی ہی ہے لہٰذا کس طرح

کہہ سکتے ہیں کہ منی پاک ہے۔ باقی رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو انہوں نے بیان کی ہے۔ تو اس کی صحت میں کلام ہے اور اگر صحیح ہو تو پھر وہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۶ وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَّهَا صَغِيْرٍ لَّمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ام قیس بنت محصن[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے شیر خوار بچے کو جو ابھی روٹی نہ کھاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھایا تو اس نے آپ کے کپڑے پر بول کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور کپڑے پر چھڑک دیا۔[۲] اور نہ دھویا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] ۔ مِحْصَن کسرہ میم سکون حا اور فتح صاد مہملہ کے ساتھ۔ آپ حضرت عکاشہ ابن محصن کی ہمشیرہ ہیں۔ آپ اعلان نبوت کے ابتدائی ایام میں مکہ میں اسلام لائیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

[۲] ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس بچے کے بول کے لیے جو ابھی روٹی کھانے کے قابل نہ ہو صرف پانی کا چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔ دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس حدیث کا ظاہر ان کے اس مذہب پر دلالت کرتا ہے۔ بعض شافعی حضرات بچے اور بچی کے بول میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بچے کے بول سے طہارت کے لیے پانی کا چھڑکنا کافی ہو جاتا ہے۔ اور بچی کے بول کے لیے دھونا چاہیے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک دونوں کے لیے دھونا ضروری ہے۔ اور ان کے نزدیک اس حدیث میں نضح (چھڑکنا) سے دھونا مراد ہے۔ اور علامہ عینی کا کہنا ہے دھونے میں مبالغہ نہ کیا۔ یہ تاویل و توجیہ عموم دلائل کے پیش نظر کی گئی ہے جو بول دھونے پر دلالت کرتے ہیں اور تمرتاشی نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ یہاں نضح سے بہانا مراد ہے۔ یعنی بغیر ملنے اور نچوڑنے کے صرف پانی بہا دینا مراد ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک بچے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا اس نے بول کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صرف پانی بہا دو۔ بچے کے بول کے لیے صرف پانی بہا دینا ہی کافی ہے مگر بچی کے بول کے لیے پانی بہا کر کپڑے کو نچوڑنا بھی چاہیے تو دونوں کے بول میں دھونا ضروری ہے۔ تاہم بچی کے بول میں مبالغہ اور تاکید زیادہ ہے۔ بچے اور بچی کے بول میں فرق کی وجوہ شرح (عربی) میں ذکر کی ہیں۔ ان وجوہ میں سے زیادہ ظاہر وجہ یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ میل جول اور اختلاط بچیوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ تو بچے کا بول دھونے میں

مبالغہ کہنے میں حرج و مشقت ہے۔

۴۵۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب چمڑے کو رنگ[۱] لیا جائے تو وہ پاک ہو[۲] جاتا ہے۔ (مسلم)

[۱] ۔ دوائیں یا سورج کی دھوپ کے ذریعے چمڑے کی گندگی اور اس کی رطوبات فاسدہ سے اسے پاک و صاف کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ صرف خشک ہو جانے اور ہوا میں ڈال دینے سے پاک نہ ہوگا۔ اِهَاب بکسر ہمزہ مطلق چمڑہ کو کہتے خواہ دباغت شدہ ہو یا غیر دباغت شدہ۔ جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے۔ شمنی نے کہا غیر دباغت شدہ چمڑے کو اِہاب اور دباغت شدہ کو ادیم کہتے ہیں۔

[۲] ۔ جاننا چاہیے کہ دباغت سے چمڑے کی طہارت ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ چیز ہے۔ خواہ وہ چمڑہ مردار کا ہو یا ذبح شدہ جانور کا۔ خواہ اس کا گوشت حلال ہو یا حرام۔ صرف اتنا سا اختلاف ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب مردار کے چمڑے میں قیل و قال کرتے ہیں۔ مگر ان کے محققین کا یہی مذہب ہے کہ مردار کا چمڑہ بھی دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس باب میں احادیث مشہور ہیں۔ تاہم خنزیر اور آدمی کا چمڑہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ آدمی تو شرافت اور عزت کی بنا پر۔ اور خنزیر اہانت و ذلت کی وجہ سے۔ کتے میں اختلاف ہے۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ کتا نجس العین نہیں جس طرح کہ خنزیر نجس العین ہے۔ کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتا خنزیر کے حکم میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ سلف سے منقول ہے کہ وہ مردار جانوروں ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں سے نفع اٹھاتے تھے ان کی ہڈیوں سے نکلا ہوا تیل استعمال کرتے تھے۔ نیز ان کی ہڈیوں سے بنائی ہوئی کنگھی استعمال کر لیتے تھے۔ اور محدث بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہاتھی دانت کی کنگھی لائے تھے اور آپ نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا زیور بھی خریدا تھا۔ مشہور یہی ہے کہ عاج ہاتھی کے دانتوں کا نام ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ عاج کسی اور دریائی جانور کا نام ہے جسے ذبل بھی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں عاج دریائی کچھوے کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۸ وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِّمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت بھی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو ایک بکری بطور صدقہ

اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھَلَّا اَخَذْتُمْ اِھَابَھَا فَدَبَغْتُمُوْہُ فَانْتَفَعْتُمْ بِہٖ فَقَالُوْا اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَکْلُھَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

دی گئی۔ وہ بکری مرگئی۔ اور مردہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ کہ اس کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے فرمایا تم لوگوں نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتار لیا۔ اس چمڑے کو رنگ لیتے اور نفع اٹھاتے۔ اہل خانہ نے کہا یہ تو مردار ہے۔[۱] فرمایا مردار کا کھانا حرام ہے۔[۲] (بخاری و مسلم)

۱ف۔ اور مردار سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

۲ف۔ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے نہ مطلق نفع اٹھانا۔ بعض نسخوں میں حَرُمَ کے بجائے حُرِّمَ بضم و تشدید راء آیا ہے۔

۴۵۹ وَعَنْ سَوْدَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاۃٌ فَدَبَغْنَا مَسْکَھَا ثُمَّ مَا زِلْنَا نَنْبِذُ فِیْہِ حَتّٰی صَارَ شَنًّا۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہماری ایک بکری مرگئی ہم نے اس کا چمڑہ[۱] رنگ لیا پھر ہم ہمیشہ اس میں نبیذ[۲] (کھجور کا خیرہ) ڈالتے رہے یہاں تک وہ بوسیدہ مشک بن گئی۔ (بخاری شریف)

۱ف۔ مسک وہ چمڑہ جو حیوان کے جسم سے اتار لیا جائے۔

۲ف۔ یعنی ہم نے اس کی ایک چھوٹی مشک بنالی اور اس میں ہم کھجور کا شیرہ ڈالا کرتے۔ یہاں تک کہ وہ استعمال کرتے کرتے بوسیدہ ہوگئی۔

۳ف۔ شَنًّا بمعنی پھٹی ہوئی بوسیدہ مشک۔ شَنّ بفتح شین معجمہ و تشدید نون۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۶۰ عَنْ لُبَابَۃَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ کَانَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِیْ اِزَارَکَ حَتّٰی اَغْسِلَہٗ قَالَ اِنَّمَا یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰی

حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں تھے کہ انہوں نے آپ کے کپڑے پر بول کر دیا۔ حضرت لبابہ نے کہا آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا ازار مبارک مجھے دیں کہ میں اسے دھو ڈالوں فرمایا لڑکی کے بول سے کپڑا دھویا جاتا ہے لڑکے کے بول کے پیشاب پر پانی

وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ أَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ

چھڑک دینا کفایت کرتا ہے اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابوالسمح سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکی کا بول لگ جانے سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے بول کے لیے پانی چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔

سلہ۔ یعنی حضرت لبابہ بنت الحارث ام الفضل ہلالیہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن عباس و فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کی والدہ ماجدہ ہیں۔

سلہ ۲۔ اس حدیث کی شرح حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گذر چکی ہے۔

سلہ ۳۔ ابوالسمح بفتح سین و سکون میم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔

سلہ ۴۔ بچہ سے ایسا بچہ مراد ہے جو شیر خوار ہو۔ اور ابھی کھانا نہ کھاتا ہو۔

۴۶۱ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذٰى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُوْرٌ. رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب جوتا پہن کر نجاست پر سے گزرے تو مٹی اسے[۲] پاک کر دیتی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اس معنیٰ کو دوسرے الفاظ سے ذکر کیا۔

سلہ۔ لغت میں اذیٰ مکروہ چیز کو کہتے ہیں جس سے طبیعت نفرت کرے۔ اس لفظ کو نجاستوں کے لیے استعمال کرنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ طبیعت ان سے نفرت کرتی ہے۔

سلہ ۲۔ یعنی مٹی پر چلنے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خاک ہو جس پر سے جوتے کو نجاست لگنے کے بعد گذرا ہو۔ مگر اس سے خشک نجاست مراد ہے جس کا کچھ حصہ جوتے یا موزے سے لگ جائے جب وہ نجاست مٹی سے رگڑی گئی تو جوتا اور موزہ پاک ہو گیا۔ مگر تر نجاست رگڑنے سے زائل نہیں ہوتی۔ امام اعظم، امام محمد علیہما الرحمۃ کا یہی مذہب ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی کے قول قدیم میں نجاست سے عام نجاست مراد ہے۔ یعنی تر اور خشک دونوں طرح کی نجاست رگڑنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اور جوتا و موزہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دین کا معاملہ آسانی اور رفع حرج پر مبنی ہے۔ تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی نجاست سے ذی جرم نجاست مراد ہے۔ جس نجاست کا جرم نہ ہو جیسے بول اور شراب تو اس کا دھونا ان کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ اور امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ایک اور تاویل کرتے ہوئے کہا کہ مٹی اسے پاک

کر دینے والی ہے"۔ سے مراد یہ ہے کہ جوتا پہن کر جب نجاست کے اوپر سے گذرا پھر مٹی پر سے گذرا تو مٹی کا اثر نجاست کو زائل کر دے گا اب اس کے لیے جوتا پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہونا اور ادھر ادھر چلنا پھرنا جائز ہوگا۔ یعنی طہارت سے وہ طہارت مراد نہیں کہ اب اس جوتے سمیت نماز پڑھ لینا بھی جائز ہو جائے۔ بلکہ طہارت سے یہ مراد ہے کہ اس جوتے کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا اور زمین پر چلنا پھرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کاموں کے لیے طہارت مستحسن ہے واجب و ضروری نہیں تاہم یہ تاویل حدیث کی ظاہر عبارت کے لحاظ سے خالی از بعد نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے وہ نجاست مراد نہیں جو کپڑے یا بدن کے ساتھ چسپاں ہو جائے۔ اور کپڑا اور بدن اس سے آلودہ ہو جائے۔ بلکہ اس سے ایسی خشک نجاست مراد ہے جو آلودگی کا موجب نہ بنے۔ آلودگی کی صورت میں تو بالاجماع پانی سے دھونا فرض ہے۔

۴۶۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ لَهَا امْرَأَۃٌ اِنِّیْ اُطِیْلُ ذَیْلِیْ وَاَمْشِیْ فِی الْمَکَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطَهِّرُہٗ مَا بَعْدَہٗ رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَا الْمَرْأَۃُ اُمُّ وَلَدٍ لِاِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھ سے ایک عورت نے کہا میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور ناپاک جگہ پر سے گذرتی ہوں۔ (تو اس کپڑے کو کس طرح پاک کیا کروں) حضرت ام سلمہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اسے وہ چیز پاک کر دیتی ہے جو ناپاک جگہ سے گذرنے کے بعد آتی ہے۔ اسے مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا اور ابوداؤد اور دارمی نے کہا جس عورت نے حضرت ام سلمہ سے یہ بات پوچھی تھی وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولدہ تھی۔

لہ۔ یعنی جب تو ناپاک جگہ پر سے گذرنے کے بعد پاک مٹی پر سے گذرتی ہے تو وہ پاک مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا۔ حضرت ام سلمہ کی اس حدیث میں نجاست سے خشک نجاست مراد ہے کیونکہ سب ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ جب کپڑا ناپاک ہو جائے تو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ بخلاف جوتوں اور موزوں کے۔ کہ تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگرچہ تر نجاست ہی کیوں نہ ہو رگڑ دینے سے جوتے اور موزے پاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا قول مذکور ہوا۔

لہ۔ لہٰذا یہ عورت مجہول نہیں اس بنا پر اس کی روایت کردہ یہ حدیث بھی طعن و عیب سے پاک ہے۔

۴۶۳ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے پہنے

لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد و نسائی)

لے۔ مقدام بکسر میم آپ صحابی ہیں اہل شام میں شمار ہوتے ہیں شہر حمص میں رہائش اختیار کی قبیلہ کندہ کا وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے احادیث روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ شام میں ۸۷ھ میں رحلت فرمائی۔

ے۲۔ جیسے شیر چیتا وغیرہ۔

ے۳۔ یعنی ان کی کھالوں کو بچھا کر ان پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔ یا ان کی کھالوں کو زین پر ڈال کر سواری کرنے سے منع فرمایا علماء نے اس ممانعت کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ جابر اور متکبر لوگوں کی عادت ہے۔ اس صورت کے مطابق یہ نہی تنزیہی ہے اور اس شخص کے قول کے مطابق جو ان کے بالوں کو مردار کے بال اور بغیر دباغت کے پاک قرار نہیں دیتا، نہی تحریمی بھی ہو سکتی ہے۔

۴۹۴ وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ اَنْ تُفْتَرَشَ۔

حضرت ابو الملیح[1] بن اسامہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے درندوں کے چمڑوں سے منع فرمایا[2] اسے احمد، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ترمذی و دارمی نے یہ لفظ زیادہ کیا ان تُفْتَرَشَ یعنی ان کے بچھانے[3] سے منع فرمایا۔

لے۔ ابو الملیح کا نام عامر بن اسامہ بن عمیر ہے۔ آپ ہذلی ہیں ثقات تابعین میں سے ہیں۔ آپ کے والد حضرت اسامہ صحابی ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس سے سابق ابو الملیح مراد ہیں۔ ایک دوسرے ابو الملیح فارسی ہیں وہ بھی ثقہ تابعی ہیں۔

ے۲۔ درندوں کی کھالیں پہننے سے ممانعت، انہیں پہننے، انہیں نیچے بچھانے اور ان پر سوار ہونے سب صورتوں کو شامل ہے۔

ے۳۔ مگر اس روایت میں ممانعت کو صرف بچھانے کے ساتھ خاص کیا۔

۴۹۵ وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ اَنَّهٗ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔

حضرت ابو الملیح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے درندوں[1] کے چمڑے کی قیمت وصول کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

۱؎ یہ حضرت ابوالملیح رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ بعض نے اسے دباغت سے قبل کے ساتھ مقید کیا ہے کہ دباغت سے پہلے یہ نجس ہیں۔ اور نجس شے کی بیع مکروہ وحرام قرار دی گئی ہے۔ نسخہ اصل میں یہاں بیاض ہے (سفید جگہ چھوڑ دی گئی ہے) اس کے حاشیہ میں علماء نے لکھا ہے۔ رواہ الترمذی فی کتاب اللباس وسندہ جید۔ کہ اسے ترمذی نے کتاب اللباس میں روایت کیا ہے اور کہا اس کی سند جید اور قوی ہے۔

۴۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ اَتَانَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَّلَا عَصَبٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عبداللہ بن عکیم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک آیا۔ کہ مردار کے کچے چمڑے[۲] اور اس کے پٹھوں سے نفع نہ اٹھاؤ۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱؎ عکیم بضم عین، قبیلہ یا ہلہ سے ہیں۔ اسلامی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت نشان کو پایا ان کی روایت کی شناخت نہ ہو سکی۔ ان کی صحابیت میں بھی اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔

۲؎ یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہل مذہب کی دلیل ہیں جو مردار کے چمڑے کو پاک نہیں جانتے اگرچہ دباغت شدہ ہو۔ اور جو احادیث مردار کے چمڑے کی دباغت کے بعد طہارت ظاہر کرتی ہیں، یہ حضرات ان کی صحت میں قیل وقال کرتے ہیں۔ اور ان کے بعض جو ایسی احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہیں، مردار کے دباغت شدہ چمڑے کی نجاست کے لیے قرآن حکیم کی آیت حرمت علیکم المیتۃ کو پیش کرتے ہیں اور میتۃ کی حرمت کو صرف کھانے کے ساتھ خاص نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ حرمت سے اس کے ہر جز کی حرمت مقصود ہے۔ بلکہ چمڑے سے اس کا نفع ہی مقصود بالذات ہوتا ہے۔ تو جس طرح گوشت کھانے کے لیے ہے چمڑے سے نفع مقصود ہوتا ہے۔ اس بارے میں وہ دارقطنی کی ایک حدیث لاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں مردار کے چمڑے میں رخصت دے رکھی تھی جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو اس کے بعد مردار کے چمڑے اور اس کے پٹھے سے نفع حاصل نہ کرنا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ممانعت رخصت کے بعد ہوئی ہے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ بعد از دباغت طہارت کی احادیث بہت اور درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں جن کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہو سکتی ہے۔ اِہاب دباغت سے پہلے چمڑے کا نام ہے۔ پھر بخاری اور مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔ نہ کہ اس کی تمام چیزیں حرام ہیں۔ جیسا کہ گزرا۔ امام احمد کے جمہور ائمہ محققین بھی اسی طرف ہیں کہ دباغت کے بعد مردار کا چمڑہ پاک ہے اور حضرت عبداللہ بن عکیم کی یہ حدیث

ضعیف ہے اور اس میں اضطراب ہے اور ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عبداللہ بن حکیم تابعی مخضرم ہیں (مخضرم وہ شخص جس نے کفر و اسلام دونوں زمانے پائے ہوں) مؤلف علیہ الرحمۃ اس حدیث کے بعد جو مردار کے چمڑے کی نجاست پر دلالت کرتی ہے، وہ احادیث لائے ہیں جو بعد دباغت اس کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس امر پر دلالت کرنے کے لیے کہ اس حدیث سے وہ چمڑہ مراد ہے جس کی ابھی دباغت نہ ہوئی ہو۔ اس لیے فرمایا۔

۴۹۷ وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دباغت کے بعد مردار کے چمڑہ سے نفع اٹھانے کا حکم دیا۔

(مالک، ابوداؤد)

لہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور اباحت رنگنے کے بعد مردار کے چمڑے سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم دیا اور اگر اس چیز کو سامنے رکھا جائے کہ مردار کا چمڑہ یوں ہی پھینک دینے سے مال کی اضاعت اور اس کا اسراف ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو استحباب کے لیے بھی قرار دے سکتے ہیں۔

۴۹۸ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يَّجُرُّوْنَ شَاةً لَّهُمْ مِّثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو ایک مردہ بکری کو گدھے کی طرح کھینچ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم لوگ اس کا چمڑہ اتار لیتے تو اچھا ہوتا۔ لوگوں نے کہا یہ تو مردار ہے۔ فرمایا پانی اور درخت سلم کے پتے اسے پاک کر دیتے ہیں۔

(احمد، ابوداؤد)

لہ قَرَظ۔ دو نقطوں کے ساتھ۔ درخت سلم کے پتوں کو کہتے ہیں جن سے چمڑہ پاک کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو احمد و ابوداؤد نے روایت کیا۔

۴۹۹ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ ...

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْكَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ فَاِذَا قِرْبَۃٌ مُعَلَّقَۃٌ فَسَاَلَ الْمَاءَ فَقَالُوْا لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ دِبَاغُھَا طَھُوْرُھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک[2] کے موقعہ پر ایک اہل خانہ کے پاس تشریف لائے جن کے پاس پانی کی ایک مشک لٹکی ہوئی تھی آپ نے ان سے پانی طلب فرمایا انہوں نے کہا یا رسول اللہ یہ مشک مردار کے دباغت شدہ چمڑے سے بنائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا رنگ دینا ہی اس کا پاک ہو جانا ہے۔ (احمد وابوداؤد)

[1] - مُحَبِّق بضم میم و فتح حای مہملہ و کسرہ بائے موحدہ مشددہ کے ساتھ۔ محدثین کی زبان پر اکثر و بیشتر فتح با سے ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے امام حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

[2] - تبوک ملک شام کی جانب ایک جگہ کا نام ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں پیش آیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۷۰ - عَنِ امْرَاَۃٍ مِّنْ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْھَلِ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لَنَا طَرِیْقًا اِلَی الْمَسْجِدِ مُنْتِنَۃً فَکَیْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَیْسَ بَعْدَھَا طَرِیْقٌ ھِیَ اَطْیَبُ مِنْھَا قُلْتُ بَلٰی قَالَ فَھٰذِہٖ بِھٰذِہٖ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ۔

بنی عبد الاشہل کی ایک عورت[1] سے روایت ہے وہ کہتی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا مسجد کی طرف آنے کا راستہ بڑا گندہ راستہ ہے۔ تو بارش کے وقت ہم لوگ کیا کیا کریں[2]۔ وہ عورت کہتی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا گندے راستے کے بعد پاک اور صاف راستہ نہیں ہے[3]؟ میں نے کہا ہاں تو فرمایا بعد کا پاک و صاف راستہ اس گندے راستے کی تلافی کر دے گا۔ (ابوداؤد)

[1] - قبیلہ عبد الاشہل کی یہ عورت مجہول عورت ہے اس کا حال معلوم نہیں۔

[2] - یعنی ہم لوگ بارش کے وقت اس راستے کی گندگی سے کس طرح احتیاط کریں اور بچیں۔

[3] - یعنی وہ پاک و صاف راستہ جو اس گندے راستے کے بعد آتا ہے۔ وہ اس کے مقابل ہو جائے گا یعنی اس گندے راستے سے اگر نجاست لگ گئی تو پاک راستے پر چلنے سے وہ نجاست دور ہو جائے گی اور تجھے طہارت حاصل ہو جائے گی جیسا کہ لیا بنت الحارث اور حضرت ام سلمہ کی حدیث میں گزر لیکن اتنا فرق ہے کہ اس حدیث میں نعلین اور کپڑے کا ذکر نہیں ہے تاہم احتمال دونوں کا موجود ہے اور قرینہ مقام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نجاست میں رطوبت بھی پائی جاتی ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۷۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور راستے پر چلنے کی وجہ سے نیا وضو نہ کرتے تھے۔[۲] (ترمذی)

[۱] یعنی گزرگاہ میں پڑی ہوئی نجاست سے عضو یا کپڑا یا جوتے آلودہ ہو جانے پر ہمیں انہیں نہ دھوتے تھے۔

[۲] اس سے خشک نجاست مراد ہے۔ جس کے ساتھ راستے سے گزرتے ہوئے جسم کا کوئی حصہ یا کپڑا یا جوتا لگ جاتا ہے نہ تر نجاست مراد نہیں کہ اس کا دھونا بالاتفاق ضروری ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر ہوا۔

۴۷۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے جاتے تھے۔ صحابہ اس کی وجہ سے مسجد میں پانی نہ چھڑکتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[۱] یعنی ایسے کتے جن کے جسم خشک ہوتے تھے۔ وہ کتے مراد نہیں جن کے جسم پانی وغیرہ سے تر ہوں محض کتوں کے مسجد میں داخل ہو جانے سے مسجد کو دھویا نہ جاتا تھا۔ اس مقام پر علماء نے کہا ہے اباحت اصلی کی بنا پر یہ گنجائش ابتداء اسلام میں تھی۔ اس کے بعد مساجد کی تکریم و تطہیر اور کتوں وغیرہ کے داخل ہونے سے محفوظ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور مسجدوں کے لیے دروازوں اور انہیں بند رکھنے کا حکم بھی ہوا یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ کتوں کو مار دینے کا حکم بھی صادر ہوا۔

۴۷۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ مَا أُكِلَ لَحْمُهٗ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهٖ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے بول سے کوئی حرج نہیں۔[۱] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے بول سے کچھ حرج نہیں۔ (احمد و دار قطنی)

[۱] اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حلال جانوروں کا بول پاک خیال کرتے ہیں جیسے امام مالک و احمد اور بعض شوافع اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک آثار و روایات کے

متعارض ہونے کی بنا پر حلال جانوروں کا بول نجاست خفیفہ ہے۔ اور شاید کہ ان آئمہ کے نزدیک لفظ لاباس (کوئی حرج نہیں) سے بڑا سخت اور عظیم حرج مراد ہو۔ کیونکہ (لاباس) کا زیادہ تر استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں اس کی نقیض کا حکم خلافِ اولیٰ و انسب ہو۔ واللہ اعلم!

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کا باب

معلوم ہونا چاہیے کہ موزوں پر مسح سنت اور اخبار و آثار مشہورہ کے مطابق جائز و روا ہے۔ یہ جواز اس قدر واضح و روشن ہے کہ اس کا منکر بدعتی قرار دیا گیا ہے۔ کذا فی الہدایہ۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح موزہ کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ بعض محدثین نے مسح موزہ کی احادیث کے راوی اسّی سے زیادہ صحابہ کرام میں سے بیان کیے ہیں۔ ان اسّی صحابہ میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا میں نہیں جانتا کہ سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو۔ کذا فی المواہب اللدنیہ۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ نے کہا میں نے ستر صحابہ کرام کو پایا وہ سب کے سب موزوں پر مسح کا عقیدہ رکھتے تھے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے اس شخص پر کفر کا خوف ہے جو موزوں پر مسح کا قائل نہیں کیونکہ اس کے ثبوت میں آثار و روایات درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس وقت تک موزوں پر مسح کا قائل نہ ہوا جب تک کہ اس کے ثبوت و جواز میں روشنیٔ آفتاب کی مانند میرے سامنے آثار نہ آئے۔ اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ موزوں پر مسح رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں فرمایا جو شخص مسح موزہ کا اعتقاد نہیں رکھتا وہ بدعتی ہے اور اگر اعتقاد تو رکھتا ہو مگر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسح کے بجائے پاؤں دھو لیا کرے تو اسے اجر و ثواب ملے گا۔ کتاب مواہب لدنیہ میں کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا موزہ اتار کر پاؤں دھو لینا۔ بعض نے کہا کہ روافض و خوارج بدعتی فرقوں کے رد کی نیت سے موزوں پر مسح کرنا افضل ہے کہ یہ فرقے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب یہی ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے۔ مگر اس شرط پر کہ مسح موزہ کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے ایک روایت کے مطابق

دونوں پہلو برابر ہیں کیونکہ شریعت میں دونوں کا حکم موجود ہے۔ صاحب سفر السعادت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح یا پاؤں دھونے میں تکلف نہ فرماتے تھے۔ اگر موزہ پہنا ہوتا اسے نہ اتارتے کہ پاؤں دھوئیں۔ اور اگر برہنہ پا ہوتے تو موزہ نہ پہنتے کہ مسح کریں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھا قول وہ ہے جو سنت کے مطابق ہے۔ انتہیٰ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۷۴ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَّلَيْلَةً لِّلْمُقِيْمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت شریح[1] بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن رات کی مدت مقرر کی اور مقیم کے لیے ایک دن رات کی۔ (مسلم)

[1] حضرت شریح تین نکتوں والی شین اور را کی زبر کے ساتھ بن ہانی آخر میں ہمزہ۔ حضرت شریح امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ ثقہ ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے باپ حضرت ہانی صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہانی کی کنیت ابو شریح مقرر فرمائی۔

۴۷۵ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهٗ اِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ اَخَذْتُ اُهَرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ

حضرت مغیرہ[1] بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ غزوہ تبوک[2] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت مغیرہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے پہلے قضائے حاجت کیلئے باہر جنگل کی طرف نکلے۔ میں نے آپکے ساتھ پانی کا ایک برتن[3] اٹھایا جب آپ جنگل سے واپس تشریف لائے تو میں نے آپکے دونوں ہاتھوں پر اس برتن سے پانی ڈالنا[4] شروع کیا چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا۔ اس وقت آپکے جسم مبارک پر صوف کا ایک جبہ[5] تھا آپ نے اس جبہ سے دونوں بازو باہر نکالنا چاہے جبہ کی آستین

عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ وَيُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَأَدْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا رواه مسلم[۶]

تنگ تھیں اس لیے آپ نے جبہ مبارک کے نیچے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے اور اپنا جبہ مبارک اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لیا[۵] اور اپنے دونوں بازو دھوئے پھر آپ نے چہارم حصہ سر پر مسح کیا۔ اور عمامہ شریف پر بھی مسح کیا پھر میں نیچے کو جھکا کہ آپ کے موزے مبارک اتاروں۔ آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دے کیونکہ میں نے انہیں پاک پاؤں پر پہنا ہے پھر آپ نے ان موزوں پر مسح کیا پھر آپ سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا اور لوگوں تک جا پہنچے۔ اس وقت لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے[۶] اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی امامت کرا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوا تو انہوں نے مصلائے امامت سے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آپ نے انہیں وہیں کھڑا رہنے کا اشارہ فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں میں سے ایک رکعت امام (عبدالرحمٰن) کے ساتھ ادا کی جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ہم نے وہ رکعت ادا کی جو ہمارے شامل ہونے سے پہلے پڑھی جا چکی تھی۔ (مسلم شریف)

۱؎ ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ ۔ یہ آپ کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے۔

۳؎ ۔ اس برتن کو اداوہ کہتے تھے۔ اِداوہ بکسر ہمزہ چمڑے کا بنا ہوا چھوٹا برتن۔ باب وضو میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

۴؎ ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے یہ مدد سفر کے ساتھ خاص نہیں۔ واللہ اعلم۔

۵؎ ۔ جبہ اسے کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا گیا ہو۔ قمیص اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کا گریبان (گلا) ہو۔ اور قبادہ جس کا

گریبان نہ ہو۔ جبہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔

ف۶۔ یہ وہ جبہ مبارک ہے جس کے بارے میں احادیث میں واقع ہوا ہے کہ آپ تنگ رومی جبہ زیب تن فرماتے تھے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ کپڑا بھی پہنا ہے۔ تاہم یہ تنگ کپڑا آپ نے سفر میں پہنا۔

ف۷۔ آپ نے عمامے شریف پر مسح سر کے مسح کی تکمیل اور مسح کی سنت قائم کرنے کے لیے کیا۔ جیسا کہ اس کی تحقیق باب وضو میں گزری۔

ف۸۔ یہاں کچھ کلام تفصیل ہے جو ہم نے شرح (عربی) میں کی ہے۔

ف۹۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو یہ اشارہ ہو چکا تھا کہ اگر ہمارے آنے میں دیر ہو جائے تو نماز شروع کر دینا۔

ف۱۰۔ جس طرح کہ مسبوق کو کرنا چاہیے۔

ف۱۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے مگر ایسا واقعہ زندگی اقدس میں صرف دو بار ہوا ہے۔ ایک تو حضرت عبدالرحمٰن کے پیچھے۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی ایک واقعہ میں صادر رہ جو آپ نے آخر عمر شریف کے وقت نمازیں ادا کیں تو ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقتدی ہوتے تھے۔ اپنے محل و مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۷۴ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیَهُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَۃً اِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْهِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْهِمَا رَوَاهُ الْاَثْرَمُ فِیْ سُنَنِهٖ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ هُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ

حضرت ابوبکرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسافر کو تین دن رات اور مقیم کو ایک دن رات مسح کی اجازت دی جب کہ اس نے طہارت کی حالت میں موزے پہنے ہوں۔ اسے اثرم[۲] نے اپنے سنن میں اور ابن خزیمہ اور دارقطنی نے روایت کیا۔ خطابی نے کہا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ جیسا کہ کتاب المنتقی[۳] میں آیا ہے۔

ھٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی۔

(ابن جریر، دارقطنی)

۱؎۔ ابوبکرۃ آخر میں تا کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں۔ آپ کا نام مبارک نُفَیْعٌ (بضم نون وفتح فا) ہے۔

۲؎۔ اثرم ثائے مثلثہ کے ساتھ۔

۳؎۔ المُنْتَقٰی۔ بضم میم وسکون نون وفتح قاف خطابی کی کتاب کا نام ہے۔

۴۷۷ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰكِنْ مِّنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت صفوان بن عسال[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم لوگ مسافر[۲] ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم لوگ تین دن رات تک موزے نہ اتاریں مگر جنبی ہو جانے کی صورت میں[۳] لیکن قضائے حاجت، بول اور نیند کی وجہ سے نہ اتاریں[۴]۔

(ترمذی و نسائی)

۱؎۔ عَسَّال بفتح عین وسین مشددہ حضرت صفوان بن عسال صحابی ہیں کوفہ میں سکونت تھی، بارہ غزوات میں شریک ہوئے کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۲؎۔ سَفْرًا سین کی زبر اور فا کی جزم سے مسافر کی جمع ہے۔ جس طرح صَحْب صاحب کی اور رکب راکب کی جمع ہے۔

۳؎۔ کہ اس میں موزہ پر مسح کرنا درست نہیں۔

۴؎۔ کہ ان میں موزہ اتارنے کی ضرورت نہیں بلکہ موزہ پر مسح کر لینا جائز ہے۔ اس عبارت میں قاعدہ عربی کی رو سے کچھ کلام ہے جسے ہم نے (عربی) شرح میں بیان کیا ہے۔

۴۷۸ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مَّعْلُوْلٌ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے موزے کے اوپر کے حصے اور نیچے[۱] کے حصے پر مسح فرمایا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث معلول[۲] ہے اور میں نے ابو زرعہ اور محمد

وَمُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهُ۔ اَبُوْدَاؤُدَ

یعنی بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں۔ (ابوداؤد)

۱ھ۔ اوپر کا حصہ یعنی پاؤں کی پشت۔ نیچے کا حصہ یعنی پاؤں کا تلا۔

۲ھ۔ یعنی اس حدیث میں ایسے اسباب و علل ہیں جو اس کی صحت میں عیب پیدا کرتے ہیں۔

۳ھ۔ جو اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

۴ھ۔ یوں ہی اس حدیث کو ابوداؤد نے ضعیف کہا۔ اس حدیث کی وجہ ضعف میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث کا اتصال حضرت مغیرہ سے ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی سند زاد بہ وزن خراد نامی شخص (جو حضرت مغیرہ کا کاتب اور آزاد کردہ غلام ہے) تک پہنچتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہا ہے ثور بن یزید نے رجا بن حیوٰۃ سے جو حضرت مغیرہ کا کاتب ہے سے روایت کیا ہے اور ثور کا رجا سے سماع ثابت نہیں۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے اکثر طرق مرویہ میں مطلق آیا ہے۔ اوپر اور نیچے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس سے اگلی حدیث میں صرف اوپر کے حصے پر مسح کا ذکر آرہا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اور یہ اضطراب بھی حدیث کی صحت میں نقص پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

۴۷۹ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ۔

اور انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح کرتے دیکھا۔ (ترمذی و ابوداؤد)

۴۸۰ وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں[۱] اور جوتوں پر مسح کیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ھ۔ جورب وہ موزہ ہے جو موزے پر ٹخنے تک پہنا جائے۔ اسے جرموق اور موق بھی کہتے ہیں۔ شرح ابن ہمام میں جوہری و مطرزی سے نقل کیا کہ موق اس چھوٹے موزے کو کہتے ہیں جس سے موزے کا اوپر کا حصہ چھپ جائے۔ کتاب غرق کی شرح میں کہا ہے جرموق ایسے کشادہ موزے کو کہتے ہیں جو موزے پر پہنا جاتا ہے۔ اور یہ سرد علاقوں میں پہنا

جاتا ہے۔ جورب پر مسح، جب کہ اس نے موزے کے اوپر اور نیچے کا حصہ پوری طرح چھپا لیا ہو اور دونوں یعنی اوپر اور نیچے والا موزہ طہارت پر پہنے ہوں، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس صورت میں مسح جائز ہے جب کہ وہ موٹا اور چمڑا لگا اور جوتا تھا ہو کہ پنڈلی پر باندھے بغیر اس سے راستے پر چلنا ممکن ہو ورنہ اس پر مسح جائز نہیں۔ ہاں اوپر والا جورب اگر اتنا نرم اور باریک ہو کہ اس پر مسح کرنے سے تری نیچے موزے تک پہنچ جائے۔ تو بھی اس کا مسح جائز ہے کہ اس صورت میں گویا نیچے والے موزے پر ہی مسح کیا۔ یوں ہی امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جورب پر مسح جائز نہیں۔ اگرچہ وہ جوتا نما ہو۔ یہ حدیث امام شافعی پر جواز مسح میں حجت ہے۔ اور یہ حدیث حضرت علی حضرت ابن مسعود، حضرت انس بن مالک، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ　　تیسری فصل

۴۸۱ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ قَالَ بَلْ اَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے ہیں۔ فرمایا بلکہ تو بھولا ہے[۱]۔ مجھے رب نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے[۲]۔ (احمد و ابوداؤد)

۱۔ یعنی میں نہیں بھولا بلکہ تجھے نسیان ہوا یعنی تجھ سے خطا واقع ہوئی ہے کہ تو نے اس فعل میں میری طرف نسیان کی نسبت کی۔

۲۔ اور اس نے جو کچھ مجھے فرمایا میں وہ کر رہا ہوں یعنی میں پاؤں دھونے نہیں بھولا بلکہ جو کچھ اس نے فرمایا وہ کر رہا ہوں گویا یہ پہلی بار تھی کہ حضرت مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ تو آپ نے خیال کیا شاید حضور پاؤں دھونا بھول گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰے کا حکم اسی طرح وارد ہوا ہے۔ مناسب یہ تھا کہ حضرت مغیرہ یوں عرض کرتے یا رسول اللہ کیا یہ نیا حکم آیا ہے۔ اور پاؤں دھونے کا وجوب ساقط ہو گیا ہے۔

۴۸۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَلِلدَّارِمِيِّ مَعْنَاهُ۔

اگر دین کا معاملہ صرف انسان کی عقل و رائے پر مبنی ہوتا تو موزے کے نیچے کے حصے پر مسح کرنا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ مناسب[1] ہوتا۔ اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کر رہے تھے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ان الفاظ کے ساتھ اور محدث دارمی نے اسے دوسری عبارت کے ساتھ روایت کیا[2]۔

[1] کیونکہ موزے کا وہ حصہ جو پاؤں کے نیچے ہوتا ہے وہی نجاست سے آلودگی کا محل و مقام ہے۔ لہٰذا اس کی تطہیر و تنظیف زیادہ مناسب و بہتر ہونی چاہیے۔

[2] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم اور نص کے مقابلہ میں عقلی فیصلوں اور قیاس کی اتباع باطل محض ہے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمم کا باب

لغت میں تیمم کے معنی قصد و ارادہ کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے۔ بہ نیت طہارت پاک مٹی کا ارادہ کرنا اور اس سے منہ اور ہاتھ کا مسح کرنا۔ تیمم کے مشروع و جائز ہونے کا ابتدائی واقعہ وہ ہے جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم لوگ جب مقام بیداء یا مقام ذات الجیش میں پہنچے تو میرے گلے سے ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش کے لیے وہاں رک گئے آپ کے ساتھ لوگ بھی رکے۔ اتفاق سے اس جگہ پانی نہ تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ نہیں دیکھ رہے کہ عائشہ نے کیا کیا ہے حضور علیہ السلام کو بھی روک رکھا ہے اور لوگوں کو بھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو مبارک پر سر رکھ کر سو رہے ہیں حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عائشہ تو نے حضور کو بھی اور لوگوں کو بھی روک رکھا ہے۔ یہاں پانی بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور جو خدا تعالیٰ کی مشیت تھی وہ آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔ اور میرے پہلوں زور سے اپنے ہاتھ سے چوبھ کی۔ مگر میں نے جنبش نہ کی کیونکہ میری ران پر سر رکھ کر حضور علیہ السلام نیند فرما رہے تھے۔ پھر آپ بیدار ہوئے جب کہ صبح ہو چکی تھی۔ اور پانی نہ تھا اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آل ابوبکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ (اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ تمہارے طفیل متعدد برکات نازل کر چکا ہے۔) پھر لوگوں نے میرے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے پڑا ہوا اپنا ہار مجھے مل گیا۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ ہار عاریۃً لیا تھا یہ ہار گم گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ اور لوگوں نے مجبوراً بے وضو نماز ادا کی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر فرمایا۔ اے عائشہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا کرے۔ خدا کی قسم! تجھے کوئی واقعہ پیش نہیں آتا جسے تو ناپسند کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے تیرے لیے اور مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا موجب بنا دیتا ہے۔

اس مقام پر دوسری بات یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ تیمم دو ضرب ہے۔ ایک منہ کے لیے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ یا منہ اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ضرب۔ اول امام ابوحنیفہ آپ کے دونوں ساتھیوں (امام محمد و امام یوسف) اور امام مالک اور امام شافعی کا مختار و محفوظ مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ، سفیان ثوری اور اکثر علمائے اعصار و امصار کا مذہب ہے۔ دوسرا یعنی تیمم صرف ایک ضرب ہے۔ امام احمد کا مشہور مذہب ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ نیز یہی مکحول، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن خزیمہ وغیرہم اصحاب حدیث کا مذہب ہے اور ہر دو مذاہب کے ثبوت میں احادیث موجود ہیں۔ جیسا کہ کتاب میں آئے گا۔ محدثین کہتے ہیں قول ثانی کی موافقت میں وارد احادیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ مذہب اول کی موافقت میں جو احادیث ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ مذہب ثانی کے موافق ظاہر احادیث سب مؤول ہیں۔ اس بحث کی پوری تفصیل شرح (عربی) میں ذکر کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۸۳۔ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَآءَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں لوگوں پر[1] تین باتوں سے فضیلت دی گئی ہے ہماری صفوں کو ملائکہ کی صفوں کی طرح[2] قرار دیا گیا ہے اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ[3] گاہ بنایا گیا ہے۔ اور جب ہمیں پانی دستیاب نہ ہو تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے[4] والی چیز بنا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

۱ے۔ یعنی ہمیں گذشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔

۲ے۔ یعنی کفار سے جنگ کے وقت مجاہدین کی جو صفیں ترتیب دی جاتی ہیں وہ شان و درجہ میں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں یا نماز با جماعت کے وقت جو صفیں قائم ہوتی ہیں۔ وہ بھی عند اللہ ملائکہ کی صفوں کی مانند ہیں کہ ان سے نفس اور شیطان کے لشکروں کے ساتھ جہاد کیا جاتا ہے۔ اور یہ صفیں صورت و ہیئت میں بھی ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں جب کہ ہر اگلی صف کو مکمل کیا جائے۔ یا قرب و نزدیکی و تعظیم و تکریم میں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں۔ اور خدا تعالٰی کے قول مبارک، وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا میں ملائکہ اور نمازیوں کی صفوں کی قسم کا ذکر ہے۔

۳ے۔ یعنی جائے سجدہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہو جو نماز کے لیے مختص کی گئی ہو۔ اور جب ہر جگہ نماز ادا کرنا جائز ہوا تو گویا ساری زمین مسجد بن گئی۔ یہ فضیلت اُمم سابقہ کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے لیے سوائے مقررہ عبادت گاہوں کے نماز جائز نہ تھی۔ حدیث کی عبارت اسی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سفر کے دوران انہوں نے گرجوں اور کنیسوں کی طرح کوئی جگہ بنائی ہوئی ہو۔ کہ ان کے بغیر نماز درست نہ ہوتی ہو۔

۴ے۔ یہ تیمم سے کنایہ ہے جب کہ پانی دستیاب نہ ہو۔ اس حدیث سے تیمم کے لیے مٹی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے امام شافعی و احمد کا ان سے قوی تر روایت کے مطابق اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور احمد سے ایک روایت کے مطابق ریت سے بھی تیمم جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ امام مالک امام محمد اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق جنس زمین کی ہر چیز سے تیمم جائز ہے۔ جنس زمین ہر وہ چیز ہے۔ جو آگ سے نہ پگھلے اور نہ نرم ہو۔ اور جلنے سے راکھ نہ بنے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری میں مذکور ہے کہ۔ وَجُعِلَتْ

لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا۔ (میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے) ارض کا لفظ سب کو شامل ہے۔ اس حدیث پر عمل کرنا اولیٰ اور احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ کہ اس حدیث میں حضرت حذیفہ کی حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت حذیفہ کی حدیث جو مٹی سے مخصوص ہے اس حدیث پر عمل کو فوت کر دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے لفظ تربت مٹی کے ساتھ خاص نہیں۔ کہ تربت ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جو ہاتھ میں آ جائے چاہے وہ مٹی ہو یا ریت وغیرہ۔ مگر قاموس میں کہا کہ تُرب بفتح و تُراب ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر لفظ تربت کے علاوہ ایک روایت میں لفظ تراب بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے۔ جُعِلَ التُّرَابُ لِی طَهُوْرًا۔ یعنی میرے لیے تراب کو پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا ہے۔ کذا فی فتح الباری۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص جن کے ساتھ آپ انبیاء سابقین سے ممتاز ہیں اور جو ظاہر و باطن میں آپ ہی کی ذات کے لیے خاص ہیں، اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لیے کوئی حد و شمار نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے ان میں سے کچھ ذکر کیے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ ہماری شرح (عربی) میں بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۸۴ وَعَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهِ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عمران[۱] بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک آدمی دیکھا جو لوگوں سے الگ تھا اور اس نے قوم کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا اس نے کہا میں جنبی ہو گیا تھا اور پانی موجود نہیں (جس سے غسل کر سکوں) آپ نے فرمایا اپنے لیے مٹی[۲] کو لازم کر۔ وہ تیرے لیے کافی ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ے۔ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ آپ نہایت عالی مرتبہ شخصیت ہیں۔ مسلسل تیس سال بستر علالت پر رہے۔ ملائکہ آپ کو سلام کرنے آتے تھے۔

۲ے۔ صعید بمعنی خاک۔ بعض صعید کا معنی روئے زمین کا کرتے ہیں۔ یہ شخص غالباً وضو کے لیے تیمم کا مسئلہ جانتا تھا۔

جنابت کے لیے تیمم کے جواز کا اسے علم نہ تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے تیمم کی کیفیت بیان نہ فرمائی

۴۸۵ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّیْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَآءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْکُرُ اَنَّا کُنَّا فِیْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّکْتُ فَصَلَّیْتُ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْکَ ھٰکَذَا فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَفَّیْہِ الْاَرْضَ فَنَفَخَ فِیْھِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَکَفَّیْہِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُہٗ وَفِیْہِ قَالَ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ اَنْ تَضْرِبَ بِیَدَیْکَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخُ ثُمَّ تَمْسَحُ بِھِمَا وَجْھَکَ وَکَفَّیْکَ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں جنبی ہو گیا ہوں اور پانی نہیں مل رہا (تو کیا کروں[لہ]) حضرت عمار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کو یاد نہیں۔ ہم لوگ (میں اور آپ بھی) ایک سفر میں تھے (اور ہم دونوں جنبی تھے) آپ نے تو نماز نہ پڑھی[لہ] مگر میں زمین پر لیٹ کر لوٹ پوٹ ہو گیا[لہ]۔ پھر نماز پڑھی اور اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے کیا تو آپ نے فرمایا تیرے یہ فعل کافی ہے۔ اور اس فعل کی تفسیر کرتے ہوئے ہاتھ سے زمین پر ایک ضرب لگائی۔ اور دونوں ہتھیلیوں کو پھونکا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے چہرے[لکہ] اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ مسلم کے ہاں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے اس قدر کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ پھر انہیں پھونکے۔ پھر ان دونوں سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرے۔

لہ یعنی کیا جنابت کے لیے تیمم کر سکتا ہوں۔ اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب مذکور نہیں ہے۔ گویا اس مسئلہ کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی کہ جنابت کے لیے تیمم درست ہے یا نہیں۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنی سرگزشت بیان کی جس سے معلوم ہو جائے کہ تیمم جنابت کے لیے بھی کافی ہے۔ مسلم اور نسائی کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز نہ پڑھو۔ بعض شارحین نے یہ الفاظ بھی زیادہ کیے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا حتی تجد الماء یہاں تک کہ تجھے پانی میسر آ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب مشہور ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے موافق آیا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود و حضرت ابو موسیٰ کے مابین اس مسئلے پر مناظرہ بھی ہوا ہے کہ جنبی کو تیمم کرنا چاہیے یا نہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے

رجوع کیا۔ بعض نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دینے سے اس لیے توقف کیا کہ آپ کو حضرت عمار والا واقعہ یاد نہ رہا تھا۔ اسی لیے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عمار سے کہا۔ اے عمار خدا سے ڈر تو کیا کہہ رہا ہے۔

۵۲۔ اور نماز ادا کرنے میں آپ نے اس لیے توقف کیا کہ آپ کا گمان یہ تھا کہ جنابت کے لیے تیمم کافی نہیں ہو سکتا۔

۵۳۔ اور میں خاک میں اس لیے لوٹ پوٹ ہوا کہ میں نے تیمم کو غسل پر قیاس کیا۔ اور تیمم چونکہ غسل کے قائم مقام ہے۔ اس لیے تمام بدن خاک سے آلودہ کرنا چاہیے۔ اور قرآن میں جو تیمم کا ذکر آیا ہے۔ وہ صرف وضو کے ساتھ خاص ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام سے اجتہاد واقع ہو رہا ہے۔ اور خطا صادر ہونے کی صورت میں بھی مجتہد لائق ملامت نہیں۔ اور جب مجتہد نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کر لیا تو اس عمل کا اعادہ ضروری نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اعادہ کا حکم نہ دیا۔

۵۴۔ تاکہ غبار اتر جائے کہ غبار لگ جانے سے چہرہ بدصورت نہ ہو جائے جو کہ مثلہ کے حکم میں ہے۔ (مثلہ شکل بگاڑنا)

۵۵۔ مسح کی کیفیت یہ تھی کہ آپ نے دائیں ہاتھ کی پشت کا مسح بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے کیا۔ اور بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح دائیں ہاتھ سے کیا۔ بعض روایات میں لفظ واؤ اور لفظ وجہہ کی کفیہ کی تقدیم کے ساتھ اور بعض دوسری روایات میں اس کے برعکس آیا ہے۔ بعض روایات میں مسح کی جگہ تیمم وجہہ لفظ کفیہ سے پہلے مقدم آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں ترتیب فرض نہیں۔ جیسا کہ شیخ نے کہا۔

۵۶۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم میں ایک ضرب بھی کفایت کرتی ہے۔ جیسا کہ جمہور کے خلاف بعض لوگوں کا مذہب ہے۔ اور شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ اس ضرب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعلیم کے طور پر ضرب کی شکل وصورت دکھانا تھا کہ زمین پر اس طرح ہاتھ مارنا ہے۔ زمین پر لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے کیا۔ تیمم کی پوری کیفیت بیان کرنا مقصود نہ تھی جس سے تیمم مکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ضرب کا ذکر کیا۔ اسی لیے حضرت عمار سے سنن میں مروی شدہ روایات میں بطور نص دو ضربوں کا ذکر آیا ہے۔ اور اس حدیث کی بھی بعض روایات میں ضربۃً واحدۃً کا لفظ صریحًا نہیں آیا۔ بلکہ یوں آیا ہے۔ ضَرَبَ بِكَفَّيهِ الْأَرْضَ ثُمَّ مَسَحَ وَكَفَّيْهِ۔ یہ الفاظ بھی اپنے اطلاق کے

ساتھ دو ضربوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور کفین و مسح کا ذکر بھی اس بنا پر ہے کہ مقصود تیمم کا مکمل بیان نہ تھا اس لیے صرف اتنے ہی بیان پر کفایت کی تعلیم طریقہ ضرب کے لیے۔ اس توجیہ کی دلیل یہ ہے کہ جن احادیث میں تیمم کی پوری کیفیت بیان کرنا مقصود تھی وہاں ذراعین (کلائیوں) سے کہنیوں تک کا ذکر موجود ہے بعض کہتے ہیں یہاں کفین (ہتھیلیوں) سے یدین (کہنیوں) تک ہاتھ مراد ہیں۔ اور جس طرح کہ بعض دفعہ یَد (ہاتھ) بول کر ہتھیلیاں مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں فرمایا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا۔ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو (یہاں ید سے گٹوں تک ہاتھ مراد ہیں) لہٰذا اگر کف بول کر کہنیوں تک ہاتھ مراد لے لیا جائے تو کوئی بعید نہیں۔ اس مقام میں شرح (عربی) میں زیادہ گفتگو کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ ضربتین کا قول زیادہ راجح اور زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۸۶ وَعَنْ اَبِی الْجُھَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ الصِّمَّۃِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّہٗ بِعَصًا کَانَتْ مَعَہٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْہِ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْھَہٗ وَذِرَاعَیْہِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ وَلَمْ اَجِدْ ھٰذِہِ الرِّوَایَۃَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰکِنْ ذَکَرَہٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمّہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ اس وقت بول کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ مگر آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ ایک دیوار کے نزدیک کھڑے ہوئے۔ اسے ایک لکڑی[3] سے کھرچا جو آپ کے پاس تھی۔ پھر دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے۔ اور چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر[4] میرے سلام کا جواب دیا۔ میں[5] نے اس حدیث کو بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔ اور نہ حمیدی کی کتاب میں۔ لیکن اسے شرح سنۃ[6] میں ذکر کیا۔ اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ صِمَّہ بکسر صاد و تشدید میم مفتوحہ حضرت ابوجہیم مشہور انصاری صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بھتیجے زادہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت تک حیات رہے۔

۲؎ حَتَّہٗ۔ حَتّ بجائے مہملہ و تائے مثناۃ بمعنی اخشک مٹی کو کھرچنے سے کھرچنا اور پتوں کو درخت سے الگ کرنا حقات ہر چیز کے تراشنے کو کہتے ہیں۔

۳؎ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ دستِ مبارک میں سر سے لمبی چھڑی ہاتھ میں رکھتے تھے یا اس سے دبی نیزے کی مانند لاٹھی مراد ہے۔ جسے خادم آپ کے ساتھ اٹھا کر چلتے تھے۔ جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں گزرا۔ لفظ

معنٰی کا ظاہر اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دیوار کو کھرچنا اس لیے تھا کہ ہاتھوں کو غبار لگ جائے۔ اگرچہ غبار لگنا شرط نہیں اسی بنا پر حضرت ابوجہیم سے مروی دوسری حدیث میں جو آگے آرہی ہے، اس کا ذکر نہیں ہے۔

۵۴۔ آپ نے اسم الٰہی اسلام کی تعظیم کی خاطر سلام کا جواب نہ دیا۔ اس کی تحقیق باب الخلاء میں گزر چکی ہے۔

۵۵۔ مؤلف کہتا ہے کہ صاحب مصابیح نے اس حدیث کا ذکر صحاح میں کیا ہے۔ مگر میں نے اسے صحاح میں نہیں پایا۔

۵۶۔ کتاب حمیدی جو صحیحین کی احادیث کی جامع ہے۔

۵۷۔ یعنی امام محی السنۃ نے شرح سنۃ میں امام شافعی کے طرق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۸۷ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَآءَ فَلْیُمِسَّہٗ بَشَرَہٗ فَاِنَّ ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی النَّسَآئِیُّ نَحْوَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ عَشْرَ سِنِیْنَ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک پاک مٹی مومن کا وضو ہے۔ اگرچہ اسے دس[۱] سال پانی نہ ملے جب اسے پانی میسر آجائے تو اسے استعمال[۲] کرے۔ کہ یہ بہتر[۳] ہے۔

اسے احمد، ترمذی، اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی قول عشر سنین تک۔

۱۔ یعنی اگرچہ بالفرض اسے دس سال تک پانی دستیاب نہ ہو۔ ان الفاظ میں مٹی کے پاک کرنے کی صفت کو بطور مبالغہ و تاکید بیان کیا گیا ہے۔ نیز ان میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ خاک پانی کا خلیفہ مطلق و کامل ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ معذور شخص کے وضو کی طرح یہ محض ضرورت کے تحت پانی کا خلیفہ نہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے اس معنی کی تحقیق اصول فقہ میں اور اس کی فروع علم فقہ میں مذکور ہیں۔

۲۔ فلیمسہ، یمس بضم یا و کسر میم۔ امساس سے مشتق ہے بمعنی مسح۔ یہاں مراد وضو ہے۔ بشرہ دونوں فتحوں کے ساتھ بمعنی چہرہ۔ مراد اعضاء وضو ہیں۔

۳۔ کتاب طہارت کے لیے پانی کا استعمال بہتر اور اصل ہے۔ یہاں بہتر سے یہ مراد نہیں کہ پانی کی موجودگی میں وضو

اور تیمم دونوں جائز ہیں۔ لیکن وضو کرنا بہتر و افضل ہے۔ بلکہ اب وضو کرنا فرض ہو گا۔ اور تیمم کرنا ہرگز جائز نہ ہو گا۔ خیر کا معنیٰ جو یہاں مراد ہے اس کی مثال قرآنِ حکیم کی اس آیت میں ہے :۔ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۔

۴۸۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلًا مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهٗ فِيْ رَاْسِهٖ فَاحْتَلَمَ فَسَاَلَ اَصْحَابَهٗ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَّاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَاَلُوْا اِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَآئِرَ جَسَدِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر کے لیے نکلے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کے سر پر پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا ضرب کی چوٹ سے اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اس بارے میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ میرے لیے تیمم کی اجازت پاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا ہمارے خیال میں تجھے تیمم کی اجازت نہیں[1] کیونکہ تیرے پاس پانی موجود ہے پس اس شخص نے غسل کیا اس سے اس کی موت واقع ہو گئی جب ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اللہ انہیں قتل کرے[2]۔ جب یہ لوگ مسئلہ نہ جانتے تھے تو انہوں نے کیوں نہ دریافت کر لیا[3]۔ کند ذہنی اور نادانی کا علاج تو دریافت کرنا ہے۔ اس کے لیے تیمم کافی تھا۔ اور زخم پہ کپڑا باندھ لیتا پھر زخم پر مسح کر لیتا اور جسم کے باقی اعضاء[4] دھو لیتا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے عطاء بن ابی رباح اور انہوں نے حضرت عباس سے روایت کیا۔

لے۔ ان حضرات نے حق سبحانہ کے قول مبارک فلم تجدوا ماءً (اور تم پانی نہ پاؤ) سے یہ مطلب سمجھا کہ پانی کی موجودگی اور اس کے استعمال کی قدرت ہوتے ہوئے تیمم کرنا منع ہے۔ ان حضرات کے ذہن میں یہ نہ آیا کہ استعمال پر قدرت سے یہ بھی مراد ہے کہ اس کے استعمال سے ضرر لاحق نہ ہو۔

ئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ حقیقت کے ہاں بھی مجازی گفتگو اور سبب کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ جب کہ اعتقاد قلبی حقیقت پر ثابت و قائم ہو۔

۵۳۔ یعنی علماء سے کیوں نہ پوچھ لیا۔

۵۴۔ اس حدیث میں بیک وقت کچھ اعضاء کا تیمم اور کچھ اعضا کو دھونے کا حکم موجود ہے۔

۴۸۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوۃَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّاَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ وَقَدْ رَوٰی هُوَ اَبُوْ دَاؤدَ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں دو آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا۔ ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر اندر انہیں پانی میسر آگیا۔ ان میں سے ایک نے تو وضو کر کے نماز لوٹائی مگر دوسرے نے نماز نہ لوٹائی پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور اس صورت حال کا ذکر کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اسے مخاطب کر کے آپ نے فرمایا تو نے سنت کو پایا اور تیری نماز کافی اور درست ہو گئی اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی اسے فرمایا تجھے دوگنا ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔ اور امام نسائی نے اسے دوسرے الفاظ میں قدرے اختلاف کے ساتھ روایت کیا۔ اور ابوداؤد و نسائی نے اسے عطاء بن یسار سے بھی مرسلاً روایت کیا۔ (عطاء بن یسار تابعی ہیں)

۵۵۔ یعنی تو نے دین کا درست طریقہ اختیار کیا کہ پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تو نے تیمم کیا۔ اور جب پانی دستیاب ہو گیا تو وضو اور نماز کا اعادہ نہ کیا شریعت کا حکم یہی ہے۔

۵۶۔ ایک ثواب تو ادائے فرض کا ملا۔ اور عذر کے تحت تو نے تیمم کیا۔ دوسرا ثواب نفل نماز کا جب کہ عذر زائل ہو گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۰ عَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهٗ رَجُلٌ

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ کو ایک آدمی ملا اس نے آپ کو سلام کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اس کے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ ایک دیوار کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر اسے سلام کا جواب دیا۔[3]

(بخاری و مسلم)

۱ھ۔ صِمَّہ بکسر صاد و فتح میم مشددہ۔

۲ھ۔ بیرجمل مدینہ منورہ میں ایک مشہور جگہ ہے۔ جَمَل بفتح جیم و میم۔

۳ھ۔ یہ آدمی حضرت ابوالجُہیم ہی تھے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے اپنا ذکر بصیغہ غائب کیا۔ یہ بات امام شافعی نے طریق اعرج سے اپنی روایت میں بیان کی ہے۔

۴ھ۔ یہ حدیث ہر دو طریق کا احتمال رکھتی ہے۔ گذشتہ حدیث میں حضرت ابوالجہیم سے فمسح بوجہہ و ذراعیہ کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق اس حدیث میں بھی وجہہ و ذراعیہ آیا ہے مگر ایک ضرب یا دو ضربوں سے یہ حدیث خاموش ہے۔

۴۹۱ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ اَنَّهٗ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيْدِ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَّاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِاَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ مَرَّةً اُخْرٰى فَمَسَحُوْا بِاَيْدِيْهِمْ كُلِّهَا اِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْاٰبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ اَيْدِيْهِمْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ عمار بیان کرتے تھے کہ صحابہ کرام نے خاک کے ساتھ مسح کیا حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے چنانچہ انہوں نے اپنی ہتھیلیاں خاک پر ماریں۔ پھر ایک بار[1] اپنے چہروں کو ملا پھر دوبارہ[2] انہوں نے اپنی ہتھیلیاں خاک پر ماریں۔ اور اپنے پورے ہاتھوں کو ملیں۔ یعنی کندھوں اور بغلوں تک۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱ھ۔ یعنی وضو کی طرح تکرار نہ کیا۔

۲ھ۔ یہ حدیث ابوجُہیم رضی اللہ عنہ سے تیمم کے لیے دو ضربوں میں نص ہے۔ اور اس سے فصل اول میں مذکور حدیث ایک ضرب پر ظاہر ہے۔ اور اس کی تاویل احتمالی معلوم ہو چکی ہے لیکن اس حدیث میں کندھوں اور بغلوں تک کا لفظ آیا ہے

شاید" صحابہ کی نگاہ اس پر پڑی کہ تیمم میں ہاتھ غایت کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ اور یہ کا لفظ پورے بازو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ان حضرات صحابہ نے اس چیز کو پیش نظر نہ رکھا کہ تیمم وضو کی فرع ہے۔ اور انہیں اس بارے میں حضور کے بیان کی اطلاع بھی نہ ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں ذراعیہ کا لفظ آیا ہے۔ مگر جمہور صحابہ نے اس امر کو سامنے رکھا کہ تیمم وضو کا خلیفہ اور اس کی فرع ہے کیونکہ شارع علیہ السلام سے اس حقیقت کی اطلاع ان کو ہو چکی تھی۔ تفاہم۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُوْنِ

غسل مسنون کا باب

معلوم ہونا چاہیے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب میں چار قسم کے غسل کا ذکر کیا ہے۔ جماع کے بعد غسل، میت کو غسل دینے کے بعد، سنگھی لگوانے کے بعد اور اسلام لانے کے بعد عیدین کے غسل کا ذکر نہ کیا باوجودیکہ ائمہ کے نزدیک یہ غسل مسنون یا مستحب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک غسل عیدین کے بارے میں کوئی حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ مؤلف علیہ الرحمۃ بھی باب عیدین میں کوئی حدیث نہیں لائے۔ جامع الاصول میں بھی اس باب میں کتب ستہ سے میں نے کوئی حدیث نہیں پائی۔ دوسری کتب میں بھی کوئی حدیث نہیں ملی۔ مگر دو حدیثیں ایک فاکہہ بن سعد کی دوسری زیاد بن عیاض کی۔ اور دونوں کے بارے میں محدثین نے کہا ہے کہ ضعیف ہیں شرح (عربی) میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جامع الاصول میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موطا کی حدیث میں سے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عید کے دن عید گاہ میں جانے سے پہلے غسل کیا۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں شدید ہونا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ غسل عید کے بارے میں ضرور کوئی صحیح حدیث آئی ہوگی۔ مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے روز عرفہ کے غسل کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کتب حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں آتا۔ فقہائے کرام نے احرام کے لیے بھی غسل کا ذکر کیا ہے۔ بے شک یہ غسل بالاتفاق سنت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ احرام کے لیے غسل کا ذکر مؤلف نے شاید اس لیے بیان نہیں کیا کہ اس کا ذکر اپنے مقام میں آ چکا ہے۔ لیکن غسل جمعہ کا ذکر باب الجمعۃ میں بھی کیا اور یہاں بھی کیا ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ غسل جمعہ میں اختلاف ہے۔ تمام ائمہ اس کی سنیت یا استحباب پر متفق ہیں۔

ماسوائے امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بھی کہ ان دونوں کے نزدیک یہ غسل واجب ہے کہ اس کا ذکر بصیغہ امر ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔ یعنی جو شخص جمعہ کے روز آئے اسے چاہیے کہ غسل کرے۔ ایک روایت میں لفظ واجب صراحتہً بھی آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا غسل الجمعة واجب على كل مسلم۔ یعنی جمعہ کا غسل ہر بالغ مسلم پر واجب ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وجوب سے اس کے استحباب میں تاکید و مبالغہ مراد ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث میں صرف وضو کے جواز کا ذکر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ان احادیث میں جو اس باب میں آئی ہیں سے معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۹۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ[1] کے لیے آئے تو وہ غسل کرے۔ (بخاری و مسلم)

[1] ۔ ہمارا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ غسل نمازِ جمعہ کی تعظیم کے لیے ہے۔ تاکہ اسی غسل کی طہارت کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرے۔ بعض نے کہا کہ جمعہ کے روز غسل جمعہ کے دن کی تکریم و تعظیم کے لیے ہے۔ اور لفظ احدکم کی نصب اور لفظ جمعہ کے رفع کی روایت اس قول کے مناسب ہے۔ اس وجہ پر عبارت کا معنٰی یوں ہوگا۔ جب آئے تم میں سے کسی کے لیے جمعہ۔

۴۹۳۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن غسل ہر بالغ[1] مسلمان پر واجب ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] ۔ ایک روایت میں علی کل مسلم کا لفظ آیا ہے۔ اس سے بھی بالغ مسلمان مراد ہے۔ کیونکہ بچے پر کوئی چیز واجب نہیں۔

۴۹۴۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَّغْسِلُ فِیْہِ رَاْسَہٗ وَجَسَدَہٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ غسل کرے ہر سات دن میں ایک[1] دن اس میں اپنا سر اور سارا جسم دھوئے

(بخاری ومسلم)

[1] کیونکہ سات دن کے اندر جسم پر میل چڑھ جاتی ہے۔ اور اس سے بدبو آنے لگتی ہے۔ اس عبارت میں جمعہ کے روز غسل واجب ہونے کے سبب کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۹۵ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَبِھَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت سمرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز وضو کیا تو یہ اچھا[2] اور نیک کام ہے[3] اور جس نے جمعہ کے دن غسل کیا تو یہ افضل کام ہے۔

(احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

[1] سمرہ بفتح سین ضم میم بن جندب مشہور صحابی ہیں۔ انصار کے حلیف تھے کوفہ میں رہائش اختیار کی بعض کہتے ہیں بصرہ میں سکونت اختیار کی اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ بصرہ کے حاکم اور والی بھی رہے آپ حافظ اور کثیر الحدیث تھے آپ سے امام حسن بصری اور ابن سیرین اور شعبی وغیرہم رحمہم اللہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

[2] تو اس خصلت وفعل سے اصل فضیلت وطہارت حاصل کرنی چاہیے یا اس لفظ کا معنی یہ ہے کہ بندے کے لیے مناسب ہے کہ اس فعل وضو کو اختیار کرے۔ کیونکہ یہ ادائے فرض کے لیے کافی ہے۔

[3] نعمت۔ یعنی یہ خصلت اپنی صفات میں اچھی اور نیک ہے۔ اگرچہ غسل کے مقابلہ میں کم درجہ رکھتی ہے۔

۴۹۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ

کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میت کو غسل دیا اسے چاہیے کہ غسل کرے[۱] اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور احمد ترمذی اور ابوداؤد نے یہ جملہ زیادہ کیا۔ وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ اور جس نے جنازہ اٹھایا اُسے چاہیے کہ وضو کرے[۲]۔

[۱]۔ طہارت ونظافت کے زیادہ اہتمام کے لیے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ میت کے جسم سے چھینٹا وغیرہ غسل دینے والے کے جسم پر پڑھ گیا ہو۔

[۲]۔ علماء نے کہا ہے میت کو اٹھانے سے مراد اس کے جسم کو چھونا ہے۔ یہ وجہ معنیٰ اول کے مناسب ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ جو شخص جنازہ اٹھائے اسے چاہیے کہ باوضو اٹھائے۔ تاکہ اس کے لیے نماز ادا کرنا بھی ممکن ہو جائے۔ اور یہ دوسرے معنیٰ کے مناسب ہے۔ بعض نے کہا جنازہ اٹھانا نیک کام ہے۔ اور نیک کام باطہارت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ بہرصورت جنازہ اٹھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا یونہی میت کو نہلانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ اکثر علماء کے نزدیک پسندیدہ اور مختار بات یہی ہے۔ اور جامع الاصول میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس نے ان کی وفات کے بعد انہیں غسل دیا۔ پھر آپ نے مہاجرین میں سے ان لوگوں سے دریافت کیا جو وہاں موجود تھے۔ کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور آج سخت سردی پڑھ رہی ہے۔ کیا میرے لیے غسل کرنا ضروری ہے؟ سب نے کہا آپ پر غسل واجب وضروری نہیں۔ موطا میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی تجہیز وتکفین کی پھر اسے اٹھایا۔ ان کے بعد باہر تشریف لائے۔ اور نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ ترمذی نے کہا۔ کہ اس باب میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن ہے اور کہا علماء کا اختلاف ہے۔ اس شخص کے بارے میں جو میت کو غسل دے۔ بعض نے کہا اس پر غسل واجب ہے اور بعض کے نزدیک اس پر وضو واجب ہے۔ بعض نے کہا غسل کر لینا مستحب ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ وضو کرے۔ اور حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ میت کو غسل دینے والے پر نہ غسل ہے نہ وضو۔

۴۹۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل کرتے تھے۔ جنابت سے، جمعہ کے دن، سنگی لگوانے سے۔ اور میت کو غسل

وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ۔ | دینے کے بعد۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

لہ۔ ان چار میں سے غسل جنابت تو فرض ہے اور جمعہ کے لیے سنت۔ اور سنگھی لگوانے اور میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ جنابت کے ساتھ ان تین چیزوں کو جمع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے لیے بھی غسل واجب ہو۔ جیسا کہ ہم نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔

یہاں یہ وضاحت کرنا مناسب ہے کہ اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس میت کو غسل دیا ہے اور اس کے بعد خود غسل فرمایا۔ بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ آپ اس غسل کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی میت کو ہرگز غسل نہیں دیا۔ بعض شروح میں صاحب ازھار سے منقول ہے کہ مفہوم اول عبارت کے زیادہ قریب ہے۔ اور صاحب ہادی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی میت کو غسل دیا ہے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ واللہ اعلم۔

۴۹۸ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت قیس لہ بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ اسلام لائے تو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں لہ سے غسل کریں۔ لہ

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

لہ۔ آپ صحابی ہیں اور ۹ھ میں بنی تمیم کے وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیکھا تو فرمایا هٰذَا سَيِّدُ اَهْلِ الْوَبَرِ۔ یہ خیموں میں رہنے والوں کے سردار ہیں۔ آپ نہایت عقلمند، حلیم، بڑے فیاض اور شریف انسان تھے۔ آپ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

لہ۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ جب کہ اسلام لانے والا جنبی ہو۔ ورنہ مستحب ہے۔ بیری کے پتوں کا استعمال اچھی طرح طہارت و نظافت کے لیے کیا۔

لہ۔ عبارت کے ظاہر معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام لانے کا ارادہ مراد ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد کے لفظوں میں آیا ہے کہ قال قیس بن عاصم اتیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اریدُ الاسلام فامرنی ان اغتسل یعنی حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا۔ تاہم علماء نے کہا ہے کہ صحیح ترتیب ہے کہ اسلام لانے والے شخص کو پہلے کلمہ شہادت پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے بعد اسے نہلایا جائے گا۔ آگے پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہانا واجب ہے یا مستحب۔ قول ثانی زیادہ صحیح ہے۔ نیز یہ بھی مستحب ہے کہ اسے کپڑے دھونے کا حکم دیا جائے۔ اس کے بال منڈائے جائیں اور اس کا ختنہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۹۔ عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ اِنَّ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهٗ اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَّمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُّقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ وَّعَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ اٰذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا

حضرت عکرمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اہل عراق سے کچھ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہا اے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کیا آپ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب جانتے ہیں۔ فرمایا نہیں میں واجب نہیں سمجھتا تاہم غسل کرنا زیادہ[2] طہارت کا موجب ہے۔ جو غسل کرے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ اور جو غسل نہ کرے تو اس پر واجب بھی نہیں[3]۔ اور میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں کہ جمعہ کے غسل کا آغاز کیسے ہوا۔ اکثر لوگوں کو محنت مشقت کرنا پڑتی تھی۔ اور لوگ صوف کے کپڑے[4] پہنتے تھے۔ اور انہیں اپنی پشتوں پر بوجھ اٹھانے کا کام کرنا پڑتا تھا۔ اور ان کی مسجد تنگ تھی۔ مسجد کی چھت بھی سروں کے قریب[5] ہوتی تھی۔ اور چھت گھاس پھوس کی بنی ہوئی[6] تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں باہر مسجد میں تشریف لائے لوگوں کو صوف کے کپڑوں میں پسینہ آیا ہوا تھا۔ ان کے جسموں سے ایسی بو پھیل رہی تھی جس سے ایک دوسرے کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بو محسوس ہوئی تو فرمایا اے لوگو جب یہ جمعہ کا دن ہو تو

يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَآءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِيْ كَانَ يُؤْذِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

غسل کر لیا کرو، اور اپنے جسموں کو تیل اور خوشبو لگا لیا کرو۔ ابن عباس نے کہا کہ پھر لوگوں کی مالی حالت بہتر ہوگئی۔ لوگوں نے صوف کے بجائے دوسرے کپڑے پہننا شروع کر دیے اور محنت مزدوری سے بھی کفایت مل گئی۔ ان کی مسجد بھی کشادہ ہوگئی، اور جو چیز انہیں ایک دوسرے کو تکلیف دیتی تھی (بو) وہ بھی جاتی رہی۔ (ابوداؤد)

۱؎۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہاء مکہ اور تابعین میں سے ہیں۔ قبائل بربر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے باقی حالات دوسری جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

۲؎۔ اَطْهَر تطہیر مصدر سے اسم تفضیل ہے۔ (حذف زوائد کے ساتھ) جیسا کہ نحاۃ کا مذہب ہے۔

۳؎۔ اور غسل نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔

ع؎۔ فقر و تنگ دستی کے باعث۔

۴؎۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد جس میں مسلمان نماز ادا کرتے تھے۔

۵؎۔ بعض نسخوں میں سُقُف کا لفظ آیا ہے یعنی سَقْف کی جمع، جمع کا صیغہ چھت کے اجزاء مراد لیتے ہوئے لایا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مسجد کی چھت سات ہاتھ کی بلندی پر تھی۔

۶؎۔ یعنی نہ تھی مسجد مگر اس جگہ کی طرح جو سایہ کے لیے کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنائی جاتی ہے۔ عریش اس چھپر کو بھی کہتے ہیں جو انگور کی بیل کے لیے بنایا جاتا ہے۔

۷؎۔ یعنی اس محنت مزدوری سے بھی ان کی جان چھوٹ گئی جو وہ معاش کے لیے کرتے تھے کہ مشقت کے بغیر ہی ان کے لیے ذرائع معاش کشادہ ہوگئے۔

۸؎۔ مسجد نبوی شریف کی سب سے پہلی توسیع سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں توسیع کی۔

۹؎۔ اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداءً مذکورہ علت کی بنا پر جمعہ کے روز نہانا ضروری تھا۔ بعد میں جب یہ علت و وجہ ختم ہوگئی تو نہانے کا وجوب بھی جاتا رہا۔ جس طرح علت کے عدم سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ ختم ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے ابتداء میں جمعہ کا غسل واجب تھا بعد میں وجوب منسوخ ہو گیا۔ تاہم نسخ کا قول نسخ کی تاریخ معلوم

ہوئے بغیر بعید ہے۔ بعض نے کہا جمعہ کا غسل کسی دور میں بھی واجب نہیں ہوا اور حدیث میں جو وجوب کا لفظ آیا ہے تو اس سے استحباب کی تاکید مراد ہے۔ اس توجیہ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا معنیٰ یہ ہوگا کہ مذکورہ علت کے باوجود جمعہ کا غسل ہمیشہ مستحب ہی رہا۔ فرق صرف یہ ہوا کہ ابتداء میں اس غسل کی تاکید تھی۔ جب اس کی وجہ باقی نہ رہی تو صرف استحباب باقی رہ گیا۔ مگر پہلی وجہ زیادہ قوی ہے۔ اور بعض شارحین نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْحَيْضِ

حیض کا باب

لہ۔ لغت میں حیض کا معنیٰ ہے بہنا۔ عرب کہتے ہیں حَاضَ الْوَادِیْ یعنی وادی بہ پڑی۔ جب کہ اس میں پانی بہ نکلے حوض بھی اسی سے بنا ہے۔ اصطلاح شرع میں حیض اس خون کا نام ہے جو بے علتِ ولادت عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے۔ اور جو خون بچے کی ولادت کے وقت خارج ہوتا ہے اُسے نفاس کہتے ہیں اور جو خون کسی بیماری کی وجہ سے رحم سے خارج ہو اسے خونِ استحاضہ کہتے ہیں۔ لفظ محیض بھی بمعنیٰ حیض آتا ہے۔ حیضہ بکسر حا بمعنیٰ حیض کے وقت عورت کی حالت۔ اور حَیضہ بمعنیٰ ایک بار حیض آنا۔ علماء نے کہا ہے کہ خونِ حیض پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ حمل میں یہ خون بچہ کی تربیت و پرورش کا ذریعہ اور حکمتِ الٰہی سے بچے کی غذا کا کام دیتا ہے۔ اسی وجہ سے زمانہ حمل میں عورت کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو جو خون رحم میں بچے کی غذا بنا تھا وہ خونِ نفاس کی صورت میں بوقت ولادت خارج ہوتا ہے۔ اس کے بعد خونِ حیض بچے کے لیے دودھ بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت کو حیض کم آتا ہے۔ اور جب عورت نہ حاملہ ہوتی اور نہ بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے تو وہ خون ہر ماہ حیض کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ اکثر یہی ہے کہ ہر ماہ چھ یا سات روز یا اس سے کم زیادہ آتا ہے۔ جیسے جیسے عورتوں کا مزاج تقاضا کرتا ہے اس کے مطابق آتا ہے۔ حیض کی ابتداء کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے۔ کہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے حیض کا خون بنی اسرائیل کی عورتوں کو شروع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مرد عورتیں مسجدوں میں نماز کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اور آپس میں خلط ملط کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کے لیے حیض کا عارضہ لاحق کر دیا اور عورتوں کو مسجدوں

میں آنے سے منع کر دیا۔ لفظ بنات آدم والی حدیث اور بنی اسرائیل والی اس حدیث میں مطابقت اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں بھی بنات آدم ہی ہیں کیونکہ بنات آدم سے آدم کی بلا واسطہ بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ محدث حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات روایت کی ہے کہ خونِ حیض کی ابتداء حضرت حوا سے جنت سے نیچے آنے کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۰۰ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ فِيْهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ فَسَاَلَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَّدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ فَجَاءَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَّعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا فَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِّنْ لَّبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِيْ اٰثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا یہود کا طریقہ تھا کہ جب ان میں عورت کو حیض شروع ہوتا تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے اور گھروں میں ان کے ساتھ جماع بھی نہ کرتے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں صحابہ کرام نے دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الٰی آخر الآیۃ۔ یعنی لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیں وہ ناپاکی اور تکلیف کے دن ہیں اس لیے اس حالت میں ان سے دور رہو حتی کہ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماع کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کرو۔ یہ بات یہود تک پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص تو ہمارے ساتھ ہر چیز میں مخالفت کرنا چاہتا ہے پھر حضرت اُسید اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہود اس طرح اس طرح کہہ رہے ہیں۔ لہذا ہم لوگ اس حالت میں عورتوں کے ساتھ میل جول نہ کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی حالت بدل گئی۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ حضور ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کہ تحت یہ دونوں صحابی اٹھ کر باہر نکلے کہ

عَلَيْهِمَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اتنے میں حضور کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ پیش ہوا۔ آپ نے ان دونوں صحابیوں کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا۔ وہ ان کو ساتھ لے کر آیا اور آپ نے ان دونوں کو دودھ[10] پلایا۔ اس سے ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہیں ہوئے۔ (مسلم)

[1] یعنی یہود کے رد میں۔

[2] یعنی ان کے جواب میں کہو کہ حیض میل اور پلیدی کی چیز ہے۔ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ اور عورت کے لیے تکلیف کی چیز ہے یعنی حالت حیض میں "ان کے قریب نہ جاؤ" کی تفسیر میں اس کی مراد بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

[3] یعنی جماع کے سوا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا میل جول سب کچھ کر سکتے ہو۔

[4] اُسَید بضم ہمزہ و فتح سین بن حُضَیر بضم حا مہملہ و فتح ضاد معجمہ۔

[5] عَبّاد بفتح سین و تشدید با موحدہ۔ بشر با موحدہ و سکون شین معجمہ کے ساتھ۔ یہ دونوں مشہور صحابی ہیں۔

[6] یعنی حالت حیض میں عورت کے قریب جانے کے نقصانات، اس کی خرابیاں، اس سے پیدا ہونے والی بیماریاں بیان کرتے اور ان سے میل جول رکھنے پر طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

[7] لہٰذا ہم لوگ بھی اس حالت میں ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور میل جول نہ کریں گے۔ بعض نسخوں میں اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ استفہامیہ صورت میں آیا ہے یعنی کیا ہم ان سے مجامعت نہ کریں۔ اور بعض نسخوں میں فَلَا تُجَامِعْهُنَّ بصیغہ نہی مخاطب آیا ہے یعنی اے مخاطب ان سے مجامعت نہ کر۔

[8] یعنی جن دو صحابیوں نے یہ کلمہ کہا اور سوء ادب کے مرتکب ہوئے۔

[9] یعنی ان دونوں کے سامنے ایک شخص آیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ پیش کیا۔

[10] تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و مہربانی کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اور ان کی بے خبری دیئے علمی علم و دانش سے تبدیل ہو جائے کہ دودھ اس کو ظاہر کرتا ہے۔

۵۰۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّكِلَانَا جُنُبٌ وَّكَانَ يَاْمُرُنِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن[1] سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور آپ مجھے تہبند باندھنے کا حکم دیتے

فَاتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

میں تہہ بند باندھ لیتی پھر آپ اپنا جسم میرے جسم سے لگاتے حالانکہ مجھے حیض آرہا ہوتا تھا۔ اور آپ اپنا سر مبارک میری طرف باہر نکالتے درانحالیکہ آپ اعتکاف میں ہوتے۔ تو میں آپ کا سر مبارک دھوتی۔ حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ اس کی شرح باب مخالطۃ الجُنُب میں گزر چکی ہے۔

۲۔ فاتزر۔ یعنی یہ کہ نیچے کے حصہ پر تہہ بند باندھوں۔ تو آپ کے فرمان کے مطابق میں باندھ لیتی۔ اتزر بتائے مشددہ قاعدہ صرف کے مطابق ہمزہ تا سے پہلے ہونا چاہیے۔ اور اس کی تحقیق شرح میں کر دی گئی ہے۔

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تہہ بند کے نیچے حصہ بدن سے نفع اٹھانا حرام ہے اور تہہ بند کی حد فقہاء کے نزدیک ناف سے زانو تک ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ دوسری احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت سے جماع کے علاوہ ہر قسم کا نفع جائز ہے۔ یہی امام احمد امام ابو یوسف، امام محمد اور بعض شوافع رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ گویا آپ نے آخر الامر جماع کے علاوہ ہر قسم کے نفع کی اجازت دے دی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول میں احتیاط و پرہیز پایا جاتا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا اس مسئلہ میں شافعیہ کے تین مذہب ہیں۔ صحیح تر مذہب یہ ہے کہ حرام ہے دوم یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے ان کا مختار مذہب یہی ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر انسان ضبط نفس، اپنے اوپر اعتماد یا ضعف شہوت یا قوت تقویٰ کے سبب جماع سے بچ سکتا ہے۔ تو اس کے لیے زیر ناف اور زانو کے اوپر کے حصے سے بھی نفع اٹھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔

۴۔ یعنی مسجد سے میری طرف اور میں گھر میں ہوتی تھی۔

۵۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا اپنے جسم کے کچھ حصے کو مسجد سے باہر نکالنا جائز ہے نیز حائضہ عورت کے جسم سے معتکف کے جسم کے کسی حصے کا لگ جانا درست ہے۔

۵۰۲ وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ

انہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں ایک برتن سے منہ لگا کر پانی پیتی۱۔ حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ پھر میں وہ برتن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تو آپ اس برتن سے اس جگہ منہ رکھ کر پانی پیتے جہاں میرا منہ لگا ہوتا تھا اور میں ہڈی سے گوشت

ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کھاتی تھی حالانکہ مجھے حیض آ رہا ہوتا تھا پھر میں وہ ہڈی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی۔ تو آپ اس ہڈی پر وہیں منہ رکھتے جہاں[۳] میں نے رکھا ہوتا تھا۔ (مسلم)

[۱]۔ کوزے یا پیالے سے۔

[۲]۔ عرق بفتح عین وسکون را بمعنیٰ وہ ہڈی جس پر گوشت ہو۔ اور وہ ہڈی جس پر سے گوشت کھا لیا گیا ہو۔

[۳]۔ صرف منہ رکھنے کا ذکر فرمایا حضور علیہ السلام کے کھانے کا ذکر نہ فرمایا۔ گویا آپ کا مقصود ہی یہ تھا کہ محبوب کے منہ رکھنے کا ذکر کریں۔ نہ کہ گوشت کھانے کا کیونکہ بعض دفعہ ہڈی پہ گوشت ہی نہیں ہوتا۔ بخلاف پانی کے کہ وہ آپ پینے کے لیے برتن میں آپ کے لیے چھوڑ دیتی تھیں۔

۵۰۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

انہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود[۱] میں تکیہ لگاتے تھے حالانکہ مجھے حیض آ رہا ہوتا تھا پھر آپ اسی حالت میں قرآن پاک پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

[۱]۔ حجر حا کے فتح اور کسر کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے۔

۵۰۴ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسجد سے مصلا[۱] اٹھا کر دے۔ میں نے عرض کیا مجھے تو حیض آ رہا ہے۔ فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم)

[۱]۔ خمرہ بضم خائے معجمہ وسکون میم مدر بمعنیٰ وہ چھوٹا مصلا جس پر صرف ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور مسجد سے اٹھانے کی کیفیت وصورت یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسجد سے باہر کھڑی ہوئیں اور ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلا اٹھا لیا۔

۵۰۵ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پشم کی ایک کشادہ گودڑی[۱] میں نماز ادا کرتے تھے اس کا کچھ حصہ میرے اوپر ہوتا تھا اور کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالانکہ مجھے حیض آیا ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ مرط بکسر میم و سکون را بمعنی پشم یا کمدر کی لمبی اور کشادہ گودڑی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ حائضہ عورت کے تمام اعضاء پاک ہوتے ہیں ورنہ اس کپڑے میں نماز جائز نہیں ہوتی جس کا کچھ حصہ نمازی پر ہو اور کچھ نجاست پر ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۵۰۶ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِامْرَاَۃً فِیْ دُبُرِھَا اَوْکَاھِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَتِھِمَا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَانَعْرِفُ ھٰذَا الْحَدِیْثَ اِلَّا مِنْ حَکِیْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغرض مجامعت حیض والی عورت کے پاس آئے یا اور عورت[۱] کے پاس آئے کہ اس کی جائے پاخانہ میں جماع کرے یا کاہن[۲] کے پاس آئے تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین کا انکار کیا۔ اسے ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ و دارمی کی روایت میں ہے پس اس نے اس کے قول کو سچا جانا[۳] تو وہ کافر[۴] ہو گیا۔ ترمذی نے کہا ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر حکیم الاثرم[۵] سے ابی تمیمہ سے ابی ہریرۃ سے۔

۱؎ یعنی آزاد عورت ہو یا لونڈی۔

۲؎ نجومی کاہن کے حکم میں ہے یعنی جو کاہن یا نجومی کے پاس پوچھنے کے لیے آیا۔ کاہن کے معنی کی تحقیق کتاب طب ورقی کے باب الکہانۃ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳؎ یعنی جو کچھ اس کاہن یا نجومی نے کہا وہ اسے سچ جانے۔ اور یہ اعتقاد کرے کہ سچ کہہ رہا ہے۔

۴؎ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کاہن و نجومی کے پاس آنے کو حلال اور جائز جانے تو پھر کفر اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول ہو گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کفر سے کفران نعمت (ناشکری) مراد ہو گی۔ بہرحال اس عبارت سے مقصود ان برے کاموں کا مرتکب ہونے سے سختی سے ڈانٹنا اور منع کرنا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے شرح کتاب میں کہا عورت کی جائے پاخانہ میں جماع کرنے سے کافر نہ ہو گا۔ چاہے وہ اس کی منکوحہ بیوی ہو یا لونڈی۔ بلکہ کفر سے کفران نعمت مراد ہو گا۔ کیونکہ اگرچہ اس فعل شنیع کی ممانعت بالکل مشہور بات ہے۔ تاہم اس فعل کے حرام ہونے پر اجماع نہیں ہے۔ جیسے جائے کہ اسے ضروریات دین سے قرار دیا جائے۔ اور ایسی غیر اجماعی چیز کو حلال سمجھنے سے انسان کافر نہیں ہوتا پھر یہ

حدیث بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اس بیان کے مطابق اجنبی عورت کی جائے پاخانہ میں جماع کرنا شنیع تر، سخت تر اور بدتر ہوگا۔ مگر لڑکوں کے ساتھ ایسا فعل کرنا نہایت ہی شنیع اور بُرا ہے۔ کہ اس فعل کو حلال جاننا بلاشبہ موجب کفر ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی خباثت نہیں ہے۔

۵ھ۔ ترمذی نے اس حدیث کا ضعف بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس حدیث کو حکیم الاثرم کی روایت کے سوا نہیں جانتے۔ اس نے یہ حدیث ابو تمیمہ سے اور اس نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا اس حدیث کا معنیٰ دراصل ان افعال کی مذمت کرنا ہے۔ اور ترمذی نے یہ بھی کہا کہ اس حدیث کو بخاری نے اس کے اسناد کی وجہ سے ضعیف کہا اور ابو تمیمہ الہجیمی کا نام طریف بن مجالد ہے۔ انتہیٰ۔ اور تقریب میں کہا یہ حدیث حکیم اثرم بصری سے مروی ہے۔ اس شخص میں لین (کمزوری) پائی جاتی ہے۔ یہ شخص طبقہ سادسہ میں شمار ہوتا ہے۔ میزان الاعتدال میں کہا۔ لیس بہ بأس اس ابو تمیمہ میں کوئی خدشے کی بات نہیں ہے۔ کاشف میں کہا طریف بن مجالد نے اس کی توثیق کی ہے ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ تہذیب میں کہا کہ یحییٰ بن معین نے کہا ابو تمیمہ ثقہ ہے۔ اور عجلی نے کہا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ثقہ ہے۔

۵۰۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ أَفْضَلُ۔ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میرے لیے میری عورت سے کیا چیز حلال ہے جبکہ وہ حالت حیض میں ہو۔ فرمایا تہبند سے اوپر سب حلال ہے اور اس سے بھی بچنا بہت فضیلت[1] کی چیز ہے اسے رزین نے روایت کیا اور امام محی السنۃ نے کہا اس کا اسناد قوی نہیں۔

لہ۔ یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب مہذب کی تائید کرتی ہے۔

۵۰۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا

لہ۔ اس خدشہ کی بنا پر کہ اس حالت میں جماع ہی نہ کر بیٹھے۔ جو صریحاً حرام ہے اور حضور علیہ السلام اس خطرے سے محفوظ تھے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کر لیا وہ نصف[1] دینار صدقہ کرے۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

[1] یہ ہمارے ملک ہندوستان کے مطابق ایک روپیہ اور اس کا آٹھواں حصہ بنتا ہے۔ بعض نے ایک دینار کہا ہے بعض نے کہا ایک گردن آزاد کرے۔ علماء نے یہ بھی کہا ابتداء خون کے وقت جماع کرنے پر ایک دینار، خون کے آخری ایام میں نصف دینار۔ یا دورانِ خون میں پورا دینار، اور بند ہونے پر غسل سے قبل نصف دینار صدقہ کرے۔ اور بعض نے گردن آزاد کرنا کہا۔ علامہ طیبی نے کہا اکثر اس پر ہیں کہ اس کا کفارہ استغفار ہے اور بس۔ امام شافعی اور اصحاب ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر ہیں۔

۵۰۹۔ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِيْنَارٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر حالت حیض میں اس وقت جماع کیا جب کہ خون کا رنگ زرد تھا تو نصف دینار صدقہ کرے (ترمذی)

[1] یہ اس قول کے موافق ہے جو بعض سے منقول ہے کہ ابتدائے خون کے وقت ایک دینار اور آخر کے وقت نصف دینار صدقہ کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آغاز حیض کے وقت خون کا رنگ زرد ہو۔ کہا گیا ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنے پر کفارے کا مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بعض اہلِ علم کا قول ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں اپنے رب سے استغفار کرے۔ اس پر کفارہ وغیرہ کچھ نہیں۔ بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابراہیم نخعی انہیں میں سے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۰۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ

حضرت زید بن[1] اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میری عورت سے میرے لیے کیا چیز حلال ہے جب کہ وہ حالت

حَائِضٌ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَشُدُّ عَلَیْھَا اِزَارَھَا ثُمَّ شَأْنُكَ بِاَعْلَاھَا رَوَاہُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا۔

حیض میں ہو۔ آپ نے اسے فرمایا اس کا تہ بند خوب مضبوطی سے باندھ دے پھر اس کے اوپر کے حصے کے ساتھ جو چاہے کر۔ اسے مالک اور دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

لہ ۔ آپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اکابر تابعین سے ہیں۔ امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتے۔ اور ان سے حدیث سنتے۔ ان کے باقی حالات دوسری جگہ مذکور ہو گئے ہیں۔ یہ حدیث میں ارسال کرتے تھے۔

۲ۂ ۔ یعنی تہ بند سے اوپر سب مباح ہے۔ اور تہ بند کے نیچے جو کچھ ہے حرام ہے۔ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

۵۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَی الْحَصِیْرِ فَلَمْ نَقْرُبْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَدْنُ مِنْہُ حَتّٰی نَطْھُرَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب مجھے حیض شروع ہوتا تو میں بستر سے چٹائی پر اتر آتی اور ہم (بیویاں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہ جاتیں اور پاک ہونے تک آپ کے قریب نہ جاتیں لہ۔ (ابوداؤد)

لہ ۔ اس حدیث کا ظاہر معنیٰ بعض ان احادیث کے منافی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حالت حیض میں میل جول پر دلالت کرتی ہیں۔ محدثین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے ادب و احترام کی کیفیت کا بیان ہے۔ کہ وہ خود آپ سے ملنے جلنے اور آپ کے ساتھ لیٹنے کی جرأت نہ کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ خود ان کو اپنے پاس طلب فرماتے تو وہ آپ کے پاس جاتیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث مباشرت و مخالطت کی احادیث سے منسوخ ہے۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ نقرب اکثر نسخوں میں نون کے ساتھ آیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے تقریر کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ابوداؤد کے تمام اصلی نسخوں میں نون کے ساتھ ہے۔ بعض نے فَلَمْ یَقْرُبْ یا کے ساتھ بھی روایت کیا ہے یعنی حضور علیہ السلام ان کے نزدیک نہ آتے تھے۔ یا یہ لفظ قربان بمعنی جماع سے مشتق ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

استحاضہ والی عورت کا باب

مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جسے خون آتا ہو۔ مگر حیض اور نفاس کا خون نہ ہو بلکہ ایک رگ سے آتا ہو جسے عاذل کہتے ہیں۔ اور جو الفاظ بھی لفظ استحاضہ سے مشتق ہیں مجہول استعمال ہوتے ہیں۔ بعض اور الفاظ بھی ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ مجہول ہی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے جنون سے جُن۔ اغماء سے اُغمی۔ ان کا یہ استعمال سماعی ہے مستحاضہ عورت کا حکم معذور کا حکم ہے۔ جیسے سلس البول والوں اور دوسرے معذور لوگوں کا حکم ہے۔ مستحاضہ عورت کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ نماز پڑھے، روزہ رکھے۔ اس کے ساتھ جماع کرنا حرام نہیں۔ اس کے احکام کی تفصیل احادیث میں آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۱۳ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اِمْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّ لَیْسَ بِحَیْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَیْضَتُكِ فَدَعِی الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّیْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں فاطمہ بنت حبیش[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے خون استحاضہ آتا ہے۔ میں پاک نہیں رہتی[2] تو کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا نہ وہ ایک رگ کا خون ہے حیض کا خون نہیں ہے۔ جب حیض کے دن ہوں تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض کے دن گزر جائیں تو اپنے اوپر سے خون دھو اور نماز ادا کر۔

(بخاری و مسلم)

لہ حبیش بضم حائے مہملہ و فتح بائے موحدہ و سکون یائے تحتانیہ اور شین معجمہ کے ساتھ۔

کہ۔ کہ مجھے ہمیشہ یہ خون جاری رہتا ہے۔ اور میں کسی وقت پاک نہیں ہوتی۔

سے۔ کہ وہ رگوں میں سے ایک رگ کا خون ہے حیض کا خون نہیں جو رحم سے آتا ہے۔ اور حیض میں چونکہ ہر ماہ میں کچھ دن صرف ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ حرج اور مشقت کے پیشِ نظر نماز و روزہ معاف ہے۔ اور چونکہ نماز قضا کرنے میں مشقت و حرج ہے۔ روزہ قضا کرنے میں مشقت نہیں اس لیے روزہ قضا کرے نماز قضا نہ کرے۔ اس کے بعد اپنے قول مبارک سے استحاضہ کا حکم بیان فرمایا۔

سے۔ اور خون حیض میں عورت کی عادت مقرر ہو تو پھر وہی عادت کے ایام اس کے حیض کے دن ہوں گے۔ اور اگر اسے پہلی بار حیض آنا شروع ہوا ہے تو پھر اس کے حیض کی انتہائی مدت دس دن ہے۔ یہ ہمارے مذہب میں ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مبتدیہ (جسے ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو) میں پہچان دین سے کام لیں گے۔ اور خون گاڑھا اور سیاہ ہو تو وہ حیض ہے۔ اگر اس طرح نہ ہو تو استحاضہ ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ اور جب کہ پہچان دین ایک مشکل امر ہے تو اکثر مدت حیض کو ترجیح دی گئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے حیض میں اس کی عادت معلوم و مقرر تھی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۵۱۳ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَیْشٍ اَنَّھَا کَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ دَمُ الْحَیْضِ فَاِنَّہٗ دَمٌ اَسْوَدُ یُعْرَفُ فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ فَاَمْسِکِیْ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَاِذَا کَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ فَاِنَّمَا ھُوَ عِرْقٌ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت عروہ[1] بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فاطمہ بنت حبیش سے روایت کرتے ہیں کہ اس عورت کو استحاضہ کا مرض تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا جب حیض کا خون ہو تو وہ سیاہ[2] ہوتا ہے جس کی پہچان ہو جاتی ہے۔ جب یہ خون آ رہا ہو تو نماز سے رُک جایا کر۔ اور جب دوسرا خون ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ[3] لیا کر۔ کہ وہ ایک رگ کا خون ہے۔ رحم کا خون نہیں جو حیض کہلاتا ہے۔ ابوداؤد و نسائی۔

لہ۔ آپ بلند مرتبہ تابعی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر کے بھائی اور حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

سے۔ یعنی غالب و اکثر یہ ہے کہ خون حیض سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔

سے۔ جیسا کہ معذور کے لیے شرع کا حکم ہے۔

۵۱۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بہت زیادہ خون استحاضہ آتا تھا۔ اس کے لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ مہینے کے ان دنوں اور راتوں کے شمار کا خیال رکھے جن میں اسے مرض استحاضہ لاحق ہونے سے پہلے حیض آیا کرتا تھا۔ چاہیئے کہ اتنے دن اور راتیں نماز ترک کر دے اور جب وہ عرصہ گزر جائے تو غسل کرے پھر شرمگاہ پر ٹاکی باندھے اور نماز پڑھے۔

اسے مالک، ابوداؤد، دارمی نے روایت کیا اور نسائی نے دوسرے لفظوں کے ساتھ روایت کیا۔

لہ تُهَرَاقُ بضم تا و فتح را۔ اس لفظ کی تحقیق شرح (عربی) میں کر دی گئی ہے۔

لہ لِتَسْتَثْفِرْ یہ لفظ ثفر سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے وہ ٹاکی یا گدی جو خون روکنے کے لیے عورت اپنی شرمگاہ پر باندھتی ہے۔

سے ۳۔ اور ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جیسا کہ معذور کے لیے حکم ہے اور مستحاضہ عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا۔ اس میں اعتکاف کرنا اور مسجد الحرام کا طواف وغیرہ کرنا جائز ہے۔

۵۱۵ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اِسْمُهٗ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّاُ عِنْدَ كُلِّ

عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں جن میں اسے حیض آیا کرتا تھا، نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے اور روزے رکھے اور

صَلٰوۃً وَتَصُوْمُ وَتُصَلِّیْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

نماز پڑھے۔
ترمذی وابوداؤد۔

لہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے عدی کے دادا کے نام کی تعیین کرتے ہوئے کہا اس کا نام دینار ہے۔ اور عدی بن ثابت تابعی ثقہ ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا۔ کوفہ میں شیعہ کی مسجد کا امام اور ان کا واعظ تھا۔ ابن معین نے کہا حد سے بڑھا ہوا شیعہ ہے۔ دارقطنی نے کہا غالی رافضی ہے۔ مگر ثقہ اور صدوق ہے۔ ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔

۵۱۷ وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيْهِ وَاُخْبِرُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ فِيْ بَيْتِ اُخْتِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلٰوةَ وَالصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهٗ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِيْ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيَّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَاَ عَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَاَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِّنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطٰنِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتِ اَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَاْتِ

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں مجھے بہت زیادہ اور شدید استحاضہ آتا تھا۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا فتویٰ دریافت کرنے اور آپ کو خبر دینے کے لیے آئی۔ میں نے آپ کو اپنی ہمشیرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر پایا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو بہت اور شدید استحاضہ آتا ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اس نے تو مجھے نماز روزے سے روک دیا ہے۔ فرمایا اس کے لیے میں تجھے روئی کی گدی بتاتا ہوں۔ وہ خون کو روک رکھے گی۔ حمنہ نے کہا وہ اس سے زیادہ ہے۔ فرمایا شرمگاہ پر کپڑے کی لگام باندھ۔ حمنہ نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ تو مجھ سے زوردار بارش کی طرح خارج ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کے لیے ابھی تجھے دو چیزیں بتاتا ہوں۔ ان میں سے جو کرے گی وہ دوسری کے لیے کفایت کرے گی۔ اور اگر دونوں کرے تو تو بہتر جانتی ہے اور اس سے فرمایا بیشک یہ شیطانی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف ہے تجھے اللہ کے علم کے مطابق چھ یا سات دن حیض کے شمار کرنے چاہئیں۔ پھر غسل کر یہاں تک کہ جب تو دیکھے کہ تو پاک اور خوب

فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُومِي فَإِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَإِنْ قَوِيتِ عَلٰى أَنْ تُؤَخِّرِينَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِينَ الْعَصْرَ وَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فَافْعَلِي وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي وَصُومِي إِنْ قَدَرْتِ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

صاف ستھری ہو گئی ہے تو پھر تیئیس یا چوبیس رات نماز پڑھ ان کے دنوں سمیت۔ اور روزے رکھ۔ بیشک یہ تیرے لیے کفایت کرے گا۔ اور اسی طرح ہر مہینے کیا کر جس طرح حیض اور طہر کے دنوں میں عورتیں حیض کے دن گزارتی اور پھر پاک ہوتی ہیں اور استحاضہ کے ایام میں اگر تجھ میں طاقت و ہمت ہو کہ نماز ظہر کو مؤخر کرے اور عصر میں جلدی کرے۔ پھر غسل کرے اور ظہر و عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔ اسی طرح مغرب کو مؤخر کرے اور عشاء میں جلدی کرے۔ پھر غسل کر کے دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے تو ایسا کرے۔ اور اگر تجھے طاقت ہو کہ فجر کی نماز کے لیے غسل کرے تو ایسا کرے۔ اور روزے رکھ اگر تجھے ہمت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دونوں عمل سے یہ کام زیادہ اچھا ہے۔

احمد، ابوداؤد، ترمذی۔

۱؎ ۔ جحش جیم مفتوحہ کی تقدیم اور حائے مہملہ ساکنہ کے ساتھ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جب وہ (جنگ احد میں) شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

ع؎ ۔ حمنہ حائے مہملہ کے فتح اور سکون میم کے ساتھ

۲؎ ۔ کرسف روئی کا ٹکڑا بضم کاف و سین جس سے تو اپنی شرمگاہ کو پُر کرے۔

۳؎ ۔ کہ وہ شرمگاہ کے باہر کے حصہ تک خون کے آنے کو روکتا ہے۔ اور جب تک کہ فرج ظاہر تک خون نہ پہنچے حیض اور استحاضہ کا حکم جاری نہیں ہوتا۔

۴؎ ۔ یعنی یہ علت و بیماری جو تجھے لاحق ہے یا یہ خبط و حیرت جس میں تو مبتلا ہے، نہیں ہے مگر شیطان کے فساد برپا کرنے اور اس کے ضرر و تکلیف پہنچانے اور اس کی تلبیس و گڑبڑ کرنے کے باعث۔ تاکہ وہ تیرے دین، تیری طہارت و نماز میں خلل اندازی کرے۔ رکض کا اصل معنی ہے کسی کو پاؤں سے ٹھوکر مارنا اور ایڑی لگا کر گھوڑے

کو دوڑانے پر آمادہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسان کے بدن میں تصرف کرنے کی ایسی طاقت دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کو کئی بدنی بیماریوں میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دو چیزیں بیان فرمائیں۔

۵ے یعنی چھ یا سات دن حیض کے احکام کا التزام کر کہ جماع، نماز، روزہ سے دور رہ اپنی عادت کے مطابق جو تیری پہلے سے تھی۔ اس بارے میں ان عورتوں سے موافقت کر جو عمر، رشتے اور رہائش میں تیری طرح اور تیرے ساتھ شریک ہیں۔ یا ستۃ ایام او سبعۃ ایام میں لفظ او کا مطلب ہے کہ آپ نے اسے دو عددوں میں سے کسی ایک عدد کے اختیار کرنے کی اجازت دی۔ کیونکہ یہ دو عدد ہی عادت کے لحاظ سے عورتوں میں غالب و مشہور ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ او شک کے لیے ہو۔ اور حضور علیہ السلام نے ان دو عددوں میں سے ایک کا ذکر کیا ہو۔ اور یہ جو فرمایا فی علم اللہ یعنی اللہ کے علم میں۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان عددوں میں سے ایک عدد کی جانب تیرا رجوع کرنا اس میں شامل اور درج ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے تجھے بتلایا ہے یا اس میں داخل ہے جو اس نے لوگوں کو بتلایا اور ان کے لیے شرع قرار دیا ہے۔ اور اگر لفظ او شک کے لیے ہو تو پھر یہ راوی کا قول کا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ کا عدد بیان کیا یا سات کا۔

۶ے یعنی ایام مذکورہ کے گزر جانے سے تجھے پاک ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

۷ے تیئیس دن رات نمازیں ادا کر جب کہ تو حیض کے سات دن شمار کرے۔

۸ے چوبیس دن رات اگر حیض کے چھ دن شمار کرے۔

۹ے یعنی اسی طرح ہر ماہ چھ یا سات دن اپنے آپ کو حائضہ شمار کر اور اپنے اوپر حیض کے احکام جاری کر پھر تیئیس یا چوبیس دن نماز روزہ کر۔

۱۰ے یعنی پھر آپ نے وان قویت کے الفاظ سے دوسری چیز بیان فرمائی جس کا اسے اختیار دیا تھا۔

۱۱ے نماز ظہر و مغرب کے موخر کرنے کا آپ نے اسے جو حکم دیا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا وقت گزرنے کے بعد ان کو ادا کرے یعنی ظہر کو وقت عصر میں اور مغرب کو وقت عشاء میں ادا کرے جس طرح مسافر امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کے مطابق جمع تاخیر کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت تک جو عصر کے وقت سے متصل ہے موخر کرے اور مغرب کو اس کے آخر وقت تک جو عشاء سے متصل ہے موخر کرے یہ دوسرا احتمال حنیفہ کی تاویل کے مطابق ہے۔ اسے جمع صوری کہتے ہیں۔

جیساکہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں اس کی تصریح کی ہے۔ آگے آنے والی حدیث کا ظاہر ترجمہ بھی حنفیہ کی تاویل کے مطابق ہے تو احتمال ثانی کا خلاصہ یہ ہوا کہ مستحاضہ عورت ہر روز تین بار غسل کرے ایک ظہر وعصر کے لیے، دوسرا مغرب وعشاء کے لیے اور تیسرا نماز فجر کے لیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے غسل کرے۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول وان قویت علی ان تؤخرین الظھر الی آخرہ میں اس جانب اشارہ کیا۔ کیونکہ اس عبارت سے اس کے لیے نماز کے وقت وضو کرنے سے عاجز ہونا سمجھ آتا ہے اور یہ امیر المؤمنین حضرت علی حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابن زبیر اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب ہے طیبی نے کہا یہ مذہب فقہ کے زیادہ مشابہ اور زیادہ لائق ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ایک غسل کے ساتھ دو نمازیں جمع کرنے کا ہے اور یہ مذہب اس حدیث کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہر نماز کے وقت غسل کرنے کی نسبت زیادہ آسانی اور سہولت ہے۔ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا اعجب الامرین الی۔ یعنی یہ غسل (دو نمازوں کے لیے ایک غسل) دوسرے امر (ہر نماز کے لیے غسل) کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جس چیز میں امت کے لیے آسانی اور سہولت ہوتی تھی آپ اسے اختیار کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ مَا خُيِّرَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان کام کو اختیار کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۱ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِيْ حُبَيْشٍ اسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطٰنِ لِتَجْلِسْ فِيْ مِرْكَنٍ فَإِذَا رَأَتْ صُفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یارسول اللہ بے شک فاطمہ بنت ابی حبیش کو اتنے عرصہ (مدت دراز) سے خون استحاضہ آرہا ہے۔ اس عارضے کے باعث اس نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے بطور تعجب فرمایا سبحان اللہ۔ یہ (بیماری) شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ شیطان کی ضرر رسانیوں میں سے ضرر پہنچانے والی ایک چیز ہے۔ اسے چاہیے کہ پانی سے بھرے

لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَتَغْتَسِلُ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَتَوَضَّأُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ قَالَ رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ۔

ہوئے ایک بڑے ٹب میں بیٹھے۔ جب پانی کے اوپر زردی دیکھے تو نماز ظہر و عصر کے لیے ایک غسل کرے۔ اور مغرب و عشا کے لیے ایک غسل کرے۔ اور نماز فجر کے لیے ایک غسل کرے۔ اور ان غسلوں کے درمیان وضو کرے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور کہا مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب اس عورت کے لیے ہر نماز کے لیے غسل کرنا دشوار ہو گیا تو آپ نے اسے دو نمازوں کے اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔

لہ عُمَیْس بضم عین و فتح میم۔ آپ اسماء بنت عمیس صحابیہ ہیں۔ نہایت خوبصورت عقلمند اور نیک و صالح خاتون تھیں۔ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان سے حضرت جعفر کے ہاں حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت محمد و عون رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ جب حضرت جعفر شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو اپنے نکاح میں لائے۔ ان سے آپ کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے تو ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا اور جملہ اہل بیت کے خادمین، محبین اور مخلصین میں سے تھیں۔ ان سے صحابہ کرام کی ایک جماعت جیسے عمر بن الخطاب، عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

لہ مِرْکَن بکسر میم و سکون راء و فتح کاف یعنی بڑا ٹب جس میں غسل کے لیے پانی رکھا جاتا ہے۔

لہ یہ آخر وقت ظہر کی علامت ہے۔ کیونکہ ظہر کے آخر وقت میں سورج کی شعاع کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے بلکہ ابتدائے وقت زوال سے ہی اس کے رنگ میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ظاہراً محسوس نہیں ہوتی تاہم آخر وقت ظہر کی زردی وہ زردی نہیں جو آخر وقت عصر میں رونما ہوتی ہے۔ اور جس میں اس دن کی نماز عصر ادا کرنا مکروہ ہوتا ہے یہاں مقصود یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت ہو جائے۔

لہ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا۔

لہ یعنی ظہر و عصر کے لیے غسل کی صورت میں اور مغرب و عشاء کے لیے غسل کی صورت میں اس کی جگہ وضو کرے۔

یشیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں ایسا ہی کہا ہے۔ حواشی میں لکھا ہے کہ اس وضوء سے ان نوافل کے لیے وضوء مراد ہے جو ان اوقات کے درمیان ادا کیے جائیں۔ یعنی اگر یہ عورت چاہے تو وضو کر کے نفل ادا کرے۔

۵ے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک غسل کے ساتھ دو نمازیں اکٹھی ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے کتاب الطہارۃ تمام ہوئی۔ والحمد للہ مؤلف رحمۃ اللہ نے اس کے متصل بعد کتاب الصلوٰۃ کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگاہ فیض و عنایت سے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ کی جلد اوّل اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بندہ ناچیز کے سہو و نسیان اور خطاء و زلل سے درگزر فرمائے۔ نیز صحیح و مقبول ترجمہ و مطالب بیان کرنے کی توفیق اور اس کام کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔ اور اسے مسلمانوں کے لیے نافع اور مترجم غفرلہ کے لیے ذریعۂ نجات و ذخیرۂ آخرت بنائے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اس میں کوئی غلطی دیکھیں تو مترجم غفرلہ کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اس کی درستی کی جائے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ الطیبین واصحابہ الطاھرین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہ

خطیب و امام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

پاکستان

۲۴ ربیع الاوّل شریف ۱۴۰۱ھ / ۲ فروری ۱۹۸۱ء بروز پیر

کاتب: محمد داؤد خوش نویس حضرت کیلیانوالہ، ضلع گوجرانوالہ

قطعۂ تاریخ طباعت

اشعۃ اللمعات مترجم اردو

نتیجۂ فکر :-

جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیرِ اعلیٰ مہر و ماہ لاہور و رکن پاکستان سُنی رائٹرز گلڈ (رجسٹرڈ)

ہے "اشعۂ لمعات" وہ اک مرقع
کہ ہر حرف جس کا دُرِ بے بہا ہے

مصنف ہیں شیخ عبدِ حق اس کے الحق
کہوں کیا کہ یہ مشعلِ حق نما ہے

مترجم جناب سعید اس کے ہیں کیا
ہر اک اہلِ ایمان کا یہ مدّعا ہے

گہرہائے علم و حِکم کا یہ مخزن
تجلائے انوارِ رُشد و ہُدیٰ ہے

ضرورت تھی اس دورِ ابتر میں اس کی
ہوا بابِ علمِ حدیث آج وا ہے

فدا کہدے بے رُوئے انکار اس کا
سنِ طبع "لمعاتِ نورِ خدا" ہے

۱۴۰۱ھ